یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان





۷۸۶
۱۱۰_۹۲
یا صاحب الزماں ادرکنیؑ

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

تاریخ المسعودی

شہرۂ آفاق عربی کتاب

مروج الذہب و معادن الجواہر

کا اردو ترجمہ

امام المورخین ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی

نفیس اکیڈمی
اردو بازار - کراچی

تاریخ المسعودی
کا اردو ترجمہ

۱-۲

امام مورخین
ابوالحسن بن حسین بن علی
المسعودی

نفیس اکیڈمی
کراچی

تاریخ مسعودی

شہرۂ آفاق عربی کتاب

مروج الذہب و معاون الجواہر

کا اردو ترجمہ

اوّل - دوم

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی بزرگ شخصیت عظیم اور نامور مورخ

امام المورخین ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی المتوفی ۳۴۶ھ

تحقیق مزید: پروفیسر اسعد داغر ماہر فنون مکتبیات و ببلوگرافی
(لبنان - بیروت)

اردو ترجمہ

پروفیسر کوکب شادانی

بی۔ اے۔ آنرز (علیگ)، ایم اے۔ ایم او ایل (پنجاب)
ایم اے انگلش (آگرہ)، ایم اے تاریخ اسلام و اسلامیات (ناگپور)
فاضل ادبیات عرب (الہ آباد) سابق پروفیسر ڈیلی کالج
(اندرون سنٹرل انڈیا)، والفنسٹن کالج (بمبئی)

ناشر: نفیس اکیڈمی اسٹریچن روڈ۔ کراچی

کتاب کا نام
مروج الذہب و معادن الجواہر
ایڈیشن : ــــــــــ اوّل
مصنف : ــــــــــ ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی
ترجمہ : ــــــــــ پروفیسر کوکب شادانی۔ ایم اے
ضخامت : ــــــــــ حصہ اوّل دوم ۷۶۰ صفحات
مقام اشاعت : ــــــــــ نفیس اکیڈمی۔ اسٹریچن روڈ کراچی
سال اشاعت : ــــــــــ نومبر ۱۹۸۵ء
فون: ۲۱۳۳۰۲

مطبوعہ
اویس پیکیجز۔ کراچی

فہرست مضامین

پیش لفظ

"امام المؤرخین" ابن خلدون کے بعد دنیا کا عظیم ترین مؤرخ المسعودی اپنے تبحر علمی اور وسیع تاریخی معلومات کی بناء پر مشہور ترین عالمی مؤرخین میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، مشہور فرانسیسی مؤرخ فان کریمر کا اسے عرب کا "ہیروڈوٹس" لقب دینا (۱) اور ایک دوسرے مشہور مؤرخ فاز لیبف کا اس کی نادر و نایاب تصنیفات و تالیفات پر بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے فان کریمر کی تصدیق کرنا (۲) اس کے لاثانی علمی و تاریخی کارناموں کے پیش نظر ذرا بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔

المسعودی کی نادر و نایاب مشہور عالم کتاب "مروج الذہب و معاون الجوہر" کے زیرِ نظر ترجمے کے اگلے صفحات میں نسخہ عربی کے مترجم استاد یوسف داعر کے قلم سے اس کا کسی قدر تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے جس سے مذکورہ بالا کتاب اور اس کے زیرِ نظر ترجمے کی اہمیت و ضرورت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اس سلسلے میں راقم الحروف کا مزید کچھ عرض کرنا تحصیل حاصل کے مترادف ہوگا۔ واضح رہے کہ المسعودی کی جملہ تصنیفات و تالیفات کی اکثریت اب نایاب ہے، تاہم اس کے معلوم قلمی کارناموں اور ان پر تحقیقی کتابوں کی درج ذیل فہارس پر جن کی مدد سے "مروج الذہب" کے فرانسیسی اور عربی نسخے جن میں سے موخر الذکر کا اردو ترجمہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ایک نظر ڈال لینا زیرِ نظر ترجمے کی اہمیت و ضرورت واضح تر کر سکے گا۔

فہرست معلوم تالیفات المسعودی

المسعودی کی جن چند معلوم تالیفات کی بنیاد پر "مروج الذہب" کے قدیم عربی نسخے اور فرانسیسی کا وہ نسخہ جس کے عربی

(۱) ثقافۃ الشرق ۲ : ۲۲۳ (۲) العرب والروم ص ۲۸۳

ترجمے سے زیر نظر اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے ان کی فہرست درج ذیل ہے:-

١- مقدمہ التنبیہ والاشراف: یہ مقدمہ المسعودی کے سوانح حیات اور اس کی ان تالیفات کے جزوی بیانات پر مشتمل ہے جو - DEGOEJ نے اپنے فرانسیسی نسخے کے صفحہ ٢ اور صفحات مابعد میں تحریر کیا ہے DEGOEJ کے مذکورہ فرانسیسی نسخے اور اس پر موصوف کے اس مقدمہ کا ماخذ - MARBIER DEMEYNARD کی تحریر کردہ مُروجُ الذہب کی ٩ جلدوں کی تالیفات اور نویں جلد میں ان کی وہ تلخیصات ہیں جو اس جلد کے صفحہ ٣٠٢ وصفحات مابعد میں درج ہیں۔

٢- "اخبار الزمان و حوادث عالم": المسعودی کی یہ کتاب اولاً ٣٠ جلدوں میں تھی جس کی اب صرف ایک جلد "فینیا" کے ذاتی کتب خانے کے محفوظ مخطوطات میں پائی جاتی ہے۔ المسعودی نے ٣٠ جلدوں پر مشتمل اس کتاب کے مندرجات کو مختصر کر کے اپنی ایک دوسری کتاب موسومہ "کتاب الاوسط" میں درج کیا اور ازاں بعد ان مختصرات کو کسی قدر پھیلا کر اپنی مشہور عالم کتاب "مُروجُ الذہب" میں جمادی الاوّل ٣٣٢ھ (تقریباً ٩٤٧ء) میں لکھا اور اس پر ٣٤٥ھ / ٩٥٦ء میں نظر ثانی کی۔

"مُروجُ الذہب" کا یہی وہ نسخہ ہے جو فرانسیسی میں ٩ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کی اشاعت بعد از تحقیقات و کارہائے بسیار ١٠ سال کی مدت (١٨٦١ - ١٨٧١) میں محترم اساتذہ ڈی مینار اور کارٹیل کی مساعی جمیلہ سے پیرس کے ایک مقامی پریس میں اختتام پذیر ہوئی - پھر یہی کتاب چار جلدوں پر مشتمل قاہرہ میں ١٩٤٨ء میں چھپی، جس کی تحقیق و ترتیب کا سہرا مقتدر و محترم عالم و مصنف محمد محی الدین عبدالحمید کے سر ہے - اسی طرح اس کتاب کی اشاعت ابن اثیر کی "تاریخ الکامل" کے طرز پر مصر میں ١٣٠٣ھ میں ہوئی جو ١٠ جلدوں پر مشتمل ہے - اسی کتاب کی، احمد المقری کی مرتب کردہ ایک جلد بولاق میں ١٨٨٣ء میں شائع ہوئی جو "نفح الطیب" کے نام سے موسوم ہے۔

٣- "کتاب القضایا والتجارب" جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ المسعودی کے دوران سیاحت و سیر و سفر مشاہدات و تجربات پر مشتمل ہے۔

٤- "ذخائر العلوم و ماکان فی سالف الدھور" (علمی ذخائر اور ازمنہ سلف کے حالات و کوائف)

٥- "کتاب الرسائل والاستذکار لما مرّ فی سالف الاعصار" (اس کتاب کا موضوع بحث بھی وہی ہے جو مندرجہ بالا چوتھی کتاب کا ہے)

٦- "کتاب التاریخ فی اخبار الامم من العرب والعجم" المسعودی کی تاریخ عالم پر یہ مؤقر کتاب اپنے موضوعات و مباحث کے لحاظ سے بے مثل تصنیف ہے جسے عجائبات عالم میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ "کتاب الخزائن الملک وسر العالمین" مندرجہ بالا چھٹی کتاب کی طرح المسعودی کی دنیا بھر کے فطری خزائن اور اسرار کائنات پر یہ علمی تاریخی کتاب بھی بلحاظ موضوعات منجملہ نوادرات ہے۔

۸۔ "کتاب المقالات فی اصول الدیانات" (دیانات پر مبنی اصولوں پر مقالات)

۹۔ "کتاب التنبیہ والاشراف" یہ کتاب جس پر DEGOEJ کے مقدمہ کا ذکر سطور بالا میں ہو چکا ہے DEGOEJ نے پہلے لیڈن میں شائع کی (۱۸۹۴ء) پھر اس کا فرانسیسی ترجمہ مستشرق CARRA DEVAN نے LELIVRE DE L'AVERTISSMENT AND REVISION کے عنوان سے ۱۸۹۷ء میں شائع کیا۔

۱۰۔ "کتاب الاستبصار فی الامامہ"۔ اس کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔

۱۱۔ اخبار الخوارج

۱۲۔ البیان فی اسماء الائمۃ ۔ الابانۃ عن اصول الدیانۃ ۔ المسائل والعلل فی المذاہب والملل سر الحیاۃ ۔ اس کتاب میں المسعودی نے ادیان و مذاہب، سیرۃ ائمہ (اصول دیانت کے لحاظ سے) اور اسرار حیات پر علم النفس کے تحت گفتگو کی ہے اور سچ یہ ہے کہ اس مشکل موضوع سے بھی بطریق احسن گزرا ہے۔

"مُرُوجُ الذہب" پر المسعودی کے اضافی مقالات اس کی دوسری تصانیف "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں کثرت سے ملتے ہیں۔ درحقیقت "مُرُوجُ الذہب" میں اس نے اپنے "سیر و سفر" اور مشاہدات و تجربات کی بنیاد پر جن تاریخی مباحث پر گفتگو کی ہے وہ اس کی ذاتی یادداشتوں پر مبنی ہیں جن کا زمانہ ۳۳۲ھ تک محدود ہے لیکن اس کی آخر عمر تک اس پر اضافی گفتگو کی کوشش بھی جو عالمی تاریخی و جغرافیائی حوادث پر مبنی ہے کسی تخیلی عمل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کے ذاتی مشاہدات و تجربات کی روشنی میں عمل پذیر ہوئی ہے جو کسی دوسری جگہ نایاب ہے۔ (۱)

فہرست تحقیقی ماخذ و مراجع

(الف) عربی ماخذ بہ اصول قدیم (ان ماخذ و مراجع سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عربی میں اب تک "مُرُوجُ الذہب" اور خود المسعودی پر کتنا کام ہو چکا ہے)

---

(۱) المسعودی کی تصنیفات کی یہ فہرست "مُرُوجُ الذہب" مطبوعہ بیروت سے ماخوذ ہے لیکن اس کے تشریحی اضافے راقم الحروف کے ہیں (کوکب)

۱- فہرست ابن ندیم : ۱۰۴
۲- معجم الادبا ، یاقوت ، ۵ : ۱۴۷
۳- فوات الوفیات ، ابن شاکر کتبی ۲ : ۵۰
۴- تذکرۃ الحفاظ ، ذہبی ۳ : ۴۵
۵- طبقات الشافعیہ ، سبکی ۲ : ۳۰۷
۶- لسان المیزان ، ابن حجر عسقلانی ۴ : ۲۲۴
۷- روضات الجنات ، خوانساری : ۲۷۹-۲۸۲
۸- کتاب الرجال ، نجاشی :
۹- کشف الظنون ، حاجی خلیفہ (فی اماکن مختلفہ)
۱۰- النجوم الزاہرہ ، ابوالمحاسن بن تغری بردی ۳ : ۵۱۲
۱۱- ابوعلی ، منتہی المقال : ۲۱۲
۱۲- مختصر الدول الاسلامیہ ۱ : ۱۹۷

کتب بحث برائے مراجع

۱- جرجی زیدان ، تاریخ آداب لغات عربی ۲ : ۳۱۳
۲- جرجی کنعان : ۴۳۷
۳- الزرکلی ، الاعلام ، اشاعت اول ۱ : ۶۶۶
طبع ثانی ج ۵ : ۸۷
۴- البغدادی ، ایضاح المکنون ۱ : ۱۸۳
" ہدیۃ العارفین ۱ : ۶۷۹
۵- علی ابراہیم الحسن ، استخدام المصادر و طرق البحث : ۸۵
۶- محسن الامین العاملی ، اعیان الشیعہ ۴۱ : ۱۹۸- ۲۱۳
۷- آغا بزرگ الطہرانی ، الذریعہ الی مؤلفات الشیعہ ۳ : ۳۴۷
۸- علی مبارک ، الخطط الجدیدۃ ۱۵ : ۳۷
۹- میرزا محمد ، نہج المقال ۲ : ۲۸۲
۱۰- المامقانی ، تنقیح المقال ۲ : ۲۸۲
۱۱- داؤد الجلبی ، مخطوطات الموصل : ۱۲۲
۱۲- عباس قمی ، فوائد الرضویہ ۱ : ۲۷۷
۱۳- عمر رضا کحالہ ، معجم المؤلفین ۷ : ۸۰-۸۱
۱۴- سرکیس ، معجم المطبوعات ، ۳ : ۱۴۷

مقالات و مجلات عربی

۱- علی ادھم ، الثقافۃ ، ۱۲ ، شمارہ ۹۰۹ ، ص ۶-۹
۲- عبدالوہاب حمودہ ، الحدیث ۱۴ : ۱۹۲-۱۹۶
۳- عیسیٰ اسکندر المعلوف ، النعمۃ ۱ : ۴۷-۸۱ و ۱۰۹-۱۱۱
۴- المشرق ، مجلہ ، المسعودی اور اس کی کتاب اخبار الزمان ۱۲ : ۹۳۸

(ب) یورپی ماخذ :-

(1) K. BROCKELMANN - G.A.L. VOL 1: 140-143
(2) QUATREMERE, DS. J. A., SIRIE III, VOL - VIII PAGE 3-31
(3) NICHOLSON - LITEARY MISTORY OF THE ARABS, 2 ND EDITION. PAGES 350-54

(4) ENCYCLOPIDIA OF ISLAM, VOL. III. P. 403 (PAR BROCKELMANN)

(5) ENCYCLOPIDIA BRITANICA, EDITION 1963, VOL. 15: P. 44

(6) MINGANA CATALOGUE OF ARABIC MANUSIRIPTS, 381, 382.

(7) DE SLANE - CATALOGUE DIS MANUSERIPTS ARABES, I: 283, 248

(8) AHLWARDT - VERZEICHNISS DER ARABISCHEN HANDSCHRIFTEN, IX: 38-42

(9) ISLAMIC CULTURE, XXVII: 275-286; 509-525 (۱)

واضح رہے کہ مندرجہ بالا فہارس میں ماخذ و مصادر کے مؤلفین و مرتبین میں ممتاز مسلم مؤرخین اور عربی زبان و ادب کے مسلم الثبوت ماہر و ادیب جرجی زیدان کے علاوہ جن کا تعلق مشرقی ممالک سے تھا یا ہے۔ یورپی ادب و ثقافت کے چاروں نمائندہ اہم ممالک یعنی انگلستان، فرانس، اٹلی، اور جرمنی کے ممتاز ترین علمی و ادبی ادارے اور مستشرقین شامل ہیں جس سے زیر نظر ترجمے کے ان قارئین پہ جن کی عربی اور یورپی زبانوں تک دسترس نہیں ہے۔ شہرہ آفاق عربی مؤرخ و عالم المسعودی اور اس کی گراں قدر تالیف "مُرُوجُ الذہب" کی اہمیت بخوبی واضح ہو جائے گی۔

زیر نظر ترجمہ

راقم الحروف نے مفتی محمد بن یحیٰی بن ابوبکر مالکیؒ کی نادر و نایاب تالیف "التمہید و البیان فی مقتل الشہید عثمان رضؓ" کے اردو ترجمے مطبوعہ نفیس اکادمی کراچی (۱۹۷۸ء) کا پیش لفظ لکھتے ہوئے اس کی

---

(۱) منقول از فہارس مرتبہ استاد یوسف داغر، مشمولہ نسخہ عربی طبع اول (۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء) ص ۳ (کوکب)

آخری سطور میں عرض کیا تھا کہ ترجمہ بجائے خود کوئی تحقیقی کاوش نہ سہی لیکن وہ بھی اپنی جگہ ایک الگ فن ہے اور اہل علم و نظر اس کے نکات و رموز سے بخوبی واقف ہیں۔ یہاں اس اجمالی گذارش کی تھوڑی سی تفصیل پیش کرنا اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ مذکورہ بالا کتاب جسے مرتب کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد یوسف نزاید پروفیسر تاریخ عرب امریکن یونیورسٹی بیروت (لبنان) نے صرف اس کا تعارف جدید عربی میں تحریر کیا ہے ورنہ اصل کتاب نہایت سلیس و فصیح قدیم حجازی عربی زبان میں قلم بند کی گئی ہے جو حضرت عثمان رضؓ کی حیات اور آپ کی شہادت کے تاریخی واقعات تک محدود ہے جب کہ "مُرُوْجُ الذہب" کے شہرہ آفاق مؤلف نے جس نے تیسری صدی ہجری کا دورِ آخر اور چوتھی صدی کا نصف حصہ اوّل از مشرق تا مغرب سیر و سفر اور وہاں کے مختلف ممالک کی سیاحت میں گزارا ہے اس لیے المسعودی کی وہ یادداشتیں جن پر اس کی دوسری تالیفات کے علاوہ "مُرُوْجُ الذہب" کی تدوین کا بھی انحصار ہے اس کی عمر کے آخری دس سال میں ضبطِ تحریر میں آئی ہیں جو اس نے مستقلاً مصر و شام کے درمیان بار بار آمد و رفت میں گزارے ہیں، لہٰذا فطری طور پر اس نے اپنی مذکورہ بالا یادداشتوں کی بنیاد پر "مُرُوْجُ الذہب" اور جو دوسری کتابیں لکھی ہیں وہ اس کے مولد عراق اور مصر و شام کی ترقی یافتہ علمی زبانوں میں ہیں۔ مزید برآں المسعودی نے "مروج الذھب" میں جن کائناتی موضوعات پر گفتگو کی ہے ان کی وضاحت کے لیے یا تو اسے مدینۃ العلم بغداد کی مرکزی لائبریری کے ان تراجم کو کھنگالنا پڑا ہوگا جو یونانی کے علاوہ دنیا بھر کے علمی ذخائر سے علم دوست عباسی خلیفہ المامون کے زیر فرمان مروجہ عربی میں منتقل کیا جا چکا تھا اور قیاس کہتا ہے کہ اس نے تمام تر وہی علمی، سائنسی اور فنی مصطلحات اپنے مشاہدات اور تجربات سے موازنہ کر کے اپنی گراں قدر تالیف "مروج الذہب" کی ان آخری ۹ یا ۱۰ جلدوں میں استعمال کی ہوں گی جو اس کی پہلی تالیف "اخبار الزمان" اور ایک دوسری تالیف "کتاب الاوسط" میں پہلی ۳۰ جلدوں کو سمیٹ کر لکھا گیا لیکن اٹھارھویں صدی میلادی میں ان ۱۰ جلدوں میں سے بھی صرف ایک جلد علم دوست اور علمی ذخائر کے قدرداں اطالوی مستشرق فینیا کے ذاتی کتب خانے میں دستیاب ہو سکی لیکن وہ ایک جلد بھی درحقیقت بلا مبالغہ "خزینۃ العلوم" کہلانے کی مستحق ہے اور وہی جلد پہلے لیڈن میں انگریزی میں اور پھر اصل عربی نسخے سے موازنے اور اس پر مزید تحقیق کے بعد اسے فرانسیسی میں منتقل کیا گیا، پھر اسے عربی زبان کے فاضل استاد یوسف اسعد داغر نے فرانسیسی سے عربی میں ترجمہ کیا اور انگریزی اور فرانسیسی کی طرح اسے بلحاظ موضوعات چار حصوں میں تقسیم کر کے شائع کیا ہے۔ اسی عربی ترجمے سے جو بیروت میں (چار جلدوں میں پہلی بار ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں طباعت پذیر ہوا) زیر نظر

اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

یہاں اس طویل گفتگو کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ زیر نظر ترجمے کے محترم قارئین کو اس کے مطالعے سے قبل معلوم ہو جائے کہ المسعودی نے "مروج الذہب" میں کن کائناتی موضوعات پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے جسے کسی واہمے یا صرف تخیل کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا۔

"مروج الذہب" کے جن مختلف موضوعات و مباحث کو ان کے مصادر و مراجع کی کثیر تعداد میں جن کی فہرستیں سطور بالا میں پیش کی گئی ہیں، دس برس کی تحقیق اور محنت شاقہ کے بعد حالیہ چار جلدوں میں سمیٹ کر پیش کیا گیا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

منطق، اصول منطق، فلسفہ، سائنس، تصوف، طبیعات، مابعد الطبیعات، ہیئت، نجوم، طب نفسیات، علم الارض، علم حیوانات، نباتیات، کیمیا، ریاضی، علم الما، تجربات، ہندسہ وغیرہم۔

ان موضوعات و مباحث پر غور کرنے کے بعد کسی مترجم کی مشکلات کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں ہوگا۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کے لیے دونوں زبانوں پر یعنی اس زبان پر جس سے ترجمہ کیا جا رہا ہے اور اس زبان پر جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے عبور حاصل ہونا ضروری ہے، دوسری بات جو پہلی بات سے بھی زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ان موضوعات اور مباحث کے رموز و حقائق کے استنباط کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہو۔

راقم الحروف نے اس سلسلے میں کامل الفن ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا بلکہ اسے تو اپنی ہیچ میرزی و ہیچمدانی کا اعتراف دوسروں سے آج تک کہیں زیادہ رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی علمی خدمات میں تعاون کا جذبہ بھی قادر مطلق نے اپنے فضل و کرم سے ناچیز راقم الحروف کو بدرجہ اتم عطا فرمایا ہے۔ یہاں ان علمی خدمات کا ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا جو نفیس اکادمی کے مؤسس اور مالک مرحوم چوہدری محمد اقبال سلیم گاھندری پہلے حیدرآباد دکن پھر کراچی میں تاریخی سلسلے کی اہم ترین عربی تصنیفات و تالیفات کے اُردو تراجم شائع کر کے عمر بھر جلب منفعت کا خیال کیے بغیر ایک قومی فرض سمجھ کر بجا لاتے رہے۔ موصوف کے اسی جذبہ خدمت نے مجھے پہلے مفتی محمد یحییٰ بن ابی بکر مالکیؒ کی بے نظیر حقیقت آفریں تاریخی تالیف "النہیان فی بیان شہادت عثمان رضؓ" کا اُردو ترجمہ "حضرت عثمان شہید" کے نام سے کرنے پر مجبور کیا تھا جس کا ذکر سطور بالا میں آ چکا ہے۔

زیر نظر ترجمے کے بارے میں اس قدر اور عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عاجز و ناچیز نے اس میں حتی الامکان پوری پوری احتیاط سے کام لیا ہے اور اس کا حد درجہ خیال رکھا ہے کہ اصل عربی

نسخے میں درج شدہ کوئی معمولی سے معمولی بات بھی صرف نظر نہ ہونے پائے۔ اسی وجہ سے اس کے ہر صفحے، ہر سطر بلکہ ہر جملے کو بار بار پڑھ کر اس میں حسب ضرورت تصحیح کی ہے جس کے بعد کامل الفن ہونے کا دعویٰ نہ ہونے کے باوجود امید واثق ہے کہ اب اس میں کسی مزید ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ ہو گی تاہم محترم المقام علمائے کرام اور دیگر اہل نظر سے بصد ادب گزارش کی جاتی ہے کہ بفحوائے الانسان ضعیف البنیان، اگر اس میں کسی جگہ کوئی لغزش یا کمزوری پائی جائے تو اس کی نشاندہی فرما کر راقم الحروف کو ممنون فرمائیں۔

امام المؤرخین المسعودی کی ابتدائے آفرینش سے قریباً نصف چوتھی صدی ہجری کی حد تک عالمی تاریخ و جغرافیہ کے علاوہ دیگر متعدد علوم و فنون پر جن کا سطور بالا میں ذکر کیا جا چکا ہے اس بے نظیر مبسوط قاموس (انسائیکلو پیڈیا) موسومہ "مُروجُ الذہب و معادن الجوہر" کے ترجمے کی تکمیل میں اس کے محترم ناشر جناب طارق اقبال گاھندری سلمہٗ کے ساتھ تعیین وقت کے سلسلے میں تحریری معاہدے کے علی الرغم جو تاخیر و تعویق ہوئی اس کی سب سے بڑی وجہ راقم الحروف کی کچھ عرصے سے مسلسل شدید علالت کے علاوہ بحیثیت مترجم وہی احتیاط تھی جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ بہر کیف میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا صدق دل سے شکر گزار ہوں کہ اس نے آخر کار اس ناچیز کو ایک اہم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق بخشی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

زیر نظر ترجمہ کی ذمہ داری چودھری صاحب مرحوم کے فرزند رشید چودھری محمد طارق اقبال گاھندری کی درخواست پر میں نے اپنی پیرانہ سالی اور حالیہ حد درجہ اعصابی کمزوری کے باوجود اس لیے قبول کر لی کہ مؤخر الذکر نے نہ صرف اپنے لائق والد کی دیرینہ خوشگوار روایات کو تازہ کیا ہے بلکہ وہ بذات خود اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کی زندہ مثال بنے ہوئے ہیں۔ زیر نظر ترجمے کی تکمیل میں میری یہ حقیر کوشش کہاں تک کامیاب رہی ہے اس کا اندازہ محترم قارئین کو ترجمے کے سلسلے میں سطور بالا میں میری گزارشات کی روشنی میں بخوبی ہو سکے گا اور اگر انھوں نے میری اس ناچیز قلمی کاوش کو بہ نگاہ استحسان ملاحظہ فرمایا تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ کوشش رائیگاں نہیں گئی۔ وما توفیقی الا باللہ وھو المستعان۔

بہر حال اہل علم و نظر زیر نظر ترجمے کے سلسلے میں اگر میری کسی فروگزاشت سے مجھے مطلع فرمائیں تو میں تہہ دل سے ان کا شکر گزار ہوں گا۔

احقر العباد

کوکب شادانی عفی عنہ

کراچی، اگست ۱۹۸۳ء

المسعودی

متوفی ۳۴۵ھ یا ۳۴۶ھ ــــ ۹۵۷ء میلادی

تعارف ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی نام، عقیدۃً معتزلی شافعی، عبداللہ بن مسعود کے اخلاف میں سے تھا۔ بحیثیت سیاح بلادِ عالم میں جہاں تہاں گھومنے والا گویا جہانیاں جہاں گشت۔ بغداد میں پیدا ہوا۔ وہیں نشو و نما اور تعلیم و تربیت پائی۔ سیاحت اور سیر و سفر کی طرف طبعی میلان رکھتا تھا۔ چنانچہ پہلے فلسطین گیا، پھر بلادِ فارس، آرمینیا، بلاد قاف و ہند، چین، مدغاسکر اور زنجبار و عمان کا سفر کرتا ہوا انطاکیہ سے ۳۴۹ میلادی میں گزرا اور دمشق میں دو سال قیام کیا۔ اپنی عمر کے آخری دس سال بار بار شام سے مصر اور مصر سے شام منتقل ہوتے ہوئے گزارے اور ۹۵۷ء میں فسطاط میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

جامع العلوم المسعودی کی عظمت و بزرگی کی بنیاد صرف اطراف و اکناف عالم میں اس کی سیر و سیاحت اور اس سلسلے میں اس نے جو بیش بہا ذخیرۂ معلومات چھوڑا ہے ہی پہ نہیں ہے بلکہ اس کے کمالاتِ علمی، مختلف علوم و فنون پہ اس کی دسترس، بحیثیت مؤرخ اس کی معلومات اور وسعتِ مطالعہ نیز قریبًا جملہ علوم پہ اس کی بے شمار ضخیم تصنیفات و تالیفات (جن کا بہت کم حصہ ہم تک پہنچا ہے) کی بناء پہ ہم اسے جامع العلوم کہہ سکتے ہیں۔ ویسے بلادِ عالم میں اس کے لاثانی سیر و سفر خصوصًا ایشیا اور مشرقی افریقہ میں اس کی مفید ترین سیاحت اور اس سلسلے میں اس نے بطور آثار جو ذخیرہ معلومات چھوڑا ہے وہی اس کی عظمت و بزرگی اور قدر و منزلت کے لیے کافی ہے۔ اس نے سورج کی طرح جو افقِ مشرق سے اُبھر کر افقِ مغرب میں غروب ہوتا ہے، حدود ارضی پہ گہری نظر ڈالی ہے۔ بقول شاعر:

"اس نے سورج کی طرح افقِ مشرق سے افقِ مغرب

تک قطع مسافت کی ہے ۔" (۱)

جیساکہ سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے مسعودی کی عمر کے آخری دس سال مصر و شام کے درمیان آمد و رفت میں گزرے اور اسے مستقلاً ان دونوں ممالک میں کسی ایک جگہ جم کر رہنے کا موقع نہیں ملا ۔ تاہم اس نے اسی دوران میں تاریخ پر اپنی تالیفات اور اپنی بے نظیر کتاب " اخبار الزمان" جس کی تیس جلدیں ہیں تحریر کیں لیکن دُنیا سے اس کی رحلت کے بعد یہ سارا تقریباً لا مثال علمی ذخیرہ تتر بتر ہو گیا اور ایک آخری جلد مکتبہ فینیا میں ملی جس کے ذمہ دار افراد کا دعوےٰ ہے کہ اس آخری جلد یا "کتاب الاوسط" میں اس کے مصنف نے تمام جلدوں کا لب لباب یا خلاصہ قلمبند کیا ہے ۔ اس کے علاوہ دوسری دو کتابوں میں جنہیں علماء حکمائے مابعد نے بڑی ذمہ دارانہ تحقیق کے بعد مرتب کر دیا ہے جن کی بنا پر اس عظیم شخصیت اور بزرگ مؤرخ کے علمی و تاریخی کارناموں پر متعدد تحقیقی کتابوں کے علاوہ بے شمار منظومات میں روشنی پڑتی ہے ۔

"عرب کا ہیرو ڈوٹس"

فان کریمر نے اسے عرب کے "ہیرو ڈوٹس" کے لقب سے ملقب کیا ہے (۲) المسعودی کے لیے فان کریمر کے اس لقب سے امام المؤرخین ابن خلدون کی شخصیت اور علمی مرتبت پر کوئی زد نہیں پڑتی نہ فان کریمر کا یہ مقصد ہے بلکہ اس کا مقصد ثانی الذکر سے اس کی مشابہت و مقارنت بمنزلۂ ابوالتاریخ " ظاہر کرنا ہے جو اہل نظر کے نزدیک مبنی بر صحت ٹھہرے گی بلکہ کا ئناتی اور حوادث عالم کے موضوعات پر پانچویں صدی قبل مسیح کے یونانی حکماء کے نتائج افکار سے المسعودی کے نتائج افکار میں کہیں زیادہ وسعت ہے جو بحیثیت زمانی ۹۴۷ء تک محیط ہیں کیونکہ عام تاریخ انسانی پر جو شعوری اضافے المسعودی نے کیے ہیں وہ کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہیں ، اس لیے مشہور مؤرخ "فانز بلیف " کا یہ قول کہ " المسعودی کے تاریخی موضوعات کا تنوع عالم اسلام اور یورپ میں اس کے قارئین کے لیے فوق العجائب اور حیرت انگیز ہے چنانچہ فان کریمر کا اسے "عرب کا ہیرو ڈوٹس" ٹھہرانا قرین انصاف ہے اور المسعودی فی الحقیقت اس کا مستحق ہے ۔" (۳)

(عربی نسخے سے ترجمہ)

---

(۱) ملاحظہ ہو باربیر بینارکے فرانسیسی نسخے مطبوعہ پیرس کا ص۵ دکوکب) (۲) ثقافۃ الشرق ۲ : ۴۲۳
(۳) "العرب والروم" ص۲۸۳

مقدمہ بمناسبت مندرجات طباعت نسخۂ فرانسیسی

(از: استاد یوسف اسعد داغر معتمد دارالطباعت والاشاعت "دارالاندلس" لبنان، بیروت)

جیسا کہ زیر نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں ذکر آچکا ہے المسعودی کی کتاب "مُرُوجُ الذہب" کو باربیہ دی مینیار ۔ (MARBIER DE MEYNAR) نے ۹ جلدوں میں مرتب کرکے اس کا فرانسیسی ترجمہ پیرس کی ایشیائی انجمن کی طرف سے ۴ جلدوں میں شائع کیا تھا اور اس پر ایک طویل و مبسوط مقدمہ بھی لکھا تھا۔ "مُرُوجُ الذہب" کی ان چار جلدوں کو عربی میں ترجمہ کرتے وقت ہم نے مناسب خیال کیا کہ اپنے محترم قارئین کے لیے اصل فرانسیسی نسخے کے مندرجات پر مفصّل تبصرہ بصورت مقدمہ تحریر کرکے زیر نظر مجلدات کے ساتھ شامل کر دیا جائے کیونکہ اس سے المسعودی کے سیر و سفر، احوال و کوائف مشاہدات و تجربات اور اس کی اس گراں قدر تالیف کی از ابتدا تا انتہا ترتیب و تحریر کے مختلف ادوار کے علاوہ اس میں مندرج موضوعات و مباحث پر بھرپور حاصل روشنی پڑتی ہے۔

المسعودی کی "مُرُوجُ الذہب" کی جلد اوّل کو دارالاندلس بیروت (لبنان) کی طرف سے عربی میں چھاپنے اور شائع کرنے کے سلسلے میں جب ہم اس کے فرانسیسی نسخے کے بارے میں اظہار خیال کرنے لگے تو ضروری معلوم ہوا کہ اس پر جن علماء نے تحقیقی کام کیا ہے ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان عوامل و ظروف کو بھی بیان کر دیا جائے جو اس جلد کی ترتیب و اشاعت میں ان کے پیش نظر رہے تاکہ ہماری طرف سے اس کی اشاعت کی اہمیت واضح تر ہو جائے۔ واضح رہے کہ فرانس کی جس ایشیائی سوسائٹی کی طرف سے "مُرُوجُ الذہب" کی جن ۴ جلدوں کو اس کی ۹ یا ۱۰ جلدوں پر شب و روز تحقیق کے بعد بصورت موجودہ شائع کیا گیا ہے اس کے ارکان جن میں محترم ر۔ (DE GOERIT) سرفہرست ہیں۔ ابن بطوطہ کے سیر و سفر اور سیاحت پر مشتمل مجلدات کی تحقیق و تدقیق اور انھیں از سر نو مرتب کرکے

فرانسیسی میں چھاپنے اور شائع کرنے کے لیے ۱۹۵۲ء سے مشغول تھے، چنانچہ انھیں "مُرُوجُ الذہب" پر ان یورپی مستشرقین کی تحقیقی کاوشوں پر از سر نو تحقیقی مراحل سے گزارنے میں کیا مشکلات پیش آتی ہوں گی اور اس مشکل ترین کام پر کتنا وقت لگا ہوگا اس کا اندازہ ہمارے محترم قارئین کر سکتے ہیں۔ لہٰذا زیر نظر ترجمہ پیش کرنے سے قبل ان علمی ذخائر کی جستجو اور ان کے مندرجات کو ان کی صحت کا اندازہ لگانے کے لیے المسعودی کے خود تحریر کردہ عربی نسخے سے موازنہ کرتے ہیں اگر ہمیں دو سال لگے تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کیونکہ یہ حد درجہ تھکا دینے والا وقت طلب عمل ہماری طرف سے ۳ آئندہ جلدوں کو فرانسیسی سے عربی میں ترجمہ کر کے طبع کرنے اور شائع کرنے کے پیش نظر از حد ضروری تھا۔ ہر چند فرانسیسی میں سائنس، فلسفہ اور دیگر کائناتی علوم کی ان عربی مصطلحات کو جو المسعودی کے ہاں ملتی ہیں ان علوم کی جدید ترین مصطلحات میں ترجمہ کر کے پیش کیا گیا ہے لیکن عہد حاضر کے عربی داں طبقے کے لیے ہمیں ان کی موزوں ترین مروجہ مصطلحات کے علاوہ اکثر و بیشتر وضع اصطلاحات پر بھی کام کرنا پڑا۔ جہاں تک فرانسیسی سے عربی میں ترجمے کا تعلق ہے ہم نے لفظی ترجمے کی جگہ تمام تر بامحاورہ ترجمے اور کہیں کہیں ضرورتاً مفہومی ترجمے کو ترجیح دی ہے۔

پہلے ہم نے طے کیا تھا کہ المسعودی کی خصوصی تحقیقات کو اس کتاب کی آخری جلد میں مجتمع کیا جائے لیکن فرانسیسی نسخے کی چاروں جلدوں اور ان کے مصادر و مراجع پر اپنی تحقیقات کے نتائج خصوصاً آداب ترجمہ کے پیش نظر اس خیال کو ترک کر دینا پڑا، ہم نے سوچا کہ المسعودی کی جملہ تاریخی مجلدات کو پہلے دس جلدوں اور ازاں بعد چار جلدوں میں سمیٹنے سے محترم یورپی مستشرقین کا آخر کیا مقصد تھا۔ ہم نے دیکھا کہ المسعودی کی تالیفات پر جن عرب محققین نے کام کیا انھوں نے اس کے جمع کردہ معلوماتی ذخائر کو بڑی بڑی ضخیم جلدوں میں مرتب کرتے ہوئے اس کے سیر و سفر کی رطب و یابس سب باتوں اور اکثر غیر ضروری مباحث کو بھی جو المسعودی کے زمانے میں ظہور پذیر معمولی عصری حالات پر مبنی تھے اور فی زمانہ ان پر گفتگو لاحاصل ہے نظر انداز نہیں کیا، اور اس طرح بہت سے مزخرفات و ہفوات اور لایعنی مباحث کو بھی ان ضخیم اور غیر مفید مجلدات میں جمع کر دیا ہے، چنانچہ زیر نظر ترجمے کی جلد اوّل ہی سے ہم نے مذکورہ محترم مستشرقین کے انداز نظر کی اتباع کو مناسب بلکہ انسب جانا اور انھیں کی طرح بالکل اسی ترتیب سے اپنی پہلی جلد سے آخری جلد تک المسعودی کی صرف ضروری، علمی و فنی تحقیقات، عصری تاریخ، کائناتی علوم پر اس کے نتائج افکار ہی کے اندراج پر اکتفا کیا، البتہ عربی اور عربی داں قارئین کرام کے استفادے کے لیے حواشی میں کچھ ضروری تشریحات کا اضافہ کر دیا ہے۔ اس کے سوا فرانسیسی نسخے کی چاروں جلدوں کے

تراجم میں دیانت دارانہ طور پر آداب ترجمہ کی پابندی کو ملحوظ رکھا ہے۔

مسعودی اور اس کے سوانح حیات

المسعودی کا پورا نام ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی ہے، وہ اگرچہ بغداد میں پیدا ہوا مگر اس کے آباد اجداد حجازی نژاد تھے، اس کے جدِ اعلیٰ مسعود رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقتدر صحابہ میں سے تھے۔ تیسری صدی شروع ہوتے ہی وہ سیر و سفر کی طرف مائل ہوا۔ اور دُنیا کی سیاحت کے لیے نکل کھڑا ہوا، پہلے ملتان گیا، وہاں سے شہر منصورہ[1] پہنچا اور اس کے اطراف و جوانب کی تین سال تک سیر حاصل سیاحت کے بعد بلادِ فارس کی طرف روانہ ہوا اور کرمان وغیرہ دیکھتا ہوا پھر ہندوستان کی طرف پلٹا اور کمبا و سیمور (وغیرہ) کے شہروں میں تھوڑے عرصے قیام کرتا ہوا جزیرۂ سراندیب (سراندیب سیلون) گیا، پھر وہاں سے بحری سفر کرتا ہوا کمبالو اور مدغاسکر گیا اور وہاں سے عمّان جا نکلا۔

جیسا اس کے سفرنامے سے متبادر ہوتا ہے وہ کچھ دن ملیشیا میں بھی رہا اور پھر بحری راستے سے چین گیا اور ان سب جگہوں پر خطیر معلومات سے ممتع ہوتا ہوا بحر احمر یا بحرِ قلزم کے مشرقی سواحل سے گزرا اور جنوب میں بحرِ تنزدین کو بھی دیکھا۔ مختصر یہ کہ اس نے بڑے عرصے تک اطراف و اکنافِ عالم کے دُور و نزدیک گوشوں کی سیاحت کی جس کے بعد اس نے پلٹ کر اسلامی ممالک کا رُخ کیا تاکہ اپنی لامحدود سیاحت اور سیر و سفر کے حالات و واقعات کو قلم بند کر سکے۔ اس کے انھیں قلمبند کردہ حالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ۳۱۴/۹۲۶ میں فلسطین کا شہر طبریہ دیکھا، پھر وہاں سے انطاکیہ کے علاوہ شام کے شمالی حصّوں کی برسوں سیر کی اور وہاں سے ۳۳۲/۹۴۳ میں بصرہ پہنچ کر اپنی تصنیفات و تالیفات کی تدوین و ترتیب شروع کی لیکن جیسا پچھلے صفحات میں فرانسیسی نسخے سے ماخوذ اس کے متعلق تعارفی سطور میں قارئین کرام کی نظر سے گزرا ہوگا وہ اپنی زندگی کے آخری دس برس کے دوران میں مصر سے شام اور شام سے مصر منتقل ہوتا رہا تاہم یہی وہ قابلِ ذکر زمانہ ہے جب اس نے اپنی کتابوں خصوصًا "مروج الذہب" کے زیادہ تر حصّے مرتب کر کے قلمبند کیے، اس کی زندگی کا آخری سال جیسا ابوالمحاسن نے لکھا ہے شہر فسطاط یا قدیم قاہرہ میں بسر ہوا۔ جہاں اس نے اپنی آخری کتاب "التنبیہ والاشراف" مرتب کی اور وہیں وفات پائی[2]۔

---

[1] دیبل (کوکب)

[2] ۳۴۵ھ/۹۵۶ء بحوالہ تعارف ص ..... (کوکب)

المسعودی نے اپنی کتاب "مُرُوجُ الذہب" پر جو مقدمہ لکھا ہے اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تالیفات کی تعداد اس وقت تک مختلف موضوعات پر ۲۳ تک جا پہنچی تھی، یہی بات اس کی ایک دوسری کتاب "التنبیہ" کے کچھ فقروں سے مزید واضح ہوتی ہے۔ ان میں سے اس کی بعض تالیفات کا موضوع ازمنۂ ماضی کی اقوام اور ان کے عصری حکمرانوں کا احوال ہے۔ اس کی ایک دوسری کتاب اخبار الزماں میں جو ۲۰ تا ۳۰ حصوں پر مشتمل ہے اس کے دوران سیاحت کے نہایت بیش قیمت معلومات ملتے ہیں مشہور فرانسیسی عالم دلیباسی تحریر کرتے ہیں کہ المسعودی کی اکثر تالیفات مستقل کتابیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی کتاب "مُرُوجُ الذہب" کی منتشر فصلیں ہیں اور یہ بھی انھیں کی دقیق تحقیق کا نتیجہ ہے کہ وہ "مُرُوجُ الذہب" اور المسعودی کی ایک دوسری کتاب "التنبیہ والاشراف" کو ایک ہی کتاب سمجھتے اور اسے دنیائے عرب کے سنہری علمی دور کی مقتدر تالیفات مثلاً بخاری اور ابن اثیر کی تالیفات کا ہم پایہ گردانتے ہیں، اگرچہ زمانہ مابعد کے اکثر قارئین انھیں الگ الگ کتابیں سمجھ کر مطالعہ کرتے رہے ہوں لیکن جہاں تک ہماری تحقیق کا تعلق ہے المسعودی کے بعد اکثر عرب علماء و مورخین بھی اسی خیال کا اظہار کر چکے ہیں۔ جو محترم فرانسیسی عالم دلیباسی نے "مُرُوجُ الذہب" کے بارے میں ظاہر کر کے اسے المسعودی کا عظیم بلکہ عدیم النظیر کارنامہ ٹھہرایا ہے۔

یورپ میں المسعودی کی شہرت عموماً اٹھارہویں صدی میلادی (عیسوی) میں ہوئی اور وہاں کے علمی حلقوں میں اسے صفِ اوّل کے عالمی مورخین میں بلحاظ عظمت بڑی قدر و منزلت کا مستحق سمجھا گیا اور جن فاضل مستشرقین نے اس کے خلاف قلم اُٹھایا ان کے مقابلے میں المسعودی کا دفاع کیا گیا۔ مثلاً مشہور جرمن مستشرق رایکہ نے مقدمہ ابن خلدون مرتّب کر کے اس پر جو بصورت "ملاحظات" پیش لفظ لکھا ہے اس میں عام تفصیلات سے قطع نظر فن تاریخ نگاری میں اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے المسعودی کو کمتر درجہ دیتے ہوئے لکھا کہ اس کے ہاں مفوات و مزخرفات کی کثرت ہے جب کہ ابن خلدون نے اپنے مذکورہ بالا مقدمے میں صرف امورِ صحیحہ پر انحصار کیا ہے اور اس کے تمام تر فیصلے اور محاکمے معتبر ہیں لیکن از روئے عدل و انصاف دیکھا جائے تو عام تفصیلات سے المسعودی کے فلسفیانہ نظریات ابن خلدون کے انہیں نظریات سے کسی صورت میں کمتر نہ نکلیں گے اور اس سے زیادہ پُر لطف بات یہ ہے کہ خود ابن خلدون نے زبانِ قلم سے مسعودی کو امام الکتاب والباحثین" مانا ہے لہ

لہ ملاحظہ ہو رینان۔ اس (مشہور فاضل فرانسیسی مستشرق) نے شہرہ آفاق یونانی سیاح و مورخ ربائی صفحہ آئندہ

مغرب میں "مروج الذہب" کی جو نقول اور کچھ منتخب حصے بڑی تعداد میں شائع ہوئے ان سے وہاں المسعودی کی شہرت وسیع پیمانے پر پھیل گئی - اس سے قبل مشہور مستشرق لوئیس اسپرنگر (SPRENGER) اس کے کچھ خاص اجزاء کے تراجم لندن سے ۱۸۵۱ء میں انگریزی میں شائع کر چکے تھے - اسپرنگر نے المسعودی کے سیر و سفر، اس کے مشاہدات و تجربات، کائناتی علوم کے سلسلے میں اس کے وسیع مطالعے اور تاریخی نظریات پر کھلے دل سے روشنی ڈال کر عربوں کے سائنسی اور دیگر علوم میں وسیع تجربات اور گہرے مشاہدات، ان کے علمی کارناموں اور ہمہ جہتی علمی تحقیقات کو بہت سراہا تھا تا آنکہ فرانس کی ایشیائی انجمن نے اس طرف خصوصی توجہ کی اور سب سے پہلے "مروج الذہب" کی ان دس جلدوں پر مکمل تحقیق کے بعد جنہیں اسپرنگر نے جزوی طور پر انگریزی میں شائع کیا تھا چار جلدوں میں مدوّن کر کے فرانسیسی میں پیرس سے طبع اور شائع کیا جس کے عربی ترجمے کی اشاعت میں وہی عمل اختیار کیا جو اس سے قبل ابن بطوطہ کے سفرنامے کے سلسلے میں کر چکے تھے یعنی متن کے علاوہ حواشی تک میں الفاظ و مصطلحات کے استعمال میں اس بات کا خیال رکھا کہ ان کی عربی قراءت میں اختلاف نہ ہو تاکہ معانی و مفاہیم پر اثر پڑنے کا احتمال نہ رہے - چنانچہ جہاں جہاں اصل ترجمہ میں واضح اغلاط و اختلافات کا اندیشہ تھا وہاں تحقیق کر کے تصحیح کر دی گئی ہے حتّٰی کہ بلحاظ معانی اوقاف و رموز میں اسی امر کا خیال رکھا گیا ہے اور اس سلسلے میں "مروج الذہب" کے پہلے جملہ انگریزی جرمن وغیرہ تراجم جن سے فرانسیسی ترجمے میں استفادہ کیا گیا خصوصاً المسعودی کے ہند و چین کی سیر و سیاحت کے بارے میں ان تراجم پر خصوصی تحقیق کا خاص خیال رکھا گیا ہے جن میں مسٹر جلد مالیسترز - (GILDAMUSTER) اور موسیو رینو کے تراجم شامل ہیں، موخر الذکر مستشرق کے ترجمے میں مسعودی کی ہند چین کی سیاحت کے بیانات پر مکمل تحقیق کی گئی ہے -

"مروج الذہب" کا واحد مخطوطہ : اپنے زیر نظر عمومی ملاحظات و استدراکات کے آخر میں ہم

(حاشیہ صفحہ سابقہ) یوزانیاس سے جس کا زمانہ دوسری صدی عیسوی کا ہے المسعودی کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اول الذکر کے حدود سفر یونان سے آگے نہیں بڑھے اور یہی حال اس کے تاریخی بیانات کا ہے - رینان نے اسکالیجر - (SCALIGER) سے اتفاق کرتے ہوئے مسعودی کے تاریخی نظریات کو سراہا ہے - اسکالیجر نے علم التاریخ میں مسعودی کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "تاریخ نگاری میں اس کے نظریات حرف بحرف مستند اور صحیح ہیں" رہا عام تفصیلات کا معاملہ تو وہاں بھی اس کے خلوص سے انکار نہیں کیا جا سکتا، وہ سراپا خلوص تھا اور بہر حال مخلص -"

ان مصادر و مراجع کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جن پر ہم نے اس ترجمے کی چاروں جلدوں میں خاص طور پر اعتماد کیا ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نسخۂ اوّل ہم نے سب سے پہلے "مُرُوجُ الذہب" کے اس نسخے پر تحقیق کی جو پیرس کے شاہی کتب خانہ میں ۳ جلدوں کی صورت میں تھا اور جسے فرانسیسی میں منتقل کرنے سے پہلے جلد واحد میں مرتب کیا گیا تھا اور یہی وہ قریباً صحیح ترین نسخہ تھا جسے موسیو رینو نے اپنی فہرست مخطوطات میں نمبر ۱۴۷ کے تحت درج کیا۔ دوسرے یہی وہ نسخہ تھا جو دو اجزا کی صورت میں ۳۰ سال قبل قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں ملا تھا۔ اس کے جزو اوّل میں ۱۲ اوراق سے قطع نظر ۲۷۳ اوراق تھے اور جزو ثانی میں ۳۵۹۔ یہ دونوں قلمی اجزا دو مختلف کاتبوں نے لکھے ہیں۔ اس کے پہلے جزو کے ۲۷۲ اوراق کسی اور کاتب نے اور جزو ثانی کے جملہ اوراق ایک افریقی خطاط مسمّٰی محمد بن احمد البندری نے لکھے ہیں۔ جیسا ہم نے سطور بالا میں بیان کیا یہی تمام یورپ میں جملہ اغلاط سے بری صحیح ترین نسخہ ہے اسی لیے ہم نے اس پر مکمل اعتماد کیا ہے موسیو رینو نے اس کے جزو اوّل کو مذکورہ بالا فہرست کے نمبر ۱۴۷ میں حرف (الف) کے تحت درج کیا ہے مذکورہ فہرست کے مطابق اس کی کتابت کی تکمیل ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۸ م میں ہوئی۔

نسخۂ ثانی اس مخطوطے کا نسخۂ ثانی جس کا اندراج مذکورہ بالا فہرست میں نمبر ۱۴۷ کے جزو (ب) کے تحت ہوا ہے عربی کے قدیم مخطوطات (ANCIENT FUDS) میں سے ہے اور کافی ضخیم ہے، ویسے اسے قطع کبیر (FOLIO) کے ۱۳۷ صفحات میں مدون کیا گیا ہے اور اس کی کتابت نواح فلسطین کے شہر صفد میں خطاط ابراہیم ابوالیمن کے قلم سے ۹۴۳ سنہ ہجری / ۱۵۴۶ سنہ میلادی میں مکمل ہوئی۔ مذکورہ خطاط اگرچہ بہت خوش نویس ہے لیکن اس کی کتابت پختہ نہیں ہے۔ اس نسخے پر کوئی مقدمہ نہیں ہے اور یہ فصل ۳۵ پر ختم ہو گیا ہے۔

نسخۂ ثالث اس نسخے کا اندراج قدیم عربی مخطوطات کے مجموعے میں نمبر ۵۷۹ (ج) کے تحت درج کیا گیا ہے۔ اس کے ۳ اجزا ہیں جن میں سے جزو چہارم خارج ہے۔ اس میں اغلاط کی تعداد بہت ہے، اسی لیے ہم نے اس پر تحقیق کے بعد زیر نظر ترجمے میں اس سے مکمل استفادے کو نظر انداز کر دیا ہے۔

نسخۂ رابع (چہارم) یہ نسخہ جس کا اندراج رینو کی مذکورہ بالا فہرست میں حرف (د) کے تحت کیا گیا ہے۔ پیرس کی ایشیائی سوسائٹی کی ملکیت ہے اور اس کی ضخامت قطع کبیر (FOLIO) میں ۳۱۲ اوراق ہے۔ اس نسخے کی کتابت ہبۃ اللہ بن محمد بن علی بن حسن

القرشی کے قلم سے ماہ رجب ۵۹۱ھ ہجری مطابق ۱۱۹۴ء میلادی (عیسوی) میں اختتام کو پہنچی۔ یہ نسخہ اپنی قدامت تواریخ کے اعتبار سے ہمارے خیال میں بہر نوع قابل اعتماد ہے، تاہم ہم نے اس سے مستند تراجم کے سلسلے میں حد درجہ احتیاط برتی ہے۔ اس میں اکثر مقامات وہ ہیں جنہیں "مروج الذہب" کے مؤلف نے ہندوستان کے مشہور شہر بنارس میں اور خراسان (ایران) میں لکھا اور ان کی کتابت نسخہ ہذا کے لیے کسی فارسی کاتب نے کی ہے اور انہیں محترم لیبز (L O E S) نے مرتب کیا ہے۔ ہمارے زیر نظر ترجمے کی جلد چہارم عموماً اسی نسخے پر مبنی اور اسی سے مستفید ہے۔ اگرچہ فرانسیسی نسخے کی آخری جلد پیرس کے شاہی کتب خانے کی مرہون منت ہے کیونکہ اس جلد کی اشاعت میں فرانس کی مذکورہ بالا سوسائٹی نے اس سے استفادہ کیا ہے تاہم اس کے مختلف حصوں کی نقول ہمیں لیڈن کے دار الکتب کے ارکان خصوصاً محترم (DEGOERT -) کے توسط سے مطالعہ کے لیے دستیاب ہوئیں، اس لیے یہاں ان کا تذکرہ نہ کرنا بھی ناسپاس گزاری ہوگی۔

فرانسیسی نسخے کی جلد چہارم کے ترجمے، کے سلسلے میں ہمارے پیش نظر "مروج الذہب" کا ایک افریقی مخطوطہ بھی رہا ہے جسے قسطنطنیہ میں لغات عربیہ کے استاد موسیو شربونو (CHERBONN EAU) نے مرتب کیا ہے۔ یہ مخطوطہ مرتبہ موسیو شربونو ہمیں برائے مطالعہ محترم دیلفریری نے مہیا فرمایا جس کے لیے ہم ان کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ یہ افریقی مخطوطہ "مُرُوجُ الذہب" کی کہیں طویل اور کہیں مختصر ان فصول پر مشتمل ہے جن میں زیادہ تر المسعودی کی سیاحت ہند اور مصر کا توصیفی ذکر آیا ہے [1]

"مُرُوجُ الذہب" جیسی کثیر الموضوعات کتاب کی سیر حاصل جزوی و تفصیلی تحقیق زیر نظر

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں اس نسخے میلانو (اطالیہ) کے مکتبہ "امبروزیانیہ" کے "مُرُوجُ الذہب" پر شائع کردہ تبصرات اور اس کے اوصاف میں اطالوی میگزین آر۔ ایس۔ او (R.S. "O") کی جلد ۷، شمارہ ۹۷، نیز اس نسخہ آخر کے سلسلے میں فارس کے مکتبہ "قروینین" کی شائع کردہ "مخطوطات الموصل" مولفہ ڈاکٹر داؤد جلبی۔

(مترجم)

ترجمے کے سلسلے میں لابدی ہونے کے ساتھ ساتھ دقت طلب بھی تھی تاہم اُمید ہے کہ ہماری یہ ناچیز کوشش دنیائے عرب کے اس معیار پر پوری اُترے گی جس کی انہیں ہم سے توقع تھی اور مجموعی طور پر بطور ایک اہم تاریخی دستاویز تمام ملت اسلامیہ میں بہ نگاہ تحسین دیکھی جائے گی۔

مترجم

(یوسف اسعد داغر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

باب اوّل

خدائے بزرگ و برتر اور لائق حمد و ثنا کا شکر اور اس کے رسولِ پاک خاتم النبیین محمد مصطفیٰ اور ان کے آلِ اطہار پرتا قیامِ قیامت درود و سلام

سببِ تالیفِ کتاب زیرِ نظر کتاب سے قبل ہم نے اپنی کتاب " اخبار الزماں " [1] لکھی تھی اور اس کی ابتدا میں ہیئتِ ارضی، اس کے شہر، اس کے عجائبات، اس کے سمندر اس کے نشیبی و میدانی علاقے، اس کی کانیں اور ان کے نوادرات، اصنافِ سیم وزر، جنگلات اور دلدلی علاقے، جزیرے، بحیرے، بڑی بڑی بستیاں، مساکن شریفہ اور ان کا احوال آغاز، ان آبادیوں کی نسلیں، انتیاز اوطان اور ان کا فرق، جو نہریں مرورِ ایام سے سمندر بن گئیں، جو خشکیاں سمندروں میں اور سمندر خشکیوں میں تبدیل ہوئے نیز ان تغیرات کے اسباب مثلاً فلکی و طبیعی وغیرہ یا انقسام اقالیم خواص کواکب کے سبب یا زمین کے ابھرنے یا دبنے کی وجہ سے یا عالمی تغیرات کی بناء پر، قدیم تاریخ کے لحاظ سے نسل آدم میں ابتدائی شکل و صورت کے اختلافات، ہندوستان کے ملحدین کے حالات، پھر متبّعین شرع سے میل جول اور ان کے اثرات سے ان میں تبدیلیاں، مختلف مذاہب و ادیان کی کتابوں وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔

مندرجہ بالا افکار کے بعد ہم نے مذکورہ بالا کتاب میں ازمنۂ گزشتہ، ان کے بادشاہوں، قوموں وغیرہ کا ذکر کیا تھا مثلاً ملوک فراعنہ، اکاسرہ اور یونانی اور اس کے بعد انبیا و رسل و اتقیا کے حالات رقم کیے تھے اور زمان بعد نبی آخر الزماں محمدؐ اور آپ کے عہدِ رسالت آپ کے مولد و منشاء آپ کی ہجرت آپ کے غزوات، آپ کی سیرت اور وفات اور خلافت مابعد کے تحت اپنی اس کتاب میں خلیفہ

---

[1] المسعودی نے درحقیقت دو کتابیں لکھی تھیں جن کی تلخیص زیرِ نظر کتاب یعنی "مروج الذہب" ہے۔

المتقی للہ کے دورِ خلافت تک کا حال درج کیا تھا جو ۳۳۲ھ تک رہا تھا۔ اس کتاب میں ہم نے اپنی دوسری کتاب "کتاب الاوسط" کی ابتداء سے پہلے کے جملہ عالمی تاریخ کے کوائف پر مبنی اندراجات کر دیے تھے۔

"کتاب الاوسط" یا "التنبیہ والاشراف" کی تصنیف کا سبب یہ تھا کہ ہم نے اپنے سیر و سفر اور سیاحت کے دوران میں خشکی وتری کے راستوں سے سندھ، زنجبار، خراسان، آرمینیا، آذربائیجان، رے، بلقان، عراق و شام میں سفر کرتے ہوئے موخر الذکر دو ممالک میں اس طرح آمد و رفت رکھی تھی جیسے سورج مشرق سے مغرب تک جاتا اور وہی سفر اگلے دن پھر شروع کرتا ہے تو اس وقت ہمارے مشاہدات و تجربات کے سلسلے میں بہت سی ایسی باتیں بھی تھیں جن کے اندراج میں ہم سے اپنی پہلی تصنیف "اخبار الزمان" مرتب کرتے ہوئے کوتاہی ہوئی تھی، وہ سب حقائق اور ان کی تفصیلات کا تحریر کرنا ایک مؤرخ کی حیثیت سے ہمارے لیے از بس ضروری تھا، چنانچہ ہم نے "کتاب الاوسط" لکھ کر اپنے اس فرض سے سبکدوشی حاصل کرنا اپنے لیے لازم سمجھا۔

اس کتاب میں ہم نے بادشاہوں، ان کے اخلاقی تعمیرات، ان کی مہمات کا فرق، ان کے معاصر علماء و حکماء کے حالات اور ازمنہ گزشتہ پر ان کے اثرات پر مکمل تحقیق کے بعد روشنی ڈالی اور اس میں گمان و ظن سے قطعاً کام نہیں لیا بلکہ آداب تاریخ نویسی پر پوری طرح عمل کیا۔ اب آپ اس دوسری کتاب کے درج ذیل موضوعات کے تحت ہم نے جو مقالات قلم بند کیے ان پر ایک نظر ڈالیے۔

"ضروب المقالات" "انواع الدیانات" "اصول دیانت کے مختلف شعبے" "نظم الادلۃ فی اصول الملت" "سر الحیات" "اصولِ فتاوے و قوانین احکام" تنقین قیاس اور احکام میں اجتہاد، قلت آراء کی پرکھ اور استحسان، ناسخ و منسوخ میں امتیاز کی پرکھ، کیفیت اجماع اور اس کی ماہیت خواص و عام کی پہچان، اوامر و نواہی کی پہچان، اجتماعی و انفرادی تحقیقات پر غور و فکر، افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے صادر شدہ فتاوے پر غور و فکر اور اس سلسلے میں ان مخالف و موافق مباحث کی تحقیق جو ہمارے نزدیک متنازعہ فیہ ٹھہرے، مفسرین کے اقوال و مباحث، موضوع امامت پر مقالات کی تحقیق، ظاہری و باطنی، خفی و جلی علوم کا پس منظر، کشف و مراقبہ پر محدثین و مراقبین کی آرا پر گفتگو، علم الارض کے جذب و خصب، علوم کائنات پر قدماء کے مباحث، ہم نے علم السیاست پر اپنی پہلی کتاب "اخبار الزمان" میں جو کچھ تحریر کیا تھا مشاہدات مابعد کے زیر اثر اس پر تحقیق مزید اور اظہار رائے، ترکیب العوالم کی کیفیت اجرام سماوی میں محسوس و غیر محسوس، لطیف و کثیف پر حکمائے قدیم کی آراء پر گفتگو۔

مطالعۂ کتب

زیرِ نظر کتاب "مُرُوجُ الذہب" کی موجودہ مجلدات کی تحریر کے سلسلے میں مذکورہ بالا موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کے لیے مؤرخین و مصنّفین با سلف کی جو کتابیں راقم الحروف کے زیرِ مطالعہ رہیں۔ ان میں سے کچھ وہ کتابیں بھی ہیں جن کے مصنّفین کی اصابتِ آرا سے ہم متفق ہوئے اور کچھ ایسی کہ ان کے محترم مؤلفین و مصنفین کے خیالات و نظریات سے ان کے کمالِ تحقیق و تدقیق کی پسندیدگی کے باوصف ہمیں اختلاف ہوا۔ بہرحال ان محترم مؤلفین و مصنفین اور مؤرخین کے اسمائے گرامی اور ان کی نگارشات حسبِ ذیل ہیں۔

کوھَب بن منبہ، ابی مخنف، لوط ابن یحییٰ العامری، محمد بن اسحٰق، الواقدی، ہیثم بن عدی الطائی الشرقی بن القطامی، حماد الراویہ، الاصمعی، سہل ابن ہرون، عبداللہ بن المقفع، محمد بن عبداللہ العتبی الاموی، ابی زید سعید بن اوس انصاری، نضر بن شمیل، عبداللہ بن عائشہ، ابی عبید القاسم بن سلام، علی بن محمد المدائنی، دماذ بن رفیع بن سلمہ، محمد بن سلّام الجمعی، ابی عثمان عمرو بن بحر الجاحظ، ابی زید عمر بن شبّہ نمیری، ارزقی انصاری، ابی سائب مخزومی، علی بن محمد بن سلیمان النوفلی، زبیر بن بکّار، الجیلی، ریاشی، ابن عابد، عمارہ بن وثیمہ مصری، عیسٰی بن لہیعہ مصری، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم مصری، ابی حسّان زیادی، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابی جعفر محمد بن ابی السری، محمد بن ہیثم بن شبابہ خراسانی صاحبِ "کتاب الدولہ" اسحٰق بن ابراہیم موصلی مصنّف "کتاب الاغانی" وغیرہ، خلیل بن ہیثم ہرثمی محاربات کے موضوع پہ کتاب الحیل والمکائد وغیرہ کے مصنّف، محمد بن یزید المبرد ازدی، محمد بن سلیمان منقری جوہری، محمد بن زکریا غلابی مصری "کتاب الاجواد" وغیرہ کے مترجم، ابن ابی الدنیا مؤدب مکتفی باللہ، احمد بن محمد خزاعی المعروف خاقانی انطاکی، عبداللہ بن محمد بن محفوظ بلوی انصاری مصنّف "ابی یزید عمارہ بن زید مدینی" احمد بن محمد ابن خالد البرقی کاتب و صاحب "کتاب البنیان" احمد بن ابی طاہر مصنّف اخبار بغداد وغیرہ، ابن الوشّاء، علی بن مجاہد مصنّف اخبار الامویین وغیرہ، محمد بن صالح بن نطّاح مصنّف "دولتِ عباسیہ" وغیرہ، یوسف بن ابراہیم مصنّف اخبار ابراہیم بن مہدی وغیرہ، محمد بن حارث تغلبی مصنّف "اخلاق الملوک" و مؤلف "فتح بن خاقان وغیرہ"، ابی سعید سکری مصنّف "ابیات العرب" عبیداللہ بن عبداللہ بن خرداذبہ، آپ تصنیف و تالیف کے سلسلے میں امام مانے جاتے ہیں اور آپ نے اس ضمن میں بڑے اثرات چھوڑے ہیں۔ تصدیق کے لیے آپ چاہیں تو موصوف کی تاریخی موضوع پہ بڑے پایہ کی کتاب "الکبیر" ملاحظہ فرما سکتے ہیں جسے موصوف نے بڑی تندہی اور کاوش سے تحریر کیا ہے اور اس میں علمی اعتبار سے بڑے نظم و ضبط کے ساتھ ملوک و ممالک کے

حالات نیز عجمی ممالک میں اپنی سیر و سیاحت کے حالات و واقعات بڑے ماہرانہ انداز میں سپردِ قلم کیے ہیں جس کی ہر کس و ناکس نے تعریف کی ہے۔ مسالک و ممالک پر سیر حاصل گفتگو کے علاوہ آپ نے اکثر سلاطین کے سوانح حیات ولادت سے وفات تک بڑی تلاش و جستجو کے بعد قلم بند کیے ہیں، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور خلفائے راشدین کی تاریخ کے علاوہ موصوف نے بنی اُمیہ اور بنی عباس میں المعتضد باللہ تک تاریخی واقعات بڑی محنت سے لکھے ہیں۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ درج ذیل اہم کتابیں بھی ہمارے زیر مطالعہ رہی ہیں۔

"تالیف محمد بن علی حسینی علوی دینوری، "کتاب التاریخ" مصنفہ احمد بن یحییٰ بلاذری اور آپ ہی کی ایک دوسری کتاب جس کا موضوع مختلف شہر اور ان کی فتح ہے جس میں موصوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور آپ کے خلفاء کے دور کے غزوات و محاربات کا علی الترتیب حال قلم بند کیا ہے اور اس زمانے کی خبروں پر مفصل روشنی ڈالی ہے اور مشرق سے مغرب تک تمام شہروں کے اوصاف و حالات سپردِ قلم کیے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب آج تک ہماری نظر سے نہیں گزری، اخبار فارس پر ایک دوسری کتاب داؤد بن جرّاح بھی ہماری نظر سے گزری ہے جس میں اس کے مصنف وزیر علی بن عیسےٰ بن جراح نے نہ صرف فارسی ممالک بلکہ اقوام ایران کے علاوہ دوسری قوموں کے حالات و کوائف بھی درج کیے ہیں "تاریخ پر قبل اسلام اور اس کے بعد کے حالات و کوائف پر مبنی ابی عبداللہ محمد بن حسین ابن سوار المعروف ابن اخت عیسےٰ بن فرخان شاہ کی تالیف جس میں مصنف موصوف نے ۳۲۰ھ تک کے تاریخی حالات و کوائف تحریر کیے ہیں، ابی عیسیٰ بن منجم کی تحریر کردہ تاریخ جو نزول توریت اور اخبار انبیاء و ملوک کا احاطہ کرتی ہے، "تالیف ابی عبدالرحمٰن خالد بن ہشام اموی، "قاضی ابی بشر دولابی کی موضوع تاریخ پر لائق توصیف کتاب، "حالات و کوائف ایام پر ابی بکر محمد بن خلف بن وکیع القاضی کی قابل تعریف کتاب "کتاب البشر والاخبار" مصنفہ محمد بن خالد ہاشمی، "سیر الخلفاء" مصنفہ ابی بکر محمد بن زکریا الرازی فن طب المنصوری وغیرہ کے مصنف اور عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری کی "کتاب المعارف" آپ کی تصانیف کی تعداد کثیر اور اس کی فہرست بڑی طویل ہے۔

ابی جعفر محمدؐ ابن جریر طبری

تالیفات تاریخی کے سلسلے میں اور اس سے بھی زیادہ مستقل تصنیفات میں ابی جعفر محمد ابن جریر طبری کے علمی کمالات کا اعتراف ضروری ہے۔ آپ نے انواع الاخبار کی فراہمی اور فنون الآثار کی تدوین میں جو مختلف اصناف علوم

پر مشتمل ہیں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا - آپ کی ان تالیفات و تصنیفات کی افادیت مسلّم ہے ، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ اپنے دور کے کامل فقیہ اور ناسک زمانہ ہوئے ہیں - سچ یہ ہے کہ آپ پر علم فقہائے عصر کی انتہا ہوئی - اسی طرح ابی عبداللہ ابراہیم بن محمد بن عرفہ واسطی نحوی کے کمال تاریخ نویسی کا جو "نفطویہ" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں اعتراف بھی ضروری ہے - آپ نے بہت سی تاریخی کتب پر مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے نیز آپ کی تالیفات بھی بہترین تالیفات میں شمار ہونے کے لائق ہیں -

یہاں اسی سلسلے میں محمد بن یحییٰ الصولی کی تصنیفات و تالیفات مثلاً الاوراق فی اخبار خلفائے بنی عباس و بنی اُمیہ کا ذکر بھی لازم ہے - آپ نے بنو عباس و بنی اُمیہ کے ادوار کے وزراء و شعراء کے ذکر کے علاوہ ایسی نادر معلومات جمع کی ہیں جو دوسروں کے بس کی نہیں تھیں کیونکہ یہ جملہ معلومات آپ کے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں - خدا نے آپ کو علمی ذوق و معرفت نیز تالیف و تصنیف کے سلسلے میں وافر حصہ بخشا تھا - اسی ضمن میں حسن علی بن حسن جو "ابن الماشطہ" کے نام سے مشہور ہیں ، ذکر اور ان کی "کتاب الوزراء و اخبارہم" کا تذکرہ بھی ضروری ہے ، موصوف نے اپنی اس تصنیف میں الراضی باللہ تک تاریخی حالات درج کیے ہیں -

قدامہ

جو کتب ہمارے زیر مطالعہ رہیں ان میں ابوالفرج قدامہ بن جعفر الکاتب کی کتابوں کا ذکر بھی لازمی ہے جو سب کی سب تصرف الفاظ اور تقرب معانی کے لحاظ سے اعجازی درجہ رکھتی ہیں خصوصاً آپ کی ایک اہم تصنیف "زہر الربیع" اور اتنی ہی ایک دوسری اہم کتاب الخراج یقیناً قابل مطالعہ ہیں ، ہمارے اس قول کی تصدیق مذکورہ کتب کے مطالعہ سے ہو سکتی ہے - اسی طرح ابوالقاسم جعفر بن محمد بن حمدان فقیہ موصلی کی کتاب کا ذکر بھی لازم ہے جس کا ذکر اور اس کے اقتباسات "مبرد" نے جو "باہر" کے لقب سے مشہور ہیں اپنی کتاب "کتاب الروضہ" میں اس طرح درج کیے ہیں کہ وہ مبرد باہر ہی کے نام سے منسوب ہو گئی ہے - اسی طرح ابراہیم ابن ماہویہ فارسی کی کتاب جس کا ذکر "مبرد" کی کتاب "الکامل" میں موجود ہے اور اخبار الوزراء کے سلسلے میں ابراہیم بن موسیٰ الواسطی کی کتاب جس کا ذکر محمد بن داؤد بن جراح کی تصانیف اور علی بن فتح الکاتب رجو المطوق کے نام سے مشہور ہیں ، کی تاریخ جو مقتدر باللہ کے چند وزراء کے حالات پر مشتمل ہے میں بھی ملے گا ، قابل ذکر کتابیں ہیں -

ان کے علاوہ درج ذیل کتابیں بھی ہمارے زیر مطالعہ رہی ہیں :-

زہرۃ العیون ، جلاء القلوب (المصری کی تالیفات) "کتاب التاریخ" (عبدالرحمٰن بن عبدالرزاق

المعروف جوزجانی سعدی کی تالیف) "کتاب التاریخ و "اخبار الموصل" مصنفہ ابی ذکرہ موصلی "کتاب التاریخ" مؤلفہ احمد بن یعقوب المصری (تاریخ دورِ عباسیہ) "کتاب التاریخ درا خبار بنی عباس وغیرہ" مؤلفہ عبداللہ بن سعد الکاتب ، کتاب محمد بن مزید بن ابی الازہر (تاریخی حالات وغیرہ) نیز اسی مؤلف کی ایک دوسری کتاب جو "کتاب الھرج والاحداث" کے مندرجات کے تراجم پر مشتمل ہے۔

تالیفات ثابت بن قرہ احرانی کا جائزہ

میں نے سنسان بن ثابت بن قرہ حرانی کو دیکھا ہے وہ (اکثر) دوسروں کی تخلیقات و نظریات کو اپنے نام سے منسوب کرتا رہا ہے ، کچھ کتابیں اپنے بھائیوں اور والد ثابت بن قرہ احرانی کی تحریروں سے مدوّن کی ہیں جو اخلاق نفس اور اقسام ناطقہ ، غضبیہ اور شہوانیہ جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں جن میں سیاسیات مُدن کا بھی ذکر ہے لیکن اسی حد تک جو افلاطون کی کتاب "سیاسیۃ المدینہ" میں ہے ۔ ویسے یہ ۱۰ مقالات ہیں ۔ ان کے علاوہ خود ثابت بن قرہ نے اپنے نزدیک صحیح سمجھ کر بادشاہوں اور وزیروں کا ذکر کیا ہے حالانکہ وہ تحریریں اس کے مشاہدات پر مبنی نہیں ہیں اور ان اذکار کو معتضد باللہ تک پہنچا کر خلیفہ در خلیفہ حالات و کوائف کا اندراج کیا ہے باوصف اس کے کہ دوسرے مؤرخین اس کے برعکس لکھتے ہیں ۔ اس کی بعض مساعی لائق تحسین ہیں لیکن اس کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اکثر مرکزی موضوع سے ہٹ جاتا ہے اگرچہ اس نے اقلیدس ، مقطّعات ، مدوّرات وغیرہ کے سلسلے میں سقراط ، افلاطون اور ارسطو وغیرہ کے حوالے سے فلکیات ، آثار سماوات ، طبعی مزاجات ، صنائع و مرکبات اور معرفۃ الطبیعات ، الٰہیات ، جوہر و ہیئت ، مقادیر الاشکال وغیرہ پر گفتگو کی ہے اور اس میں اپنی انفرادیت کے اظہار کی سعی بلیغ کی ہے ، لیکن درحقیقت ان میں سے کسی میں اس کی ذاتی تحقیق و تدقیق کا مطلقاً دخل نہیں ہے ۔ تصنیفات و تالیفات کے سلسلے میں عبداللہ بن مقنع نے بالکل سچ کہا ہے کہ جس نے کوئی کتاب وضع کی وہ اعتراضات کا ہدف بنا ، جس نے از خود اس سلسلے میں چھوٹا سا طاق بھی بنایا وہ قابل تحسین ہے لیکن جس نے ان میں گڑبڑ کی یعنی قیاسات پر مبنی جوڑ توڑ سے کام لیا وہ گویا ایک فعل مکروہ کا مرتکب ہوا ۔

ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی ان کتابوں کی مندرجہ بالا فہرست قلمبند کرنے ، ابی جعفر محمد ابن جریر طبری کی توصیف کرنے اور ابوالفرج قدامہ کو تصنیف و تالیف کے سلسلے میں داد دینے اور ثابت بن قرہ الحرانی اور اس کے بیٹے سنسان کی تاریخی اور دیگر تالیفات کا منصفانہ جائزہ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

"ہم نے اپنی زیرِ نظر کتاب "مُرُوجُ الذہب" میں صرف ان مُصنّفین و مؤلفین کی کتابوں کے حوالوں پر اکتفا کیا ہے جو اپنی جگہ انتہائی مشہور و معروف اور لائق استناد تھیں، اسی طرح کتب تواریخ، کتب احادیث میں معرفت اسماء الرجال، ان کے ادوار و طبقات، ان کی نقول سیر و اخبار حتیٰ کہ دورِ صحابہ و تابعین میں بھی اہل علم کی نقاہت اور ان کے اختلاف آراء و روایات کا کلی طور پر جائزہ لے کر ان کی مرتّب کردہ صرف انھیں کتابوں سے اپنی کتب موسومہ "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں حوالے دیے ہیں جو ۳۳۲ھ تک ہمارے مطالعہ میں آئیں۔

کتاب زیرِ نظر "مروج الذہب" کی افادیت

ہم نے اپنی زیرِ نظر کتاب کا نام "مُرُوجُ الذہب معادن الجوہر" اس میں نادر و نایاب اور قیمتی معلومات کی فراہمی کی بناء پر رکھا ہے۔ اس میں اپنی پچھلی تصنیفات کا عطر پیش کیا گیا ہے۔ احوال ملوک اور آثار زماں پر مفصّل گفتگو کی گئی ہے جس کی اہل علم و درایت کے لیے افادیت ظاہر ہے۔ مرورِ ایام کے ساتھ عالمی تغیرات کے پیش نظر اپنی تصانیف ماقبل پر اضافے کیے گئے جن کا علم اہل دانش کے لیے ضروری ہے اور ان سے لاعلمی و تغافل یقیناً ان کی نگاہوں میں بھی ناپسندیدہ عمل ہوگا۔ ہم نے بہر نوع جملہ علوم و فنون پر حتیٰ الوسع اور حتی الامکان روشنی ڈالی ہے اور حتی المقدر کسی موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا، کہیں ضروری تفصیل، کہیں اجمال و اشارات اور کہیں بلاغت عبارات سے کام لیا گیا ہے۔

منجانب مؤلّف تصرفات کی تردید

ہم نے زیرِ نظر کتاب میں اندراج واقعات کے سلسلے میں اپنی جانب سے کوئی تصرف نہیں کیا ہے اور ہم خدائے قدوس کو حاضر و ناظر اور قادر مطلق جان کر اس امر کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ اصلاً و نقلاً جو کچھ اس کتاب میں لکھا گیا ہے وہ بعد کمال تحقیق درج کیا گیا ہے جو مفید خلائق اور اہل نظر کے لیے باعث عبرت بھی ہوگا ویسے ہر بات میں خدا کے سوا کسی کو کمال قدرت حاصل نہیں۔

اب ہم اخبار و آثار کے لحاظ سے اس کتاب کے اگلے ابواب کی طرف آتے ہیں اور خدا سے طالب توفیق ہیں۔

باب دوم

اس کتاب کے ابواب کی بلحاظ موضوعات تقسیم

ابواب کتاب زیر نظر کتاب میں ہم نے اس سے قبل اغراض کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم اس کے جملہ ابواب کا حسب مراتب بلحاظ کمیّت ذکر کریں گے تاکہ قارئین کرام کو متن کتاب کے تمام موضوعات کا مطالعہ کتاب سے قبل علم ہو سکے اور وہ ان کی سلسلہ وار اہمیت پر غور فرما سکیں۔

سب سے پہلے ہم ابتدائے کائنات، شانِ تخلیق اور نسل انسانی کا حضرت آدمؑ سے حضرت ابراہیم تک ذکر کریں گے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم سے لے کر بنی اسرائیل کے انبیاء و ملوک اور ان کے متعلق قصص پر گفتگو کریں گے، ازاں بعد اہل فترہ کا ذکر کریں گے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک درمیان میں آنے والے ملوک وغیرہ پر مشتمل ہو گا۔ البتہ اس سے قبل ہم رَحبعم بن سلیمان بن داؤدؑ اور بنی اسرائیل کے دوسرے سلاطین کے حالات و کوائف پر روشنی ڈالیں گے۔ اس کے بعد درج ذیل موضوعات مختلف ابواب میں ہماری گفتگو کا موضوع بنیں گے۔

۱۔ ہندوستان اور دوسرے ممالک کے حالات و کوائف، وہاں کی سیر و سیاحت اور عبادات سے متعلق وہاں کے باشندوں کی رائیں۔

۲۔ ارضیات، سمندر، دریاؤں اور پہاڑوں کی ابتداء، سات اقالیم و کواکب کا ذکر۔

۳۔ بحر اسود پر معلومات اور اس کی تدریجی وسعت و پہنائی کا ذکر۔

۴۔ مد و جزر کے متعلق لوگوں میں حالیہ اختلاف آرا اور اس سے قبل جو کہا گیا۔

۵۔ بحر روم کا ذکر اور اس کے طول و عرض اور ابتدا و انتہا کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے۔

۶۔ ترتیب کے لحاظ سے دوسرے سمندروں مثلاً بحر اخزر، بحر جرجان، بحر نیطس، بحر مایطس

خلیج قسطنطنیہ اور ان میں گرنے والے دریاؤں کے منابع و مخارج کا ذکر۔

۷۔ چینی و ترک سلاطین، ان کے حالات و کوائف اور سیاسیات کا ذکر۔

۸۔ سمندری معلومات اور اس کے عجائب و غرائب نیز ساحلی اقوام پر گفتگو۔

۹۔ جبل قبج، اس کے اطراف کی وادیوں کی اقوام، ترک و بلغراد کی نسلیں، ان کی قسمیں اور احوال گرد و پیش۔

۱۰۔ سریانی سلاطین

۱۱۔ ملوک موصل و نینوا جنہیں صوری بھی کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ ملوک بابل وغیرہ جنہیں کلدانی بھی کہا جاتا ہے۔

۱۳۔ فارس کے اوّلین بادشاہ، ان کی سیرت وغیرہ۔

۱۴۔ ملوک الطوائف جو اشغانی کہلاتے ہیں اور وہ دورِ اوّل اور دورِ ثانی کے درمیان آتے ہیں۔

۱۵۔ انساب فارس اور ان کے متعلق لوگوں کے اقوال

۱۶۔ ساسانی سلاطین، جو فارس کے دورِ ثانی میں شامل ہیں۔

۱۷۔ ملوکِ یونان اور ان کے حالات، نیز ان کے حسب و نسب کے متعلق لوگوں کے اقوال۔

۱۸۔ ہندوستان میں سکندر کی لڑائی کا حال

۱۹۔ سکندر کے بعد یونانیوں کے حالات۔

۲۰۔ روم، اہلِ روم کے ابتدائی انساب، تعداد ملوک، ان کے ادوار کی تاریخ اور سیرت قومی۔

۲۱۔ روم متنصرہ جسے قسطنطینی روم بھی کہا جاتا ہے اور اس زمانے کے حالات و کوائف۔

۲۲۔ ظہورِ اسلام کے بعد رومی بادشاہ دوہ آرمینوس تک، یہ آخری بادشاہ ۳۳۲ ہجری میں گزرا ہے۔

۲۳۔ ذکر مصر، دریائے نیل شہر مصر اس کی ابتدا، فراعین مصر، وہاں کے قدیم عجائبات وغیرہ۔

۲۴۔ اسکندریہ، اس کی بنیاد، اس کے بادشاہ، ان کے حالات و کوائف اور اس دور کے عجائبات وغیرہ

۲۵۔ سوڈان، وہاں کی نسلیں، مختلف اجناس، ان کی اقسام، باہمی نسلی تباین و تضاد اور وہاں کے بادشاہوں کے حالات و کوائف۔

۲۶۔ صقلیہ (سسلی) اس کے مساکن، حالات ملوک اور اس خطۂ ارضی کی مختلف اجناس۔

۲۷۔ انگریزی، فرانسیسی اور دوسری یورپی اقوام، ان کے بادشاہوں کے حالات اور سیرتیں اور ان کی اہلِ اندلس (اسپینی - ہسپانوی) سے لڑائیاں۔

۲۸ - المانیہ (جرمنی) اور اس کے ہمسایہ ممالک، ان کے مساکن اور سیرت و اطوار۔

۲۹ - قوم عاد، اس کے بادشاہ، ان کے متعلق معلومات، ان کی لمبی چوڑی وسیع عمارات۔

۳۰ - قوم ثمود، اس کے بادشاہ، اس کے نبی حضرت صالح علیہ السلام اور اس قوم کے دیگر حالات و کوائف۔

۳۱ - مکہ، بیت اللہ، اس کی بنیاد، زمانہ ماقبل کے حالات اور متعلقہ کوائف۔

۳۲ - کرۂ ارض، اس کے باشندوں کے وطن در وطن حالات و کوائف۔

۳۳ - تاریخ نویسوں کے یمن، شام، عراق اور حجاز کے متعلق وجہ تسمیہ میں بسلسلۂ تحقیقات اختلافات۔

۳۴ - ذکر یمن، اس کے باشندوں کا حسب و نسب اور ان کے متعلق لوگوں کے اذکار و انکار۔

۳۵ - شاہان یمن اور ان کے اخلاف کے حالات، ان کے سیرت و کردار اور ان کے ادوار۔

۳۶ - یمن کے ملوک حیرہ اور ان کے حالات و کوائف۔

۳۷ - یمن سے منتقل ہونے والے شاہی غسّان وغیرہ اور ان کے حالات۔

۳۸ - قدیم عرب کے باشندے، اقوام عرب، ان کے مختلف مساکن کی وجوہ، بدوی لوگ، ان کے قیام کے پہاڑی علاقے، کرد اور ان کا حسب و نسب و دیگر حالات و کوائف۔

۳۹ - عربی ادیان و مذاہب، زمانۂ جاہلیت میں ان کے افکار و خیالات، مختلف شہر، اصحاب فیل کا ذکر، احکام احابیش، عبدالمطلب اور اس باب سے متعلق دیگر حالات و کوائف۔

۴۰ - اقوال عرب میں مبالغہ اور غلو اور اس کے متعلق عرب و غیر عرب لوگوں کی رائیں۔

۴۱ - اقوام عرب میں حامم و صفر اور ان کے حالات و کوائف۔

۴۲ - جنّ اور دیگر غیر انسانی نفوس، ان کے متعلق عربوں کے خیالات، ان کا اثبات و انکار۔

۴۳ - عربوں کے قیافہ شناسی، نفسیاتی اندازے، فال و شگون، اشارات اور فال دیکھ کر نتائج نکالنا وغیرہ کا ذکر۔

۴۴ - کہانت اور اس کی تشریح، اس کے متعلق لوگوں کے خیالات، عربی کی طلاقت و رطب اللسانی، خواب اور ان کی تعبیرات کے متعلق عربوں کے خیالات، نیز اس باب کے تحت متعلقہ افکار و اذکار۔

۴۵ - کہانت کے متعلق تمام معلومات، سیل عرم جو ارض سبا میں آیا اور اس کے نتیجے میں تباہی کے بعد نئی بستیوں کی بنیاد اور وہاں کے باشندوں کے تازہ مساکن وغیرہ۔

۴۶ - ازمنۂ عرب و عجم، ان کے شہر، سال و ماہ اور ان میں اختلافات، قبطی و سریانی شہر (ماہ و سال)

ان کے ناموں میں اختلاف اور ان کے تاریخی حالات و کوائف۔

۴۷ - سریانی شہروں سے رومی شہروں یا مہینوں کا موازنہ اور ان کے سنین کی تعداد اور دیگر معلومات۔

۴۸ - فارس کے ماہ و سال اور ان کے متعلق معلومات۔

۴۹ - ازمنۂ فارس اور ان کے متعلقہ حالات و کوائف۔

۵۰ - عربی سن (ماہ و سال) اور ان کے دنوں اور راتوں کے نام۔

۵۱ - قمری مہینوں کی راتوں کے متعلق عربوں کے اقوال اور اس سلسلے کی دیگر باتیں۔

۵۲ - دنیا پر شمسی و قمری اثرات اور اس کے متعلق اذکار و افکار۔

۵۳ - ربع مسکوں کی آب و ہوا، اس پر شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً سلطان الکواکب (سورج) کے اثرات۔

۵۴ - قابلِ احترام عمارتوں یعنی معابد (عبادت گاہوں) منادر، ہیکلوں، گرجاؤں، صنم کدوں، ہندی عبادات (پوجا پاٹ)، کواکب اور دیگر عجائبات عالم۔

۵۵ - یونانی عبادت گاہیں اور ان کے کوائف۔

۵۶ - صقلیہ (سسلی) کی عبادت گاہیں اور ان کے کوائف۔

۵۷ - قدیم رومی عبادت گاہیں اور ان کے کوائف۔

۵۸ - صابیوں اور حرانیوں کی متبرک عمارات اور ان کے کوائف و معلومات و عجائبات۔

۵۹ - سورج اور چاند کے نام پر عبادت گاہیں، ان کی بناء اور اس سلسلے میں مجوسیوں یعنی آتش پرستوں کے بنیادی افکار۔

۶۰ - تمام عالمی تاریخ - ابتدا سے عہدِ رسالت نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک - اور اس کے علوم و فنون۔

۶۱ - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت، آپ کا حسب و نسب اور اس باب کے تحت دیگر اذکار۔

۶۲ - بعثت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی ہجرت۔

۶۳ - ہجرت کے اسباب و کوائف وغیرہ۔

۶۴ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے تا وفات حالات۔

۶۵ - وہ امور و کوائف جو مکہ میں آپؐ کی ولادت سے آپؐ کی وفات تک ظاہر ہوئے۔

۶۶ - جمع احادیث کی ابتداء جو اس سے قبل کسی کے اقوال و اعمال کے سلسلے میں صورت پذیر نہیں ہوئی۔

۱۰۸ - المستعین اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۰۹ - المعتز اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۱۰ - المہتدی اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۱۱ - المعتمد اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۱۲ - المعتضد اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۱۳ - المکتفی اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۱۴ - المقتدر اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۱۵ - القاہر اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۱۶ - الراضی اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۱۷ - المتقی اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۱۸ - المستکفی اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۱۹ - المطیع اور اس کا دورِ خلافت۔

۱۲۰ - تاریخ ثانی کی تدوین کا ذکر جو ہجرتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لے کر اس وقت تک کے حالات پر مشتمل ہے - یہ جمادی الاوّل ۳۳۶ھ کا مہینہ ہے جب ہم زیرِ نظر کتاب کی تدوین و تحریر سے فارغ ہوئے۔

۱۲۱ - ان حجاج کا ذکر جنھوں نے اوّل الاسلام کے لائق تعظیم حضرات کے ساتھ ۳۳۶ھ تک فریضۂ حج ادا کیا اور اسی پر ہماری زیرِ نظر کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔

۱۲۲ - مذکورہ بالا حضرات کے القاب و آداب اور ان کی تعداد جو اہلِ علم نے قلمبند کی ہے۔

مندرجہ بالا سطور قلمبند کرنے کے بعد المسعودی لکھتے ہیں :-

"مندرجہ بالا ابواب میں ہم نے جو عنوانات قائم کیے ہیں، ان کے تحت حالات کی تفصیلات، سیرت ملوک و وزراء اور مختلف ممالک کے حالات و کوائف کی تفصیل کی بناء پر زیرِ نظر کتاب کے طے شدہ ابواب میں اضافہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے خلفائے عباسیہ کی مجالس میں علوم و فنون پر مباحث کا ذکر ہے جو ہماری پہلی دو کتابوں میں چھوٹ گیا تھا - اس طرح اب زیرِ نظر کتاب کے ابواب کی مجموعی تعداد ۱۳۲ ہو گئی ہے - اس سے قبل ہم پہلے باب میں زیرِ نظر کتاب کا سببِ تالیف اس کے اغراض و مقاصد اور اہمیت نیز افادیت بیان کر چکے ہیں، اس دوسرے باب میں ابواب

کی تعداد ، ان کے تحت موضوعات اور آخر میں لائق تعظیم اوّل الاسلام اصحاب کے ساتھ جن محترم شخصیتوں نے فریضۂ حج ادا کیا ان کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں کہ ان دونوں کے اسمائے گرامی اور القاب و آداب کے ساتھ زیرِ نظر کتاب کے آخری باب میں کریں گے۔ اب قارئین کرام زیرِ نظر کتاب کا باب سوم اور اس کے تحت مندرجات ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

وما توفیقی إلا باللہ

باب سوم

ذکر مبدا و نشان تخلیق و ابتدائے انواع مخلوق

اہل اسلام میں جملہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خدائے عزّوجل نے اشیاء کو اس طرح پیدا کیا کہ اس سے قبل ان کی کوئی مثال نہ تھی اور ان کی ابتدا بغیر اصل سے کی۔ اس متفقہ رائے کے ذکر کے بعد ابن عباس وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ان علماء کی آراء کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی پیدا کیا، اس پر اپنا عرش قائم کیا اور جب مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو پانی سے دھواں اٹھایا اور اسے آسمان موسوم کیا، پھر پانی کو منجمد کر کے اس سے زمین پیدا کی اور اسے پھاڑ کر دو دن میں یعنی پہلے اور دوسرے دن سات طبقات میں نیچے اوپر تقسیم کیا اور اسے حوت پہ ٹھہرایا۔ حوت کا مطلب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں "ن والقلم وما یسطرون" کے تحت ارشاد فرمایا اور عربی لغت کے مطابق بڑی وہ "بڑی مچھلی" ہے اور پانی میں ہے اور پانی "صفا پہ" اور صفا پشت ملک پہ اور ملک چٹانوں کی طرح سخت جگہ پہ اور یہ چٹانی جگہ "ریح" (ہوا) پہ ہے اور یہ صخرہ اور ریح وہی چیزیں ہیں جن کا اللہ جل شانہ نے لقمان اور اس کے بیٹے کی حکایت میں قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔ حوت (بڑی مچھلی) جب ہلی جلی اور زمین کانپنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس پہ پہاڑ نصب فرما دیے جس سے زمین ساکن ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد (قرآن میں) فرمایا ہے کہ "ہم نے زمین کو ایسا بنایا کہ تم اس پہ چلو پھرو" اور اللہ نے اس میں پہاڑ اور ان میں رہنے والوں کے لیے روزی کے سامان پیدا کر دیے۔ اور انھیں مکمل طور پہ ان کے لیے مسخر کر دیا اور یہ سب کچھ اس نے دو دن میں کیا یعنی تیسرے اور چوتھے دن، پھر زمین، آسمان اور پہاڑوں سے پوچھا کہ آیا تم اس کے حکم سے انکار کرو گے جس نے کائنات پیدا کی؟ اگر تم بفرض محال انکار کرو بھی تو تمھیں طوعاً و کرہاً اس کا حکم بجا لانا پڑے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بطور اطاعت تیرا حکم

مانیں گے (الفاظ قرآن کا مفہومی ترجمہ) اور جو دھواں تھا وہ پانی کا تنفس تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سے ملکِ واحد بنایا، پھر اسے پھاڑ کر اس سے دو دن میں سات آسمان بنائے اور یہ دو دن جمعرات اور جمعہ تھے۔ اور جمعہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جملہ آسمانی اور ارضی مخلوق کو جمع کیا۔ آسمانی مخلوق میں اس نے ملائکہ، بحور اور سرد پہاڑ بنائے۔ اس نے فلک دُنیا کو سبز زمرد سے، دُوسرے آسمان کو سفید چاندی سے، تیسرے آسمان کو سُرخ یاقوت سے، چوتھے آسمان کو سفید موتی سے، پانچویں آسمان کو پیلے سونے سے، چھٹے آسمان کو آبی رنگ یاقوت سے اور ساتویں آسمان کو نور سے تخلیق کیا۔ پھر اس نے فرشتوں کو اپنے تقرّب و تعظیم کے لیے قیام کا حکم دیا لیکن ان کے ٹخنے زمین کے ساتویں طبقے تک پہنچے ہوئے تھے۔ فرشتوں کے پاؤں اگرچہ ساتویں طبقہ ارضی کے نیچے تھے لیکن ان کے سر عرشِ اعظم کے نیچے تھے، یعنی عرش تک نہیں پہنچے تھے اور وہ اسی طرح پانچ سو سال تک کھڑے رہے اور کہتے رہے کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا جو مالک عرش عظیم ہے کوئی معبود نہیں!" اور اب وہ اسی طور سے حالت قیام میں تا قیام قیامت اللہ تعالیٰ کی انہیں الفاظ میں حمد کرتے رہیں گے۔ اور عرش کے نیچے ایک سمندر ہے جس سے حیوانات کا رزق بتدریج ایک آسمان سے دُوسرے آسمان تک اترتا ہوا خدا کے حکم سے وہاں پہنچتا ہے جس جگہ کو "ابرم" کہا گیا ہے۔ پھر خدا نے ہوا سے تخاطب کیا کہ وہ بادلوں کو اڑائے پھرے، آسمانِ دنیا کے نیچے بھی ایک سمندر جس میں قدرتِ خداوندی سے کچھ چوپائے رہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ان تخلیقات سے فارغ ہوا تو اس نے پشت زمین کو سکون بخشا اور تخلیق آدم سے قبل جنّ پیدا کیے، انہیں جزائر بحور میں رکھا، ابلیس انہیں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شعلہ زن آگ سے پیدا کیا، اور انھیں ہدایت کی کہ وہ باہم کشت و خون اور عداوت میں مبتلا نہ ہوں لیکن انہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک دُوسرے کا خون بہایا تو اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے جو اس کی تسبیح و تہلیل میں ہمہ دم مصروف تھے وہاں بھیجے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت سوں کو قتل کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا میں ابلیس کو خازن و سردار مقرر کر دیا لیکن اس کے دل میں تکبّر پیدا ہو گیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں سے فرمایا: "میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں" (ترجمہ) فرشتوں نے عرض کیا: "وہ خلیفہ کیا ہوگا؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "(وہ انسان ہوگا اور) زمین پر اس کی ذریت ہوگی، وہ فساد کرے گی اور ایک دُوسرے سے حسد کرے گی اور ان میں سے بعض کچھ دُوسروں کو قتل کریں گے"، فرشتوں نے عرض کیا: "کیا تو زمین پر اسے (خلیفہ

بنانا چاہتا ہے جو وہاں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا جب کہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اور تیری تقدیس بیان کرتے ہیں،، (القرآن - ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے" (القرآن - ترجمہ)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اس گفتگو کے بعد جبریلؑ فرشتے کو زمین پر بھیجا تاکہ وہاں سے مٹی لائے لیکن زمین نے اعوذ باللہ کہہ کر معذرت چاہی تو اللہ تعالےٰ نے میکائیل فرشتے کو بھیجا لیکن جب زمین نے اس سے بھی معذرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ملک الموت عزرائیل کو بھیجا تو زمین بولی کہ خدا کی پناہ میں اللہ تعالےٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتی - چنانچہ حضرت عزرائیل نے زمین سے سیاہ، سُرخ اور سفید مٹی لی اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے - یہی وجہ ہے کہ نوعِ انسانی مختلف رنگوں میں بٹی ہوئی ہے - اللہ تعالیٰ کی طرف سے لفظ آدم کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ اس نے اسے ادیم زمین سے بنایا ہے، یوں بعض اقوال اس سے مختلف بھی ہیں - اللہ تعالیٰ نے موت کا کام ملک الموت کو سونپا ہے - خدا نے آدمؑ کی مٹی کو خمیر کے لیے اس طرح رکھا کہ اس کے سب اجزا باہم پیوست ہو گئے اور یہ عمل چالیس سال کی مدت تک ہوتا رہا - پھر چالیس سال تک اسے اسی طرح چھوڑ رکھا تاکہ اس میں فطری طور پر جو تغیرؔ اور تبدیلی ہونا ہو ہو جائے - پھر اس مٹی سے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کا پُتلا بنایا لیکن اس میں رُوح نہیں پھونکی، تاہم اسے ۱۲۰ سال تک یونہی رہنے دیا - بعض اقوال کے مطابق یہ مدت بھی چالیس سال ہی تھی - یہ پتلا سوکھی کھنکھنی رجتی ہوئی، ٹھیکرے جیسی مٹی کا تھا جس میں ابلیس سامنے سے داخل ہو کر پشت کی طرف سے نکل جاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کیا بنایا ہے یعنی اس کے لیے (پتلے کے لیے) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں" من صلصالٍ کالفخار" ارشاد فرمایا ہے، فرشتے اس پُتلے سے گزرا کرتے تھے جن میں پیش پیش ابلیس تھا - جب اللہ تعالیٰ نے آدم کے پتلے میں رُوح پھونکنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے کہا: "آدمؑ کو سجدہ کرو (چنانچہ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (اس نے تکبّر اور انکار کیا)" (القرآن - ترجمہ) اس نے کہا: "یا رب! میں اس سے بہتر ہوں تو نے اسے مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے، میں بالیش ہوں، نور سے آراستہ اور کرامت میں ممتاز ہوں اور میں وہ ہوں جس نے زمین آسمان ہر جگہ تیری عبادت کی ہے - اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہاں سے نکل جا! تجھ پر قیامت تک میری طرف سے لعنت ہوتی رہے گی -" ابلیس نے (نکلتے ہوئے) خدا سے اس وقت تک کی مہلت مانگی جب مردے قبروں سے اُٹھائے جائیں گے، لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اسے اس وقت معلوم تک (آزاد رہنے کی) مہلت بخش دی - ابلیس چلا گیا اور اس پر اس حد تک پھٹکار

رہی کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی اور آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ جہاں تک آدم کا تعلق ہے وہ اس وقت بھی اس مقام پر تھے جہاں مامور و مطیع ہوتے ہیں مگر خود مکلّف بالاطاعت نہ تھے اس لیے انہیں سجدہ کرنا گویا خدا کو سجدہ کرنا تھا۔ انسانوں میں کچھ حضرات کا مبحث دوسرا ہے (بہرحال) خدا نے آدمؑ میں اپنی رُوح پھونکی لیکن اس حد تک کہ وہ چل پھر سکے۔ بیٹھ سکے اور بات چیت کر سکے، تاہم آدمؑ نے اسی کو مکمل سمجھ لیا، اسی لیے اللہ تعالٰی نے قرآن میں فرمایا ہے: "انسان جلد باز تھا" مزید روحانی حصول سے اسے روشنی ملی۔ تب اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:-

"اے آدمؑ اللہ کی حمد کر، اللہ تجھ پر رحمت کرے۔"

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں:-

اب تک جو باتیں ہم نے تخلیق عالم و آدمؑ کے متعلق تحریر کی وہ یا تو از راہ شریعت ہم تک پہنچی ہیں یا خلاف نے اپنے اسلاف سے نقل کی ہیں اور ہم نے زیر نظر کتاب میں اور اس سے قبل اپنی تصنیفات میں جو کچھ لکھا ہے وہ تقریباً انہیں کے الفاظ میں انہیں کی آراء و نظریات پر مبنی ہے اور ہمارے لیے صرف معلوماتی ذخیرہ ہے جس میں دلائل و براہین شامل ہیں، اس لیے نہ ہم اس کی تردید کا حق رکھتے ہیں نہ تنقید کا۔

اس سلسلے میں امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے یہ روایات کی گئی ہیں آپ نے فرمایا:-

"جب اللہ تعالٰی نے تخلیق عالم و مخلوق کرنا چاہی تو زمین اور آسمان کو متشکل کرنے سے قبل مبداء خلق جو تشکیل فرمائی وہ اس طرح کہ اپنے ملکوتی، جبروتی اور وحدانی نور سے ایک حصّہ الگ کر کے اسے پہلے اشکال خفی میں رکھا پھر اسے ظاہری روشنی بخش کر جو صورت دی وہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نوری خاکہ تھا۔ اس نوری خاکے سے خدا نے یوں خطاب فرمایا: تو مختار منتخب ہے، تجھ میں میرا نور اور میری ہدایات کے خزانے ہیں۔ اس کے بعد خدائے قادر و قیوم نے زمین و آسمان، ثواب و عقوبت اور جنت و دوزخ کو اپنے اس نور کے حوالے کر کے فرمایا کہ ہم نے تجھے اور تیرے اہل بیت کو ہدایت کا منصب بخشا اور اپنے علم کے خزانوں سے جو کچھ دیا ہے وہ ان کے لیے دقیق و دشوار نہ ہوگا۔ نہ کبھی پوشیدہ رہے گا، ہم نے انہیں اپنی مخلوق پر دلیل و حجت بنایا ہے اور اپنی قدرت و توحید کی اشاعت کا وسیلہ۔ پھر اس نے اپنی تخلیق کردہ مخلوق سے اپنی ربوبیت و توحید کے اقرار میں اخلاص کی گواہی لی اور اس کے بعد محمدؐ و آل محمدؐ کے انتخاب پر ان سے تصدیق کا اقرار کرایا۔ خدا

کا محمدؐ کو ہدایت عالم پر مامور فرمانا اور اپنے نور سے حصہ دینا اور ان کی آل کو منصب امامت سے سرفراز فرمانا سنّتِ عدل کے عین مطابق ہے۔" اس کے بعد آپ (حضرت علی رضؓ) نے تکوینِ عالم کے خفائے خداوندی اور اس کے مکنونِ علمی میں رہنے اور اس کے بعد تخلیقِ آب، پانی سے دھویں کے اخراج عرشِ خداوندی کے پانی پہ استقرار، پانی پر سطحِ ارضی، دھویں سے تشکیل سماوات، کل کائنات کا خدا کی قدرت، توحید و ربوبیت کے اقرار اور اطاعت کے اظہار، نورِ ازلی سے فرشتوں کی تخلیق اور نورِ خدا سے ابداعِ انوار و اختراعِ ارواح اور توحیدِ الٰہی سے نبوتِ محمدی کی ازلی قربت کا ذکر فرمایا ہے، نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ ظہورِ محمدی اور آپ کی زمین پر بعثت سے پہلے ہی آسمان پہ آپ کی عظمت کے چرچے تھے۔ بعدہٗ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے مزید فرمایا:۔

اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اپنے اس نورِ خفی کے ذریعہ کرمت مخصوص کرنے سے قبل جو نورِ محمدی اور نوری و روحانی ذوات میں سب سے ممتاز تھا فرشتوں کے سامنے اس کی توجیہ بیان فرمادی تھی اور حضرت آدم علیہ السّلام کو اپنے علومِ مخفی سے علم الاشیاء وغیرہ کے بارے میں سرفراز فرما کر انھیں آپ کے سجدے کا حکم دیا تھا۔ آدم علیہ السلام کا یہ امتیاز درحقیقت نورِ محمدی ہی کی بنا پر تھا جو زمین پر آپ کے ظہور، آپ کی بعثت و وفات کے بعد آپ کے نائبین (ائمہ) کے حصّے میں آیا۔ صرف اسی لیے ہم ائمہ آلِ رسولؐ ہونے کی وجہ سے نوعِ انسانی میں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں کیونکہ ہم نسلِ انسانی کے زمین پر ظہور سے قبل ہی ارضی و سماوی نور، خازنِ مکنونِ علومِ خداوندی تھے اور زمین پر اس کے احکام کی وضاحت کرنے والے، مصیبر الامور کا مرکز، ہدایات و حجّتِ باری تعالیٰ جل شانہٗ کا منظر، مصور الامور، غایتہ النور ہیں اور اسی لیے افضل المخلوقین، اشرف الموحدین، دلائلِ رب العالمین ہیں اور ہم سے تمسک وجہ نجات ہے فضیلتِ آلِ محمدؐ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا اقوال ابی عبداللہ جعفر بن محمد نے اپنے والد محمد بن علی سے اور انھوں نے اپنے والد علی بن حسین سے اور انھوں نے اپنے والد گرامی حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کیے ہیں اور ہمیں ان اقوال کی صحت پر معترض ہونے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ جملہ سابق مصنّفین ان پہ مہر تصدیق ثبت کرتے آئے ہیں اور ہمیں ان مصنفین کی ثقاہت و دیانت میں کوئی شک نہیں۔ ان مصنفین کی فہرست یہاں بخوفِ طوالت درج نہیں کی گئی۔

توریت کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ کائنات کی ابتداء دوشنبہ (پیر) سے کی اور یومِ شنبہ (سنیچر) پر اس کا اختتام فرمایا اس لیے یہودی ہفتے کے روز کو روزِ عید سمجھتے ہیں اور اہلِ انجیل یعنی مسیح یہ کہتے

ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یک شنبہ (اتوار) کو اپنی قبر سے اُٹھے اور اسی لیے وہ اتوار کو روزِ عید سمجھتے اور مناتے ہیں، لیکن جُملہ فقہاء اہلِ آثار اس پر متفق ہیں کہ تخلیق کائنات کی ابتداء اتوار کے دن اور اس کا اختتام جمعہ کے دن ہوا یعنی از ابتدا تا انتہا اس میں چھ دن لگے اور عالم عدم سے چھٹے دن حضرت آدمؑ میں رُوح پھونکی گئی پھر آدمؑ سے حوّا کو پیدا کیا گیا اور یہ دونوں تین ساعتوں تک جنت میں مقیم رہے - یہ تین ساعتیں کیا ہیں؟ وہ چوتھائی دن ہے جو سالہائے دُنیا کے لحاظ سے ۱۵۰ سال کا ہوتا ہے - اس کے بعد آدمؑ کو سراندیپ (لنکا) میں، حوّا کو جدہ میں، ابلیس کو بیسان (؟) میں اور سانپ کو اصفہان میں اتارا گیا -

آدمؑ کو ہندوستان کے جزیرہ سراندیپ کے پہاڑ راہون پر اتارا گیا - ان کے جسم پر جو جلدی لباس تھا وہ لباسِ جنت کا بقیہ تھا اور خوشبوؤں سے معطّر تھا - اس کی خوشبو تمام ہندوستان میں ہواؤں کے ذریعے پھیل گئی، کہا جاتا ہے کہ اسی وجہ سے ہندوستان میں عود، لونگ، مشک وغیرہ جملہ خوشبوئیں پائی جاتی ہیں، واللہ اعلم - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کی کانوں سے ہیرے اور اس جزیرے کے سمندر سے موتی نکلتے ہیں - کہتے ہیں جب آدمؑ کو زمین پر اتارا گیا تو ان کے ساتھ بہت سے میوے اور کھانے کی اشیاء بھی بھیجی گئیں، مثلاً اخروٹ، بادام، مونگ پھلی، نارنگی، انار، کشمش، عناب، سیب، انگور، خشخاش، کچھ سبزیاں، مثلاً کھیرا، ککڑی اور کچھ غلّے اور دالیں وغیرہ بھی بھیجی گئیں -

آدمؑ و حوّا کو پہلے الگ الگ اتارا گیا تھا پھر جہاں وہ دونوں ایک دُوسرے سے متعارف ہوئے یا ملے اس جگہ کا نام عرفہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس جگہ کی وجہ تسمیہ آدمؑ و حوا کی ملاقات (تعارف) ہی ہے لیکن اس قول میں اختلاف ہے -

جب آدمؑ نے حوّا سے ملاقات کے بعد تعلقات زوجیت قائم کیے اور حوّا پہلی بار حمل کے بعد جس اولاد کو جنم دیا ان میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی - لڑکے کے نام قابیل اور لڑکی کا نام لیوزا رکھا گیا اور جب حوّا کے دوبارہ حمل قرار پایا تو اس سے بھی ایک لڑکا پیدا ہوا اور ایک لڑکی - لڑکے کے نام ہابیل اور لڑکی کا اقلیما رکھا گیا - لڑکوں کے ناموں میں راوی اختلاف رکھتے ہیں لیکن اہلِ کتاب اور کچھ دوسرے لڑکوں میں سے پہلے کے نام قابیل پر متفق ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، تاہم ایک گروہ ایسا ہے جو اس کا نام قابیل بتلاتے ہیں مگر اکثریت کی رائے وہی ہے جو ہماری ہے -

علی بن الجہم خلقت کائنات و مخلوق کی بابت اپنے قصیدے میں ایک جگہ کہتا ہے :-

"جب ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام قابیل رکھا گیا، اور یہی نام ہم جگہ جگہ سُنتے

اور دیکھتے آئے ہیں تاہم اسے کوئی اب ہابیل کے نام سے پکارے یا قابین کے ان دونوں میں (ہمارے نزدیک) کوئی فرق نہیں ہے۔"

اہل کتاب کہتے ہیں کہ آدمؑ نے ہابیل کی بہن کی قابین سے اور قابین کی بہن کی ہابیل سے شادی کی اور دو ساتھ ساتھ پیدا ہونے والے بہن بھائیوں میں بلحاظ تقدیم و تاخیر ولادت یہ فرق رکھا اور یہی فرق (اوّلاً) ازدواجی تعلقات میں سنت آدم ٹھہرا، لیکن مجوسیوں کو اہل کتاب کی اس رائے سے اختلاف ہے وہ بہن بھائیوں کے مابین رشتۂ ازدواج کو جائز سمجھتے اور تاحال اسی پر عمل پیرا ہیں اور اگر اپنے بطن سے نہ ہوں) تو بیٹوں کا ماؤں سے نکاح بھی ان کے نزدیک داخل حرمت نہیں ہے۔ ہم نے اس پر اپنی پہلی کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے جس کے چودھویں باب میں ہم نے دنیا کی قدیم معاشرت، رسم و رواج اور آثار و افکار پر گفتگو کی ہے۔

جہاں تک ہابیل اور قابین کی حکایت کا تعلق ہے، ہابیل اس خوف سے کہ قابین اس کی بہن کے ساتھ اس کی بھیڑ بکریوں اور دیگر مال و متاع پر بھی قبضہ نہ جمالے مغلوب الغضب ہوگیا اور یہی حال قابین کا بھی ہوا لیکن قابین نے پہل کر کے ہابیل کو قتل کر دیا جس کا ذکر اللہ جل شانہٗ نے اپنی کتاب مقدس (قرآن) میں کیا ہے کہا جاتا ہے کہ قابین نے ہابیل کو عراق کے کسی گھنے جنگل میں موت کے گھاٹ اتارا اور کچھ لوگ اسے ملک شام کے جنگلات دمشق کا واقعہ بتاتے ہیں۔ بہرحال جب قابین نے ہابیل کو قتل کر دیا تو اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لیے اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ اس پر خدا نے دو کوّے بھیجے جن میں سے ایک نے دوسرے کو مار کر زمین میں دفن کر دیا۔ یہ دیکھ کر قابین نے بھی ان کی تقلید میں ہابیل کی لاش کے ساتھ یہی عمل کیا پھر کہنے لگا: "افسوس میری سمجھ ان کوّوں سے بھی گئی گزری تھی ورنہ میں اس سے پہلے ہابیل کی لاش کو ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔" جب آدمؑ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہیں حد درجہ صدمہ پہنچا اور وہ گریہ وزاری کرنے لگے۔

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں:-

"حضرت آدمؑ کے اپنے بیٹے کی موت پر مرثیہ کہنے کے سلسلہ میں کچھ اشعار بھی ان سے منسوب کیے جاتے ہیں جو یہ ہیں:-

"بستیاں بدل گئی ہیں اور ان کے باشندے بھی ‏ ‏ روئے زمین قبیح ہو گیا ہے ——!
سب رنگ اور مزے بدل گئے ہیں ‏ ‏ صبیح چہروں کی بشاشت کم ہو گئی ہے
اہل زمین نے وہ خوشبو، شرافت و کشادگی ‏ ‏ جو طبعِ جنت الفردوس میں تھی بدل دی ہے

ہمارا پڑوسی دشمن[1] ہم سے کنارہ کش نہیں ہوتا — نہ مرتا ہے کہ ہمیں راحت و آرام ملے
قابیل نے ہابیل کو ظلم سے قتل کر دیا ہے — پس میں اس کے چہرہ ملیح کو یاد کر کے غمگین ہوں
میرا کام مسلسل اشکباری ہے — جب کہ ہابیل کو قبر نے آغوش میں لے لیا ہے
طول حیات میرے لیے باعث غم ہے — میں اپنی اس زندگی سے خوش نہیں ہوں"

میں نے تواریخ اور سیر و انساب کی کچھ کتابوں میں لکھا دیکھا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے یہ اشعار پڑھے تو ابلیس آپ کے سامنے اس طرح آیا کہ آپ اس کی آواز تو سن سکتے تھے لیکن اسے دیکھ نہیں سکتے تھے، تاہم اس کے اشعار ذیل آپ نے سماعت فرمائے :-

"اے آدم! تم بستیوں اور ان کے باشندوں سے بیزار ہو — وسعت ارضی میں تمہارا قیام ضیق بن گیا ہے
تم اور تمہاری بیوی حوا تو یہاں رہتے تھے — کیا اب تم دنیا کی اذیتوں سے تنگ آ گئے ہو؟
میرے مکر و فریب اس وقت تک ختم نہ ہوں گے — جب تک تم سے آرام و راحت کا ذرہ ذرہ نہ چھن جائے
اب تم روتے اور کہتے ہو کہ کاش — رحمت رحمٰن اور ہوائے خلد بریں پھر تمہارے پاس ہو"

میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ حضرت آدمؑ نے ابلیس کی آواز سنی اور اسے اس وقت بھی نہیں دیکھا جب اس نے اپنا آخری شعر پڑھا جو ہمارے اوپر درج کردہ اشعار میں نہیں ہے۔ وہ یہ ہے :-

"ہابیل کے قتل سے کشت و خون جڑ پکڑ گئے — اور تمام زندہ انسان ذبح کی ہوئی لاش بن جائیں گے"

جب حضرت آدمؑ نے ابلیس کے یہ اشعار سنے تو ان کے حزن و ملال میں اضافہ ہو گیا اور وہ قاتل و مقتول کو حقیقی طور پر پہچان گئے۔ اس کے بعد خدا نے آپ پر وحی نازل کی اور فرمایا "تم سے وہ نور جو پاک و مطہر تھا لے لیا گیا ہے۔ اب وہ خاتم الانبیاء میں ہے جس کی اولاد کو ہم نے خلفائے ابرار اور ائمہ ابرار بنایا ہے۔ اس کی اور اس کے آل اطہار کی دعوت زمین میں اور ان کے فیوض و برکات اور ان کے اطاعت گزاروں کی تشیع جب ختم ہو گی تو یہ دنیا بھی ختم ہو جائے گی۔ اب تم پاک صاف ہو کر ہماری تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو اور جب تمہاری بیوی پاک صاف ہو جائے تو اس کے پاس جاؤ۔ ہماری ودیعت تمہارے ہی ایک بیٹے کے وجود میں کسی وقت نور بن کر جلوہ افروز ہو گی" (مفہوم)

بطن حوا سے حضرت شیثؑ کی ولادت

اس کے بعد خلوت حضرت آدمؑ سے حضرت حوا کے ایام حمل پورے ہونے کو آئے تو ان کی پیشانی چمکنے لگی اور اس کے

---

[1] مراد ابلیس (مترجم)

بالوں کی چمک بڑھ گئی، آنکھوں سے نور جھلکنے لگا اور وضع حمل کے بعد جو لڑکا پیدا ہوا تو اس میں ذکور کے جملہ جسمانی کمالات ظاہر ہونے لگے، مکمّل وقار، حسنِ صورت، مکمّل ہیئت، خلقی اعتدال و توازن، نور وجلالت، غرض حضرت حوّا کا تمام نور اس میں منتقل ہوگیا۔ حضرت آدمؑ نے اس طفل کا نام شیث رکھا اور اسے "جلالِ خداوندی" کہا جانے لگا۔ حتیٰ کہ جب وہ زمانۂ شباب کو پہنچا تو حضرت آدمؑ نے اسے اپنی وصیت سپرد کرکے کہا کہ وہ ان کے بعد (زمین پر) "حجۃ اللہ" اور خلیفہ ہوگا۔ یہ نوع انسانی میں دوسرے شخص تھے جنہیں پاک ذرات اور نوری اجرام ودیعۃً منتقل ہوئے۔

شیثؑ کو آدمؑ کی وصیت اور آپ کی وفات

جب حضرت آدم (علیہ السلام) کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے شیث کو وصیت کی کہ وہ عطیات الٰہی اور اس کے عطا کردہ علمی خزائن کی حفاظت کرے۔ حضرت آدمؑ کی وفات روزِ جمعہ اسی وقت ہوئی جس وقت آپ کی تخلیق عمل میں آئی تھی۔ یہ عرصہ تخلیق آدمؑ سے (سنات دنیا کے لحاظ سے) آپ کی تخلیق سے آپ کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے تک تخمیناً چالیس ہزار سال ہوتا ہے۔

آپ کے مدفن کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ منیٰ میں مسجد خیف میں مدفون ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ابی قبیس کے مقام کہف میں۔ بہر حال حقیقت کا علم خدا کو ہے۔

حضرت شیثؑ کا مرتبہ

حضرت شیثؑ تاحیات نوعِ انسانی میں حکم کی حیثیت رکھتے تھے۔ جب آپ کی زوجہ کے حمل قرار پایا تو وہ تمام نوری آثار جو حضرت آدمؑ سے حضرت شیثؑ میں منتقل ہوئے تھے ان سے ان کی زوجہ میں منتقل ہو گئے اور پھر ان کے بیٹے انوش میں۔ اسی طرح یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہا۔ حضرت شیثؑ نے اپنے بیٹے انوش کو ان جملہ کرامتوں اور عظمتوں سے جو انھیں اپنے والد حضرت آدمؑ سے پہنچی تھیں آگاہ کردیا تھا اور یہ علم امتیاز اسی طرح نسل در نسل صدیوں تک منتقل ہو کر حضرت عبدالمطلبؑ تک پہنچا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس نورِ قدیم سے مشرف فرمایا۔ پھر یہ نور آپ کے بیٹے عبداللہ کی طرف منتقل ہوا اور ان سے ان کے ولدِ مبارک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔

کچھ لوگ نصوصِ قرآنی سے ثابت کرتے ہیں کہ رسول عربی نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ نور سنت الٰہیہ کے اصول سے آپ کی اولاد در اولاد منتقل ہوا جنہیں امام کہا جاتا ہے اور وہ معصوم اور انبیاء علیہم السلام کی طرح مامور من اللہ ہیں۔ یہ عقیدہ فرقہ امامیہ کا ہے جو شیعانِ علیؑ کہلاتے ہیں اور فرقہ معتزلہ، زیدیہ وغیرہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں جب کہ دوسرے فقہاء وعلمائے امصار

اس عقیدے کے قائل نہیں ہیں۔ ان مباحث کو ہم زیر نظر کتاب کے آئندہ صفحات میں تفصیلاً پیش کریں گے۔

انوش بن شیث اور لود

انوش بن شیث نے زمین پر بڑی طویل عمر پائی۔ کہا جاتا ہے (واللہ اعلم) کہ حضرت شیث آدم علیہ السلام کی دوسری اولاد کی بہ نسبت ان کی اصل اولاد ہیں اور اولاد آدم کا صحیح نسبی سلسلہ آپ ہی سے چلا۔ ان کی عمر ۹۱۲ سال ہوئی۔ انہیں کے زمانے میں اپنے بھائی ہابیل کے قاتل قابن کو قتل کیا گیا۔ قابن کے مقتل کے بارے میں عجیب و غریب روایات ہیں جن پر ہم نے اپنی پہلی دو کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں گفتگو کی ہے۔ انوش کی وفات زمین پر ہبوط آدم کی تشرین اوّل کے تیسرے حصّے میں ہوئی اور ان کی عمر ۹۶۰ سال ہوئی۔ ان کے جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام قینان تھا جس کی پیشانی میں وہی نور منتقل ہوا جو انوش کی پیشانی میں تھا، انوش نے قینان سے عہد خداوندی بحیثیت "خلیفۃ اللہ فی الارض" کو پورا کرنے کا عہد لیا اور اس کے بعد انوش نے وفات پائی، ان کی عمر ۹۲۰ سال ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی عمر وفات ہمارے اس وقت ہوئی ~~جب ان کا بیٹا مہلائیل پیدا ہو چکا تھا اور انہوں نے عہد مہلائیل سے لیا تھا۔ مہلائیل کی عمر ۸۰۰ سال ہوئی۔~~ ان کی وفات سے پہلے ان کا بیٹا لود پیدا ہو چکا تھا جس سے انہوں نے مذکورہ بالا عہد لیا جو بطور قدیم قائم رہا انہوں نے بہت سے شہر بھی تعمیر کیے۔ لیکن لود کے زمانے میں بہت سے سانحات پیش آئے مثلاً قابن کی اولاد سے اولاد لود کے محاربات جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں تفصیل سے کیا ہے، اسی نوعیت کے محاربات شیث اور قابن کی اولاد کے درمیان میں واقع ہوئے۔ یہ سب واقعات اس خطہ ارضی میں پیش آئے جو آدم علیہ السلام سے بطور علاقہ ہند منسوب ہے جہاں قابن کی اولاد نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ لود کی اولاد اس کے قریبی علاقے "ممار" میں مقیم تھی، یہ بھی ہندوستان ہی کا علاقہ تھا، لود کی اولاد اس لیے "مماری" کہلائی، لود کی عمر ۷۸۲ سال ہوئی اور انہوں نے "آذار" میں وفات پائی۔

اخنوج

لود کے بعد ان کے بیٹے اخنوج کا زمانہ آیا، اخنوج ہی دراصل اللہ کے نبی ادریس علیہ السلام ہیں، اگرچہ صابیوں کے نزدیک وہ "ہرمس" ہیں جس کے معنی عطارد ہیں۔ بہرحال یہی اخنوج یا ہرمس حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جن کا رتبہ قرآن شریف کے بموجب اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا۔ آپ کی عمر ۳۰۰ سال ہوئی اور اکثر راویوں کا اسی پر اتفاق ہے وہ پہلے انسان ہیں جس نے کپڑے سی کر پہنے اور انہیں سوئی سے سیا۔ آپ پر ۳۰ آسمانی صحیفے نازل ہوئے۔ حضرت آدم پر ۲۱ صحیفے نازل ہوئے تھے اور حضرت شیث پر ۲۹ صحیفے نازل ہوئے، تسبیح و تہلیل یعنی عبادات پر مشتمل تھے۔

متوشلح ادریس علیہ السلام کے بیٹے متوشلح تھے اور وہی موروثی نور ان کی پیشانی پر بھی نمودار ہوا انہوں نے بہت سی بستیاں آباد کیں، بلغراد، متقلیہ اور روس انہیں کے آباد کردہ ہیں۔ ان کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ انہوں نے ۹۶۰ سال عمر پائی اور "ایلول" میں فوت ہوئے۔ اس کے بعد ان کے بیٹے لملک ہوئے لیکن ان کے زمانے میں اولاد آدم میں پھوٹ پڑ گئی اور ہر طرف فساد پھوٹ پڑے۔

نوحؑ لملک کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ان کے بیٹے کا زمانہ آیا لیکن ان کے زمانے میں ظلم و طاغوت نے اور شدت اختیار کی۔ آپ نے اللہ کی طرف لوگوں کو بلایا اور حتی الامکان کوشش کی کہ نوعِ انسانی راہِ راست پر آجائے لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا تو آپ (حضرت نوحؑ) نے ان مبتلائے کفر و ظلم کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک کشتی تیار کرنے کا حکم دیا، جب کشتی تیار ہو گئی تو خدا کے حکم سے حضرت جبریلؑ آئے اور اپنے ساتھ حضرت آدمؑ کا تابوت بھی لائے جس میں ان کی لاش تھی۔ یہ کشتی آذار میں ۱۹ ماہ تک رہی۔ اس کے علاوہ حضرت نوحؑ کے ساتھ آپ کے احکام اور احکام الٰہی پر عمل کرنے اور اسے معبود اور قادر مطلق ماننے والوں میں کچھ اور اشخاص بھی تھے، یہ سب حضرات خدا کے حکم سے کشتی میں سوار ہو گئے تو خدا کے حکم سے زمین شق ہو گئی اور اس میں سے پانی اُبل پڑا، دوسری طرف آسمان سے پانی ٹوٹ پڑا۔ اور ساری زمین اس پانی میں غرق ہو گئی اور پانچ ماہ تک غرق رہی۔ حضرت نوحؑ کی کشتی پانی پر بہتی ہوئی جودی پہاڑ کی چوٹی پر جا ٹھہری تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ طوفان ختم ہوا۔ جبل جودی زمین کے خطۂ باسوری میں واقع ہے جو جزیرہ ابن عمر اور موصل کے نزدیک ہے اور دریائے دجلہ سے آٹھ فرسخ (تقریباً ڈیڑھ کوس) کے فاصلے پر ہے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی کے آثار جودی پہاڑ پر تاحال موجود ہیں۔

طوفان نوحؑ کا پانی جب سمٹا اور زمین اُبھری تو اس نے اکثر جگہ سمندروں کی شکل اختیار کر لی، ان کا پانی نمکین تھا، باقی پانی پہاڑی غاروں اور عمیق گڑھوں میں سما گیا جو مخلوق ارضی کے پینے کے کام آیا، اس کا مزہ میٹھا تھا۔ اس کا ذکر ہم انعام وجود کے سلسلے میں آگے چل کر کریں گے۔

حضرت نوحؑ کی کشتی میں آپ کے تین بیٹے سام، حام اور یافث اور تینوں کی بیویاں تھیں۔ ان کے علاوہ چالیس مرد اور چالیس مرد اور تھے۔ یہ سب جودی پہاڑ کی چوٹی پر کشتی سے اُترے اور وہیں رہ پڑے، اس آبادی کا نام ثمانین اس لیے پڑا جو آج تک چلا آتا ہے کہ وہاں کچھ عرصہ بعد صرف اسّی آدمی باقی رہ گئے تھے جو حضرت نوحؑ کے مذکورہ بالا تینوں بیٹوں کی اولادیں تھے انہیں

باقی ماندہ اشخاص کے بارے میں ارشاد باری ہے "ہم نے اس کی (نوحؑ کی) ذریت انہیں باقی ماندہ (افراد) سے بنائی۔" اس قول کی تاویل معنویت خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ نوحؑ کے مذکورہ بالا بیٹوں کے علاوہ آپ کا ایک اور بیٹا بھی تھا جس سے آپ نے فرمایا تھا: "اے بیٹے ہمارے ساتھ (کشتی میں) سوار ہو جا۔" (القرآن۔ ترجمہ) حضرت نوح علیہ السلام کے اس بیٹے کا نام "یام" تھا۔

حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹوں حام، سام اور یافث میں تمام خطۂ ارضی کو تقسیم کر دیا لیکن حام کو ملعون اور "عبد غیر" ٹھہرایا، سام کو مبارک کہا اور یافث کو کثرتِ اولاد کی دعا دی۔ توریت میں مذکور ہے کہ حضرت نوحؑ مذکورہ بالا طوفان کے بعد ۳۵۰ سال تک زندہ رہے، ویسے آپ کی پوری عمر ۹۵۰ سال ہوئی جب کہ اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔

مساکن حام بن نوح

حام اور اس کی اولاد کا قیام مختلف بحری و بری حصوں میں رہا۔ ہم آگے چل کر اس کا اور سام و یافث اور ان کی اولاد کے مساکن کا حسب موقع ذکر کریں گے۔

مساکن سام

سام نے زمین کے وسطی حصے حضرموت، عمان اور عالج وغیرہ میں قیام کیا۔ اس کے بیٹوں میں ارم بن سام اور ارفخشد بن سام بن نوح ہوئے ہیں۔

ارم بن سام

ارم بن سام کی اولاد میں عاد بن عوص بن ارم بن سام ہوئے ہیں جب وہ رمل کے مفصلات میں مقیم تھے تو انھیں میں ہود کو خدا نے نبی بنا کر بھیجا۔

ثمود بن سام

ثمود بن عابر بن ارم بن سام، شام و حجاز کے درمیانی خطۂ ارضی میں آباد ہوئے حضرت صالحؑ انہی کے بھائیوں میں سے تھے۔ ان کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں جن کا ذکر ہم دیگر انبیاء کے ساتھ حسب موقع کریں گے۔

طسم، جدیس، عملیق

طسم، وجدیس دونوں لاوذ بن ارم کے بیٹے تھے، ان کی اولاد میں بعض حرم میں اور بعض شام میں آباد ہوئے۔ انھیں میں عمالیق بھی تھے جو مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے۔ ان میں امیم بن لاوذ ارض فارس چلا گیا، اس کا تفصیلی ذکر ہم حسب موقع کریں گے جہاں فارس کی مختلف نسلوں کے بارے میں اختلاف آراء کا ذکر ہوگا اور امیم سے کیومرث کے نسلی تعلق کا تذکرہ بھی ہوگا۔ یہی امیم فارس کے خطہ "وبار" میں جا بسا تھا جس کے متعلق عرب راویوں نے کہا ہے کہ جنات نے اس بستی پر غلبہ حاصل کر رکھا تھا، عاد بن عوص کے بھائی بنو عبیل بن عوص مدینہ میں آباد ہوئے تھے۔

ماش بن ارم اور اس کی اولاد

سام بن نوحؑ کی اولاد میں ماش بن ارم بن سام بھی گزرا ہے۔ یہ ماش بن ارم بن سام دریائے فرات کے کنارے بابل میں آباد ہوا تھا۔ بابل کا قلعہ اور فرات کا پُل اسی نے بنایا تھا۔ وہ بابل پر ۵۰۰ سال حکمران رہا، اسے "ملک النبیط" بھی کہا جاتا ہے۔ اسی کے زمانے میں اللہ تعالےٰ نے زبانوں میں فرق پیدا کیا۔ خدا نے سام کی نسل کے لیے ۱۷ اور یافث کی نسل کے لیے ۳۶ زبانیں تخلیق کیں جس سے لغات کے شعبوں میں بھی فرق پیدا کر دیا اور زبانوں میں تفریق ہو گئی۔ زبانوں کے اس فرق کا ذکر ہم مختلف شہروں کی تفصیل کے ساتھ کریں گے۔ بابل کی مختلف زبانوں کے متعلق اشعار بھی کہے گئے ہیں۔ لفظ "فالغ" کا مفہوم مختلف قوموں میں زمین کے بٹوارے کا ہے جیسے (عربی میں) "فالج" یعنی تقسیم کنندہ کہا جائے گا۔ اسی کو بابل کی زبان میں فالغ کہا گیا ہے۔

فالغ بن شالخ اور اس کی اولاد

ارفخشد بن سام بن نوحؑ کا بیٹا شالخ تھا اور اس کے بیٹے کا نام فالغ تھا جس نے خطہ ہائے ارضی کی تقسیم کی، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جدِّ اعلیٰ تھا، اسی کا بیٹا قحطان تھا اور اس کا بیٹا یعرب ابن قحطان کے نام سے پکارا گیا، وہ پہلا شخص تھا جس نے ملکی انتظام کی تعلیم دی اور صبح و شام کے سلام کو رواج دیا۔ کہا گیا ہے کہ جس طرح اس نے ملکی انتظام کیا بجز ملوک حیرہ کے اور کسی نے نہیں کیا۔ قحطان ابو الیمن کا ذکر ہم انشاءاللہ یمنی النساب کے تحت کریں گے۔ تاہم واضح رہے کہ یہ پہلا شخص تھا جس نے عربی زبان میں صحت اعرابی کے ساتھ کلام کیا جس سے الفاظ کی معنویت پر بہت اثر پڑا۔ اس کے بعد یقطن ابن عامر بن شالخ آتا ہے، وہی ابو جرہم ہے جو یعرب کا چچازاد بھائی ہے اور جرہم ہی وہ شخص ہے جس نے یمن میں اقامت اختیار کی لیکن بولتا عربی تھا۔ اس کی اولاد یمن کے بعد مکہ مکرمہ میں آ بسی، ان کے متعلق بہت سی روایات ہیں، قطورا انہیں کے چچیرے بھائیوں میں سے ہے۔ اسی کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جنہوں نے بنو جرہم میں عقد کیا جو رشتے میں ان کے بیٹے کے ماموں ہوتے تھے۔

اہل کتاب بیان کرتے ہیں کہ ملکک بن سام بن نوح زندہ تھا جب سام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول وحی کا آغاز ہوا، سام ہی کی اولاد سے نسلِ آدم تا آخر الایاد چلتی رہے گی۔ سام ہی حضرت آدم علیہ السلام کا تابوت (تدفین کے لیے) وسطِ ارض میں لے گیا تھا اور اپنے بیٹے ملکک کو اس کا متولی بنایا تھا۔ سام کی وفات ایلول میں جمعہ کے روز ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۶۰۰ سال تھی۔

ارفخشذ بن سام

ارفخشذ سام کا بیٹا تھا اور ان کی وفات کے بعد کافی مدت تک زندہ رہا، وفات کے وقت اس کی عمر ۴۶۵ سال تھی، وفات نیسان میں ہوئی۔

شالخ بن ارفخشذ

ارفخشذ کے بعد اس کا وارث اس کا بیٹا شالخ تھا، اس نے ۴۳۰ سال عمر پائی۔

عابر بن شالخ

شالخ کے بعد اس کا وارث اس کا بیٹا عابر ہوا، اس نے بہت سی بستیاں تعمیر کیں، اسی کے زمانے میں اولاد آدم کے مابین تقسیم ارضی کے سلسلے میں تنازع ہوا۔ اس نے ۴۳۰ سال عمر پائی۔

فالغ بن عابر

عابر کی وفات کے بعد اس کی وراثت حسب معمول اس کے بیٹے فالغ کو ملی۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم نے بابل کی بنیاد اور اختلاف السنہ کے سلسلے میں زیر نظر کتاب کے گزشتہ صفحات میں کہیں کر دیا ہے۔ اس نے ۲۳۰ سال عمر پائی۔

رعو بن فالغ

فالغ کے بعد اس کی وراثت اس کے بیٹے رعو کو ملی۔ اسی کے زمانے میں زمین پہ بت پرستی شروع ہوئی، جابر و ظالم نمرود اسی کے زمانے میں گزرا ہے۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۲۰۰ سال تھی۔ اس کی وفات نیسان میں ہوئی۔

ساروغ بن رعو

رعو کے بعد اس کا بیٹا ساروغ اس کا وارث ہوا، اس کے زمانے میں بت پرستی کو کافی فروغ حاصل ہوا اور زمین پر بہت سے حادثات کا ظہور ہوا۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۲۳۰ سال تھی۔

ناحور بن ساروغ

ساروغ کے بعد ناحور بن ساروغ نے اس کی جگہ لی۔ اس کے زمانے میں زمین پہ کئی بار زلزلے آئے اور بنی نوع انسان میں باہم متعدد لڑائیاں ہوئیں جو اس سے قبل سننے میں نہیں آئی تھیں اور اسی زمانے میں الگ الگ پہننے کے کپڑے اور آلات حرب بھی ایجاد ہوئے نیز بلاد ہند میں بڑی تخریب پھیلی اور بہت سے حوادث رونما ہوئے۔ اس نے ۱۴۶ سال عمر پائی۔

تارح بن ناحور

ناحور کے بعد اس کی جگہ اس کے بیٹے تارح نے لے لی۔ وہ تارح ہی ہے جو آذر کے نام سے مشہور ہوا، اس کے زمانے میں بت پرستی اور پھیلی، جگہ جگہ بت بنائے اور رکھے جانے لگے، صنم خانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ مظاہر پرستی بھی خوب پھلی پھولی ہیئت و نجوم سے لوگ روشناس ہوئے۔ انھوں نے آلات جنگ تیار کیے اور ان کے استعمال

سے لوگوں کو واقفیت بہم پہنچائی، حاکموں کے مراتب کہیں سے کہیں جا پہنچے حتیٰ کہ نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اس کی پرستش ہونے لگی۔ نجومیوں نے نمرود کو بتایا کہ ایک لڑکا پیدا ہو گا جو اس کے تخت و تاج کو ملیا میٹ کر دے گا اور اس کی عزت و حرمت کے لیے بھی خطرہ بن جائے گا۔ اسی لیے نمرود نے ہر نومولود بچے کو قتل کرانا شروع کر دیا۔ ابراہیم بن تارخ یعنی پسر آذر کی جان غاروں میں چھپ کر بچی) آذر کی عمر اس کی وفات کے وقت ۲۶۰ سال تھی اور یہی قرینِ قیاس و صحت ہے۔ باقی ٹھیک ٹھیک خدا ہی جانتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا قصّہ اور آپ کے زمانے کے حالات

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی پناہ گاہ سے نکلے تو آپ نے دُنیا کے حدوث و آثار کو دیکھا، پہلے آپ نے ستارے زُہرہ پر نظر کی تو اس کی چمک دمک دیکھ کر کہا "یہی میرا رب ہے۔" پھر جب چاند اپنی پوری آب و تاب سے آسمان پر نمودار ہوا تو آپ اسے دیکھ کر بے ساختہ بول لے: "یہ میرا رب ہے" اور جب آفتاب عالمتاب نے صبح کو اُفق مشرق سے سر اُبھارا تو آپ نے حیران ہو کر فرمایا: "یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے۔" لیکن جب آپ نے ان تینوں کے طلوع و غروب پر غور فرمایا تو (دل میں) کہا "میں غروب ہونے والوں پر ایمان لا کر ان کی پرستش نہیں کر سکتا۔" لوگوں کا آپ کے ان اقوال میں اختلاف ہے، کچھ کہتے ہیں کہ یہ باتیں آپ نے سنِ بلوغ کو پہنچنے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے مکلّف بالشرع ہونے سے قبل ہی کی تھیں اور کچھ لوگ اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں۔ بہرحال جب ان کے پاس خدا کی طرف سے حضرت جبرئیلؑ (فرشتہ) آئے تو آپ کو دینِ حق سے مطلع کیا اور خدا نے آپ کو نبوّت سے سرفراز فرما کر اپنا خلیل (دوست) بھی فرمایا۔ جب آپ نے لوگوں کو دینِ حق (توحید الٰہی وغیرہ) کی تعلیم دینا شروع کی تو وہ لوگ جو بت پرستی پر اپنے آباؤ اجداد کی طرح مصر تھے آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کی دینی سرگرمیوں سے نمرود کو مطلع کر دیا لیکن جب وہ کمزور دلائل سے آپ کو قائل نہ کر سکا اور آپ خدا کی وحدانیت کے اعلان پر مُصر رہے تو اس نے آپ کو آگ میں پھینکوا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو سرد اور آپ کے لیے سلامتی کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت دنیا میں جہاں جہاں آگ جل رہی تھی وہ بھی بجھ گئی۔

ولادت اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے اسماعیلؑ کی ولادت اس وقت ہوئی جب آپ کی عمر چھیاسی یا ستاسی سال ہو چکی تھی، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی

عمر پورے نوّے سال تھی۔ بہرحال اسماعیل سارہ کی باندی ہاجرہ کے بطن سے تولد ہوئے۔ سارہ وہ عورت تھیں جو حضرت ابراہیمؑ پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور وہ تبوایل بن ناحور کی بیٹی یعنی حضرت ابراہیمؑ کی چچازاد بہن تھیں۔ بعض لوگ اس سے اختلاف رکھتے ہیں جس کا ذکر ہم حسب موقع آگے چل کر مفصل کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر لوط بن ہاران بن تارح بن ناحور جو رشتے میں آپ کے بھتیجے تھے۔ ایمان لائے۔

اصحاب مؤتفکہ

حضرت لوط (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے پانچ شہروں سدوم، عمورا، ادمونا، صاعورا اور صابورا کی طرف بھیجا اور قوم لوط اصحاب مؤتفکہ کہلاتی ہے۔

لفظ مؤتفکہ "افک" سے مشتق ہے لیکن جو لوگ صرف اس اشتقاق ہی پر گفتگو کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں یہ مذکورہ بالا شہروں کی نسبت سے ایک اصطلاح ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان شہروں کے باشندوں کے متعلق قرآن میں (وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوٰى) ارشاد فرمایا ہے۔ یہ شہر شام و حجاز کی سرحد کے درمیان تھے جو اردن اور بلاد فلسطین سے بھی ملتی ہیں، ان شہروں کے آثار اب بھی ملتے ہیں جو کم و بیش ۳۸۲ میل تک صرف مختلف رنگ کے پتھروں کے کھنڈرات کی شکل میں نظر آتے رہے۔ ان شہروں میں حضرت لوط علیہ السلام نے ۲۰ سال سے کچھ زیادہ قیام فرما کر لوگوں کو دین حق کی دعوت دی لیکن وہ کفر پر اڑے رہے اور اپنے افعال قبیح سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔

جب حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی تو سارہ ان سے حسد کرنے لگیں، اس لیے حضرت ابراہیم انہیں اور اپنے شیرخوار بیٹے اسماعیل کو ارض مکہ میں لے گئے اور انھیں وہاں چھوڑ دیا، پھر آپ نے (تعمیر کعبہ کی بنیاد رکھ کر) اللہ سے دعا کی:-

"اے اللہ میں نے اپنی ذریت کو اس بے آب و گیاہ زمین میں تیرے مقدس گھر کے پاس لا بسایا ہے"[1] الخ۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور جرہم و عمالیق قبائل کی اکثریت کے دل میں آپ کی انسیت پیدا کر دی۔ خدا نے لوطؑ کی قوم کو جیسا کہ قدیم اطلاعات سے پتہ چلتا ہے اس کے اعمال کی سزا کے طور پر ہلاک کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے نام پر حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنے کا حکم دیا تو آپ نے فرمان الٰہی کی بجا آوری کے لیے اسماعیلؑ کو منہ کے بل لٹا کر ان کی

---

[1] القرآن (ترجمہ) کوکب

گردن پر بطور "ذبیح عظیم" چھری چلا دی۔ خدا کو آپ کا یہ عمل پسند آیا اور اس نے اسماعیل کی جگہ خود ہی فدیہ بھیج کر اسے قبول فرما لیا اور ان کے، ان کے بیٹے اسماعیلؑ کے اور خانہ کعبہ کے درجات بلند فرمائے۔

حضرت اسحٰق کی ولادت

حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحٰق اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال ہو چکی تھی۔

اولادِ ابراہیمؑ میں ذبیح کون ہے؟

لوگوں میں اس کے متعلق اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹوں اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ میں ذبیح کون ہے جس کی آپ نے خدا کے نام پر قربانی دی۔ کچھ لوگ اس سلسلے میں حضرت اسماعیلؑ کا نام لیتے ہیں اور بعض لوگ حضرت اسحٰق کا۔ اس کا فیصلہ یوں ہو سکتا ہے کہ اگر ابراہیمؑ کو قربانی کا حکم حجاز میں ملا تو ذبیح یقیناً حضرت اسماعیل ہیں کیونکہ حضرت اسحٰق نے حجاز میں کبھی قدم نہیں رکھا اور اگر حضرت ابراہیمؑ کو خدا کی طرف سے یہ حکم شام میں ملا تو بلاشبہ حضرت اسحٰق "ذبیح" ہوتے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ شام سے نکلنے کے بعد پھر کبھی وہاں واپس نہیں گئے۔

حضرت سارہ کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے قنطورا سے نکاح کیا جس کے بطن سے چھ لڑکے مرق، نفس، بدن، مدین، سنان اور سرح پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی وفات شام میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۱۹۵ سال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر دس صحیفے نازل فرمائے۔

اولادِ اسحاقؑ

حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے بعد حضرت اسحٰق نے رُفقا نام کی لڑکی سے شادی کی جو بتوایل کی بیٹی تھی۔ اس کے بطن سے حضرت اسحٰق کے دو جڑواں بیٹے عیص اور یعقوب پیدا ہوئے ان میں ولادت کا فعل یہ ہے کہ پہلے عیص کی ولادت ہوئی اور پھر یعقوب کی۔ حضرت اسحٰقؑ کی عمر ان لڑکوں کی ولادت کے وقت ۶۰ سال تھی۔ آپ نے ریاست تو عیص اور اس کے بیٹے کو دی لیکن نبوّت (خدا کی جانب سے) یعقوبؑ اور ان کی اولاد کو ملی۔ وفات کے وقت حضرت اسحٰقؑ کی عمر ۱۸۵ سال تھی، وہ اپنے والد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی قبر کے برابر دفن ہوئے۔ ان باپ بیٹے دونوں کے مزار بہت مشہور جگہ پہ ہیں جو بیت المقدس سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر ہے اور آج کل مسجد ابراہیم اور مراعیہ کہلاتی ہے۔

یعقوبؑ بن اسحٰقؑ اور ان کے بھائی عیص

حضرت اسحٰق (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے یعقوبؑ کو شام جانے کا حکم دیا اور ان کی

اولاد کے بارے میں نبوت کی بشارت دی۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد جن میں سے چار کو نبوت ملی ان کے نام یہ ہیں:۔

لاوی، یہودا، یساخر، زبولون، یوسف، بنیامین، دان، تفتان، کان، اشار، شمعون اور روبیل۔ حضرت یعقوب کے یہ بارہ لڑکے تھے۔ اور ان میں سے جن چار لڑکوں کو نبوت ملی، ان کے نام لاوی، یہودا، یوسف اور بنیامین ہیں۔ حضرت یعقوب اپنے بھائی عیص کی طبیعت میں فطری طور پر شر اور فساد ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے ہمیشہ خائف اور تکلیف میں مبتلا رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خوف اور روحانی تکلیف سے نجات دلانے کا وعدہ فرمایا اور نجات دلا بھی دی۔ حضرت یعقوب کے پاس پانچ ہزار پانچ سو بکریوں کا گلہ تھا، انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق عیص کی شرانگیزیوں سے نجات مل گئی تھی، تاہم آپ نے بربنائے خوف اپنی بکریوں کے گلے سے دسواں حصہ دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا انہیں اپنے خدا کے وعدے اور عمل کے بعد بھی اطمینان نہیں ہے؟ چنانچہ اس کے بعد وہ قطعی طور پر مطمئن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کی اولاد عیص کی ۵۰۰ سال تک زیر دست نہیں رہے گی۔ یہی وہ مدت ہے جس کے اندر اندر رومیوں نے بیت المقدس بلکہ سارے فلسطین کو تباہ کر کے بنی اسرائیل کو اپنی غلامی پر مجبور کر دیا تھا تا آنکہ حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوا۔

حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں میں حضرت یوسفؑ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے، ان کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس کا ذکر قرآن (سورۂ یوسف) میں موجود ہے، اس لیے ساری امت مسلمہ بلکہ جملہ اہل علم کو اس کی خبر ہے۔

یعقوبؑ اور یوسفؑ کی وفات

حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر میں وفات پائی۔ آپ کی عمر اس وقت ۱۴۰ سال تھی۔ انہیں حضرت یوسفؑ نے فلسطین لے جا کر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحٰقؑ کی تربتوں کے قریب دفن کیا۔ حضرت یوسفؑ کی وفات مصر میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ آپ کا مزار مبارک پتھروں سے تعمیر کیا گیا اور اسے مطلا کیا گیا۔ آپ کا مزار دریائے نیل کے قریب ہے، اسی لیے اس کی چار دیواری سیسے سے بنائی گئی تاکہ مزار کو ہوا اور پانی سے نقصان نہ پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ انھیں فلسطین لے جا کر ان کے والد حضرت یعقوبؑ اور دادا حضرت اسحٰق کی قبروں کے برابر مسجد ابراہیمؑ کے قریب دفن کیا جائے۔

ایوّب (نبی)

حضرت ایوّب (علیہ السلام) کا شجرۂ نسب یہ ہے :-

ایوب بن موص بن زراح بن رعوایل بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام ۔ آپ کا قیام ارض شام میں اس جگہ تھا جو اُردن کے علاقے حوران اور ثنیہ میں دمشق اور جابیہ کے درمیان ہے ۔ آپ کثیر المال اور کثیر الاولاد تھے لیکن جب خدا نے آپ کو جان و مال اور اولاد کے سلسلے میں بطور امتحان حد درجہ تکلیف میں مبتلا فرمایا تو آپ نے صبر کیا اور بہرحال خدا کا شکر ادا کرتے رہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی قرآن میں فرمایا ہے ۔ آپ کی مسجد اور وہ چشمہ جس میں لوگ نہاتے ہیں ابھی تک موجود ہے ۔ آپ نے ۳۸۲ سال عمر پائی ۔ آپ کی اور آپ کی بیوی رحمت کی قبریں اسی مسجد میں ابھی تک موجود ہیں جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ۔ یہ جگہ شہر نویٰ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔

توراۃ اور اس سے پہلی کتابوں میں ذکر آیا ہے کہ موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوب نبی کا زمانہ موسےٰ بن عمران سے قبل کا ہے اور وہ موسےٰ وہی تھا جس نے خضر بن ملکان بن فالغ بن عابور بن شالخ بن ارفخشذ بن سام ابن نوح کو طلب کیا تھا لیکن بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ خضر درحقیقت خضرون بن عمیائیل بن نفر بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم تھا جسے اس کی قوم پر نبی بنا کر خدا نے بھیجا تھا اور اس کی قوم اس پر بحیثیت نبی ایمان لائی تھی ۔

موسیٰ بن عمران

آپ موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی ابن یعقوب (علیہ السلام) تھے جن کا قیام مصر میں تھا اور آپ کا زمانہ وہی تھا جو فراعنہ مصر میں سے ایک ظالم و جابر فرعون کا تھا ۔ اس فرعون کا اصل نام ولید بن مصعب بن معاویہ بن ابی نمیر بن ابی ھلواس بن لیث بن ہران بن عمرو ابن عملاق تھا اور یہ مصر کے فرعونوں میں چوتھا فرعون تھا ۔ یہ جسمانی لحاظ سے بڑا لمبا چوڑا تھا اور اس نے بڑی طویل عمر پائی ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی کافی تعداد مصر میں تھی جن پر یہ فرعون بڑے ظلم کرتا تھا ۔ اسے کاہنوں اور نجومیوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو نہ صرف تیری سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجائے گا بلکہ تجھے بھی ہلاک کر دے گا لیکن اللہ تعالےٰ نے موسےٰ کی پرورش ان کی ماں ہی کے ذریعہ کرائی اور جب بعد میں فرعون نے سمندر میں آپ کا پیچھا کیا تو خدا کے حکم سے آپ تو اپنی جماعت کے ساتھ صحیح و سالم پانی پر چل کر پار اُتر گئے لیکن فرعون ہلاک ہوگیا ۔ یہ سارا قصہ قرآن میں اللہ تعالےٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان فرمایا ہے ۔

شعیبؑ اسی زمانے میں حضرت شعیبؑ جو اللہ کے نبی تھے (علیہ السلام) گزرے ہیں۔ ان کا پورا نام شعیب بن نویت بن رعوایل بن مر بن عنقا بن مدین بن ابراہیمؑ تھا۔ ان کی زبان عربی تھی اور وہ اہل مدین کی طرف بحیثیت نبی مبعوث ہوئے تھے۔ جب موسیٰؑ فرعون سے جنگ کے بعد مصر سے نکلے تھے تو راستے میں ان کی ملاقات حضرت شعیبؑ سے ہوئی تھی۔ اور آپ انھیں کے ارشاد پہ ان کے پاس ٹھہر گئے تھے اور ان کی بیٹی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے۔ یہ قصہ بھی اللہ تعالے نے قرآن میں بیان فرمایا ہے:۔

ہارون برادرِ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے موسےؑ سے (کوہِ طور پر) خطاب فرمایا تھا اور انھیں ان کے بھائی ہارون کے ساتھ وابستہ کر کے فرعون اور اہل مصر کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا لیکن اس نے ان دونوں کی مخالفت کی اور جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے اللہ تعالے نے اسے (سمندر میں) غرق کر دیا اور موسے کو بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے نکل کر التیہ جانے کا حکم دیا۔ ان کے ہمراہ نابالغ بچوں کے علاوہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس وہ الواح تھیں جو خدا کی طرف سے آپ کو صحائف کی صورت میں ملی تھیں اور سنہری حروف میں لکھی ہوئی تھیں۔ جب آپ (ایک روز) کوہِ طور سے اُترے تو آپ نے بنی اسرائیل کو اس حالت میں پایا کہ انھوں نے سونے کا ایک بچھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ اس منظر کو دیکھ مذکورہ بالا صحائف آپ کے ہاتھوں سے گر کر منتشر ہو گئے۔ آپ نے انھیں جمع کر کے ان کی شیرازہ بندی کی اور ایک تابوت "تابوت سکینہ" کے نام سے بنا کر انھیں اس میں رکھ دیا۔ اس کے لیے آپ نے ایک ہیکل بھی تعمیر کیا۔ آپ کے بھائی ہارون جو کہانت پر عبور رکھتے تھے اس ہیکل میں رہنے لگے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسےؑ پر توریت کے تدریجی نزول کا اتمام فرمایا تو اس وقت آپ کا قیام اَلتیہ میں تھا۔ آپ کے بھائی ہارون کی وفات بھی وہیں ہوئی اور انھیں جبل شرات پر جو کوہِ طور کے نزدیک ہے کسی غار میں لے جا کر دفن کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس غار میں سے بعض راتوں کو ذی رُوح لوگوں کے گریہ و زاری کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ہم نے اس کا ذکر اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں قدیم اقوام کے آثار و قصص کے تحت تفصیل سے کیا ہے۔ بہرحال یہ قصہ حضرت موسےٰ (علیہ السلام) کی وفات سے پہلے کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ہارونؑ کی وفات حضرت موسےؑ کی وفات سے سات ماہ قبل ہوئی تھی۔ بعض روایات یہ بھی ہیں کہ ان کے بھائی کی وفات کا واقعہ خود ان کی وفات سے تین سال قبل پیش آیا تھا۔ حضرت ہارونؑ کی وفات

کے وقت ان کی عمر ۱۲۲ سال تھی تاہم ایک دوسری روایت میں اسے ۱۲۰ سال بتایا گیا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت موسیٰ اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کی وفات سے تین سال قبل شام چلے گئے تھے جہاں اس زمانے میں سریانیوں میں لڑائیاں ہو رہی تھیں جن میں عمالیق، قربانی اور مداینی وغیرہ بری راہ سے شام آکر شریک ہو گئے تھے جن کا ذکر توریت میں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر پہلے دس صحیفے نازل فرمائے تھے جن کی تعداد اختتام نزول تک سو ہو گئی تھی۔ اس کے بعد آپ پر عبرانی زبان میں توریت نازل ہوئی جو اوامر و نواہی، عبادات اور ان کے متعلق احکام الٰہی پر مشتمل تھے۔ توریت کی ۵ جلدیں تھیں جنہیں بعض لوگ "اسفار" یعنی صحیفے بھی کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے "تابوت سکینہ" کے نام سے جو تابوت تیار کر لیا تھا اس میں چھ لاکھ سات سو پچاس مثقال سونا لگا تھا۔

یوشع بن نون الکاہن

حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں حضرت ہارون کے بعد اگر کسی نے کہانت میں کمال پیدا کیا تو وہ یوشع بن نون تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت موسےٰ (علیہ السلام) اپنی وفات کے وقت ۱۲۳ سال یا ۱۲۰ سال کے تھے لیکن ان کے اور ان کے بھائی حضرت ہارون کے عالم پیری یا عالم شباب کے حالات علاوہ ان حالات کے جو سطور بالا میں بیان کیے جا چکے ہیں کہیں نہیں ملتے۔

حضرت موسیٰ بن عمران کی وفات کے بعد یوشع بن نون ہی اسرائیل کے ساتھ شام کی طرف گیا۔ وہاں اس وقت عمالیق میں سے جبابرہ اور کچھ ملوک شام نے غلبہ حاصل کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ یوشع بن نون ان پر چڑھ آیا کو جن سے اس کا کچھ ربط و ضبط تھا چڑھا لایا اور ارض غور کے اریحا اور دیگر شہروں کو فتح کر لیا۔ یہ وہ سرزمین تھی جو بحیرۂ منتنہ کہلاتی تھی اور وہاں کسی کا نہانا دھونا یا غوطہ لگانا ناممکن تھا کیونکہ اس میں اس وقت مچھلیاں وغیرہ جیسا کوئی ذی روح نہیں تھا۔ اس کا ذکر فلاسفہ میں صاحب المنطق اور ان سے قبل اور بعد کچھ اور لوگوں نے بھی کیا ہے یہیں بحیرۂ طبریہ آکر ختم ہوتا ہے اور اسی سرزمین کا نام اب اُردن ہے۔ بحیرۂ طبریہ کی ابتدا دمشق کے "بحیرۂ کفرلی" اور بحیرۂ فرعون کے امتزاج سے ہوئی ہے۔ جب دریائے اُردن کا دہانہ بڑھ کر بحیرۂ منتنہ سے جا ملا اور دونوں کے پانیوں میں امتیاز باقی نہ رہا بلکہ وسط بحیرہ منتنہ میں دونوں گڈمڈ ہو گئے تو انھیں صرف بحیرۂ منتنہ ہی کہا جانے لگا۔ اور چونکہ اس میں اس کے بعد کسی دوسری طرف سے کوئی دریا یا بحیرہ شامل نہیں ہوا، اس لیے اس کا یہ واحد نام پڑ جاتا

بعید از قیاس نہیں ہے۔ اس کے بارے میں کئی اور عجیب و غریب روایات ہیں جنہیں ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزماں عن الامم ماضیہ و الملوک الداثرہ" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ہماری مذکورہ بالا کتاب سے معلوم ہوگا بحیرہ منتنہ سے خربوزے کے برابر پتھر نکلتے ہیں جن میں سے ایک کو "حجر الیہود" کہا جاتا ہے۔ فلاسفہ نے بھی اس پتھر کا ذکر کیا ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے اس کا استعمال مثانہ اور اس کے اطراف کے درد میں مفید ہے۔ اس پتھر کی (درختوں کی طرح) دو قسمیں ہیں یعنی نر اور مادہ، پہلی قسم کا پتھر مردوں کے امراض کے لیے اور دوسرا عورتوں کے امراض کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہے نا عجیب و غریب بات؟ اس بحیرے سے ایک غبار سا اٹھتا رہتا ہے جسے حمرہ کہا جاتا ہے اور وہاں کے باشندے کہتے ہیں کہ ایسا کوئی دوسرا بحیرہ جس سے ایسا غبار اٹھتا ہو اور اس میں مچھلیاں اور کوئی دوسرا جانور نہ پایا جاتا ہو، روئے زمین پر کسی دوسری جگہ نہیں پایا جاتا، تاہم بلاد آذربائیجان میں آرمینیا اور مراغہ (مراکش) کے درمیان ایسا ہی ایک بحیرہ پایا جاتا ہے جس سے غبار اٹھتا رہتا ہے جسے یعنی اس بحیرے کو آج کل لوگ "کیودان" کہتے ہیں۔ وہاں بھی اس میں مچھلیاں اور کوئی دوسرا جانور نہیں پایا جاتا لیکن وہاں کے لوگوں کو اس پر کوئی حیرت نہیں ہے۔ ممکن ہے ان دونوں بحیروں یعنی بحیرۂ منتنہ اور بحیرۂ کیودان میں مچھلیوں اور کسی دوسرے جانور کی عدم موجودگی کی واحد اور مشترک وجہ مذکورہ بالا غبار ہی ہو۔

ملک شام کی طرف سمیدع بن ہوبر بن مالک بھی گیا تھا لیکن یوشع ابن نون سے اس کی جنگ چھڑ گئی جس میں یوشع مارا گیا۔ بنی اسرائیل میں موسےٰ بن عمران کے بعد جو یوشع بن نون ۲۹ سال تک زندہ رہا وہ یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن ابراہیم (علیہ السلام) تھا۔ ملوک عمالیق کے ساتھ جس یوشع بن نون کی محاربات کا ذکر کیا جاتا ہے وہ درحقیقت سمیدع تھا جو مدین کے نواحی علاقے ایلہ میں مقیم رہا۔ اسی کے بارے میں عوف بن سعد جرہمی کہتا ہے۔

"کیا تجھے عملقی ابن ہوبر یاد ہے، وہ اور اس کی اولاد ایلہ میں رہ کر منتشر ہو گئی
یہود حجافل اس سے نسبت کے دعویدار تھے وہ مدتوں افسوس کرتے اور روتے پھرے

اس کے بعد جو عمالیق رہ گئے تھے، انہیں عروج ہوا پھر گر کر زمین پر پناہ ڈھونڈتے پھرے لیکن مکہ کے پہاڑوں میں کبھی نہیں رہے اور اس سے قبل سمیدع کا کبھی ذکر نہیں سنا تھا۔ (ترجمہ مفہومی)

بلاد شام کے علاقہ بلقاء کے قریوں میں ایک قریہ تھا، وہاں ایک شخص بلعم بن باعور ابن سفور بن وسیم بن ناب بن لوط بن ہاران رہتا تھا، کہتے ہیں وہ بڑا مستجاب الدعوات تھا۔ اس سے

اس کی قوم نے یوشع بن نون کے لیے دُعا کرنے کے لیے کہا تو اس نے معذرت کر لی۔ بعض ملوک عمالیق کے بارے میں اس نے اشارۃً کہا کہ انہوں نے یوشع بن نون کی طرح حسین عورتوں کا لشکر بنا لیا تھا لیکن پھر وہ انھیں عورتوں پر بُری نظر ڈالنے لگے تو ان میں طاعون پھیل گیا جس سے ستر ہزار آدمی لقمۂ اجل ہو گئے۔ اسی قبیل کی اور روایات بھی ملتی ہیں۔ بلعم وہی شخص ہے جس کے بارے میں ارشادِ باری ہے کہ اسے اللہ نے کچھ نشانیاں دی تھیں جو بعد میں اس سے لے لی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب یوشع بن نون کی وفات ہوئی تو اس وقت اس کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔

بنی اسرائیل میں یوشع بن نون کے بعد کالب یوقنا بن بارض بن یہودا ہوئے۔ یوشع اور کالب وہ دو اشخاص تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے انعامات سے نوازا۔

ان اذکار کے بعد المسعودی بیان کرتے ہیں:۔

"میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ یوشع بن نون کی وفات کے بعد بنی اسرائیل میں کوشان الکفری قابلِ ذکر شخص تھے جو ۸۰ سال زندہ رہ کر ہلاک ہو گئے، اس کے بعد عمیائیل بن قابیل تھے جو بنی اسرائیل میں ۴۰ سال قیام پذیر رہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کوش جبار تھے جو بلقاء کے علاقے آب میں رہتے تھے۔ اس کے بعد جب بنی اسرائیل میں کفر پھیل گیا تو ان پر کنعان نے رضائے الٰہی سے ۲۰ سال تک حکومت کی اور اس کے بعد ہلاک ہو گیا۔ بنی اسرائیل پر احباری کی ۴۰ سال تک حکومت رہی۔ اس کے بعد شمویل اور طالوت حکمران رہے جن کے خلاف جالوت ملک البربر نے ارضِ فلسطین کی جانب سے خروج کیا۔

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں:۔

"جیسا ہم نے پہلے بیان کیا یوشع کے بعد کالب بن یوقنا کا دور آیا جس کے بعد بنی اسرائیل فنحاص بن العازر بن ہارون بن عمران نے ۳۰ سال حکمرانی کی۔ یہ بڑے مدبر شخص تھے، وہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے صحیفوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں محفوظ کرنے کے لیے "خابتہ النحاس" نامی عمارت تعمیر کی اور اسے صخرۂ بیت المقدس سے ملا دیا جس کی بنیاد اس سے قبل رکھی جا چکی تھی، انہوں نے "خابتہ النحاس" کا گنبد سیسے کا بنوایا۔ اس سے فارغ ہو کر ایک اور صخرہ بنایا اور پہلی عمارت کی طرح اس کے نیچے بھی ایک تہ خانہ بنوایا۔"

"جب فنحاس بن العازر ہلاک ہو گیا تو بنی اسرائیل پر کوشان الاثیم ملک الجزیرہ حکمران بنا جس نے ان پر آٹھ سال تک سختی کے ساتھ حکومت کی۔ اس کے بعد کالب کا بھائی عینائل بن یوقنا حکمران

بنا۔ یہ یہودا کی اولاد میں سے تھا اور اس نے ۴۰ سال تک حکومت کی۔ پھر اعلون ملکِ مواب بڑی جدوجہد کے بعد حکمران بنا اور اس نے ۱۸ سال حکمرانی کی۔ اس کے بعد افرائیم کی اولاد میں سے آہوز کا دَور آیا جو ۵۵ سال زندہ اور ۳۵ سال حکمران رہا۔ اس وقت تک تخلیق عالم کو چار ہزار سال گزر چکے تھے۔ اس مدت کے متعلق تاریخ میں کچھ اور روایات بھی ملتی ہیں۔ بہرکیف آہوز کے بعد شاعان بن آہوز نے ۲۵ سال حکومت کی جس کے بعد حکومت دبورا نامی ایک عورت کے حصے میں آئی جس کے ساتھ ایک مرد کو بھی جو نفتالی کی اولاد میں سے تھا۔ شریک حکومت کہا جاتا ہے، ان کی مدت حکمرانی ۴۰ سال بتائی جاتی ہے۔ اس کے بعد حکومت سرداران بنی مدین عریب، ربیب، برسونا، دارع اور صلنا کی طرف منتقل ہوگئی لیکن ان کا دور ۹ سال ۳ ماہ سے زیادہ نہیں رہا۔ اس کے بعد آل منشا میں سے کدمون نامی ایک شخص کا دَور آیا جس نے ملوک مدین کو قتل کرکے حکومت حاصل کی۔ اس کا دورِ حکومت ۴۰ سال رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابیا لخ ۳ سال ۳ ماہ، پھر آل افرائین میں سے تولع نے ۲۳ سال آل منشا میں سے یا ہین نے ۲۲ سال، ملوک عمّان نے ۱۸ سال ۳ ماہ، لحم کے گھرانے میں سے نخشون نے ۷ سال، شنسون نے ۲۰ سال، اطیح نے ۱۰ سال، عجران نے ۸ سال حکومت کی۔ اس کے بعد ملوک فلسطین حکومت پر قابض ہو گئے اور ۴۰ سال تک حکمران رہے جس کے بعد عیلان الکاہن ۴۰ سال تک حکومت کرتا رہا، لیکن اسی کے زمانے میں بابلیوں نے بنی اسرائیل پر فتح حاصل کی اور دوسرے مال غنیمت کے ساتھ مذکورہ بالا تابوت بھی اُٹھا لے گئے اور چونکہ بنی اسرائیل مفتوح تھے، اس لیے انھیں بھی بطور مالِ غنیمت گرفتار کرکے ساتھ بابل لے گئے اور انہیں اپنی آل اولاد اور وطن مالوف سے دُور کر دیا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ قوم حزقیل کے ساتھ پیش آیا۔ انھیں بھی ان کے وطن سے نکالا گیا تھا تو وہ نواح حضرموت میں چلے گئے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: "مرجاؤ" تو وہ مرگئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندہ کر دیا تھا۔ انھیں خدا نے مرض طاعون میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان میں سے صرف تین لڑکے بچے تھے جن کی اولاد میں سے کچھ لوگ رمل میں، کچھ دُور دراز سواحلی پہاڑوں میں اور کچھ سمندری جزیروں میں سے ایک جزیرے "الجزیرہ" میں چلے گئے تھے۔ ان حکایات کی تفصیل بڑی طویل ہے کہا جاتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ بعد اپنے ملک واپس آگئے تھے۔"

بنی اسرائیل نے حزقیل سے دریافت کیا تھا:۔

"کیا تو نے کوئی ایسی قوم دیکھی ہے جس پہ ایسے مصائب پڑے ہوں جیسے ہم پہ پڑے؟"

اس نے جواب دیا: "نہیں لیکن تمہیں تو خدا نے بھاگنے کا موقع دیا مگر خود میری قوم میں سات دن تک طاعون پھیلا اور قریب قریب سب مر گئے تھے۔"

بنی اسرائیل میں عیلان الکاہن کے بعد شموئیل بن بر دحان بن ناحورا کا دور آیا۔ اسی دور میں اس کو نبوت بھی ملی اور وہ ان میں ۲۰ سال زندہ رہا۔ اس دور میں اللہ تعالےٰ نے ان میں جدال و قتال ختم کر کے امن و صلح کی فضا پیدا کر دی۔ اسی شموئیل سے بنی اسرائیل نے یہ درخواست کی تھی کہ ان کے لیے کسی ایسے شخص کو بلا لے جو ہمارے ساتھ مل کر فی سبیل اللہ دوسروں سے جنگ کرے تو اس نے حکومت طالوت کے سپرد کر دی تھی۔ وہ درحقیقت ساود[1] بن لبشر بن انیال بن ظرون بن بحردن بن افیع بن سمیداح بن صالح بن بنیامین بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام تھا۔ اسی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں پُر امن حکومت دی تھی، اس سے قبل وہ کبھی اس طرح مجتمع نہیں ہوئے تھے جیسے طالوت کے زمانے میں ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ کے مصر سے نکلنے اور طالوت کا زمانہ آنے تک ۲۷ ۵ سال ۳ ماہ گزر چکے تھے۔ طالوت بذات خود چمڑا رنگنے کا کام کرتا تھا، سالن سے روٹی کھاتا تھا، اس نے اپنی قوم کو عملاً نمونہ بن کر دکھایا۔ شموئیل نبی نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ خدا نے تمہیں طالوت جیسا شخص دے کر گویا اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ بنی اسرائیل نے اس کی حکومت کا حق تسلیم کر کے جو کچھ کہا تھا وہ قرآن میں اللہ تعالےٰ نے بھی بیان فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل کے نبی شموئیل نے ان سے کہا تھا کہ تمہارا "تابوت سکینہ" (صحائف) اور جو مبارک چیزیں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون نے چھوڑی تھیں اور انھیں ملائکہ آسمان پہ لے گئے تھے تمہیں پھر مل جائیں گی۔ چنانچہ مذکورہ تابوت جو دس سال تک بابل میں رہا تھا اور وہ چیزیں جو ملائکہ لے گئے تھے انھیں پھر مل گئیں لیکن اس زمانے میں جب بنی اسرائیل پہ طالوت حکومت کر رہا تھا، ایک طاقتور شخص سلطان جالوت نے کثرتِ مال و منال کے ساتھ کثیر تعداد میں لشکر جمع کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ (جالوت) بربر سے بڑے جنگی ساز و سامان اور اجناس وغیرہ لے کر فلسطین پہنچا۔ بلحاظ شجرۂ نسب وہ جالوت[2] بن بالول بن حطان بن فارس تھا۔ جب وہ فلسطین کے قریب پہنچا تو شموئیل نے طالوت کو بنی اسرائیل کا لشکر لے کر اس کے مقابلے کے لیے روانگی کا حکم دیا۔ جب جالوت، اُردن اور فلسطین

---

[1] بعض نسخوں میں (کتابوں) میں اسے شادل بن قیس بن انیال بن صاردن بن نحورب بن اقیع ابن بنیامین بتایا گیا ہے۔

[2] ایک کتاب میں اسے جالوت بن مالود بن دبال بن حطان بن فارس بتایا گیا ہے۔

کے درمیان ایک نہر پہ پہنچا تو اللہ تعالےٰ نے اس نہر کے پانی کو پینے کے ناقابل بنا دیا۔ اس میں کتّے اور دُوسرے غلیظ جانور لوٹ رہے تھے، اللہ نے اس واقعہ کا ذکر اپنی مقدس کتاب (قرآن) میں فرمایا ہے۔ اس طرح اللہ تعالےٰ نے ان پہ پیاس مسلّط کر دی۔ پھر طالوت نے اپنے لوگوں میں سے ۳۱۳ منتخب جنگجو لیے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بھائی بھی تھے۔ طالوت نے اس لشکر کو صف بستہ کر کے جالوت کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ دونوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی جھولی سے ایک پتھر نکال کر گوپھن میں رکھا اور جالوت کا نشانہ لے کر اس کی جانب پھینکا، پتھر جالوت کے لگا جس سے وہ زمین پہ گر کر مر گیا۔ طالوت نے وعدہ کیا تھا اپنی تہائی ملکیت اور تہائی سلطنت اس شخص کو دے گا جو اس کے ساتھ جالوت کے خلاف جنگ میں پیش پیش رہے گا اور اپنی بیٹی سے خود اس کا عقد کرے گا۔ چونکہ جالوت کی موت حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوئی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:۔ ”داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا۔“ (ترجمہ) یہ بھی روایات ملتی ہیں کہ جالوت نے ربیعہ کے باشندوں کو اس شہر میں کہ نہر انھوں نے گندی کر دی تھی اور اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا تہ تیغ کر دیا۔ کچھ روایات یہ بھی ہیں کہ بنی اسرائیل کے نبی شمویل نے کہا تھا کہ اس نے جالوت کو قتل نہیں کیا۔ بہرحال جالوت کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں قتل کا واقعہ بالکل درست ہے جس پہ قرآن نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ان سب واقعات اور اہل بربر کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی کتاب اخبار الزمان میں کیا ہے۔ اہل بربر کی اصل و نسل کے حقائق ان کے دوسری جگہوں میں منتقل ہونے کے واقعات اور کچھ دوسرے حالات ہم نے اس کتاب میں بھی بسب موقع بیان کر دیے ہیں۔ اللہ نے جالوت کا تو زیادہ ذکر نہیں کیا لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کی عظمت کا ذکر فرمایا۔ پہلے تو طالوت نے چاہا کہ جالوت سے جنگ کے سلسلے میں اپنے مذکورہ بالا وعدے سے پھر جائے لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ساری قوم کا التفات دیکھ کر اس نے اپنی تہائی سلطنت اور تہائی مال و منال ان کی خدمت میں پیش کر دیے اور ان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی بھی کر دی۔ نیز اپنے خدام میں سے بھی ایک تہائی انھیں دے دیے لیکن بعد میں ان سے حسد کرنے لگا اور ان کی مخالفت پہ اتر آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے باز رکھا تو وہ اپنے پہلے سلوک پر قائم رہا۔ طالوت نے اس کے بعد کچھ عرصے تک حکومت کی لیکن ایک رات قوم کو حضرت داؤد علیہ السلام کے اتباع کی وصیت کر کے چپ چاپ

لہ گاؤں کا نام (کوکب)

چل بسا۔ اس کا دورِ حکومت ۴۰ سال رہا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جس جگہ جالوت قتل کیا گیا وہ جگہ اُردن کے قریب غور کے شہروں میں سے تھی اور اس کا نام بیسان تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ہاتھ لگا کر لوہا نرم کرنے کا معجزہ عطا فرمایا تھا جس سے آپ زرہیں بنایا کرتے تھے، ویسے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو آپ کا مطیع بنا دیا تھا جو آپ کے ساتھ خدا کی حمد و ثنا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عبرانی زبان میں زبور نازل فرمائی تھی جس میں ۱۵۰ سورتیں تھیں۔ ان کا تہائی حصہ تو آپ سے متعلق ہے، تہائی بخت نصر کے اذکار پر اور تہائی آپ کے مستقبل کے لیے احکام پر مشتمل تھا۔ اس میں کچھ حصہ اہل تور کے اذکار کا ہے اور کچھ ترغیب و تمجید اور ترہیب پر مشتمل ہے لیکن اس میں اوامر و نواہی اور حلال و حرام کے متعلق کچھ نہیں ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے اطراف و جوانب کے لوگ آپ کی ہیبت سے متاثر تھے اور یہی حال آپ کے کچھ مخالفین اور دشمنوں کا تھا۔ آپ نے یروشلم میں ایک عبادت گاہ تعمیر کی تھی اس کا ایک حصہ محراب داؤد کہلاتا تھا جو ہمارے زمانے یعنی ۳۳۲ سنہ ہجری تک موجود ہے۔

اس کے قریب بحیرۂ منتنہ اور دریائے اُردن بھی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی آپ کے دشمنوں کے ساتھ جو واردات پیش آئی تھی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بھی فرمایا ہے اور ان میں سے ایک کے متعلق آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا ہے: "(اے داؤد) اس نے تجھ پر ظلم کیا ہے" (ترجمہ)

لوگوں کا اس بارے میں باہم اختلاف تھا کہ آیا داؤد علیہ السلام خطا اور ارادۂ فسق سے مبرا ہیں یا نہیں؟ اس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں انبیاء کے معصوم ہونے کے سلسلے میں کر چکے ہیں۔ حضرت داؤد کی جس لغزش کے سلسلے میں لوگوں میں باہمی تنازعہ تھا اس کا بھی ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ سے ارشاد فرمایا تھا: "اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے، پس لوگوں کے مابین حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو" (القرآن۔ ترجمہ) لیکن لوگوں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کے خیال میں یہ قصہ اوریا بن حنان اور اس کے قتل کے بارے میں تھا۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی کتاب "المبتدا" وغیرہ میں کیا ہے۔ یہاں اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ حضرت داؤد اس واقعے کے بعد چالیس دن تک روزے سے رہ کر خدا کے آگے رو رو کر توبہ کرتے رہے تھے اور خدائے تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی تھی۔

سلیمان بن داؤد سلیمان بن داؤد علیہ السلام پیدائشی حسین و جمیل تھے اور بڑے ہو کر اپنے والد

حضرت داؤد علیہ السلام کے قضائے امور میں شامل ہو گئے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و حکمت بخشے تھے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے یقیناً ہم نے ان دونوں (داؤد و سلیمان) کو حکمت اور علم بخشے ہیں ۔ (القرآن ۔ ترجمہ)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے سلیمانؑ کو وصیت فرمائی اور داعی اجل کو لبیک کہا ۔ آپ کے لشکر میں ستر ہزار بڑے باہمت ، الوالعزم اور بہادر سپاہی تھے ۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں مدین و ایلہ میں لقمان حکیم بھی تھا ۔ اس کا پورا نام لقمان بن عنقاء بن نزید بن صارون تھا ، حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کے چوتھے عشرے میں پیدا ہوا تھا ، کچھ دن تین ابن جسر کی خدمت میں رہا ، بڑا نیک شخص تھا ، اسے اللہ تعالیٰ نے ایسی حکمت عطا فرمائی تھی کہ خلق خدا وندی میں یونس بن متی کے زمانے تک جنہیں بلادِ موصل کی ارض نینوا میں مبعوث کیا گیا تھا اس سے زیادہ کسی میں حکمت نہیں پائی گئی ۔

ملک سلیمان

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد سلطنت ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملی ، اللہ تعالیٰ نے انھیں حکمت و نبوت سے بھی سرفراز فرمایا تھا آپ نے اپنی رعایا کے ساتھ حد درجہ منصفانہ سلوک کیا ، آپ کے جملہ امور میں استقامت تھی ، آپ کے لشکر ہمیشہ آپ کے مطیع رہے ۔ آپ نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی ، یہی مسجد اقصیٰ ہے جس کے اطراف تک کو اللہ تعالیٰ نے برکت دی ہے ۔ جب آپ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ نے خود اپنے لیے ایک مکان بنایا جسے ہمارے زمانے میں "کنیسہ قیامہ" کہا جاتا ہے ۔ اس کنیسہ کو اہل نصاریٰ بہت مقدس سمجھتے ہیں ۔ بیت المقدس میں ان کے اور بھی کنیسہ ہیں ۔ جیسے کنیسۂ صیہون جس کا ذکر حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ہے اور ایک اور کنیسہ بھی ہے جو کنیسۂ جسمانیہ کے نام سے مشہور ہے ۔ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا مزار مبارک اسی آخر الذکر کنیسہ میں ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو مال و منال اور ملک و سلطنت کے علاوہ ایسی بے نظیر نعمتوں اور طاقتوں سے سرفراز فرمایا تھا جو خلق خدا میں آج تک کسی کو عطا نہیں کی گئیں ۔ اللہ تعالیٰ نے جن و انس ، طیور اور ہوا کو آپ کا تابع فرمان بنا دیا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے ۔ سچ ہے "اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں ۔" حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر چالیس سال حکومت کی حالانکہ آپ کی عمر باون سال ہوئی ۔ یہ توفیق الٰہی تھی ۔

ملک ارجبعم بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام

حضرت سلیمانؑ کے بعد ملوک بنی اسرائیل اور انبیاء

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت آپ کے بیٹے ملک ارجبعم کو ملی اور جملہ بنی اسرائیل نے اس پر اتفاق کیا لیکن سبط یہودا اور سبط بنیامین یعنی یہودا اور بنیامین کی اولاد کے سوا ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ جس وقت ارجبعم کو ہلاک کیا گیا اس وقت ان کی حکومت کو ۱۷ سال گزر چکے تھے۔ اس کے بعد حکومت یوربعم اور اس کی اولاد کے ہاتھ آئی لیکن ان میں اختلافات اور لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ خود یوربعم کے لیے سونے کا جواہرات سے مرصع بچھڑا تیار ہوا اور وہ اس کی پرستش میں لگ گیا تو اللہ تعالےٰ نے اسے ہلاک کر دیا۔ اس کی حکومت ۲۰ سال رہی۔ اس کے بعد ابیا بن ارجبعم بن سلیمان نے تین سال، احاب نے چالیس سال پھر یوراب نے جس نے بتوں، ان کی شبیہوں اور تصاویر کی پرستش شروع کر دی تھی ایک سال اور اس کے بعد حکومت ایک عورت کو ملی۔ جس کا نام عیلان تھا۔ اس کے زمانے میں اولاد داؤد علیہ السلام میں پھر تلوار چلنے لگی۔ اس میں ایک غلام غالب آیا جسے لوگوں نے میلان کی طرف منسوب کیا اور عیلان کو قتل کر دیا۔ عیلان کا دورِ حکومت سات سال رہا، اگرچہ بعض مؤرخین کو اس سے اختلاف ہے۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں صرف ایک شخص حاکم ہوا اور اس کا دورِ حکومت بھی صرف سات سال رہا جب کہ اس کی عمر چالیس سال یا کچھ کم و بیش ہوئی۔ اس کے بعد ملیصا کا زمانہ آیا جس کا دورِ حکومت ۵۲ سال رہا۔ اسی کے زمانے میں حضرت شعیب علیہ السلام ہوئے ہیں جن کے متعلق تاریخ میں متعدد بیانات ہیں جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں کیا ہے۔

اس کے بعد نوفا بن عدل حاکم ہوا جس کا دورِ حکومت ۱۰ سال اور بعض تواریخ کے مطابق ۱۷ سال رہا۔ اس کے بعد احام حاکم ہوا۔ اس نے مظاہر پرستی کا آغاز کیا اور احکام الٰہی سے روگردانی میں

حد سے تجاوز کیا۔ اس پر ملوک بابل نے جن میں فلعیعس پیش پیش تھا فوج کے ساتھ حملہ کیا، اسرائیلیوں سے اس کی سخت جنگ ہوئی۔ نونا بن عدل کو قید کر لیا گیا اور بابلیوں نے اس کے تمام شہر اور مقبوضات و مساکن لوٹ لیے۔ نونا بن عدل ہی کے زمانے میں یہودیوں میں بسلسلہ مذہب تنازع پیدا ہوا، اسامرہ نے ان سے الگ ہو کر حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بعد مبعوث ہونے والے انبیاء کی نبوت سے انکار کر دیا، وہ کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی ہوا (نہ ہوگا) انہوں نے اپنے حکمران ہرون بن عمران کی اولاد میں سے منتخب کیے۔ اسامرہ ہمارے زمانے میں بھی پائے جاتے ہیں ان کے مساکن فلسطین اور اردن کے علاوہ مختلف بستیوں مثلاً مشہور قریہ بعادا میں ہیں جو رملہ اور طبریہ کے درمیان میں ہے، نیز ان کی آبادیاں نابلس تک پھیلی ہوئی ہیں لیکن ان کی اکثریت نابلس ہی میں آباد ہے۔ ان کے نام سے ایک پہاڑ بھی منسوب جسے طور یک کہا جاتا ہے۔ اسامرہ کی نمازوں کے اوقات یہود کے اوقات نماز سے مختلف معیّن ہیں۔ ان کی ہر نماز کے وقت چاندی سے بنا ہوا ناقوس پھونکا جاتا ہے۔ "لا مساس" (مت چھو) ان کا نعرہ ہے۔ ان کے نزدیک نابلس بیت المقدس ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا شہر ہے اور اب "مرعاہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان میں بھی یہودیوں کی طرح مختلف فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام کوسان اور ایک دوسرے کا دروسان ہے۔ قدامت عالم کے متعلق ایک فرقے کی رائے کچھ ہے اور دوسرے کی کچھ اور۔ ہم نے ان کا تفصیلی ذکر طوالت کلام کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے۔

حاکم بابل فلعیعس نے جب اعاجم کو گرفتار کر لیا اس وقت اس کی حکومت کو ۱۰ سال گزر چکے تھے جب ملوک بابل اعاجم بن عدل کو گرفتار کر کے لے گئے تو بنی اسرائیل کا حکمران اس کا بیٹا حزقیل بن اعاجم ہوا۔ اس نے از سر نو خدائے واحد کی پرستش کا اعلان اور تمام پرانے اصنام جن کی پہلے پرستش کی جاتی تھی تڑوا دیے۔ اس کے زمانے میں شاہ بابل نے بیت المقدس پر دوبارہ حملہ کیا اور کثیر تعداد میں لوگوں کو قتل کر دیا اور حزقیل کے اعزہ و اقارب میں بہت سے لوگوں کو قید کر لیا۔ حزقیل کو قتل کر دیا گیا۔ اس وقت اس کی حکومت کو ۱۷ سال گزر چکے تھے۔

حزقیل کے بعد اس کا بیٹا میشا جو کسی طرح بچ نکلا تھا حکمران ہوا لیکن اس نے فتنہ و فساد سے سارے ملک کو تہ و بالا کر دیا، اسی نے اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ روم قسطنطین کو اس پر مسلط کر دیا۔ قسطنطین نے ایک بڑا لشکر جرار لے کر میشا پر چڑھائی کی۔ اس کے سارے لشکر کو تہ تیغ کیا اور اسے قیدی بنا کر روم لے گیا۔ وہ وہاں ۲۰ سال تک رہا۔

حبس کے بعد اسے رہا کر دیا گیا اور وہ اپنے ملک لوٹ آیا۔ اس کی حکمرانی کا زمانہ اس کے بعد ۲۵ سال اور بعض مؤرخین کے نزدیک ۳۰ سال رہا، اس کی موت اپنے ہی ملک میں واقع ہوئی۔

میشا کے بعد اس کا بیٹا امور بن میشا حکمران ہوا لیکن اس نے ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے کے علاوہ پھر بُت پرستی کو رواج دیا۔ جب ملک میں فتنہ و فساد حد سے تجاوز کر گیا تو مصر کے فرعون الاعرج نے موقع پا کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے امور بن میشا کو قتل تو نہیں کیا لیکن اسے قید کر کے مصر لے گیا اور وہیں اس کی موت واقع ہوئی۔ اس کی مدتِ حکومت صرف پانچ سال رہی تاہم مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے۔

امور بن میشا کے بعد اس کا بھائی نوفین حکمران ہوا۔ اللہ کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام اسی نوفین کے بیٹے تھے۔ بنی اسرائیل کے اسی حکمران کے زمانے میں بخت نصر جو ملکِ فارس سے پہلے عراق و عرب کا والی تھا اُٹھا اور جہاں تک ہو سکا بنی اسرائیل کو قتل کیا اور باقی لوگوں کو قید کر کے عراق لے گیا۔ وہی توریت کو اور ملوک بنی اسرائیل کی جو دوسری کتابیں تھیں بیت المقدس کے ہیکل سے نکال کر لے گیا تھا اور انھیں ایک کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ اسی ہیکل میں جو تابوت رکھا تھا وہ بھی اس نے نکال لیا تھا اور اسے دنیا کے بہت سے حصوں میں گھماتا پھرا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے کم سے کم ۳۸ ہزار آدمیوں کو قید کیا تھا جو صرف بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اسی کے زمانے میں اللہ کے نبی آرمیا علیہ السلام ہوئے ہیں۔ یہی بخت نصر جب مصر کی طرف بڑھا تو اس نے وہاں کے فرعون اَلاعرج کو قتل کر دیا اور جب مغرب کی طرف بڑھا تو اس نے بہت سے حکمرانوں کو قتل کر کے مدائن فتح کر لیا۔ ملکِ فارس نے بنی اسرائیل کی ایک کنیز سے شادی کر لی تھی اور اس کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوا تھا اسیؑ نے بنی اسرائیل کے قیدیوں کو ان کے وطن واپس کر دیا تھا لیکن یہ برسوں بعد کا واقعہ ہے۔

جب بنی اسرائیل وطن واپس لوٹے تو وہاں زربابل حکومت کر رہا تھا۔ اس نے بیت المقدس کو از سرِ نو تعمیر کیا اور شہر کی جو عمارتیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں ان کی مرمت کرائی، توریت کو کنوئیں سے اسی نے نکالا اور بنی اسرائیل کو امن و امان اور استقامت سے دوبارہ ہمکنار کیا۔ اس نے ۴۶ سال حکومت کی۔ بنی اسرائیل میں اس نے وہ شرعی عبادات از سرِ نو شروع کرائیں جو عہد اسیری میں ترک ہو گئی تھیں۔ اسامرہ کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس توریت کا جو نسخہ اس وقت ہے وہ موسوی توریت نہیں ہے جو حضرت موسیٰ بن عمران کے پاس سے انہیں ملی تھی بلکہ اس میں بہت کچھ ردوبدل کر دیا گیا

ہے اور یہ سب کچھ بنی اسرائیل کے مذکورہ بالا حکمرانوں نے کیا ہے۔ اسامرہ کہتے ہیں کہ توریت کا اصل اور صحیح نسخہ صرف انھیں کے پاس ہے۔ ایک کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کی جس کنیز کا اوپر ذکر آیا ہے اس سے خود بخت نصر نے شادی کی تھی اور بنی اسرائیل کو وطن واپس کر دیا تھا مگر یہ بات محل نظر ہے۔

اسماعیل بن ابراہیمؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بیت اللہ کی تولیت ان کے فرزند حضرت اسماعیل کے حصے میں آئی۔ خدا نے آپ کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا اور انھیں عمالیق اور قبائل یمن کی طرف جانے کا حکم دیا۔ آپ نے انھیں بت پرستی سے روکا لیکن ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور اکثر کافر ہی رہے۔ حضرت اسماعیل کے دس بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں فائث، قیدار، اربل، لبیم، مسمع، دوما، دوام، میثا، حداد، حیم، قطورا اور ماس[1]۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو وصی بنایا تھا اور انھوں نے اپنے بھائی اسحٰق علیہ السلام کو لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے قیدار کو وصی بنایا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ۱۳۷ سال ہوئی اور آپ جس جگہ مدفون ہوئے وہ بیت اللہ میں حجر اسود کے قریب ہے۔ حضرت اسحاق یا قیدار کے بعد خانہ کعبہ کی تولیت فائث بن اسماعیل علیہ السلام کے سپرد ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنے بیٹے فائث ہی کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے براہِ راست کعبۃ اللہ کی تولیت سونپی تھی۔

بین سلیمان والمسیح

بین سلیمان اور بین المسیح علیہما السلام نبی تھے اور انھیں میں سے وہ نیک لوگ ہوئے جنھیں آرمیناِ، دانیال اور عزیز کہا جاتا ہے۔ تاہم حضرت عزیز علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے۔ انھیں میں اشعیا، حزقیل، الیاس، یسع، یونس، ذوالکفل اور خضر بھی تھے۔ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق آرمیناِ ہی خضر تھے۔ ذکریا بھی انھیں میں سے تھے جن کا پورا نام ذکریا بن اُدن ہے۔ آپ حضرت داؤدؑ کی نسل اور یہودا کی اولاد میں سے تھے۔ انھوں نے حضرت مریمؑ کی بہن اشباع بنت عمران سے شادی کی تھی۔ حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ تھیں اور خود عمران ماثان بن یعامیم کے بیٹے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اشباع اور مریمؑ کی ماں کا نام حَنّہ تھا۔ حضرت ذکریاؑ کے بیٹے حضرت

---

[1] بعض کتابوں میں ان کے نام یہ ہیں: "نابت، قیدار، اربیل، میسم، مشمع، دوما، مسا، خداد، اسیما، یطور، نافش، اور یاقدما۔"

یحییٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔ یہودیوں کی طرف سے ان پر حضرت ذکریا نجار تھے حضرت مریمؑ کے ساتھ (نعوذ باللہ) بدکاری کا الزام لگایا گیا اور انہیں قتل کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب یہودی انہیں پکڑنے کے لیے ان کا تعاقب کر رہے تھے تو اس وقت آپ ایک درخت کے قریب تھے اسی وقت درخت کا تنا شق ہوا اور آپ اس میں داخل ہو گئے۔ یہودی ان کے اس طرح اچانک غائب ہو جانے پر حیران تھے۔ اس وقت ابلیس ملعون نے ان کی مدد کی اور درخت کی طرف اشارہ کر دیا۔ چنانچہ درخت اور اس کے ساتھ آپ کو بھی چیر دیا گیا۔ حضرت مریمؑ کی ہمشیرہ اشباع کے بطن سے جب حضرت ذکریاؑ کے بیٹے یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ انھیں لے کر مصر چلی گئی تھیں، جب وہ بڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت سے سرفراز فرمایا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے فلسطین جانے کا حکم دیا لیکن جب وہ اس غرض سے وہاں تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل نے ان کی نبوت کی تردید کی اور انھیں بھی قتل کر دیا۔ بنی اسرائیل کے بارے میں متعدد روایات ملتی ہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بعد اللہ نے ان پر حکمرانی کے لیے مشرق کی طرف سے ایک حکمران بھیجا جس نے ان میں سے ہزاروں کو حضرت یحییٰ بن ذکریا کے قصاص خون کے طور پر تہ تیغ کر دیا۔ اس کا یہ فعل اس لیے قابل معافی ہے کہ اس نے اتمام حجت کے طور پر بنی اسرائیل کے سامنے متعدد تقریریں کی تھیں۔

مولدِ مسیح علیہ السلام

حضرت مریم بنت عمران جب ۱۷ سال کی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس حضرت جبریل فرشتے کو بھیجا جس نے حکم باری تعالیٰ سے ان میں وہ رُوح پھونکی جس سے ان کے شکم مبارک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حمل قرار پایا۔ وضع حمل کے وقت وہ بیت المقدس کے قریب بیت لحم میں تھیں جب کہ اس سے قبل ۴ ہزار تین تنہا حرم بیت المقدس میں گزار چکی تھیں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے ہوئے تو نصرانیوں نے ان کی زبان سے توریت اور پچھلی کتابوں کا اذکار سُن کر یہ سمجھا کہ وہ اپنے اسلاف کے دین پر ہیں اور اس کی اشاعت کرتے ہیں۔ آپ نے اُردن کے شہر طبریہ کی خانقاہ میں جسے "المدراس" کہا جاتا ہے۔ ۳۰ سال اور بعض روایات کے مطابق ۲۹ سال کی عمر تک قیام فرمایا لیکن سفر کے دوران میں آپ کے اقوال اس کتاب مقدس پر مبنی تھے جو نور بن آپ کے سینۂ مبارک میں چمک دمک رہی تھی اس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں پایا جاتا ہے: "ہم نے تجھے اپنا نبی بنایا ہے، اپنا مخصوص بندہ بنایا ہے اور اپنے نور سے تجھے نکھارا ہے۔" (القرآن۔ مفہومی ترجمہ) آپ نے اپنے سفر کے

اختتام پر اس کتاب نور کے الفاظ کو بشکل انجیل مذکورہ بالا خانقاہ کے خادم کے سپرد کر دیا اور وہاں سے تشریف لے گئے۔ آپ سے یہ قول منسوب ہے کہ "اب اللہ کی مشیئت ابن البشر پر ختم ہو گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس قریہ میں رہتے تھے جسے ناصرہ کہتے ہیں۔ میں نے خود نصرانیوں کی زبان سے یہی سُنا ہے۔ میں نے ناصرہ میں ایک کنیسہ یا خانقاہ بھی دیکھی ہے جسے نصرانی عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور متبرک سمجھتے ہیں۔ اس میں پتھر کے تابوت رکھے ہیں جنہیں لعل جیسے قیمتی پتھروں سے سجایا گیا ہے" حضرت مسیح بحیرہ طبریہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں صیادین رہتے تھے جو بنی زبدہ تھے اور ان میں قصارین بھی تھے۔ آپ نے انھیں دین حق پر ایمان لانے اور اپنے اتباع کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کا اقرار کرنے والوں میں تین آدمی صیادین یعنی بنو زبدہ میں سے اور بارہ قصارین میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے چار حواریوں میر و حنا، شمعون، بولس اور لوقا نے انجیل مدوّن کی ہے اور اس میں جو اطلاعات حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق ملتی ہیں وہ انھیں کی تالیف ہیں لیکن اس میں آپ کے مولد اور آپ کے احکام کا پتہ نہیں چلتا۔ یحیٰی بن زکریا کے قیام طبریہ اور وہاں ان کے مزار کے متعلق جو کہا جاتا ہے وہ درحقیقت یحیٰی المعمدانی تھا۔ آپ کے قیام کو دریائے اُردن میں کسی جگہ بتانا اور وہاں آپ کے مزار کی گنبد کی نشان دہی کرنے سے خدا جانے کیا مقصد ہے۔ دریائے اُردن بحیرہ طبریہ سے نکلتا اور بحیرہ منتنہ کی طرف بہتا ہے لیکن وہاں کسی کے مزار اور اس کے گنبد کو عجائبات و معجزات میں کس طرح شمار کیا جا سکتا ہے؟ اگرچہ یہودی آپ کے اللہ کی طرف زندہ اُٹھا لیے جانے کے قائل نہیں ہیں۔ انجیل میں حضرت عیسٰی اور حضرت مریم علیہا السلام اور یوسف نجّار کے بارے میں بہت سے اذکار موجود ہیں لیکن چونکہ ان کے متعلق نہ قرآن میں کچھ ہے اور نہ رسولِ خدا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے کچھ فرمایا ہے اس لیے ہم نے ان پر گفتگو سے اعراض (گریز) کیا ہے۔

بیان اہل فترہ جو حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانوں کے درمیان گزرے ہیں

حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فترہ میں اہل توحید کی ایک جماعت تھی جو بعثت انبیاء پر ایمان رکھتی تھی لیکن اکثر لوگ اس کے عقائد سے اختلاف کرتے تھے۔ یہ بیان حنظلہ بن صفوان کا ہے جو نبی تھے اور وہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، انہیں خدا نے الرّس پر نبی بنا کر بھیجا تھا۔ اصحاب الرّاس کے دو قبیلے تھے جن میں سے ایک کو اُدمان اور دوسرے کو یامن کہا جاتا تھا۔ بعض روایات کے مطابق اس دوسرے قبیلے کا نام دعویل اور اس کا تعلق یمن سے تھا۔ اس قبیلے میں حنظلہ خدا کی طرف سے بطور نبی مبعوث ہوئے تھے لیکن انہوں نے ان کو قتل کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ان پر بخت نصر کو مسلط کرے گا اور وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور اس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔

الاسکندر

اسکندر فترہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پیدا ہوا۔ اس نے سورج کے طلوع و غروب پر تحقیق کے لیے دو صدیوں کے دوران میں مشرق سے مغرب تک سفر کیا۔ وہ بڑا حلیم الطبع شخص تھا۔ اس نے اپنی دو صدیوں کی تحقیق کا چشم دید حال اپنی قوم سے بیان کیا جس کی وجہ سے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔ ذوالقرنین کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں بڑا اختلاف ہے۔ ہم نے اس کا تفصیلی ذکر اپنی دو پہلی کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں کیا ہے تاہم اس کا کچھ ذکر ہم زیر نظر کتاب میں آگے چل کر ملوک یونان و روم کے ذکر کے ساتھ کریں گے۔

اصحاب کہف

اصحاب کہف کے زمانے کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں ان میں بہت اختلافات

ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اہلِ فترہ کے دَور میں تھے اور دُوسرے لوگ ان سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ ہم نے ان کا کچھ ذکر ملوکِ روم کے سلسلے میں اس کتاب میں بھی کیا ہے۔ ویسے اس کی تفصیلات ہم اس سے قبل اپنی کتاب "کتاب الاوسط" اور اس سے پہلے اپنی ایک دوسری کتاب "اخبار الزماں" میں تحریر کر چکے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد جرجیس بھی فترہ ہی میں ہوئے ہیں۔ آپ کو کچھ حواری بھی مل گئے تھے انھیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما کر کچھ ملوک موصل کی طرف بھیجا تھا۔ ان میں سے ایک حکمران نے آپ کو قتل کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کر دیا۔ اس حکمران نے آپ کو پھر قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ زندگی بخش دی۔ یہ آپ کی دنیا میں تیسری زندگی تھی۔ اس پر متذکرہ حکمران نے آپ کو آگ میں جلا کر دریائے دجلہ میں پھینکوا دیا۔ اس کے بعد خدا نے اس حکمران اور اس کے حکم پر چلنے والے سب لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اس کا ذکر ہم نے ایمان لانے والے اہلِ کتاب کے ذکر کے ساتھ کیا ہے۔ اس کا ذکر وہب بن منبہ کی کتاب " المبتدا والسیر" کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے۔

اسی فترہ میں حبیب نجّار بھی پیدا ہوئے تھے۔ آپ کا قیام بلادِ شام میں انطاکیہ میں تھا۔ وہاں کا ایک حکمران بڑا ہی ظالم و جابر اور بُت پرست تھا۔ آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں میں سے دو کو اس کے پاس بھیجا تا کہ اسے ہدایت کریں اور دینِ حق کی دعوت دیں لیکن اس حکمران نے ان کو قید کر کے ان پر حد درجہ تشدد کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حبیب نجّار نے ان کی مدد کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں میں سے ایک تیسرے شخص کو وہاں روانہ کیا۔ اس تیسرے شخص کے بارے میں لوگوں کے اندر تنازعہ پیدا ہوا مگر ان میں سے اکثر لوگ حضرت مسیح کے ان تینوں شاگردوں کے حامی اور پیرو بن گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ان تینوں شاگردوں میں سے ایک کو رومی زبان میں پطرس، عربی میں سمعان اور سریانی میں شمعون کہا جاتا ہے۔ پطرس ان دو میں سے تھا جنھیں قید کر دیا گیا تھا، دوسرے کا نام توما تھا اور جس تیسرے کو ان کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کا نام بولس تھا۔ انہیں تینوں کے پیروؤں کے پھر الگ الگ فرقے ہو گئے۔ مذکورہ بالا حکمران کے ساتھ ان تینوں کے حالات بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ پہلے دونوں کے بارے میں بہت سی عجیب و غریب باتوں اور معجزوں کا بھی ذکر آتا ہے۔ کہتے ہیں وہ اندھوں کو بینا، مبروص لوگوں کو اچھا اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ بولس نے انھیں فہمائش کی تھی کہ یہ خدا کی مرضی میں مداخلت ہے اور انہیں نرمی سے سمجھایا تھا۔ بولس اور پطرس کو شہر رومیہ میں قتل کر دیا گیا تھا اور دونوں کو بڑی قابلِ رحم

حالت میں سولی دی گئی تھی۔ ان کے حالات مذکورہ بالا حکمران کے حالات کے ضمن میں اکثر تاریخی کتابوں میں ملتے ہیں۔ اسی زمانے میں سمعا ساحر بھی تھا اور اسی زمانے میں انطاکیہ میں بلّور کا کارخانہ بھی کھولا گیا تھا۔ ہم نے یہ سب حالات تفصیل کے ساتھ اپنی پہلی دو کتابوں" اخبار الزماں" اور" کتاب الاوسط" میں بیان کر دیے ہیں، تاہم کچھ حالات انشاء اللہ آگے چل کر رومی بادشاہوں اور رومی عجائبات کے ضمن میں بیان کریں گے۔

اصحاب اخلود

اہل فترہ میں سے کچھ لوگ یمن کے شہر نجران میں رہتے تھے۔ یہ زمانہ حاکم یمن ذی نواس کا تھا۔ اسے خبر ملی کہ نجران میں نصرانی قوم بھی رہتی ہے۔ وہ خود یہودی تھا، لہٰذا وہ نجران پہنچا اور نصرانیوں کو ایسی سزائیں دیں جن کی روئے زمین پر مثال نہیں ملتی، انھیں بھوکا رکھ کر کانٹے کی طرح کر دیا، انھیں گرم سلاخوں سے داغا گیا، آگ میں ڈالا گیا اور نار کے کوڑوں سے پیٹا گیا۔ پھر ان کے سامنے یہودیت پیش کی گئی۔ ان میں سے جو بچ گئے تھے انہوں نے یا تو یہودیت اختیار کر لی یا انکار کر کے آگ میں جلا دیے گئے۔ انہیں میں ایک عورت تھی جو نصرانی رہنے پر مُصر تھی۔ جب اسے آگ میں ڈالا جانے لگا تو وہ اس کے بھڑکتے شعلوں کو دیکھ کر ڈر گئی۔ اس عورت کا سات مہینے کا ایک بچہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس شیر خوار معصوم بچے کو گویائی عطا فرمائی۔ اس نے اپنی ماں سے کہا:" اے ماں اپنے دین پر قائم رہ، اس کے بعد کوئی آگ نہیں ہے۔" اپنے بچے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اس عورت کا ایمان پختہ ہو گیا، چنانچہ اسے آگ میں ڈال دیا گیا۔ یہ لوگ موحد تھے، آج کے نصاریٰ نہیں تھے۔

اس زمانے میں حبشہ کا حکمران نجاشی تھا۔ اس کی حکومت کی سرحدیں یمن سے ملتی تھیں۔ شاہِ روم نے ایک شخص ذو ثعلبان کو اس کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ تم ہمارے پڑوسی ہو لہٰذا ہماری حکومت کے تحت اور ہماری حفاظت میں آجاؤ۔ نجاشی نے انکار کیا تو رومی بادشاہ نے اس پر حملہ کر کے اسے مغلوب کر لیا حتیٰ کہ ایرانی شہنشاہ نوشیرواں نے روم پر حملہ آور ہو کر اسے شاہِ روم کی ماتحتی سے نجات دلائی۔ یہ حالات ہم اپنی پچھلی کتابوں" اخبار الزماں" اور" کتاب الاوسط" میں لکھ چکے ہیں اور کچھ باقی ماندہ حالات انشاء اللہ ملوک یمن کے ضمن میں زیر نظر کتاب میں آگے چل کر بیان کریں گے۔ اصحاب اخلود کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

خالد عبسی

اہل فترہ میں خالد بن سنان عبسی بھی گزرے ہیں۔ ان کا پورا نام خالد بن سنان بن غیث بن عبس ہے آپ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ نبی تھے جنہیں ان کی قوم نے ہلاک کر دیا۔" اس وقت عرب میں فتنہ و فساد کی آگ پھیلی ہوئی تھی اور مجوسی اس

غالب آئے ہوئے تھے۔ انہی خالد عبسی نے اس وقت لوگوں سے فرمایا تھا: "اُٹھو، بڑھو، اللہ کی طرف دوڑو۔" جب خالد عبسی کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنی بہن سے فرمایا تھا: "میرے مرنے کے بعد ایک گدھا (مراد حمیری) اپنے کھُروں سے میری قبر کھود دے گا، اس سے قبل حالات اور ابتر ہو جائیں گے تم میری لاش میرے مدفن سے نکال کر لے جانا۔" جب آپ کی قبر کھودی جانے لگی تو کچھ عربوں نے کہا کہ "رہنے دو، ہم پہ یہ الزام آئے گا کہ ہم ان کی میت اپنے ہاں لے گئے تھے۔" جب حضرت خالد عبسی کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی گئی اور آپ کو اس نے سورہ اخلاص کی پہلی آیت قل ھو اللہ احد (کہو اللہ ایک ہے) اور دوسری اللہ الصمد (وہ ذات برحق جو بے نیاز ہے) تلاوت فرماتے ہوئے سُنا تو بولی:

"میں نے اپنے والد کو یہی کہتے سُنا ہے۔" ہم اس کا ذکر اس کتاب میں حسب موقع آگے چل کر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

رئاب الشنی

المسعودی کہتے ہیں: یہ شخص درحقیقت قبیلہ عبدالقیس سے تھا لیکن شنی کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ نصرانی تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتا تھا۔ وہ کہتا تھا: تین انسان ارضی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ پہلا رئاب الشنی ہے، دوسرا راہب بحیرا اور تیسرا وہ شخص جس کے بعد کوئی نہیں آئے گا یعنی نبی آخر الزماں، رسول عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔" کہتے ہیں جب اس کی اولاد میں سے کسی کو مرنے کے بعد دفن کیا جاتا تو رئاب الشنی اس کی قبر پر ایستادہ نظر آتا تھا۔

اسعد ابو کرب الحمیری

وہ مومن تھا۔ اسی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۷۰۰ سال قبل آپ کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی۔ درج ذیل اشعار اسی کے ہیں:۔

"میں شہادت دیتا ہوں کہ احمدؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں،
کاش میری عمر اتنی ہوتی کہ میں آپؐ اور آپ کے ابن عم کا زیر ہو سکتا
آپؐ کی اطاعت زمین پہ بملہ عرب و عجم پہ لازم ہے
(ترجمہ)

وہ پہلا شخص ہے جس نے خانہ کعبہ کی موسمی تغیرات سے حفاظت کی ہے۔ ایک حمیری کے درج ذیل شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"ہم انہی میں سے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کو موسمی تغیرات سے محفوظ کیا"
(ترجمہ)

قس بن ساعدہ الایادی | قس بن ساعدہ الایادی ایاد بن اُد بن معد کی اولاد میں سے اور اہل فترہ میں سے تھا۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ایمان رکھتا تھا۔ یہ قول اسی کا ہے کہ "جو پیدا ہوا وہ مرے گا اور جو مرے گا وہ ختم ہو جائے گا اور جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔" اس کی عقل و حکمت کے لاتعداد اقوال عربوں میں ضرب المثل بن گئے ہیں۔

ایک دفعہ بنی ایاد کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے قس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انہوں نے جواب دیا: "حضور! ان کا تو انتقال ہو گیا" آپؐ نے فرمایا: "اللہ اس پر رحم فرمائے۔ ایک دن میں نے اسے عکاظ کے بازار میں ایک سُرخ اُونٹ پر بیٹھے ہوئے گزرتے دیکھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: "جو پیدا ہوا وہ مرے گا، جو مرے گا وہ ختم ہو جائے گا اور جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔" اس کے بعد آپؐ نے اس کے بہت سے حکیمانہ اقوال بھی لوگوں کو سُنائے، پھر فرمایا: "اس نے بہت سے اشعار بھی کہے ہیں جو حکمت سے پُر ہیں لیکن وہ مجھے یاد نہیں۔" اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا "اس کے ایسے کچھ اشعار مجھے یاد ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "سناؤ" حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے قس کے کچھ اشعار سُنائے تو آپ نے فرمایا: "اللہ قس پر رحم فرمائے، مجھے اُمید ہے قیامت میں وہ مومنین کے ساتھ ہو گا۔"

ان سطور کے بعد المسعودی لکھتے ہیں:-

"قس کے اشعار بے شمار ہیں جو اقوال حکمت، پیشگوئیوں اور لوگوں کی بداعمالیوں کے سلسلے میں زجر و توبیخ پر مشتمل ہیں۔ ہم نے ان کا ذکر اپنی پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" اور کتاب الاوسط میں (تفصیلاً) کیا ہے۔"

انھیں اہل فترہ میں زید بن عمرو بن نفیل بھی تھا۔ وہ اہل مکہ کو بُت پرستی سے روکتا تھا۔ وہ عمر بن خطاب کا چچازاد بھائی تھا۔ آپ نے اسلام لانے سے قبل مکے کے غنڈوں کو اس پر مسلط کر رکھا تھا، اس لیے وہ دن کو پہاڑی علاقے میں قیام کرتا تھا اور رات کے وقت چھپتے چھپاتے مکے میں داخل ہوتا تھا۔ وہ گھبرا کر شام چلا گیا تھا لیکن وہاں بھی اسلام پر گفتگو کرتا رہتا تھا اس لیے عیسائیوں نے اسے زہر دے دیا۔ اس نے شام ہی میں انتقال کیا ہم اس کا تفصیلی ذکر ملوک غسان کے ساتھ اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے تھے۔

امیہ بن ابی سلط ثقفی | انھیں اہل فترہ میں اُمیہ بن ابی سلط ثقفی بھی تھا جو بڑا ذہین شاعر تھا۔

جب وہ شام کی طرف سفر کر رہا تھا تو اسے بہت سے یہودی و نصرانی راہبوں نے دیکھا کہ اکثر دینی کتابوں کے حوالے دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عرب میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا۔ وہ اہل مذاہب کی آراء پر مشتمل ایسے اشعار پڑھتا تھا جن میں آسمان، زمین، چاند، سورج، ملائکہ، بعثت انبیاء حشر و نشر اور جنت و دوزخ کا ذکر ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و توحید کا ذکر کرتا اور اس کی حمد و ثنا کرتا تھا۔ یہ اسی کا شعر ہے :۔

"الحمد للہ، اس کا کوئی شریک نہیں   جس نے اسے نہ سمجھا اس نے خود پر ظلم کیا"

وہ بعض باتوں میں اہل جنت کی تعریف کرتا اور کہتا تھا :۔

"اس میں کچھ غلطی یا گناہ نہیں ہے   اگر میں ان میں شامل ہونے کی تمنا رکھتا ہوں"

جب اسے حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر ملی تو کچھ سوچ کر متاسف ہوا پھر مدینے جاکر اسلام لانے کا ارادہ کیا لیکن شاید حسد نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ ایک دن وہ کسی جگہ لوگوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ وہاں ایک کوّے نے کسی درخت پر بیٹھ کر تین آوازیں نکالیں اور پھر اڑ گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا، "جانتے ہو یہ کوّا کیا کہہ رہا تھا؟" وہ بولے :"نہیں تو۔" وہ کہنے لگا : یہ کہہ گیا ہے کہ امیہ شراب کے تین پیالے ختم کرنے سے قبل فوت ہو جائے گا۔"

لوگوں نے سمجھا وہ انھیں بنا رہا ہے۔ وہ بولا :"اپنے اپنے پیالوں میں شراب کی مقدار دیکھو۔" جب اس کی باری آئی تو وہ اداس اور رنجیدہ ہو گیا۔ پھر بولا :"دیکھو دیکھو میں نہ کہتا تھا۔ میں وہی ہوں جس سے اس کی حمد اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے۔"

اس کے بعد اس کی سسکیاں تیز ہوئیں، پھر آواز بیٹھی اور وہ موت کی وادی میں گم ہوتا چلا گیا۔

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں :۔

"اس زمانے کے اہل معرفت اور اس سے قبل کے لوگوں میں ابن داب، ہثیم بن عدی ابی مخنف، لوط بن یحییٰ اور سائب کلبی بھی گزرے ہیں۔ آخر الذکر نے قریش میں کتابت شروع کی لیکن جس نے سب سے پہلے اپنی پہلی ہی کتاب میں باسمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں) لکھا وہ امیہ بن صلت ثقفی تھا۔ جب وہ شام کے سفر پر گیا تھا تو اس کے ہمراہ بنی ثقیف اور قریش وغیرہ کے بھی کچھ لوگ تھے۔ وہاں سے واپسی میں وہ رات کے وقت قیام و طعام کے لیے جس منزل پر ٹھہرے اس جگہ اچانک ایک ضعیفہ لاٹھی ٹیکتی ہوئی ان کے سامنے آکر بولی :"تم

ایک غریب ضعیفہ کا کھانا کیوں کھا رہے ہو؟" اس کا مخاطب اُمیہ تھا۔ سب نے اسے حیرت سے دیکھا لیکن اس نے اپنی لاٹھی تین مرتبہ زمین پر مار کر جواب اُمیہ ہی سے طلب کیا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے بغیر کھانا کھائے وہاں سے کوچ کر دیا۔ دوسری رات کو بھی یہی واقعہ پیش آیا اور پھر تیسری منزل پر بھی انہیں اسی واقع سے دوچار ہونا پڑا۔ اس بوڑھی عورت نے اُمیہ سے ہر بار یہی پوچھا تھا کہ اس کے لباس کے اوپری حصّے کا رنگ کیا ہے اور نچلے حصّے کا کونسا رنگ ہے۔ اُمیہ نے جو امر واقعہ تھا وہ بیان کر دیا تھا یعنی دونوں رنگ علی الترتیب سفید اور سیاہ بتائے تھے لیکن جب وہ تیسرے موقع پر کوچ کے لیے آمادہ ہوئے تو اس سے قبل اُمیہ نے اپنے جسم کے مبروص حصّے پر غور کیا تھا کیونکہ اس کے بدن کا نچلا حصّہ سیاہ اور اوپری حصّہ گردن سے سینے تک سفید تھا۔ واپسی کے سفر میں انھیں ایک نصرانی راہب ملا جس سے دوران گفتگو انھوں نے وہ واقعہ بیان کیا۔ راہب نے پوچھا "اس بوڑھی عورت نے اپنا نام کیا بتایا تھا۔" اُنھوں نے کہا: "اُم العوام۔" یہ سُن کر راہب بولا: "ارے آپ لوگ اس شیطان کی خالہ کے ہاتھ کہاں پڑ گئے تھے، وہ یہودی ہے، علم رمل کے ذریعہ پیشگوئیاں بھی کرتی ہے اور ایسے کرشمے بھی دکھاتی ہے، پھر اُمیہ سے کہا: تمہارے جسم کے مبروص حصّے کی دریدہ نشاندہی اس نے علم رمل کے ذریعہ کی ہے پھر سب سے بولا: "اس کا شوہر بنی عوام کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا تھا اس وقت سے وہ انتقاماً سارے عربوں کو ہلاک کرنا چاہتی ہے، وہ تمہیں بھی ہلاک کرنا چاہتی تھی۔" پھر وہ اُمیہ سے خاص طور پر مخاطب ہو کر بولا "تمہاری جان" باسمک اللّٰھم "لکھنے سے بچ گئی ہے، اسی کو غنیمت جانو۔" شراب خانے میں کوّے کے تین بار بولنے کے بعد اُمیہ کی اپنی موت کے متعلق پیشگوئی اسی بڑھیا کے تین بار زمین پر لاٹھی مارنے کی طرف اشارہ تھا۔

اُمیہ کے بارے میں بہت سے قصّے مشہور ہیں۔ اسلام لانے کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی کتابت بھی اسی نے کی تھی۔ اس کے کچھ حالات ہم اس سے قبل اپنی پہلی کتاب "اخبار الزماں" میں بیان کر چکے ہیں۔" اس کے بعد المسعودی رقم طراز ہیں:۔

"انھیں اہل فترہ میں سے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزّیٰ بن قصّی بھی تھا۔ وہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا رشتے میں چچازاد بھائی تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: "یہ لوگوں کو ایذا پہنچائے گا اور جھوٹ بولے گا۔" اس نے حصولِ علم کے بعد توریت، زبور اور انجیل کا مطالعہ کیا تھا اور آپؐ کے بارے میں اپنی چچازاد بہن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت دی تھی اور

بُت پرستی ترک کر دی تھی لیکن ایک دن جب آپؐ کے پاس آیا تو اس نے اپنے ہاتھ میں ایک کاغذ تھام رکھا تھا۔ وہ آتے ہی بولا: "اے میرے بھائی کے بیٹے! کیا تم چاہتے ہو کہ تم جس راہ پر چل رہے ہو تمہیں اس کا ثبوت دوں؟ تم نے (نعوذ باللہ) لوگوں کو تکلیفیں دی ہیں، ان کو ان کے گھروں سے اجاڑا ہے اور انھیں قتل کیا ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ ایک دن (میری طرح) خدا کے حکم سے نصرانی ہو جاؤ گے۔" بعض لوگ اس روایت کو غلط بتاتے ہیں لیکن انھیں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ جب وہ مرا تو نصرانی تھا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نبوت نہیں دیکھا البتہ کچھ لوگ اس روایت سے بھی اختلاف رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آپؐ کے دست مبارک پر اسلام لایا تھا بلکہ اس نے آپؐ کی مدح میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔

انہیں میں عتبہ بن ربیعہ کا رشتہ دار بھی تھا۔ وہ اہل نینوا میں سے تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے طائف میں اس وقت دیکھا تھا جب آپ اہل طائف کو دین حق کی دعوت دینے تشریف لے گئے تھے۔ اس کی آپ سے حدیقہ میں گفتگو کے بارے میں کچھ روایات بھی ملتی ہیں۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں لوگوں کو بشارت بھی دی تھی تاہم چند روایات یہ ہیں کہ غزوہ بدر کے روز جب وہ قتل ہوا تو نصرانی تھا۔"

انھیں میں ابو قیس صرمہ بن ابی انس بھی تھا۔ اس کا شمار بنی نجار کے انصار میں ہوتا ہے۔ وہ قبل اسلام راہب ہو گیا تھا، مسیحیوں کا لباس پہنتا تھا اور اس نے بُت پرستی سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ اس نے عبادت گاہ کے طور پر ایک گھر بنا لیا تھا جس میں وہ غسلِ طہارت کے بغیر داخل نہیں ہوتا تھا۔ وہ کہتا تھا: "میں ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت کرتا ہوں۔" وہ حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام میں داخل ہوا۔ اس کا ایمان (یقیناً) بہت پختہ اور قابل ستائش تھا۔ آیاتِ مسحور اوقات سحری کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہیں جو یہ ہیں:۔ "کھاؤ پیو جب تک سیاہ و سفید دھاگے میں تمیز نہ کر سکو فجر کے وقت تک" (القرآن۔ ترجمہ)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں درج ذیل مشہور شعر اسی کا ہے:۔

"آپؐ نے قریش کے ساتھ مکہ میں دس سال قیام فرمایا
کسی کو تا دمِ مرگ ایسا سچا انسان مل نہیں سکتا۔"
(ترجمہ)

انھیں میں ابوعامر اوسی بھی تھا۔اس کا پورا نام عبد عمرو بن صیفی بن نعمان تھا۔ وہ قبیلۂ اوس کے بنی عمرو ابن عوف میں سے تھا اور " ابوحنظلہ غسل ملائکہ" کے نام سے مشہور ہے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں اپنے قبیلے کا سردار تھا مگر راہب ہوگیا تھا اور مسیحیوں کا لباس پہننے لگا تھا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب مدینے میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ سے اس کی خاصی طویل گفتگو ہوئی تھی۔ پچاس سال کی عمر میں وہ تنہا شام چلا گیا تھا اور جب اس کا انتقال ہوا تو نصرانی ہی تھا۔

انھیں اہل فترہ میں بنی اسد بن خزامہ کا عبداللہ بن جحش اسدی بھی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد سے پہلے اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب اسی کی بیوی تھیں۔ اس نے کتب سماویہ کا مطالعہ کیا تھا اور نصرانیت کی طرف مائل ہوگیا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ اس نے بھی مکہ سے حبشہ ہجرت کی تھی اور اس وقت حضرت ام حبیبہؓ بھی اس کے ساتھ تھیں لیکن وہ وہاں جاکر مرتد ہوگیا اور مسلمانوں سے یوں مخاطب ہوا :-

"میں نے اور تم نے ساتھ ساتھ ذرا ذرا آنکھیں کھولی تھیں لیکن اب تم مجھے عدم بصارت کا الزام دیتے ہو حالانکہ میری آنکھیں دوبارہ کھل گئی ہیں جب کہ تم بصارت سے محروم ہو چکے ہو۔"

عربی میں یہ محاورہ کُتّے کے پلّوں کے متعلق بولا جاتا ہے جن کی آنکھیں ولادت کے وقت کھُلی ہوتی ہیں اور پھر فوراً ہی بند ہو جاتی ہیں۔ وہ چاہیں بھی تو پھر کچھ دن تک آنکھیں کھول نہیں سکتے۔ عبداللہ بن جحش کا انتقال حبشہ ہی میں ہوا، اس وقت وہ نصرانی تھا۔ جب اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ اُم حبیبہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں تو ان کی طرف سے ولی کے طور پر شاہ حبشہ نجاشی نے مہر میں چار سو دینار مقرر کیے تھے۔

بحیرا راہب اہل فترہ میں بحیرا راہب کا نام بھی آتا ہے۔ وہ نصرانی تھا اور حضرت مسیح ابن مریم کی نبوت پہ ایمان رکھتا تھا۔ مسیحیوں میں سرجس[1] کے نام سے مشہور ہے۔ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابی طالب کے ساتھ بغرض تجارت بارہ سال کی عمر میں شام تشریف لے گئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ بھی ان کے ہمراہ تھے تو آپ راستے

---

[1] بعض کتابوں میں جرجس لکھا ہے۔

میں اس طرف سے گزرے جہاں ایک صومعہ (مسیحی حضرات کی عبادت گاہ) میں بحیرا راہب کی حیثیت سے مقیم تھا۔ بحیرا نے آپؐ کو دیکھا تو آپؐ میں وہ تمام علامتیں اور صفات موجود پائیں جو آپ کے متعلق کتب سماوی میں پڑھی تھیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ جہاں آپ تشریف فرما تھے وہاں دھوپ سے بچاؤ کے لیے آپ کے فرق مبارک پر ابر سایہ فگن تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے آپ سے اپنی عبادت گاہ میں قیام کی درخواست کی اور آپؐ کو بڑے احترام کے ساتھ وہاں لے جا کر بٹھایا، آپؐ کے اور آپؐ کے ہمراہیوں کے لیے کھانا تیار کیا اور حد سے زیادہ خاطر و مدارات کی۔ پھر اس نے کتب سماوی کے حوالے سے آپؐ کے اوصافِ حمیدہ کی طرف اشارہ کر کے آپؐ کو نبوت کی خوش خبری سنائی اور مبارکباد دی۔ اس نے آپ کے دستِ مبارک کی ایک شبیہ بھی بنا کر بطور یادگار اپنی عبادت گاہ میں رکھ لی اور آپؐ کے رسولِ برحق ہونے پر ایمان لانے کا اقرار کیا۔ جب تک آپ کا قیام اس کی عبادت گاہ میں رہا اس نے آپؐ کے رُوئے مبارک سے نظر نہیں ہٹائی۔ آپ کے ہمراہیوں نے اس واقعہ کی اطلاع دوسروں کو دینے کے بارے میں اس سے پوچھا تو وہ بولا:۔

"ابھی نہیں، خاص طور سے مسیحیوں کی طرف سے خبردار رہنا وہ (آپؐ کی طرف اشارہ کر کے) انہیں بربنائے حسد نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اور موقع ملا تو آپؐ کی جان لینے سے بھی نہیں چوکیں گے۔"

بہرحال اس واقعہ کی اطلاع قوی روایات کی رُو سے آپؐ کے چچا ابی طالب کی زبانی دوسروں تک پہنچی۔ مذکورہ بالا سفر کے دوران میں آپ کی ذاتِ مبارک سے بسلسلۂ نبوت جو علامات ظہور پذیر ہوئیں وہ بھی حضرت ابی طالب سے روایت کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ آپؐ کی ذات مبارک سے مربوط جو علامات نبوت قبل بعثت ظاہر ہوئیں وہ تمام تر آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ سے مروی ہیں۔"

یہاں پہنچ کر المسعودی لکھتے ہیں:۔

"یہاں تک ہم نے تخلیق کائنات کی ابتداء کے بارے میں جو کچھ ہمارے علم میں آیا تمام کا تمام بلا کم و کاست درج کر دیا ہے لیکن اس سلسلے میں ہمارے علم کا ماخذ صرف کتب سماوی اور اقوال انبیاء ہیں۔ دُوسری جملہ روایات و حکایات بھی کتب تواریخ سے تصدیق کے بعد درج کی گئی ہیں۔"

"اب اس کے بعد ہم ممالک ہند کی ابتدا، قدامت اور وہاں کے باشندوں کے مذہبی اور دوسرے خیالات کے بارے میں لکھیں گے۔ اسی طرح دوسرے ممالک اور وہاں کے حکمرانوں کے حالات بھی اسی نہج سے لکھیں گے جس طرح ہم نے مصدقہ تواریخ اور کتب شرعیہ کے حوالے سے ملوک اسرائیل کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

بسل سکینہؔ
حیدرآباد لطیف آباد، یونٹ نمبر [redacted]

اخبار الہند اور ہندی ممالک و ملوک

اہل ہند ابتدائے کائنات اور تخلیق موجودات عالم کے بارے میں اپنے جداگانہ مخصوص نظریات رکھتے ہیں۔ حکمائے یونان کی طرح ان کے قدیم ترین دانشوروں نے اس سلسلے میں بڑی پُر مغز گفتگو کی ہے۔ ان کے اوّلین سات حکماء کی آراء میں تضاد ہونے کے باوجود پانی سے ابتدائے کائنات کے سلسلے میں سب کے سب متفق ہیں۔ قدیم حکمائے ہند کی رائے میں دنیا کی قدیم ترین سرزمین سرزمین ہند ہے جہاں سے کوہ، صحرا، جنگلات اور جملہ حیوانات کی ابتدا ہوئی ہے۔ کائناتی علوم پر تحقیق و جستجو کے سلسلے میں ان کے پیش کردہ نتائج سے بحیثیت علمی کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو لیکن ان کی تحقیقی کاوشیں قابل غور و فکر ضرور ہیں۔ ان کے نزدیک ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام پہلی بار انہیں کی زمین پر اُترے تھے۔ ان کے خیال میں علمی قدامت کے لحاظ سے ارض ہند قدیم ترین ہے۔ وہیں کی کانوں سے لوہا اور جواہرات نکلے ہیں۔

ہندوستان کی قدیم ترین نسل برہمن نسل ہے۔ ہندوستان کا سب سے پہلا عظیم ترین بادشاہ اسی نسل سے ہوا ہے۔ اسی کے زمانے میں کانوں سے لوہا نکالا گیا جس سے تلواریں، خنجر اور دوسرے آلات حرب تیار کیے گئے۔ اسی کے زمانے میں منادر تعمیر کیے گئے جنہیں چمکتے دمکتے مشرقی جواہرات سے سجایا گیا۔ ان منادر میں کواکب کے بارہ برجوں کے نقشے اور انسانی و حیوانی مجسمے تیار کر کے رکھے گئے اور دیواروں پر ان کے نقش و نگار اُبھارے گئے۔ اہل ہند کا مدبر اعظم شمس نامی ایک شخص تھا جس نے مسائل کائنات پر اپنی ایک کتاب میں کچھ عام فہم اور کچھ خواص کے لیے علمی زبان میں بحث کی ہے۔ حکمائے ہند نے اسی کے زمانے میں اجتماعی طور پر کتاب "السند ہند" اور اس کی شرح دہر الدھور لکھی ہے۔ اسی زمانے میں مجسطی کی کتاب "الارجبہد الارکند" اور کتاب بطلیموس کی طرز پر دوسری کتابیں لکھی گئیں۔ انھیں دو کتابوں سے اہل ہند میں علم ہندسہ اور ریاضی کے ان نو قاعدوں

کی ابتدا ہوئی جو ہندوستان سے مخصوص ہیں۔ ہندوستان کا پہلا شخص شمس ہی تھا جس نے آفتاب کی بلندی کی نشاندہی کی اور یہ بتایا کہ سورج اپنے ہر برج میں تین ہزار سال رہتا ہے اور پورے آسمان کی مسافت ۳۶ ہزار سال میں طے کرتا ہے۔ اس کے حساب کے مطابق ہمارے زمانے میں اس وقت یعنی ۳۳۲ ہجری میں سورج کا قیام برج ثور میں ہے۔ اس کا سفر آسمان میں جنوب سے شمال اور شمال سے جنوب کی طرف ہوتا ہے اس نے عناصر اور ان کے ضعف و توانائی پر بھی گفتگو کی ہے جس کے باقی عالمی ممالک سے قطع نظر اہل ہند پوری طرح قائل ہیں۔ ہم نے ہندوستان کی نسبت سے ان اطلاعات پر اپنی پچھلی دو کتابوں میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ یہاں اس سے اس لیے گریز کیا ہے کہ کہیں ہماری اس کتاب کو بھی تاریخی واقعات پر مبنی تصنیف کی بجائے عالمی اخبار و اطلاعات پر مبنی کتاب نہ سمجھا جائے۔ بہرحال یہاں اتنا واضح رہے کہ ہندوستان کا پہلا بادشاہ برہمن تھا جس کی ہلاکت کے بعد ہندوستان کی حکومت پر برہمن ہی اس وقت تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک قابض ہیں۔

البراہمہ ہندوستان کے پہلے برہمن بادشاہ کی نسل کے لوگ براہمہ کہلاتے ہیں وہ ہر قسم کے گوشت کھانے سے اجتناب کرتے ہیں اور اپنے گلے میں تلوار کے تسمے کی طرح ایک موٹا دھاگا ڈالے رہتے ہیں جو ان کے اور ہندوستان کی دوسری قوموں کے درمیان امتیازی نشان ہے۔ ان کے پسندیدہ سات دانشور گزرے ہیں جن کا قول ہے کہ ہمارا وجود خالق کی حکمت پر مبنی ہے لہٰذا ہمارا عدم اس کی حکمت کے زوال یا نقص کا باعث ہوگا۔ ان میں سے ایک دانشور کہتا ہے کہ ایسا کون ہے جو وجود عالم اور حقائق اشیاء کا کلی طور پر ادراک کر سکے؟ دوسرا کہتا ہے کہ عقل و حکمت کسی ایک شخص تک محدود نہیں ہو سکتی۔ تیسرا کہتا ہے کہ ہمارے لیے انہیں اشیاء کا ادراک کافی ہے جو ہمارے اجسام و اذہان سے قریب تر ہیں۔ چوتھا کہتا ہے کہ اشیاء کی معرفت ہمارے لیے اسی حد تک ضروری ہے جہاں تک ہمیں ان کی احتیاج ہو۔ پانچویں کا قول ہے کہ ہمیں ان حکماء کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جو حقیقت اشیاء کے ادراک پر قادر ہوں۔ چھٹا حکیم بولا: اس دنیا میں ہمارا وجود حصول سعادت نفس کے لیے وقف ہونا چاہیے کیونکہ یہاں ایک دن جانا ضروری ہے۔ ساتویں اور آخری دانشور نے کہا:۔

"آپ حضرات نے جو کچھ فرمایا میں اسے سمجھنے سے قاصر ہوں، البتہ اتنا جانتا ہوں لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے، اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے، ہم نہ اپنی خوشی سے دنیا میں آئے ہیں نہ یہاں سے جانے پر ہمیں اختیار حاصل ہے، رہی زندگی تو اس

میں پریشانیوں اور تکالیف کے سوا رکھا ہی کیا ہے؟"

(مفہومی ترجمہ)

اہل ہند نے بعد میں ان قدیم ہندی حکماء کے جملہ اقوال سے انحراف کرتے ہوئے زندگی اور موت نیز عقل و ادراک کے تعلق سے اپنے لیے حسب پسند مذہبی راہیں اختیار کیں اور نسبت سے ان کی سات مختلف ذاتیں ہوگئیں جنہیں فرقے بھی کہا جاتا ہے۔

ابوقاسم بلخی نے اپنی کتاب "عیون المسائل والجوابات" میں اور حسن بن موسےٰ نوبختی اپنی کتاب "الاراء والدیانات" میں اہل ہند کے مذاہب، ان کی آرا اور سماجی روایات کا تفصیلی ذکر کیا ہے جن میں یہ بھی لکھا ہے کہ اہل ہند خود کو آگ کے سپرد کرنے کے علاوہ اپنے اجسام کے اعضا و جوارح کی قطع و برید کر کے اپنے آپ کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں اس کے علاوہ اہل ہند کے بارے میں وہ سب کچھ لکھا ہے جو ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں۔

حالاتِ برہمن میں تنازعات

ہندوستان کے پہلے بادشاہ برہمن کے بارے میں اہل ہند مختلف آراء رکھتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ ابو البشر آدم علیہ السلام تھا اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان کی سرزمین پر خدا کا پیغمبر تھا لیکن ایک مخصوص تعلیم یافتہ طبقے کی رائے یہ ہے کہ وہ بادشاہ ہی تھا جیسا ہم بیان کر چکے ہیں اور یہی آخری بات مشہور ترین ہے

باہور

برہمن کے ہلاک ہو جانے کے بعد اہل ہند نے حد درجہ گریہ وزاری کی اور اس کا جانشین اس کے سب سے بڑے بیٹے باہور کو بنایا جس کے لیے اس کا باپ برہمن پہلے ہی کہہ گیا تھا سیرت کے لحاظ سے وہ بھی اپنے باپ پر گیا تھا اور بظاہر بھی بہت خوش رو تھا۔ اس نے حکماء کی بڑی عزت کی بلکہ ان کے جاہ وحشم میں اور اضافہ کیا اور انہیں اہل ہند کو حکمت کی تعلیم دینے پر مامور کیا اور خود انہیں بھی علم و حکمت میں مزید تحقیق کا حکم دیا۔ اس نے اپنے مذہبی عقائد کے مطابق بہت سی نئی عبادت گاہیں تعمیر کرائیں۔ جب وہ ہلاک ہوا اس وقت اس کی عمر سو سال تھی۔

چوسر یا نرد بازی

ہندوستان میں نرد بازی یا پانسہ پھینکنے کا زیادہ رواج باہور کے زمانے ہی میں ہوا۔ اس سے پہلے اسے صرف ایک کھیل سمجھا جاتا تھا لیکن اس کی ہار جیت میں شرط کے طور پر نفع نقصان کو رواج اسی نے دیا یعنی اسے کسب روزی کا ذریعہ بنایا حالانکہ دنیا میں حصولِ رزق حیلہ و مکر پر منحصر نہیں ہے۔ کہتے ہیں نرد بازی کا موجد اردشیر تھا جس نے نردیں یا گوٹیں بنا کر ان سے کھیلنا شروع کیا تھا۔ اس نے بارہ شہروں کی تعداد کے لحاظ سے چوسر کی بساط کے

بھی بارہ گھر بنائے تھے اور پھر انہیں ہر مہینے کے دنوں کی مجموعی تعداد کے لحاظ سے تیس خانوں میں تقسیم کیا تھا۔ ہر چند اُردشیر کی یہ ایجاد لہو و لعب تک محدود تھی لیکن اہل دنیا نے بعد میں پانسہ پھینک کر خوش قسمتی اور بدقسمتی کا اندازہ لگانا شروع کر دیا۔ جہاں تک اس کے ذریعہ کسب رزق کا سوال ہے تو اس کا حصول محنت اور جدوجہد کے بغیر کیا معنی رکھتا ہے؟

زامان باہبود کے بعد زامان ارض ہند کا بادشاہ ہوا جس کی حکومت کم و بیش ۵۰ اسال تک رہی اس کی سیرت و کردار اور احوال حکومت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ فارس اور چین کے بادشاہوں سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ ان سب کا تفصیلی حال ہم اپنی سابقہ کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔

ملک فور زامان کے بعد فور (پورس) بادشاہ ہوا۔ یہ وہی فور ہے جس سے سکندر کی جنگ ہوئی تھی اور سکندر نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا تھا۔ اس کے قتل کے وقت اس کی حکومت کے ۱۴۰ اسال گزر چکے تھے۔

دبشلیم ملک فور کے بعد دبشلیم بادشاہ ہوا جس نے کتاب کلیلہ دمنہ لکھی ہے جسے ابن مقفع سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس کے بہت سے افسانے وغیرہ عباسی خلیفہ المامون کے کاتب سہل بن ہرون نے اپنی کتاب "ثعلہ و عضرہ" میں ترجمہ کر کے پیش کیے ہیں نیز ان پر کچھ اضافے کر کے کتاب کی منظومات میں مزید حسن پیدا کر دیا ہے۔ دبشلیم کا دورِ حکومت ۱۲۰ سال تک رہا۔

بلہیت اور شطرنج دبشلیم کے بعد بلہیت ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ شطرنج کا کھیل اسی کی ایجاد ہے۔ یہ کھیل اگرچہ وقت گزاری کے لیے تفریحاً کھیلا جاتا ہے لیکن اس کی بساط پر جس کے کل ۶۴ خانے ہوتے ہیں سولہ سولہ مہروں کو دو طرفہ اس طرح رکھا جاتا ہے جس طرح آمنے سامنے دو فوجوں کی صفوں کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ شطرنج کی چالیں بھی بالکل فوجی چالوں کی طرح ہوتی ہیں اور اس میں داؤ پیچ بھی بالکل اسی طرح ہوتے ہیں جیسے افواج میں لڑنے والوں کے درمیان دست بدست جنگ آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہٹ کر یا پینترے بدل کر لڑی جاتی ہے۔ شطرنج میں بھی مدمقابل کی غفلت اور چالوں میں اس کی بے خبری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، پوری بساط کو ذہن میں رکھ کر مدمقابل کی ہر چال سے قبل از وقت باخبر رہنا اور اس کے توڑنے کے لیے تدبیر کرنا پڑتی ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ کھیل صرف کھیل نہیں ہے، اس میں بڑی دماغ سوزی ہوتی ہے اور دونوں طرف آمنے سامنے بیٹھ کر حد درجہ سوجھ بوجھ اور ذہنی پھرتی کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔ جیسا ہم نے

سطور بالا میں بیان کیا شطرنج کی بساط کے ۶۴ خانے ہوتے ہیں لیکن کھیلنے والے اپنے اپنے مہروں کو جن کے رنگ پہچان کے لیے مختلف ہوتے ہیں پہلی دو صفوں میں ترتیب دیتے ہیں۔ اگلی صف میں ۸ پیادے ہوتے ہیں، اس کے پیچھے دوسری صف میں بادشاہ اور وزیر درمیان میں رکھے جاتے ہیں اور ان کے داہنی اور بائیں جانب پہلے ایک ایک فیل، پھر ایک ایک اسپ (گھوڑا) اور آخر میں بادشاہ اور وزیر کے دائیں اور بائیں جانب ایک ایک رُخ جمایا جاتا ہے۔ بادشاہ آگے پیچھے صرف ایک گھر بڑھ سکتا یا ہٹ سکتا ہے، اسی لیے ہر کھلاڑی مدمقابل کے بادشاہ کو اپنے مختلف مہروں کے ذریعہ صرف ایک خانے میں محصور کر دینا چاہتا ہے جس کی وجہ سے وہ آگے نہ بڑھ سکے نہ ادھر ادھر کسی برابر کے خانے میں جا سکے کیونکہ بادشاہ دائیں بائیں، آگے پیچھے صرف ایک خانے تک ہٹ سکتا ہے اور جب مدمقابل اسے ہر طرف سے گھیرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو دوسری طرف کھیلنے والے کو شکست ہو جاتی ہے چالوں کے لحاظ سے بادشاہ کے علاوہ وزیر بساط کے آخر تک سیدھا اور ترچھا جا سکتا ہے جب کہ فیل ترچھا اور رُخ سیدھا بساط کے آخر تک مار کر سکتا ہے لیکن اسپ یا گھوڑا صرف ڈھائی گھر یعنی دو خانے سیدھا اور دو خانوں کی طرف یعنی ادھر ادھر ترچھا چل سکتا ہے جو نصف خانہ سمجھا جاتا ہے یہ تفصیل دہور اور اعصار میں ہر جگہ موجود ہے۔ شطرنج کا کھیل ہندوستان ہی سے یونان، روم اور دوسرے ممالک پہنچا جہاں آج بھی یہ کھیل بڑے شوق سے کھیلا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بلہیت کا دورِ حکومت صرف ۳۰ سال رہا لیکن اس روایت کے بارے میں کچھ اختلافات بھی ہیں۔

کورش

بلہیت کے بعد کورش ہندوستان کا حکمران ہوا۔ اس نے معاشرتی اصلاحات کے علاوہ مذہبی روایات میں بھی بہت سی اصلاحات کیں اور اپنی رعایا کی بہت سی سماجی و معاشی تکالیف رفع کرنے کا باعث بنا۔ کورش ہی کے زمانے میں سندباد بھی تھا جو اس کا مشیرِ خاص تھا۔ اسی نے کورش کے لیے سات وزرا، معلمین، غلام اور بیویوں کی تعداد کے سلسلے میں ایک کتاب مرتب کی تھی جس کا نام بھی اس کے نام پہ کتاب سندبادی رکھا گیا تھا۔ اس نے کورش کے لیے جو سب سے بڑی کتاب لکھی تھی وہ مختلف امراض کے اسباب و علل اور ان کے علاج کے لیے دواؤں کی تجاویز وغیرہ پر مشتمل تھی اس میں جسم انسانی کے مختلف اعضاء اور ان کی کارکردگی کے سلسلے میں اشکال و تصاویر دی گئی تھیں۔ اس بادشاہ کی عمر اس کے انتقال کے وقت ۱۲۰ سال تھی۔

اختلاف الہند

کورش کے انتقال کے بعد ارضِ ہند اختلاف آراء کی شکار ہو گئی۔ اس کے مختلف حصوں میں مختلف حکمرانوں نے مرکز سے الگ اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لیں اور

اس طرح سارا ملک ٹکڑوں میں بٹ کر خراب و خستہ اور کمزور ہو گیا۔ سندھ کی الگ، قنوج کی الگ اور کشمیر کی الگ حکومت قائم ہوئی۔ سب سے بڑی حکومت کا پایۂ تخت شہر "مانکیر" (؟) تھا۔ یہ وہ شہر تھا جو اپنے علاقے کے حکمران "بلہری" کے نام سے پہلی بار منسوب ہوا اور اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد مرکزی حکمران اسی شہر میں قیام پذیر رہے اور یہ دستور اب تک یعنی ۳۳۲ھ تک چلا آتا ہے۔

ارض الہند

ہندوستان کی سرزمین بڑی وسیع اور بری، بحری اور کوہستانی علاقوں کے لحاظ سے اس کا طول و عرض بہت زیادہ ہے۔ یہ سرزمین مملکت زابج (؟) سے متصل ہے جس کا پایۂ تخت مہراج کا مرکزی شہر ہے جو الجزائر کا حکمران ہے الجزائر ہندوستان اور چین کے درمیان واقع ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے محل وقوع میں یہ باتیں شامل ہیں کہ اس کی سرحدیں پہاڑی علاقوں سے گذرتی ہوئی سندھ، خراسان اور تبت سے جا ملتی ہیں۔ ان ممالک میں ہمیشہ باہم کوئی نہ کوئی چپقلش رہی ہے اور اس کی وجہ سے جنگ و جدال تک نوبت آجاتی ہے۔ ان ممالک میں اختلاف آراء کے علاوہ بہت سے مسائل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اہل ہند تناسخ کے قائل ہیں یعنی روح ایک مردہ جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے جس کا ہم پہلے اجمالاً ذکر کر چکے ہیں۔ یہی نہیں اہل ہند عقل و حکمت، سیاست، رنگ، مزاج اور دوسرے اوصاف کے لحاظ سے دنیا کے ان تمام ممالک کے باشندوں سے مختلف ہیں جو سیاہ فام کہلاتے ہیں حتیٰ کہ ان کی اجناس بھی ان ممالک سے مختلف ہیں۔

اہل ہند کے خصائل

جالینوس نے خصائل اقوام کے تحت رنگ دار اور سیاہ فام خصوصاً سیاہ فام اقوام بشمول ہند کے دس خصائل بیان کیے ہیں جو یہ ہیں:-

جسم پر بالوں کا گھنا ہونا، شرمگاہوں کو لنگوٹی سے چھپانا، نتھنوں کا پھیلاؤ، ہونٹوں کی موٹائی، عمر کی کوتاہی، جلد کڑ دنا، آنکھ کی تپلیوں کی گہری سیاہی، ہاتھ پاؤں کی جلد کا پھٹنا، عضو تناسل کا طول اور رقص و سرود کی کثرت۔

جالینوس کے بقول ان اقوام میں رقص و سرود کی کثرت اور اظہار مسرت کے لیے اچھل کود کی خاص دماغی فساد اور عقل کی کوتاہی ہے۔ جالینوس کے علاوہ بھی دوسرے حکمائے عالم نے سیاہ فام قوموں میں خصوصاً زنجبار میں رقص و سرود کی کثرت اور خوشی کے موقعوں پر حد سے زیادہ اچھل کود کی یہی وجہ بتائی ہے جس کا ذکر ہم اپنی پہلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔

"عبداللہ بن عباس" کے مصنف طاؤس یمانی کسی زنگی کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ عجیب الخلقت لوگ ہیں۔ ہندوستان میں گوشت سے پرہیز اور چھوت چھات اس سے کہیں زیادہ ہے۔

ہمارے علم میں آیا ہے کہ مقتدر باللہ عباسی کا بیٹا راضی باللہ کسی سیاہ فام کے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں کھاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ عجیب الخلقت لوگوں میں سے ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ ذبیحہ کے بارے میں بھی وہ طاؤس یمانی کا مقلد اور گوشت خوری سے مجتنب تھا۔ البتہ عمرو بن بحر جاحظ نے اپنی ایک کتاب میں سیاہ فام لوگوں کے کچھ فضائل بیان کرتے ہوئے اہل ہند کی خوبیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں سیاہ فاموں کے علاوہ سفید فام لوگ بھی پائے جاتے ہیں اور خوبصورت ہوتے ہیں۔

عادات الہنود

ہندوستان میں حکمران کے لیے ضروری ہے کہ اس کی عمر چالیس سال سے کم نہ ہو اسے معلوم دنیا کے حالات و واقعات سے مکمل واقفیت حاصل ہو، اسے رعایا کی ضروریات اور تکالیف کا صرف احساس ہی نہ ہو بلکہ اس سلسلے میں عملی قدم اٹھانے کے لیے اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے، رعایا پر اس کا رعب داب امور سلطنت اور عوام میں نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے ضروری حد تک موجود ہو، امور سلطنت میں سیاسیات کو جہاں تک ضرورت ہو اس سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور اس کی عملی اقدار کو بروئے کار لانے میں مستعدی سے کام لے سکتا ہو نیز ان کے مواضع کو بھی مکمل طور پر سمجھ سکتا ہو۔

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں:۔

"میں نے ارض ہند کے خطۂ سراندیپ (لنکا، سیلون) میں دیکھا اور وہ ایک سمندری جزیرہ ہے کہ جب وہاں کا حکمران فوت ہو جاتا تو اسے ایک خاص مقام پر لے جاتے ہیں جو اسی کام کے لیے مقرر ہے اور اس کی لاش وہاں رکھ دیتے ہیں۔ اس کی بیوی کے ہاتھ میں ایک پوٹلی ہوتی ہے جس میں سے مٹی نکال نکال کر وہ اپنے مردہ خاوند کے سر پر ڈالتی جاتی اور کہتی جاتی ہے "اے لوگو! دیکھو یہ آج تک تمہارا حاکم تھا" اس کا ہر حکم تمہارے لیے واجب العمل تھا اب اس نے دنیا چھوڑ دی ہے اس لیے اس کے احکام بھی آج سے ختم ہو گئے کیونکہ ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی ہے۔ اگرچہ اب وہ زندہ ہو کر دوبارہ نہیں مرے گا لیکن اس کے مرنے سے تم نہ بدل جانا۔" اسی قسم کے الفاظ وہ لوگوں سے نیک چلنی، عبادت پرہیزگاری وغیرہ پر قائم رہنے کے متعلق کہتی ہے اور انھیں اپنی ملکی روایات پر قائم رہنے کی ترغیب دیتی اور تلقین کرتی

ہے۔ اس کے بعد لاش کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور اس پر صندل، کافور اور طرح طرح کی خوشبوئیں ڈالی جاتی ہیں۔ اس کے بعد اسے آگ لگا دی جاتی ہے۔ جب لاش جل کر راکھ ہو جاتی ہے تو اسے ہوا میں اُڑا دیا جاتا ہے۔ لاش کو آگ میں جلانے کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ اس طرح مردہ آئندہ کے لیے پاک صاف ہو جاتا ہے جہاں تک مرنے والے کے دارالامارت، وزیروں اور دوسرے عہدیداروں کے عہدوں کا تعلق ہے وہ اسی طرح رہتے ہیں اور جس طرح حکومت مرنے والے حکمران کے خاندان سے باہر نہیں جاتی اسی طرح یہ تمام عہدے بھی عہدہ داروں کے بعد انھیں کے خاندان میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

ہندوستان میں شراب کی ممانعت ہے اور پینے والے کو سزا دی جاتی ہے لیکن یہ مذہبی نقطہ نظر سے نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے نزدیک شراب پی کر نشے کی حالت میں انسان عقل و خرد سے عاری ہو جاتا ہے۔ اور اسے ملکی قوانین اور روایات کا پاس لحاظ نہیں رہتا۔ البتہ حکمران کے لیے ضرورۃً سیاسی سوجھ بوجھ اور تدابیر ملکی پر غور و خوض کے لیے اس کا تھوڑا بہت استعمال صحیح سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں گانے بجانے کا رواج بہت ہے جس کے لیے انہوں نے بہت سے آلات بنا رکھے ہیں۔ گانا بجانا خوشی اور غمی دونوں میں ہوتا ہے نیز بڑے دیسیوں کے یہاں تقریبات کے موقعوں پر گانا بجانا ضروری ہوتا ہے ہندوستان کی سیاسیات اور رسوم و روایات کے بارے میں ہم نے اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔"

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہمارے زمانے میں ہندوستان کا سب سے بڑا حکمران بلہری ہے دوسرے حصہ ہائے ملک کے حکمران اس کی عزت کرتے، اسی کے رسم و رواج پر چلتے اور اس کے قاصدوں کے ساتھ بھی بڑے احترام سے پیش آتے ہیں۔ ہندوستان کے بعض پہاڑی علاقوں میں بھی جہاں سمندر نہیں ہے حکومتیں قائم ہیں۔ مثال کے طور پر کشمیر وغیرہ۔ سواحل سمندر پر بھی کئی حکومتیں ہیں لیکن بلہری کی حکومت برّی حصے کے درمیان میں ہے۔ قنوج کا علاقہ بھی اس سے کوسوں دُور ہے اس طرح سندھ اور دوسرے بحری، برّی اور یہ دوسرے علاقے بھی۔ بلہری اور اس کی حکومت پر حملے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے پاس سواروں اور پیادوں پر مشتمل کثیر فوج ہے جس میں ہاتھی بھی بے شمار ہیں۔ یہ فوج شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً ملکی حفاظت اور سرحدوں کی نگرانی کے لیے ہے۔

ہندوستان کے علاقہ سندھ اور دوسرے برّی و بحری علاقوں کا ذکر ہم آگے چل کر زیر نظر کتاب میں وہاں کے سمندروں اور حکمرانوں کے ساتھ کریں گے جس میں ہندوستان کے حکمرانوں کے مراتب، ان کے ماحول، وہاں کے باشندوں اور عجائب و غرائب کا بھی تفصیلی ذکر ہوگا، ویسے ان کے کچھ حالات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بھی قلمبند کر چکے ہیں۔

خطہ ہائے ارضی کے بحری و برّی علاقوں، پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں، ان کے آغاز، منابع و مخارج

ہیئت فلکیات وکواکب وغیرہ کا تذکرہ

کچھ حکمائے عالم نے زمین کو مشرقی، مغربی، شمالی اور جنوبی چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے اور پھر ہر حصّے کو مزید دو حصّوں یعنی مسکونہ و غیر مسکونہ (یعنی آباد و غیر آباد) میں تقسیم کیا ہے۔ مسکونہ حصّے وہ ہیں جہاں آبادی کے ساتھ عمرانیات یعنی حکومتیں اور ان کے انتظامی امور بھی شامل ہیں۔ حکماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زمین گول ہے اور گردش کرتی ہے۔ ان کے مطابق زمین کا مرکز وسط فلک میں ہے اور چاروں جانب سے اسے ہوا گھیرے ہوئے ہے۔ انہیں حسابی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ زمین کا یہ مرکز فلک بروج کے قریب ایک ابھرا ہوا نقطہ قلیل کی شکل کا ہے۔ انھوں نے یہ بھی نتیجہ نکالا کہ زمین کے آباد جزائر کی قدیم حدود غربی اوقیانوس تک ہیں اور یہ کہ چین کی آباد حدود تک ان کا فاصلہ چھ ساعت پر مشتمل ہے۔ ان کی تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آفتاب ان اقصائے چین میں غروب ہو کر بحر اوقیانوس غربی کے مذکورہ بالا جزائر سے طلوع ہوتا ہے اور یہ زمین کا نصف دائرہ ہے۔ انھوں نے دورِ ارضی پر جب ساعتی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اقصائے چین سے جزائر اوقیانوس تک میلوں کے حساب سے یہ فاصلہ ۱۳ ہزار ۵۰۰ میل ہے۔ اس طول البلد کے بعد جب انہوں نے عرض البلد پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ جب خطِ استوا سے ناحیۂ شمال کے اس جزیرے تک جو برطانیہ سے ملا ہوا ہے دن کا زیادہ سے زیادہ طول ۲۰ ساعت ہوتا ہے تو اس وقت عرض البلد زمین کے خطِ استوا سے مشرق و مغرب کے اس جزیرے تک جو ناحیۂ جنوب میں ہندوستان اور حبش (افریقہ) کے درمیان ہے تو عرض البلد کا نصف حصّہ شمالاً جنوباً جزائر عامرۂ اوقیانوس سے اقصائے عامرہ چین تک مرکز ارض کے اس نقطے سے محسوب ہوگا جس کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے یعنی عرض البلد خطِ استوا سے مذکورہ حصّہ زمین کے مابین قریباً

۷۰ ڈگری ہوگا اور یہ دائرہ ارض کا چھٹا حصّہ ہے۔ جب اس عرض کو جو دائرہ ارضی کا چھٹا حصّہ ہے ناحیۂ شمال تک اس طول سے ضرب دیا جائے گا جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے تو یہ مقدار دائرہ ارض کے چھٹے حصّے کی نصف رہ جائے گی۔

جہاں تک سات آقالیم کا تعلق ہے تو ان میں پہلی آقلیم ارض بابل ہے اور اس کے فلکی بروج حمل اور قوس ہیں اور اس کے سات ستاروں میں سے ایک ستارہ مشتری ہے۔ دوسری اقلیم ہند، سندھ اور سوڈان پر مشتمل ہے۔ اس کا برج جدی اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ زحل ہے۔ تیسری اقلیم مکّہ، مدینہ، یمن، طائف، حجاز اور ان کے درمیانی ارضی حصوں پر مشتمل ہے۔ اس آقلیم کا برج عقرب اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ زہرہ ہے جسے "سعد الفلک" کہا جاتا ہے۔ چوتھی آقلیم مصر، افریقہ، بربر، اندلس اور اس کے درمیانی علاقوں پر مشتمل ہے۔ اس کا برج جوزا اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ عطارد ہے۔ پانچویں آقلیم شام، روم اور جزیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کا برج دلو اور سات ستاروں میں سے ایک قمر ہے۔ چھٹی آقلیم ترکی، خزر، دیلم اور صقلیہ پر مشتمل ہے۔ اس کا برج سرطان اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ مریخ ہے۔ ساتویں آقلیم دبیل اور چین پر مشتمل ہے اس کا برج شمسی میزان اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ شمس ہے۔

حسین المنجم نے علم نجوم پر اپنی کتاب "کتاب الزیج فی النجوم" میں ابن عبد الملک المروزی وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ علم نجوم کے کچھ ماہرین نے جنھوں نے عباسی خلیفہ امیر المومنین المامون کے حکم سے دیار ربیعہ میں سنجر کے میدان میں مطالعہ شمس کے لیے جو رصدگاہ بنائی تھی اس کے ذریعہ انہوں نے درجۂ واحد میں کرۂ ارضی کا اندازہ ۵۶ میل لگایا تھا، پھر اس درجۂ واحد کو ۳۶۰ سے ضرب دے کر کرۂ ارضی کا محیط جو برّی اور بحری دونوں حصّوں پر محیط ہے بیس ہزار ایک سو ساٹھ میل نکالا۔ اس کے بعد اس میں دو ارض کے ایک لاکھ ایک میل اور چالیس ہزار ایک سو بیس میل جمع کر کے حاصل جمع کو بائیس میل پر تقسیم کیا اور خارج قسمت دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا کہ زمین کا قطر قریبًا چھ ہزار چار سو ساڑھے انیس میل ہے اور اس کا نصف قطر تقریبًا تین ہزار دو سو سات میل، سولہ دقیقہ تین ثانیہ ہے۔ افریقہ میں ایک میل چار ہزار ذراع (۵۰ تا ۷۰ سینٹی میٹر) کا ہوتا ہے۔ امیر المومنین المامون نے کپڑے، عمارات، اور منازل کے ناپنے کی بنیاد انھیں نتائج پر رکھی تھی۔

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں:۔

"بطلیموس نے اپنی کتاب "جغرافیہ" میں رُوئے زمین، اس کے شہروں، سمندروں، دریاؤں

چشموں اور زمین کے آباد و غیر آباد اور ان مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں حکومتیں قائم ہیں۔ اس نے بتایا ہے کہ اس کے زمانے میں تمام دنیا میں شہروں کی تعداد ۴ ہزار ۵۳۰ ہے۔ اس نے الگ الگ اقلیموں میں ایک ایک اقلیم کے شہروں کے نام بھی بتائے ہیں۔ اس نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں دنیا کے پہاڑوں کے رنگ بھی بتائے ہیں۔ ان میں سرخ، سرمئی اور سبز وغیرہ شامل ہیں۔ ویسے دنیا کے جملہ پہاڑوں کے رنگوں کی تعداد اس نے کثیر بتائی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں سے اکثر میں بیش قیمت پتھروں اور جواہرات کی کانیں ہیں۔ اس مشہور فلسفی نے دنیا کے سمندروں کی تعداد پانچ بتائی ہے۔ اس نے ان سمندروں کے جزائر کا پتہ بھی دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں کون سے مشہور اور کون سے غیر معروف ہیں۔ اس نے بتایا ہے کہ افریقی سمندر میں ــــــــ صرف چند میل کے فاصلے سے قریباً ایک ہزار جزیرے ہیں اور ان کے علاوہ بھی اور جزیرے ہیں۔ بطلیموس نے اپنی مذکورہ بالا کتاب جغرافیہ میں لکھا ہے کہ بحر مصر بحر روم سے مل کر "بحر اصنام نحاس" سے جا ملتا ہے۔ اس نے ساری دنیا میں (پہاڑوں سے نکلنے والے) بڑے بڑے جملہ چشموں کی تعداد ۲۳۰ بتائی ہے۔ یہ تعداد چھوٹے چشموں کی تعداد کے علاوہ ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ دنیا کی سات اقلیموں میں سال بھر مستقل جاری رہنے والے بڑے بڑے دریاؤں کی مجموعی تعداد ۲۹۰ ہے۔ چھوٹے دریاؤں کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ البتہ اقالیم کی تعداد وہی ہے جس کا پہلے ذکر آچکا ہے لیکن ہر اقلیم ساعتوں کے لحاظ سے ۹۰۰ فرسخ ہے۔ جہاں تک سمندروں کا تعلق ہے تو ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن میں حیوانات موجود ہیں اور بعض میں نہیں ہیں، بحر اوقیانوس وہ واحد سمندر ہے جس میں حیوانات نہیں پائے جاتے۔ ان سمندروں کی اقسام اور ان کے جملہ کوائف کا ذکر ہم سمندروں کی تفصیلات کے تحت کریں گے۔ یہ سمندر بطلیموس کی مذکورہ بالا کتاب "جغرافیہ" میں نقشوں اور تصاویر کے ذریعہ بتائے گئے ہیں۔ اور نقشوں کے ساتھ ان کے مساحتی پیمانے بھی درج کیے گئے ہیں۔ ان میں کچھ دائروں کی شکل میں اور کچھ مثلث اور دوسری اشکال میں درج کیے گئے ہیں لیکن ان کے جو یونانی نام دیے گئے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہ آسکے۔ زمین کا قطر اس کتاب میں ۲۰۰۱ بتایا گیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ ۶۶۰۰ فرسخ ہے، شاید یہ مقدار ضربی قاعدے پر مبنی ہوتا تاہم ہر فرسخ کی طوالت ۱۶,۰۰۰ ذراع ہونا ضروری ہے اور یہ نجوم کے دائرہ اسفل کی مقدار ہے جو فلک قمر ہے جس کی اپنی مقدار ۱۲,۵۶۹۰ فرسخ ہے۔ بہرحال آسمان کا قطر راس الحمل کی حد سے لے کر راس المیزان کی حد تک ۴۰ ہزار فرسخ ہے۔ ان افلاک کی تعداد ۹ ہے۔ ان میں پہلا اور سب سے چھوٹا جو زمین سے سب سے زیادہ قریب ہے وہ قمر کا ہے۔

دوسرا عطارد کا، تیسرا زہرہ کا، چوتھا فلک شمسی، پانچواں مریخ کا، چھٹا مشتری کا، ساتواں زحل کا، آٹھواں کواکب ثابتہ کا اور نواں فلک بروج کہلاتا ہے۔ ان جملہ افلاک کی ہئیت یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے میں پیوست نظر آتے ہیں۔ فلک بروج کو فلک کل کہا جاتا ہے، اسی سے رات اور دن کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ سورج اور جملہ کواکب اپنی ایک گردش ایک دائرے میں مشرق سے مغرب تک ایک رات اور ایک دن ہی میں مکمل کرتے ہیں اور یہ گردش قطبین ثابتہ پر ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک قطب جو شمال سے متصل ہے" بنات نعش" کہلاتا ہے اور دوسرا جو جنوب سے متصل ہے اسے "سہیل" کہتے ہیں۔ بروج افلاک سے علیحدہ نہیں ہیں۔ انھیں جن ناموں سے ملقب کیا گیا ہے۔ وہ اس لیے ہے کہ فلک کلی کی مناسبت سے کواکب کا مقام و محل سمجھا جا سکے۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہوا کہ بروج قطبین کے لحاظ سے دائرہ فلک کے وسط میں قرار دیا جائے۔ اور جو خط اس دائرے کو مشرق سے مغرب تک آدھا آدھا تقسیم کرتا ہے اس کا نام "دائرہ معدل النہار" ہے جب سورج کی گردش کے لحاظ سے تمام دنیا میں رات دن برابر ہو جاتے اس وقت شمال سے جنوب تک عرض البلد اور مشرق سے مغرب تک طول البلد سمجھا جائے گا۔ افلاک جو جملہ عالم کو محیط ہیں وہ مرکز زمین پر گردش کرتے ہیں اور زمین ان کے وسط میں اس طرح ہے جیسے دائرے کے درمیان میں نقطہ ہوتا ہے اور یہی وہ ۹ افلاک ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ یہ پھر سمجھ لیا جائے کہ زمین کے سب سے زیادہ قریب فلک قمر ہے، اس کے اوپر عطارد، اس کے اوپر زہرہ، اس کے بعد شمس ہے۔ اس طرح فلک شمس سات آسمانوں کا درمیانی فلک ہے جس کے اوپر فلک مریخ ہے، اس کے اوپر فلک مشتری، اس کے اوپر فلک زحل ہے۔ فلک زحل کے اوپر آٹھواں آسمان ہے اور اسی آسمان میں جملہ بارہ بروج واقع ہیں۔ بہر حال ہر آسمان کا جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے ایک ستارہ ہے۔ سب سے اوپر نواں آسمان ہے اور وہی اپنی جسامت اور حجم کے لحاظ سے فلک اعظم ہے اور ان تمام افلاک پر جن کا ابھی ذکر کیا گیا محیط ہے۔ جہاں تک بروج کا تعلق ہے وہ ایک دوسرے سے قریب تر رہ کر گردش کرنے کے سلسلے میں چند ہیں اور دوسرے چند اپنی جگہ ساکن رہتے ہیں۔ گردش کرنے والے ستاروں (سیاروں) میں کچھ کی حرکت شمالاً اور بعض کی جنوباً ہوتی ہے اور اسی طرح شرقاً غرباً لیکن مرکز کے نظام کے تحت ان کی حرکات میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا نہ ان میں بلحاظ رفتار تصادم کا کوئی امکان ہے اگرچہ یہ کواکب اوپر نیچے حرکت میں رہتے ہیں اور ان کا دائرہ حرکت حد درجہ وسیع ہے۔ ویسے ان کواکب کی حرکات کا دائرہ ان کے اپنے اپنے فلک میں محدود ہے۔ قمر ہر برج میں ڈھائی دن رہتا ہے اور پورے فلک کی

مسافت ایک ماہ میں طے کرتا ہے۔ سورج کا قیام ہر بُرج میں ایک ماہ اور عطارد کا قیام ہر بُرج میں پندرہ دن، زہرہ کا پچیس دن، مریخ کا پینتالیس دن اور زُحل کا قیام ہر بُرج میں تیس مہینے رہتا ہے۔

"کتاب المجسطی" کے مصنف بطلیموس کے نزدیک زمین کا دائرہ جس میں سمندر اور پہاڑ شامل ہیں ۲۴ ہزار میل ہے اور اس کا قطر جو اس کے عرض اور عمق پر مشتمل ہے ۷ ہزار ۶ سو ۳۶ میل ہے بطلیموس اور اس کے ساتھیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خطِ استوا سے خط واحد پر قطب شمالی کا ارتفاع عراق اور شام کی بری حدود کے درمیان تدبرا اور رقہ کے شہروں میں ۳۵ ڈگری اور اس کا تہائی ہے۔ اس طرح اس قطب کا ارتفاع خاص شہر میں تدبر ۳۴ ڈگری اور کسی قدر زیادہ ہوگا لیکن یہی ارتفاع شہر رقہ میں مساحت کے بعد ۶۷ میل پایا گیا چنانچہ اس طرح آسمان سے زمین تک بھی ۶۷ میل ہی رہے گا۔ لہٰذا ان کے نزدیک جو وہ ہمیں باور کرانا چاہتے ہیں اس جگہ سے آسمان ۳۶۰ ڈگری پر واقع ہو لیکن ہم بعد ازاں کی بناء پر اس میں کچھ اضافہ کر سکتے ہیں۔ ان کا اخذ کردہ یہ نتیجہ اس بنا پر ہے کہ ان کے نزدیک جیسا اُوپر بیان کیا گیا بُرجوں کی تعداد بارہ ہے اور سورج ہر بُرج کو ایک ماہ میں اور جملہ بُرجوں کو ۳۶۰ دن میں طے کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آسمان متدیر ہے اور دو محوروں یا قطبین پر گردش کرتا ہے۔ جیسے بڑھئی کی خراد چلتی ہے اور وہ لکڑی چھیلنے کے آلات سے لکڑی کو گول گول چھیلتا ہے۔ جب وہ خطِ استوا پر دو ساعت کے لیے ہوتا ہے تو لیل و نہار تمام شہروں میں محسوس ہوتے ہیں یعنی انہیں دو محوروں قطب شمالی اور قطب شمالی کی نسبت سے لیکن ان بستیوں کے باشندے جو شمال کی طرف ہیں قطب شمالی اور بنات النعش کو دیکھ سکتے ہیں، تاہم نہ قطب جنوبی کو دیکھ سکتے نہ اس کے اطراف پھیلے ہوئے کواکب کو۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور ستارہ "سہیل" خراسان میں نظر نہیں آتا اور عراق میں ایک سال میں چند روز نظر آتا ہے۔ اس وقت اگر سورج کو کھُلی آنکھوں سے دیکھا جائے تو بینائی جاتی رہتی ہے اور حیوانات مر بھی جاتے ہیں لیکن جنوبی شہروں میں "سہیل" تمام سال نظر آتا ہے۔ قابلِ غور بات بہرحال یہ ہے کہ حکماء میں بعض ان محوروں کو متحرک اور بعض ساکن سمجھتے ہیں۔

اشکال بحرہ

سمندروں کی اشکال کے بارے میں ہندوستان کے فلاسفۂ قدیم اور یونانی حکماء کی آراء میں اختلاف ہے۔ حکمائے یونان سے جنہیں اختلاف ہے اور وہ قدیم اہل مذاہب کی آراء سے متفق ہیں اپنے دلائل کی وضاحت ان بدیہی امور سے کرتے ہیں کہ ساحل سے جتنی دور ہوتے جائیے پہاڑ اور ان کی چوٹیاں تک نگاہوں سے اوجھل ہوتی جاتی ہیں لیکن جوں جوں ساحل سے نزدیک ہوں گے پہاڑ نظر آنے لگیں گے اور زیادہ قریب آکر اشجار اور رفتہ رفتہ زمین بھی نظر آنے لگے گی۔

بعض سمندر برفیلے ہوتے ہیں جہاں حیوانات اور پرندوں کی زندگی محال ہے۔ کچھ سمندروں سے کبریت آلود دھواں اُٹھتا رہتا ہے اور نہایت کثیف ہوتا ہے۔ ان سمندروں کی تہ میں گندھک ہوتی ہے گندھک بعض پہاڑوں سے بھی نکلتی ہے۔ کچھ پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں عجائبات کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہاں حیوانات زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ برف پوش چوٹیاں گہرے سمندروں سے نہیں البتہ جنوبی شہروں سے نظر آتی ہیں۔

زمین اور کواکب کی مساحت

زمین کے بُعد کے بارے میں لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ زمین اپنے مرکز سے کرۂ ہوا اور کرۂ نار تک ایک لاکھ اٹھارہ ہزار میل کی مسافت پر ہے اور یہ کہ قمر سے زمین ۳۹ گنا بڑی ہے اور عطارد سے ۲۲ ہزار گنا زہرہ سے ۴۴ ہزار گنا بڑی ہے۔ زمین سورج کا تقریباً نواں حصہ ہے، سورج کا قطر ۴۲ (بیالیس) ہزار میل ہے، مریخ زمین کے مقابلے میں ۳۰ ہزار گنا زیادہ ہے اس کا قطر ۱۸ ہزار ۷ سو اور نصف میل ہے۔ مشتری زمین کے مقابلے میں ۱۸ ہزار ۳/۴ گنا زیادہ ہے۔ اس کا قطر ۸۳ ہزار ۷۱ میل ہے۔ زُحل زمین سے ۹۹ ہزار ½ گنا بڑا ہے، اس کا قطر ۸۲ ہزار ۷ سو چھیاسی میل ہے جو ستارے مشرق اوّل میں ہیں اور گردش نہیں کرتے ان کی تعداد پندرہ ہے۔ ان میں سے ہر ستارہ زمین سے ½ ۱۹ گنا بڑا ہے اور ان میں سے جو ستارہ چاند کے بعد زمین سے قریب تر ہے اس کا فاصلہ کبھی زمین سے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار میل ہے اور اس کے بعد جو ستارہ دُور تر ہے اس کا فاصلہ زمین سے ایک لاکھ چوبیس ہزار میل ہے۔ اس کے بعد عطارد کا فاصلہ زمین سے سات لاکھ ایک ہزار سات سو تراسی میل ہے۔ زہرہ کے بعد جو ستارہ زمین سے قریب تر ہے۔ اس کا فصل زمین سے ۴ لاکھ ۱۹ ہزار ۶ سو میل ہے۔ سورج کا اپنا فصل زمین سے ۴ ارب ۸ لاکھ ۲۰ ہزار اور ½ میل ہے، مریخ کا فصل زمین سے ۳ کروڑ ۸۶ لاکھ ——— میل اور کسی قدر زیادہ ہے۔ زہرہ کا فصل زمین سے کم و بیش ۴۴ کروڑ ۶۶ لاکھ میل ہے اور زُحل کا فصل زمین سے کم و بیش ۷۷ کروڑ میل ہے۔ زمین سے مذکورہ بالا کواکب کا فصل بلحاظ قرب و بعد کم و بیش یہی ہے۔

ہم نے کواکب کے ان فاصلوں، قطروں اور مساحت کے پیمانوں کا جو ذکر کیا ہے وہ حکماء کے ساعات و کسوفات کے اندازوں کے مطابق ہے حکماء نے جملہ آلات و اسطرلابات اپنے انھیں اندازوں کے مطابق ایجاد کیے ہیں اور اپنی تحریر کردہ کتابوں میں تمام معلومات کی بنیاد انہیں پہ رکھی ہے۔ بہر حال زیر نظر کتاب میں ان علوم پہ ہماری فراہم کردہ معلومات ہماری ذاتی تحقیق کا

نتیجہ نہیں ہیں۔

صابئین نے یہ معلومات حرانئین سے اور انھوں نے یونانی عوام اور فلاسفۂ متقدمین سے حاصل کی ہیں۔ مؤخر الذکر نے اپنی ہیکلوں کے نقشے بھی انھیں بنیادوں پہ تعمیر کیے ہیں۔ نصاریٰ نے اپنی عبادتوں کے مراتب و اوقات انہیں بنیادوں پہ رکھے ہیں جن میں سب سے پہلا شخص سلط، دوسرا اغسط، تیسرا یودنا، چوتھا شخص شماس پانچواں قسیس، چھٹا یوروط اور ساتواں حورالغیلطس۔ یہ ساتواں شخص اسقف کا جانشین ہوتا ہے، آٹھواں شخص اسقف اور نواں شخص مطران اور اس کی تفسیر کا ذمہ دار ہوتا ہے اور رئیس شہر کہلاتا ہے ان سب سے بڑھ کر بحیثیت مرتبہ بطروق ہوتا ہے جو ابوالاباء سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ خواص نصاریٰ ہیں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ امور مملکت میں مختلف مراتب پہ فائز ہوتے ہیں اور نصاریٰ کے عمائدین سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے عقائد میں بعض وہی ہیں جو حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کے حواریوں سے ماخوذ ہیں جن میں بعد مرور ایام بہت سے خرافات بھی راہ پا گئے ہیں۔ ان کی کسی قدر تفصیل ہم نے اپنی دو پہلی کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں بیان کی ہے جن کا عنوان "مقالات فی اصول الدیانات" ہے۔ اس موضوع پہ کچھ گفتگو ہم نے ایک اور عنوان "الانابتہ فی اصول الدیانتہ" کے تحت کی ہے۔ یہاں ان باتوں کا ذکر ربط کلام کی بنا پہ آگیا ہے جس کا مقصد بین المذاہب اختلافات کو چھیڑنا نہیں کیونکہ ہم اس کتاب کو مسائل جدل ونظر سے بچا کر صرف فراہمی معلومات تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔

سمندروں کی تبدیلیوں اور بڑے دریاؤں کا بیان

"المنطق" کے مصنف نے لکھا ہے کہ سمندر مرور ایام اور طویل زمانہ گزر جانے کے بعد اپنی جگہیں تبدیل کر لیتے ہیں، جملہ سمندر متحرک ہوتے ہیں لیکن کہیں کہیں گہرائی بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کی سطح بظاہر ساکن بھی نظر آتی ہے، زمین جہاں آج آبی ہے وہ وہاں ہمیشہ سے آبی نہیں ہے اور جہاں خشک ہے وہاں ہمیشہ سے خشک نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سمندر اور دریا رُخ بدلتے رہتے ہیں، جہاں آج صحرا ہیں وہاں کبھی سمندر یا دریا تھے اور جہاں آج سمندر یا دریا ہیں وہاں کبھی ریگستان اور صحرا تھے، مطلب یہ کہ زمین کی خشک و تر جگہوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ اسی لحاظ سے زمین کی آبادیاں، حیوانات، چرند و پرند بھی مقامات یا قیام کی جگہیں بدلتے رہتے ہیں جس طرح حیوانات اور نباتات پھلتے پھولتے، خشک ہوتے، مرتے اور ختم ہوتے رہتے ہیں لیکن زمین پر یہ تبدیلیاں شمسی ادوار کی بنا پر ہوتی ہیں۔ انسان بھی میٹھے پانی کے دریاؤں کی تبدیلیوں کے ساتھ آبادیاں بدلتے رہتے ہیں لیکن یہ بات بحر اوقیانوس جیسے سمندروں کے علاوہ ہے جن کے ساحلی علاقے مدت مدید تک آبادیوں کے لحاظ سے ایک ہی رُخ پر رہتے ہیں۔

حکماء کے ایک گروہ کے نزدیک سمندر زمین میں اس طرح ہیں جیسے بدن میں رگیں ہوتی ہیں۔ دوسرے گروہ کے خیال میں پانی اپنی سطح خود بناتا رہتا ہے جہاں دریائی یا سمندری مقامات پر پانی غائب ہو کر زمین اُبھر آتی ہے اس کی وجہ ارضی اعماق میں انقلابات، بخارات و عفونات کی پیدائش ہے۔ اسی طرح یہ انقلابات چشموں، دریاؤں اور سمندروں کی پیدائش کا باعث بنتے ہیں اور بنتے رہتے ہیں۔ ہم نے یہاں ان کی تفصیلات میں جانے سے بخوف طوالت احتراز کیا ہے، ویسے بھی ہم یہ جملہ تفصیلات اپنی پچھلی دو کتابوں میں درج کر چکے ہیں۔ بہر حال یہاں کچھ بڑے دریاؤں کے اجرا ان کے سمٹنے سکڑنے اور بڑھنے وغیرہ کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ ان دریاؤں میں دریائے نیل، فرات، دجلہ دریائے بلخ

یعنی جیحون، دریائے سندھ اور ہندوستان کا ایک دوسرا بڑا دریا گنگا وغیرہ شامل ہیں جن کے اجرا، مخارج و منابع، مقدار آب اور موسموں کے لحاظ سے ان کے گھٹنے بڑھنے کا ذکر اکثر لوگوں کی زبان پر رہتا ہے۔

دریائے نیل

میں نے کتاب "جغرافیہ" میں دیکھا ہے کہ دریائے نیل کا ابتدائی اجرا بارہ چشموں کے اختلاط سے ہوا ہے۔ یہ دریا آگے بڑھ کر سنگلاخ علاقوں سے گزرتا ہوا سوڈان میں پہنچ کر اپنی پوری وسعت میں بہنے لگا جو بلاد افریقہ میں ہے اور اس کے قرب وجوار میں اب زیادہ تر مسلمان آباد ہیں مگر ان کی مقامی زبان افریقی ہے۔ یہاں مسلمانوں کا غلبہ اسی طرح ہوا جس طرح بحر روم میں ہوا اور یہ دولت امویہ و خلافت عباسیہ کے ادوار کا ذکر ہے۔ دریائے نیل کا پانی بعض جگہ صاف، سادہ اور میٹھا ہے لیکن بعض جگہوں پر مکدر اور بدذائقہ ہو جاتا ہے۔ یہ جہاں عمانی علاقوں سے گزرتا ہے اور پھر بحیرِ عمان میں جا گرتا ہے وہاں کے لوگ اسے عبور کرنے کے لیے اکثر کشتیاں استعمال کرتے ہیں، مصر میں بھی یہی دستور ہے۔

عمرو بن بحر الجاحظ کا یہ بیان کہ دریائے سندھ جو وادی مہران کو سیراب کرتا ہے نیل سے نکلا ہے میں نہیں سمجھ سکا کہ کس استدلال پر مبنی ہے۔ بظاہر اسے شاید یہ معلوم نہیں کہ دریائے سندھ وادئ مہران کے بالائی علاقوں سے بہتا ہوا ملتان تک پہنچتا ہے اور اس کا مخرج کشمیر کا بالائی پہاڑی علاقہ ہے۔ وادئ مہران کو مہران الذہب بھی کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی سرسبزی و شادابی ہے۔ الجاحظ نے اپنا مذکورہ بالا بیان غالبًا وراقین کی تحریر کردہ کتابوں سے لیا ہے ملتان میں جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا قریش کا ایک شخص جو سامہ بن لوی بن غالب کی اولاد سے ہے حکمران ہے۔ اس کی حکومت خراسان کی سرحدوں تک چلی گئی ہے۔ اسی طرح منصورہ میں بھی قریش ہی کا ایک شخص جو ہبار بن اسود کی اولاد سے ہے حکومت کرتا ہے۔ ان اطراف میں مسلمانوں کی حکومت اوائل اسلام سے چلی آتی ہے۔ بہر حال دریائے سندھ ملتان سے آگے بڑھتا ہوا منصورہ کی طرف بہتا ہے اور دیبل کے قریب بحرِ ہند میں جا گرتا ہے۔ یہ دریا جب ملتان سے پہلے وادی مہران کے بالائی علاقوں میں بہتا ہے تو اس میں چھوٹے چھوٹے دریا شاخ در شاخ شامل ہوتے جاتے ہیں۔

اب ہم پھر دریائے نیل کے ذکر کی طرف آتے ہیں۔ حکمائے قدیم کے بیانات کی رُو سے کہ یہ دریا پہلے سطح ارض پر نو سو فرسخ بہتا تھا یا کچھ دوسروں کے بقول یہ راستہ ہزار فرسخ تھا جو دریا آباد و غیر آباد علاقوں میں بہہ کر طے کرتا تھا حتیٰ کہ مصر کی سطح مرتفع آجاتی تھی جہاں فسطاط تک کے لیے کشتیاں مل جاتی تھیں لیکن اس کے بعد یہ دریا اسوان کے قریب اونچے نیچے پتھریلے ٹیلوں یا چٹانوں کے

درمیان سے بہتا ہوا گزرتا تھا۔ یہاں کشتی رانی کی گنجائش نہ تھی اور یہی جگہ افریقی اور مسلم علاقوں کے درمیان بلحاظ کشتی رانی حد فاصل ہے۔ "جغرافیہ" میں یہ جگہ "جنادل و صخور" کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ یہاں سے نیل فسطاط کے قریب آتا ہے اور "الصعید" سے گزرتا ہوا "بلاد فیوم" کے پہاڑی علاقوں "جبل طیلمون" اور "حجر لاہون" میں داخل ہوتا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں خدا کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام نے توطن اختیار کیا تھا۔ یہ جگہ "الجزیرہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ان مقامات کا ذکر ہم اسی کتاب میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر اور فسطاط و فیوم کے حالات و کوائف کے ضمن میں کریں گے۔ یہاں سے دریائے نیل ٹیونس، دمیاط، رشید یہ اور اسکندریہ کی طرف بہتا ہوا خلیجوں میں تقسیم ہو کر بحرِ روم میں جا گرتا ہے اور بحیرات یہیں سے شروع ہوتے ہیں۔ یہ کتاب "جغرافیہ" کے بیانات ہیں لیکن اس سال یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں جو ہم نے دیکھا تو دریائے نیل اسکندریہ سے بہت دور بہہ رہا تھا اور اس کا رُخ اس طرف نہیں تھا۔ میں اس وقت انطاکیہ اور ثغور شام کی بابت گفتگو کر رہا ہوں، یہاں یہ دریا اسکندریہ سے اٹھارہ ذراع کے فاصلے پر ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ یہ دریا یہاں سے خلیج اسکندریہ میں کس طرف سے بہتا ہوا گرتا ہے اور گرتا بھی ہے یا نہیں۔ ویسے کہا جاتا ہے کہ اسکندریہ کی بنیاد، سکندر بن فیلقوس مقدونی نے نیل کی اسی خلیج پر ڈالی تھی۔ اس وقت دریائے نیل بلاد اسکندریہ اور مربوط نیز برقہ کے قریب ہو کر بھرپور انداز میں بہتا تھا اور یہ علاقے اسی دریا سے سیراب ہوتے تھے مربوط یہاں کا آباد ترین علاقہ تھا اور اسکندریہ میں کشتی رانی کے لیے اس سے نہریں کاٹ کر لائی گئی تھیں یہ نہریں اسکندریہ کے بازاروں کے بیچ سے گزرتی تھیں۔ اسکندریہ کی عمارتوں میں جو سنگِ رخام اور مرمر استعمال ہوتے ہیں وہ ارض نیل ہی سے نکالے گئے ہیں۔ مصر اور افریقہ کے دوسرے ممالک کے درمیان جو حدود فاصل قائم ہو گئی ہیں وہ دریائے نیل کے خلیجوں میں تقسیم ہو جانے اور بحیرات کی تخلیق کی بناء پر قائم ہوئی ہیں۔ اس کا تفصیلی تذکرہ یہاں ہم نے بخوف طوالت کلام چھوڑ دیا ہے۔

جیحون

دریائے بلخ جسے عموماً جیحون کہا جاتا ہے وہ بھی دریائے سندھ کی طرح پہاڑی چشموں سے نکلا ہے اور وہاں سے پہلے بلادِ ترمذ اور اسفرائین وغیرہ کی طرف آیا ہے پھر خوارزم اور پھر بلادِ خراسان کی طرف بڑھا ہے لیکن خوارزم تک پہنچتے پہنچتے کئی شاخوں میں بٹ گیا ہے۔ اس کی ایک شاخ اس بستی کی طرف آتی ہے جسے جرجانیہ کہا جاتا ہے جو خوارزم کے نشیبی علاقے میں واقع ہے، یہاں اس کا پاٹ بہت چوڑا ہے، اس کے دونوں کناروں پر بڑی بڑی بستیاں ہیں جن میں آمد و رفت کے لیے کشتیاں استعمال ہوتی ہیں یہاں دریائے جیحون میں دریائے فرغانہ کے علاوہ دریائے شاش بھی آ ملتا ہے۔

اور پھر یہ دریا فاراب کی جانب بڑھتا ہے، یہاں بھی اس میں کشتیاں چلتی ہیں اور ترکستان کا وہ آباد ترین شہر واقع ہے جسے آج کل "شہر جدید" کہا جاتا ہے جہاں مسلمان آباد ہیں۔ ان میں غز کے ترکوں کی اکثریت ہے جو پہلے مختلف وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان ترکوں کی تین قسمیں ہیں، یہ قسمیں طبقاتی لحاظ سے اسفل، اوسط اور اعلیٰ کہلاتی ہیں۔ ان کا ذکر ہم زیر نظر کتاب میں اجتماعی اور انفرادی طور پر کریں گے۔ بہرحال اس "شہر جدید" سے بلخ اور رباط تک قریباً پندرہ روز سفر کرنا پڑتا ہے۔ ان شہروں کو مقامی لوگ اخشبان بھی کہتے ہیں جو شاید اس فاصلے کی بنیاد پر ہے۔ یہاں کے لوگ غیر مسلم ہیں اور اوخان ذبتی کہلاتے ہیں۔ اس علاقے کے داہنی جانب جو لوگ آباد ہیں انھیں "ایفان" کہا جاتا ہے۔ یہیں سے ایک بڑا دریا بھی نکلتا ہے اور وہ بھی اسی نام سے منسوب ہے۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ دریائے جیحوں کا اجرا یہیں سے ہوا اور یہ ترکستان کا دریا یہاں سے ۱۵۰ فرسخ اور بعض لوگوں کے خیال میں چار سو فرسخ طے کرکے وہاں پہنچا ہے جہاں یہ جیحوں کہلانے لگا لیکن اپنے بالائی علاقوں میں یہ دریائے "ایفان" ہی کہلاتا ہے۔ کچھ کتابوں کے مصنف جو یہ کہتے ہیں کہ دریائے جیحوں دریائے سندھ میں جا ملا ہے وہ غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ انہوں نے ان دریاؤں کا ذکر نہیں کیا جہاں علاقہ غور کے لوگ آباد ہیں۔ درحقیقت دریائے جیحوں کی گزرگاہ وہ علاقہ ہے جو علاقۂ نور کے اس پار ہے۔ ان مصنفین نے غور کے جن دو دریاؤں کا ذکر نہیں کیا اور میدانی علاقوں میں ان کی طوالت بھی بیان نہیں کی ہم ان کا ذکر حسب موقع کریں گے۔

گنگا ہندوستان کے اس مشہور دریا کا مبدا ارض ہند کا وہ پہاڑی علاقہ ہے جس کی سرحدیں چین سے ملتی ہیں۔ چینی ترکستان کا یہاں سے قریب ترین جو شہر ہے وہ طغرغز کہلاتا ہے دریائے گنگا کا فاصلہ ہندوستان کے اس پہاڑی علاقے سے بحر ہند کے اس ساحل تک جو بحر اسود سے ملا ہوا ہے چار سو فرسخ ہے۔

فرات اس دریا کا مبدا قالیقلا کا وہ علاقہ ہے جو آرمینیا کے سرحدی پہاڑوں میں واقع ہے اس علاقے کو آج کل "افردحس" کہتے ہیں۔ یہ دریا بلادِ روم سے بلادِ ملطیہ تک زمین پر سو فرسخ بہتا ہے۔ ہمارے کچھ مسلمان بھائیوں نے جو نصرانیوں کی قید میں تھے ہم سے بیان کیا کہ دریائے فرات کے اس حصے سے جو بحیرہ روم اور بحیرہ مازمون کے درمیان ہے بہت سی نہریں نکالی گئی ہیں اور یہ کہ ارض روم میں اس سے بڑا کوئی دوسرا دریا نہیں ہے اور یہی دریا شہروں کے نزدیک سے گزرتا ہے اور اس کے طول و عرض میں کشتیاں چلتی ہیں۔ یہاں سے یہ دریا سنج

کے میل تک اور وہاں سے سمیساط وطین کے قلعوں تک جاتا ہے، پھر وہاں سے بالس تک پہنچ کر صفین سے گزرتا ہے جہاں کبھی اہل عراق و اہل شام کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ پھر فرات وہاں سے رقہ رحبہ، ہئیت اور انبار کی طرف بہتا ہے جہاں اس سے "نہر عیسیٰ" وغیرہ نکالی گئی ہیں، وہاں سے یہ دریا مدینۃ السلام کی طرف بڑھ کر دریائے دجلہ کے قریب جا پہنچتا ہے، وہاں سے بلادِ سوری قصر ابن ہبیرہ، کوفہ، جامعین، احمد آباد، فرس، طفوف وغیرہ سے گزرتا ہوا بطیحہ تک جاتا ہے جو بصرہ اور واسط کے درمیان واقع ہے۔ یہاں تک زمین پر اس کا بہاؤ پانچ سو فرسخ یا کچھ زیادہ ہے۔ کہتے ہیں کہ فرات بلادِ حیرہ تک گیا ہے اور وہاں اس سے جو نہر نکالی گئی وہ "نہر عتیق" کہلاتی ہے۔ یہیں ایرانی سردار رستم کی افواج سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تھی جو تاریخ میں جنگِ قادسیہ کے نام سے مشہور ہے۔ دریائے فرات یہاں سے بحر حبش کی طرف بڑھتا ہے اور اسی میں جا گرتا ہے۔ یہ بحیرہ کسی زمانے میں اس مقام پر تھا جہاں اب شہر نجف آباد ہے۔ اس بحری راستے سے اہل حیرہ کے ساتھ اہل ہند اور اہل چین کی تجارت کچھ بہت پرانی بات نہیں ہے۔ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں وہی عبدالمسیح بن عمرو بن نفیلہ غسانی نے بھی کہا ہے۔ جب ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں خالد ابن ولید اسی جگہ خطبہ دے رہے تھے تو تغیرِ زمانی و مکانی کی بابت ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا: "میں یہ بتا رہا ہوں کہ تغیرِ زمانی و مکانی سے سمندر خشکیوں میں اور خشکیاں سمندروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، میری نظر ان کشتیوں پر ہے جو کبھی چین سے یہاں تک آتی تھیں۔" جن لوگوں نے نجف اشرف کی زیارت کی ہے وہ قدیم راویوں سے سلسلہ بسلسلہ اس واقعہ کی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ اب حیرہ سے سمندر تک اور فرات کی اس گزرگاہ سے دجلہ تک جو بری راستے جاتے ہیں وہ بہت طویل ہیں جب بری علاقوں میں سمندر ابھرتے ہیں تو وہاں کی بستیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں لیکن جہاں سمندروں میں زمینیں اور جزیرے ابھرتے ہیں وہاں پھر از سرِ نو بستیاں بس جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں بلادِ سوس، بغداد کے مشرقی جانب کی بستی برقتہ الشماسیہ، اس کے مغرب میں قطربل، مدینۃ السلام، بشری اور عین کی آبادیاں بطور مثال پیش کی جا سکتی ہیں لیکن یہ تغیر و تبدل اور بستیوں کا انہدام اور ان کی تعمیرات کا انحصار میلوں تک پانی کے بڑھنے اور سمٹنے پر ہے جسے سمجھنے کے لیے کسی عمیق فکر کی ضرورت نہیں ہے۔

دریائے دجلہ اگر آپ دجلہ کے مبدا، اس کے منابع و مخارج اور اس کی گزرگاہوں کے

بارے میں معلومات چاہتے ہیں تو وہ یہ ہیں۔

دجلہ دیار بکر کے بلاد آمد سے نکلتا ہے۔ یہاں وہ چشمے ہیں جو آرمینیا کے چشموں سے ملحق ہیں جہاں دو دریا سربیط اور سانید بلا ارزن اور میا فارقین سے بہتے ہوئے آتے ہیں، ان کے علاوہ دوسرے چھوٹے چھوٹے دریا مثلاً نہر دوشا اور خابور بھی آرمینیا سے آکر باسورین اور قبر سابور کے درمیان جو لبقردی، باہوا اور بانزبدی کے شہر ہیں اور بلادِ موصل سے قریب تر ہیں، دریائے دجلہ میں آملتے ہیں۔

جس خابور کا اوپر ذکر کیا گیا یہ وہ خابور نہیں ہے جو شہر راس المعین کے چشموں سے نکل کر قرقیسیا کے نشیبی علاقے میں دریائے فرات میں آملتا ہے۔ دجلہ یہاں سے بلادِ موصل میں داخل ہوتا ہے جہاں نہر زاب (ندی)، جو "نہر موصل" کے بعد سب سے بڑی نہر (ندی) ہے، آرمینیا سے آکر دریائے دجلہ میں مل جاتی ہے۔ یہ نہر (ندی) شہر موصل کے بالائی علاقے میں ہے، اس کے علاوہ ایک دوسری نہر (ندی) بھی جو بلادِ آرمینیا اور آذربائیجان کے قریبی شہر السن سے آتی ہے دجلہ میں شریک ہو جاتی ہے یہاں سے دجلہ تکریت کے شہر اور مدینۃ السلام کی طرف بڑھتا ہے۔ یہاں اس میں خندق ندی، صراۃ ندی اور عیسیٰ ندی شریک ہو جاتی ہیں۔ یہ ندیاں دریائے فرات کی شاخیں ہیں جو اس دریا سے الگ ہو کر دریائے دجلہ میں آملتی ہیں۔ جب دجلہ مدینۃ السلام سے آگے بڑھتا ہے تو اس میں اور بہت سی ندیاں آملتی ہیں۔ مثلاً مشہور ندیاں بدالی اور نہین ودوان جو جو بلا دجرجرایا، سبب اور نعمانیہ کے قریب ہو کر بہتی ہیں جب دریائے دجلہ شہر واسط سے آگے بڑھتا ہے تو مختلف حصوں میں بٹ کر بطیحۃ البصرہ تک جاتا ہے۔ جب چھوٹے دریاؤں میں دریائے دجلہ تقسیم ہوتا ہے وہ بردد الیہودی، مسامی اور مصب ہیں جو قطر تک جاتے ہیں لیکن ان میں بھی بصرہ و بغداد اور واسط کے لیے کشتیاں چلتی ہیں۔ دریائے دجلہ کی میدانی علاقوں میں بہنے کی مسافت ..۳ فرسخ ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ..۴ فرسخ ہے۔ ہم نے اس کی تفصیل میں جانے سے یہاں اس لیے گریز کیا ہے کہ ہم نے یہاں جن چھوٹے دریاؤں کے نام بتائے یا جن کے نام نہیں بھی بتائے ان سب کا مفصل ذکر اپنی دو پچھلی کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں کر دیا ہے۔ تاہم یہاں یہ وضاحت کیے دیتے ہیں کہ بصرے کی متعدد نہریں ہیں جیسے نہر سیرین، نہر الرس، اور نہر ابن عمر وغیرہ۔ ویسے ان کا ذکر آپ کو بحر فارس کے تحت بھی ملے گا۔ کیونکہ خلیج فارس کا سلسلہ بحر بصرہ تک جاتا ہے اور اس کے ساحلی علاقوں میں جرارہ اور ابلہ وغیرہ کے مشہور دیہات پڑتے ہیں اور یہاں سمندر کے کناروں سے نمک وغیرہ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ ان علاقوں سے بصرہ تک کچھ لوگ سمندر کے بیچ میں کشتیوں پہ

رات بھر آگ جلائے رکھتے ہیں تاکہ کشتیاں ایک دوسرے سے ٹکرا نہ جائیں۔ یہ عجیب وغریب علاقے ہیں جن کا ذکر ہماری مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں تفصیل سے ملے گا۔

بحر حبشی اور خلجانہ تک اس کی وسعت

وہ درحقیقت بحر ہند ہے جسے آج کل اکثر لوگ بحر حبشی کہتے ہیں وہ حبشہ سے لے کر ہندوستان اور چین تک پھیلا ہوا ہے کہا جاتا ہے کہ مغرب سے مشرق تک اس کا طول ۸ ہزار میل اور عرض دو ہزار سات سو میل ہے۔ یہ عرض جگہ جگہ بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ ہم نے اس کا یہ طول وعرض اکثر لوگوں کی زبانی سن کر بیان کیا ہے لیکن ہم نے کسی دلیل کے بغیر اس سلسلے میں کوئی قطعی بات کہنی مناسب نہیں سمجھی کیونکہ بحری علوم کے ماہرین کی رائے ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ اس کے ساحلی علاقوں میں کوئی بڑی بستی بھی نہیں ہے البتہ اس کے قرب وجوار میں ایک خلیج ہے جو ارض حبشہ سے متصل ہے اور نواح زنج وحبشہ سے بربرتک چلی جاتی ہے۔ اسی لیے اسے خلیج بربرہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس خلیج کا طول ۵ سو میل اور عرض ۱۰۰ میل بیان کیا جاتا ہے۔ یہ وہ خلیج نہیں ہے جس کی بنا پر کچھ افریقی اور بربری لوگ بربرہ کہلاتے ہیں کیونکہ یہ آخری جگہ ہے جسے بربرہ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ عمانی ملاح اس خلیج کو بحر زنج سے قنبلو تک کشتیوں کے ذریعہ عبور کرتے ہیں۔ ان دونوں مقامات کے درمیان جہاں حبشی کفار رہتے ہیں کچھ بستیاں مسلمانوں کی بھی ہیں اسی لیے مذکورہ بالا عمانی ملاح اس خلیج کو خلیج بربرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس خلیج کا طول وعرض وہی بتاتے ہیں جو ہم نے ابھی بیان کیا۔ اس خلیج کی موجیں پہاڑوں کی طرح اٹھتی ہیں لیکن دوسرے سمندروں کی طرح اٹھ کر بیٹھتی نہیں، اسی لیے ان موجوں کو عمانی ملاح "امواج مجنوں" کہتے اور یہ شعر گنگناتے رہتے ہیں ؎

"اے بربری وجفونی تیری موجیں مجنوں ہیں
جیسا تم دیکھتے ہو بربری وجفونی موجیں مجنون ہی ہیں"

یہ خلیج جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا بحر زنج سے قنبلو تک وسیع ہے بلکہ بلاد سفالہ و واق تک پھیلی ہوئی ہیں۔ واق چونکہ بحر زنج میں شامل ہے، اس لیے بحر زنج کا ذکر کیا گیا۔ اس بحر کو پہلے سرافیوں نے بلادِ عُمّان کے شہر نجار سے کشتیوں میں عبور کیا تھا۔ سرافی کشتیاں چلانے والے ملاح تھے انہیں

میں محمد بن یزید دم سیرانی اور جوہر بن احمد بھی تھے ۔ آخر الذکر ابن سیرہ کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ شخص اپنی کشتی میں آخری بار اس بحر کو سنہ ۳۰۴ ہجری میں عبور کرتے ہوئے کشتی سمیت اپنا تمام مال اسباب گنوا بیٹھا تھا جب وہ عُمان سے قنبلو جا رہا تھا اس طرح اپنی کشتی میں میکان سے جو سیراف کے قریب ہے احمد اور عبدالرحیم بن جعفر سیرافی کا بھائی عبدالصمد بھی غرق ہو گئے تھے اور ان کی کشتیوں میں جو مال و اسباب تھا وہ بھی ڈوب گیا تھا ۔ اس سمندر میں اب تک جو آخری کشتی غرق ہوئی وہ امیر عُمان احمد بن ہلال بن اُخت قبتال کی تھی ۔ یہاں بھی لوگ ویسے ابھی تک چین، روم، خزر، قلزم اور یمن کے سمندروں کی طرح اکثر و بیشتر کشتیوں میں آتے جاتے ہیں ۔ ہم نے یہ سب حال لوگوں کی زبانی سُن کر بیان کیا ہے ۔ کہتے ہیں اس سمندر میں مشہور مچھلی بافال (آوال) پائی جاتی ہے جس کا طول بلحاظ عمر ۴۰۰ ذراع ۵۰۰ ذراع تک ہوتا ہے ۔ ذراع کا یہ پیمانہ اس سمندر کی ذراعی پیمائش کے اعتبار پر مبنی ہے ۔ ویسے اس مچھلی کا طول عموماً سو ذراع ہوتا ہے ۔ اس کے پیٹ سے آلائش کے علاوہ کچھ ایسی اشیاء بھی برآمد ہوتی ہیں جن سے خوشبوؤں کے علاوہ اکثر مفید ترین ادویات بھی تیار کی جاتی ہیں اور خود اس مچھلی کا تیل بھی بہت سی چیزوں میں کام آتا ہے ۔

تمساح

یہ بھی ایک مچھلی کا نام ہے جو نیل اور جزائر کے ساحلی علاقوں میں ملتی ہے ۔ یہ ان کیڑوں پر گزر بسر کرتی ہے جو دریا کے کناروں میں رہتے ہیں، اس لیے جو شخص یہ مچھلی کھاتا ہے اس کے پیٹ میں کیڑے پڑ جاتے ہیں ۔ اس مچھلی میں غلاظت کے خارج ہونے کی جگہ نہیں ہوتی ۔ یہ جو کھاتی ہے وہ کیڑوں کی شکل میں اس کے پیٹ میں جمع ہوتا رہتا ہے وہ اسے یا تو واپس منہ سے اُگلتی ہے یا جمع ہوتے ہوتے اتنا وزنی ہو جاتا ہے کہ اس سے اس کا پیٹ پھٹ جاتا ہے، اس وقت وہ دریا کی تہہ کی طرف لپکتی ہے اور وہیں مر جاتی ہے ۔

بحر زنج میں مختلف قسم کی مچھلیاں کشتی اور لولاکی ہم شکل پائی جاتی ہیں ۔ جو لوگ انہیں پہچانتے ہیں وہ لوگ انھیں کھاتے ہیں اور جو نہیں پہچانتے وہ ان کے کھانے سے قطعاً پرہیز کرتے ہیں ۔

بہرحال اس کے علاوہ ان سمندروں میں پائے جانے والے حیوانات، جمادات اور دیگر جاندار اشیاء کا نیز ان کے آبی عجائبات کا ہمیں علم نہیں ہے ۔

بحر حبشی

اب ہم بحر حبشی یا بحر ہند کا ذکر کرتے ہیں جس کا نام ہم نے ان سطور کی ابتداء میں لیا ہے ۔ یہاں ہم اس کے آبی ذخائر کا بھی ذکر کریں گے اور ان کا بھی جو بحر خلیجات میں پائے جاتے ہیں نیز یہ کہ یہ سمندر خشکی میں کہاں تک جاتے ہیں اور ان میں خشکیاں کہاں

کہاں ملتی ہیں۔ اس میں دراصل ایک خلیج ہے جو اس سے نکل کر مقبوضات مصر کے شہر قلزم تک جاتی ہے یہاں سے فسطاط مصر تک تین دن کا پیدل راستہ ہے۔ اس کے کناروں پر ایلہ، حجاز، جدّہ اور یمن کے شہر آباد ہیں۔ ویسے اس خلیج کا طول چودہ سو میل اور عرض ننّو میل ہے لیکن یہ عرض مذکورہ بالا شہروں کے قریب ہے جو کہیں کہیں وسط میں ۷ سو میل بھی ہو جاتا ہے۔ یہ بات ارض حجاز اور ارض ایلہ کی بابت کہی جا سکتی ہے۔ اس کا آخری ساحل ایلہ کا غربی علاقہ ہے اور ارض مصر کے علاقے، عیذاب وغیرہ علاقے بھی اور ارض بُجَہ بھی اسی میں شامل ہیں۔ اس کے بعد اصل اقصائے ارض حبشہ اور سوڈان وغیرہ آتے ہیں جو ارض زنج اور اس کے نشیبی علاقے ہیں۔ یہاں سے آگے اس سمندر کی آخری خلیج ہے جو بحر فارس میں جا ملتی ہے اور وہاں سے بلاد الابلہ، خشبات اور ارض بصرہ کے علاقہ عبادان تک جاتی ہے۔ اس خلیج کا فی الاصل عرض ۵۰۰ میل ہے اور طول ۱۴ سو میل ہے لیکن جہاں جہاں دونوں طرف زمینی علاقے آجاتے ہیں وہاں اس کا عرض کچھ کم ہو جاتا ہے۔ یہ خلیج بلاد الابلہ تک مثلث تشکل کی ہے اس کے سواحل پر وہ علاقے جو بحر فارس کے مشرق میں ہیں وہ دُورق الفرس، ماہربان، شہر حسّان وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد بلادِ سیراف کا شہر نجیرم، پھر بلاد ابن عمارہ، پھر ساحل کرمان آتا ہے جو بلاد ہُرمُز میں ہے۔ ہُرمُز بلاد عمان کے شہر سنجار کے سامنے ہے۔ ساحل کرمان سے بحر فارس کا ساحلی علاقہ بلادِ مکران سے جا ملتا ہے جو شُراۃ کے خوارج کی سرزمین کہلاتی ہے۔ یہ سارا علاقہ کھجوروں کے درختوں کا علاقہ یا نخلستان ہے۔ مکران سے آگے دریائے مہران کا دہانہ ہے اور دیبل کا مشہور شہر بھی وہیں ہے۔

ہم نے اب تک بحر چین، بحر ہند، بحر فارس، وعُمّان اور بصرہ، بحرین، یمن، حبشہ، حجاز، قلزم اور زنج کے سمندروں اور ان کے جزیروں نیز دریائے سندھ کا ذکر کیا ہے۔ دنیا کے ان علاقوں میں لاتعداد لوگ بستے ہیں لیکن ہمیں ان کے اوصاف اور صحیح تعداد کا علم نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ خدائے واحد نے انہیں پیدا کیا ہے۔ ان کے علیحدہ علیحدہ علاقے ہیں جن کے نام الگ الگ ہیں اور جن سے ان کی پہچان ہوتی ہے۔ جن سمندروں اور زمینی علاقوں کا ہم نے ذکر کیا ہے ان سے سچے موتی، عقیق، بلادیج جو بجادی کی ایک قسم ہے اور قسم قسم کے یاقوت، الماس وغیرہ نکلتے ہیں، وہاں سونے اور چاندی کی کانیں بھی ہیں جیسے بلاد کلہ دسریرہ میں اور وہاں لوہے وغیرہ کی کانیں بھی ہیں جیسے بلادِ کرمان میں اور ارض عُمّان کے علاقہ نحاس میں۔ اس کے علاوہ کرۂ زمین کے کچھ علاقوں میں دواؤں کے لیے جڑی بوٹیاں جیسے عقاقیر، ساج خشب جسے وانجبیچ بھی کہتے ہیں، اور قنا۔

خیزران وغیرہ بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان سمندروں اور دیگر بری علاقوں کی آب وہوا بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ بعض سمندر انتہائی گرم ہیں اور بعض جگہ ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، بعض سے بخارات خارج ہوتے ہیں اور بعض برف کی طرح منجمد ہیں۔ یہ تمام سمندر ان کے علاوہ ہیں جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ان کی جملہ کیفیات خدائے عزوجل کے سوا ابھی کون بتا سکتا ہے؟ تاہم ان کے معلوم کوائف کا ذکر ہم آگے چل کر انشاء اللہ تعالیٰ متعلقہ مواقع پر کریں گے۔

مدّ وجزر کے بارے میں اختلاف آراء

سمندروں کے طول وعرض میں علی الترتیب بڑھنے اور سمٹنے کو مدّ وجزر کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سمندروں کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کے سمندر وہ ہیں جن میں صرف مدّ ہی ہوتا ہے، دوسری قسم کے سمندروں میں صرف جزر ہوتا ہے اور تیسری قسم کے سمندر وہ ہیں جن میں نہ مدّ ہوتا ہے نہ جزر۔

جن سمندروں میں مدّ وجزر نہیں ہوتا اس کی تین وجوہ ہیں۔ پہلی تو یہ کہ چشموں اور دریاؤں سے مدت مدید تک ان میں پانی آکر جمع ہوتا رہتا ہے اور پھر غلیظ ہو جاتا ہے اور نمک زیادہ ہو جاتا ہے دوسری وجہ ان میں بارشوں کی کمی اور پراگندگی میں اضافہ نیز نباتات کی کثرت جس سے ان کا پانی بحیروں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ آخری اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ چاند کے مدار سے ان کا فصل زیادہ ہوتا ہے نیز ان کی تہوں میں تغیرات خلل انداز ہوتے رہتے ہیں جن سے وہ سمٹ کر رہ جاتے ہیں اور وہاں بارشیں بھی کم ہوتی ہیں۔ یہ بات ساحلی علاقوں اور جزائر میں زیادہ ہوتی ہے۔

کچھ لوگ مدّ وجزر کو شمسی اثرات کا نتیجہ بتاتے ہیں لیکن ان کی تردید کرنے والوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو مدّ وجزر طلوع وغروب آفتاب سے منسلک ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جو لوگ شمسی اثرات پیش کرتے ہیں وہ بحر فارس کی مثال دیتے ہیں جہاں پانی صبح کو پھیلتا اور شام کو سمٹتا ہے اور سرافین اسی نسبت سے کشتی رانی کرتے ہیں۔

بحر روم، اس کے طول وعرض اور ابتدا وانتہا کا بیان

بحر روم کے سواحل پر طرطوس، اذنہ، مصیصہ، انطاکیہ، لاذقیہ، طرابلس، صیدا اور صور

وغیرہ واقع ہیں اور انھیں میں سواحل شام و مصر اور اسکندریہ شامل ہیں۔ اصحاب زیجات کے بعض مصنفین نے جن میں محمد بن جابر لبنانی وغیرہ بھی ہیں اپنی کتابوں میں بحر روم کا طول ۵ ہزار میل اور اس کا عرض مختلف جگہوں میں مختلف بیان کیا ہے، مثلاً کسی جگہ ۸ میل، کسی جگہ ۷ میل اور کسی جگہ ۶ میل لیکن اس کا انحصار ان جزیرہ نما زمینوں پر ہے جو سمندر اور اس کے سواحل کے درمیان آگئی ہیں۔ بحر روم کا مخرج ابتدائی لحاظ سے بحر اوقیانوس ہے جو منقسم ہو کر بلاد غرب میں ساحل افنیق اور ساحل اندلس تک بڑھ جاتا ہے۔ بلاد غرب کے ان سواحل میں ساحل اندلس کے مابین ساحل طنجہ اور سبتہ بھی ہے جو سبیطاء کے نام سے مشہور ہے۔ ان ساحلوں کے درمیان بحر روم کا عرض صرف ۱۰ میل رہ جاتا ہے۔ یہی وہ مقامات ہیں جہاں سے بلاد غرب سے اندلس کے لیے اور اندلس سے بلاد غرب کے لیے بحر روم کو عبور کیا جاتا ہے۔ اس سمندری ٹکڑے کو زقاق کہتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں ہم نے جہاں مصر القنطرہ کا ذکر کیا ہے وہ انہیں دو ساحلوں کے درمیان ہے اور جزیرۂ قبرص اور سرزمین عریش انہیں کے قریب ہے اور کشتیوں کے ذریعہ جو ان مقامات پر جانا چاہے اسے بحر روم اور بحر اوقیانوس کا درمیانی علاقہ عبور کرنا ہو گا۔ انہیں مقامات پر ہرقل الجبار نے منارۂ نحاس اور حجارہ تعمیر کیے تھے جن پر ہاتھ سے نقش و نگار بنائے گئے ہیں لیکن بحر روم میں اس جگہ اب کوئی انسان یا عمارت نہیں پائی جاتی اور اس کی ابتدا یا حدود کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سمندر کے اس حصے کو بحر ظلمات اور بحر اخضر کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا مینار زقاق کے علاوہ کہیں اور واقع ہیں۔

کچھ لوگ انہیں دو سمندروں یعنی بحر اوقیانوس اور بحر روم کو جملہ سمندروں کے پانیوں کا مجمع کہتے ہیں اور ان کے متعلق عجیب و غریب حکایات بیان کی جاتی ہیں جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب اخبار الزمان میں لکھا ہے کچھ لوگ ان سمندروں کو عبور کر سکے اور بعض اپنی جانیں گنوا بیٹھے۔ کہا جاتا ہے کہ اندلس کا ایک شخص خشخاش نامی جس نے قرطبہ کی آبادی کا ابتدائی زمانہ دیکھا ہے کشتی لے کر اس سمندر میں گیا، مدتوں غائب رہا اور نہ جانے کس طرح وہاں سے بہت کچھ نکال لایا۔ یہ واقعہ اہل اندلس اکثر بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بحر روم کا مخرج بحر اوقیانوس ہے، یہ بات پانی کے بہاؤ سے محسوس کی جا سکتی ہے، .... منارۂ منصوبہ اور مینار احجار کے درمیان بڑی طویل مسافت ہے۔ یہاں سے بحر روم مصر و شام کی خلیج بن کر ۵ سو میل کے قریب شہر رومیۃ تک بڑھ جاتا ہے۔ شہر رومیہ کو رومیہ اور رسں بھی کہتے ہیں۔ اس خلیج کے ایک کنارے

پر وہ جگہ ہے جسے سبتہ کہتے ہیں، سبتہ اور طنجہ کا ساحل ایک ہے۔ سبتہ کے نواح میں اندلس کے مقابل وہ پہاڑ ہے جسے "جبل الطارق" کہتے ہیں، واضح رہے کہ طارق موسیٰ بن نصیر کے غلاموں میں سے تھا۔ لوگ سبتہ سے اندلس تک صبح سے ظہر کے وقت تک اسی سمندری راستے سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس سمندر میں بڑی بڑی موجیں اُٹھتی ہیں حالانکہ ان کی وجہ ہوا کا زور نہیں ہوتا، اس خلیج کو اہل مغرب اور اہل اندلس انہیں امواج کی بنا پر زقاق کہتے ہیں۔ بحر روم میں جزیروں کی کثرت ہے۔ انہیں جزائر میں شام و روم کے درمیان جزیرۂ قبرص بھی ہے۔ دوسرے جزائر ہیں رودس (روڈس) ہے جو سکندریہ کے سامنے ہے۔ جزیرۂ اقریطش بھی انہیں جزائر میں ہے اور صقلیہ بھی۔ صقلیہ کا ذکر ہم آگے چل کر جبل برکان کے ضمن میں کریں گے جس کی چوٹی سے آگ نکلتی ہے۔ جزیرہ صقلیہ میں بہت سے اجسام، مردہ ٹڈیاں اور ہڈیاں وغیرہ پائی جاتی ہیں۔

لیعقوب بن اسحٰق الکندی اور اس کے شاگرد احمد بن طیب سرخسی نے بحر روم کے طول و عرض کے بارے میں جو حقائق پیش کیے وہ ہمارے مذکورہ بالا بیانات سے مختلف ہیں۔ اس سلسلے میں ہم اپنی زیر نظر کتاب میں بلحاظ ترتیب تالیف آگے چل کر کچھ عرض کریں گے۔

بحر نیطش

بحر مانطش اور خلیج قسطنطنیہ کے بارے میں تو آپ نے پڑھا یا سُنا ہوگا، جس سمندر کو ہم بحر نیطش کہہ رہے ہیں اس کی مدود، بلاد لاذقہ سے قسطنطنیہ تک ہیں، یہ سمندر شمال سے شروع ہوتا ہے اور اس کے سواحل پر یافث بن نوح کی نسل کے لوگ کثرت سے آباد ہیں اس کا طول ۱۱۰۰ میل اور عرض ۳۰۰ میل ہے اس کا مخرج وہ نہر عظیم ہے جو شمالی پہاڑوں کے چشموں سے نکلتی ہے۔ خشکی پر اس کے بہاؤ کی مسافت یافث کی بستیوں کی گزرگاہ کے لحاظ سے تین سو فرسخ ہے۔ بحر مانطش کی گزرگاہ یہی ہے یہی وہ سمندر ہے جو آگے چل کر بحر نیطش میں مل جاتا ہے۔ اس سمندر میں چیتا نیں اور نباتات جمادات کی کثرت ہے اس کا ذکر قدیم فلاسفہ نے بھی کیا ہے۔ کچھ لوگ اس عظیم سمندر کو بحیرہ بھی کہتے ہیں اور اس کا طول تین سو میل اور عرض ۱۰۰ میل بتاتے ہیں، خلیج قسطنطنیہ کا مبدا یہی سمندر ہے جو آگے بڑھ کر بحر روم میں مل جاتی ہے۔ اس خلیج کا طول تین سو میل اور عرض تقریباً پچاس میل ہے۔ قسطنطنیہ

اور دوسری ساری بستیاں شروع سے آج تک اسی خلیج کے ساحلوں پر آباد ہیں۔ قسطنطنیہ اس خلیج کے مغرب میں روم و اندلس کے متصل ہے۔ اصحاب زیجات کے قدیم منجموں وغیرہ کے مطابق بحر بلغراد اور بحر روس بھی کبھی یہیں تھا اور ترکوں کی قدیم تین مختلف شاخیں بھی کبھی یہیں آباد تھیں۔ زیر نظر کتاب میں ہم اس سمندر کا مزید تفصیلی ذکر آگے چل کر حسب موقع کریں گے اور اس کی قریبی بستیوں کے بارے میں بھی بتائیں گے اور یہ بھی لکھیں گے کہ ان میں سے کون لوگ اس سمندر میں کشتی رانی کرتے ہیں اور کون نہیں کرتے۔

بلحاظ ترتیب بحرِ خزر و جرجان نیز دوسرے سمندروں کا تفصیلی بیان

جہاں تک عجمی سمندروں کا تعلق ہے اور ان کے ادوار و مساکن کا تو یہ سمجھ لیجیے کہ وہ بنی نوع انسان کی آبادیوں سے ہر طرف گھرے ہوئے ہیں اور یہ سمندر اسی لیے "بحر الباب والابواب" کہلاتے ہیں کیونکہ ہر جگہ ان کے ساحل مختلف ممالک کے ابواب (دروازے) ہیں، مثلاً: خزر، جبل، دیلم، جرجان، طبرستان وغیرہ جہاں مختلف شاخوں کے ترک آباد ہیں اور ان کی حدود ہر جانب بلادِ خوارزم سے جا ملتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ شکل کے لحاظ سے مدور ہیں۔ ان کی ساحلی آبادیوں اور وہاں کی مختلف اقوام کے کوائف ہم ان شاء اللہ زیر نظر کتاب میں حسب موقع آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔ ویسے ان آبادیوں کی وجہ سے ان سمندروں میں مچھلیاں کثرت سے پائی جاتی ہیں، مثلاً عجمی سمندروں میں بحرِ روم ہے جس میں مچھلیوں کی بہتات ہے، اسی طرح وہ اکثر علاقے جو انطاکیہ کے زیر حکومت ہیں اس سرزمین کے ایک عظیم پہاڑ کے نیچے سمندر ہے جسے لوگ "عجز البحر" (تنگنائے) بھی کہتے ہیں یہ سمندر ساحل انطاکیہ، رشید، اسکندریہ اور قلعہ شقب تک وسیع ہے، یہ قلعہ "جبل لکام" کی وادی میں واقع ہے۔ اسی طرح ساحل مصیصہ ہے جہاں نہر جیجان ہے، ساحل اذنہ پر نہر سیحان ہے اور طرطوس کا ساحل نہر بردان تک چلا گیا ہے جسے نہر طرسوس بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد جو علاقے ہیں وہاں یا تو بستیاں نہیں ہیں اور کچھ عمارتوں کے آثار ہیں بھی تو وہ کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ یہ علاقہ رومی اور مسلم علاقوں کے درمیان ہے جو آگے چل کر شہر قلیہ، قبرص، فریطیس، قراسیا اور اس کے بعد بلاد سلوقیہ سے جا ملتا ہے۔ بحرِ روم کے اس ساحل پر پھر رومی قلعے شروع ہو جاتے ہیں جو خلیج قسطنطنیہ تک چلے گئے ہیں۔ اس سمندر کے کنارے مفنیق جس بستی کا ہم ذکر کر چکے ہیں وہ خلیج طنجہ پر ہے جو ساحل مغرب پر بلادِ افریقہ، سوس، مسوس، مغربی طرابلس، قیروان، برقہ، رفادہ، بلاد اسکندریہ، رشید، تنیس، دمیاط، اور ساحل شام اور ثغور شامی

سے جا ملی ہے اور پھر ان بلاد رومیہ تک گئی ہے جو ساحل اندلس کے قریب ہیں۔ اس سے آگے یہ خلیج ضیق کے اس ساحل تک جاتی ہے جو طنجہ کے سامنے ہیں۔ رومی اور مسلم علاقوں کے درمیان بستیاں ہیں انہیں ایک دُوسرے سے کچھ نہریں اور خلیج قسطنطنیہ جُدا کرتی ہیں یہاں اس خلیج کا عرض صرف ایک میل رہ جاتا ہے لیکن اس خلیج کا مبدا بھی جیسا ہم بیان کر چکے ہیں بحر اوقیانوس ہے جس کے ایک ساحل پر مینار نحاس واقع ہے جو طنجہ کے قریب ہے۔ اس خلیج پر جزیرہ کریٹ کا علاقہ اسی خلیج کے مقبوضات میں شامل ہے وہ بحر روم کا وہ مذکور حصّہ نہیں ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس کا مجموعی طول بھی بتا چکے ہیں۔

بحر حبشی میں مچھلیوں کی پہچان مشکل ہے اور اسی طرح بحر خلیجانہ میں جس کی حدود کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں لیکن یہ مچھلیاں ان سمندروں کی ان حدود میں زیادہ نظر آتی ہیں جو بحر اوقیانوس سے متصل ہیں۔

تنبیہ جہاں تک ان دونوں سمندروں کی مچھلیوں کی اقسام کا تعلق ہے تو جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ان کی پہچان تو مشکل ہے لیکن کچھ لوگوں کے بیانات کے مطابق یہ ان سمندروں کے اُن سواحل کے نزدیک جہاں آبادیاں ہیں طلوع آفتاب کے وقت جب نرم ہوائیں چلتی ہیں کثرت سے سطح آب پر نظر آتی ہیں لیکن آسمان پر گہرے بادلوں کے اوقات اور رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سمندر کی تہ میں چلی جاتی ہیں، نیز تیز و تند ہواؤں کے اوقات میں بھی ان کا عمل یہی ہوتا ہے۔ موسم گرما کی سخت اور تیز دھوپ میں جب بخارات ان سمندروں کی سطح سے اُٹھ کر آسمان کی طرف رُخ کرتے اور گہرے بادلوں کی شکل میں تبدیل ہوتے ہیں تو ان اوقات میں بھی یہ مچھلیاں قعر بحر کا رُخ کرتی ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان میں سے عظیم و جسیم مچھلیاں دراصل وہ سمندری حیوانات ہیں جو چھوٹی قسم کی مچھلیوں کو ہڑپ کر لیتے ہیں اس لیے قدرت نے یہ سامان کیا ہے کہ کبھی مذکورہ بالا اوقات میں ان مچھلیوں کو سمندری موجیں اُٹھا کر ان سواحل پر پھینک دیتی ہیں جہاں چٹانیں یا جھاڑیاں ہوتی ہیں لیکن یہ وہاں زندہ نہیں رہ سکتیں، تاہم جہاں یاجوج ماجوج کا شہر ہے یہ مُردہ مچھلیاں ان کی یعنی یاجوج ماجوج کی بحکم قدرت خوراک مہیا کرتی ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا اوقات میں انہوں نے ان چٹانوں اور جھاڑیوں میں ایسی مردہ مچھلیاں بچشم خود دیکھی ہیں۔ کچھ مصنف ان حالات کو ابن عباس کے بیانات کی تصدیق پر محمول کرتے ہیں لیکن ہم نے زیر نظر کتاب میں ان خرافات کے تفصیلی بیان سے قصداً صرفِ نظر کیا ہے۔

اطراف زمین کے جن اخبار سے ہم نے اس کتاب میں صرف نظر کیا ہے ان میں اہل سیر اور اصحاب قصص کی بیان کردہ خبریں بھی ہیں۔ انہیں میں عمران بن جابر کے متعلق یہ اطلاع بھی ہے کہ اس نے دریائے نیل میں اتر کر اس کے منبع و مخرج کا پتہ معلوم کیا تھا اور یہ کہ اس نے دریائے نیل میں اس مچھلی کے شہپروں پر سفر کیا تھا جو زمین کا مدار ہے اور یہ کہ سورج کی گردش اور اس کے طلوع و غروب کا سلسلہ بھی اسی مدار سے منسلک ہے۔ عمران بن جابر کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے دریائے نیل کے ایک ساحل پر ان محلات و قصور کو بھی دیکھا تھا جو جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سونے سے تعمیر کیے تھے۔ ان قصوں میں عنقود العنب اور ابلیس کا ذکر بھی آتا ہے اور سونے کے اس گنبد کا بھی جو عہد قدیم کے لوگوں نے بحر اخضر میں دیکھا تھا اور یہ کہ اس گنبد میں سرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے، نیز یہ کہ بحر اخضر جب پھیلا تو اس سے دوسرے سمندر اور دریا بنتے چلے گئے۔ ان میں پہلا دریا نیل، دوسرا سیحان، تیسرا جیحان اور چوتھا فرات ہے۔ انھیں قصوں میں سمندر کے مدّ و جزر کے متعلق عجیب و غریب بیانات بھی شامل ہیں۔ مثلاً یہ کہ بنائے کائنات پانی سے ہوئی جو پہلے بلندی سے نشیب کی طرف آیا اس لیے مدّ کا مطلب یہ ہے کہ وہ یعنی پانی اپنی اصل بلندی کی طرف رجوع کرتا ہے اور پھر بمقتضائے فطرت نشیب کی طرف پلٹتا ہے اور اسی کو جزر سمجھنا چاہیے۔ ہمیں یہ سب باتیں غور کرنے پر ناقابل یقین محسوس ہوئیں۔ اسی لیے یہاں ان سے صرف نظر کیا گیا۔ اس کے علاوہ ہمیں قرآن میں خدا کا یہ حکم ملتا ہے کہ "جو ہمارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں بتائے اس پر ایمان لاؤ اور جس سے منع کرے اسے چھوڑ دو" تاہم ہم نے یہاں قارئین کے تفنّن طبع کے لیے ان لایعنی قصص اور خرافات کا اجمالی ذکر کرنا مناسب سمجھا جو ہمارے لیے معقولی اور منقولی دونوں طرح ہر حیثیت ناقابل قبول ہیں لیکن عہد قدیم سے لوگوں کی زبان پر چلے آتے ہیں۔

سمندروں کی تعداد

سطح ارضی کو گھیرے ہوئے سمندروں کی تعداد وہی ہے جو ہم اب تک بتا چکے ہیں یعنی چار اور ان کا تفصیلی ذکر بھی پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ اس پر دنیا کے اکثر لوگوں کو اتفاق ہے لیکن کچھ لوگ ان کی تعداد پانچ بتاتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک ان کی تعداد چھ ہے حتیٰ کہ بعض لوگ ان کی تعداد سات تک بتاتے ہیں لیکن موخرالذکر وہ لوگ ہیں جو سمندروں کی تعداد کا حساب منفصل غیر متصل بحار کے اعتبار سے لگاتے ہیں۔ بہرحال ان کے نام یہ ہیں: پہلا بحر حبشی، دوسرا البحر روم، تیسرا البحر نیطش، چوتھا بحر مانطش، پانچواں بحر خزر، اور چھٹا بحر اوقیانوس، ان میں سے بحر روم اور بحر اوقیانوس کے علاوہ اگر دو اور

منفصل غیر متصل سمندروں کو الگ الگ تصور کیا جائے تو یقیناً سمندروں کی مجموعی تعداد سات ہو جائے گی بحر نیطش چونکہ بحر مانطش سے ملا ہوا ہے، اس لیے ہم نے ان دونوں کو ملا کر ایک سمجھا ہے۔ خلیج قسطنطنیہ جو بجائے خود ایک سمندر ہے چونکہ بحر روم سے ملا ہوا ہے، اس لیے ہم نے ان دونوں کو ملا کر ایک سمندر بتایا ہے۔ بحر روم کا مبدا، چونکہ بحر اوقیانوس ہے، اس لیے ان دونوں کے پانیوں کو بوجہ اتصال ایک سمجھنے اور ان دونوں سمندروں کو ایک سمندر بنانے میں کیا مضائقہ ہے؛ ویسے ان خلیجوں کو جو ایک دوسرے کے متصل ہیں اور ان کے پانی بھی آپس میں ملے ہوئے اگر الگ الگ سمندر تصور کر لیا جائے تو سمندروں کی کل تعداد نو تک پہنچ جائے گی۔ سطور بالا میں ہم نے بحر مانطش کا ذکر کرتے ہوئے اس کے نام کے ساتھ "بانیطس" لکھ دیا ہے تاکہ ان میں کوئی ابہام نہ رہے یعنی بحر مانطش کو بحر مانطش کہو یا بحر مانیطش بات ایک ہی ہے۔ ہماری اس وضاحت سے امید ہے سمندروں کی مجموعی تعداد کے بارے میں کوئی ابہام باقی نہ رہے گا۔

جن لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ بحر خزر بحر مانیطش سے ملا ہوا ہے ان سے یقیناً غلطی سرزد ہوئی ہے کیونکہ کسی نے بلاد خزر کے تاجروں کو جہازوں کے ذریعہ بحر مانیطش اور بحر نیطش کے راستے بلادِ روس اور بلغراد کی طرف جاتے ہرگز نہیں دیکھا جس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ بحر خزر اور موخر الذکر دو سمندر ایک ہی ہیں یا ان کے پانی نہر خزر کے علاوہ کہیں مل کر ایک ہو جاتے ہوں یا ان کی شاخیں کسی جگہ ایک دوسرے سے متصل ہوں۔ بہر حال ہم اس موضوع پر تفصیلی گفتگو زیر نظر کتاب میں آگے چل کر جبل القبق یا جبل الفتح کے ضمن میں کریں گے۔ اسی کے ساتھ شہر "باب والابواب" اور مملکت خزر کا ذکر بھی آئے گا اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ روس جہازوں کے ذریعہ بحر خزر میں کس راستے سے پہنچا جب کہ اس کے سواحل بحر خزر کے سواحل سے بقدر تین سو میل دور ہیں یعنی ان کا زمینی فاصلہ بھی تین سو میل ہے۔ کچھ لوگ سمندروں کے بارے میں اوران کی ابتدا میں تقدیم و تاخیر کے سلسلے میں ہماری گزارشات پر اعتراض کرتے ہیں اور انھوں نے اپنی کتابوں میں یہ بتایا ہے کہ خلیج قسطنطنیہ بحر نیطش سے نکلا ہے جو بحر خزر کے قریب ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور یہ کہ آیا ان مصنفین نے لوگوں سے سنی ہوئی باتوں سے یہ اندازہ لگایا ہے یا ان کا بیان استدلال پر مبنی ہے یا محض قیاس پر؟ یا انھوں نے یہ سمجھا ہے کہ روس کے کچھ علاقے چونکہ بحر خزر کے قریب ہیں لہٰذا وہ ازراہ ازل تا آخر بحر خزر ہی ہے اور اسی لیے ان علاقوں کے باشندے یہاں تک آتے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ساحل جرجان سے بلاد طبرستان تک بالکل الگ ہے، چنانچہ اب تو کیا پہلے بھی کبھی کسی نے اہل روس کے جہازوں کو اس ساحل سے

بحر خزر کی جانب جاتے نہیں دیکھا کیونکہ ان ممالک کے اس سلسلے میں باہمی معاہدات نہ پہلے کبھی تھے نہ اب ہیں ہم نے اہل آذربائیجان، اہل باب والابواب، اہل دیلم، اہل جبل، اہل جرجان و طبرستان اور بردعہ وغیرہ کے لوگوں سے فرداً فرداً دریافت کیا لیکن کسی نے اس سلسلے میں مذکورہ بالا مصنفین کے بیانات کی تصدیق نہیں کی۔ پھر بھی ہم نے بعض ثقہ حضرات کی گفتگو سے استفادہ کیا ہے۔"

اس کے بعد المسعودی رقمطراز ہیں:-

"میں نے الکندی اور اس کے شاگرد، "المعتضد باللہ" کے مصنف، احمد ابن طیب سرخسی سے منسوب کچھ کتابوں میں دیکھا ہے کہ شمالی آبادیوں کی طرف قطب شمالی کے نیچے ایک عظیم بحیرے کا کچھ حصہ ہے جس کے قریب ایک شہر ہے لیکن اس کے آگے سارا علاقہ خالی اور ویران و سنسان ہے، میں نے ہی منجم کے بعض رسائل میں بھی اس بحیرے کا ذکر دیکھا ہے نیز احمد بن طیب نے اپنے رسالے "البحار والمیاہ والجبال" میں (اپنے استاد) الکندی سے اس بحیرے کی نسبت جو روایت کی ہے اس میں بحر روم کا طول بلاد صور وطرابلس، انطاکیہ، لاذقیہ، مثبت اور ساحل مصیصہ و طرطوس و قلمیہ سے آگے منارہ ہرقل تک چھ ہزار میل بتایا ہے اور اس کا عرض کہیں کہیں چار سو میل لکھا ہے۔ یہ الکندی اور ابن طیب کا قول ہے۔"

"ہم نے ان استاد و شاگرد کے بیانات اور اصحاب زیجات کی کتابوں میں جو روایات ہیں ان کے مابین اختلافات اور ان کے متبعین سے جو کچھ سُنا اس پر کافی غور کیا ہے لیکن اس پر بحث کو بخوف طوالت آگے نہیں بڑھایا کیونکہ ہم نے زیر نظر کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں (بطور مقدمہ) جو شرائط پیش کی ہیں ان میں سب سے اہم شرط اختصار و ایجاز ہے۔"

سمندروں کا وجود

قدیم یونانی علماء اور حکمائے متقدمین میں سمندروں کے وجود اور ان کے اسباب وعلل کے بارے میں جو باہمی اختلافات ہیں ان پر ہم نے ہر سہ اسباب کے متعلق اپنی کتاب "اخبار الزماں" کے حصہ سوم میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ یہاں ہم ان جملہ مباحث کا اعادہ تو نہیں کرنا چاہتے لیکن اس سلسلے میں علمائے یونان و حکمائے متقدمین کی آراء کا اجمالی تذکرہ عنوان بالا کے تحت ضرور کرنا چاہتے ہیں۔ جن علماء و حکماء کی آراء کا خلاصہ یہاں بیان کیا جائے گا ان کے اقوال کے ساتھ یہ بھی بتایا جائے گا کہ اس سلسلے میں کس کس نے کیا کیا کہا ہے۔

ان علماء و حکماء نے متقدمین کے ایک گروہ کے نزدیک سمندروں کی اکثریت اس پہلی رطوبت کا نتیجہ ہیں جو آگ کے جوہر سے پیدا ہوئی اور باقی آگ کے اس پہلے احتراق کا محلول ہیں۔ اسی گروہ کے

بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ پہلی رطوبت میں سورج کی تمازت سے جب احتراقی کیفیت پیدا ہوئی تو اس نے پہلے بخارات کی شکل اختیار کی اور پھر پانی کی مجموعی صورت میں ڈھل گئی اور باقی ملوحت و مرارت بننے کے بعد پانی بنی، یہی دونوں اشکال آج سمندر کہلاتی ہیں۔

اسی گروہ کے کچھ لوگوں کے خیال میں پہلی رطوبت زمین کا وہ عرق ہے جو سورج اور زمین کے دور انفصال میں برآمد ہوا۔

انھیں میں کچھ لوگوں کا قول یہ ہے کہ سمندر زمین کی رطوبت کا وہ مصفا حصہ ہیں جو مٹی اور رطوبت کے امتزاج کے بعد پیدا ہوا جیسے میٹھے پانی میں ریت ڈال دی جائے تو وہ برتن میں نیچے بیٹھ جائے گی اور مقطر پانی اوپر آجائے گا لیکن اس میں بھی میٹھا ہونے کے باوجود کچھ ملوحت باقی رہے گی۔

انھیں میں سے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ پانی میں پہلے عذوبت و ملوحت دونوں یک جا تھیں، سورج نے ان کا لطیف حصہ اٹھا لیا اور کثافت نے رقیق ہو کر سمندر کی شکل اختیار کرلی۔

بعض کا قول یہ ہے کہ سورج نے صرف رطوبت جذب کی لیکن انھیں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ سورج نے جو رطوبت جذب کی وہ کرۂ باردہ میں پہنچ کر بشکل آب پھر نیچے آگئی۔

بعض کے خیال میں پانی رطوبت کا وہ ذخیرہ ہے جو ہوا میں متکیف ہو کر برودت کی وجہ سے منجمد ہوگیا لیکن اس کا وہ حصہ جو زمین کے قریب تھا ارضی حرارت کی بنا پر تحلیل ہو کر زمین ہی پر پھیل گیا۔

اس بحث میں حصہ لینے والوں میں سے کچھ کے نزدیک سارا پانی ظہور ارضی اور اس کے اندرونی ذخائر کی پیدائش کے وقت ہی پھیل کر سمندروں کی شکل میں سمٹ گیا تھا۔ اس کی عذوبت جو لطیف تھی حرارت شمسی سے بخارات بن کر اٹھی پھر برودت پاکر بارش بن کر دوبارہ زمین پر آگئی لیکن اس کی ملوحت بطون ارض میں باقی رہی اور تحلیل ہو کر سمندروں کے پانی میں شامل ہوگئی۔ کسے معلوم نہیں کہ آگ کثافت سے لطافت و عذوبت کشید کرلیتی ہے۔ انسانوں بلکہ حیوانات کی خوراک کی کثافت بول و براز اور پسینے کی شکل میں خارج ہوجاتی ہے اور عذوبت و لطافت جزو بدن بن جاتی ہے گویا ہمارا وجود ہی "محترق مرّی" ہے۔

اس سلسلے میں "المنطق" کے مصنف نے بھی تفصیلی گفتگو کی ہے۔ جس کا لبِّ لباب یہ ہے کہ "نمکین پانی میٹھے پانی سے وزنی ہوتا ہے۔" اس کا استدلال یہ ہے کہ نمکین پانی میں کدورت و

سخافت ہوتی ہے جب کہ میٹھا پانی صاف اور رقیق ہوتا ہے۔ پانی کی فطرت بہاؤ ہے، چنانچہ جب وہ بہاؤ پر مائل ہوگا تو دریا بنے گا جس کا منبع چشمہ کہلائے گا اور جب دریاؤں کا پانی بہہ کر کسی ایک جگہ جمع ہوگا تو وہ یقیناً سمندر ہی بنے گا۔ ویسے پانی کے وجود کے بارے میں بھی معقولات و منقولات کی صورت میں کافی ذخیرہ موجود ہے جس پر ہم نے اپنی کتابوں میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے اس سلسلے میں مختلف مباحث چھیڑے ہیں۔ ہم اپنی کتاب "اخبار الزمان" کے علاوہ زیر نظر کتاب میں بھی سمندروں کے منابع و مخارج، ان کی مساحت، طول و عرض، سواحل و کوائف اور گزرگاہوں پر خاصی روشنی ڈال چکے ہیں نیز پانی کے استخراج پر بھی کافی گفتگو ہو چکی ہے لہٰذا اب ہم آئندہ باب میں موضوع کے لحاظ سے ملوک چین، اہل چین اور ان کے متعلقہ حالات و کوائف پر گفتگو کریں گے۔

ملوکِ چین و تُرک، اولادِ عابور کی مختلف شاخیں
اور
چین کے حالات و کوائف وغیرہ

اہلِ چین اور ان کے انساب و آغاز کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں، اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب عابور بن سوبیل بن یافث بن نوح کی اولاد میں فالغ بن عامر بن ارفخشذ بن سام بن نوح نے دنیا کی زمین کو تقسیم کیا تو وہ پہلے مشرق کی سرزمین میں پھیل گئے، پھر ان میں سے ارعو کی اولاد شمال کی طرف چل کر متعدد ممالک میں منتشر ہو گئی۔ جو لوگ دیلم، جیل، طیلسان، تاتار اور فرغانہ سے منسوب ہیں نیز وہ لوگ جو قبق کے پہاڑی کہلاتے ہیں قوم کرز کی مختلف شاخیں ہیں اور آج کل جو لوگ خزر، انجاد، سریر، کشک کہلاتے ہیں اور وہ سب قومیں بھی جو بلاد طوابیرہ، بحر مانطش، ونیطش، بحر خزر، بلغراد تک اور ان علاقوں کے متصل چین کے دوسرے علاقوں میں آباد ہیں اسی قوم یعنی قوم کرز کی مختلف شاخیں ہیں۔ عابور کے بیٹے نے نہر بلخ عبور کی تھی اور اسی کی اولاد سارے چین میں اِدھر اُدھر آباد ہے اور وہی لوگ دوسرے متعدد ممالک کے مختلف حصّوں میں پھیلے ہوئے ہیں، جبلی، جیلانی، اشروسنہ، صغد، بخاری، سمرقندی، فراغنہ، شاشس، استیجاب، فارابی بھی اسی قوم کے افراد ہیں، نیز وہ لوگ جو البوادی، وغیرہ میں آباد ہیں انہیں میں شامل ہیں اور ترک، خزلج، طاغزغز نیز شہر کوشان (کاشان) کے باشندے انہیں میں ہیں، یہ علاقے خراسان اور چین کے درمیانی علاقے ہیں۔ ان میں سے قدیم ترک اس وقت یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں بہت کم باقی ہیں، ان کا کوئی خاص ملک ہے اور نہ کوئی منضبط حکومت۔ شوئلہ انھیں میں سے ہے اور آج کل امیر خان میں کہیں کہیں ملتے ہیں، ان کا مذہب الحادی ہے لیکن ان میں سے اکثر اس مذہب پر اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ بچپن سے بھی مشکل ہی سے جانتے ہیں، تاہم کیماکیہ، ابر سخانیہ، بدیہ اور جعبریہ کے کچھ باشندے انہیں قدیم اصلی ترکوں کی نسل

سے ہیں۔ ان کی خوبصورتی، طویل القامتی اور چہروں کی چمک دمک تاحال قائم ہے۔ یہ لوگ اب بھی فرغانہ، شاش اور ان کے قریبی علاقوں میں خال خال ہی سہی مل جاتے ہیں۔ کبھی ان کی اپنی حکومتیں تھیں، وہ خاقان وخوانین کہلاتے تھے، سارا ترکستان ان کے زیرنگیں تھا۔ افراسیاب جس نے کبھی ایران فتح کیا تھا انہیں ترکوں میں سے تھا۔ اب وہی خاقان وخوانین کہلانے والے ترک ایک اجڑے ہوئے شہر میں بستے ہیں جو عمات کہلاتا ہے۔ ہم نے یہاں کے حکمران کے اس زمانۂ ماسبق میں بارونق شہر سے منتقل ہونے کے اسباب اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اولادِ عابور میں سے انھیں ترکوں کا ایک گروہ ہندوستان کے علاقہ تخوم میں چلا گیا تھا لیکن وہاں جا کر ان میں ترکوں کا رنگ باقی نہیں رہا بلکہ انہوں نے ہندوستانی رنگ کچھ ایسا پایا کہ اپنا اصلی رنگ بھول گئے۔ اس گروہ کے کچھ لوگ کوہ ہمالیہ کی مختلف وادیوں میں منتشر ہو گئے اور باقی تبت میں رہ پڑے لیکن خاقان کے ملک کے زوال کے بعد بھی اہلِ تبت اپنے سردار کو خاقان بلکہ قدیم ترکوں کی طرح خاقان الخوانین یا خاقانِ اعظم ہی کہتے ہیں۔

عابور کی اولاد میں زیادہ تر لوگ پہلے سمندری ساحل پر مقیم رہے لیکن پھر اقصائے چین میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ یہاں وہ متفرق آبادیوں میں رہے، پھر کچھ عارضی ٹھکانے بنائے اور رفتہ رفتہ شہر بسا کر متمدن و مہذب ہو گئے۔ انہوں نے اپنی سلطنت کے لیے ایک عظیم شہر تعمیر کر کے اس کا نام "انموا" رکھا۔ اس شہر اور بحرِ حبشی یا بحرِ چین کے درمیان اگرچہ تین ماہ کا پیدل سفر ہے لیکن راستے میں بہت کم فاصلے سے متعدد شہر اور بستیاں ملتی ہیں۔

نسطرطاس

مذکورہ بالا شہر انموا کا پہلا حکمران جس نے ایک مملکت کی بنیاد ڈالی "نسطرطاس" بن باعور بن مدتج بن عابور بن یافث بن نوح تھا۔ نسطرطاس کی قائم کردہ یہ مملکت تقریباً تین صدیوں تک چلی لیکن پھر اس کی اولاد میں تفرقے پیدا ہو گئے اور آخر کار وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے اپنے زمانے میں متعدد شہر آباد کیے، نہریں کھدوائیں، پھلوں کے لیے باغ لگوائے اور درندوں کا شکار کیا۔

عوون

عابور کی اولاد میں ایک شخص تھا جسے مقامی لوگ "عوون" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس نے اپنے باپ کی لاش کو کچھ اس طرح حنوط کیا تھا کہ وہ بالکل سونے کا بت معلوم ہوتی تھی۔ اس نے اس بت کو تعظیماً سونے کے ایک تخت پر بٹھا رکھا تھا جسے جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا۔ وہ شخص اپنے باپ کے اس طلائی بت کو خود سجدہ کرتا تھا اور اہلِ ملک سے بھی سجدہ کراتا تھا صبح

ہوتے ہی "انوا" کے باشندے اس بت کے سامنے تعظیماً سجدہ ریز ہو جاتے تھے، کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے باپ کے انتقال کے بعد ۱۵۰ سال زندہ رہا۔

عیشدون عوؤن کے بعد حکومت کا وارث اس کا بیٹا عیشدون ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی روایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے باپ عوؤن کی لاش کو مومیا کر سونے کے بت کی شکل میں ڈھالا، اسے سونے کے مرصع تخت پر بٹھایا اور اپنے علاوہ اپنی رعایا سے بھی اسے تعظیمی سجدے کرائے۔ اس نے اپنی رعایا کے حق میں بہترین سیاستدان ہونے کا ثبوت دیا، انہیں امورِ سلطنت میں برابر کا شریک کیا اور ان کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آیا۔ اس کی نسل کافی پھیلی کیونکہ وہ خود کثیر الاولاد تھا۔ اس نے زمینوں کو سرسبز و شاداب کیا اور دوسرے بہت سے لائق تحسین کام کیے۔ اس کے انتقال کے وقت اس کی حکومت کے تقریباً سو سال پورے ہو چکے تھے۔

عیثنان عیشدون کے بعد اس کا بیٹا عیثنان سلطنت کا والی ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ ر[illegible]ش کے ساتھ وہی عمل کیا جو اس کے باپ نے اپنے باپ کی لاش کے ساتھ کیا تھا اور اسی طر[illegible]لت سجدے کیے اور لوگوں سے بھی کرائے۔ اس نے اپنی سلطنت کی حدود اپنے چچازاد بھائیوں کی سلطنت تک بڑھا لی تھیں۔ اس کے دور میں دوزقہ کی طرح بہت سی صنعتیں بھی ظہور پذیر ہوئیں۔

حرانان اعیثنان کے بعد حکومت اس کے بیٹے حرانان کو ملی۔ اس نے ایک مصنوعی آ[illegible]ن بنایا اور لوگوں کو وہاں کی سیر بھی کرائی۔ اس نے بلادِ سندھ و ہند کے بہت سے علاقے بلکہ اقلیم بابل اور آگے اندرون سمندر کے علاقے بھی جو قرب و جوار کے ممالک کی ملکیت تھے اپنی قلمرو میں شامل کر لیے اور وہاں کے حکمرانوں کو نہ صرف اپنے ہاں کے عجیب و غریب تحائف اور نفیس اشیاء انہیں بھیجیں بلکہ انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے ہاں کی نادر اشیاء، ماکولات و مشروبات، لباس اور فرش فروش کے نمونے بھی اسے بطور تحائف بھیجیں تاکہ وہ ان ممالک کی سیاسیات کے علاوہ ان کے مذہبی رجحانات اور طرز بود و باش سے واقفیت حاصل کر سکے۔ اس نے انہیں اپنی مصنوعات، خوشبویات، معدنیات اور آلات وغیرہ بھی اپنے یہاں منگوانے پر مائل کیا۔ کیونکہ وہ اس کے احکام سے روگردانی کے نتائج کو سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے اس کی خواہشات پوری کیں اور اس طرح سمندروں میں کشتیاں آنے جانے لگیں بلکہ ان کے سواحل پر تیاریاں بھی ہونے لگیں۔ اس نے ان ممالک کو وہ تمام چیزیں مہیا کیں جو ان دنوں ان کے ہاں دستیاب نہیں تھی، وہ انھیں وہ سب چیزیں بطور تحائف و ہدایا بھیجتا رہا۔ اس نے بلادِ چین میں بھی بستیاں بسائیں اور اس طرح اس کے امورِ سلطنت میں بھی دخیل رہا۔ اس

کی قریباً سو سال ہوئی۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی سلطنت میں واقعی کہرام مچ گیا اور لوگ مدّت تک اس کی موت پر گریہ وزاری کرتے رہے اور اس کی یادگار کے طور پر ایک نئے شہر کی بنیاد بھی ڈالی۔

توتال

حراتان کے بعد اس کی سلطنت اس کے سب سے بڑے بیٹے توتال کو ملی۔ اس نے اپنے باپ کی لاش اسی طرح مومیا کر رکھی جیسا اس کے خاندان میں ہوتا چلا آیا تھا اور سلطنت میں اپنے باپ کی روایات وسیاست پر عمل کیا، عمائدین سلطنت کو حسب مراتب عہدے تفویض کیے اور عدل وانصاف کے سلسلے میں اپنے باپ پر بھی بازی لے گیا، رعایا کے ساتھ احسان اور مہر ومروت کا خاص خیال رکھا، داد ودہش میں بھی کوئی کمی نہ آنے دی تاہم اپنے باپ دادا کی حنوط شدہ لاشوں کے لیے جو سونے کے بتوں میں شکل میں بنوا کر مرصع چبوتروں پر رکھی گئی تھیں بطور خاص ایک منتخب مقام پر مختلف رنگ کے پتھروں سے ایک خوشنما ہیکل تعمیر کرایا، اس میں عبادت خانہ بنوایا اور اس کے گردوپیش سبزہ اور پھولوں کی کیاریاں لگوائیں نیز ہیکل کی عمارت میں روشنی اور ہوا کے لیے متعدد روشندان وہوادان رکھوائے، نیز اس نے مذہب وسیاست اور عقل وحکمت کے امتزاج سے سلطنت کے نظام کے لیے ایک بالکل نیا خاکہ تیار کرایا۔ اس نے بت پرستی کی جگہ خالق حقیقی کی عبادت کا طریقہ رائج کیا لیکن اس میں رکوع وسجود کے اوقات ستاروں کی گردش کی نسبت مقرر کیے۔ اس نے جہاں مردوں کے لیے قوانین بنائے اور ان پر ان قوانین کی پابندی لازم قرار دی وہیں عورتوں کے لیے کچھ الگ قوانین بنا کر انہیں ان کا پابند بنایا نیز دستور سلطنت میں ان کے حقوق کی وضاحت کی اس کے علاوہ اس کے زمانے میں عورتوں کی شادی کے قوانین رائج کیے گئے۔ مردوں کی طرح ان کی بے راہ روی شلاً زنا وغیرہ پر سزائیں مقرر کیں تاکہ ان کی اولاد صحیح النسب ٹھہرے۔ اسی وجہ سے اس کا دور سلطنت بڑا پُر امن اور مستحکم رہا۔ اس کی عمر تقریباً ۱۵۰ سال ہوئی۔ اس کے انتقال کے بعد اس کی قوم نے اس کے باپ دادا کی طرح اس کی لاش کو حنوط کروایا۔ اس کا ایک طلائی بت بنوایا اس کا پائدان جواہرات سے مرصع کیا۔ اس کے لیے ایک بہت ہی خوب صورت ہیکل تیار کرایا گیا جس کی چھت آسمان کی طرح جواہرات کے ذریعہ مصنوعی ستاروں سے مزیّن کی گئی اور اس کے نیچے اوپر آسمان کی طرح سات حصوں میں تقسیم کر کے ان میں بلحاظ عرشی بلندی ستارے بنائے گئے۔ نیز اس کی وفات کے دن کو اس ہیکل میں ہر سال بڑے اجتماعات وعبادت کے لیے مخصوص کیا گیا لیکن توتال کے دور سلطنت کے بعد اس کی قوم طریق عبادت کے لحاظ سے عربوں کے زمانۂ جاہلیت کی طرف پلٹ گئی۔ اس نے خانہ کعبہ کی طرز پر ایک مرکزی ہیکل تعمیر کرا کے اس میں مختلف دیوتاؤں کے نام سے منسوب کر کے لاتعداد مورتیاں

رکھ لیں، ہندوستان کی طرح حیوانات کا ذبیحہ ممنوع قرار دیا اور صرف اسی وجہ سے ان میں اور قدیم ترکوں میں متعدد لڑائیاں بھی ہوئیں۔ تعدد ازدواج پر بھی پابندی لگا دی، ایک ذات کی شادی دوسری ذات میں ممنوع قرار پائی اور اس کی وجہ صحت انساب بتائی گئی۔

اہل چین کے عادات و خصائل

چینی لوگ اہل عرب کی طرح شعوب و قبائل میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ تقسیم ان میں انساب کے لحاظ سے ہے اور یہی سلسلہ ان کے حق میں مراعات اور حفظ مراتب کا بھی ضامن ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نسبی لحاظ سے عابور سے قریب تر ہیں اور پچاس نسلوں کے بعد دریا پہلے) ان کا سلسلہ نسب عابور سے جا ملتا ہے ان کا سلسلۂ ازدواج بھی اسی نسبت سے چلتا ہے یعنی ایک مرد کی شادی یا نواس کے اپنے ہی قبیلے میں جو نسبی اعتبار سے اس قبیلے کے قریب ترین ہو گا مثلاً مُضر قبیلے کے لوگ زیادہ سے زیادہ قبیلہ ربیعہ میں شادی کر سکتے ہیں اور اس کے برعکس قبیلہ ربیعہ والے قبیلہ مضر میں۔ یہ شرط نسلی تحفظ کے لیے رکھی جاتی ہے تاکہ ان کے مرد جسمانی ساخت اور توانائی کے لحاظ سے اپنے بزرگوں پر جائیں۔

چینیوں میں یہ عادات و خصائل، ان کے بزرگوں کا عدل و انصاف اور تحفظ انساب کے پیش نظر مذکورہ بالا اصول و شرائط دو سو چونسٹھ (۲۶۴ھ) کے آخر تک چلتے رہے لیکن اس کے بعد ان میں کچھ مفسد لوگ آملے اور اب وہی نیک خصائل چینی بہت کچھ بدل چکے ہیں یہاں تک کہ ان کی قدیم عادات کی جھلک بھی سال رواں یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں مشکل ہی سے ملے گی۔ معلوم ہوا ہے کہ ان کے ایک حکمران نے اپنے اسلاف کے علی الرغم مفسدوں اور اشرار کے مشوروں سے ایک بڑا لشکر جمع کر کے اِدھر اُدھر حملے شروع کر دیے اور ہزاروں شہر اور بستیاں تباہ کر ڈالیں اور بہت کم لوگ ان کے قتل و غارت سے بچ سکے، جو بھاگ نکلے وہ بھی کہیں نہ کہیں یا تو سمندروں میں غرق ہو گئے یا فقر و فاقہ کی بدولت مر کھپ گئے۔ اس حکمران اور اس کے لشکر کی لوٹ مار سے ایک نہایت عظیم اور متمدن شہر "خانقو" بھی تباہ و برباد ہو گیا۔ اس شہر کے لوگ بحرین کے راستے کشتیوں اور چھوٹے جہازوں کے ذریعہ مسلم علاقوں، عمان، بصرہ تک اپنا تجارتی مال لے جاتے اور وہاں کا مال اپنے ہاں لاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سمرقندی تاجر خانقو کے راستے سے چینی حریر و ریشم اور دوسری نادر اشیاء جب بحرین لے جا رہا تھا تو وہ منضبط کر لی گئیں اور اسی طرح مسلم علاقوں سے لایا ہوا مال بھی چھین لیا گیا۔ ان چینیوں میں جتنی نسل کے لوگوں کے علاوہ وہ تاتاری بھی تھے

جن کا حکمران عظیم خاقان کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو آسمان سے اُترے ہوئے اور اس کے پروردہ کہتے تھے اور اپنا روحانی سلسلہ اسی سے قائم کرتے تھے۔ اس جہالت اور اُجڈپن کا سلسلہ ان میں صدیوں تک چلتا رہا۔

اس قدیم نسل کے حکمران کا نام یانشو تھا جس نے گردوپیش کی جملہ حکومتوں کو اپنے زیرنگیں کرکے ان کے خزائن و اموال پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ پھر اس جنگجوئی کی عادت کے بدولت ان میں باہمی پھوٹ بھی پڑ گئی ورنہ انہوں نے اس سے قبل دارا ابن دارا پر فتح حاصل کر کے فارس تک پر قبضہ جما لیا تھا لیکن اب ان کے ظلم و جبر سے نہ خراسانیوں کو کہیں پناہ تھی نہ عراقیوں کو۔ ویسے اس سے بہت قبل سکندر بن فیلقوس یونانی نے بھی ساری دنیا کو فتح کرنے کے شوق میں مغرب سے مشرق تک بہت سے ممالک روند ڈالے تھے اور اب یہ چینی بھی اپنے آبا و اجداد کے عمدہ خصائل اور عدل و انصاف سے روگردانی کر کے سکندر یونانی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن انہیں جابر و ظالم اور جاہل و خونخوار لوگوں میں یکایک ایک انقلاب آیا جس کا ذکر مجھ سے ابو زید حسن بن یزید سیرافی نے کیا۔ یہ شخص درحقیقت بہت پڑھا لکھا اور شریف و سنجیدہ آدمی تھا جو سیراف سے بصرہ منتقل ہو گیا تھا۔ اس نے ابوزید ابن عمر بن زید بن محمد بن مُزد بن سیاسار سیرافی کے بارے میں مجھ سے ۳۰۳ ہجری میں یہ واقعہ بیان کیا تھا اس نے کہا تھا کہ یہ ابوزید ابن عمر بن زید بن محمد بن مُزد سیاسیار سیرافی بصرے سے کچھ قیمتی مال لے کر چین گیا تھا۔ اس وقت وہاں کے مشہور شہر حمدان کا جو حکمران تھا وہ بھی اپنے قریبی زمانے کے اسلاف کا پیرو تھا۔ اس نے نہ صرف سارے چین بلکہ عمان و سیراف سے لے کر عراق بلکہ جملہ رومی و ترکی علاقے فتح کر ڈالے تھے۔ حمدان بڑا پُر رونق شہر تھا اس کے گردوپیش کی بستیاں اور ان کے گلی کوچے نیز بازار گہما گہمی کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، سارے ملک میں نہروں کا جال پھیلا ہوا تھا اور ہر طرف سرسبزی و شادابی نظر آتی تھی، اجناس اور دیگر غذائی چیزوں کی کثرت تھی۔ اب تک اہل چین کسی قدر متمدن دنیا سے روشناس ہو چکے تھے تاہم ان میں فطری و جبلّی خونخواری ہنوز برقرار تھی۔ ابوزید ابن عمر جب اپنا مال لے کر حمدان پہنچا تو اسے وہاں کے حکمرانوں کے سامنے پیش کیا گیا، اس کا سارا مال ضبط کر لیا گیا بلکہ اسے کوڑے تک لگائے گئے، لیکن اس نے صبر کیا اور آہ تک نہ کی یہ دیکھ کر اس حکمران نے ترجمان کے ذریعہ اس کا حسب و نسب دریافت کیا، "یہ صبر و ضبط، یہ تحمل و بردباری اور یہ ثبات و استقامت تجھ میں کہاں سے آیا؟ کیونکہ اب تک میں یہودیوں اور

نصرانیوں کو بلا استثناء اپنے سامنے لرزتے کانپتے، چیختے چلاتے اور گریہ وزاری کرتے دیکھا ہے۔" ابوزید ابن عمر نے بڑے تحمّل سے کہا: "اگرچہ میں بھی نسلاً سامانی ہوں لیکن جب سے خدا کے پیغمبر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عرب میں ظہور ہوا اور آپ کی ہدایت پا کر ہم نے بُت پرستی اور زمانہ جاہلیت کی جملہ وحشیانہ عادات و رسوم ترک کر دیں اور اسلام لانے کے بعد ہر بُرائی سے توبہ کر لی۔ میری جن صفات پہ آپ کی نظر گئی وہ ہماری مذہبی تعلیمات کا نتیجہ ہیں۔" یہ سُن کر وہ جابر و ظالم اور وحشی و خونخوار انسان جو اس وقت اکثر خطۂ زمین کا مطلق العنان فرمانروا تھا کچھ دیر خاموش رہا اور پھر ایسا متاثر ہوا کہ اس نے ابوزید ابن عمر کا نہ صرف مال واپس کر دیا بلکہ اسے کافی انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا، پھر اس نے فارس، ہندوستان اور عراق وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کا ثبوت دیا۔

اہل چین کی حذاقت

اہل چین نے نقّاشی و صنعت گری میں جو کمال حاصل کیا ہے وہ بنی نوع انسان میں آج تک کوئی حاصل نہ کر سکا۔ ان میں ایک شخص ایسا ہے جو اپنے ہاتھ سے وہ چیزیں بناتا ہے جو دنیا بھر میں کوئی دوسرا نہیں بنا سکتا۔ اس نے اپنے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کی تیار کردہ اشیاء شاہی محل کے صدر دروازے پر نصب کی جائیں اور اعلان کیا جائے کہ اگر کوئی شخص ان میں کسی خامی کی نشاندہی کر سکتا ہو تو کرے لیکن اب تک ایک شخص بھی ایسا نہ کر سکا۔ ایک اور شخص نے جامۂ حریر پہ سنبل کا درخت بنایا اور اس کی شاخوں پہ مصنوعی چڑیا یا اس طرح بیٹھی ہوئی دکھائیں کہ ہر دیکھنے والا سنبل کے مصنوعی درخت کو اصلی درخت اور اس کی شاخوں پہ بیٹھی ہوئی مصنوعی چڑیوں کو اصلی چڑیاں سمجھتا ہے۔ بادشاہ نے ایک کامل الفن مصوّر کو بھی یہ حریری پیس دہ ایسی جگہ لٹکا کر دکھایا کہ وہ بظاہر باغ کا ایک حصہ معلوم دیتا تھا لیکن وہ مصوّر بھی دھوکا کھا گیا اور وہ انھیں یعنی درخت اور چڑیوں کو اصلی سمجھا۔ اس پہ بادشاہ نے مذکورہ بالا نقاش کو اتنے بڑے انعام سے نوازا جس کا وہ تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کسی فن کار کے تخلیقی کام کی قدر دانی کی انتہا ہے۔

ہم نے اس قبیل کے چینی عجائبات کا تفصیلی ذکر کچھ اپنی پہلی کتاب "اخبار الزماں" میں اور باقی اپنی دوسری کتاب "کتاب الاوسط" میں کیا ہے۔ یہاں نمونۃً یا مثالاً صرف دو کامل الفن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

جملہ سمندروں، ان کے گردوپیش کے عجائبات، اقوام، مراتب الملوک، اندلس اور اس کے معاون وغیرہ کا تفصیلی بیان

ہم نے زیرِ نظر کتاب کے ایک پچھلے باب میں اتصال و انفصال کی نسبت سے دُنیا کے جملہ سمندروں کا صرف ترتیب وار ذکر کیا ہے۔ اس باب میں ہم ان کے گردوپیش کے عجائبات، ان کے قرب و جوار میں بسنے والی اقوام، ممالک اور ملوک وغیرہ کا ذکر کریں گے اور اس کی ابتدا بحرِ حبشی کے قرب و جوار کے حالات و کوائف سے کی جا رہی ہے۔

بحرِ ہند و چین و فارس کا تلاطم اور سکون

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہندوستان، چین اور ایران کے سمندروں کے پانی ایک دُوسرے سے متصل اور غیر منفصل ہیں اور ان کا اختلاف مذکورہ بالا سمندروں کی تلاطم و سکون کی کیفیات کی بنا پر ہے۔ ان سمندروں میں تلاطم اور سکون کے لحاظ سے یہ اختلافات ان ممالک کے موسموں اور ہواؤں کے تغیرات کی وجہ سے ہیں۔ اس کے علاوہ ان سمندروں کی یہ کیفیات اور سکون و ہیجان کی ایک وجہ سُورج کے ایک بُرج سے دُوسرے بُرج میں منتقل ہونے سے منسلک ہے۔ ان سمندروں میں کشتی رانی کرنے والے کچھ ملاح ان باتوں سے واقف ہیں اور جو ناواقف ہیں انہیں متعلقہ سمندروں میں اچانک آنے والے طوفانوں کا مقابلہ اور اکثر و بیشتر ان کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ ناواقفیت کی بناء پر وہ نہیں جانتے کہ سورج جب سنبلہ میں داخل ہوتا ہے یا استوائے خریفی کے قریب ہوتا ہے یا برج حوت کی طرف منتقل ہونا شروع کرتا ہے یا سنبلہ کی طرف لوٹتا ہے یا جوزاء میں ٹھہرتا ہے یا قوس میں ہوتا ہے تو متعلقہ سمندروں میں کیا تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔ ان ملاحوں کو یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ بحرِ چین سے بحرِ ہند تک اور بحرِ ہند سے بحرِ فارس تک کتنا فاصلہ ہے لیکن جن باتوں کا ہم نے سطور بالا میں ذکر

کیا یا ان کا ذکر ابومعشر المنجم نے اپنی گراں قدر کتاب "مدخل الکبیر الی علوم النجوم" میں کیا ہے ان سے جو ملاح ناواقف ہوتے ہیں وہی مصائب کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم عربوں کے موسمی تغیرات کے مقابلے میں چین اور فارس کے موسم الگ ہوتے ہیں، مثلاً ان اطراف میں مسلسل بارشوں کا موسم جب ہمارے ہاں موسم خشک ہوتا ہے، یہی حال سردی، گرمی اور خزاں یا بہار کے موسموں کا ہوتا ہے، جو علاقے بحر ہند و سندھ سے متصل ہیں وہاں کے موسم یکساں ہوتے ہیں لیکن فارس اور اس سے آگے کے علاقوں کے موسم ان سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ان موسموں کے قرب و بعد کی ایک وجہ ان علاقوں سے سورج کا مختلف اوقات میں قرب و بعد بھی ہے۔ ہم اپنی پچھلی دو کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ بحر فارس، بحر حبشی میں بلاد خارک تک اور قطر، عمان، سراندیپ (سیلون) وغیرہ کے سمندروں میں غوطہ خوری اور موتی نکالنے کے موسم کون کون سے ہیں اور یہ کہ وہاں کے سمندر کن موسموں میں موتیوں سے پُر اور کن موسموں میں ان سے خالی ہوتے ہیں، نیز یہ کہ ان سمندروں سے برآمد ہونے والے سیپ کن دنوں میں موتیوں سے پُر ہوتے ہیں اور کن ایام میں کبھی گوشت اور کبھی صرف چربی نکلتی ہے۔ ہم اپنی پچھلی دو کتابوں میں غوطہ خوروں اور ان حضرات کے استفادے کے لیے جو سمندروں سے موتیوں کے علاوہ دوسرے سمندری خزانوں اور ذخائر سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ...... یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ صرف کن اوقات میں سمندر کی بالائی سطح کے قریب ہوتے ہیں اور کب اور کیوں ان کی گہرائیوں میں چلے جاتے ہیں نیز یہ کہ غوطہ خوروں کو خطرناک مچھلیوں کے علاوہ کن سمندری دواب اور دیگر حیوانات سے بچنا چاہیے اور یہ کہ کن کن سمندروں کی گہرائی میں نباتاتی جال پھیلے ہوئے ہیں جن میں ایک بار پھنس کر ان کے لیے جان چھڑانا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا حالانکہ یہی نباتات بنی نوع انسان کے لیے غذائی اشیاء فراہم کرنے کے علاوہ طبی لحاظ سے کن فوائد کی حامل ہیں۔ یہاں ہم بالاختصار مذکورالصدر سمندروں کا ذکر کر رہے ہیں۔

سب سے پہلے اس سمندر کو لیجیے جو بصرہ وابلہ کے متصل ہے اور یہی وہ سمندر ہے جو نواح بصرہ تک بحرین کہلاتا ہے۔ دوسرا سمندر "لاروی" ہے جس کے اطراف میں میمور، سوبارہ، تابہ، سندان، اور کنبایہ کے شہر آباد ہیں۔ اس کے بعد "بحر کردنج" ہے، پھر "بحر صنف" پھر بحر چین ہے جسے "بحر صنجی" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد کوئی سمندر نہیں ہے۔ بحر فارس جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں وہ بصرے کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے، وہیں "کلفا" نامی مشہور جگہ ہے یہاں سے عمان تک جو ۳۰۰ فرسخ کا فاصلہ ہے اس پر جگہ جگہ کشتی رانوں کے لیے علامات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اسی

راستے میں بحرین کا شہر، عمان کا قصبہ سنجار اور فرس جسے "مزون" بھی کہتے ہیں، نیز مسقط تک اور کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں آتی ہیں۔ مسقط ہی وہ مقام ہے جہاں سے اس سمندر میں سفر کرنے والے ملاح اور دوسرے لوگ میٹھا پانی لے کر ذخیرہ کر لیتے ہیں تاکہ آگے سفر میں راس الجمجمہ تک اس کی تکلیف نہ اٹھانا پڑے۔ مسقط سے راس الجمجمہ کا فاصلہ ۵۰ فرسخ ہے، یہ بحر فارس کی حد ہے۔ بحر فارس کا مجموعی طول ۴۰۰ فرسخ لیکن راس الجمجمہ ہی مسافروں اور ملاحوں کی منزل ہوتی ہے۔ راس الجمجمہ سرزمین شحر و احقاف میں یمن کے پہاڑی علاقے کے نشیب میں ہے جس کی گہرائی کسی کی واقفیت سے باہر ہے، خدا ہی جانے کہ اس کی تہہ تک کتنی گہرائی ہے۔ جب ہم نے دنیا کے بری علاقوں کا ذکر کرتے ہوئے ارض روم کے پہاڑی علاقوں کا ذکر کیا تھا کہ اس کے نشیب میں جزیرہ قبرص کے متصل جو سمندر ہے اس کی گہرائی اندازاً کتنی ہے۔ اس سمندر میں چونکہ پہاڑی چٹانیں بھی ہیں اس لیے اس سے گزرتے ہوئے پہلے اکثر کشتی میں سفر کرنے والے ملاح اور دوسرے مسافر ان چٹانوں میں پھنس کر غرق ہو گئے تھے۔

اب ہم دوسرے سمندر کا ذکر کرتے ہیں جو "لاروی" کے نام سے مشہور ہے۔ بحرین سے اس کی مسافت کہیں تین مہینے کی ہے، کہیں دو مہینے کی اور کہیں صرف ایک مہینے کی، لیکن ان سمندر کے ٹکڑوں کی گہرائی بھی کسی کو معلوم نہیں۔ یہاں کشتیوں کے سلامتی سے گزر جانے کا انحصار بادِ موافق پر ہوتا ہے جو معرض اشتباہ میں ہوتی ہے، دوسری صورت میں بحر حبشی کے برعکس بحر لاروی میں ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ ویسے اپنی جگہ یہ سمندر شدید طور پر طوفانی نہیں ہے۔ بحر لاروی کے عرضی علاقے میں بحر زنج اور اس کے ساحلی علاقے کی بستیاں بھی ہیں۔ اس سمندر یعنی بحر لاروی میں عنبر بہت کم ہوتا ہے کیونکہ عنبر کی کثرت اگر کہیں ہے تو وہ صرف بحر زنج کے علاقے میں یا سرزمین عرب کا ساحل شحر کے باشندے کچھ قضاعتی ہیں اور کچھ اہل عرب لیکن موخر الذکر لوگوں کی عربی زبان بھی عرب کے اصلی باشندوں سے مختلف ہے۔ یہ لوگ "مہرہ" کہلاتے ہیں اور عربی میں کاف کی جگہ شین بولتے ہیں مثلاً اگر "معک" (آپ کے ساتھ) کہنا ہو تو یہ لوگ اس کی جگہ "معش" کہیں گے۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری گفتگو میں بھی اہل عرب کے لیے اجنبیت پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ معاشی طور پر بھی تنگدستی اور افلاس کا شکار ہیں۔ یہ لوگ ایک خاص قسم کی کشتی بناتے ہیں جسے "نجب" کہا جاتا ہے، یہ بڑی تیز رفتار ہوتی ہے ویسے جب یہ لوگ اپنے سمندر کے ساحلی علاقوں سے عنبر جمع کر کے ان میں لادتے ہیں تو اس کی مقدار اکثر اتنی ہوتی ہے کہ اس کے بوجھ سے ان بے چاروں کی کشتیاں گہرے پانی میں پہنچ کر اکثر و بیشتر غرق ہو جاتی ہیں۔ یہاں جو عنبر ملتا ہے وہ میری نظر سے گزرا ہے، وہ گولوں کی شکل میں اور گول تھی

رنگ کی عجیب نادر چیزیں ہوتی ہیں۔ ان ساحلی علاقوں کی مچھلیاں اکثر عنبر نگل لیتی ہیں اور گہرے پانیوں میں چلی جاتی ہیں لیکن غوطہ خور وہاں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر جال پھیلاتے اور انھیں پکڑ لاتے ہیں اور پھر ان مچھلیوں کا پیٹ چاک کر کے عنبر نکالا جاتا ہے بلکہ کبھی کبھی ان مچھلیوں کے پیٹ سے کبھی صرف چھوٹی مچھلیاں ہی نکلتی ہیں جس کی وجہ سے یہ مچھیرے اکثر تنگدست رہتے ہیں۔ بہرحال ان مچھلیوں کے گوشت اور چربی ہی سے سہی بحر ہند و فارس کی طرح روزی کا کچھ نہ کچھ سامان فراہم ہو جاتا ہے۔ بحر ہند اور تیسرے سمندر کے درمیان جسے "بحر ہرکند" کہا جاتا ہے بے شمار جزیرے ہیں۔ کچھ لوگ ان جزیروں کی تعداد ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن ان جزائر کی صحیح تعداد ایک ہزار نو سو ہے اور وہ سب کے سب آباد ہیں۔ ان جزائر پر عورتیں حکومت کرتی ہیں اور یہاں کسی مرد کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ یہ بات عجیب و غریب سہی لیکن حقیقت یہی ہے۔ ان جزیروں کا درمیانی فاصلہ کہیں ایک فرسخ، کہیں دو فرسخ اور کہیں تین فرسخ ہے۔ ان جزیروں میں سے ہر جزیرے پر ناریل کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان جزیروں پر ناریل کے درختوں کا پایا جانا حیرت انگیز ہے لیکن قدرت کے نزدیک کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔ اغلب یہ ہے کہ بحر ہند کے چوپایوں نے کبھی اس کے ساحلوں پر پیدا ہونے والے ناریل کے درخت اور ان کے پھل کھائے ہوں گے اور وہ جب سمندر میں طغیانی یا اس طرف بہاؤ کی وجہ سے اس سمندر میں آئے ہوں گے جو ان جزیروں کے نشیب میں تھا تو لامحالہ کچھ نیچے کناروں سے ان جزیروں پہ آ گئے ہوں گے اور خوراک کی نایابی کی وجہ سے یہیں مر کھپ گئے ہوں، پھر ان کی کھاد سے کچھ پودے پھوٹے ہوں گے قدرتی طور پر جو نشو و نما پاکر تناور درخت بن گئے ہوں گے۔ بہرحال جو صورت ہوئی ہو ان جزیروں کی آبادیوں کی گزر بسر انھیں درختوں کے پھلوں پر ہے یا مچھلیوں پر لیکن اسے کرشمۂ قدرت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ عورتوں کے ان جزیروں کی حفاظت کے لیے نہ جیوش ہیں نہ کچھ اور۔ یہ عورتیں وہاں کب اور کیونکر پہنچیں اور ان کا نظام حکومت کیا ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

آب و ہوا کے اثرات

آب و ہوا کے اثرات پر ہم اپنی کتاب "القضایا والتجارب" میں مفصل گفتگو کر کے بتا چکے ہیں کہ بنی نوع انسان کے علاوہ حیوانات و نباتات تک پر آب و ہوا کے اثرات کیا ہوتے ہیں اور مثال کے طور پر ترکوں کے اعضا و جوارح، ان کی اعصابی قوت اور ان کا رنگ پیش کر چکے ہیں۔ جس سمندر کا اس وقت ہم ذکر کر رہے ہیں اس کے گردوپیش کی آبادیاں بھی مقامی آب و ہوا سے متاثر ہوئی ہیں اور یہیں کا کیا ذکر ہے ساری دنیا میں مشرق سے مغرب تک ہر خطۂ ارضی میں مقامی آب و ہوا کے اثرات کا اندازہ وہاں کے باشندوں کے قد و قامت اور

چہرے مہرے سے لگایا جا سکتا ہے۔یہاں کے باشندوں کے قد و قامت اور چہرے مہرے پر بھی مقامی آب و ہوا کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ویسے یہاں کوئی قابل ذکر صنعت بھی نہیں ہے لیکن یہاں سے جزیرۂ سراندیپ تک درخت خوب پھلتے پھولتے ہیں۔جزیرۂ سراندیپ ان جزائر کی آخری حد پر واقع ہے اور وہاں سے رابین تک تقریباً ایک ہزار فرسخ کا فاصلہ ہے لیکن جن جزائر کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہاں سے اور جزیرۂ سراندیپ سے رابین تک اہل زنج کے ذریعہ ناریل کی حمل و نقل کثرت سے ہوتی ہے، ویسے رابین میں سونے کی کانیں کثرت سے ہیں اور وہاں مال و دولت کی بھی کثرت ہے لیکن وہاں بھی ہزار طرح کے استعمال کے لیے ناریل اور عنبر یہیں سے جاتا ہے۔اس کی سرحد بلاد فنفصو سے ملتی ہے جہاں کافور پایا جاتا ہے۔کافور کی اتنی کثرت سے دستیابی کی بنیاد وہاں زلزلوں کی کثرت اور اس خطہ ارضی پر آسمان سے بجلی کا کثرت سے گرنا بتایا جاتا ہے۔فنفصور کا علاقہ چونکہ اشجار سے محروم ہے اس لیے وہاں کے باشندوں کی گذر بسر کا فور کی برآمد کے علاوہ اس ناریل پر ہے جو جزیرہ سراندیپ اور ان جزائر سے منگایا جاتا ہے۔یہ ناریل اکثر ناریل سے تبادلے کے طور پر درآمد کیا جاتا ہے۔اگرچہ اس علاقے کے باشندوں کی زیادہ تر خوراک ناریل ہی ہے لیکن وہ کبھی کبھی انسان کا گوشت بھی کھانے لگتے ہیں۔اس علاقے سے سونے کے علاوہ بقم اور خیزران نیز دیگر خوشبودار چیزیں بھی جن کے نام ہمیں معلوم نہیں باہر بھیجی جاتی ہیں۔اس جزیرے کے قریب ایک اور جزیرہ یا جزائر کا مجموعہ نجالوس (رحابوس) ہے جہاں کے باشندے بڑے عجیب الخلقت ہیں۔جب کوئی کشتی ان کے کسی ساحل سے آکر لگتی ہے تو وہ ناریل اور عنبر لے کر دوڑ پڑتے ہیں اور ان کے بدلے میں حریر اور دوسرے کپڑے حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس درہم و دینار ہوتے ہی نہیں جو وہ ان کشتی والوں کو دے سکیں۔ان جزائر کے قریب ایک جزیرہ اندمان (انڈمانؔ) کے نام سے موسوم ہے وہاں کے باشندے انتہائی کالے کلوٹے اور بدصورت ہوتے ہیں۔ان کا قد بھی ایک گز سے زیادہ نہیں

لے ہندوستان پر برطانوی حکومت کے زمانے میں یہ جزیرہ بھی ہندوستان کے برطانوی مقبوضات میں شامل تھا اور وہاں ہندوستان سے وہ قیدی بھیجے جاتے تھے جنہیں عمر قید کی سزا دی جاتی تھی اور اس سزا کو "سزا لعبور دریائے شور" کہا جاتا تھا۔واضح رہے کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحومؒ اور کچھ دوسرے سیاسی قیدیوں کو بھی وہاں بھیجا گیا تھا لیکن کچھ مدت بعد سیاسی مصالح کی بنا پر انہیں رہا کر دیا گیا تھا (مترجم)

ہوتا، اسی طرح عقل و شعور کے لحاظ سے بھی وہ گئے گزرے ہیں اور ان کے قدم بھی ان کے قد کے لحاظ سے اٹھتے ہیں۔ ان کے پاس اپنی کشتیاں بھی نہیں ہیں۔ ان میں سے جو شخص سمندر میں ڈوب کر مرجاتا ہے وہ اسے کھا لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ کبھی کبھی ان کشتی والوں پر بھی ہاتھ صاف کر جاتے ہیں جو بھولے بھٹکے ان کے ساحلی علاقے میں آنکلتے ہیں۔ مجھ سے سیاحوں کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ انہوں نے اس جزیرے کے قریبی سمندر پر ایک سفید بادل دھواں بن کر لاٹ کی شکل میں اترتا دیکھا اور جب وہ آسمان کی طرف پلٹا تو اس کے ساتھ سمندر سے موجیں اٹھیں جن میں سمندر کی بہت سی اشیاء تھیں پھر وہی دھواں انھیں سمندر پر بارش بن کر بکھیر گیا۔

بحر کلاہبار

جملہ سمندروں کی تعداد اور ان کے ترتیب وار نام ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ ان میں چوتھا سمندر بحر کلاہبار ہے۔ اس سمندر کی گہرائی بہت کم ہے اور اسی نسبت سے اس میں قلت آب بھی ہے اور جس سمندر میں یہ دونوں باتیں ہوں وہاں آفات کی شدت اور حیاتتوں کی کثرت ایک لازمی امر ہے۔ بہر نوع اس سمندر میں بھی بہت سے جزیرے ہیں جن میں سے ایک کا نام "صرو" ہے۔ اس جزیرے کا نام ان ملاحوں نے رکھا ہے جو خلیجیں سے آتے ہوئے اس سمندر سے گزرتے ہیں اور ان کے راستے میں پہلا جزیرہ یہی آتا ہے۔ ویسے جیسا ہم نے ابھی عرض کیا اس سمندر میں جزیرے تو بہت ہیں اور کچھ عجیب و غریب پہاڑ بھی ہیں لیکن یہاں ہم نے ان کی تفصیلات کو بخوف طوالت عمداً صرف نظر کر دیا ہے۔

بحر کردنج

ہماری پیش کردہ ترتیب کے لحاظ سے پانچواں سمندر بحر کردنج ہے جو ان اطراف میں اسی نام سے مشہور ہے۔ اس سمندر میں بھی پہاڑ اور جزیرے بہت سے ہیں جن میں کافور بھی پایا جاتا ہے۔ یہاں جو قوم آباد ہے اسے مقامی زبان میں "فنجب" کہتے ہیں۔ جب یہ لوگ کشتیوں کو اس طرف سے گزرنے کی اجازت بھی دے دیتے ہیں تو کشتی والوں کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ان پہاڑوں میں چاندی سونے کی کانیں ہیں اور رصاص کی بھی جو چاندی سے مشابہ ہوتا ہے اور اسے سفید سونا کہا جاتا ہے۔

بحر صنف

بحر کردنج کے متصل بحر صنف ہے۔ اس میں بھی بہت سے جزیرے ہیں جنہیں ہم نے یونہی سا دیکھا ہے۔ ان جزائر کا حکمراں "ملک الجزائر" کہلاتا ہے۔ اس کے حفاظتی لشکر کا ہمیں کچھ اندازہ نہیں ہوسکا، ویسے بھی اس کے مقبوضات میں نظم و ضبط کی کمی ہے۔ یہاں کشتیوں میں سفر کرنے والوں کا داخلہ ممنوع ہے اس لیے یہاں سے برسوں کوئی سفری کشتی نہیں گزرتی یہاں سے جو خوشبودار چیزیں مثلاً کافور، عود، صندل، جوز، البسباسہ، کبابہ وغیرہ باہر جاتی ہیں وہ باقاعدہ

اجازت اور تجارتی معاہدوں کی بنیاد پڑ جاتی ہیں۔ یہاں سے بحر چین تک بے شمار جزیرے ہیں۔ ان جزیروں میں جو اقوام آباد ہیں ان کی صورتیں عجیب اور رنگ جُدا جُدا ہیں۔ ان کی آوازیں بھی عجیب وغریب ہیں۔ جہاں تک ان کے بالوں کا تعلق ہے وہ انھیں سر سے دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں طرف چھوڑ لیتے ہیں، بالوں کی طرح ان کی عقل بھی منقسم معلوم ہوتی ہے۔ یہ جزیرے جو اس سمندر سے بحر چین کی حد تک ہیں ان کا شمار اور ان کی حدود کا پتہ لگانا ناممکن ہے۔ ان کے پہاڑوں سے رات دن آگ اُبھرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کے دن بھی رات کی طرح تاریک ہوتے ہیں لیکن وہاں کے پہاڑوں سے جو شعلے بلند ہو کر آسمان تک جاتے ہیں انہیں کو روشنی کا ذریعہ سمجھ لیجیے۔ کہتے ہیں جب ان کا کوئی حکمران مرنے کے قریب ہوتا ہے تو ان پہاڑوں سے بادلوں کی گرج کی طرح آوازیں آتی ہیں جو بڑی ہیبت ناک اور بلند ہوتی ہیں مگر کسی امیر آدمی کی موت کے وقت یہ آوازیں ہلکی ہوتی ہیں، کہتے ہیں کہ ایک زمانے سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان جزائر کے قریب ایک جزیرہ ایسا بھی ہے جہاں سے ہر وقت بڑی دل آویز گانے اور رقص وسرود کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ قریبی جزائر کے باشندوں کا خیال ہے کہ اس جزیرے پر دجال کی حکومت ہے اور وہ خود بھی وہیں مقیم ہے۔ ویسے مذکورہ بالا جزائر سب کے سب مہراج کی ملکیت ہیں اور وہی ان سب کا واحد حکمران ہے۔ اس سمندر میں جزائر کی مسافت ایک سرے سے دوسرے سرے تک تقریباً چار سو فرسخ ہے۔ اس کے آگے جو بستیاں آتی ہیں انھیں میں زانج اور راسی کے جزیرے بھی شامل ہیں لیکن ان آبادیوں کی حدود ان کے باشندوں اور حکمران کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا لیکن یقینی طور پر اس پورے سمندر پر جو بحر صنف اور چھوٹا سمندر ہے مذکورہ بالا ایک ہی شخص کی حکمرانی ہے۔

بحر چین ہماری مذکورہ ترتیب کے لحاظ سے ساتواں سمندر بحر چین ہے جسے عموماً "بحر صنجی" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سمندر تلاطم کی شدت کی وجہ سے بڑا خوفناک وخطرناک سمندر ہے جس میں کشتی رانی قریباً ناممکن ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کی زبانی سُننے میں آیا کہ اس سمندر کے اندر سے کالے کالے آدمی جن کے قد چار چار پانچ پانچ گز تک ہوتے ہیں نکلتے ہیں، وہ سمندر کی تہہ سے کشتیوں میں بیٹھ کر اُبھرتے ہیں۔ اس وقت سمجھ جاتے ہیں کہ اب سمندر میں شدید ترین طوفان آنے والا ہے۔ ممکن ہے یہ ان لوگوں کا صرف واہمہ ہو جو طوفانوں کے خوف سے ہر وقت گھبراہٹ کے عالم میں رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ویسے جن اشکال کو بحر چین کی متصل بستیوں کے باشندے کشتی والے عجیب الخلقت لوگ بتاتے ہیں وہ سُنا ہے ایذا رساں نہیں ہوتے۔ ہمارا قیاس یہ ہے کہ جس طرح

بحر حبشی اور بحر روم سے عجیب و غریب شکلوں کے پرندوں جیسے اجسام جن پر نظر نہیں ٹھہرتی باہر نکل کر سطح آب پر معلق ہوجاتے ہیں وہی حال یہاں کی ان مذکورہ شکلوں کا بھی ہو جنہیں یہ لوگ "اہل المراکب" (کشتی والے) اجنبی بتاتے ہیں - فرق اتنا ہے کہ اوّل الذکر سمندروں میں ایسی بعید الفہم اشکال کے سطح آب سے اُبھر کر ہوا میں معلق ہونے کے بعد تلاطم میں کمی آجاتی ہے مگر اس کے برعکس یہاں ایسی صورت بڑے بڑے طوفانوں کی آمد کا پیش خیمہ ہوتی ہے - بہر حال ان سیرافی اور عمانی ملاحوں سے جو کبھی کبھار اس سمندر سے گزرتے ہیں شدید تلاطم کے علاوہ اور کوئی بات سننے میں نہیں آئی - یہاں کے بعض مقامی باشندے ترک (چینی ترکستان کے لوگ) ہیں ان کا رنگ سفید ہوتا ہے -

میں نے بلخ میں ایک خوبصورت بزرگ کو دیکھا جو بہت ہی عاقل و ذی فہم تھا - وہ چین کے اندرونی علاقوں میں بارہا گیا تھا لیکن اس نے سمندری راستہ اختیار نہیں کیا تھا - میری وہاں کچھ ایسے لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی جو ان علاقوں کے رہنے والے تھے جو علاقہ صغد اور نوشادری پہاڑوں کے قریب ہیں اور جن کی سرحدیں تبت اور چین سے ملی ہوئی ہیں - یہ علاقے رفتہ رفتہ ہندوستان، خراسان، منصورہ، ملتان وغیرہ تک بڑھتے چلے جاتے ہیں اور آگے جاکر زابلستان سے جا ملتے ہیں جو فیروز بن کبک کی ملکیت ہے - وہاں عجیب و غریب قلعے (مقامات) ہیں جہاں تک رسائی ناممکن ہے کہتے ہیں کہ یہاں کے باشندے یافث بن نوح کی نسل سے ہیں لیکن بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ فارس ہی کی قدیم نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں -

تبّت

تبت کا علاقہ چین سے الگ اور کسی قدر امتیازی حیثیت کا حامل ہے ان کی زبان بھی چینی زبان سے الگ ہے - وہاں کے باشندے حمیری یعنی کھلتے ہوئے گندمی رنگ کے ہیں - ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کا ذکر ہم نے ملوک یمن کے تحت اسی کتاب میں کیا ہے - ان میں سے کچھ ایک ہی جگہ رہتے ہیں اور کچھ خانہ بدوش ہیں - ان میں ترکی نسل کے لوگ خال خال ہی ملتے ہیں اور یہی لوگ قدیم زبانوں کی نسلوں سے سمجھے جاتے ہیں - یہ لوگ ترکوں کی جملہ نسلوں میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں - تبت کی آب و ہوا اور پہاڑوں کے عجیب و غریب خواص ہیں - یہاں کے لوگوں کو کسی نے کبھی افسردہ اور غمگین و ملول نہیں دیکھا، بوڑھوں، جوانوں، بچوں اور عورتوں مردوں سب کا یہی حال ہے - وہ ہمیشہ ہشاش بشاش، خوش و خرم، ہنستے مسکراتے، گاتے اور گنگناتے رہتے ہیں یہ شاید ان پہاڑی آبادیوں میں پائی جانے والی ان جڑی بوٹیوں کا اثر ہے جو یہاں ہر جگہ کثرت سے پائی جاتی ہیں - یہاں کوئی مر بھی جائے تو دوسرے تو کیا اس کے لواحقین بھی گریہ و زاری میں مبتلا

نہیں ہوتے بلکہ اسے ایک عمل فطرت سمجھتے ہیں جو عوام و خواص سب کے نزدیک ایک محبوب و مطلوب چیز ہے۔ ان کی جملہ بستیوں کا یہی حال ہے۔ اس کا ثبوت وہاں کے حمیری باشندوں کے اقوال سے بھی ملتا ہے جو دوسروں پر اپنی اس فطری برتری کے گن گاتے ہیں۔ جس طرح مشہور شاعر عرب دعبل بن علی خزاعی نے اپنے قبیلے قحطان کی بنو نزار پر برتری کا ذکر ایک قصیدے میں یوں کیا ہے:۔

"انہوں نے مرو کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے　　اور چین کی بابت جو ہم بھی لکھ چکے ہیں

انہوں نے سہام کا رشتہ سمرقند سے جا ملایا ہے　　اور اب خود تبت سے منسلک ہونے والے ہیں"

ہم ان کے حکمرانوں کا ذکر ملوک یمن کے ذکر کے ساتھ جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا عنقریب کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ یہاں ان علاقوں کے لوگ جو چین میں شامل ہیں بلکہ چین کے ترکستانی علاقوں اور ان کے علاوہ ہندوستان اور خراسان وغیرہ کی نسلیں یہاں کیسے پہنچیں کیونکہ یہاں کے لوگوں کی نسلیں موجودہ باہمی اختلاط کے باوجود مختلف ہیں۔ غالباً ان کے کچھ حکمرانوں نے اپنے بزرگ یمنی حکمرانوں کی طرح اپنی نسل کو "تبع" کہا اور اس نسل کے دوسرے لوگ جب اس طرف منتقل ہوئے تو اپنے قدیم دستور کے مطابق انہوں نے بھی اپنے آپ کو "تبع" کہا جو بگڑ کر بعد میں "تبت" بن گیا اور پھر جائے سکونت کے لحاظ سے وہاں بسنے والے سب کے سب تبع کے تبع تبتی کہلانے لگے اور حمیری زبان میں یہ تغیر زیادہ قرین قیاس ہے۔

مشک کے بارے میں جو بات ساری دنیا میں مشہور ہے وہ یہ ہے کہ اسے غزالوں کے شکم سے نافے کی شکل میں نکالا جاتا ہے لیکن اہل تبت اس کے مبداء کے بارے میں جو اصلیت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ غزالوں کے شکم میں کچھ خون جم کر تکلیف دہ ہونے لگتا ہے تو وہ اسے پتھروں کے درمیان اُگل دیتے ہیں اور راحت محسوس کرتے ہیں۔ ان کا اگلا ہوا منجمد خون ابتدا میں بدبودار ہوتا ہے لیکن دھوپ کی تمازت سے جب پتھر گرم ہو جاتے ہیں تو ان کے درمیان پڑا ہوا وہ خون حد سے زیادہ سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کی بدبو بھی زائل ہو جاتی ہے، پھر اس کے قریب جو خوشبودار پہاڑی بوٹیاں ہوتی ہیں ان سے مل جل کر اس میں مہک پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل تبت اسے بڑے شوق سے جمع کرتے ہیں اور بیش قیمت چیز سمجھ کر محفوظ کر لیتے ہیں اور صرف خاص خاص لوگوں کو دیتے ہیں یہی وہ اصل اصلی مشک ہے اور وہ جب چین پہنچتا ہے تو وہاں بھی اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہاں کے بادشاہ اسے اپنے احباب اور مہمانوں کو تحفے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بہرحال یہ تبت والوں کا بیان ہے جب کہ ہمارے خیال میں اصلی مشک وہ ہے جو نافے سے برآمد ہوتا ہے۔ جیسے پھل

درخت پر پختہ ہو کر ہی اچھے اور لذیذ ہوتے ہیں ورنہ پکنے سے پہلے توڑ لیے جائیں یا ہوا سے گر جائیں تو ناقص رہ جاتے ہیں انہیں پال میں رکھ کر پکانے سے ان میں اصلی لذت کی تلاش خلاف عقل ہے اسی طرح غزالوں کا تازہ خون کسی وجہ سے باہر آ جائے تو مصنوعی اور غیر فطری اسباب سے اس میں وہ خاصیت اور خوشبو کب پیدا ہو سکتی ہے جو مشک نافہ میں تکمیل پا کر اس کا امتیاز بنتی ہے۔

تبت کے علاوہ میں نے چینی، ترکی، ہندی اور زنجی بلکہ جملہ اطراف واکناف عالم کے بادشاہوں کو بابل کے بادشاہ کا احترام اور تعظیم سے نام لیتے دیکھا ہے اور انہیں یہ کہتے سنا ہے کہ وہ (شاہ بابل) ایسا ہے جیسے ستاروں میں چاند ہوتا ہے اور اس کی اقلیم کو وہ اشرف الاقالیم کہتے ہیں لیکن یہ سب پرانی باتیں ہیں اور اس سال رواں یعنی ۳۳۲ھ میں خواب وخیال ہو کر رہ گئی ہیں۔ فی زمانہ ہندوستان کی عظمت اس کے ہاتھیوں کی کثرت پر نہیں بلکہ علم وسیاست پر ہے اور اسی طرح دوسرے ممالک کی عزت وشہرت علم وحکمت پر مبنی ہے ورنہ پہلے بادشاہ اپنے ملکوں کی نسبت باوقار سمجھے جاتے تھے جیسے درانی، ایوانی، ہمدانی، ساسانی، قحطانی، ایرانی، بابلی، اسلام کی نسبت سے مکی اور اپنے ملکوں ہی کی نسبت سے بخارا، بلخ، خراسان، بلقان، طبرستان، رے، شروان، جیلان، طرخان وغیرہ کے حکمران اور اسی طرح ایران کے کسریٰ، روم کے قیصر، حبشہ کے نجاشی اور ترکوں کے خاقان اپنے اپنے ملکوں کی فوجی قوت اور خزانوں کی کثرت سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ بہر حال اب ہم پھر اپنے تاریخی اور جغرافیائی سلسلے کی طرف آتے ہیں پہلے صقلیہ، افریقہ اور بلاد مغرب کے حکمرانوں جرجیر اور اندلس کے حکمران لذریق ہونے کا دعوے کرتے تھے۔ مؤخر الذکر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قبیلۂ اشبان سے ہیں جس کا سلسلہ نسب یافث بن نوح سے ملتا ہے لیکن اندلس کے مسلمان کہتے ہیں کہ اندلس کے لذریق اندلس کے ملوک جلالقہ میں سے ہیں اور وہ یورپی نسلوں کی ایک شاخ ہے۔ اندلس کا آخری لذریق وہ تھا جسے موسیٰ بن نصیر کے غلام طارق نے فتح اندلس کے دوران میں قتل کیا اور شہر طلیطلہ میں داخل ہوا۔ اس وقت طلیطلہ اندلس کا سب سے بڑا شہر اور اس کا دارالسلطنت تھا۔ وہاں اندلس کے مذکورہ بالا آخری تاجدار نے جلالقہ اور الوشکفر کی طرف سے ایک بڑی نہر نکالی تھی جو بحر روم تک جاتی تھی۔ اہل جلالقہ اور ان کے ساتھ جو دوسرے یورپی لوگ تھے انہوں نے اندلس کے دفاع میں جان لڑا دی تھی۔ مذکورہ بالا نہر دنیا کی عظیم ترین نہروں میں شمار ہوتی تھی جس کے کناروں پر طلیطلہ کے علاوہ دوسرے شہر طلبیرہ اور قنطرہ بھی آباد تھے۔ قنطرہ پہلے بادشاہوں کے دور حکومت میں "قنطرۃ السیف" کہلاتا تھا اور اس کے حدود بلاد سرحد میں سمباط تک پھیلے ہوئے تھے۔ اندلس پر بنی امیہ کی حکومت کے دور میں

بھی طلیطلہ تک ان کی افواج کی رسائی مدتوں ناممکن بنی رہی لیکن بعد میں اسے عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن حکم بن ہشام ابن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بن حکم اموی نے ۳۲۵ھ میں فتح کیا اور وہی عبدالرحمٰن اب بھی یعنی ۳۳۲ھ تک اندلس کا حکمران ہے۔ اس حاکم اندلس عبدالرحمٰن کے ہاتھوں فتح ہونے تک طلیطلہ کئی بار از سر نو بسایا گیا تھا۔ آج کل اندلس کی حکومت قرطبہ تک جا پہنچی ہے۔ طلیطلہ سے قرطبہ تک چار منزلوں کا فاصلہ ہے اور قرطبہ سے بحر میسرہ تک تین دن کا سفر ہے اور ساحل سمندر تک سفر میں اشبیلیہ بھی آتا ہے۔ اموی حاکموں نے اندلس میں اسی قبیل کے چالیس شہر آباد کیے ہیں لیکن انہوں نے اتنی وسیع و عریض سرزمین پر مطلق العنان حکومت کے باوجود خلیفہ کا لقب اختیار نہیں کیا بلکہ ابھی تک "بنی خلفا" کہلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف وہی لوگ خلیفہ اور امیر المومنین کہلانے کے مستحق جن کے دائرہ حکومت میں حرمین شریفین آتے ہوں۔

اندلس میں بنو امیہ کا ورود

اندلس میں بنو امیہ کا عمل دخل پہلی بار ۱۳۷ھ میں ہوا اور ان میں سے جو شخص سب سے پہلے وہاں پہنچا وہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان تھا۔ اس نے اندلس پر ۳۳ سال ۴ مہینے حکومت کی، اس کے بعد اس کا بیٹا حکم بن ہشام تقریباً ۲۰ سال حکمران رہا۔ جس کے بعد دوسرے کئی حکمرانوں کے بعد آج کل وہاں عبدالرحمٰن بن محمد کی حکمرانی ہے اور اس کا ولی عہد بھی عبدالرحمٰن ہی کے نام سے موسوم ہے۔ عبدالرحمٰن بن محمد سیرت و کردار اور عدل و انصاف کے لحاظ سے قابل تعریف النسان ہے۔ اس کے جد امجد عبدالرحمٰن نے جس کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں فارس کے ایک ہزار اشخاص کی معیت میں جلالۃ کو فتح کیا تھا۔ اب اس شہر کو سمورہ کہا جاتا ہے۔ اس کی شہر پناہ کے سامنے کسی زمانے میں آگے پیچھے سات عجیب و غریب سنگی سوار کھڑے کیے گئے تھے۔ ان سنگی سواروں کے درمیان جو فصل تھا ان میں خندقیں تھیں جو پانی سے لبریز رہتی تھیں۔ اس شہر کو پہلے سورین نے فتح کیا تھا لیکن جب مسلمانوں نے اس شہر پر قبضہ کیا تو اس کا دفاع کرنے والے ۴۰ ہزار اور بعض مورخین کے خیال میں ۵۰ ہزار لشکری مارے گئے تھے۔ اس کے بعد یورپی عیسائیوں کے معبد کے بعد مسلمانوں کے پاس اگر کوئی شہر باقی رہا تھا تو وہ چھوٹا سا شہر اربونہ تھا۔ تیسری صدی ہجری سے قبل ہزاروں سپاہیوں نے اندلس کے ساحلی علاقے لوٹ لیے تھے اور اس کے بعد بھی وہاں قتل و غارت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اہل اندلس نے سمجھا تھا کہ وہ مجوسی تھے اور وہی اس سمندری راستے سے جو بحر اوقیانوس سے جا ملتا ہے اگر ان کے ساحلی علاقوں میں تقریباً دو سو سال سے یہ گڑبڑ کر رہے ہیں۔ ان کو یہ خیال نہ تھا کہ ان کا راستہ بحر روم کی وہ خلیج

ہے جس کے راستے وہ یہاں تک آپہنچتے ہیں۔ وہ جن کشتیوں میں آتے تھے ان پر وہ ناریل کے درختوں کے پتوں سے چھتیں بنا لیتے تھے اور ان کی کشتیاں بھی بڑی ہلکی پھلکی ہوتی تھیں اس لیے وہ یقینی طور پر حبشی سمندر کی طرف سے آتے ہوں گے کیونکہ دوسری طرف وہ سمندر ہے جس کی طوفانی موجوں کا مقابلہ ان کشتیوں کے ذریعہ ناممکن تھا۔ اس سمندر کے لیے بھی وہ اپنی کشتیاں معمولی ہلکی لکڑی کے تختوں سے بناتے تھے اور ان کی چھتیں جیسا ہم نے ابھی بیان کیا ناریل کے پتوں سے بناتے تھے کیونکہ بحر حبشی کا کھار بھی لوہے کو زنگ آلود کر کے جلد از جلد ختم کر دیتا تھا۔ اس کے برعکس اہل روم اور اہل عرب اپنی کشتیوں اور جہازوں کے تلے جس دھات سے بناتے تھے وہ لوہے کے برعکس سمندری پانیوں کے خراب اثرات سے محفوظ رہتی تھیں جب کہ یہ لوگ کشتیوں کی چوبی تختوں کو چربی سے محفوظ کرتے تھے۔ اس لیے انہیں بلادِ مغرب ہی کی طرف سے راستہ بھی محفوظ معلوم ہوتا تھا جو صرف بحر اوقیانوس ہی سے ملتا تھا۔ واللہ اعلم۔ بحر مغرب اس کے نواحی علاقوں اور ارض سودان کے کوائف بھی عجیب اور قابل ذکر ہیں۔

سرزمین حبشہ و سوڈان

ذوالعنایۃ نے سوڈان اور مصر کی سات سال تک مکمل سیاحت اور تحقیقات کے بعد اپنی گراں قدر کتاب "اخبار العالم" میں لکھا ہے کہ مصر سوڈان کے ساٹھ حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور دونوں کو درحقیقت ایک ہی ملک سمجھنا چاہیے۔ اس کا ایک حصہ آباد، ایک تہائی غیر آباد اور باقی ایک تہائی سمندری علاقہ ہے۔ سوڈان کی سرحد ایک طرف ان علاقوں کے قریب ہے جہاں ارض مغرب میں ادریس بن ادریس بن عبداللہ بن حسن بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کی اولاد آباد ہے۔ یہ سارا علاقہ بلادِ تلمسان و تاہرت اور فاس کے علاقوں پر مشتمل ہے، پھر سوس ادنیٰ کا علاقہ ہے جس کے مضافات اور قیروانی علاقے کے درمیان ایک ہزار تین سو میل کا فاصلہ ہے جب کہ سوس ادنیٰ اور سوس اقصیٰ کے درمیان تقریباً بیس دن کی مسافت ہے۔ یہاں کی آخری بستی وادی رمل اور قصر الاسود کے قریب ہے۔ وادی رمل وہ جگہ ہے جس کے متصل نحاس اور قباب الرصاص کے شہر ہیں جہاں کبھی عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں موسیٰ بن نصیر افریقی فتوحات کے سلسلے میں گئے تھے۔ یہ وادی اندلس سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے البتہ اس کی سرحدات بڑی دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اسی سرزمین میں میمون بن عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم فارسی نے خارج المذہب ہو کر مذہب خوارج کی اشاعت کی تھی۔ کہتے ہیں کہ اب یہاں جو لوگ آباد ہیں وہ اشبان کے بچے کھچے لوگوں میں سے ہیں۔ طالبین کی جنگ انکفیین لوگوں سے ہوئی تھی، یہ بھی کہا جاتا

ہے کہ یہ اہل فارس ہیں جو اصفہان چھوڑ کر یہاں آ بسے تھے۔

بلادِ مغرب

وہ بلادِ مغرب ہی ہیں جن کے ایک حصّے میں خوارج کا ایک فرقہ صُفریہ وجود میں آیا تھا جن کے متعدد شہر تھے ان میں ترغیبہ بھی تھا۔ اس علاقے میں چاندی کی بہت سی کانیں تھیں۔ جنوب میں ان کا علاقہ بلادِ حبشہ سے جا ملتا تھا۔ ان میں باہم بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں بلادِ مغرب، وہاں کی آبادیوں اور باشندوں کا ذکر کرتے ہوئے خوارج کے دو فرقوں اباضیہ اور صُفریہ کا ذکر بھی کیا ہے اور اس کے ساتھ خوارج کے ساتھ ان معتزلہ کی جنگ کا بھی ذکر کیا ہے جو وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے، اس کے علاوہ ہم نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں ابن اغلب تمیمی کا ذکر بھی کیا ہے جسے خلیفہ منصور نے وہاں گورنر بنا کر بھیجا، علاوہ ازیں یہ بھی بتایا ہے کہ گورنر مذکور کی حکومت بلاد افریقہ میں کہاں تک تھی، نیز یہ کہ خلیفہ ہارون الرشید کے دورِ خلافت میں اس گورنر کے وہاں بلادِ مغرب اور باقی افریقی علاقوں میں کیا کیا واقعات ظہور پذیر ہوئے اور پھر جب ہارون رشید کے بیٹے اور اس کے بعد کے دور میں اغلب کے ایک رشتہ دار کے بیٹے ابی نصر زیادۃ اللہ بن عبداللہ ابن ابراہیم بن احمد بن محمد بن اغلب بن ابراہیم بن سالم بن سوارہ کو بلادِ مغرب کی گورنری سونپی گئی تو اسے وہاں سے ابو عبداللہ المحتسب صوفی نے جو اس وقت مہدویت کی تبلیغ کر رہا تھا اور بہت سے بربری قبائل اس کے زیر اثر آ گئے تھے کس طرح نکالا۔ یہ واقعہ خلیفہ مقتدر کے دورِ خلافت میں ۲۹۷ ہجری میں پیش آیا تھا اور ابی نصر وہاں سے فرار ہو کر رافقہ کے پاس چلا گیا تھا جو اس وقت اہواز کے شہر رامہرمز میں محتسب کے عہدے پر فائز تھا۔ اب ہم مراتب ملوک اور بحر حبشی کے ان ممالک کے ذکر کی طرف آتے ہیں جن کا ہم نے زیرِ نظر باب کے شروع سلسلہ اٹھایا تھا۔

ملوک العالم

دنیا کے ان بادشاہوں میں ملک الزنج، ملک قلیمی، ملک الان کرکنج، بنی نصر نعمانیہ و مناذرہ کے ملوک حیرہ، جبال طبرستان کے وہ بادشاہ جو خود کو قارن کہتے تھے اور اب طبرستان کے پہاڑ انہیں کے نام کی نسبت سے جبال قارن مشہور ہو گئے ہیں، ملوک ہند جو بلہرا کہلاتے ہیں اور سندھ سے نسبت رکھنے والے ملوک قنوج اور وہ تمام حکمران جو علاقہ قنوج سے متصل حکومتیں رکھتے ہیں مگر قنوج کی قربت کی وجہ سے وہ بھی ملوک قنوج ہی کہلاتے ہیں بلکہ خود قنوج کا سارا علاقہ ان کے نام قنوج کی بناء پر قنوج کہلاتا ہے لیکن اب دائرہ اسلام میں شامل ہو کر حکومت ملتان کے زیر اقتدار آ چکا ہے سب کے سب شامل ہیں۔ حکومت ملتان کے زیر اقتدار علاقے ہی سے وہ دریا گزرتا ہے جو دوسرے دریاؤں کے ساتھ مل کر آگے بڑھنے کے بعد "مہران السند" کے نام سے مشہور ہے اور

جس کا مخرج جاحظ نے غلط فہمی کی بنا پر، دریائے نیل بتایا ہے ۔جاحظ کے علاوہ کچھ دوسروں نے بھی غلطی سے اسے خراسان کا جیحوں لکھا ہے، ویسے اسی کے آس پاس قنوج کے حکمران کی حدود سلطنت ہیں مگر قنوج کا یہ حکمران ملکِ ہند سے الگ ہے جسے "بلہرا" کہا جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ قندھار اور سندھ اور اس کے پہاڑی علاقوں کے حکمران ہیں ۔آخرالذکر"بزرگ حکمران" ہونے کا دعویدار ہے کیونکہ اسی کے زیرِ حکومت علاقے سے وہ دریا نکلتا ہے جسے "براثد" کہتے ہیں ۔ یہ دریا ان پانچ دریاؤں میں سے ایک ہے جو بلادِ رہوط سے گزرتے ہوئے دوسرے چار دریاؤں سے مل کر "مہران السند" بن گیا ہے ان میں سے چوتھا دریا بلادِ کابل سے نکلا ہے اور بلادِ سندھ کے علاوہ بسط، غزنی، زرعون، رخج اور ان علاقوں کو جو سجستان کے گرد و نواح میں ہیں سیراب کرتا ہے ۔ان پانچ دریاؤں میں سے ایک دریا بلادِ کشمیر سے نکلتا ہے ۔کشمیر کا حکمران "درائی" کہلاتا ہے بلکہ وہاں کے سارے حکمرانوں کا یہی نام لیا جاتا ہے ۔کشمیر بھی سندھ کے حدود اور اس کے پہاڑی علاقوں میں شامل ہے ۔کبھی یہ مملکت بڑی عظیم مملکت تھی جس میں بہت سے قلعے تھے ۔اس کی آبادیوں اور بربادیوں کی داستان ہزاروں برس پہ پھیلی ہوئی ہے اور وہ ناقابلِ یقین عجائبات سے پُر ہے ۔قنوج کی سلطنت بھی کبھی بڑی وسیع و عریض اور طول و عرض میں کم سے کم ایک سو بیس فرسخ تھی ۔ایک فرسخ آج کے آٹھ میل کا ہوتا ہے جس کی حدود سندھ اور ملتان سے آملتی تھیں ۔اس کا حکمران کبھی بڑا جاہ و جلال رکھتا تھا، اس کا لشکر لاتعداد تھا جس میں گھوڑوں کے علاوہ ہاتھیوں کی بھی بہت کثرت تھی اور یہی ہاتھی لڑائیوں کے مواقع پہ بڑے کارآمد ثابت ہوئے تھے ۔

ملتان کا حکمران

ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں کہ وہ سامہ بن لوی بن غالب کی نسل سے تھا ۔اس نے اپنے قرب و جوار کے بہت سے علاقے اپنی مملکت میں شامل کر لیے تھے جن میں سندھ اور قنوج کے علاقے بھی تھے جہاں سے بے حد مال و دولت اور لاتعداد خزانے اپنے ہاں لا کر جمع کر لیے تھے ۔سندھ اور ملتان پہ مسلمانوں کی فتوحات کے کچھ عرصے بعد ملتان کے حکمران نے پھر زور پکڑ لیا تھا ۔میں نے ملتان اور یہاں ابو اللہاب المنبہ بن اسد قرشی کی مملکت تیسری صدی ہجری کے بعد دیکھی تھی ۔

منصورہ

ملتان کی طرح مجھے مملکت منصورہ کو دیکھنے کا اتفاق بھی اسی زمانے میں یعنی تیسری صدی ہجری کے بعد ہوا ۔اس وقت وہاں ابو المنذر عمر بن عبداللہ حکمران تھا ۔میں نے اس کے وزیر ریاحا اور ۔ حا کے بیٹوں محمد اور علی سے ملاقات کی تھی ۔میں نے وہاں عرب کے ایک سید زادے

حمزہ سے بھی ملاقات کی ۔ اس کا خاندان عرب پر حکومت کر چکا تھا ، وہ یعنی حمزہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھا ۔ میں وہاں عمر بن علی اور محمد بن علی کے بیٹوں سے بھی ملا ۔ منصورہ کے ملوک اور آل ابی شوارب قاضی میں بہت قریبی نسبی تعلق ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں منصورہ کا موجودہ حکمران ہبار بن اسود کی نسل سے ہے جنہیں عموماً بنی عمر بن عبدالعزیز کہا جاتا ہے لیکن یہ عمر عمر بن عبدالعزیز بن مروان اموی نہیں ہے ۔ ملتان سے منصورہ کی طرف آتے ہوئے میں نے تین دن سفر کے بعد جہاں قیام کیا تھا اس جگہ کا نام دوسات ہے ، اس کے مغرب میں آگے چل کر منصورہ کا جو علاقہ شروع ہو جاتا ہے اسی کو اب تک مہران کہتے ہیں لیکن یہ علاقہ آگے جا کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے تاہم ان دونوں حصوں کو ایک ہی دریا یعنی دریائے سندھ جسے عموماً "مہران السند" کہا جاتا ہے سیراب کرتا ہوا منصورہ کے شہر شاکرہ کے قریب بحر ہند میں گرتا ہے ۔ دیبل سے یہاں تک دو دن کا سفر ہے ۔

ملتان سے منصورہ تک ۷۵ فرسخ کی مسافت ہے اور فرسخ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں آج کل آٹھ میل کے برابر ہے ۔ منصورہ کا سارا علاقہ جس میں کہیں کہیں دُور تک جنگلات اور کہیں لہلہاتے کھیت نظر آتے ہیں بڑے گنجان آبادیوں اور خوشنما عمارتوں پر مشتمل ہے ۔ ان گنجان آبادیوں اور خوشنما عمارتوں میں سے شاید اب کچھ نہ ہوں یا ان میں کچھ اضافہ ہو گیا ہو ، بہر تعمیر و ضیاع دونوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان قریب قریب اور ایک دوسرے سے متصل چھوٹی بڑی بستیوں کی مجموعی تعداد تین لاکھ سے کم نہ ہو گی ۔ اس علاقے میں بہت سی لڑائیاں ہوئی ہیں جنہیں "البدر" کہا جاتا ہے ۔ ملتان اور منصورہ کی مختلف اجناس کی تعداد بھی کافی ہے ۔ ان میں سے اکثر ایسی ہیں جو دونوں علاقوں میں یکساں پائی جاتی ہیں کیونکہ یہ دونوں علاقے کاشت کاری اور وہاں کے باشندوں کی طبائع اور ان کی مرغوب غذاؤں کے لحاظ سے قریب قریب ملتے جلتے ہیں ۔

منصورہ کا نام منصور بن جمہور کے نام پر رکھا گیا ہے جو یہاں اموی حکومت کی طرف سے حاکم تھا ۔ ہند اور سندھ کے پہلے حکمرانوں کی طرح منصورہ کے موجودہ حکمران کے پاس بھی جنگی ہاتھی ہیں ۔ ان میں سے دو بڑے عظیم الجثہ اور باقی دوسرے ہاتھی ہیں ۔ کہتے ہیں کہ یہ ہاتھی جب دشمن کے سپاہیوں پر جھپٹتے ہیں تو انھیں چشم زدن میں ہلاک کر کے رکھ دیتے ہیں ۔ ان دو عظیم الجثہ ہاتھیوں میں سے ایک کا نام "منفر قلس" اور دوسرے کا "حیدرہ" ہے ۔ یہ دونوں ہاتھی لڑائیوں میں ہیبتناک ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ عام طور پر بڑے نرم خو ، حلیم الطبع اور انسانوں سے بہت مانوس ہیں ۔ سُنا ہے کچھ عرصہ پہلے "حیدرہ" کے مرنے پر "منفر قلس" نے کئی دن تک کچھ کھایا نہ پیا بس چُپ چاپ

بڑا رہا البتہ کبھی کبھی کہ اپنے لگتا تھا لیکن اس سارے عرصے میں اس کی آنکھوں سے اس طرح آنسو بہتے رہے جیسے کوئی انسان اپنے کسی عزیز کی میت پہ رو رہا ہو "منفر قلس" کے پیچھے اسی ہاتھیوں کے علاوہ پانچ سو سپاہی بھی چلتے ہیں۔ ایک دفعہ بھی "منفر قلس" ہاتھی خانے سے نکل کر بازار میں آیا تو اسے دیکھ کر ایک عورت خوف سے اس طرح ادھر اُدھر بھاگی کہ اس کا لباس جسم سے اُتر کر کئی طرف بکھر گیا۔ اور وہ خود اوندھے منہ سڑک پر گر پڑی۔ "منفر قلس" نے یہ دیکھا تو پہلے لمحہ بھر کے لیے رُکا، پھر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا اس عورت کے قریب پہنچا، اسے اپنی سونڈ سے پکڑ کر کھڑا کیا اور اس کے کپڑے جمع کر کے اس کے برہنہ جسم پر ڈال دیے۔ عورت نے یہ دیکھا تو اس کے دم میں دم آیا اور وہ اسی طرح کپڑے سمیٹے، لجاتی شرماتی ایک طرف چلی گئی۔ اس کے بعد جب "منفر قلس" اپنے راستے پہ آگے بڑھا تو دوسرے ہاتھی اور سپاہی بھی پہلے کی طرح اس کے پیچھے ہو لیے۔

ان ہاتھیوں کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں سننے میں آئیں۔ زمانہ امن میں یہ ہاتھی حمل و نقل کے علاوہ اور بہت سے کام کرتے ہیں۔ جن میں مویشیوں کے لیے جنگل سے چارہ لانا بھی شامل ہے۔ ہاتھی اور جہاں جہاں پائے جاتے ہیں ان کا ذکر ہم آگے چل کر افریقہ کے حالات و کوائف کے ضمن میں کریں گے۔ ویسے ہاتھی زیادہ تر افریقی ممالک میں ملتے ہیں اور ان میں اکثر بلکہ سب کے سب جنگلی اور وحشی ہوتے ہیں۔

یہ تھے ارض ہند و سند اور ان کے حکمرانوں کے حالات و کوائف۔ جہاں تک ان کی زبانوں کا تعلق ہے تو واضح رہے کہ سندھ کی زبان اہل ہند کی زبان سے مختلف ہے۔ اس فرق کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ سندھ کے علاقے اسلامی مقبوضات کے قریب تر ہیں۔ اسی طرح ساحلی زبان جیسے صیمور، سوبارہ اور تانہ وغیرہ کی زبان جو ساحل سمندر کے قریب ہیں یا وہ شہر جو عین ساحل سمندر پہ واقع ہیں۔ یہ سمندر لاروی ہے۔ اس سمندر کی طرف ایک بڑا دریا دنیا کے جملہ دریاؤں کے برعکس جنوب سے بہتا ہوا آتا ہے۔ یہ بڑا دریا "مہران السند" یا دریائے سندھ ہے۔ اس کی طرح اگر دنیا کا کوئی دوسرا دریا جو جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہو تو وہ صرف دریائے نیل ہے۔ دریائے نیل کے اس انوکھے بہاؤ کی وجہ سے ہم اپنی ایک دوسری کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ دریائے سندھ کے اس بہاؤ کے اسباب بھی وہی ہیں یعنی اس کے مخرج کا محل وقوع اور پھر جنوب سے صرف شمال کی طرف اس کے بہاؤ کے راستے۔

بلہرا کے سوا ملوک سندھ و ہند میں ایک بھی ایسا نہیں جو اپنے ملک میں مسلمانوں کا احترام کرے اور اسلام وہاں محفوظ و مطمئن ہو اور اس کے ہاں مسلمانوں کی عبادت کے لیے مساجد اور جامع مسجدیں

نظر آتی ہوں۔ بلہرا نام کے ہر حکمران کا دورِ حکومت چالیس پچاس سال اور بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس ملک کے لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے حکمرانوں کے اس طویل دورِ حکومت کی وجہ سے ان کی طرف سے مسلمانوں کا احترام اور ان کی عزت ہے نیز یہ کہ اس ملک میں فوج کے سپاہیوں کی مسلمان فوجیوں کی طرح ملک کے بے داغ اور پاک بیت المال سے کفالت کی جاتی ہے۔ اس ملک پر اگر کبھی کسی کی طرف سے حملہ ہوتا ہے تو وہ شاہ خزر ہے۔ اس کے ملک میں لاؤلشکر کے علاوہ اونٹوں اور ہاتھیوں کی بھی کثرت ہے۔ اس کے خیال میں شاہِ بابل کے سوا روئے زمین پر اس سے بڑا اور باجبروت بادشاہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ان اطراف میں شاہِ خزر کا ملک چوتھا ملک ہے۔ جو سب سے بڑا اور کثیر اللسان ہے۔ وہاں ہاتھیوں کے غول کے غول ہیں اور زر وجواہر کے انبار لگے ہوئے ہیں، چاندی سونے کی کانیں بھی بکثرت ہیں جن کی پیداوار سے وہاں کے لوگ دوسرے ممالک سے مختلف قسم کا مال منگواتے ہیں۔ وہ لوگ مسلمانوں سے بغض رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا ملک سے ملا ہوا ملک طافن ہے جو خود تو چھوٹا سا ملک ہے مگر ہر طرف دوسرے بڑے ملکوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں نہ کوئی بڑا لشکر ہے نہ ہاتھیوں اور مال ودولت کی فراوانی، لیکن یہاں کے لوگ ان اطراف کے ہر ملک سے زیادہ حسین ہوتے ہیں خصوصاً یہاں کی خواتین حسن جمال میں اپنا جواب نہیں رکھتیں جن کے فطری حسن کے تذکرے کئی کتابوں میں ملتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس ملک کے حکمران طافن کہلاتے ہیں اور ملک کا نام بھی انہیں کے نام پر پڑ گیا ہے۔ یہاں کے آبی راستوں کی کشتیاں بھی طافنیات کہلاتی ہیں۔

مملکت رھمی

آخر الذکر ملک سے مملکت رھمی ہے۔ اس ملک کا نام بھی اس کے کسی پہلے حکمران کے نام پر چلا آتا ہے اور یہاں اب اسے عموماً اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ شاہ خزر کا اس ملک سے ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے اور وہ اس پر اکثر وبیشتر حملہ آور ہوتا رہتا ہے۔ شاہ خزر جیسا ہم نے سطور بالا میں بیان کیا بہت زیادہ لاؤلشکر اور مال ودولت رکھتا ہے۔ یہ اکثر بلہرا سے بھی جنگ وجدال میں مصروف رہتا ہے حالانکہ مؤخر الذکر کے پاس اس سے کہیں زیادہ مال ودولت عساکر اور جنگی ہاتھی ہیں۔ طافن پر تو اس کے حملوں کا شمار بھی مشکل ہے۔ رھمی جب کسی ملک پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس کے ساتھ عموماً پچاس ہزار ہاتھی ہوتے ہیں۔ وہ محاربات کے لیے موسم سرما کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھیوں کو موسم گرما میں پیاس کی برداشت نہیں ہوتی نہ اس موسم میں ان پر موٹی گرم کپڑوں کی جھولیں، ڈالی جاسکتی ہیں سکتے ہیں اس کے لشکر کی بارکیں اور

ان کے غسل خانے تعداد میں دس پندرہ ہزار ہیں۔ اس کی اکثر لڑائیاں اہل کرادیس سے ہوتی رہتی ہیں حالانکہ ان
.... کی مجموعی تعداد بیس ہزار سے زیادہ نہ ہوگی جن میں لڑنے
والے جوان زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار ہوں گے۔ مملکت رھمی کی آمدنی کے ذرائع وہاں پیدا ہونے والی
چیزیں ہیں۔ ان میں عود، چاندی، سونا اور وہ کپڑا ہے جس کی باریکی اور نفاست کا جواب ساری دنیا میں
مشکل سے ملے گا۔ اس کے علاوہ وہاں بالوں سے ملتا جلتا ایک قسم کا ریشم ہوتا ہے جسے ضمر کہا جاتا ہے
رھمی کے خدام مرصع لباس پر اس ریشم کی پیٹیاں اور کلغیاں لگائے مجالس میں اس کے پیچھے ایستادہ رہتے
ہیں۔ ان پیٹیوں میں جن کے تکمے کمربند کی طرح لٹکتے رہتے ہیں چاندی اور ہاتھی دانت سے مرصع کاری کی
جاتی ہے۔ اس ملک میں ایک جانور پایا جاتا ہے جسے وہاں کے لوگ "نشان المعلم" کہتے ہیں لیکن عموماً
اسے "کرکرن" کہا جاتا ہے۔ اس کی پیشانی کے درمیان بھی ایک سینگ ہوتا ہے۔ وہ جسامت میں
بھینس سے بڑا مگر ہاتھی سے چھوٹا ہوتا ہے اور اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ وہ ہاتھی سے بھی لڑ
پڑتا ہے۔ اس سے زیادہ تیز و تند کوئی دوسرا جانور ساری دنیا میں ملنا محال ہے۔ وہ گنجان درختوں اور اونچی
اونچی جنگلی جھاڑیوں میں رہتا اور وہیں سوتا بھی ہے۔ اسے سوتے میں اکثر شکار کیا جاتا ہے۔ مقامی
باشندے اس کا گوشت شوق سے کھاتے ہیں۔ وہاں کے مسلمان بھی اس کا گوشت کھا لیتے ہیں کیونکہ
وہ گائے کے گوشت کی طرح ہوتا ہے۔ گائیں اور بھینسیں سندھ و ہند میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں لیکن رھمی
میں ان کی کثرت ہے۔ اسی طرح یہ جانور بھی جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا یعنی "نشان" سندھ و ہند کی ترائیوں
میں ہر جگہ مل جاتا ہے لیکن رھمی کے علاقوں میں اس کی تعداد معمول سے زیادہ ہے۔ ویسے تو اس کے
سارے سینگ خوبصورت ہوتے ہیں لیکن جو سینگ اس کی پیشانی پر ہوتا وہ حد درجہ حسین اور اس کا
رنگ سفید ہوتا ہے۔ اس کا شکار گوشت سے زیادہ اس سفید سینگ کے لیے کیا جاتا ہے جو بہت
قیمتی ہوتا ہے اور اس سے جو زیورات تیار کیے جاتے ہیں انہیں مالدار اور شاہی خاندان کی عورتوں
کے علاوہ مملکت کے امرا و وزراء بلکہ بادشاہ بھی بڑے شوق سے پہنتے ہیں۔ اسے ملوک چین بھی
کوشش کر کے خریدتے اور استعمال کرتے ہیں۔ اس سینگ کے بنے ہوئے زیورات سونے چاندی
بلکہ جواہرات سے زیادہ مقبول ہیں۔ ایک ایک سینگ کی قیمت ایک ہزار دینار سے چار ہزار
دینار تک ہوتی ہیں۔ اس کی مورتیاں بنا کر ان پر نقرئی و طلائی نقش و نگار بنائے جاتے ہیں اور
ان مورتیوں کو بہت متبرک سمجھا جاتا ہے۔ اس سینگ کے قبول عام کا اندازہ اسی سے لگایا جا
سکتا ہے۔

عمرو بن بحر الجاحظ کے مطابق "کرکدن" اپنی ماں کے پیٹ میں سات سال تک رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ شکم مادر سے سر باہر نکالتا ہے لیکن فوراً ہی اندر کی طرف سمٹ جاتا ہے۔ الجاحظ نے یہ بات اپنی کتاب "الحیوان" میں بطور حکایت لکھی ہے اور اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ الجاحظ کے اس بیان کے علاوہ مجھے یہ بات ان سیرافی اور عمانی لوگوں نے بھی بتائی جو رھمی اور دوسرے ہندی و چینی علاقوں میں بغرض تجارت آتے جاتے رہتے ہیں ممکن ہے الجاحظ نے بھی اپنی مذکورہ بالا کتاب میں اس بیان کی بنیاد انہیں لوگوں کے بیانات پر رکھی ہو۔

شاہ کامن

رھمی کی مملکت میں بری و بحری دونوں علاقے شامل ہیں لیکن اس کے قریب شاہ کامن کی مملکت میں کوئی سمندری علاقہ نہیں ہے تاہم اس کے پاس لاؤ لشکر، خدم و حشم اور مال و دولت کی کمی نہیں ہے۔ وہاں کے باشندوں کی رنگت سفید اور نقش و نگار خوب صورت ہیں ان کا لب و لہجہ خوشگوار اور آواز نرم ہے۔ شاہ کامن کی مملکت کے متصل افرنجی علاقہ ہے جس کے حکمران کے پاس بری و بحری دونوں علاقے ہیں، اس کے حکمران کے پاس بھی مال و دولت اور لشکری قوت سبھی کچھ ہے لیکن جہاں تک میں نے محسوس کیا اس میں لاف زنی کی کمزوری موجود ہے۔ اس مملکت کی زبان علاقائی بھی ہے اور سواحلی بھی۔ یہاں کے لوگوں کی رنگت چینیوں کی رنگت سے ملتی جلتی اور لباس بھی قریب قریب انہیں کا جیسا ہے۔ شاہ کامن کی حدود سلطنت سے آگے شاہ موجہ کی سلطنت کی سرحد آجاتی ہے جسے "حکومتِ ماند" کہا جاتا ہے۔ ماند کے شہر اور دوسری بستیاں کافی وسیع علاقوں میں پھیلی ہوئی ہیں جہاں بادشاہ کی طرف سے الگ الگ حاکم مقرر ہیں۔ اس مملکت میں بھی مال و دولت اور عسکری قوت کچھ کم نہیں ہے لیکن اسے مملکت کا ماتحت سمجھا جاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کسی قدر خود مختار ہونے کے باوجود چین کے انتداب میں ہے۔ یہاں چین ہی کا اثر و نفوذ زیادہ ہے بلکہ یہاں کے لوگ خو بو اور عادات و اطوار میں بالکل چینی معلوم ہوتے ہیں۔

ہند اور چین کی بعض مماثل عادات

ہند و چین، وہاں کے مختلف علاقوں، وہاں کی مختلف قوموں، ان کے اکل و شرب، ان کے شادی بیاہ کے طریقوں، علاج معالجے اور آگ کے ساتھ ان کے لگاؤ کے بارے میں ہم اب تک بہت لکھ چکے ہیں۔ ہند و چین کے لوگوں کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اخراج ریح کو مجالس میں بھی برا نہیں سمجھتے حتیٰ کہ ان کے بادشاہوں کا طریق عمل بھی اس سلسلے میں عوام سے الگ نہیں ہے۔ وہ بہت سے امراض کا جن میں درد قولنج، درد گردہ، تلی کے امراض وغیرہ سبھی شامل ہیں حبس دم سے علاج کرتے ہیں۔ وہ

لاتعداد امراض میں حبس دم کرکے پھر ریح کو منہ یا جائے اجابت سے خارج کرتے ہیں۔ ریح کے منہ سے اخراج کو "ضُبثا" اور نیچے سے اخراج کو "فساء" کہا جاتا ہے۔ ویسے ہند و چین کے اطباء علم طب میں کامل اور اس میں حذاقت کا درجہ رکھتے ہیں جس میں قدامت و اولیت ہند کو حاصل ہے۔ فلاسفۂ متقدمین نے جن میں یونانی حکماء دیمو قریطیس، فیثاغورس، سقراط اور دیو جانس کلبی وغیرہ شامل ہیں ریاحی کیفیات کو بنی نوع انسان اور اور حیوانات دونوں میں ایک امر طبعی بتایا ہے اور لکھا ہے کہ بدن میں ریح کے قیام اور ادھر اُدھر حرکت دونوں طرح سے انسان ہو یا حیوان دونوں کو تکلیف ہوتی اور اس کے فوری اخراج سے راحت ہوتی ہے ہندی و چینی دونوں اطبا اخراج ریح کے لیے ہی خصوصی ادویات استعمال کرتے ہیں۔

ہم نے ان اذکار کی تفصیلات کے علاوہ مہراج، جزائر، طیب، افاویہ، قنجیب، سراندیب (لنکا) اور ان ممالک کے پہاڑی علاقوں نیز بلاد مندروفین جنہیں تابدی بھی کہا جاتا ہے یعنی مشرق سے مغرب تک جملہ ممالک کی اقوام کی عادات و خصائل اور دوسری متعلقہ باتوں کو اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں مفصل و مشرح بیان کر دیا ہے۔ اس کتاب میں بھی ہم نے مشرق و مغرب کے ممالک ملوک یمن و روم، افریقہ اور اس میں سوڈان کے کوائف علاوہ چین کے متعلق یہ بیان کر دیا ہے کہ وہ یافث بن نوح کی نسل سے ہیں۔ ہم نے دُنیا کی دوسری باتوں اور قوموں کے بارے میں بھی زیر نظر کتاب میں مختصر گفتگو کی ہے۔

جبل قبخ (القبخ) اور اس کی اقوام

جبل قبخ کوہ قبخ ایک عظیم پہاڑی سلسلہ ہے اور اس کی وادیاں بھی بہت وسیع و عریض ہیں جن میں بہت سے ممالک ہیں اور ان میں بکثرت قومیں آباد ہیں خود اس پہاڑ پر بہتر مختلف قومیں بسی ہوئی ہیں جن کی زبانیں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ اس پہاڑ کی بلند و بالا چوٹیوں اور دشوار گزار راستوں کے علاوہ بے شمار گھاٹیاں ہیں جو نوشیرواں کی حدود سلطنت اور بحر خزر کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتی ہیں بحر خزر کے بعد ان گھاٹیوں سے گزر کر ہی طبرستان تک رسائی ممکن ہے۔ طبرستان کی حدود شروع ہوتے ہی ہر تین میل پر یا اس کم و بیش گزرگاہوں کی اہمیت کے لحاظ سے داخلے کے لیے لوہے کے بڑے بڑے گیٹ لگے ہوئے ہیں جہاں ضرورت کے مطابق فوجی پہرے دار مقرر ہیں۔ یہ انتظام اس وجہ سے ہے کہ بفرضِ محال بحر خزر کی طرف سے ان گھاٹیوں کو عبور کر کے کوئی دشمن طبرستان پر حملہ آور ہو تو پہلے یہ پھاٹک اور ان کے پہرے دار سدِ راہ ہوں اور پھر فوری طور پر حکومت کے صدر مقام یا قریب ترین فوجی چھاؤنی سے کمک پہنچا کر طبرستان کا دفاع بخوبی کیا جا سکے۔

کوہِ قبخ کی بلندیوں اور طول و عرض کو ملا کر طبرستان تک کم سے کم دو مہینے کا راستہ ہے۔ اس پہاڑ اور اس کی وادیوں میں رہنے والوں کی تعداد کا علم خدا کو ہی ہے۔ بحر یا نطس یا خلیج قسطنطنیہ سے جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ تاجر لوگ بحر خزر کے سواحل تک بغرض تجارت پہنچ ہی جاتے ہیں۔ اس سمندر کے ساحل پر پہلا قابل ذکر شہر طبراندہ ہے جس کے بازار تجارتی مال سے بھرے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے وہاں لوگوں کی بڑی چہل پہل رہتی ہے جن میں مسلمانوں کے علاوہ رومی، ارمنی اور بلادِ کشک وغیرہ کے سبھی لوگ ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں اس شہر کی بنیاد نوشیرواں نے ڈال کر اسے بسایا تھا اور اپنے پیشرو اُردشیر بن بابک کے انتظام کی پیروی کرتے ہوئے دار السلطنت سے یہاں تک راستے کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں حسب مراتب عمال مقرر کیے تھے۔ یہ علاقہ اب مسلم مقبوضات میں شامل ہے اور اس کی

قریب ترین آبادی شروان کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کا حکمران اب اگرچہ ایک مسلمان محمد بن یزید ہے جو بہرام گور کی نسل سے ہے جس کا نسبی شجرہ ملوکِ فارس کے ضمن میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، لیکن یہ حاکم بھی اب تک نوشیرواں کے نام کی نسبت سے شروان شاہ کہلاتا ہے۔ شروان کا حاکم محمد بن یزید سے قبل اسی کا کوئی بزرگ عبداللہ بن ہشام تھا لیکن اس سے پہلے جب بنو اُمیہ کے دورِ خلافت میں مسلمہ بن عبدالملک یہاں پہنچے تو اس وقت یہاں کے انتظامی امور کی نگران کوئی عورت تھی۔

ایران سمندر کی طرف سے کوہ قبخ کے پار اصل ایران آتا ہے لیکن نوشیرواں کے زمانے سے اس دشوار گزار پہاڑ کے جملہ علاقوں پر جن کے باشندے سربفلک چوٹیوں اور خطرناک گزرگاہوں کی وجہ سے پڑوسی ہونے کے باوجود الگ تھلگ رہتے تھے ایرانیوں ہی کی حکومت چلی آتی تھی اور یہ سارا علاقہ ایران کہلاتا تھا۔ اور اس کا حاکم ایران شاہ کے نام سے موسوم تھا لیکن اب یہ بھی شروانی علاقے میں شامل ہے۔ اس کا سرحدی علاقہ موقانیہ کہلاتا ہے جس کے متصل گز کا علاقہ ہے جو سب کا سب پہاڑی ہے۔ اس پہاڑی علاقے کے باشندے پہلے خدا کو نہیں مانتے تھے اور اسی لیے کافر کہلاتے تھے۔ یہ لوگ حکومت شروان کی کبھی اطاعت نہیں کرتے تھے حالانکہ اس میں اس وقت تک خراسان تک کا سارا علاقہ شامل ہو چکا تھا جہاں کے حاکموں میں خراسان شاہ اور زادان شاہ بھی تھے۔ شروان شاہ اور اس سے قبل اس کے باپ نے قریب قریب سارے ایران کو اپنے حدود سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔

طبرستان کوہ قبخ کے پہاڑی علاقوں ہی میں حدود شروان کے متصل جو خود مختار مملکت کبھی قائم تھی وہی طبرستان ہے اور اب وہ ایک مسلم ریاست ہے جس پر آج کل عبدالملک کی بہن کا بیٹا حکمران ہے۔ یہ اس باب الابواب میں پہلی مسلم مملکت ہے۔

جیدان باب الابواب کی وادی کی وسطی مملکت جیدان ہے جس کے داخلی امور کی نگرانی ملوک خزر کی ذمہ داری ہے۔ اس مملکت کا صدر مقام داخلی دروازے سے کوئی آٹھ دن کی مسافت پر ہے جو شہر باب ہے مگر اسے عموماً سمندر کہا جاتا ہے یہاں خزر والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ شہر اسلام کے ابتدائی زمانے میں فتح ہوا تھا اور اسے سلیمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح کیا تھا۔ وہ پھر اس شہر سے شہر آمل میں منتقل ہو گئے تھے جو آج کل ملک خزر کی سکونت گاہ ہے ان دنوں اس شہر کے تین حصے ہیں لیکن شہر کے دو مرکزی حصوں کے درمیان سے ایک بڑی نہر گزرتی ہے۔ یہ نہر بلاک ترک کی سطح مرتفع سے نشیب کی طرف بہتی ہوئی بلادِ بلغر سے گزرتی ہے اور آگے جا کر بحر مانطس میں جا گرتی ہے۔ یہ شہر جیسا کہ ہم نے ابھی بتایا مذکورہ بالا نہر کی وجہ سے

دو بڑے حصوں میں تقسیم ہوگیا ہے لیکن دونوں حصوں میں آمدورفت کے لیے اس پر پل بنا ہوا ہے۔ اس پل کے ایک طرف بلندی پر ملک خزر کی قیام گاہ ہے۔ سارے شہر میں گھومنے پھرنے کے لیے نہر میں کشتیاں بھی چلتی ہیں۔ شہری آبادی مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ بہت سے دوسرے لوگوں پر مشتمل ہے لیکن ملک خزر جو آج کل یہاں کا حکمران ہے اور اس کے حاشیہ بردار سب کے سب یہودی ہیں۔ ملک خزر عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں یہودی ہوگیا تھا جس کے بعد ممالک اسلامیہ کے علاوہ روم اور دوسرے غیر مسلم علاقوں کے یہودی اس کے گرد جمع ہو گئے تھے اور اب تک یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک وہی اس کے گرد و پیش جمع ہیں۔ روم میں وہاں کے حاکم ارمنوس نے قریب قریب اپنی ساری رعایا کو یہودی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہم نے زیرِ نظر کتاب میں روم کے حالات و کوائف کے ضمن میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔ روم کے یہی یہودی اب ملک خزر کے پاس جوق در جوق پہنچ گئے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ان یہودیوں کے علاوہ یہاں صقالبہ اور روس کے لوگ بھی ہیں جو شہر کے ایک حصے میں آباد ہیں۔ ان لوگوں میں ہندوؤں کی پرانی مذہبی رسوم تا حال جاری ہیں یعنی جب کوئی مرد مرتا ہے تو اسے اس کی جملہ منقولہ ملکیت بلکہ جانوروں تک کے ساتھ آگ میں جلا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی بیوی بھی شوہر کی ارتھی کے ساتھ زندہ جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ ستی کی رسم عورتوں تک محدود ہے کوئی مرد اپنی مُردہ بیوی کے ساتھ ہرگز نہیں جلتا۔ اس کا فلسفہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دُوسری شادی نہیں کر سکتی اور عمر بھر تکالیف میں مبتلا رہتی ہے لیکن اپنے خاوند کے ساتھ زندہ جل کر وہ جنت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ بلادِ ہند میں یہ رسم ابھی تک جاری ہے۔ اور یہاں جو لوگ اس رسم کی پابندی کرتے ہیں ان میں اکثریت انھیں لوگوں کی ہے جو وہاں سے آکر یہاں آباد ہو گئے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں کے مسلمانوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بلادِ خوارزم سے یہاں آئے ہیں۔ ان کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ وہاں رات دن کی لڑائیاں اور وبائی امراض ہیں۔ اب یہ لوگ یہاں کی لڑائیوں میں ملک خزر کا ساتھ دیتے ہیں۔ یہ بڑے تنومند اور زور آور ہیں اور ان میں اپنے آبائی ملک کی جنگجویانہ خصلتیں ہنوز موجود ہیں یہ مسلمان ملک خزر کے ساتھ کچھ شرائط طے کر کے یہاں آئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی اور انہیں یہاں مساجد تعمیر کرنے اور ان میں آذان دینے کی عام اجازت ہو گی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حکومت کے وزیروں میں کم سے کم ایک مسلمان وزیر ضرور ہو گا تیسری اور آخری شرط یہ ہے کہ اگر اس ملک کی کسی مسلم ملک سے لڑائی ہو گی تو وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ

میں شریک نہیں ہوں گے اور ان کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھائیں گے۔ ویسے ملک خزر کی فوج میں سات ہزار مسلمان ہیں جو زرہ بکتر، جوشن اور خود اسی طرح استعمال کرتے ہیں جس طرح مسلمان فوجی اپنے ممالک میں کرتے ہیں۔ جہاں تک عدالتی نظام کا تعلق ہے تو اس کا قاعدہ یہاں یہ ہے کہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے سات قاضی یا جج مقرر ہیں۔ ان میں سے دو مسلمان ہیں جو مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ شریعت اسلامیہ کے مطابق کرتے ہیں، دو قاضی یہودی ہیں جو یہودیوں کے مقدمات کا فیصلہ احکام توریت کے مطابق کرتے ہیں، دو قاضی عیسائی ہیں جو نصرانیوں کے مقدمات کا فیصلہ انجیل کے مطابق کرتے ہیں۔ ساتواں قاضی ان لوگوں کے لیے ہے جو مسلمانوں، یہودیوں اور نصرانیوں میں سے کسی کے مذہب کی پیروی نہیں کرتے۔ ان کے مقدمات کا فیصلہ ان کا قاضی اپنی عقل اور قانون فطرت کے مطابق کرتا ہے۔ بہرحال مسلمانوں کے علاوہ یہودی ہوں عیسائی ہوں یا یہ لوگ جو ارامیہ کہلاتے ہیں علی الترتیب اپنے مقدمات کا فیصلہ شریعت اسلامیہ کے مطابق کرانے کو ترجیح دیتے ہیں جب کسی موقع پر توریت یا انجیل کے احکام کسی مقدمے کے سلسلے میں واضح نہ ہوں اور تیسری صورت میں ججوں کی عقل و دانش کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے سے قاصر ہو۔ یہاں مسلمان بچوں کو قرآن پڑھانے کے لیے ان کی مساجد میں مدارس قائم ہیں۔ دارالسلطنت میں مسجدوں کی تعداد کافی ہے جن میں ایک جامع مسجد ہے جو شاہی محل سے متصل ہے اور اس کے مینار قصر شاہی بلندی پر واقع ہونے کے باوجود اس سے کہیں بلند ہیں۔ یہاں مسلمان صنعت کاروں اور تاجروں کی بھی خاصی بڑی تعداد ہے اور یہ تاجر جب نصرانی تاجروں کے کسی وقت ہم خیال و ہم نوا ہو جاتے ہیں تو حکومت کی مجموعی طاقت بھی ان کے سامنے کمزور نظر آتی ہے۔ یہی کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب مسلم اور عیسائی باشندے کسی معاملے میں متفق ہوتے ہیں۔ اس وقت یہاں کی یہودی آبادی اور خود ان کی یہودی حکومت بے بس ہو جاتی ہے۔

مراسم خاقان

خزر میں خاقانی رسوم نہیں ہیں یہ ملک خزر خاقان کی طرح مطلق العنان بادشاہ ہے جس کے خدم وحشم، حرم اور غلام اور کنیزیں بے شمار ہیں اور وہ جس کے قتل کا چاہے بے دریغ حکم دے دے۔ یہاں ہر کام میں مذہبی پابندی کے علاوہ قانون عدل، انسانی تہذیب اور جذبات انسانی کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ میں نے خاقان کے ملک میں جو کچھ دیکھا یہاں اس کا شمہ برابر بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ کبھی پہلے ایسا ہو تو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

نہر برطاس

مملکت خزر کے پاس آبی راستوں کے لیے کشتیاں ہیں۔ یہ کشتیاں عموماً تاجروں کی ملکیت ہیں جن میں وہ مال تجارت لاتے اور لے جاتے ہیں۔ ان کشتیوں کی آمد و رفت مذکورہ بالا نہر کے ذریعہ ہوتی ہے جسے نہر برطاس کہا جاتا ہے۔ یہاں ان ترکوں کی کشتیاں

آتی ہیں جو خزر اور بلغر کے درمیان آباد ہیں کیونکہ یہ نہر بلغر ہی کی طرف سے آتی ہے۔ البتہ ترکوں اور اہل خزر کی کشتیاں ساخت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔

قوم برطاس

قوم برطاس انہیں ترکی اقوام میں سے ایک ہے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ نہر برطاس اسی قوم کے نام سے منسوب ہے۔ اسی علاقے سے سیاہ اور سُرخ لومڑیوں کی کھالیں لے جائی جاتی ہیں جن میں سے ایک ایک کھال کی سو دینار قیمت ہے۔ بلکہ کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ قیمت مل جاتی ہے۔ سیاہ لومڑی کی کھال سے تیار شدہ لباس عرب وعجم کے بادشاہ پہنتے ہیں اور اسے سمور اور فنک کی پوستین پر ترجیح دیتے ہیں نیز اسے بہت سے دیگر کاموں میں مفید پاتے ہیں اور اسے خوش قسمتی میں اضافے کا سبب سمجھتے ہیں۔ سُرخ کی کھال سیاہ سے زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہے مگر کمیاب ہے۔ یہاں سے قلانس، خفاف، دواج، خفان اور فنک وغیرہ کی کھالیں بھی باہر جاتی ہیں۔ لومڑی کی قسم کے یہ سب جانور یہیں پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی کھالیں ~~بھی سیاہ لومڑی کی کھال کی طرح برطاسیہ کہلاتی ہیں۔ قلانس، خفاف، دواج اور خفان کے متعلق خیال ہے~~ کہ وہ بھی سیاہ لومڑیوں کی نسل سے ہیں بلکہ انھیں کی ذریات ہیں۔ برطاس کے بالائی حصوں سے نہر خزر آتی ہے جو بحر نیطس یا بحر روس کی خلیج سے متصل ہے۔ قوم برطاس انھیں سواحل پر بستی ہے۔ یہاں کے پہاڑی علاقوں میں چاندی کی کانیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ یہاں کی چاندی ارض خراسان کے علاقے نجہیر کی چاندی سے ملتی جلتی ہے۔ قوم برطاس جو برفز اور روس کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی ہے نہ کسی بادشاہ کی مطیع و منقاد ہے اور نہ کسی مذہب وشریعت کی پیرو ہے۔

شہر برغز

شہر برغز بحر مایطس کے ساحل پر واقع ہے اور یہ دونوں ساتویں اقلیم میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شہر برغز کے باشندے بھی ترکوں ہی میں سے ہیں اور جو دوسرے قبائل ان کے قریب آباد ہیں وہ خراسان کے علاقہ خوارزم کے لوگ ہیں۔ خوارزمی اور خراسانی ایک ہی نسل سے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان جو لوگ آباد ہیں وہ ترکی الاصل ہیں اور دونوں جگہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان دونوں یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں یہ سب لوگ مسلمان ہیں۔ یہاں کا پہلا حاکم مقتدر باللہ کے زمانے میں مسلمان ہوگیا تھا۔ اس کے بیٹے نے حج بھی کیا تھا اور مقتدر باللہ کے لیے بہت سے تحائف لے گیا تھا۔ وہ دارالسلام بھی گیا تھا۔ کسی زمانے میں مرغز ارض فارس میں تھا اور یہاں کے لوگ لوٹ مار اور قتل وتباہی مچاتے ہوئے روم، اندلس، ارض برجان، جلالقہ بلکہ کچھ یورپی علاقوں تک جا پہنچے تھے۔ اب بھی قسطنطنیہ کی طرف جاتے ہوئے ایک دوسرے سے متصل دو شہر اور

متعدد آبادیاں ملتی ہیں مگر آج کل یہاں کوئی غیر مسلم نہیں ہے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب بلاد طرطوس و شام میں لڑائی چھڑ گئی تھی۔ امیر ثغور ذلفی شامی و بصری کشتیوں میں فوج لے کر اس طرف چڑھ آیا تھا تو ان لوگوں نے اسے بتایا تھا کہ برغز یہاں سے قریب ہے۔ یہ ۳۲۲ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس وقت مسلمان خلیج قسطنطنیہ اور بحر روم کی آخری خلیج عبور کر کے بلاد فندیہ تک آ گئے تھے۔ اس کی بابت ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ برغز کی آبادیاں بحر روم کے ساحل تک پھیلی ہوئی ہیں۔ طرطوس اور برغز کی قوم ایک عظیم قوم ہے۔ اس نے کسی زمانے میں اپنے گرد و پیش کی جملہ قوموں کو اپنا مطیع و منقاد بنا رکھا تھا حتیٰ کہ مسلمانوں سے لڑائی میں ان کے سینکڑوں سپاہی اور گھوڑے مارے گئے تھے اور ان کا حاکم مسلمان ہو گیا تھا۔ اب ان کے اور اہل قسطنطنیہ کے لب و لہجہ میں فرق کے سوا اور کوئی امتیازی بات نہیں ہے۔ تاہم آج کل یہ لوگ قلعوں اور گھاٹیوں میں آباد ہیں۔ یہاں راتیں عموماً بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بتاتے ہیں کہ کبھی کبھی تو وہاں ایسا بھی ہوا کہ وہ رات کے کھانے پکانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ صبح ہو گئی جیسا کہ ہم نے اپنی پہلی کتابوں میں ذکر کیا ہے اس کا تعلق فلکیات سے ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں چھ مہینے مکمل رات ہوتی ہے اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے۔ فلکیات کی رو سے یہ علاقہ چونکہ جدی کے قریب تر ہے اس لیے ایسا ہوتا ہے۔ زیجات میں اصحاب نجوم نے بھی شب و روز کے اس فصل کو فلکیات کے زیر اثر ظاہر کیا ہے۔

روس اور اس کے باشندے

روس میں بے شمار قومیں آباد ہیں اور ان کی انواع بھی مختلف ہیں تاہم ان میں اکثریت اس قوم کی ہے جو خود کو لوذعانہ کہتی ہے۔ اس کی تجارت کا سلسلہ اندلس، رومانیہ، قسطنطنیہ اور خزر کے ساتھ قائم ہے۔ تیسری صدی ہجری کا ذکر ہے کہ ان کے اطراف میں پانچ سو کشتیاں پہنچیں اور ہر کشتی میں قریباً سو آدمی سوار تھے یہ لوگ بحر خزر کے قریب خلیج نیطس سے داخل ہوئے۔ جہاں بحر خزر اور بحر نیطس کے بری علاقے بھی ہیں جن میں غز کے ترک آباد ہیں۔ چونکہ بحر خزر اور بحر نیطس کے ساحلی علاقے قریب قریب ہیں، اس لیے یہ لوگ دونوں پر متصرف رہنا چاہتے ہیں۔ شاہ خزر نے جس کی افواج کی تعداد یہاں کی افواج سے دوگنی ہے یہاں آنا چاہا لیکن ہر بار سمندر حد درجہ طوفانی ہونے کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا۔ اسی طرح یہاں کی افواج خزر سے تعداد میں کم ہونے کے باوجود موخر الذکر سے کہیں زیادہ قوی اور جنگجو ہیں مذکورہ بالا سمندروں کا عبور اکثر ناقابل عبور ہی رہا جب ان ترکوں نے چند دوسری روسی قوموں کے ساتھ مل کر کسی نہ کسی طرح مملکت خزر کے کچھ علاقوں پر

جہاں کے باشندوں کی تعداد ان سے کئی گنا تھی قبضہ کر لیا تو شاہِ خزر کو ان سے صلح کرنا پڑی۔ اس کے بعد روسی اقوام بحرِ خزر تک آنے لگیں اور ان کی تعداد شہر آمل اور اس کے آگے جیل، دیلم، بلاد طبرستان اور آبسکون میں بڑھنے لگی۔ یہ علاقے بلاد آذربائیجان کے قریب ہیں جو سمندری راستے سے صرف تین دن کی مسافت پر ہیں۔ یہاں تک پہنچ کر انہوں نے قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا اور عورتوں تک کو لے جانے لگے اور بچوں کو بھی نہ چھوڑا۔ ویسے ان میں ازمنۂ قدیم سے عداوت چلی آتی تھی۔ بہرحال اب تجارتی سلسلے کے علاوہ مچھلیاں پکڑنے کے لیے دونوں اطراف کے لوگ دونوں سمندری علاقوں میں آنے جانے لگے تھے لیکن روسیوں کو اس چیرہ دستی کی وجہ سے باہمی محاربات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مملکت خزر کی جانب سے ان محاربات کی قیادت ابن ابی ساج نے کی اور بڑھتا ہوا مملکت شروان کے ساحلی نقاطہ تک جا پہنچا۔ شروان کو باکہ ز باکو) بھی کہا جاتا ہے۔ ویسے آج کل شروان کا حاکم علی بن ہیثم ہے لیکن اس زمانے میں روسی شروان کے آگے تک بڑھ آئے تھے اور انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ انہوں نے ان دونوں سواحل پر قبضہ جما لیا تھا اور جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا شاہ خزر کے لیے اس وقت سمندر کا عبور ناممکن تھا اس لیے اس نے انہیں کافی زر و مال کے علاوہ بہت سے تحفے تحائف بھیج کر ان سے صلح کر لی تھی۔ تاہم جب ان کی چیرہ دستیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو ان ترک مسلمانوں نے شاہ خزر سے کہا کہ ہم آپ کے ہاں اس شرط پر آباد ہوئے ہیں کہ ہم محاربات میں آپ کا ساتھ دیں گے لیکن ان غیر مسلم روسیوں نے ہمارے لاتعداد بے گناہ مسلمان بھائیوں کو نہ صرف لوٹا بلکہ انہیں قتل بھی کر دیا ہے اس لیے اب ہم آپ سے ان کی باہمی صلح کے باوجود خاموش نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ نہ صرف شاہ خزر کی افواج نے اس کے حکم سے ان مسلمانوں کا ساتھ دیا بلکہ مملکت خزر کی نصرانی آبادی بھی ان کے دوش بدوش ظالم و خونخوار روسیوں سے مقابلے کے لیے تیار ہو گئی۔ ان سے مقابلہ کرنے والے مسلمانوں کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی۔ وہ بلاد برطاس تک جا پہنچے اور بری علاقوں کی طرف بڑھ گئے۔ تین شبانہ روز لڑائی جاری رہی اور خدا نے مسلمانوں کو فتح یاب کیا۔ تاہم اس طرف کے لوگوں نے بھی بحر خزر تک آ کر عام مسلمانوں کو قتل کیا لیکن مسلمانوں کی اس شاندار کامیابی کے بعد انہیں ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی جرأت نہ ہو سکی لیکن اس سے قبل تیس ہزار مسلمان قتل کیے جا چکے تھے۔

ہم نے یہ واقعات یہاں اس لیے بیان کیے ہیں تاکہ ان لوگوں کے خیال کی تصحیح ہو سکے جو یہ سمجھتے ہیں کہ بحیرہ خزر بحر مایطس اور بحر نیطس کی طرف سے خلیج قسطنطنیہ کے قریب ہے

کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو روسی اس طرف کبھی پھٹکنے بھی نہ پاتے چہ جائے کہ وہ مملکت خزر کے علاقے دبا لیتے۔ اس لیے جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ان دونوں سمندروں اور خلیج قسطنطنیہ میں کافی فصل ہے۔ بہرحال یہ واقعات بھی تیسری صدی ہجری کے بعد کی باتیں ہیں۔ البتہ ساحل طبرستان اس سمندر پر واقع ہے اور اب وہاں جو شہر آباد ہے اسے الہم کہا جاتا ہے اور ساحل جرجان پر جو شہر ہے وہ آبسکون کے نام سے مشہور ہے اور ان دونوں کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اس سمندر کے ساحل پر جیل اور دیلم بھی ہیں جہاں سے اب اِدھر اُدھر تجارت کا سلسلہ جاری ہے یعنی آمل سے باکہ (باکو) تک جہاں (مٹی کا) سفید تیل نکلتا ہے جو آج تک دنیا میں کسی اور جگہ نہیں نکلتا۔

نیران کے علاقے

بحر نیران کے سواحل کے سامنے متعدد جزائر ہیں جہاں سال کے مختلف موسموں میں عجیب و غریب مناظر پیش نظر ہوتے ہیں مثلاً ایک جزیرہ ایسا ہے کہ بعض اوقات وہاں سے آگ کے شعلے پہاڑوں کی طرح بلند ہو کر آسمان کی طرف لپکتے ہیں۔ یہ جزائر نیران کے بڑی علاقوں سے کافی فاصلے پر ہوتے ہوئے بھی مذکورہ بالا جزیرے سے اُٹھتے ہوئے شعلے وہاں سے صاف نظر آتے ہیں۔ ویسے اس جزیرے کی فضا بلاد صنقلیہ، ارض فرنگ اور ارض مغرب میں بلاد افریقہ کی طرح ہے خصوصاً جبل برکان کی فضا سے ملتی جلتی ہے لیکن مذکورہ بالا منظر جو گاہے گاہے سامنے آتا ہے حیرت انگیز ہے۔ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ آتش فشاں پہاڑوں کی طرح نہ یہاں گڑگڑاہٹ پیدا ہوتی ہے نہ سیاہ دھویں کے بادل اُٹھتے ہیں جیسے بلاد مہراج، وادی برہوت جو بلاد سبا اور بلاد شحر کے علاقہ حضر موت میں واقع ہے یا بلاد یمن اور بلاد عمان میں ہوتا ہے کہ گڑگڑاہٹ آواز رعد کی طرح ہوتی ہے اور پھر آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیوں کے دہانوں سے آگ کے ساتھ پتھر نکل نکل کر ہوا میں بلند ہوتے ہیں اور چاروں طرف پھیل کر تباہی مچا دیتے ہیں۔ سطح ارضی پر کہیں کہیں ایسے چشمے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن سے آگ بلند ہوتی ہے۔ ان "عیون النار" کا ذکر اور ان کی ان کیفیات کے اسباب ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں تفصیل سے پیش کیے ہیں۔

یہاں کی سمندری مخلوق میں انواع بزاب (باز) کی طرح کی ایک جاندار چیز پائی جاتی ہے اسے ایرانیوں، ترکوں، ہندیوں، رومیوں اور عربوں نے جسمانی لحاظ سے انواع بزات میں شامل کیا ہے۔ اس کا رنگ اگر سفید ہو تو اسے بہترین سمجھا جاتا ہے۔ یہ سفید رنگت کا اور مچھلی کی شکل کا دریائی جانور ارمینیا، بلاد خزر و جرجان میں برفانی علاقے ہونے کی وجہ سے کثرت سے ملتا ہے حکمائے یونان خصوصاً ارستجالس نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے جسمانی خواص پر گفتگو کی ہے۔ اس سلسلے میں خاقان،

نوشیرواں، قیصر وغیرہ کے اقوال بھی ملتے ہیں۔ ہارون الرشید کے وقائع میں بتایا گیا ہے کہ ایک روز وہ شکار کے لیے گیا۔ اس کے ہاتھ پہ باز تھا۔ جب اسے چھوڑا گیا تو وہ دریا پہ دُور تک اُڑتا چلا گیا اور جب شکار لیے لوٹا تو اس کے پنجوں میں مچھلی کی شکل کا ایک خوبصورت جانور تھا جو عربوں میں از قسم بزانت یعنی بازی کہلایا۔ جالینوس نے ارستجانس سے اتفاق کرتے ہوئے بازی کو پرندوں میں شامل کیا ہے یہاں تک کہ اسے درختوں پہ سکونت پذیر بتایا ہے اور کہا ہے کہ وہ بلند ترین اشجار پہ اپنے لیے ایسا گھونسلا بناتا ہے کہ اس کی چھت پہ بارش اور برف باری کا بالکل اثر نہیں ہوتا۔

شکرے سے شکار کی ابتدا

ادھم بن محرز نے ذکر کیا ہے کہ شکرے کے ذریعہ شکار کی ابتدا حارث بن معاویہ بن ثور الکندی نے کی۔ الکندی ابو کندہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے ایک دفعہ پرندوں کے شکار کے لیے جال لگوایا تو اس میں ایک ایسا پرندہ بھی آ پھنسا جو دوسرے پرندوں پہ جھپٹ جھپٹ کر انہیں ہلاک کر رہا تھا اور کھا رہا تھا۔ اسے پکڑا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی من بھاتی غذا چڑیوں کا گوشت ہے۔ ابو کندہ نے اسے سدھایا تو وہ اس کے ہاتھ پہ بیٹھنے لگا اور اس کے اشارے پہ پرندوں کا شکار کر کے لانے لگا۔ اس طرح عربوں میں اسے پالنے، سدھانے اور اس کے ذریعہ پرندوں کے شکار کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر اس کا عام رواج ہو گیا۔

قسطنطین و شواہین

یونانی حکیم ارستجانس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی عباسی کو سب سے پہلے روم کے شہنشاہ قسطنطین نے دُوسرے تحائف کے ساتھ شاہین بھی تحفتہً بھیجا تھا۔ اس سے قبل روم کے ایک دوسرے بادشاہ فیسان نے شاہین کو پہلی بار دیکھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بگلے سے بڑا ایک پرندہ ہوا سے پانی کی سطح پہ اترتا ہے اور سمندری پرندوں کو اپنے پنجوں میں پکڑ کر آسمان کی طرف پرواز کر جاتا ہے اور یہ کہ پرواز کی تیزی میں کوئی دوسرا پرندہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ آسمان کی بلندیوں کی طرف اتنی سرعت سے جاتا ہے کہ نگاہ اس کا تعاقب نہیں کر سکتی۔ ملوکِ روم میں فیسان ہی پہلا بادشاہ تھا جس نے شاہین کی ان خصوصیات پہ غور کیا لیکن قسطنطین نے اسے کسی نہ کسی طرح پکڑا اور پھر اسے شکار کے لیے سدھایا یعنی شاہین سے شکار کا موجد قسطنطین ہی تھا۔ ایک شکار ہی کے موقع پہ اس نے ساحل سمندر پہ ایک پُرفضا جگہ کو پسند کر کے وہاں ایک خوب صورت شہر کی بنیاد ڈالی تھی جو اسی کے نام کی مناسبت سے قسطنطنیہ کہلایا۔ اس واقعہ کا ذکر سعید بن عبیس بن ہاشم بن خدیج نے کیا ہے۔

ابن غفیر نے ابی زید فہری کے حوالے سے جو ملوک اندلس کی طرف سے زرافہ کا حاکم تھا بیان

کیا ہے کہ جب ملوک اندلس میں سے کوئی اپنے لشکر کے ساتھ کہیں کا قصد کرتا تھا تو شاہین اس کے مرکب اور اس کے لشکر کے اوپر ہوا میں ساتھ ساتھ اُڑتے رہتے تھے اور حالتِ قیام میں ان کے خیموں پر بیٹھے رہتے تھے جیسے قدرت نے ان کے اور ان کے عساکر کی حفاظت کا یہ فطری انتظام کر رکھا ہو۔ ابن عفیر ہی نے ابی زید فہری کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ فہری کے زمانے میں اندلس کے ملک ازرق نے ایک شاہین پال رکھا تھا جو اس کی سواری پر آگے بیٹھا رہتا تھا۔ ایک دفعہ حالتِ سفر میں ایسا ہوا کہ ملک ازرق نے ہوا میں ایک پرندے کو اُڑتے دیکھ کر اپنے اس شاہین کو اشارہ کیا تو وہ برق رفتاری سے ہوا میں بلند ہوا اور آناً فاناً اس پرندے کو پنجے میں دبوچ کر واپس بادشاہ کے پاس لے آیا تو سب حیران رہ گئے اور اس طرح ملوک اُندلس میں ملک ازرق نے سب سے پہلے شاہین کے ذریعہ پرندوں کے شکار کا آغاز کیا۔ روم کے حکماء اور امراء نے اپنے بادشاہ سے کہا تھا کہ یہ شاہین جہاں ملوک اندلس کے لیے اسلحہ کا کام دے کر خیر کا سبب بن رہے ہیں ہمارے واسطے صرف موجب شر ہیں۔

ایک دفعہ قیصر روم نے کسرئے ایران کو تحفتہً ایک شاہین یا عقاب بھیجا اور اس کے شکار کرنے کی صلاحیتیں واضح کر کے یہ بھی لکھا کہ یہ عقاب پرندوں کے علاوہ ہرن کا شکار بھی کر سکتا ہے۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسریٰ نے اس کا امتحان لیا تو اس نے ہرنوں کا شکار بھی کر دکھایا لیکن ایک دفعہ اس نے کسریٰ کے سامنے ایک لڑکے پر جھپٹ کر اس کی تکا بوٹی کر ڈالی کسریٰ نے کہا: "قیصر کا مطلب یہ ہے کہ وہ چاہے تو لشکر کے بغیر بھی ہمارے لوگوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔" اس کے بعد کسریٰ نے قیصر کے عقابی تحفے کے جواب میں اسے ایک چیتا بھیجا جو شکل و صورت اور قد و قامت میں تیندوا لگتا تھا اور اسے لکھا کہ یہ بھی عقاب کی طرح ہرنوں اور اس قبیل کے دوسرے چھوٹے جانوروں کا شکار کر سکتا ہے بلکہ اس سلسلے میں اس کی صلاحیت عقاب سے کہیں زیادہ ہے۔ قیصر اس چیتے کی شکاری صلاحیت دیکھ کر بہت خوش ہوا اور مطمئن ہو گیا لیکن ایک روز وہی چیتا جسے قیصر نے صرف سدھا ہوا پالتو شکاری تیندوا سمجھا تھا سر دربار خود قیصر پر جھپٹ پڑا۔ قیصر تو بچ نکلا لیکن چیتے نے اس کے متعدد امراء و وزراء کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اس چیتے کو یہی خصوصی صلاحیت کسریٰ نے عمداً قیصر سے پوشیدہ رکھی تھی۔ یہ دیکھ کر قیصر بولا: "کسریٰ نے ہم سے بدلہ لے لیا ہے، تاہم شکایت کا کوئی موقع نہیں کیونکہ عوض معاوضہ گلہ ندارد"

یہاں ہم نے بازوں، شاہینوں یا عقابوں کی اشکال اور ان کے اعضا و جوارح کے اذکار کے ساتھ ضمناً ملوک اندلس اور قیصر کے پالتو عقابوں اور کسریٰ کے پالتو چیتے کا ذکر بھی کر دیا ہے جو کسی قدر طویل

ہوگیا ہے اور شاید غلو آمیز بھی لگے۔ ہم یونانی عقابوں کا ذکر ملوک یونان کے حالات و کوائف کے ساتھ زیرنظر کتاب میں آگے چل کر کریں گے۔ اب ہم پھر باب و الابواب کے علاقوں اور جبل قبخ کی طرف لوٹتے ہیں۔
جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے یہاں کے حکمران اپنے پڑوس جیدان کی اقوام کے ساتھ ہمیشہ چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ ان اقوام میں مسلمان بھی ہیں جن کا حکمران بزعم خویش عربی النسل ہے اور قبیلہ قحطان سے ہے جسے اب یعنی ۳۳۲ ہجری میں سلفان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ویسے کہا یہ جاتا ہے کہ اس قوم میں مذکورہ بالا حکمران اس کی اولاد اور اہل خاندان کے سوا کوئی اور مسلمان نہیں ہے۔ بہرحال اس قوم کے دیگر حکمرانوں کی بابت بھی یہی افواہ ہے۔ مملکت جیدان اور باب و الابواب کے درمیانی علاقے کے سب لوگ مسلمان ہیں جو صرف عربی بولتے ہیں۔ وہ یہاں کے سواحل کی طرف عرب سے آکر آباد ہوگئے ہیں کیونکہ انہوں نے یہاں پانی اور شادابی کی کثرت دیکھی ہے وہ مملکت جیدان میں آمدورفت رکھتے ہیں لیکن انہیں وہاں کے باغوں سبزہ زاروں یا نہروں کے کنارے مستقل قیام کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے علاقے سے باب والابواب کے شہر تک تین دن کی مسافت ہے۔ اہل ابواب ان سے مجتنب اور خائف رہتے ہیں۔

مملکت جیدان کے قریب اور جبل قبخ و سریر کے متصل ایک علاقے کا حکمران بھی مسلمان ہے اور "برزبان سلم" کہلاتا ہے بلکہ یہ سارا علاقہ ہی برزبانی کہلاتا ہے۔

مملکت غمیق

مملکت مرزبان کے متصل ایک اور مملکت ہے جسے مملکت غمیق کہتے ہیں۔ اس کے باشندے نصرانی ہیں اور مملکت کے حامی نہیں ہیں۔ تاہم اب کچھ لوگ سا اس مملکت کے عہدہ داروں میں شامل ہوگئے ہیں۔

مملکت زریکران

اس کے بعد قریب ترین مملکت زریکران ہے جو علاقۂ سریر اور جبل قبخ کے قریب ہے۔ وہاں کے لوگ زرہ بکتر بناتے ہیں، اونٹوں کی مہاریں اور گھوڑوں کی لگامیں بھی بناتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تلواریں اور لوہے کا دوسرا سامان بھی تیار کرتے ہیں۔ ان کے مذاہب مختلف ہیں۔ وہاں مسلمان بھی ہیں، عیسائی بھی اور یہودی بھی۔ ان کا مرکزی شہر خش ہے۔ وہ لوگ کسی دوسری قوم کے لوگوں کو وہاں داخل نہیں ہونے دیتے۔

مملکت سریر

مملکت زریکران کے نزدیک ایک اور مملکت سریر ہے۔ اس کا بادشاہ نصرانی ہے جو فیلان شاہ کے نام سے مشہور ہے اور جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بتا چکے ہیں۔ وہ بہرام گور کی نسل سے ہے لیکن اس کے اپنے خیال میں وہ یزدگرد کی اولاد میں سے ہے جو

ساسانی بادشاہوں میں آخری تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یزدگرد کو قتل کر دیا گیا تو بہرام گور کی نسل کا ایک شخص جو مملکت سریر کے موجودہ حکمران کے بزرگوں میں سے تھا اس کا طلائی تخت اور جملہ زر و جواہر و مال و متاع لے کر یہاں چلا آیا اور یہاں کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کا ذکر ہم اس کتاب کے علاوہ اپنی پچھلی کتابوں میں بھی کر چکے ہیں۔ مملکت سریر کا دارالحکومت حمرج کہلاتا ہے۔ اس کے تحت چھوٹے بڑے بارہ ہزار شہر اور دیہات ہیں۔ بلدخشن کے لوگ یہاں آ جا نہیں سکتے کیونکہ یہ حکمران بڑا ظالم و جابر ہے۔ اہل خزر کی رسائی بھی ان پہاڑی گھاٹیوں کو عبور کر کے جو اس مملکت کی حدود میں ہیں تقریباً ناممکن ہے کیونکہ جبل قبخ کا پہاڑی علاقہ حد درجہ دشوار گزار ہے۔

مملکت لان

مملکت سریر کے نزدیک ترین علاقوں میں مملکت لان ہے۔ اس مملکت کا حکمران کرکنراج کہلاتا ہے بلکہ یہاں کا ہر حکمران اسی نام سے مشہور چلا آتا ہے جس طرح مملکت سریر کے ہر حکمران کو فیلان شاہ کہا جاتا ہے۔ اس کا دارالحکومت معص ہے لیکن اس کے علاوہ دوسرے بہت سے مقامات پر بھی اس کے محلات اور قیامگاہیں ہیں جہاں وہ آتا جاتا رہتا ہے۔ ان دونوں مملکت سریر اور مملکت لان کے حکمرانوں میں باقاعدہ دوستی ہے بلکہ دونوں نے ایک دوسرے کی بہنوں سے شادی بھی کر رکھی ہے۔ مملکت لان دولت عباسیہ کے زمانے میں اسی کے ماتحت تھی لیکن یہاں کے لوگ اس زمانے تک نصرانی تھے اور اس سے قبل دورِ جاہلیت کی یادگار تھے۔ نصرانیت قبول کرنے کے بعد ان میں اسقف اور قبیس بھی چُنے جانے لگے اور یہ سب براہِ راست شاہ روم کی سرپرستی میں آ گئے تھے۔

مملکت لان اور جبل قبخ کے درمیان ایک بڑا قلعہ اور اس کے گرد بڑی لمبی چوڑی فصیل ہے۔ اس قلعہ کو "باب اللان" کہا جاتا ہے۔ اس قلعہ کی بنیاد رکھ کر اس کی تعمیر ایک قدیم ایرانی بادشاہ اسفندیار بن استاسف بن بہراسپ نے کی تھی۔ اس قلعہ میں جو لوگ رہتے ہیں وہ باہر کے لوگوں کو کوہِ قبخ تک جانے کی اجازت نہیں دیتے۔

یہ قلعہ ایک پہاڑی چوٹی پر بنا ہوا ہے اور کوہِ قبخ تک جانے والے اس قلعہ کے نیچے سے ضرور گزریں گے چونکہ اس کے سوا وہاں تک پہنچنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں سے گزرنے کے لیے اہل قلعہ کی اجازت ضروری ہے جو بہت کم ملتی ہے جہاں یہ قلعہ واقع ہے اسی پہاڑ سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ نکلتا ہے جو بہت عمدہ ہے۔ فارسی شاعروں نے اس قلعہ کا ذکر اپنے اشعار میں کیا، کیونکہ تمام دنیا کے قلعوں میں یہ قلعہ اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے عجیب ترین ہے۔ اسفندیار فارسی نے مشرق میں یہاں کی اکثر اقوام سے لڑائیاں لڑی ہیں۔ وہ بڑھتا بڑھتا ان ترکی علاقوں تک

آ پہنچا تھا اور اسی نے جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا یہ قلعہ یہاں تعمیر کیا تھا۔ ہم نے اسفندیار کے حالات وکوائف جہاں بھی لکھے ہیں وہ کتاب البنکش کے حوالے سے لکھے ہیں اور ابن مقنع نے اس کے بارے میں جو کچھ عربی میں لکھا ہے وہ بھی اسی کتاب سے منقول ہے۔ جب مسلمہ بن عبد الملک بن مروان یہاں پہنچا تو اس قلعہ میں رہنے والوں کو بطائف الحیل مطیع کر کے کچھ اہل عرب کو یہاں چھوڑ دیا۔ ان کے کھانے پینے کا سامان اور دوسرے لوازم زندگی وہ تفلیس کے سرحدی درّے سے یہاں بھیجتا تھا۔ تفلیس اور اس قلعہ کے درمیان بھی پانچ دن کی مسافت ہے۔ ویسے اگر اس قلعہ میں فردِ واحد بھی موجود ہو تو یہاں کے نشیب سے گزرنے والوں کو روک سکتا ہے۔ یہاں کا حکمران جب سوار ہو کر چلتا ہے تو اس کے جلو میں تیس ہزار فارسی سپاہی ہوتے ہیں۔ اس کی سیاست ذاتی کا یہ کمال ہے کہ اس نے قرب وجوار کی جملہ مملکتوں سے قریبی دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ ویسے اس کی سلطنت میں قصور و عمارات اتنے قریب قریب ہیں کہ وہ قلعہ سے نکل کر جب چاہے ان کے ذریعہ بوقت ضرورت راہِ فرار اختیار کر سکتا ہے۔

قوم کشاک

مملکت لان کے قریب وجوار میں ایک اور مملکت ہے جسے کشک کہا جاتا ہے۔ وہ کوہ قبخ اور بحرِ روم کے درمیان میں ہے۔ یہاں بسنے والی قوم مجوسی ہے۔ اس کا رنگ رُوپ قرب وجوار کی قوموں سے کسی قدر الگ ہے۔ بہر حال ان کا رنگ سفید نہیں ہے یہاں کے مرد خوبصورت ہوتے نہ عورتوں میں صباحت ہے نہ یہ دونوں بلند قامت ہیں میل ملاقات میں نہ بالکل سرد نہ زیادہ گرم جوش، اسی طرح شکل وصورت کے لحاظ سے بھی انہیں خوبصورت نہیں کہا جا سکتا۔ نہ فطرۃً ذمہ دار۔ ویسے یہاں کی عورتیں خلوت میں لذت آفرینی سے متصف بتائی جاتی ہیں۔ ان کا لباس دیبائے رومی سے زرتاری میں ملتا جلتا ہے۔ یہاں کے کچھ درختوں سے سن کی طرح ریشے نکلتے ہیں ان سے بھی لباس تیار کیا جاتا ہے جن میں زرعی شامل کی جاتی ہے یہ لباس انتہائی نازک اور باریک ہوتا ہے اس کی قیمت دس دینار ہوتی ہے۔ اسے یہاں سے قریب مسلم علاقوں میں برآمد بھی کیا جاتا ہے۔

لان کے لوگ یہاں کے لوگوں پر امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ لان کی طرح ان لوگوں کے قلعے اور دوسری عمارات ساحل بحر پر نہیں ہیں جسے بحر روم کہا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگوں اور اہل لان میں اس سمندر کے بارے میں تنازعہ ہے۔ اس سمندر کو کچھ لوگ بحر نیطس بھی کہتے ہیں جو بلاد طرابزندہ کی طرف سے یہاں کے قریب ہیں۔ یہاں کا سامان تجارت اسی طرف سے لے جایا جاتا ہے۔ لان کے

لوگوں اور یہاں کے لوگوں میں زیادہ تر وجہ امتیاز عربیت اور فارسیت ہے۔ یہی امتیاز ان دونوں کے لب و لہجہ میں بھی ہے۔ اسی لیے عربوں سے قربت کے باوجود فارسیت کے غلبہ کی وجہ سے یہ قوم کشک کہلاتی ہے۔ قوم کشک کے گرد و پیش دُور دور تک بہت سی قومیں آباد ہیں جن کے مذہب وغیرہ کی بابت معلوم نہ ہو سکا۔

ارم ذات العماد کشک سے آگے ایک عظیم قوم آباد ہے اور ان دونوں کے درمیان فرات جیسا ایک بڑا دریا بہتا ہے جو آگے چل کر بحیرہ روم یا بحر قبطیس میں جا گرتا ہے۔ اس بڑی قوم کا دارالحکومت "ارم ذات العماد" کہلاتا ہے۔ یہاں کے قریب جو سمندر ہے اس کے متعلق عجیب و غریب بلکہ مضحکہ خیز حکایات بیان کی جاتی ہیں، مثلاً یہاں کے سمندر سے سال میں ایک بار اتنی بڑی مچھلی نکلتی ہے جو اس قوم کی لحمی خوراک کے لیے سال بھر کافی ہوتی ہے، پھر دوسرے سال جو اتنی ہی بڑی مچھلی نکلتی ہے وہ اگلے پورے سال تک کفایت کرتی ہے۔ کہتے ہیں ان لوگوں نے گوشت خوری اسی مچھلی سے شروع کی ہے۔ ان کے عادات و اطوار زمانہ جاہلیت جیسے ہیں اور اسی لیے یہ مذہباً کافر ہیں۔

یہاں سے قریب جو ایک اور علاقہ ہے وہ چار پہاڑوں کے بیچ میں گھرا ہوا ہے۔ ویسے وہ چار مختلف علاقے ہیں جن کے مابین سفر مشکل ہے کیونکہ انہیں سو میل کا ایک صحرا ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ یہ صحرا دائرے کی شکل میں ہے اور اس کے کناروں پر پہاڑ ہیں۔ ان علاقوں تک پہنچنے کے لیے متعدد پہاڑی نشیب و فراز اور گھاٹیاں ہیں۔ یہ گھاٹیاں ہر دو میل کے فاصلے پر ملتی ہیں اور بہت ہی خطرناک ہیں۔ ان علاقوں میں رات کے وقت آگ کے شعلے بلند ہوتے نظر آتے ہیں لیکن صبح کو سورج نکلنے کے بعد عمارتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ یہاں انسان اور درندے دونوں رہتے ہیں۔ درندوں کا ٹھکانہ گھاٹیاں ہیں اور عریض و طویل غار۔ یہاں کے لوگوں کی شکلیں اور جسم کی ساخت بھی عجیب و غریب ہے۔ یہاں بندر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ انسانوں کی شکلیں بھی کچھ انہیں بندروں سے ملتی جلتی ہیں۔ یہاں کے جنگلوں میں بندروں کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہاں کیلے کے درخت بکثرت ہوتے ہیں۔ بندر دوسرے درختوں کی شاخوں سے اُتر کر کیلے کے درختوں کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں اور آپس میں انسانوں کی طرح بات چیت کرتے ہیں۔ ان کے سردار کو امتیازی جگہ ملتی ہے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انسانوں کی کوئی مشاورتی مجلس برپا ہو۔ یہاں کے آدمیوں کی بولی بھی ان بندروں کی بولی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ان کی بولی کو کسی زبان کا درجہ تو کیا نطق کا درجہ دینا بھی ناممکن ہے۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا اجنبی وہاں جا نکلے تو مقامی باشندوں سے صرف اشاروں میں

بات کر سکتا ہے۔ بندر یہاں کا مفید ترین جانور ہے۔ ویسے بندر سندھ و ہند میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں مگر اس کی افادیت کا شاید موخر الذکر ملکوں کو علم نہیں۔ سمندر سے مگرمچھ یا گھڑیال پکڑنا یہاں کے مقامی باشندوں کی بے مثال ایجاد ہے۔ ساحل سمندر پر بندروں کا سینکڑوں حیلوں بہانوں سے گھڑیالوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے ساحل پر لے آنا واقعی منجملہ عجائبات ہے۔ ان بندروں کی افادیت میں یہ واقعہ سرفہرست ہے کہ جب یہاں کا کوئی حکمران کھانا کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھتا ہے تو ایک بندر بھی اس کے برابر بیٹھتا ہے۔ ہر کھانا پہلے اس بندر کو پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اسے کھا لے تو حکمران بھی اسے مسموم سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ اس قسم کا پہلا بندر یہاں سے خلیفہ مہدی کی خدمت میں پابہ زنجیر کر کے بھیجا گیا تھا اور ایک عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کو بھی۔ پھر عرب میں بندروں کی نسل پھیلتی گئی۔ خصوصاً یمن وغیرہ میں اب کافی بندر پائے جاتے ہیں۔ یہاں کے بندروں کی داڑھیاں بھی ہوتی ہیں اور اس طرح ان میں بچے بوڑھے اور جوان الگ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی شکلیں انسانوں سے حد درجہ مشابہ ہیں۔ سمندر سے بندر کے ذریعہ گھڑیال پکڑنے کا تماشا امیر عمان احمد بن ہلال نے حال ہی میں کیا ہے۔ اس کا سب سے پہلے ذکر جاحظ نے اپنی کتاب میں کیا تھا۔ اہل یمن بندر کو رباح کہتے ہیں۔ ان کے نروں اور ماداؤں میں امتیاز نر کے جسم پر گھنے بالوں سے ہوتا ہے۔ یہاں ایک اور جانور بھی پایا جاتا ہے جو چوہے سے کسی قدر بڑا اور نیولے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اہل مصر اب اسے عرالنس کہتے ہیں اور یہاں سے پکڑ لے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان چاروں پہاڑوں میں شرقی و غربی اور شمالی و جنوبی جنگلوں میں بہت سے دوسرے چوپائے اور عجیب و غریب جانور پائے جاتے ہیں۔ ہم نے مذکورہ بالا جانوروں کا ذکر اپنے قارئین کی دلچسپی کے لیے کر دیا ہے کیونکہ اصل میں تو ہم بلادِ خزر، جبل قبخ اور لان کے علاقائی حالات و کوائف بیان کر رہے ہیں۔

بلاد خزر و لان اور مغرب کے درمیان چار قومیں آباد ہیں۔ جو سب ترک ہیں اور بلحاظ انساب ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو کہیں سکونت پذیر ہیں اور کہیں خانہ بدوش، ان کی لوٹ مار کے سلسلے روم اور اندلس تک پھیلے ہوئے تھے لیکن اب ان میں باہمی معاہدے ہو گئے ہیں جن میں مملکت خزر اور مملکت لان بھی شامل ہیں۔ ترکوں پر علاقائی اعتبار سے چار قومیتوں کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلی تو بجنی (یجی ؟) ہے اور دوسری بجغرو تیسری بجناک ہے اور یہ خود بھی چار گروہوں میں منقسم ہے۔ ان میں سے ایک نوکردہ ہے۔ جس کا حکمران یدو ہے۔ اس کی ۳۲۰ ہجری کے بعد تک اور اس کے دوران میں رومیوں سے ٹھنی رہی اور محاربات ہوتے رہے کیونکہ

ان کے قریبی علاقے رومیوں کے زیر حکومت تھے۔ مذکورہ بالا چاروں (نام نہاد) قوموں کے علاقے کے نزدیک یونان کا ایک بڑا شہر ہے جسے ولندر کہتے ہیں۔ اب ان قوموں اور یونانی و رومی علاقوں کے درمیان اگر کچھ حائل ہے تو وہ سمندر اور پہاڑ ہیں جن کے راستوں کی مکمل حفاظت کی جاتی ہے اس سے قبل اردبیل کے ایک مسلمان تاجر کو ولندر میں لوٹ لیا گیا تھا۔ ترکوں نے اس پر احتجاج کیا تو رومی لڑائی بھڑائی پہ آمادہ ہو گئے۔ جواب میں ترکوں نے ولندر پر حملہ کر دیا، اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور لاتعداد لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، پھر وہ روم کی طرف بڑھے تو ان کے ساتھ کُردی دستے بھی تھے جو ترکی لشکر کے میمنہ میسرہ اور کبھی قلب لشکر سے نیزے لے کر نکلتے تو رومی لشکر کے میمنہ، میسرہ اور قلب لشکر پر جا پڑتے اور آن کی آن میں کشتوں کے پشتے لگا دیتے۔ آخرکار رومیوں کو شکست ہوئی تھی۔ واضح رہے کہ پہلے اس بڑی جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی تھی، بہرحال رومیوں کی اس شکست اور پھر باہمی صلح کے بعد جب ایک بھاری فارسی لشکر ادھر آیا تھا اور ولندر سے روم تک قتل و غارت کی انتہا کر دی تھی تو انہیں ترکوں نے رومیوں کا ساتھ دیا تھا اور فارسی لشکر کو منہ کی کھانی پڑی تھی ترکوں کے ساتھ ترکی علاقوں کے اور عربی علاقوں کے کُرد بھی تھے۔ اس کے بعد اس علاقے سے ترکوں کی تجارت بحال ہو گئی تھی۔ ترکوں نے جو رومیوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ فارسی لشکر نے رومیوں کی ایک بڑی تعداد کو اسلامی علاقوں کی طرف دھکیل دیا تھا۔ یہ ازمنہ قدیم کے واقعات ہیں۔ اس کے بعد جب غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی گئی اور بہت سے نصرانی مسلمان ہو گئے تو اشاعتِ اسلام کی مزید راہیں کھل گئیں اور اسلام دُور دُور تک پھیلتا چلا گیا جس سے پہلے قسطنطنیہ تک محاربات کا سلسلہ جاری تھا اور مقتولوں میں پیر و جوان، بچے اور عورتیں سبھی شامل تھے۔ اب قسطنطنیہ تک یہ سب علاقے ان کی محروسات میں شامل ہیں۔

قوم انجاز

اب ہم پھر جبل قبخ کے علاقائی حالات و کوائف کی طرف لوٹتے ہیں۔ بلاد لان کے قریب ایک اور مملکت ہے جسے انجاز کہتے ہیں اور اسی نسبت سے وہاں بسنے والی قوم بھی قوم انجاز کہلاتی ہے۔ یہ سب لوگ نصرانی ہیں۔ ان کا حکمران بھی ہے لیکن اس پر لان کے حکمران کا غلبہ ہے بلکہ اس کی ساری مملکت کو لان کا انتدابی علاقہ سمجھنا چاہیے۔ اس مملکت یعنی مملکت انجاز کے قریب ایک اور مملکت ہے جو خزران کہلاتی ہے۔ اس کا حکمران آج کل طبیعی نام کا ایک شخص ہے طبیعی کی مملکت میں ایک عظیم الشان مسجد ہے جو مسجد ذی القرنین کہلاتی ہے۔ انجاز اور خزریہ میں میں مسلمانوں کی آمد سے قبل یہ مملکتیں تفلیس کی پہاڑی سرحدی مملکت کی باج گزار تھیں۔ موخرالذکر

مملکت متوکل کے زمانے میں فتح ہوئی اور اسحٰق بن اسماعیل یہاں کا حکمران مقرر ہوا۔ اس نے گردوپیش کے جملہ علاقوں پہ دبدبہ بٹھایا اور ان سے جزیہ وصول کرنا شروع کر دیا لیکن اسے خود ہی ہضم کرنے لگا یعنی خلافت عباسیہ کی نمائندگی کی بجائے خود مختار بن بیٹھا۔ اس پہ متوکل خود یہاں آیا، علاقۂ تفلیس کو از سرِ نو فتح کیا اور اسحٰق بن اسماعیل کو قتل کر دیا گیا۔ اسے بعض اسحٰق بن اسماعیل کو بنی اُمیہ یا ان کے لواحقین کے ایک شخص نے دیکھا تھا، یہاں اس کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں جن کا کتاب اخبار العالم میں بھی ذکر کیا گیا ہے اس وقت سے یہاں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور مسلم علاقوں سے بھی جو علاقۂ تفلیس کے زیرِ اثر تھے محصولات کی وصولی روک دی گئی البتہ گردوپیش کے چھوٹے چھوٹے غیر مسلم علاقوں سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کی بناء پہ جزیہ کی وصولی جاری ہے۔

مملکت خزران کے نزدیک ایک اور مملکت ہے یا چھوٹا سا علاقہ ہے جہاں کے باشندے عادات و اطوار کے لحاظ سے زمانۂ جاہلیت کی یاد دلاتے ہیں۔ وہ نصرانی کہلاتے ہیں لیکن ان کی کوئی باقاعدہ حکومت ہے نہ ان کا کوئی حکمران۔ اس کے نزدیک ہی مملکت صمصخی ہے جو اس علاقے اور علاقۂ تفلیس کے درمیان واقع ہے۔ اس کے قرب و جوار میں ایک قلعہ ہے جو مملکت لان کے تصرف میں ہے اور باب اللان کہلاتا ہے۔ اس کے گردوپیش کا علاقہ صنازیہ کہلاتا ہے اور وہاں کا حکمران کرسکوس کے نام سے موسوم ہے یہاں کے لوگ عیسائی ہیں اور خود کو عرب کے قبیلے مضر کے علاقہ کے نزار بن معد کی نسل سے بتاتے ہیں اور یہاں ایک زمانے سے آباد ہیں۔ یہ اپنا تعلق قبیلۂ عقیل سے بھی ظاہر کرتے ہیں، بڑے رعب داب کے لوگ ہیں اور گردوپیش کے کل علاقے پہ چھائے ہوئے ہیں۔ میں نے عقیل سے منسوب لوگوں کو یمن کے علاقے مارب میں دیکھا ہے جو عادات و اطوار اور شکل و صورت میں یہاں کے لوگوں سے کسی قدر ملتے جلتے ہیں لیکن درحقیقت نزار بن معد کی اولاد ہیں جن کا عقیل سے کوئی تعلق نہیں اس کے سوا کہ انمار بن نزار بن معد کے بیٹے نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یمن میں ان کے ورود کا ذکر روایات احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جریر بن عبداللہ البجلی نے کیا ہے جو اخبار بجیلہ کہلاتی ہیں لیکن یہ صناری یا ضیاری لوگ کہتے ہیں کہ وہ یمن میں آنے والے لوگوں سے علیحدہ ہو کر قدیم زمانے میں یہاں آ بسے تھے۔ ویسے مارب میں عقیل سے منسوب لوگوں کی داستان ایک الگ طویل کہانی ہے۔

مملکت شکین

مملکت صنازیہ کے نزدیک ہی مملکت شکین واقع ہے جہاں کے باشندے نصرانی ہیں۔ جو مسلمان ہو گئے انہوں نے تجارت کے ذریعہ کافی ترقی کی ہے ان کا ذکر ہمارے زمانے کے مؤرخ آذر بن نبیہ بن مہاجر نے کیا ہے اور ہم نے اپنی اس کتاب میں

اسی سے یہ ذکر لیا ہے۔

مملکتِ قبیلہ مملکت شکین کے پاس ہی مملکت قبیلہ ہے جس کے مرکزی شہر میں مسلمان بھی رہتے ہیں، باقی دوسری آبادیوں میں نصرانی آباد ہیں جنہیں مذکورہ بالا مؤرخ "عنبسۃ الاعور" بتاتا ہے جن کی اصل نصوص، صعالیک اور دغار سے تعلق رکھتی ہے۔

مملکتِ موقان مملکت قبیلہ کے پاس ایک اور علاقہ مملکتِ موقان کہلاتا ہے جس کا ہم نے اپنی پہلی تاریخی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ یہ علاقہ مضافات شروان میں ہے اس لیے اس علاقے کو سوقانیہ کہنا غلط ہے، جو بحر خزر کے ساحل پر ایک جگہ کا نام ہے۔ محمد بن یزید نے شروان کی حکومت حاصل کر کے خود کو شروان شاہ کہلایا تھا۔ اب شروان کا حکمران ایران شاہ کہلاتا ہے یہ نام اس کے اسلاف سے چلا آتا ہے۔ شروان شاہ کا نام علی بن ہیثم تھا۔ جب علی ہلاک ہو گیا تو محمد شروان شاہ کی اولاد پر غالب آگیا تھا جیسا کہ ہم ضمناً کہیں ذکر کر چکے ہیں۔ شروان شاہ کا تعمیر کردہ جو قلعہ ہے اس قدر عمدہ قلعہ جبل قبخ کے آس پاس تو کیا دنیا میں کہیں دوسری جگہ نہیں ہے بلاد شروان میں کسریٰ ابن قباذ بن فیروز نے پتھروں اور کنکروں سے ایسی خوشنما عمارات بنائی ہیں کہ دیکھا کیجیے۔ شروان کا یہ علاقہ مسقط کہلاتا ہے۔ مٹی چونے اور پتھروں سے تعمیر کردہ یہ عمارات برمکی کے ناموں سے مشہور ہیں۔ بلاد برذعہ کا ذکر ہم نے یہاں اس لیے نہیں کیا کہ ہم اس کا ذکر اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ البتہ نہر کُر کا ذکر کرنا یہاں مناسب سمجھتے ہیں جو مملکت جرجیر سے آتی ہوئی بلادِ انجاز سے گزرتی ہے اور آگے چل کر جب تفلیس تک پہنچتی تو اسے دو حصوں میں بانٹ دیتی ہے پھر یہی نہر بلاد سیاوردیہ سے گزر کر تین میل تک برذعہ کے اصل علاقے میں بہتی ہے اور پھر آگے برذعہ کے مضافاتی علاقوں سے گزرتی ہوئی برداج تک جاتی ہے جو مملکت برذعہ ہی کا علاقہ ہے۔ پھر صنارہ کے علاقے میں نہر رَس بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے اور یہ دونوں اقصائے بلادِ روم تک ایک ہو کر جا پہنچتی ہے۔ اقصائے بلادِ روم کے شہر طرابذندہ سے ہو کر یہ نہر شہر کُر تک جاتی ہے۔ اسی لیے اس کا نام نہر کُر پڑ گیا ہے۔ نہر اَرس اس نہر میں مل کر بحیرۂ روم میں جا گرتی ہے۔ جہاں تک نہر اَرس کا تعلق ہے یہ بلادِ بدین میں بہتی ہے جو بلادِ بابک خرمی یعنی سرزمین آذربائیجان میں ہے یعنی جبل ابی موسیٰ میں جو علاقہ رّان میں ہے۔ یہ نہر یہاں سے بلادِ ورثان تک جاتی ہے اور پھر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں نہر کُر میں مل کر آگے بڑھتی ہے۔ اس نہر یعنی نہر اَرس اور ایک اور نہر اسبیذروج کا ذکر ہم اپنی پہلی کتابوں میں بھی کر چکے ہیں۔ نہر اسبیذروج کا نام فارسی اور عربی دونوں زبانوں کے الفاظ سے مل کر بنا ہے۔

یہ نہر ارض دیلم کے علاقۂ جریانہ میں قلعہ سلار کے قریب سے گزرتی ہے۔ یہ قلعہ کسی دیلمی حکمران ابن اسوار کے نام پر ہے۔ یہ علاقہ اب تاریخی لحاظ سے جیسا کہ ہم کہیں اور لکھ چکے ہیں آذر بائیجان میں شامل ہے۔ یہ نہر دیلم سے جبل کی سمت آگے بڑھتی ہے جہاں بلادِ دیلم کی آخر نہر جو ساہان رود کہلاتی ہے اس میں مل جاتی ہے اور دونوں مل کر بحیرہ جبل تک جاتی ہے۔ بحر جبل و خزر اور بحر دیلم کے سواحل کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ دیلم اور جبل کی قومیں ان سواحل پر جب آئیں تو گردوپیش کے سارے علاقوں پر قابض ہو گئیں حتیٰ کہ یہاں کے سمندر بھی انہیں کے ناموں سے موسوم ہونے لگے۔ یہاں جبل فتح بحر خزر اور متصلہ مملکتوں کا ذکر ختم ہوتا ہے۔

ملوک العالم

اب ہم آئندہ صفحات میں سریانی بادشاہوں کا ذکر کریں گے جن کا ذکر ملوک عالم کے تحت کتب زیجات و نجوم اور قدیم کتب تواریخ میں سب سے پہلے آتا ہے۔ پھر ملوک موصل و نینوا کا ذکر ہوگا۔ اس کے بعد ملوک بابل کا تذکرہ آئے گا جنھوں نے خطۂ ارضی پر شہر کے شہر آباد کیے۔ نہریں نکالیں، درخت لگائے، پھلوں کے لیے باغات بنوائے، دشوار گزار راستوں پر سڑکیں بنوائیں اور انہیں سفر کے لیے آسان بنایا۔ پھر یہ سلسلہ ملوکِ فارس کے دورِ اوّل تک چلا۔ یہ ملوک فارس خراسان کہلائے۔ یہ سلسلہ فریدون پر ختم ہوا۔ اس کے بعد کے بادشاہ اسکان کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ سلسلہ دارا تک پہنچا جسے داریوس بن دارا بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ملوک طوائف کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر ملوکِ فارس کا دورِ ثانی۔ ان سب کے حالات و کوائف پیش کرنے کے بعد ہم ملوک یونان و روم کا ذکر کریں گے اور اس کے بعد انشاءاللہ تعالیٰ ہم ان کے قریب تر ملوکِ عرب اور سوڈانی اقوام نیز خطۂ ارضی کے باقی بادشاہوں کے حالات و کوائف قلم بند کریں گے۔

سریانی ملوک اور ان کے کچھ حالات و کوائف

ابن العنایہ نے " اخبار ملوک العالم" میں لکھا ہے کہ طوفان نوح کے بعد اولین سریانی لوگ کون تھے اس بارے میں مختلف رائیں ہیں یعنی سریانی اور نبط ایک ہی ہیں یا الگ الگ۔ کچھ لوگوں کی رائے میں نبط ہی سریانی ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ لوط ماش بن نبیط کی بہن کی اولاد ہیں لیکن ایسے بھی کچھ لوگ ہیں جو ان دونوں کی آراء سے اختلاف رکھتے ہیں۔

بہر حال ان کا پہلا بادشاہ جس نے اپنے سر پہ تاج رکھا اس کا نام "شوسان" بتایا جاتا ہے۔ اس کی حکومت کل ۱۶ سال رہی لیکن اسی قلیل مدت میں اس نے سطح ارضی پر ہر طرف فساد پھیلانے اور خونریزی کی انتہا کر دی۔

شوسان کے بعد اس کا بیٹا جسے "بربر" کہا جاتا ہے بادشاہ ہوا۔ اس کی ہلاکت تک اس کا دورِ حکومت بیس سال رہا۔ اس کے بعد "سماسیر" بن آوت نام بادشاہ ہوا جو صرف سات سال حکمران رہا۔ سماسیر کے بعد "اہرمیون" بادشاہ ہوا۔ اس نے دس سال حکومت کی۔ اس نے کھدائی اور دستار بندی کی ابتدا کی۔ اس نے اپنے احکام میں سخت گیری سے کام لیا۔ جب حالات مکمل طور پر اس کے قابو میں آ گئے اور اس کی حکومت کو استحکام حاصل ہوا تو اس نے اپنی قلمرو میں آبادکاری اور تعمیرات کی طرف توجہ کی۔ وہ بھی بعض ملوکِ ہند کی طرح قوت و تعمیر ملکی میں باکمال گزرا ہے بلکہ خود اسے ملوکِ ہند میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی حدود سلطنت حدودِ ہند اور گردو پیش تک جا پہنچی تھیں حتیٰ کہ ملوکِ ہند نے بھی اس کی اطاعت اختیار کر لی تھی اور اس کے شاہانہ اختیارات کو تسلیم کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے حدود سلطنت بلاد سندھ و ہند سے گزر کر بسط و غزنین، لعس اور ان تمام علاقوں تک جا پہنچے تھے جو نہر ہرمند پر آباد ہیں، نہر ہرمند در حقیقت نہر سجستان ہے جو ہرمند کے چار فرسخ اوپر سے بہتی ہوئی آتی ہے اور نہر لسبط بھی کہلاتی ہے، اسی نہر کے علاقے میں سجستان کی تمام

آبادیاں، نخلستان اور پہاڑی وادیاں واقع ہیں جس کی سرحدوں کے متعلق آج کل یعنی ۱۳۳۲ھ میں باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہاں نہری علاقوں کے علاوہ زیادہ تر وہ بارانی علاقے ہیں جہاں باغات اور زراعت کی آبیاری کا بارش پر یا پہاڑی چشموں پر دارومدار ہے۔ ویسے دنیا کا کوئی علاقہ غالبًا ایسا نہیں جہاں کسی نہ کسی جگہ زراعت کا صرف بارش پر دارومدار نہ ہو۔

نہرِ ہند اس نہر کے مخرج کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ نہر سندھ وہند کے پہاڑی چشموں سے نکلی ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا سرچشمہ نہر کنک ہے جو نہر ہند ہے اور سندھ کے اکثر پہاڑی علاقوں سے گزرتی ہے۔ اس کے بہاؤ کے علاقے بڑے وسیع وطویل ہیں۔ ہندوستان کے لوگ اس نہر کا میٹھا پانی پی کر کہتے ہیں کہ اس کے پانی میں فولادی اجزا شامل ہیں۔ وہ اس نہر کی اوپر کی جانب جاتے ہیں اور وہاں خیر وبرکت کے لیے نہاتے اور پانی متبرک سمجھ کر اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اس کے اوپر کی جانب بلند پہاڑ ہیں جن پر اونچے اونچے قدرتی اشجار پائے جاتے ہیں۔ ان درختوں کی لکڑی عمارتوں میں استعمال ہونے کے علاوہ دوسرے چوبی اوزار اور تلوار کی طرح تیز دھار چیزیں بنانے کے کام آتی ہے۔ اس نہر کے کنارے ایسی جڑی بوٹیاں بھی ملتی ہیں جو طبی لحاظ سے بہت مفید بتائی جاتی ہیں۔ بہر حال ہندوستان کے یہ علاقے ممالک نائیہ اور بلدان قاصیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس نہر کے کنارے غسل کرنے کے بعد لوگ منہ سے عجیب و غریب کلمات نکالتے ہیں جنہیں اس نہر میں غسل کرنے کے بعد حصول طہارت کی تکمیل کا ذریعہ بتایا جاتا ہے۔ اس نہر کی ان بلندیوں تک پہنچنے کے لیے بڑے دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن لوگ وہاں تک عقیدۃً جاتے، وہاں نہاتے اور ان مقامات سے گزرنے والی نہر کا پانی جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا متبرک سمجھ کر لاتے ہیں۔

ایک عجیب درخت جہاں سے مذکورہ بالا نہر نکل کر آتی ہے ان بلند پہاڑوں پر ایک عجیب وغریب درخت پایا جاتا ہے۔ یہ درخت پتھریلی زمین سے ابھر کر کچھ عرصے فضا میں لہراتا رہتا ہے کیونکہ اس کی شاخیں بڑی نرم ونازک ہوتی ہیں۔ پھر وہ نیچے کی طرف رخ کرتا ہے اور سمٹتے سمٹتے پھر اپنی جائے نمود میں سما جاتا ہے کہتے ہیں اس درخت کی جڑیں تحت الثریٰ تک چلی گئی ہیں۔ اس درخت کا یہ عمل بار بار ہوتا ہے اور یہاں کے لوگ اس کے نمود کو نیک فال سمجھتے ہیں۔ اس کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہیں۔

ہندوستان کے کچھ لوگ جوگی کہلاتے ہیں جن کے سر کے بال اور داڑھیاں لمبی ہوتی ہیں۔ ان میں سے

کچھ لوگ سر کے بالوں کے ساتھ ریش و بروت بلکہ ابرو تک منڈوا ڈالتے ہیں، پیشانی پہ عمودی یا افقی شکل میں سفید یا رنگین لکیریں بناتے ہیں، جسم پہ ایک لنگوٹی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہ بدن پہ صرف بھبوت ملتے ہیں۔ آگ جلا کر اس کے پاس دھونی رماتے ہیں۔ بھبوت اس آگ کی راکھ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ بعض کے سروں پہ ریحان کی شاخوں سے بنا ہوا تاج ہوتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ ایک انگیٹھی رکھتے ہیں جس میں وقفے وقفے سے گندھک، سیندور اور دوسری خوشبودار چیزیں ڈالتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی یہاں کے لوگ آگ کو متبرک سمجھتے ہیں اور مردوں کو حصولِ طہارت کی غرض سے جلا دیتے ہیں۔ یہاں کے کچھ لوگوں کے بدن پہ حریری لباس ہوتا ہے۔ اکثر لوگ پان بہت کھاتے ہیں اور اس میں چھالیہ کے علاوہ خدا جانے کیا کیا ڈالتے ہیں، مسالوں میں فلفل سیاہ زیادہ استعمال کرتے ہیں اور خوشبودار بخور پہ فریفتہ ہیں۔ پان کے متعلق ان کا خیال ہے کہ بدن میں حرارت غریزی پیدا کرتا اور منہ کی رطوبت کو دور کرتا ہے۔

ہندوستان میں آج کل یعنی ۳۰۴ھ ہجری میں مسلمانوں کی تعداد بھی خاصی ہے یعنی دس ہزار سے کم نہیں ہے ان میں بیاسرہ۔ سیرافی، عمانی، بصری، بغدادی اور دوسرے عرب علاقوں کے بھی لوگ ہیں۔ بیاسرہ والوں میں پہلے موسیٰ بن اسحاق صندالونی یہاں تجارتی کاروبار کرتے تھے علی الہزمہ بھی انہیں میں سے تھے۔ اب یہاں یہ کام ابوسعید کرتے ہیں جو ابن ذکریا کے نام سے مشہور ہیں۔ عرب کے باثروت لوگ جو بغرض تجارت یہاں آئے تھے۔ انہوں نے اب کافی اثر و رسوخ پیدا کر لیا ہے اور ان کا شمار یہاں کے رؤسا میں ہوتا ہے بیاسرہ جس کا واحد بیسرے وہ لوگ ہیں جن کی ولادت ہندوستان ہی میں ہوئی ہے۔ ان کی اقامت گاہیں اور خوشنما بازار میں نے دیکھے ہیں۔

ہندوستان میں کچھ لوگ ایسے ملے جو خنجر لے کر اسے ایک پہلو میں داخل کر کے دوسرے پہلو سے نکال دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات اسے منہ میں ڈال کر نگل بھی لیتے ہیں۔ اہل ہند کا جب کوئی بادشاہ مرتا ہے تو کچھ لوگ اس کے ساتھ جل مرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ان کا مرنا جینا اس بادشاہ ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ الغرض ہندی عجائبات کے ذکر سے زبان قاصر ہے۔ ویسے ہم نے ان میں سے بعض کا ذکر اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیلاً کر دیا ہے۔

اب ہم پھر سریانی بادشاہ کی طرف آتے ہیں اور اس کے سجستانی علاقوں کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ ہم نے اس باب کو اخبار ہند تک محدود رکھا ہے۔

جس بادشاہ کا اب ہم ذکر کر رہے ہیں اسے یہاں زنبیل کہا جاتا ہے۔ یہ ۳۳۲ھ ہجری کا ذکر

ہے پہلے کبھی سریانی اور ہندی ملوک کے مابین ایک سال تک جنگ چھڑی رہی۔ سریانی بادشاہ نے ہندوستان کے ان سب علاقوں پر جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا قبضہ کر لیا تھا۔ سریانی بادشاہ کے ساتھ عرب اور عراق کے کچھ حکمران بھی ہو گئے تھے اور اس سریانی بادشاہ نے یہاں مکمل تصرف حاصل کر لیا تھا۔ اس وقت یہاں کا بادشاہ تنتر کہلاتا تھا اس نے اور اس کے بیٹے نے جسے قتل کر دیا گیا تھا۔ تقریباً آٹھ سال حکومت کی تھی۔

اس کے بعد جو بادشاہ ہوا اسی کا نام "آہریمون" تھا۔ اس کا دورِ حکومت بائیس سال رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جو "ھوبیا" کے نام سے موسوم تھا بادشاہ ہوا۔ اس کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ بہت عمدہ تھا، اس نے آبادکاری، شجرکاری اور تعمیرات میں بھی بڑا نام پایا۔ اس کا دورِ حکومت بائیس سال ہو چکا تھا جب وہ ہلاک ہوا۔ اس کے بعد "ماروب" بادشاہ ہوا اور اس کا قبضہ تمام ملک پر علیٰ حالہٖ قائم رہا۔ اس کی حکومت ۲۳ سال تک رہی۔

ماروب کے بعد بادشاہت دو بھائیوں "آزور" اور "خلنجاس" کے حصے میں آئی لہٰذا بادشاہت کے لیے آپس میں نزاع پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ ان میں سے ایک اپنے محل کے گنبد کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں اسی وقت ایک پرندہ آکر بیٹھا۔ اس کے پر پھیلے ہوئے تھے اور ان سے عجب سنسنی خیز آواز پیدا ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا "اگر میں نے اس پرندے پر تیر چلا کر اسے گرا لیا تو یہ میرے لیے اچھا شگون ہو گا۔" چنانچہ اس نے تیر کمان منگا کر کمان میں تیر جوڑا اور اس پرندے کا نشانہ لے کر چلا دیا۔ تیر نشانے پر ٹھیک بیٹھا اور پرندہ پھڑپھڑاتا ہوا اس کے قدموں میں آگرا۔ پرندے کی چونچ میں انگور کے برابر ایک دانہ تھا اور اس کی گردن میں ایک شاخ پڑی تھی جس میں اسی طرح کے دو دانے لٹک رہے تھے۔ اس نے پرندے کی چونچ سے وہ دانہ نکالا اور شاخ سے دونوں دانے بھی توڑ لیے، کچھ دیر انہیں اپنے ہاتھ میں گھماکر سوچتا رہا اور پھر اپنے مصاحبین میں سے ایک دانشور کو بلا کر ان کے بارے میں دریافت کیا دانشمند نے بتایا کہ یہ شاخ انگور کی شاخ ہے اور یہ تینوں دانے انگور کے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ بہت سے انگوروں کا افشردہ نکال کر اگر ان سے عرق تیار کیا جائے تو وہ نہ صرف صحت و توانائی کے لیے آبِ حیات کا کام دے گا۔ بلکہ ذہنی صلاحیتوں میں حد سے زیادہ اضافہ کر دے گا۔ دانشمند نے یہ بھی بتایا کہ پرندے کا اس طرح انگور لے کر آنا اس کے (بادشاہ کے بیٹے) کے لیے فال نیک ہے اور یقیناً وہی ملک کا واحد بادشاہ ہو گا۔ دانش مند کی بات سچ نکلی اور اس طرح انگور پانے والا شہزادہ ہی ملک کا واحد بادشاہ ہوا۔ دانشمند کے مشورے کے مطابق انگور کے دانوں کو

ایک کیاری میں دبا کر جب آبیاری کی گئی تو انگور کی بیل چل نکلی اور پھر ان بیلوں سے باغ کا باغ بھر گیا۔
انگوروں کی پہلی ہی فصل سے جب انہیں نچوڑ کر ان کا عرق کشید کیا گیا تو واقعی وہ مصفا شراب بن گیا۔ جوان اور نوجوان تو ایک طرف جس پیر مرد نے اسے پیا تو کچھ ہی دنوں میں اس کے چہرے پہ سرخی جھلکنی شروع ہو گئی۔

بادشاہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے اس عرق کو اپنے لیے مخصوص کر لیا جو بعد میں شاہی مشروب کہلایا۔ بادشاہ اپنی آخری عمر تک اسے استعمال کرتا رہا لیکن اس کے بعد اسے عام لوگ بھی استعمال کرنے لگے۔

"کتاب المیزا" اور کچھ دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ انگور کا دانہ سب سے پہلے حضرت نوحؑ نے زمین میں بویا تھا لیکن جب ان کی کشتی سیلاب میں بہتی ہوئی کوہ جودی کی چوٹی پر جا ٹھہری تو ابلیس نے اس کشتی سے انگور کی شاخ چرائی تھی۔ یہ چوری کا واقعہ جب پیش آیا جب کشتی نوح برف میں دب کر بے نشان ہونے والی تھی۔

ملوک موصل و نینوا یعنی آثوریوں اور ان کے کچھ حالات و کوائف

نینوا نینوا اور موصل آمنے سامنے ہیں جن کی حد فاصل دریائے دجلہ ہے۔ ان دنوں یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں اس کا یعنی نینوا کا محل وقوع موصل کی سرحدی سرزمین قردی و بازندی علاقہ ہے جہاں ایک شہر کے کھنڈرات اب بھی ملتے ہیں۔ اب وہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کے آس پاس وہاں کے باشندے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ شہر کے کھنڈرات میں بتوں کے آثار کے علاوہ ایسے پتھر بھی پڑے ہوئے جن پر کسی قدیم زبان کی عبارات کندہ ہیں۔ اس شہر کے ایک مرکزی کھنڈر کے پاس ایک مسجد کے آثار بھی ہیں جنہیں چشمۂ یونس کہا جاتا ہے۔ یہاں اب بھی بہت سے درویش اور عابد و زاہد زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اہل نینوا پر کسی زمانے میں حضرت یونس علیہ السلام بہ حیثیت نبی مبعوث ہوئے تھے۔

بسوس ارض نینوا میں اس شہر کی بنیاد کسی زمانے میں بسوس ابن بالوس نے ڈالی تھی۔ نینوا میں اس کی مدتِ حکومت ۵۲ سال رہی۔ اس شہر کے ساتھ موصل کے آخری حکمران سابق بن مالک یمنی کی لڑائیاں مدتوں جاری رہیں۔

سمیرم بسوس ابن بالوس کے بعد نینوا کی حکمرانی اور اہل نینوا پر جسے تسلط حاصل ہوا وہ سمیرم نام کی ایک عورت تھی۔ ملوک موصل سے اس کے بھی محاربات جاری رہے اور اس نے وادی دجلہ سے بلاد آرمینیا و آذربائیجان بلکہ جزیرۂ جودی کے علاوہ بلاد زوزان میں جبل تیتل کی حدود تک سارا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ اہل نینوا میں نبیطی اور سریانی دونوں شامل تھے اور مدت مدید تک وہ سب ایک ہی زبان بولتے رہے تھے اور نسلاً بھی ایک سمجھے جاتے تھے لیکن نبیطوں نے پھر اپنی بولی اور زبان الگ کر لی تھی جو پہلے ایک ہی تھی۔

ارسیس سمیرم کے بعد ارسیس نینوا کا حکمران ہوا۔ اسے سمیرم کا بیٹا بتایا جاتا ہے۔ اس کا

دورِ حکومت قریباً چالیس سال رہا۔ اس کے آخری زمانے میں آرمینی اس پر غالب آگئے تھے جس سے قبل ان کے ساتھ اس کی برسہابرس وقتاً فوقتاً جنگ ہوتی رہی تھی۔ آرمینیا کی موصل سے بھی لڑائیاں ہوتی رہیں۔

ارسبیس کو کچھ لوگ نینوا کا آخری حکمران کہتے ہیں لیکن کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اور بھی حکمران ہوئے جنہوں نے آرمینیا کے ساتھ لڑائیاں جاری رکھیں ہم ملوکِ نینوا کے مفصل حالات و کوائف اور آرمینیا سے ان کی لڑائیوں کے حالات اپنی پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" میں قلمبند کر چکے ہیں۔

ملوکِ بابل اور ملوکِ نبط یعنی کلدانیوں کے حالات و کوائف

ملوک بابل و نبط در حقیقت ایک ہی ہیں جنہیں تواریخ عالم میں کلدانی لکھا گیا ہے۔ صاحب "غنایہ" نے ملوکِ عالم کے بارے میں بیانات قلمبند کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سب سے پہلے سطح ارضی پر آباد کاری کا سلسلہ ملوک بابل ہی نے شروع کیا تھا اور فارس کے قدیم بادشاہوں نے حکومت انہیں سے حاصل کی تھی جس طرح رومیوں نے یونانیوں سے۔

نمرود الجبّار بابل میں کلیدانیوں کا سب سے پہلا بادشاہ نمرود الجبار تھا جس نے وہاں قریباً ساٹھ سال حکومت کی۔ اس نے عراق میں فرات سے نہریں نکالیں، کہا جاتا ہے کہ ایک نہر جو فرات سے نکل کر کوثے کی طرف آئی وہ نہر کوثی تھی جو قصر ہبیرہ اور بغداد کے درمیان بہتی تھی۔ اس کا ذکر چونکہ سبھی نے کیا ہے، اس لیے وہ تاریخ میں کافی شہرت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں عراق کی دوسری نہروں کا ذکر ہم آگے چل کر فارس کے دورِ اوّل اور دورِ ثانی کے بادشاہوں اور ملوک طوائف کے ذکر کے ساتھ کریں گے جو ملوکِ عالم کی نسبت سے وہیں مناسب ہوگا جیسا کہ ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں اسی ترتیب سے کیا ہے اور اس طرح اس کی مزید وضاحت بھی ہو جائے گی۔

بابل کے باقی بادشاہ نمرود الجبّار کے بعد دوسرا بادشاہ "بولوس" ہوا جس نے قریباً ستر سال کی عمر تک حکومت کی۔ وہ بھی بہت تندمزاج اور سخت گیر تھا۔ اس کے زمانے میں بھی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ اس کے بعد "فیومنوس" بادشاہ ہوا جس کے زمانے میں دوسرے اہل ارض نے اس کے خاندان سے بغاوت کر دی۔ اس کے دورِ حکومت میں

بابلی خاندان کی حکومت کے سوسال پورے ہوئے۔ اس کے بعد "سوسوس" بادشاہ ہوا جس نے نوّے سال کی عمر تک حکومت کی۔ اس کے بعد جو بادشاہ ہوا اس کا نام "کورش" تھا۔ اس نے پچاس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "بوسمیس" نے ستر سال حکومت کی۔ اس کے بعد "اینوس" نے تیس سال حکومت کی۔ "اینوس" کے بعد "افلاوس"، "الحلوس"، "اومرلوس"، "کلوس"، "سیبفروس"، "مادنوس"، "وسطالیم"، "امنوطوس"، "تباولیوس"، "العداس"، "اطیبروس"، "ساوساس"، "فارنبوس"، "سوسا ادرینوس"، "مسروس"، "طاطایوس"، "طاطاؤس" اور "افروس" نے علی الترتیب بیس سال، چالیس سال، تیس سال، چالیس سال، تیس سال، چالیس سال، تیس سال، چالیس سال، ساٹھ سال، پچاس سال، تیس سال، ساٹھ سال، بیس سال، پچاس سال، چالیس سال، پچاس سال، تیس سال اور قریبًا چالیس سال حکومت کی۔ "فارنبوس" کا دورِ حکومت بعض مورخین کے مطابق ۴۵ سال رہا۔ اس کے زمانے میں دارا کے بعد ملوکِ فارس میں سے ایک نے بابل پر حملہ کیا تھا۔ ویسے لڑائیاں ہونے کو قریب قریب سب کے زمانے میں ہوتی رہیں۔

"افروس" کے بعد "لاوسیس" کا دورِ حکومت پچاس سال (بعض کے نزدیک ۴۵ سال) "افریقیلیں" کا تیس سال، "منطوروس" کا بیس سال، "قولاقسما" کا ساٹھ سال، "ہنقلس" کا ۳۵ سال (بعض کے نزدیک ۴۰ سال) رہا۔ قدیم تواریخ کے مطابق "ہنقلس" کے بعد "مرجد" کا دورِ حکومت تیس سال، "مردوح" کا چالیس سال، "سنجاریب"[۵] کا تیس سال، "لشوہ منوشا" کا تیس سال، "بختنصر الجبار" کا ۴۵ سال، "فرمودوج" کا صرف ایک سال، "بنطسفر" کا قریبًا ۴۰ سال، "فنوس" کا قریبًا آٹھ سال (بعض کے نزدیک دس سال)، "معوسا" کا ایک سال (بعض کے نزدیک اس سے بھی کم)، "داونوس" کا ۳۱ سال (بعض کے نزدیک اس سے کچھ زیادہ)، "کسرجوس" کا بیس سال رہا۔ "کسرجوس" کے بعد "مرطاسیہ" بادشاہ ہوا لیکن اسے ۹ مہینے کے بعد قتل کر دیا گیا۔ "مرطاسیہ" کے بعد "فنحست" نے ۴۱ سال، "احترست" نے تین سال (بعض کے نزدیک دو سال دو مہینے)، "شعریاس" نے ایک سال (بعض کے نزدیک صرف ۹ مہینے)، "داریوس" نے بیس سال (بعض کے نزدیک انیس سال)، "الحست" نے ۲۹ سال اور "دارالسبع" نے پندرہ سال (بعض کے نزدیک دس سال) حکومت کی۔

ملوک بابل کے اعمال | ملوک بابل کے نام اور ان کے ادوارِ حکومت کی مدتیں وغیرہ۔

---

[۵] سنجاریب نے بیت المقدس بنایا تھا۔

توسب وہی ہیں جو قدیم تواریخ کے مطابق ہم نے ترتیب وار سطور بالا میں پیش کی ہیں۔ اب ان کے کچھ قابل قدر کارنامے بھی سن لیجیے:۔

انہوں نے بنی نوع انسان کے لیے آبادکاری کی بنیاد رکھی، شہر بسائے، سمندروں کی تشخیص کی، ارضی آثار و کوائف کا پتا لگایا، لوہا، سیسہ اور تانبہ وغیرہ نکالنے کے لیے کانیں کھدوائیں، تلواریں اور ان کی طبعی تراش خراش ایجاد کیں، لڑائی کے محاذوں اور جنگی فنون کا تعین کیا۔ لڑائی کے قوانین اور عساکر کے قلب، میمنہ، میسرہ اور ان کے بازوؤں کی ترتیب کا تعین کیا، لڑائی کے پینتروں کا انسانی جسم کے مطابق تعین کیا جو ان سے قبل کسی کو اس ترتیب سے معلوم نہ تھے، لشکروں کی صفوں کو بالکل اسی طرح مرتب کیا جس طرح ہاتھی، چیونٹیاں اور دوسرے جانور لڑائی کے مواقع پر فطری طور پر مرتب کر لیتے ہیں۔ لڑائی میں حملے کے طریقے بالکل اسی وضع پر نکالے جیسے شیر، چیتے، تیندوے اور بھیڑیے اپنے جسم کی ساخت اور توڑ موڑ کے مطابق رکھتے ہیں۔ فوجوں کے علم اس طرح بنوائے کہ افواج کا ہر حصہ دوسرے حصے سے ممتاز رہے اور فوراً پہچانا جائے۔ زمین کے مختلف طبقات کی شناخت بالکل اسی طرح کی جس طرح بچھو اور زمین کے اندر رہنے والے کیڑے مکوڑے اور دوسری مخلوق اپنے سوراخوں کے لیے کرتی ہے۔ مختلف رنگ بھی انہیں کی ایجاد ہیں۔ انہوں نے رنگوں کی تعداد چھ بتائی یعنی سیاہ، سفید، صفراوی، سرخ، سبز اور آسمانی۔

رنگ

بعض اقوام نے قوس قزح کے رنگوں اور ان رنگوں کو ملا کر جو ایک دوسرے کے امتزاج سے بنتے ہیں ان کی مجموعی تعداد بتائی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ نور بصارت اور بیرونی رنگوں میں کیا نسبت اور تعلق ہے، مثلاً کونسا رنگ نور بصارت سے میل کھاتا ہے اور کونسا نہیں، نیز یہ نگاہ اپنی فطرت کے لحاظ سے کس رنگ پر جمتی ہے اور کس رنگ سے اس میں خیرگی پیدا ہوتی ہے جیسے سیاہ رنگ پر نگاہ ٹھہرتی ہے اور سرخ پر نہیں جمتی۔ کلدانیوں نے لشکر کے جھنڈوں کے لیے رنگوں کا تعین کیا اور محافل نشاط و سرور اور بچوں کے لباس میں ان رنگوں کے استعمال کی ممانعت کی۔ انہوں نے رنگوں کے استعمال کو الوان فلکیات پر منحصر کیا۔

ملوک عالم کے اخبار و سیر، ان کے فطری عادات و خصائل اور ان کے باہمی اختلافات کا مفصل بیان ہم اپنی دو پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں درج کر چکے ہیں۔

بعض مؤرخین کے مطابق جیسا کہ ہم سطور بالا میں لکھ چکے ہیں بابلی اور نبطی اقوام درحقیقت ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ کچھ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ لوگ جو فارس کی طرف بلخ وغیرہ میں جا کر بس گئے تھے دراصل نبطی ہی تھے۔ نبطی قوم کے انساب کے بارے میں ہم زیر نظر کتاب میں آگے چل کر ملوک عالم کے سلسلے میں کسی قدر مزید اندراجات کریں گے۔

ملوکِ فارس کا دورِ اوّل اور ان کے کردار و کوائف

فارس کی اصل

اہل فارس کے زمان و مکان، ان کے اوطان، ان کی آبادیوں اور ان کی ازواج و انساب کے بارے میں خود اہل فارس کے اسلاف و اخلاف کی زبانی اختلاف آرا کے ساتھ جو اطلاعات تاریخی لحاظ سے ضبط تحریر میں آچکی ہیں وہ یہ ہیں کہ ان کا سب سے پہلا بادشاہ کیومرث تھا۔ اختلاف آراء اسی کے بارے میں ہے، کچھ کہتے ہیں کہ اس کا نام ابن آدم تھا اور اس کے بیٹے کا نام اکبر۔ کچھ دوسرے کہتے ہیں (اور ان کی تعداد نسبتاً کم ہے) کہ ملوک فارس کی اصل نسل ابن آدم ہی سے ہے اور فارس میں سب سے پہلے اسی نے لباس ترتیب دیا۔ ایک اور گروہ کہتا ہے کہ کیومرث درحقیقت امیم بن لاوذ ابن ارم بن سام بن نوح تھا اور وہی ہے جس نے فارس میں سب سے پہلے آبادی کی بنیاد ڈالی۔ اہل فارس کو طوفان نوح کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان جو قوم تھی اس کی زبان سریانی تھی اور وہ ایک ہی جگہ آباد تھی، واللہ اعلم۔

کیومرث

اہل فارس میں کیومرث بلحاظ عمر اپنے معاصرین میں سب سے بڑا تھا۔ اس وقت تک اہل فارس کا کوئی بادشاہ نہ تھا۔ فطری طور پر ان میں اختلافات، فساد اور لڑائی جھگڑے ہوتے تھے جنہیں نمٹانے والا کوئی نہ تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے کیومرث سے رجوع کیا اور اسے قوم کا سردار یعنی بادشاہ تسلیم کر کے اپنے تمام معاملات میں فیصلوں کے لیے اس کے پاس جانے لگے۔ اس لیے کیومرث ہی کو فارس کو سب سے پہلا بادشاہ سمجھنا چاہیے۔ کیومرث کو جب بادشاہ تسلیم کر لیا گیا تو اسے تاج پہنایا گیا لہٰذا فارس میں وہی پہلا شخص تھا جس نے تاج پہنا۔ اس نے قوم کے لباس میں بھی مناسب ترمیمات کیں، ملک کا بندوبست درست کیا اور سماجی و معاشی معاملات کو ایک نہج پر ڈالا۔ اس نے اپنی رعایا کے اختلافات اور دوسرے معاملات میں عدل و انصاف کی راہ اختیار کی اور اسے بھی عقل و ادراک کی راہ پر چلنے کی ہدایت کی۔ جب اس طرح قوم کی اصلاح کا کام حسب منشاء

چلنے لگا تو ایک دن اس کے دربار میں ایک خطیب نے اُٹھ کر کہا: کسی ملک کی حفاظت اور اس کے دفاع کے لیے لشکر کا ہونا ضروری ہے، ہم خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں، قوم کو سماجی و معاشی اصلاح کسی حد تک ہو چکی ہے۔ اور کچھ آئندہ ہوتی رہے گی لیکن ہمارے ہاں اب جس چیز کی کمی ہے وہ ایک باقاعدہ لشکر ہے۔" اتنا کہہ کر خطیب بیٹھ گیا۔ کیومرث اور اہل دربار نے خطیب کی رائے اور اس کی تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ اس کے بعد پہلی بار فارس میں لشکری تنظیم کی ابتدا ہوئی۔

یہ کیومرث ہی تھا جس نے لوگوں کو سکون اور خاموشی کے ساتھ کھانا کھانے کی ہدایت کی۔ اس نے بتایا کہ کھانے کو حلق کے ذریعہ معدے میں پہنچ کر تحلیل ہونے کے لیے سکوت و سکون کی ضرورت ہے اور جگر ہضم غذا میں مدد دیتا ہے جو پھر خون بن کر رگوں میں دوڑتی اور انسانی اعضاء و جوارح کو تندرست اور قوی رکھتی ہے۔ کیومرث نے اپنی قوم کو اسی قبیل کے بہت سے مبنی بر حقیقت قیمتی مشورے دیے۔ اور اس کی قوم نے بھی سمجھ لیا کہ جس طرح انسانی اعضاء و جوارح کے لیے جسم ہی میں ایک رئیس کی ضرورت ہے بالکل اسی طرح قوم میں توازن قائم رکھنے اور اسے عدل و انصاف کے راستے پر چلانے کے لیے ایک رئیس یعنی بادشاہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے مکمل طور پر کیومرث کی ہدایات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اسی لیے اس کے انتقال تک اس کی نافرمانی اور اس کے احکام سے روگردانی نہیں کی۔ ہم نے کیومرث کے تاج کی ساخت، اس کے نقش و نگار اور اس کی زیبائش و آرائش کا زیر نظر کتاب میں اس لیے ذکر نہیں کیا کیونکہ ہم ان چیزوں کے بارے میں اپنی دو پچھلی کتابوں، "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

کیومرث نے آداب طعام کے بارے میں اور انسانی جسم کے اعضا و جوارح کے افعال و اعمال اور نفس و جسم کے سلسلے میں جو حکیمانہ تقاریر کیں ان کی تفصیل ہم اپنی دوسری کتابوں "سر الحیات" اور "الزلف" میں نفس ناطقہ، نفس علّامہ، نفس حسیہ، مخیلہ اور نزاعیہ کے عنوان سے بیان کر چکے ہیں اور ان میں ان موضوعات پر فلاسفۂ متقدمین و متاخرین کی آراء بھی پیش کر چکے ہیں، اس لیے یہاں اس سے گریز کیا گیا ہے۔

کیومرث کی مدت عمر کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے سو سال عمر پائی لیکن کچھ دوسرے اس سے کم و بیش بتاتے ہیں۔ مجوسیوں نے اس کی نسلی ابتدا کے بارے میں بہت کہا ہے جس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اس کی اصل نبات ارضی سے ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اور اس کی زوجہ ایک ساتھ عالم وجود میں آئے تھے اور یہ کہ ان کا نام "شابہ و مشابہ"

تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کیومرث کو ابلیس نے قتل کیا اور فارس میں نزول اصطخر کا واقعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بعض لوگوں نے کیومرث کی مدّت حکومت چالیس سال بتائی ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس سے کسی قدر کم۔

کیومرث کے بعد بادشاہت "اوشہنج" کو ملی۔ اس کا پورا نام اوشہنج بن فروال بن سیامک بن برنیق بن کیومرث الملک تھا۔ اس کی حکومت کی سرحدیں ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے چالیس سال حکومت کی۔ بعض کے خیال میں اس سے زیادہ۔ اس کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ کیومرث بن آدم کا بھائی اور بعض کے نزدیک کیومرث اوّل کا بیٹا تھا۔

"اوشہنج" کے بعد "طہورث" بن نوبجہان بن ارفخشذ بن اوشہنج بادشاہ ہوا۔ وہ سابور کا باشندہ تھا اور وہیں پیدا ہوا تھا۔ اس کے زمانے میں ایک شخص ظاہر ہوا جس نے مذاہب صابئہ کی بنیاد ڈالی۔ وہ کہتا تھا کہ شرف کامل اور صلاح مکمل اگر کچھ ہے تو بلندی ہے اور معدن حیات وہی ہے۔ یہ آسمان ایک بلند چھت ہے جس میں ستارے سیارات بھی ہیں، واردات بھی ہیں اور صادرات بھی۔ وہ اپنے اپنے افلاک میں ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک گردش کرتے رہتے ہیں۔ ان نجوم و کواکب کے اثرات اہل دنیا پر ہوتے ہیں۔ یہ عمر کی کوتاہی اور طوالت کے لیے مخصوص ہیں۔ یہ کہیں خوشی اور غم کی بنیاد بنتے ہیں۔ ترکیب بسائط اور انبساط مرکبات انھیں کے زیر اثر ہے۔ صورتیں انہیں کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ سمندروں کی پیدائش یعنی ظہور اور ان کی طغیانی انہیں کے زیر اثر ہے۔ چھوٹے کواکب کے اثرات بڑے ستاروں اور سیاروں کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ کچھ ضعیف الاعتقاد لوگ اس شخص کے پیرو ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہی شخص تھا جس نے حیرانیوں اور کیمادیوں میں مذہب صابئہ کو پہلے پہل رواج دیا۔ ان کی جائے سکونت عراق میں طبائح اور آجام کے نزدیک بصرہ اور واسط کے درمیان میں تھی۔ طہورث جس وقت ہلاک ہوا اس کی عمر تیس سال تھی لیکن کچھ کم و بیش بتاتے ہیں۔

"طہورث" کے بعد اس کا بھائی "جمشید" تخت فارس پر بیٹھا۔ وہ اصلاً فارسی تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے زمانے میں طوفان کثرت سے آئے اور ان سے نجات ملنے پر اسی نے فارس رسم میں نوروز کو رواج دیا جو بطور جشن آج تک چلی آتی ہے۔ اس کا ذکر ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ نے بھی عمر المعروف کسریٰ کے حوالے سے کیا ہے۔ اس شخص یعنی عمر نے فارس میں علم و اخبار کو بہت زیادہ پھیلایا جس سے اس کا لقب کسریٰ پڑ گیا۔ جمشید کا دورِ حکومت فارس تقویم کے لحاظ سے چھٹی صدی تک چلا۔ بعض مؤرخین کے مطابق ۹۰۶ سنہ تک رہا۔ اس نے صنعتیں پھیلائیں اور متعدد عمارتیں بنوائیں اور کثرت

سے شہر آباد کیے۔ اس نے فوق البشر ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔

جمشید کے بعد "بیوراسب" بن اروادسب بن رسوان بن نیا داسس ابن طاح ابن فروال بن ساہر فارس بن کیومرث بادشاہ ہوا۔ اس کی ماں کا نام آک تھا اس لیے اس کے جتنے نام بھی ہیں سب معرب ہیں۔ اہل عرب اسے ضحاک کہتے ہیں۔ کچھ لوگ اسے بہراسب کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن ہماری تحقیق کے مطابق اس کا صحیح نام "بیوراسب" ہی تھا جو ہم نے ابھی بتایا۔ جمشید کو اسی نے قتل کیا لیکن اس بارے میں اختلافی بیانات کثرت سے ملتے ہیں۔ اس بارے میں بھی اختلافات ہیں کہ اس کی ماں کوئی عربی عورت تھی۔ اسے ساحر بتایا جاتا ہے۔ اس نے سات اقالیم پر حکومت کی لیکن اس کے دورِ حکومت میں بغاوتیں، تمرّد اور سرکشی کی انتہا ہوگئی تھی۔ وہ رَے اور طبرستان کے درمیان میں کوہ دماوند[1] میں مقید بھی رہا۔ فارسی میں اس کے بارے میں بیانات کا بڑا ضخیم ذخیرہ ہے۔ عرب کے متقدمین و متاخرین شعراء نے بھی اس کا ذکر کیا حتےٰ کہ ابو نواس تو اس کی مدح میں بہت آگے گیا ہے۔ اس کے خیال میں وہ یمنی تھا۔ خود ابو نواس سعد العشیرہ یمنی کا غلام تھا۔ جاہل اور وحشی اپنی اپنی جگہ ضحاک کی پرستش کرتے تھے۔

ضحاک کے بعد "افریدون" بن اثقابان بن جمشید فارس کا بادشاہ ہوا۔ اس کی قلمرو میں بھی سات اقالیم شامل تھیں۔ اسی نے جیسا کہ ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں ضحاک کو گرفتار کر کے کوہ دماوند میں قید کیا تھا۔ فارس کے مؤرخین نے اس کا ذکر کثرت سے کیا ہے۔ عمر المعروف کسریٰ کہتا ہے کہ وہ آج تک (یعنی عمر کسریٰ کے زمانے تک) وہیں مقید ہے اور یہ کہ افریدون اب تک اسی پہاڑ پر عید کا جشن مناتا ہے جس کا نام (جشن عید کا) اس نے "مہرجان" رکھا ہے۔ اس کا ذکر ہم زیرِ نظر کتاب میں آگے چل کر کریں گے۔ افریدون کا دارالحکومت بابل بتایا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کا دارالحکومت جو شہر تھا اس کا نام بابل تھا۔ اسی نسبت سے اس کے دارالحکومت کو بابلی کہا گیا ہے۔ یہ شہر کبھی دریائے فرات کی ان شاخوں میں سے جو عراق میں ہیں ایک نہر کے کنارے آباد تھا اور اسے آج تک جسر بابل کہا جاتا ہے۔ جیسے نہر نرس کے قریب ایک شہر کے بنے ہوئے کپڑے کو نرسیہ کہتے ہیں۔ افریدون کے دارالحکومت یعنی مذکورہ بالا شہر میں ایک کنواں ہے جو جُبِّ دانیال (علیہ السلام) کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں یہود و نصاریٰ ہر سال

---

[1] عربی نسخے میں دباوند لکھا ہے (مترجم)

ابنِ عبدون کے موقعوں پر زیارت کے لیے آتے ہیں۔ جب انسان کا قدم پہلی بار یہاں آیا تھا تو اس نے یہاں عظیم عمارات کے نشانات پائے تھے جن کے آثار اور ان کی بنیادوں میں ایسے برتن وغیرہ ملے تھے جن سے وہاں کبھی انسانی آبادی کے نشانات ملتے تھے۔ بعض لوگوں کے خیال میں "جُبِّ دانیال" (علیہ السلام) وہی کنواں ہے جہاں کبھی ہاروت و ماروت کو رکھا گیا تھا۔ ویسے قرآن شریف میں حسب موقع اس قریہ اور کنویں کا ذکر آیا ہے اور اس قریہ کو بابل کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں افریدون کی حکومت ۵۰۰ سال رہی اور یہ کہ اس نے ربع مسکوں کو اپنے تین بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ افریدون کی مدتِ حکومت کے بارے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ بعض نے اسے ۵۰۰ سال سے کم بتایا ہے اور بعض نے اس سے زیادہ۔ بہرحال اس کے تین بیٹوں کا ذکر ظہورِ اسلام کے بعد بھی کچھ شعرائے عرب نے کیا ہے۔ ان باتوں کے بارے میں کھوج لگانے اور انہیں سمجھنے کے لیے بنی نوع انسان کے لیے کافی علمی ذخیرہ موجود ہے۔ بہرکیف بلادِ بابل افریدون کے ایک بیٹے کے حصّے میں آئے تھے جس کا نام "ایرج" تھا۔ اسے اس کے ایک دوسرے بھائی نے افریدون کی زندگی ہی میں قتل کر دیا لیکن پھر وہ خود بھی ہلاک ہوا کیونکہ ملکی عوام نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا۔ ہم آگے چل کر اس اقلیم کا تفصیلی ذکر کریں گے جو ایرج کے حصے میں آئی تھی۔ ویسے لوگوں نے ایران کو شہر لکھا ہے لیکن شہر سے ان کا مطلب ملک ہے۔ ایرج کے قاتل کے بعد فارس کی حکومت پھر اصلی وارثا کی طرف لوٹ گئی۔ چنانچہ افریدون کے بعد "منوچہر"[1] بن ایران بن افریدون فارس کا بادشاہ ہوا۔ اس کا حسب نسب ہم نے ملوکِ فارس کے انساب کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ اس کی حکومت بیس سال رہی۔ بابل اس کی قلمرو میں تھا۔ کہتے ہیں منوچہر کا زمانہ وہی تھا جو حضرت موسیٰ بن عمران اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا تھا۔ منوچہر اور اس کے چچاؤں کے مابین جنہوں نے ایرج کو قتل کیا تھا کافی لڑائیاں ہوئیں۔ ان کے نام اطوج اور سلم تھے۔ ہم ان لڑائیوں کا حال اپنی پچھلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔

منوچہر کے بعد فارس کی حکومت "سہم" بن آبان بن اثقبان بن یود بن منوچہر کے حصّے میں آئی۔ اس کا دار الحکومت وہی مذکورہ بالا قریہ بابل تھا۔ اس کی حکومت ساٹھ سال رہی۔ اسے بھی متعدد لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ اس کے سیرت و کردار اور سیاسیات کے بارے میں ہم اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

---

[1] عربی نسخے میں اس کا نام عربی تلفظ میں "منوچہر" لکھا ہے (مترجم)

منوچہر کے بعد "افراسیاب[1]" بن اطوج بن یاسر بن رامی بن آرس بن بورک بن زسست بن نوح بن دومم بن سرود بن اطوج بن ملک افریدون بادشاہ ہوا۔ وہ ترکی علاقے میں پیدا ہوا تھا لیکن جن مؤرخین اور دوسرے مصنفین نے اسے ترک لکھا ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ اس کا دورِ حکومت اگرچہ صرف بارہ سال رہا لیکن اکثر کتب تواریخ کے مطابق اس کی عمر چار سو سال ہوئی۔ اپنے بارہ سالہ قلیل دورِ حکومت میں وہ اکثر و بیشتر زو بن بہاست بن کجھور ابن عداسر بن رایریج بن راع بن ماسر بن لیود بن منوچہر سے برسرِ پیکار رہا لیکن آخر کار اسے شکست ہوئی اور وہ ملک بدر ہوا۔ زو بن بہاست بن کجھور نے اس کے اکثر ساتھیوں کو قتل کر دیا اور ان علاقوں کو جنہیں افراسیاب نے لڑائیوں کے دوران میں تباہ و برباد کر دیا تھا از سرِ نو تعمیر و آباد کیا۔

افراسیاب کے دورِ حکومت کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں۔ بعض نے اس کی حکومت کی مدت تیس سال بتائی ہے اور کچھ دوسروں نے اس سے بھی زیادہ۔ بہرکیف اس کا مسکن بالاتفاق بابل ہی تھا۔ افراسیاب کے قتل اور اس کی لڑائیوں کے بارے میں نیز اس کے ہاتھوں قتل و غارت کے بارے میں اہلِ فارس نے بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ لڑائیاں ترکوں اور ایرانیوں کے مابین بتائی گئی ہیں۔ انہیں میں سیاوخس کے قتل کا ذکر اور رستم بن دستان کی داستان بھی ہے جنہیں "سکیکن" نام کی کتاب سے ابن مقنع نے عربی میں منتقل کیا ہے۔ اس کتاب میں اسفندیار بن بہراسب اور اس کے اشارے پہ رستم بن دستان کے قتل نیز رستم کے حامیوں کے ہاتھوں بہمن بن اسفندیار کے قتل اور قدیم فارس کے عجائبات و کوائف کے بارے میں جملہ تفصیلات پائی جاتی ہیں۔ صرف اسی کتاب نے قدیم ایران کے بادشاہوں اور ان کے اسلاف کی عظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ ہم نے بھی ان بادشاہوں اور ان کے اسلاف و انساب پر نیز ان کے حالات و کوائف اور سیرت و کردار پر اپنی پچھلی کتابوں میں کافی روشنی ڈالی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فارس کا پہلا بادشاہ جو عراق سے بلخ منتقل ہوا کیکاؤس تھا۔ اس کی اس ملک بدری کی وجہ اللہ تعالیٰ اور فطرت سے سرکشی تھی۔ وہ پہلے یمن پہنچا تھا جہاں کا بادشاہ اس وقت شمر بن افریقیس تھا لیکن شمر اس کے خلاف تھا، اس نے کیکاؤس کو گرفتار کر کے ایک تنگ و تاریک قید خانے میں ڈال دیا تھا لیکن کیکاؤس کی خوش قسمتی سے شمر کی بیٹی سعدی اس کی اور اس کے ساتھیوں کی حمایت

---

[1] عربی نسخے میں فراسیاب لکھا ہے (مترجم)

وامداد پر آمادہ ہوگئی۔ اس نے اپنے باپ سے پوشیدہ طور پہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو کسی نہ کسی طرح آزاد کرا دیا۔ کیکاؤس چار سال تک شمر کی قید میں رہا تھا۔ خوش قسمتی سے اسی زمانے میں رستم بن دستان، چار ہزار سپاہیوں کا دستہ لے کر کیکاؤس کی مدد کے لیے سجستان سے خفیہ خفیہ یمن آ گیا تھا۔ اس نے شمر بن فریقس کو قتل کر دیا اور کیکاؤس کو اس کے وطن واپس لے گیا، سعدی بھی اس کے ساتھ تھی۔ بعد میں کیکاؤس نے اپنے بیٹے سیاوخش کے ساتھ اس کی شادی کر دی مگر اس کے بعد فوراً ہی افراسیاب نے کیکاؤس سے لڑائی چھیڑ دی۔ اس سے قبل سیاوخش کی سعدی سے شادی ہو چکی تھی اور اس سے ایک بیٹا کیخسرو پیدا ہو چکا تھا۔ رستم نے کیکاؤس کی طرف سے افراسیاب کا مقابلہ کر کے اسے شکست دی اور قتل کر دیا لیکن پھر خدا جانے کیا پیچ پڑے کہ رستم کو بھی قتل کر دیا گیا کہتے ہیں یہ سب کچھ سعدی کے اشارے پہ ہوا تھا کیونکہ وہ اور اس کا شوہر سیاوخش رستم کو اندرونی طور پہ ترکوں کا طرفدار سمجھتے تھے۔ فارس کی تصنیف کتاب سکیکین کے مطابق کیکاؤس اور سیاوخش کے بعد سیاوخش کا بیٹا کیخسرو فارس کا بادشاہ ہوا تھا لیکن اس کے بعد بادشاہ کون ہوا اس کے متعلق کہیں سے کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ بہرکیف تاریخ میں بہراسف کے بادشاہ ہونے کا ذکر ہے لیکن وہی اس کی قوم فارس سے بلخ منتقل ہوگئی تھی۔ اس کے بعد بلخ ہی اس کا دارالحکومت ٹھہرا تھا۔ اسی زمانے میں نہر بلخ کا ذکر آتا ہے جو درحقیقت دریائے جیحوں ہے جسے وہاں کے لوگ "کالف" کہتے تھے اور عجمیوں میں آج تک دریائے جیحوں کا یہی نام چلا آتا ہے۔ تاریخ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کیخسرو کے بعد پیچ کے بادشاہوں کو چھوڑ کر "لہراسپ" بن قنوج بن کیمس بن کیناسس بن کیقباد بادشاہ ہوا تھا جس نے بہت سے شہر بسائے تھے وہ اپنی رعایا سے حسن سلوک اور عدل و انصاف کے ساتھ پیش آتا تھا۔ لیکن کچھ سال بعد ہی بنی اسرائیل نے اس سے بادشاہت چھین کر اس کی قوم کو تتر بتر (منتشر) کر دیا تھا۔ لہراسپ کے ساتھ بنی اسرائیل کے سلوک کے متعدد قصے مشہور ہیں۔ لیکن بلخ میں اس کی سکونت کے دوران میں نہریں نکالنے کا نیں کھدوانے اور آبادکاری و شجرکاری کے سلسلے میں بہت کام ہوا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ترکستان میں لہراسپ کی حکومت کا دور اور اس کے ورثا کی حکمرانی کا زمانہ ملا کر ایک سو بیس سال ہوتا ہے قدماۓ فارس نے لہراسپ کے قتل اور اس کے ساتھ قلعہ میں جو لوگ تھے ان کے تہ تیغ ہونے نیز وہاں جو مال و متاع تھا اس کی لوٹ کھسوٹ اور تباہی کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہ وہ کس کے قبضے میں آیا۔

فارس کی قدیم تواریخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لہراسپ کے زمانے سے قبل فارس کی طرف سے بخت نصر عراق اور مغرب کا مرزبان (حاکم) تھا۔ اس نے شام کے راستے سے آگے بڑھ کر بیت المقدس

فتح کر لیا تھا اور بنی اسرائیل کا حد سے زیادہ خون بہا کر انہیں بالکل تباہ و برباد کر دیا تھا۔ عام طور سے اسے بخت نصر کہا جاتا ہے۔ بہت سے قصہ گویوں نے اس کے ظلم و جبر کہا رے میں غلو سے کام لیا ہے نیز اس کے دوسرے اوصاف کے سلسلے میں بھی مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ نجومیوں نے زیجات میں اور کچھ دوسرے مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اسے بادشاہ بتایا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا وہ درحقیقت فارس کی طرف سے عراق و مغرب کا حاکم تھا۔ مرزبان کا مطلب عسکری قائد، وزیر، حاکم یا مملکت کے کسی حصے کا نگران ہوتا ہے۔ بخت نصر نے بنی اسرائیل میں خونریزی ضرور کی تھی انہیں مشرق کی طرف بھگایا تھا لیکن ان کے حکمران کی بیٹی دینارد کو اپنی زوجیت میں لے لیا تھا اور وہی بعد میں بیت المقدس میں بنی اسرائیل کی واپسی کا سبب بنی۔

کہا جاتا ہے کہ لہراسپ بن گشتاسپ اسی دینارد کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس کے برعکس بھی لکھا ہے اور اس کے لیے دلائل پیش کیے ہیں۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل کی حمایت میں ان کے حکمران کی بیٹی دینارد کا سب سے زیادہ حصہ تھا۔

کہا گیا ہے کہ بہراسف سنجاریب کی اولاد میں سے تھا، اس کی حکومت عراق میں اس وقت تک رہی جب تک مرزبان مغرب بخت نصر نے اس پر چڑھائی نہیں کی۔ بہرکیف اس کا کوئی قابل ذکر کارنامہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اس کے زیر حکومت سارے علاقے پر بخت نصر کا قبضہ ہوگیا تھا۔ کچھ مؤرخین نے اس کے برعکس بھی لکھا ہے جو ہم نے آئندہ صفحات میں اس کے متعلق بہمن بن اسفندیار بن بیتاسف بن بہراسپ کے حالات دکوائف کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ویسے بطلیموس نے تاریخ پر اپنی کتاب المجسطی اور شاون نے اپنی کتاب "القانون فی النجوم" میں سکندر بن فیلقوس[1] مقدونی کی مملکت کا ذکر کرتے ہوئے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

زرتشت[2]

لہراسپ کے بعد اس کا بیٹا بیتاسف فارس کا بادشاہ ہوا تھا۔ اس نے بلخ میں سکونت اختیار کی تھی لیکن تیس سال بعد اسے وہاں سے زرتشت بن اسبیمان نے نکال دیا تھا۔

قدیم فارس کی تواریخ میں بتایا گیا ہے کہ زرتشت درحقیقت زرتشت بن بورشف بن فذراسف بن

---

[1] عربی نسخے میں فیلبس لکھا ہے (مترجم)

[2] عربی نسخے میں زرداشت لکھا ہے لیکن ہم نے زیر نظر ترجمے میں اس کا اعدا اور تلفظ انگریزی لفظ زوراسٹ (ZORAST) سے لیا ہے (مترجم)

اریکدسف بن محید سف بن حجش بن باتیر بن ارحدس بن ہرواد بن اسبیمان بن واندست بن ہایزم بن ارج بن دور شبرین بن منوچہر[1] (شاہ) تھا اور یہ کہ وہ اہل آذربائیجان میں سے تھا۔ بہرکیف وہ نسبی لحاظ سے زیادہ تر زرتشت بن اسبیمان مشہور ہے۔ وہ مجوسیوں کے نبی کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہے جس پر عوام الناس کے مطابق کتاب "زمزمہ" اتری تھی۔ مجوسی اس کا بستاہ (انسیاہ) بتاتے ہیں۔ زرتشت نے عوام الناس کو ایسے معجزات دکھائے جنہیں عقل قبول کر سکے۔ اس نے کائنات کے بارے جزوی وکلّی بہت سی باتیں بتائیں جن میں کلیات کے لحاظ سے عام اشیاء کے متعلق باتیں لیکن بلحاظ جزئیات خاص اشیاء کے بارے میں باتیں تھیں۔ مثلاً زید اس دن مرے گا اور فلاں شخص فلاں روز بیمار پڑے گا یا فلاں دن فلاں وقت فلاں شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوگا اور اسی قبیل کی کئی دوسری باتیں مذکورہ بالا کتاب مجموعی طور سے ساٹھ حروف کے تحت میں تحریر ہے۔ ویسے بھی اس زبان کے پورے لغت میں ساٹھ سے زیادہ حروف استعمال نہیں ہوتے۔ زرتشت کے بارے میں اور بہت سے حالات ملتے ہیں جن کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں کیا ہے۔ مذکورہ بالا کتاب میں جو بارہ ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور اس پر سونے کی جلد چڑھائی گئی ہے سوائے چند معمولی باتوں مثلاً وعدہ و وعید اور امر و نواہی اور عبادات کے طریقوں کے سوا جو کچھ لکھا ہے اس کی تفہیم عوام الناس کے بس کی بات نہیں ہے چہ جائے کہ اس کی باریکیوں تک عوام کا ذہن پہنچ سکے، اس کتاب کے مفاہیم جس کی تفاسیر ہو چکی ہیں ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے، ویسے فارس کے بادشاہ اور عوام اس کتاب کے قابلِ فہم مندرجات پر اس وقت تک عامل رہے جب تک سکندر نے دارا بن دارا کو قتل کر کے فارس کا قریب قریب ذخیرہ کتب نذر آتش نہ کر دیا۔

زرتشت کے زمانے کے بعد کچھ عرصے تک طوائف الملوکی کا دور رہا۔ حتیٰ کہ اردشیر بن بابک فارس کا بادشاہ ہوا۔ اس نے فارس کے جملہ مجوسیوں کو مذکورہ بالا کتاب کی ایک سورۃ پڑھنے پر جمع کیا۔ چنانچہ تمام مجوسی اس کتاب کی اسی سورۃ کے سوا آج تک اور کچھ نہیں پڑھتے۔ مجوسیوں کی سب سے پہلی کتاب جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا وہی بستاہ یا انسیاہ تھی۔

زرتشت کی مذکورہ بالا کتاب جب عوام کی سمجھ میں نہ آسکی تو مجوسی علماء نے ژند کے نام سے اس کی تفسیر لکھی اور پھر اس تفسیر کی تفسیر پازند کے نام سے لکھی گئی۔ تاہم اصل کتاب کو کبھی صرف

---

[1] عربی نسخے میں منوشہر لکھا ہے (مترجم)

چیدہ چیدہ مقامات سے پڑھا گیا کیونکہ اس کی پوری قرأت پر کوئی بھی قادر نہ ہو سکا۔ کہتے ہیں کہ تین سو سال گزر جانے کے بعد ایک سجستانی شخص نے اس کتاب کو از اوّل تا آخر حفظ کیا تھا۔

فارس میں ایک بادشاہ ایسا بھی ہوا جس نے اپنے مجوسی معتقدات پر اظہارِ افسوس کیا اس کا نام لیتاسف تھا۔ اس کا زمانہ زرتشت کے ڈیڑھ سو سال بعد کا تھا اور وہ ہلاک کر دیا گیا تھا۔ زرتشت کا دورِ نبوت اس کے ہلاک ہونے تک ۳۵ سال رہا حالانکہ اس نے ۷۷ سال عمر پائی۔

خاناس

زرتشت کے ہلاک ہونے کے بعد اس کی جگہ ایک مجوسی عالم "خاناس" نے پائی اور وہ پہلا شخص تھا جس نے ضعیف الاعتقاد عوام کو پھر ایک مضبوط مجوسی عقیدے پر قائم کیا۔ خاناس آذر بائیجان کا رہنے والا تھا۔ لیتاسف بادشاہ کے زمانے میں بھی احکام اسی کے چلتے تھے۔

ملک بہمن

اس کے بعد "بہمن" بادشاہ ہوا۔ اس کا پورا نام بہمن بن اسفندیار بن یتاسف بن بہراسف تھا۔ اس کے ساتھ سجستان کے حاکم رستم کی متعدد لڑائیاں ہوئیں حتےٰ کہ رستم اور اس کا باپ دستان قتل کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ بہمن کی ماں بنی اسرائیل میں سے بادشاہ طالوت کی نسل سے تھی۔ طالوت بخت نصر کے زمانے میں بنی اسرائیل کے عہد حکومت تک عراق میں حکومت فارس کی طرف سے عراق کا حاکم تھا اور وہاں کے جو کوائف ہم لکھ چکے ہیں وہ اسی کے عہدِ حکومت کے ہیں۔ بہمن کی بادشاہت اس کی ہلاکت کے وقت تک بائیس سال رہی۔ اسی کے زمانے میں بنی اسرائیل جو بابل میں ستر سال مقید رکھے گئے تھے بیت المقدس لوٹے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بہمن سے پہلے کورش فارسی کے زمانے میں پیش آیا۔ بہمن کی سکونت فی زمانہ بلخ بتائی جاتی ہے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کورش کی ماں بنی اسرائیل میں سے تھی اور یہ کہ دانیال اصغر اس کا یعنی کورش کا ماموں تھا۔ بعض اقوال کے مطابق کورش کی حکومت کی مدت ۲۲ سال ہے اور اس کا زمانہ بہمن کے بعد کا بتایا جاتا ہے۔ بہرکیف کورش بھی فارس کے دورِ اوّل کے بادشاہوں میں شامل ہے لیکن اس کے زمانے کا ذکر قدیم تواریخ میں نہیں ملتا۔ ویسے دانیال اکبر کا ذکر قدیم تواریخ میں ملتا ہے جو حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں تھا۔ اسی نے اس علم کی بنیاد ڈالی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابتدائے آفرینش کائنات کے بعد سطح ارضی پر برسوں، مہینوں اور دنوں کے تعین کے ساتھ کیا کیا حادثات رونما ہوئے۔ اس نے علوم فلکیات سے بھی دنیا کو روشناس کرایا۔ علم جفر اسی کے نام سے منسوب ہے ملوکِ عالم کے حالات و کوائف پر بھی اس نے کافی روشنی

ڈالی ہے اور جو کچھ بنایا ہے قوی دلائل کے ساتھ بنایا ہے۔ بہرکیف جب بنی اسرائیل بیت المقدس لوٹے تو انھوں نے مٹی کے نیچے سے تورات اس جگہ سے نکالی جہاں وہ دبا دی گئی تھی جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

حمایہ

بہمن کے بعد بہمن بن اسفندیار بن بیتاسف بن بہراسف کی بیٹی کا دورِ حکومت آیا۔ اسے زیادہ تر اس کی ماں شہرزاد کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کے زمانے میں بہت سے نئے واقعات ہوئے جن میں فارس کے ساتھ روم وغیرہ کی لڑائیاں بھی شامل ہیں۔ بہمن کے بعد اس کی بیٹی "حمایہ" کی حکومت کا دور تیس سال رہا جسے کچھ لوگ کم و بیش بھی بتاتے ہیں۔

دارا

حمایہ کے بعد اس کا بھائی "دارا" بن بہمن بن اسفندیار بادشاہ ہوا جس نے بائیس برس حکومت کی۔ اس کی سکونت ہمارے بیان کردہ شہر بابل میں تھی۔

دارا بن دارا

دارا کے بعد دارا کے بیٹے "دارا" بن دارا بن بہمن بن اسفندیار ابن بیتاسف بن بہراسف کا دورِ حکومت آیا۔ اہلِ فارس اسے اپنی ابتدائی میں "داریوس" کہتے تھے۔ یہ وہی دارا یا داریوس تھا جسے سکندر بن فیلقوش مقدونی نے قتل کیا۔ اپنے قتل کے وقت وہ تیس سال حکومت کر چکا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب منوچہر کو افراسیاب ترکی کے مقابلے میں شکست ہوئی تو وہ طبرستان کے ایک پہاڑی قلعے میں روپوش ہو گیا تھا لیکن کچھ عرصے بعد وہ وہاں سے نکل کر افراسیاب کے مقابل آیا اور عراق کے علاوہ ترکی علاقوں پر بھی تسلط حاصل کر لیا۔ منوچہر کے بعد فارس کی حکومت دو رشتے کے بھائیوں کے حصے میں آئی۔ کہا گیا ہے کہ اس حکومت کے ان دونوں شرکاء نے بڑے میل جول اور آپس میں حد درجہ تعاون کے ساتھ حکومت کی اور ان علاقوں کو دوبارہ تعمیر اور آباد کیا جنھیں افراسیاب نے اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام "بہاسف" بن کنجہر بن ویذق بن ہوسف بن واحد سک بن دوس بن منوچہر اور دوسرے کا نام "کرشاسف" ابن بمار بن طماہسف بن آشک بن فرسین بن ارج بن منوچہر تھا۔ ان میں سے کرشاسف نے افراسیاب کا مقابلہ کیا تھا حتیٰ کہ اسے شکست دے کر چھوڑا تھا جب کہ دوسرے یعنی بہاسف نے عراق میں ان مقامات کو از سرِ نو آباد کیا تھا جنھیں افراسیاب نے برباد کر دیا تھا۔ اس نے دو نہریں بھی کھدوائی تھیں جنھیں صغیر و کبیر زابین کہا جاتا ہے اور جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ یہ نہریں اس نے دجلے سے بلاد آرمینیا تک نکالی تھیں جن میں سے نہر اکبر موصل و مدینہ کے درمیان تھی اور دوسری بلاد چین تک گئی تھیں اور اسی کے نام سے مشہور تھی۔ ایک اور آخری نہر اس نے سواد عراق میں نکالی تھی اور اس کا نام زاب رکھا تھا۔ اس نہر کے کنارے اس نے جن

برباد شدہ بستیوں کو از سر نو تعمیر اور آباد کیا تھا انہیں زوابی نام دیا تھا۔ یہ بستیاں آج تک موجود ہیں۔ اس کا دورِ حکومت تین سال رہا۔

کیخسرو کا دادا افراسیاب بن پشنگ بن بنت بن نشمر بن ترک وہی تھا جسے مؤرخین کا ایک گروہ سارے ترکوں کا جدِ امجد بتاتا ہے لیکن یہ بھی کہتا ہے کہ وہ لیسب بن طوح بن افریدون کی اولاد میں سے تھا۔ بہرکیف اس کے نسب کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ افراسیاب کے پوتے کیخسرو نے ممالک کے ممالک چھان مارے یہاں تک وہ بلادِ چین تک گیا جہاں اس نے ایک عظیم شہر کی بنیاد رکھ کر اس کا نام کنکوذہ رکھا تھا اور چینی باشندے جوق در جوق اس شہر کی طرف ڈھل آئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انموا کا علاقہ اس شہر کے عین درمیان میں تھا۔ کہتے ہیں کہ اس سے قبل کیقاوس نے شہر کشمیر کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ شہر ارضِ ہند میں ہے۔ کیقاوس کے بیٹے میاوخش نے اپنے باپ کی زندگی ہی میں شہر قندھار کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ شہر بلادِ سندھ میں شامل ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں بعض ملوکِ عام ان کے حالات و کوائف اور سیرت و کردار کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اسے زیرِ نظر کتاب میں کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کیا ہے اور مؤرخین نیز دوسرے مصنفین میں جو اختلافی باتیں پائی گئی ہیں ان کا ذکر بھی ہر جگہ کر دیا ہے تاکہ اس کتاب کے قارئین یہ نہ سمجھیں کہ اس کتاب میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف اپنی طرف سے اور اپنی ذمہ داری پر لکھا ہے بلکہ جو کچھ پہلے مؤرخین و مصنفین لکھ چکے ہیں اس پر حسبِ توفیقِ الٰہی مزید تحقیق کے بعد اسے اکثر و بیشتر من و عن بیان کر دیا ہے۔

وہ ملوک الطوائف جو فارس کے دورِ اوّل اور دورِ ثانی کے درمیان بادشاہ ہوئے

ملوک طوائف کی اصلیت اہل فارس میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان میں ملوک طوائف یعنی وہ لوگ جو جگہ جگہ خود مختاری کا اعلان کر کے بادشاہ بن بیٹھے تھے وہ کون تھے۔ وہ نبیط میں سے تھے یا عرب تھے؟ میری اطلاع کے مطابق کچھ اہل خبر نے لکھا ہے کہ جب سکندر ابن فیلقوس نے دارا کو قتل کر دیا تو اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کچھ لوگ جو مرکزی حکومت کی طرف سے اطراف ایران میں ادھر اُدھر بطور ناظم متعین تھے اپنی اپنی جگہ خود مختاری کا اعلان کر کے بادشاہ بن بیٹھے۔ اس وجہ سے مرکزی نظام حکومت قطعاً کالعدم ہو گیا کیونکہ اب وہاں ایسا کوئی نہ تھا جس کے احکام پر وہ عمل کرتے یا اپنے کسی انتظامی مسئلے میں اس سے رجوع کرتے، چنانچہ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہم نے ابھی بیان کیا۔ جو لوگ مرکزی حکومت کی طرف سے مختلف علاقوں میں مامور تھے وہ عموماً اشغانی کہلاتے تھے۔ ان میں سے جنہوں نے اپنی خود مختاری اور بادشاہت کا اعلان کیا وہ مؤرخین کے مطابق کچھ پہاڑی علاقوں میں اور کچھ دوسرے دینور، نہاوند، ہمدان، ماسبدان اور آذربائیجان میں مامور تھے لیکن جب انہوں نے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تو اپنے اپنے مقامی نام کے لحاظ سے موسوم کیے گئے مثلاً: ملوک جبال وغیرہ اور ان ملوک الطوائف کو عموماً اشغانی کہا جاتا تھا۔ سکندر کا مقصد بھی یہی تھا کہ اہل فارس میں باہمی پھوٹ پڑ جائے اور مرکزی نظام حکومت درہم برہم ہو جائے چنانچہ ان ملوک الطوائف نے اس کا مقصد پورا کر دیا۔

محمد بن ہشام کلبی نے اپنے والد اور کچھ دوسرے علمائے عرب کے حوالے سے بتایا ہے کہ جو لوگ سطح ارضی پر سب سے پہلے ادھر اُدھر بادشاہ ہوئے انہیں "اسکیان" کہا جاتا تھا۔ یہی بادشاہ

تھے جنہیں ہم نے اپنی اس کتاب میں فارس کے دورِ اوّل اور دورِ ثانی کے بادشاہوں میں شامل کیا ہے محمد بن ہشام کی روایت کے مطابق دُنیا میں دَورِ ثانی کے بادشاہ "اردوان" کہلائے اور ملوکِ نبیط درحقیقت وہی تھے جن میں ملوک الطوائف بھی شامل ہیں۔ وہ ارضِ عراق میں علاقۂ قصر ابن ہبیرہ کے نزدیک اس علاقے میں جس میں جامعین، سورا، احمدآباد اور الفرس سے لے کر منیا، تل فخار اور گرد و پیش کے سارے علاقے شامل تھے اور جنہیں دریائے فرات سیراب کرتا تھا قیام پذیر تھے۔ رہے اس سلسلے کے ملوک عرب تو ان میں مضر بن نزار بن معد، ربیعہ بن نزار، انمار بن نزار، یمن کے بنی نضر میں سے نضریہ اور ان کے علاوہ کچھ قحطانی بھی شامل تھے۔ ان سب نے اپنے گرد گروہ در گروہ جمع کر کے قوت حاصل کر لی تھی اور اپنی اپنی جگہ مرکز سے علیحدگی اختیار کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اور بادشاہ بن بیٹھے تھے۔ اس کی واحد وجہ یہی تھی کہ مرکزی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ جگہ جگہ اس انتشار اور طوائف الملوکی کا سبب سکندر کے سیاسی مصالح تھے۔ اس نے اپنے استاد اور وزیر سلطنت ارسطو کو بار بار تحریری ہدایات ارسال کی تھیں کہ فارس اور آس پاس کے عرب علاقوں میں طوائف الملوکی کی اس آگ کو اور ہوا دی جائے۔ اس طرح وہ ان سب علاقوں کو اپنے زیرنگیں لاکر اپنی قلمرو میں شامل کرنا چاہتا تھا۔

ان اکثر و بیشتر لوگوں نے جنہیں اس قدیم عہدِ ماضی سے باخبر سمجھا جاتا ہے اس طوفانی دَور کی مدت سکندر کے زمانے سے لے کر اس کے بعد تک پانچ سو ستر سال بتائی ہے جس کے بعد اردشیر بن بابک بن ساسان کا زمانہ آتا ہے جس نے ان جملہ ملوک طوائف کو زیر کر کے ان پر غلبہ حاصل کیا اور ان سب کے سرگروہ اردوان کو عراق میں قتل کیا جو وہاں بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ اردشیر نے ایسے جملہ ملوک الطوائف کو ماسوا ان کے جنہوں نے اس کی اطاعت کر لی یا اس کو دعوت اطاعت کا جواب اثبات میں دیا قتل کر دیا۔

ہم فارس کے دورِ اوّل کے بادشاہوں کے نام اور ان میں سے ہر ایک کی مدت حکومت ترتیب وار پہلے بتا چکے ہیں۔ فارس کے دَورِ ثانی کے بادشاہ وہ ہیں جو ساسانی کہلاتے ہیں۔

ملوک طوائف

ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ تیمی نے فارس کے دورِ اوّل اور دورِ ثانی کے بادشاہوں کے متعلق اپنی کتاب میں عمر کسریٰ کے حوالے سے بہت تفصیلات درج کی ہیں جن میں ان بادشاہوں کے نام، ان کی ترتیب وار مدت حکومت، نیز یہ کہ انہوں نے کون کون سے شہر آباد کیے، کن کن کو از سر نو بسایا، کہاں کہاں نہریں کھدوائیں اور کتنی کھدوائیں۔ ان کے آباد کردہ شہروں میں بسنے والی ممتاز شخصیتوں کے نام وغیرہ بھی کچھ لکھ دیا ہے۔ ابو عبیدہ ہی کے مطابق ملوک الطوائف میں پہلا شخص "اشک" بن اشک بن اردوان بن اشغان بن آس الجبار بن سیاوش بن کیقادس تھا جس نے

بیس سال حکومت کی ۔ اس کے بعد "سابور" بن اشک بادشاہ ہوا جس نے ساٹھ سال حکومت کی ۔ اس کی حکومت کے اکتالیسویں سال میں حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا بلادِ فلسطین کے مقام ایلیا میں ظہور ہوا ۔ سابور کے بعد جو درز بن اشک بن اردوان بن اشغان نے دس سال حکومت کی ۔ اس کے بعد "نیزر" بن سابور بن اشک نے اکیس سال حکومت کی ۔ کہا جاتا ہے کہ اسی کے عہدِ حکومت میں رومی بادشاہ تیطوس ابن اسفانیدس نے ایلیا پر چڑھائی کی تھی اور بہت زیادہ قتل و غارت کا مرتکب ہوا تھا ۔ یہ واقعہ اس زمانے کے بعد کا ہے جب اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زمین سے آسمان پر زندہ اُٹھا لیا تھا ۔ نیزر ابن سابور کے بعد اس کا بیٹا "جودرز" بن نیزر بادشاہ ہوا اور اس نے انیس سال حکومت کی ۔ جودرز کے بعد "نرس" بن نیزر نے چالیس سال اور اس کے بعد اس کے بھائی "ہرمز" بن نیزر نے بیس سال ، پھر "اردوان" نے جس کا بیٹا کسریٰ بن اردوان تھا پندرہ سال حکومت کی ۔ اس کے بعد کسریٰ بن اردوان نے چالیس سال اور اس کے بعد اس کے بیٹے اردوان بن بلاس نے تیرہ سال حکومت کی ۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں اردوان کا ذکر کرنے سے قبل ہم نے ملوک الطوائف کی نسبت سے اسی نام کے ایک دوسرے بادشاہ کا ذکر کر دیا تھا ۔ کچھ تواریخ میں ملوک الطوائف کے ادوارِ حکومت اس کے برعکس لکھے ہیں جو ہم نے یہاں قلم بند کیے ہیں لیکن ہمارے درج کردہ سنین اس لیے ان تواریخ کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہیں کیونکہ ہم نے انہیں علمائے فارس سے لیا ہے جو قولاً و عملاً زیادہ متدین ہیں ہر چند کہ ان کا مذہب کچھ اور تھا ۔ ملوک الطوائف کا ذکر اس سے قبل ہم اپنی پہلی کتابوں میں بھی نسبتاً تفصیل سے کر چکے ہیں ۔

انساب فارس اور ان پر اہل خبر کے اقوال

لوگوں میں اہل فارس اور ان کے انساب کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ فارس بن یاسور ابن سام بن نوح تھا اور اسی طرح نبط نبیط بن یاسور بن سام بن نوح کی اولاد سے تھا۔ یہ قول ہشام بن محمد کا ہے جس نے اپنے والد اور دوسرے علمائے عرب کے حوالے سے اسے پیش کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارس اور نبیط دونوں بھائی بھائی اور یاسور کے بیٹے تھے لیکن کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ فارس درحقیقت حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہم کی اولاد میں سے تھا۔ اس کے علاوہ کچھ لوگوں کا بیان یہ بھی ہے کہ وہ (فارس) ارم ارفخشذ بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھا اور یہ کہ اس کے دس بیٹے تھے جو صبا رفتار گھوڑوں کی طرح تیز و تند اور توانا تھے۔ اس لیے خود اہل فارس اسے فرس کہنے لگے۔ اس سلسلے میں حطان بن معلّی الفارسی نے دو شعر بھی کہے ہیں۔ وہ کہتا ہے:۔

"ہم اہل فارس (یقیناً) فرس ہیں کیونکہ ہم میں فرس کے خواص ہیں
یعنی وہی تیزی، تندی، تیز رفتاری و توانائی ہم وقتِ جنگ تیر کی طرح حملہ کرتے ہیں"

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ لوط کی نسل اور اس کے دو بیٹوں زُھَی و رعوی میں سے کسی ایک کا بیٹا تھا۔ اصحابِ تورات کے اس سلسلے میں کافی طویل بیانات پائے جاتے ہیں۔ ایک آخری گروہ ایسا بھی ہے جس کے مطابق اہل فارس بوّان بن ایران بن اسود بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں اور یہ کہ بوّان وہی تھا جس کے نام سے فارس میں ایک بہت ہی حسین اور لائق دید جگہ "شعب بوّان" مشہور و منسوب ہے۔ وہاں طرح طرح کے خوشنما درخت اور چشمے ہیں۔ کچھ شاعروں نے بھی اس خوبصورت جگہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:۔

"یہ شعبِ بوّان، یہ وادی راہب یہ اصلی حسین جگہیں ہمارا نصیب ہیں"

ویسے کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو فارس کو ایران بن افریدون کی نسل سے بتاتے ہیں۔ ہم زیرِ نظر کتاب میں پہلے ہی افریدون کا ذکر کرتے ہوئے بتا چکے ہیں کہ اس نے سطحِ ارضی کے مختلف حصّوں کو اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک فارسی شاعر کہتا ہے:۔

"ہم نے ایران کو فارس نام دے کر اس کی قدر و قیمت بڑھا دی ہے"۔

ابھی تک ایران کو فارس ہی کہا جاتا ہے۔ یہ نام اسے ایرج نے دیا تھا جو درحقیقت ایران بن افریدون تھا اور آج فارس میں اسی کی اولاد آباد ہے۔ اکثر لوگ اس پر متفق ہیں کہ اہلِ فارس آلِ ایرج ہیں۔ ویسے کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جملہ اہلِ فارس اور اہوازی عیلام کی نسل سے ہیں لیکن اہلِ فارس کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ سب کے سب کیومرث کی نسل سے ہیں اور یہی بات سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ کیومرث ایرج بن افریدون کا جدِ امجد تھا۔ اس لیے اگر اہلِ فارس خود کو کیومرث کی نسل سے کہتے ہیں تو کچھ غلط نہیں کہتے۔ کچھ لوگوں کے خیال میں دورِ ثانی کے اہلِ فارس ساسانی اور دورِ اوّل کے منوچہر بن ایرج بن افریدون کی اولاد ہیں لیکن خود منوچہر کے متعلق انھیں لوگوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ مشجّر بن فریقیس بن ویرک کی اولاد میں سے تھا اور واضح رہے کہ مشجّر درحقیقت اسحاق ابن ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کا نام ہے جو فارس چلے گئے تھے اور انھوں نے وہاں ایک کنیز کو اپنے عقد میں لے لیا تھا جو ایرج کی بیٹی تھی جس کا نام کورک تھا۔ کورک ہی کے بطن سے منوچہر پیدا ہوا تھا اور اس کے یعنی منوچہر کے کثرت سے اولاد ہوئی اور وہی فارس پر چھائی رہی۔ ان سے ملوکِ فارس بھی گھبراتے تھے کیونکہ وہ قدیم اقوامِ عالم اور اہلِ عرب میں بدّوؤں کی طرح بڑے شہ زور اور جنگجو تھے۔

نزار بن معد کے قبیلے کے اکثر عالم عالمِ انساب کے بارے میں یہی لکھتے چلے آئے ہیں اور اہلِ فارس بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا اور انھوں نے اس کی کبھی تردید نہیں کی۔ نزار بن معد میں سے شعرائے عرب اس پر فخر کرتے رہے ہیں کہ ان کا تعلق یمن سے ہے اور یمن میں بنی قحطان کا آغاز فارس سے ہوا تھا نیز یہ قحطان اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اسی سلسلے میں اسحٰق بن سوید العدری عدّی قریشی نے درجِ ذیل اشعار کہے ہیں۔

ہم قحطانی آج تک فخر کرتے ہیں	کہ ہمارا تعلق قحطان فارس سے ہے
قحطان بن اسحٰق ہمارے عم زاد ہیں	جنھوں نے دنیا میں پھیل کر اسے مطیع کیا
پھر جن بادشاہوں کو انھیں نسل در اصل	مطیع رکھا ان کی مملکت میں ہمارا ہاتھ تھا

وہ ہمیں ہیں جنہوں نے دنیا کو ایسا مجتمع کیا   کہ وہ آج تک منتشر نہیں ہوئی
انہیں بادشاہوں نے مشرق و مغرب میں حکومت کی   جن کا تعلق فارس کی نسل سے ہے

اسی طرح جریر بن خطفی تمیمی فخریہ کہتا ہے کہ ایرانی و رومی سب قحطان کی نسل سے ہیں اور قحطان حضرت اسحٰق کا بیٹا ہے یعنی اولاد انبیاء میں سے ہے اس نے (جریر نے) متعدد اشعار اسی مضمون کے کہے ہیں۔

بشار بن برد کہتا ہے :-

ہم بنو فارس کی عزت کرتے ہیں ،   وہ قریش ہیں ، میری قوم عجمی قریشی ہے

ایک فارسی شاعر کہتا ہے کہ وہ حضرت اسحٰق کی نسل سے اور یہ کہ اسحٰقؑ کا فارسی نام ایرک تھا۔ اس کے اشعار یہ ہیں :-

ہمارا باپ ویرک تھا اور اس نے   ہمیں اپنی اولاد میں قابل فخر بنایا ،
ہمارا باپ نبی تھا جسے   شرف رسالت و عبدیت بخشا گیا
کون ہے جو میری طرح صدیوں پہ فخر کرے   میرا گھر اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے

کچھ اہل فارس کا خیال ہے کہ ویرک ایرک بن بورک کا بیٹا تھا اور بورک ان سات عورتوں میں سے کسی ایک کے بطن سے بے باپ کے پیدا ہوا تھا۔ جن کا نسبی تعلق ایرج بن افریدون سے تھا لیکن یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی اس طرح ولادت کے سوا دنیا میں ایسی کوئی مثال نہیں ، ویسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس طرح ولادت بھی اگرچہ بعید از عقل ہے لیکن وہ مشاہدے پہ مبنی ہے۔

خود فارس میں منوچہر کے نسب کے بارے میں تنازعات ہیں اور اس پر بھی اتفاق نہیں کہ افریدون سے اس کا کوئی نسبی تعلق تھا نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ افریدون کے بیٹے ایرج کی کوئی بہن تھی جس کے بارے میں یہ گمان ہو سکے کہ وہ ان سات عورتوں میں سے کوئی ہو گی جن کا ہم نے کچھ اہل فارس کی مزعومات کے سلسلے میں ابھی ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بادشاہ منوچہر اور بادشاہ افریدون کے اور حکومت کے درمیان تاریخی اعتبار سے کافی خلا پایا جاتا ہے۔ پھر وہ یعنی منوچہر ان بادشاہوں میں سے کیسے ہو سکتا ہے جنہوں نے بابل کی تاراجی کے بعد اسے دوبارہ آباد کیا۔ اس کے علاوہ وہ اتنا باہمت کہاں تھا کہ وہ ملک کو استحکام بخش سکتا اور اس کی حکومت پہ لوگوں میں اتفاق رائے ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت افریدون کی اولاد سے اسحٰقؑ کی اولاد کی طرف منتقل ہو گئی۔

اگر بفرضِ محال مذکورہ بالا گروہ کی بیان کردہ بات کو درست تسلیم کرلیا جائے تو اس سے بلحاظ تاریخ جو صریحی سابی غلطی ہوگئی ہے اسے بھی درست سمجھنا ہوگا کیونکہ اس کے مطابق کیومرث سے لے کر اس وقت تک جب حکومت اولادِ اسحٰق کی طرف منتقل ہوئی ۹۲۲ سال گزر چکے تھے۔ یہ اندراج میں نے ارضِ فارس اور بلادِ کرمان میں اسی گروہ کی رقم کردہ تواریخ میں پایا ہے۔

کچھ اہلِ فارس نے ۲۹۰ سال گزر جانے کے بعد اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ حضرت اسحٰق ان کے جدِ امجد تھے۔ انہوں نے انھیں حضرت اسماعیل ذبیح علیہ السلام پر ترجیح دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق تھے نہ کہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) فارس کے ایک شاعر نے اسی بات کو بڑھا چڑھا کر اپنے ایک طویل قصیدے میں پیش کیا جس میں حضرت اسحٰق کی مبالغہ آمیز مدح سرائی کی گئی ہے اور قریش مکہ کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ اسحاق ہمارے اجداد میں سے تھے تمہارا ان سے کوئی جدی رشتہ نہیں ہے اور یہ بھی کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق تھے برخلاف اس شہرت کے جو حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو اس سلسلے میں حاصل ہے۔ اس شاعر نے زمزم کو بھی مساعی فارس ہی میں شمار کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے اس قصیدے کی مزید تفصیلات میں جانے سے گریز کیا ہے۔ عبداللہ بن المعتز نے جو اس شاعر کا ہم عصر تھا اس قصیدے کا ذکر کرتے ہوئے اس کے چند اشعار بھی لوگوں کو سنائے جن کا مفہوم یہ ہے کہ "اے اہلِ عرب (قریش) میں نے سنا ہے، کسی کو بیان کرتے ہوئے دیکھا نہیں کہ وہ (قابلِ قدر) انسان تمہیں میں سے تھا (یعنی حضرت اسحاق) جس نے فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنا خون رضائے الٰہی کے لیے مباح کیا۔ وہ ہرگز اسماعیل (علیہ السلام) نہ تھا بلکہ اسحاق (علیہ السلام) تھا جس کی اولاد تم نہیں ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو تمہیں میں سے بنی کلب کا ایک شخص اہلِ فارس کی طرف منہ کرکے شیر کی طرح غصے سے کیوں گرجتا۔

دوسری طرف اہلِ فارس میں ان لوگوں کی اکثریت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان کے اسلاف سے لے کر اخلاف تک افریدون کی اولاد کے سوا فارس میں اس وقت تک کسی اور نے حکومت نہیں کی جب تک سلطنتِ فارس اہلِ فارس کے ہاتھ سے نہ نکلی اور بھی بغیر کسی حق کے غصب کی گئی۔ اہلِ فارس کی اکثریت کے اس بیان کو نہ کبھی معرضِ بحث میں لایا گیا نہ اس پر تنقید کی نہ اس کے خلاف کسی نے کچھ کہا۔

اہلِ فارس کے اسلاف خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے، تعظیماً اس کا طواف کرتے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عظمت کے گن گایا کرتے تھے۔ وہ وہاں تحائف بھی لے جاتے تھے جس سے ان کی مراد بیت الحرام سے تمسک اور تحفظ انساب کے علاوہ اور کیا ہوسکتی تھی؟

اہلِ فارس کے اسلاف میں جس شخص نے سب سے پہلے بیت اللہ کی زیارت کا قصد کیا اور وہاں پہنچ کر اس کی اور اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کے پیشِ نظر اس کا تعظیماً طواف کیا وہ ساسان بن بابک تھا جو اُردشیر بن بابک کا دادا تھا۔ وہ پہلا ساسانی بادشاہ تھا جسے اہلِ فارس اپنا نسلی بزرگ سمجھ کر اس کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسے مروانی بادشاہ مروان بن حکم کا اور عباسی خلفا اپنے جدِ امجد حضرت عباس بن عبدالمطلب کا کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ فارس کے دَورِ ثانی میں اردشیر بن بابک کی اولاد کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہوا اور وہ اردشیر کا دادا ساسان ہی تھا جس نے فارس سے مکہ جا کر بیت اللہ کا طواف کیا اور بئرِ اسماعیل پہ کچھ اس طرح زمزمہ سرائی کی کہ اس زمزمہ سرائی کے نام پہ اس اسماعیلی کنویں کا نام جو اس وقت تک "بئرِ اسماعیل" کے نام سے مشہور چلا آتا تھا "زمزم" پڑ گیا اور آج تک اسی نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ آج بھی اہلِ فارس جو زیارت خانہ کعبہ کے لیے آتے ہیں "بئرِ اسماعیل" (علیہ السلام) کے گرد جمع ہو کر اس کے اس مؤخر نام پر اظہارِ فخر و مباہات کرتے نظر آتے ہیں جو ان کے ایک بزرگ ساسان کی وہاں زمزمہ سرائی کی بناء پہ اس نام سے مشہور ہوا۔
اسی نسبت کی بنیاد پہ قدیم زمانے کا ایک شاعر کہتا ہے :۔

(سمجھو کہ) زمزم پہ فارس نے نغمہ سرائی کی — کیونکہ وہ اہلِ فارس کے اسلاف میں سے تھا جس نے اس عمل کا آغاز کیا

(ترجمۂ تشریحی)

فارس کے بعض شعراء نے ظہورِ اسلام کے بعد بھی اس پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ایک ایرانی شاعر کہتا ہے :۔

"ہم نے پہلے بھی حج بیت اللہ کیا تھا — ایمان لانے کے بعد بھی ہم اہلِ بطحا کو عزیز رکھتے ہیں
ساسان بن بابک مکہ آیا تھا، — اس نے تعظیماً بیت اللہ کا طواف کیا تھا
اس نے بئرِ اسماعیل پہ نغمہ سرائی کی تھی — جس سے ہم (آج بھی) سیراب ہوتے ہیں"

آج کے دورِ گزشتہ تک اہلِ فارس بیت اللہ کے لیے بطور ہدیہ مال و دولت اور زر و جواہر بھیجا کرتے تھے۔ ساسان بن بابک نے تو اس کے لیے سونے سے بنے ہوئے دو ہرن، بے حد زر و جواہر، تلواریں اور بڑی کثیر مقدار میں سونا بھیجا تھا جسے زمزم میں دفن کر دیا گیا تھا۔

کچھ مؤرخین اور کتبِ سیر کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ اہلِ فارس جب تک مکہ آتے جاتے رہے وہ خانہ کعبہ اور وہاں کے دیگر متبرک مقامات کے لیے تحائف اور نذریں لازماً لے جاتے رہے۔
ہم اس کتاب میں آگے چل کر بیان کریں گے کہ عبدالمطلب نے ساسان بن بابک کی پیش کردہ

تلواروں اور دوسری چیزوں کا جو زمزم میں دفن کر دی گئی تھیں کیا گیا۔

ہم نے فارس کے انساب اور ان کے بارے میں اہل فارس کے جو نزاعی و اختلافی اقوال ہیں انہیں ضروری تفصیلات اور شرح و بسط کے ساتھ اس لیے بیان کر دیا ہے تاکہ ان پہ اہل ذوق و شرف تحقیق کنندگان ان سے استفادے کے ساتھ ساتھ مزید تحقیق کی طرف متوجہ ہو سکیں۔

فارس کا دورِ ثانی اور ملوک ساسانیہ

ملوک ساسانیہ انھیں کو کہا جاتا ہے جو ساسان بن بابک کی نسل سے تھے اور جنہوں نے فارس کے دورِ ثانی میں وہاں حکومت کی۔

اردشیر بن بابک شاہ

اردشیر بن بابک شاہ ان بادشاہوں کے سلسلۂ انساب میں پہلا بادشاہ تھا جسے ہم گذشتہ باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کا شجرۂ نسب یہ ہے :۔

"اردشیر بن بابک شاہ بن ساسان بن بہمن ابن اسفندیار بن بیستاسف بن بہراسف" اسے ہم بہراسف کے سلسلۂ نسب میں بھی درج کر چکے ہیں لیکن بعض مؤرخ اردشیر کا شجرۂ نسب جو بتاتے ہیں وہ درج ذیل ہے

"اردشیر بن بابک بن ساسان الاصغر بن بابک ابن ساسان بن بابک بن مہرمس بن ساسان بن بہمن بن اسفندیار بن بیستاسف بن بہراسف" لیکن اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اردشیر منوچہر کی اولاد میں سے تھا اور جس کے بقول اسی کے دم سے آج تک صحیح مسئلہ ملوکیت برقرار ہے اور یہ کہ اسی نے اردوان کو قتل کر کے ملوک الطوائف سے ملک کو نجات دلائی اور تاج شاہی اپنے سر پر سجایا تھا، نیز اپنے سلسلہ نسب میں تاج کو زیب سر کرنے کی رسم اسی نے شروع کی تھی۔ سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد جو تقریر اس نے کی وہ یہ ہے :۔

"اس خدائے پاک کا شکر ہے جس نے اپنی نعمتوں سے نوازنے میں ہمیں امتیاز بخشا، ان کے فوائد کی تقسیم میں ہمیں شامل کیا اور شہر در شہر ہماری سکونت کے لیے گھوارے بنائے۔ اسی نے ہماری اطاعت پر اپنے دوسرے بندوں کو مائل کیا اور حکومت کے سلسلے میں ہماری فضیلت کو دور و نزدیک عام کیا۔ ہم صدق دل سے اس کے ان کرمہائے بے پایاں کے شکر گزار ہیں اور میں اعلان کرتا ہوں کہ انشاء اللہ میں نظام عدل کے قیام کی حتی الامکان کوشش کروں گا، "بلاد" اور آثار کو تقویت دینے کی بھی سعی امکانی کروں گا، عوام کے معیار حیات کو بلند کرنے کی طرف توجہ دوں گا، جو طوائف الملوکی ہمارے ملک

میں عام ہو گئی تھی اس کا قطعاً سدِ باب کروں گا اور جو بستیاں اس کی وجہ سے خرابیوں میں تبدیل ہو گئی ہیں اس کے فضل و کرم سے انہیں از سرِ نو تعمیر کروں گا۔ آپ لوگ مطمئن ہو جائیں کہ میں انشاء اللہ عدل انصاف کو عام کروں گا اور ضعیف و قوی اور چھوٹے بڑے کا فرق مٹا کر چھوڑوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ آپ لوگ بھی میرے قول و عمل میں یکسانیت کی تصدیق کریں گے، والسلام۔"

اردشیر اپنے سلسلۂ نسب میں فارس کا پہلا حکمران تھا جس نے اپنے ملک میں قدیم طبقاتی تقسیم کو از سرِ نو مرتب کیا۔ پہلا طبقہ اس کے درباری عالموں، دانشوروں اور مملکت کے مشیروں کا تھا، دوسرا طبقہ ملک کے مختلف صدر مقامات پر گورنروں اور سرحدی شہروں کے حاکموں اور نگران افراد پر مشتمل تھا۔ تیسرے طبقے میں وہ لوگ شامل تھے جو اس کے دربار میں شریفانہ انداز کے ساتھ تفریحات و تفنن طبع کا سامان فراہم کرتے تھے۔ اس طبقے میں خسیس الاصل لوگوں کی گنجائش نہ تھی نہ اس میں ان لوگوں کی کوئی گنجائش تھی جو حد درجہ طویل القامت یا کوتاہ قامت ہونے کی بناء پر یا صورتیں بگاڑ بگاڑ کر اور اعضاء و جوارح کے نقائص کو نمایاں کر کے تفنن طبع کا سامان فراہم کرنے پر قادر اور اس فن میں شہرت رکھتے تھے۔

اردشیر کا قول تھا کہ شرافت و نجابت سے معاشرہ سنورتا اور نکھرتا ہے جب کہ خست و دنایت سے اس کی فضیلت کو نقصان پہنچتا ہے۔ وہ اس سلسلے میں ہوا کی مثال دے کر کہتا تھا کہ اگر ہوا گندہ و کثیف مقامات سے ہو کر گزرے تو سارے ماحول کو گندہ و کثیف بنا دیتی ہے جب کہ صاف و پاکیزہ اور خوشبودار جگہوں سے گزر کر اطراف و جوانب کے ماحول کو پُر فضا، خوشگوار اور مفرح کر دیتی ہے۔ اسی طرح معاشرے میں اسفل و ارذل لوگوں کی شمولیت سے سارا معاشرہ ارذل و اسفل ہو جاتا ہے اور بالکل اسی طرح اس میں کچھ لوگوں کے فسادِ عقل کی وجہ سے پورا معاشرہ فسادِ عقل میں مبتلا ہو جاتا ہے بلکہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی اپنے فسادِ عقل کی بناء پر انتشار و افتراق کا سبب بنتا ہے۔

اردشیر ہی کا قول ہے کہ بادشاہ کے لیے لازم ہے کہ عدل و انصاف کے ذریعہ لوگوں کو فیض پہنچائے کیونکہ عدل و انصاف ہی وہ مضبوط قلعہ ہے جو مملکت کو تباہی و بربادی سے محفوظ رکھتا ہے۔ جو اقوام عدل و انصاف اور آداب کو اخلاق کا دامن چھوڑتی ہیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ بزرگوں کی سفیہانہ ظرافت سے بچنا چاہیے۔ بادشاہوں کے مصاحبین صورت و شکل کے لحاظ سے سرور بخش اور مہذب و مؤدب ہوں، لباس صاف ستھرا رکھتے ہوں جس سے دوسروں کی نگاہیں مسرت و اہتزاز محسوس کریں، آدابِ گفتگو اور اس کے موقع و محل سے پوری واقفیت رکھتے ہوں، اشاروں کنایوں کو سمجھیں اور اپنے جمال

رخ اور اخلاقِ جمیل سے نیز وقار اور رکھ رکھاؤ سے حکمران کے ضمیر کو مطمئن اور اس کے احساسات کو متوازن رکھ سکیں۔ وہ ایسے نہ ہوں کہ اپنی دنایت طبع اور سخافت رذالت مزاج سے اہلِ مجلس کو بدمزہ کر دیں۔

مراتب اردشیر نے اپنی حکومت کے عہدہ داروں کے سات مراتب یا درجے مقرر کیے تھے۔ ان میں پہلا درجہ وزیروں کا تھا، دوسرا درجہ ان علماء کا جو دینی امور میں فیصلہ دے سکیں اور ان میں قاضی القضاۃ بھی ہوتا تھا۔ انہیں علماء اور ان کے اسی سربراہ کے فیصلوں اور احکام سے ساری مملکت کے مذہبی معاملات طے ہوتے تھے۔ انہیں اس نے اپنی مملکت کے مشرقی و مغربی اور شمالی وجنوبی حصوں میں اسی مقصد کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ انہیں سے وہ مجموعی طور پر صلاح و تدبیرِ مملکت کا کام لیتا تھا۔ مذکورہ بالا دو مراتب کے تحت دوسرے پانچ درجے تھے جو مرزبان وغیرہ کہلاتے تھے۔ اس کے دربار میں موسیقاروں تک کو حسبِ مراتب جگہ ملتی تھی جو صرف اپنے اظہارِ کمال کی بنیاد پر نیچے سے اوپر کے درجوں میں ترقی پاتے تھے۔

ملوک ساسانیہ میں اردشیر کے زمانے سے لے کر بہرام گور سے قبل کسی نے اس کے تشکیل دادہ نظامِ حکومت طبقاتِ علمائے دین، مراتب فلاسفہ و حکماء آتشکدوں، زہاد و عبّاد کے مساکن اور حکومت کے عہدہ داروں کے مدارج وغیرہ میں کوئی ردّ و بدل نہیں کیا لیکن بہرام گور نے نہ صرف ان میں سے ہر ایک کو تہ و بالا کیا بلکہ موسیقاروں کے درجات کو بھی اُلٹ پلٹ کر کے نیچے والوں کو بالائی درجات بخش دیے اور اُوپر والوں کو نیچے لاڈالا لیکن جب کسریٰ نوشیروان تختِ سلطنت پر متمکن ہوا تو اس نے اردشیر کے قائم کردہ ہر شعبے کے نظام کو اسی کے ترتیب دادہ اصولوں پر بحال کیا حتیٰ کہ ماہرینِ موسیقی کے مراتب بھی اردشیر کے مقرر کردہ مراتب کی نوعیت پر ازسرِنو بحال کر دیے جب کہ بہرام گور نے اردشیر بن بابک کے تشکیل کردہ سات درجات کو بڑھا کر بیس کر دیا تھا اور ان کے بیچ میں بھی کئی شعبے جو مفید خلائق نہ تھے بڑھا دیے تھے بلکہ اپنے مشیروں ندیموں اور مصاحبین میں رقاص اور مطرب داخل کر لیے تھے۔ اس کے مشیر نجومی تھے جو گردشِ نجوم کے مطابق اسے مشورے دیتے تھے۔ مثلاً فلاں شخص کو قتل کر دیا جائے اور فلاں کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ سب وہی روایات تھیں جنہیں بنواُمیہ اور بنو عباس میں ازمنۂ اولیٰ کے حکمرانوں نے اپنے اپنے عہدِ حکومت میں ازسرِنو تازہ کر کے رواج دیا تھا۔ بہرکیف نوشیروان (عادل) نے حکومت سنبھالتے ہی ان سب خرافات کو یک لخت موقوف کر دیا تھا۔ اردشیر بن بابک کا عہدِ حکومت جس نے تعمیری کاموں، آبادکاری، صحیح نظامِ حکومت اور سیاسی نظام قائم کرنے نیز عدل و انصاف میں شہرت پائی تھی مدتوں لوگوں میں یادگار رہا۔

اردشیر کا زُہد

اردشیر بن بابک مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ زہد و تقویٰ اور عبادت گزاری میں بھی شہرت رکھتا تھا۔ اس نے ہر شخص کو اس کے حسب مرتبہ نوازا تھا۔ اس کے بیٹے "سابور" نے نوشیرواں سے پہلے اپنے باپ کے طریق عمل کی پابندی کی تھی لیکن اس سے قبل اردشیر نے بارہ سال مسلسل ملوک الطوائف سے جنگ کر کے انہیں زیر کر لیا تھا جس سے دوسرے سرکش و باغی حکمران بھی اس کے اطاعت گزار بن گئے تھے۔ اس نے سب سے پہلے اردوان کو قتل کیا تھا اور سب سے آخر میں ایک نام نہاد نبطی بادشاہ کو تہ تیغ کیا تھا جو عراق میں قصر بن ہبیرہ کے مقام پر اپنی جگہ بادشاہ بن بیٹھا تھا اور اس نے اپنے آپ کو شہنشاہ مشہور کر رکھا تھا۔ اس کا نام بابا بن بہر دبنا تھا۔

اُردشیر کے جد امجد ساسان کی ماں بنی اسرائیل کے شرفاء میں سے تھی۔ خود اردشیر نے افلاطون کے استاد سقراط اور افلاطون کے معتقدات اختیار کر رکھے تھے۔ وہ اپنے زُہد، تزکیہ نفس، پاکیزہ روی و پرہیز گاری کی وجہ سے اپنی رعایا اور اپنی آل اولاد میں "بشیر"[1] مشہور تھا۔

چونکہ ہم نے اردشیر کی محاربات، اس کی فتوحات اور دیگر حالات و کوائف اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں بالتفصیل بیان کر دیے ہیں اور اس کے علاوہ خود اردشیر کی اپنی تحریر کردہ کتاب "الکرنامج" میں یہ سب باتیں تفصیل سے آگئی ہیں، اس لیے ہم نے اپنی زیر نظر کتاب میں ان کے بارے میں مزید تفصیلات میں جانے سے عمداً گریز کیا ہے۔

اردشیر کی وصیتیں اور کتابیں

اردشیر کی ایک کتاب کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس کا بیٹا سابور جب بادشاہ ہوا تو اسے اپنے باپ کی وہ وصیتیں اور کچھ مکاتیب جو محفوظ تھے ملے۔ اردشیر نے اپنے بیٹے سابور کو جو خصوصی وصیت کی تھی وہ درج ذیل ہے:۔

> "اے بیٹے! یاد رکھ کہ دین اور ملک دو بھائی ہیں۔ کسی بادشاہ کے لیے ان میں سے کسی کے ساتھ بے نیازی کا برتاؤ کرنا ممکن نہیں کیونکہ دین ملک کی اساس ہوتا ہے اور ملک دین کا محافظ، جس ملک کی اساس نہ ہو وہ منہدم ہو جاتا ہے اور جس چیز کا کوئی محافظ نہ ہو وہ ضائع ہو جاتی ہے۔"

اردشیر کے جو مکاتیب محفوظ رہ گئے وہ درج ذیل احکام و نصائح پر مشتمل ہیں اس نے اپنی رعایا کے سربرآوردہ لوگوں اور اپنے عُمّال کو اکثر لکھا:۔

---

[1] بُرائی سے معرّا، نیکی کا پتلا (مترجم)

"ملک الملوک (شہنشاہ) اردشیر بن بہمن کی طرف سے ان لوگوں کی جانب جن کے سپرد ملکی انتظامات ہیں، ان فقہاء کی جانب جو مذہب کے ستون ہیں، ان سرداران عساکر کی طرف جو محاربات کے موقع و محل کو سمجھنے اور ان پر عبور رکھتے ہیں اور ان لوگوں کی جانب جو ملکی تعمیر کے ذمہ دار ہیں تم پر سلامتی ہو، واضح رہے کہ ہمارا شمار اب نیک بندوں میں ہوتا ہے ہم نے اپنی رعایا کے بہت سے امور کو اپنی نیکی اور اپنے (خداداد) عروج ہی کی بناء پر ترقی دی ہے۔

اب ہم تمہیں بطور نصیحت وصیت جو کچھ لکھ رہے ہیں اسے گرہ میں باندھ لو۔ آپس میں کبھی تفرقہ اندازی نہ کرو کیونکہ اس کی وجہ سے دشمن تم پر غالب آ جائیں گے۔ اخراجات میں حد سے نہ گزرو ورنہ تنگ دست ہو جاؤ گے۔ مسافروں کو پناہ دو اور ان کی مدد کرو جس کا اجر تمہیں آخرت میں ملے گا۔ ازدواجی سلسلہ اپنے عزیز و اقارب ہی میں قائم رکھو کیونکہ وہ نسبی لحاظ سے تم سے قریب تر اور اس کے مستحق ہیں۔ دنیا ہی کے نہ ہو رہو کیونکہ دنیا کسی کا ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی نہ اسے ترک کرو کیونکہ وہ زندگی کے لیے ہی ناگزیر نہیں بلکہ دنیاوی اعمال ہی آخرت میں وسیلۂ نجات بنیں گے۔"

اردشیر نے اپنے بعض عمّال کو یہ بھی لکھا:۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم رعب داب کے مقابلے میں (غیر ضروری) نرمی کو ترجیح دیتے ہو، جرأت کے موقع پر بزدلی دکھاتے ہو۔ تمہیں چاہیے کہ پہلے ہیبت کا اظہار کرو اور پھر (ضروری سمجھو تو) نرمی برتو یعنی پہلے سختی پھر نرمی۔ دل کو ہیبت سے کبھی خالی نہ ہونے دو نہ محبّت کو تعطّل میں ڈالو۔ جو کچھ میں نے تمہیں لکھا ہے اسے جبری حکم یا استبداد نہ سمجھو بلکہ نصیحت و وصیت جانو۔ سمجھ لو کہ سختی و نرمی دونوں ہمسایہ ہیں اور تمہیں ان دونوں میں سے کسی سے مفر نہیں۔"

سابور

اردشیر کے بعد اس کا بیٹا سابور اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت ۳۳ سال رہی۔ اس دوران میں ملوک عالم کے ساتھ اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ ویسے اس نے بھی بہت سے قلعے تعمیر کیے، شہر آباد کیے اور بستیاں بسائیں جو اس کے اسلاف کی طرح اسی کے نام سے منسوب ہوئے۔ اہل عرب نے اسے "سابور الجنود" کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ مانی نے اسی کے زمانے میں شہرت پائی تھی۔ اس نے کچھ ایسے آیات و علامات پیش کیے کہ سابور نے مجوسیت چھوڑ کر اس کا یعنی مانی کا مذہب اختیار کر لیا اور کہا کہ وہ ظلمت سے نور اور بندش سے حریت کی

طرف لوٹ آیا۔" لیکن کچھ عرصہ بعد وہ پھر مجوسیت کی طرف پلٹ گیا اور مانی ان اسباب کی بناء پر جن کا ذکر ہم اپنی سابقہ کتابوں میں کر چکے ہیں فارس سے ہندوستان چلا گیا۔

قیصر اور سابور کے درمیان مراسلت

ایک دفعہ قیصر روم نے سابور بن اردشیر کو لکھا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی سیاست کا محور آپ کی افواج ہیں، آپ کے ماتحتوں نے نظام حکومت کو نظم وضبط کے ساتھ درست کر رکھا ہے، اہل مملکت کی سلامتی کے لیے آپ نے کچھ خاص تدابیر کی ہیں، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ان سب باتوں کے بارے میں وضاحت کے ساتھ مطلع فرمائیں تاکہ میں بھی اپنی مملکت کی فلاح وبہبود کے لیے آپ کے وضع کردہ اصولوں پر کاربند ہو سکوں۔"

سابور نے قیصر کو جواباً لکھا: "میں نے اس سلسلے میں اپنی مملکت میں آٹھ باتوں کی پابندی کو لازمی قرار دے رکھا ہے جو یہ ہیں: "اوامر ونواہی میں مضحکہ خیزی کو دخل نہیں ہونا چاہیے، وعدہ و وعید کی خلاف ورزی قطعاً نہ ہو، جنگ امن وامان کی بحالی کے لیے ہو، کسی لالچ کے تحت نہ ہو، رعایا کے دل بغیر اکراہ آپ کی مٹھی میں آنا چاہئیں، کوئی شخص آپ کے تشدّد کی وجہ سے خوف میں مبتلا نہ ہو، سزا جرم پر ملنی چاہیے، اس کی بنیاد صرف آپ کا غیظ وغضب نہ ہو اور طاقت کا استعمال عموماً باکار وبرمحل ہو فضول نہ ہو۔"

کہتے ہیں کہ سابور نے اپنے بعض عمّال کو یہ لکھا: "میں نے جب بھی کسی شخص کو کسی عہدے کی ذمہ داری سونپی تو اس کی ضروریات زندگی اور معاش کی ذمہ داری اپنے اوپر عائد کی، اس کے عہدے کا محل استعمال صرف عوام کی فلاح وبہبود قرار دیا۔ اسے ہر موقع پر حسن تدبیر سے کام لینے کی ہدایت کی، اسے یہ بھی ہدایت کی کہ .... وہ عوامی محصولات کو حد سے نہ بڑھنے دے اور اپنے ذاتی اخراجات میں بھی اسی ہدایت پر عمل کرے، رعایا کو تشدّد کے بغیر حُسنِ تدبیر سے اپنی اطاعت کا پابند رکھے۔ کسی کو صرف سزا کی وجہ سے خوف میں مبتلا نہ رکھے، طبقۂ امراء کو حُسنِ تدبیر سے اس طرف مائل و متوجہ کرے کہ وہ اپنی دولت کو اپنے ذاتی مفادات وخواہشات تک محدود نہ رکھے بلکہ عوامی فلاح وبہبود کے لیے اس کے صرف کو مقدم سمجھے اور اپنے فائدے کے لیے اس کے انکار پر مائل نہ ہو۔ رعایا کو اپنے احکام کی پابندی وبجاآوری پر قائم رکھنے میں اس عہدہ دار کی کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہو، اگر کوئی شخص اس کے جائز احکام کی بجاآوری سے روگردانی کرے تو پہلے زبانی اتمام حجت کرے جس کے بعد اسے اس شخص کو ازروئے قانون سزا دینے کا اختیار ہوگا۔ لہٰذا تمہارے لیے بھی ان جملہ

مشوروں اور ہدایات کی پابندی لازم ہے۔" والسلام۔

کہا جاتا ہے کہ سابور نے اپنے بیٹے ہرمز اور اس کے جانشینوں کے لیے یہ نصیحتیں لکھوائی تھیں:۔

"خطرات کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے علوئے اخلاق کا بھی خیال رکھو اور اسے بلند سے بلند تر کرنے کے لیے کوشاں رہو۔ اپنی مہمات کی طرح اپنی نوازشات کی زیادتی پر بھی برابر توجہ دیتے رہو اور اپنی جملہ مساعی کو اپنے اجداد کی مساعی جمیلہ کی طرح برقرار رکھو۔"

کہتے ہیں کہ سابور کا دورِ حکومت ساڑھے اکتیس سال اور اٹھارہ دن پر محیط ہے۔

ہرمز سابور کے بعد اس کا بیٹا ہرمز جانشین ہوا، اس کا دورِ حکومت صرف ایک سال بتایا جاتا ہے لیکن کچھ لوگوں کے مطابق اس کی حکومت بائیس مہینے رہی۔ قلعہ اہواز اور رام ہرمز کا شہر اسی کی تعمیر کردہ یادگاریں ہیں۔

ہرمز نے اپنے بعض حکام کو لکھا تھا:۔

"سرحدوں کے تحفظ، لشکروں کی تنظیم، امورِ سلطنت کے لیے تدابیر اور ان کی اصلاح کی صلاحیت و اہلیت صرف اسی شخص میں ہوتی ہے جس کے خصائل میں یہ پانچ باتیں لازمی طور پر موجود ہوں۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ وہ اپنے احکام میں ان کے مواقع اجرا کے ساتھ اپنے دل میں حزم و تیقن کا خاص خیال رکھے، دوسری بات یہ ہے کہ وہ اپنے اوقاتِ فرصت کے علاوہ امورِ مملکت میں مشکلات کے وقت ہمت و جرأت کا مظاہرہ کرنے پر قادر ہو، تیسری بات یہ ہے کہ مسلسل مشکلات کا سامنا ہونے پر اس کی جرأت و ہمت میں کمی نہ آئے، چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنے مواعید میں خلاف ورزی کا خیال تک نہ آنے دے اور وعید کے سلسلے میں وثوق و تیقن کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دے، پانچویں اور آخری بات یہ ہے کہ وہ نوازشات اور مستحقین کو ان کے حقوق کی ادائیگی میں حسنِ تدبیر پر خصوصی توجہ دے سکے۔"

بہرام ہرمز کے بعد اس کا بیٹا بہرام بن ہرمز اس کا جانشین ہوا۔ اس کا دورِ حکومت تین سال رہا جس کے دوران میں مشرقی حکمرانوں کے ساتھ اس کی لڑائیاں بھی ہوئیں۔

جیسا کہ ہم زیرِ نظر کتاب میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مانی بن یزید نے جو قارقون[1] کا شاگرد تھا ہرمز کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور اس نے اسے قبول بھی کر لیا تھا۔ اسی طرح بہرام نے

---

[1] بعض نسخوں میں "مانی بن فدیک غمیذ ماردون" لکھا ہے۔ (مترجم عربی)

بھی مانی کا مذہب اختیار کر لیا تھا اور اپنے مصاحبین کے علاوہ مملکت کے دوسرے عہدہ داروں کو اس کی شہر در شہر اشاعت و ترویج کے احکام صادر کیے تھے تاکہ فارس کے تمام باشندے اس کا اختیار کردہ وہ ثانوی مذہب اختیار کر لیں۔ اس پر اس کے مصاحبین اور امرائے مملکت نے اسے قتل کر دیا اور مانی کے ماننے ہی ہیں اسے زندیق کہا اور اس کے پیش کردہ مذہب کو زندقہ کا نام دیا۔ اس مذہب کے پیرو بعد میں زنادقہ کہلائے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب فارس کے باشندے زرتشت کا پیش کردہ مذہب پہلے ہی اختیار کر چکے تھے۔ زرتشت کا نسب نامہ (شجرہ) ہم اپنی اس کتاب میں مذہب زرتشت کی کتابوں کے حوالے سے پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ زرتشت کی مذہبی کتاب بستاہ تھی جس کی شرح زندؔ[1] اور پھر اس کی شرح الشرح بازندؔ[2] لکھی گئی۔ ان دونوں کتابوں میں زرتشت کے دعوئ التنزیل کے برعکس اس مذہب کی تاویلات و زنادیلات پیش کی گئی ہیں۔ اس مذہب کو فارس میں زند اور اس کے ماننے والوں کو زندی کہتے تھے۔ عربی زبان میں یہ الفاظ تر تیب وار زندیق اور زنادقہ فارسی ہی کے تتبع میں بولے اور لکھے گئے اور اب تک عربی ممالک بلکہ ساری دنیا میں مذکورہ مذہب کے سلسلے میں یہی دو لفظ مشہور چلے آتے ہیں۔

بہرام بن بہرام

بہرام کے بعد اسی نام کا دوسرا بادشاہ بہرام بن بہرام فارس کا بادشاہ ہوا اور اس کا دورِ حکومت سترہ سال رہا جسے بعض لوگوں نے کم و بیش بھی لکھا ہے۔ وہ اپنی نسل کا پہلا بادشاہ تھا جس نے دن رات عیش و عشرت، تفریحات اور سیر و شکار میں بسر کیے۔ اس نے امورِ مملکت کا بھولے سے بھی خیال نہ کیا اور حکومت کے سارے کام درباری امرا، مصاحبین اور اپنے حاشیہ برداروں پر چھوڑ دیے جس کے نتیجے میں سارا ملک زوال کی زد میں آ گیا، شہر اجڑ گئے، بستیاں ویران ہو گئیں، بڑی بڑی خوشنما عمارتیں زمین بوس ہو گئیں اور جو خال خال کہیں رہ بھی گئیں وہ کھنڈرات کا نمونہ پیش کرنے لگیں۔ کہتے ہیں کہ ایک روز وہ شکارگاہ میں تھا جہاں قرب و جوار کی ساری عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ انہیں میں سے ایک قریب ترین عمارت کے کھنڈر پر رات کے وقت اُلّوؤں کا ایک جوڑا بیٹھا بول رہا تھا۔ بہرام نے داد عیش و طرب دیتے دیتے کان کھڑے کیے، ان کی عجیب و غریب آوازوں پر چونکا اور حاضرین سے پوچھا:-

---

[1]، [2] یہاں یہ دونوں معرب لفظ لکھے گئے ہیں جو ایران میں اب بھی علی الترتیب زند و پازند بولے اور لکھے جاتے ہیں ہر چند کہ "گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی" فارسی ہی کا جملہ ہے (شادانی)

"یہ پرندے کیا بول رہے ہیں ؟"

حاضرین بولے :" جہاں پناہ! ہم تو پرندوں کی بولیاں سمجھنے سے قاصر ہیں البتہ یہاں سے قریب ایک جگہ کسی خدا رسیدہ بزرگ نے جھونپڑی ڈال رکھی اور وہ غالباً اس وقت بھی وہیں ہوگا ، اسے بلا کر دریافت کیا جائے تو یقیناً معلوم ہوسکے گا کہ یہ پرندے اپنی بولی میں کیا کہہ رہے ہیں ؟"

جملہ حاضرین کی زبان سے جب بہرام نے یہی ایک جواب سُنا تو فوراً اس تارک الدنیا شخص کو حاضری کا حکم دیا ۔ چنانچہ کچھ لوگ گئے اور خوشامد و آمد کے بعد اس درویش کو بلا لائے ۔ بہرام نے اس سے مخاطب ہو کر کہا :-

" دو پرندے ایک قریبی کھنڈر پر بیٹھے بڑی دیر سے کچھ بولے چلے جا رہے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپس میں باتیں کر رہے ہیں ۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں ؟"

تارک الدنیا درویش نے جو واقعی کوئی خدا رسیدہ بزرگ تھا جواب دیا :-

"میرے معبود نے اپنے فضل و کرم سے مجھے پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا ملکہ بخشا ہے ....."

بہرام نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا :" تو مجھے فوراً بتاؤ کہ یہ پرندے اتنی دیر سے کیا باتیں کر رہے ہیں ؟"

وہ بزرگ شخص بولا :" یہ پرندے دو نوجوان اُلّو ہیں ، ان میں ایک نر ہے اور ایک مادہ ۔ اور ان کی گفتگو کا موضوع اتنی دیر سے غالباً ایک ہی ہے جس پر وہ ابھی تک آپس میں بات چیت کر رہے ہیں ۔"

بہرام نے پوچھا :-" ان کا موضوع گفتگو کیا ہے ۔

اس شخص نے جواب دیا :" ان میں سے جو نر ہے اپنے قریب بیٹھی ہوئی مادہ سے شادی کی درخواست کر رہا ہے لیکن وہ اب تک بس ایک ہی شرط پر اصرار کیے جا رہی ہے ۔"

بہرام نے پوچھا :" وہ شرط کیا ہے جس پر اسے اتنا شدید اصرار ہے ؟"

درویش نے جواب دیا :" نوجوان مادہ کی شرط یہ ہے کہ اسے شادی سے پہلے کم سے کم دس ویرانے دیے جائیں اور وہ اب تک اسی پر اصرار کر رہی ہے ؟"

بہرام نے دریافت کیا :" اور یہ نوجوان نر کیا کہتا ہے ؟"

درویش بولا :" یہ نوجوان نر بار بار کہہ رہا ہے کہ فی الحال دس سے کچھ کم ویرانے قبول کر لو پھر آگے اور مانگ لینا کیونکہ اگر ہمارا یہ خوش نصیب عیش کوش بادشاہ جورات کے اس پچھلے پہر بھی قریبی شکار گاہ

میں عیش و طرب اور رقص و سرود کی محفل جمائے داد عیش دے رہا ہے کچھ عرصے اور تخت سلطنت پہ متمکن رہا تو دس کیا میرے لیے اس سے دس گنا ویرانے بھی فراہم کرنا کوئی مشکل بات نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھو کہ شادی کے بعد ہمارے اولاد بھی کثرت سے ہوگی لیکن تم گھبراؤ نہیں کیونکہ اس نیک بخت بادشاہ کے دور حکومت میں ویرانوں کی تعداد بھی رات دن بڑھتی ہی جائے گی، تو کیا میں پھر تمہیں اور اپنے بچوں کو سو سے زیادہ ویرانے نہ دے سکوں گا؟"

بہرام جو اپنے باپ سے وراثت میں پائے ہوئے ملک کو سرسبز و شاداب، خزانوں کو معمور اور اور رعایا کو شاد و آباد دیکھ کر عیش کوشی کی طرف مائل اور امور مملکت سے غافل ہو گیا تھا اتنا کند ذہن یا غبی نہ تھا کہ اس بے لوث اور مخلص خدا رسیدہ بزرگ کی علامتی گفتگو کو نہ سمجھ سکتا۔ وہ اس کے پُر معنی اور دُور رس جوابات سُن کر کچھ دیر سوچتا رہا، پھر بولا:۔

"اچھا تو آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔"

یہ سُن کر وہ بزرگ خوش ہو گیا اور بڑے مخلصانہ گر مصلحت وقت کے پیش نظر نہایت نرم لہجے میں یوں گویا ہوا:۔

"عالی جاہ! حضور کی فہم و دانش کسی سے کم نہیں ہے، آپ مجھ سے بہتر اس بات کو سمجھ سکتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی ملک کا فرمانروا امور مملکت سے غافل ہو کر عیش و عشرت میں پڑ جائے تو ملک تباہ و برباد اور رعایا اقتصادی طور پہ زبوں حال ہو جاتی ہے، آبادیاں اُجڑنے لگتی ہیں، ان کے باشندے آباد و خوش حال ممالک کا رُخ کرنے لگتے ہیں، اس لیے ملکی صنعتیں بھی ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ مکمل تباہی کے کنارے آ لگتا ہے اور جب یہ حال ہو تو ملکی محاصل قریب قریب ختم اور شاہی خزانے خالی ہو جاتے ہیں پھر لشکر کو بدنظمی، سرحدوں کو غیر محفوظ اور رعایا کو سرکش اور مائل بہ فساد ہونے سے کون روک سکتا ہے اور کس طرح روکا جا سکتا ہے؟ نتیجہ ظاہر ہے۔ ان جملہ باتوں پہ از سر نو غور اور امور مملکت پہ ذاتی توجہ فرمائیے، میری مؤدبانہ اور مخلصانہ نصیحت اور کچھ نہیں ہے۔"

اس مخلص، بے لوث خدا رسیدہ بزرگ کی ان گراں قدر باتوں نے بدمست و عیش کوش بادشاہ بہرام کو خواب غفلت سے اچانک چونکا کر پوری طرح بیدار کر دیا۔ اس نے اس بزرگ کا جو اس کے لیے لاریب کوئی فرشتہ غیبی بن کر آیا تھا شکریہ ادا کیا اور شکار گاہ سے اسی وقت دار الحکومت کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

اس عجیب و غریب واقعے کے بعد وہ واقعی امور مملکت کی طرف ذاتی توجہ دینے لگا، اس نے

حکومت کے جملہ اہم کام اپنے ہاتھ میں لے لیے اور پھر دیکھتے دیکھتے ویرانے شہروں میں اور کھنڈرات خوشنما عمارتوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے، ملک پہلے کی طرح سرسبز و شاداب اور رعایا شاد و آباد نظر آنے لگی کیونکہ اس پر پھر وہی نوازشیں تھیں اور اس کے لیے عدل و انصاف کی وہی فراوانی۔

ملوک فارس کا آخری سلسلہ

مذکورہ بالا بہرام شاہ کے بعد اس کا اسی نام کا بیٹا بہرام بن بہرام تخت حکومت پر بیٹھا اور اس کے وقتِ ہلاکت تک اس کی مدت حکومت چار سال چار مہینے رہی۔ اس کے بعد نرسی بن بہرام شاہ بن بہرام البطل بادشاہ ہوا جس نے سات سال حکومت کی۔ بعض لوگوں نے یہ مدت ساڑھے سات سال بتائی ہے۔ اس کے بعد ہرمز بن نرسی بن بہرام نے حکومت سنبھالی جس کا ذکر ہم ملوکِ فارس کے سلسلۂ انساب کے تحت پہلے کر چکے ہیں۔ اس کا دورِ حکومت سات سال پانچ مہینے رہا۔ ابو عبیدہ معمّر بن المثنیٰ نے بھی عمر کسریٰ کے حوالے سے وہی لکھا ہے جو ملوکِ فارس کے بارے میں اس بادشاہ کے وقت تک ہم نے لکھا۔ یہ بادشاہ ہرمز بن نرسی تھا، اسی کے زمانے میں لوگ خوزستان سے جوق در جوق آ کر جھاؤنی یا سابور میں آباد ہو گئے تھے یعقوب بن لیث الصفّار نے بھی ملوک ساسانیہ کی طرح یہاں آ کر قیام کیا تھا۔ اس کا ذکر ہم خلیفہ معتمد کے حالات کے تحت آگے چل کر کریں گے اور بتائیں گے کہ اس نے اس جگہ کب تک قیام کیا اور یہیں کب وفات پائی۔

سابور ذوالاکتاف

ہرمز بن نرسی کے بعد اس کا بیٹا سابور ابن ہرمز بادشاہ ہوا جسے عموماً سابور ذوالاکتاف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی ہلاکت کے وقت تک ملوک فارس کے اس آخری سلسلہ حکومت کو بہتّر سال گزر چکے تھے۔ سابور ذوالاعکاف کا بیٹا ابھی شکم مادر میں تھا کہ عربوں نے نواحِ عراق پر غلبہ حاصل کر لیا اور حسن تدبیر سے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی جن عربوں نے نواحِ عراق پر غلبہ حاصل کر کے وہاں حکومت قائم کی تھی ان کا سربراہ ایاد بن نزار تھا جسے "طبق" کہا جاتا ہے حالانکہ طبقات بلاد پر اس کا کوئی خاص اثر نہ تھا۔ بہرکیف اس عراقی حصّے کا حکمران آجکل حارث بن اعز الایادی ہے۔ ابھی سابور کی عمر سولہ سال ہی ہوئی تھی کہ اس کے کچھ لوگ بغاوت پر آمادہ ہو کر عراق کے مذکورہ بالا حصے میں عربوں سے جا ملے تھے۔ ایاد اس وقت عراق کے ایک متصل علاقے جزیرہ میں تھا۔ اسی زمانے میں ایک شخص مسمّی لقیط سابور کی قید میں تھا۔ اس نے ایاد کو لوگوں میں سابور کے خلاف جذبۂ بغاوت کی اطلاع دی۔ یہ اطلاع عربی اشعار میں تھی اور ان میں اس قدر ابہام تھا کہ وہ عربی خواں اہل فارس کے لیے بھی ناقابل فہم تھے۔ بہرکیف یہ اطلاع ملتے ہی ایاد فارس کے مقبوضہ عراقی علاقوں پر چڑھ آیا اور سابور کو وہ علاقے جو اکناف عرب یعنی عرب کے قریبی علاقے

کہلاتے تھے خالی کرنا پڑے۔ سابور کو انھیں اکناف عرب کی فتوحات کی بناء پر سابور ذوالاکناف کہا جاتا تھا۔ یہ وہی علاقہ تھا جس پر ایادنے حملہ کیا تھا اور اس پر سابور نے جوابی حملہ کر کے لاتعداد ایادیوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ اس کے بعد اسی علاقے کے تمیمی لوگوں کے ساتھ معاویہ بن سفیان نے خفیہ مراسلت کر کے علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ کے خلاف سازش کی تھی اس کا ذکر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنے کافی طویل منظوم کلام میں کیا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں:۔

"اگر یہاں اصلاح کے بعد فساد پھیلایا گیا   یا رشد و ہدایت کے بعد برائیاں لائی گئیں

تو میں اہل فساد کو یونہی ہلاک کر دوں گا   جس طرح سابور نے باغی ایادیوں کو کیا تھا"

سابور بڑھتا ہوا ان علاقوں تک آ گیا تھا جو اب بحرین کے مقبوضات میں شامل ہیں اور کچھ تمیمی وہاں سے بھاگ نکلے تھے۔ اس وقت سابور نے وہاں قتل عام کا حکم دیا تھا۔ آج کل ان علاقوں پر جو بحرین کے قریب ہیں بنو تمیم نے پھر قبضہ کر لیا ہے اور ان کا شیخ عمرو بن تمیم بن مرہ ہے۔ ان سابقہ واقعات کو اب قریباً تین سو سال گزر چکے ہیں۔ اس وقت تمیمی شیخ کو جب گرفتار کر کے سابور کے سامنے لایا گیا تو کچھ لوگوں نے چاہا کہ اسے قتل کر دیں لیکن سابور نے انھیں اس کے قتل سے روک کر کہا کہ اسے قتل نہ کیا جائے مگر اسے اس کے علاقے میں رہنے بھی نہ دیا جائے۔ اس نے شیخ سے پوچھا تھا: "اے شیخ فانی! تو کون ہے؟" شیخ نے جواب دیا تھا: "میں بقول آپ کے شیخ بھی ہوں اور فانی بھی، شیخ اس لیے کہ میں بوڑھا بھی ہوں اور بنو تمیم کا سردار بھی، فانی اس لیے کہ آپ نے میری قوم کے اکثر لوگوں کو جن میں سے بعض کی لاشیں میں یہاں درختوں سے لٹکی ہوئی دیکھ رہا ہوں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور مجھے بھی حالت فنا تک پہنچا دیا ہے لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس قتل عام کی کیا وجہ ہے؟" شیخ کے سوال کے جواب میں سابور نے کہا تھا: "باغیوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے اور ہونا چاہیے" جب سابور اس علاقے سے فارس میں اپنے دارالحکومت کی طرف لوٹا تو اس میں تمیمی شیخ کو بھی ساتھ لے گیا تھا لیکن وہاں اس کی ضعیفی پر رحم کھا کر چھوڑ دیا تھا۔ اس شیخ نے جس کا نام عمر تھا سابور سے یہ بھی پوچھا تھا کہ دوسرے اہل عرب سے اس کی عداوت کی وجہ کیا ہے تو اس نے جواب دیا تھا کہ عربوں نے فارس کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور میں ان سب کا صفایا کر دوں گا۔ شیخ نے یہ سن کر کہا تھا: "ناجائز قابضین کے ساتھ آپ جو چاہیں سلوک کریں اس میں کچھ مضائقہ نہیں لیکن بے گناہ عوام کے قتل سے کسی حکومت کو کبھی استحکام حاصل نہیں ہو سکتا۔ آخر ان علاقوں کے عوام کے ساتھ جو پہلے آپ کے مقبوضات میں شامل تھے آپ کے عمال نے کیا سلوک کیا ہو گا

جو وہ آپ کی حکومت کے خلاف ہو گئے اور نتیجتہً وہ علاقے آپ کے ہاتھ سے نکل گئے، اس پر بھی تو آپ نے کبھی غور فرمایا ہوتا بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ عمر کی یہ گفتگو سن کر سابور نے کہا تھا "تیری اس حکیمانہ گفتگو اور در پردہ نصیحت سے میں بہت خوش ہوا ہوں۔" اس گفتگو کے بعد ہی سابور نے شیخ عمر کو باعزت طریق سے رہا کر دیا تھا اور مفتوحہ علاقے کے عوام کے متعلق بھی امن عامہ کا اعلان کر دیا تھا۔

سابور مذکورہ بالا عراقی علاقوں کی فتح سے فارغ ہو کر شام کی طرف بڑھا اور وہاں بھی رومی رعایا کو بیدردی سے تہ تیغ کیا، پھر یہ جانے جی میں کیا آئی کہ تھوڑے سے فوجی افسر اور سپاہی ساتھ لے کر خفیہ طریقے سے (غالباً تاجروں کا بھیس بھر کر) روم جا پہنچا تاکہ وہاں کے نظام حکومت اور حالات و کوائف کا پتہ لگائے اور وہاں حد سے زیادہ شان و شوکت کا اظہار کیا حتیٰ کہ قیصر روم نے اسے ایک شاہی ضیافت میں مدعو کر لیا جہاں کھانے سے فراغت کے بعد شراب کا دَور چلا۔ سابور اپنی اس کامیابی پر اس قدر مطمئن اور خوش تھا کہ باوجود ذہنی صلاحیتوں کے اسے کسی طرف کا ہوش نہ رہا۔ شراب اس زمانے کے رومی اور فارسی شاہی دستور کے مطابق سونے کے منقش پیالوں میں پیش کی جا رہی تھی۔ روم اور فارس کی مصالحت کے زمانے میں یہ پیالے شاہانہ تحائف کے طور پر روم سے فارس اور فارس سے روم آتے جاتے رہے تھے جن پر اس آخری دَور میں بھی حسب سابق سابور اور قیصر روم کے شکاری اور محافل کے نقوش بھی کندہ ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ اُن میں ان دونوں کے خط و خال صاف پہچانے جاتے تھے۔ مذکورہ ضیافت میں جب شراب کا دَور چل رہا تھا تو قیصر روم کے ایک خادم خاص کی نظر اچانک ایک ایسے پیالے پر پڑی جس پر سابور کی تصویر کندہ تھی تو اس خادم کی نظر اس پر گڑی کی گڑی رہ گئی۔ پھر اس نے قیصر کے مہمان خصوصی سابور کے چہرے کو غور سے دیکھا اور سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو یہی وہ شخص ہے جس کی تصویر پیالے پر کندہ ہے، اس نے قیصر سے اس بارے میں سرگوشی کی۔ قیصر چند لمحے تذبذب میں رہا لیکن جب اسے خادم کی بات کا یقین آ گیا تو اس نے میان سے تلوار کھینچ کر سابور سے دریافت کیا: "اب سچ سچ بتا دو، تم کون ہو؟ مجھے تمہاری اصلیت کا پہلے ہی پتہ چل گیا تھا لیکن میں اب تک طرح دیتا رہا، اگر تم نے اس فریب کاری کا مقصد صاف صاف نہ بتایا تو نتیجہ تم جانتے ہو۔"

سابور نے مجبوراً اپنی سازش کا اعتراف کرتے ہوئے قہقہہ لگا کر بات ٹالنا چاہی لیکن قیصر کا دُور رَس دماغ بات کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔ اس کے علاوہ اسے شام میں سابور کی آمد اور وہاں اس کے حکم پر بے گناہ لوگوں کے کشت و خون کی بھنک اس کے کانوں میں پڑ چکی تھی اور اس نے دریافت حال کے لیے اپنے آدمی وہاں پر روانہ کر دیے تھے لیکن اسے سابور کے روم میں اس طرح بے باکانہ داخل ہونے

اور اس کی اس شاہی ضیافت میں اس دیدہ دلیری کے ساتھ شرکت کا دھیان تک نہ تھا۔ اس نے فوراً ایک فیصلہ کیا، سابور کے ساتھیوں کو گرفتار کرایا اور خود اسے ہاتھ پاؤں بندھوا کر ایک گائے کی کھال میں سلوا دیا حالانکہ روم میں جانوروں تک کے پاؤں بندھوانے کا دستور نہ تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر قیصر شام کے راستے سابور کے مفتوحہ علاقوں پر حملہ آور ہوا اور انہیں روندتا ہوا فارس میں سابور کے دارالحکومت تک جا پہنچا جہاں اس نے شام کے بے گناہ لوگوں کے کشت و خون کا پورا پورا انتقام لیا۔

ایک روز فارس کے کسی منچلے نے قیصر کی لشکر گاہ کے اس فوجی بگل کے دہانے میں جو خطرات سے آگاہی کے علاوہ ہر صبح فوجی پریڈ کے لیے بجایا جاتا تھا رات کے وقت کسی طرح چھپ چھپا کر گھاس بھر دی۔ جب قیصر نے یہ سنا تو اس شخص کی تلاش کے بعد اسے پکڑوا منگوایا اور اس سے پوچھا:۔

"تو نے یہ حرکت کس مقصد سے کی تھی؟ اگر تو نے یہ حرکت کسی سازش کے تحت کی ہے تو سچ سچ بتا کہ تیرے ساتھ اس سازش میں اور کتنے لوگ شریک ہیں؟"

اس شخص نے سادگی سے جواب دیا "حضور! یہ کوئی سازش نہیں تھی جو اس میں میرے ساتھ کوئی شریک ہوتا۔"

قیصر نے پوچھا: "پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟"

وہ آدمی بولا: "آپ سے انتقام لینے کے لیے۔"

قیصر چونک کر بولا: "مجھ سے انتقام؟ وہ کس بات کا؟"

وہ شخص بولا: "آپ نے میرے ماں باپ اور بیوی بچوں کو قتل جو کر دیا ہے۔"

قیصر نے پوچھا: "میں بھلا تیرے ماں باپ اور بیوی بچوں کو کیوں قتل کرتا؟"

اس شخص نے جواب دیا: "جہاں پناہ! انھیں آپ کے فوجی سپاہیوں نے قتل کیا مگر آپ کے حکم ہی پر تو کیا ہوگا۔"

قیصر نے اس شخص کی جذباتی اور ہیجانی کیفیت کا اندازہ اور اس کی سادہ لوحی کا خیال کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا لیکن وہ اس سے پہلے ہی سابور کے ہاتھوں شام میں رومیوں کے کشت و خون اور خود روم میں اس کی مذکورہ بالا حرکت کا عراق اور فارس کے بے گناہ عوام پورا پورا انتقام لے چکا تھا۔

یعنی تواریخ میں اور فارس و عرب کے شعری لٹریچر میں بھی ان واقعات کا ذکر آیا ہے اور بعض جگہ

یہ بھی ہے کہ یہ سب کچھ سلوک سابور نے قیصر کے ساتھ کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سابور اس کے بعد جزیرہ آمد اور رومی علاقوں میں گیا تھا اور ان مقامات سے وہاں کے اصلی باشندوں کو سوس، تستر اور اہواز کے سرحدی علاقوں میں منتقل کر دیا تھا جہاں اس جبری ترک وطن کے بعد ان کی اور ان کی آئندہ نسلوں کی مستقل سکونت وہیں کی ہو گئی۔ تستر کا دیبا اور حریر اور سوس کے ریشمی و اونی کپڑے آج تک مشہور ہیں اور یہ صنعتیں جن کا تعلق کبھی پہلے خاص فارس سے تھا اب وہیں کی سمجھی جاتی ہیں اور وہیں جاری ہیں یعنی یہ نادر چیزیں جنھیں ملوک ساسانیہ اور ان کے اسلاف نے جنھوں نے فارس کے دورِ اوّل میں حکومت کی تھی بطیسونؔ میں آباد ہو کر ایجاد کیا تھا اب تستر اور سوس والوں کی خوش قسمتی سے ان کے نام سے منسوب ہو گئی ہیں۔ بطیسون ارض عراق میں مدائن کے غربی علاقے میں ہے۔ سابور نے مدائن کے مشرقی علاقے میں سکونت اختیار کی تھی اور وہاں ایک محل تعمیر کیا تھا جو آج تک ایوان کسریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اس ایوان کے بعض حصوں کو پرویز بن ہرمز نے مکمل کیا تھا۔ بعض اہل فارس کہتے ہیں کہ اس ایوان کی بنیاد فارس کے فلاں ابن فلاں بادشاہ نے اس لیے ڈالی تھی کہ وہ اس کی بالائی منزل کی چھت سے جب چاہے آسمان تک جا سکے۔

کہتے ہیں جب عباسی خلیفہ ہارون الرشید ایک روز دریائے دجلہ کے کنارے مذکورہ بالا ایوان کے نزدیک ٹھہرا تو وہاں کے ایک خادم نے اس کے روبرو یہی من گھڑت روایت بیان کی۔ ہارون الرشید نے اپنے خدّام کو سب کے سامنے اسی وقت اس خادم کے سو کوڑے لگنے کا حکم دیا اور کہا کہ ایسی غلط سلط روایات کو بادشاہوں سے منسوب کرنا ان کی بے ادبی ہے۔ ہم بھی بادشاہ ہیں اس لیے فارس کے کسی بادشاہ کے بارے میں بے ادبی گوارا نہیں کر سکتے کیونکہ بادشاہ بادشاہ سب ایک ہوتے ہیں اور ان کے حفظ مراتب کا لحاظ پاس بہر حال ضروری ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہارون الرشید نے ایران میں خاندان برامکہ کے حد سے تجاوز کرتے ہوئے اثرات کے سدّباب نیز مسلمانوں میں مذکورہ بالا من گھڑت روایت کی اشاعت کو روکنے کے لیے اپنے وزیر سلطنت یحییٰ برمکی کو ایوان کسریٰ کے انہدام کا حکم دے دیا تھا اور اس حکم کی تعمیل کے لیے اسے مدائن بھیج دیا تھا لیکن اس کے دربار کے حاضرین نے جن میں مجوسی بھی شامل تھے اسے اس کے خلاف یہ کہہ کر روکنے کی کوشش کی تھی کہ اس سے دنیا میں مسلمانوں کی تخریب کاری کی اشاعت کو بطور مثال مدد ملے گی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے بعض مشیروں نے یہ بھی کہا تھا کہ آنے والی نسلیں یہ بھی کہہ سکتی ہیں کہ فارس کے ایک بادشاہ نے جو ایسا عظیم الشان محل تعمیر

ؔ ایک نسخے میں "بطیسبون" لکھا ہے (مترجم عربی)

کرایا تھا اسے ایک مسلمان حکمران مذکورہ بالا ملحدانہ روایت کی مزید اشاعت کو روکنے کے لیے اسے منہدم بھی نہ کرا سکا۔ چنانچہ ہارون رشید نے اس مشورے کو صائب سمجھتے ہوئے اپنے مذکورہ بالا حکم کو برقرار رکھا تھا لیکن جب اس پہ اخراجات کا تخمینہ لگایا گیا تو وہ اندازے سے کہیں زیادہ نکلا، اس لیے اس نے یحییٰ برمکی کو لکھ بھیجا کہ ایوان مذکور کے انہدام پہ اس وقت تک جو اخراجات ہو چکے تھے اس کے حسابات کی فرد (گوشوارہ) اسے ارسال کرے اور باقی کام فوراً رکوا دے لیکن اس وقت تک ایوان کسریٰ کے کچھ حصے منہدم کرائے جا چکے تھے۔

سابور کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ نیشاپور کا شہر اسی نے آباد کیا تھا۔ اس کے علاوہ خراسان اور ایران کے دوسرے علاقوں نیز عراق میں بہت سی دوسری قابل ذکر عمارات کی بنیاد رکھی تھی۔

سابور بن سابور

سابور بن ہرمز کے بعد اس کا بھائی اردشیر ابن ہرمز فارس کا بادشاہ ہوا۔ اس کی مدت حکومت چالیس سال بتائی جاتی ہے۔ اس کے بعد سابور کی حکومت پانچ سال اور بعض مؤرخین کے مطابق پانچ سال چار مہینے رہی اور اسی دوران میں ایاد بن نزار کے علاوہ کچھ دوسرے عرب حکمرانوں سے اس کی لڑائیاں بھی ہوئیں۔ اس کے بارے میں ایک دورِ ایاد کا شاعر کہتا ہے:۔

"میں نے سابور بن سابور کے بجائے ایاد کی معیت اختیار کی جس کے پاس خدم و حشم و نعم کی کمی نہ تھی۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب سابور شام و روم کی مہمات سے فارغ ہو کر لوٹا اور فارس میں سابور نے حکمران ہو کر عراق میں قتل و غارت کا سلسلہ شروع کیا اور بکر بن وائل کی اولاد میں سے ربیعہ ایادی نے اس پہ غلبہ حاصل کیا اس وقت اس کے کسی درباری شاعر نے مندرجہ بالا شعر کہا تھا کیونکہ ربیعہ ایاد بن نزار ہی میں سے تھا۔ بعض لوگ اس بارے میں کچھ اور کہتے ہیں لیکن کیا صحیح ہے اور کیا غلط یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

بہرام

سابور بن سابور کے بعد اس کا بیٹا بہرام بن سابور بادشاہ ہوا جس نے کچھ مؤرخین کے مطابق اور بعض کے نزدیک گیارہ سال حکومت کی۔

یزدگرد

بہرام کے بعد یزدگرد بن سابور بادشاہ ہوا جس کی حکومت اس کی ہلاکت کے وقت اکیس سال، پانچ مہینے، اٹھارہ دن ہو چکی تھی، بعض لوگوں کے نزدیک اس کی حکومت کا دور پورے بائیس سال ہوتا ہے۔

بہرام گور

یزدگرد کے بعد اس کا بیٹا بہرام بن یزدگرد بادشاہ ہوا۔ یہ وہی بہرام تھا جو تاریخ میں بہرام گور کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی حکومت کا دور کچھ لوگوں نے تیرہ سال اور بعض نے انیس سال بتایا ہے، لیکن اس سلسلے میں دلچسپ بلکہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اس کی عمر کل بیس سال بتائی جاتی ہے۔ بہرکیف وہ ایک اولوالعزم بادشاہ ہوا ہے جو شکار کے دوران میں گھوڑے سے گر کر ہلاک ہوگیا تھا اور جس کے پُرامن دورِ حکومت میں رعایا اس کے بے شمار احسانات اور اس کے مساویانہ عدل و انصاف کو یاد کر کے اہل ایران اب تک روتے ہیں۔ اسی کے دورِ حکومت میں ترک حکمران خاقان نے صُغد تک بلکہ بعض لوگوں کے مطابق رَے تک لشکر کشی کر کے ان علاقوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا لیکن جب بہرام گور ایک عظیم لشکر لے کر اس کے مقابل آیا تو خاقان کو مجبوراً پسپا ہونا پڑا تھا اور اس کی ہیبت واقعی دنیا کے دوسرے بادشاہوں پر بھی چھا گئی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قیصر روم نے اسے کثیر تعداد میں تحائف بھیجے تھے اور ان کے ساتھ کافی بڑی مقدار میں زر و مال بھی ارسال کیا تھا۔ یہ وہی بہرام تھا جو ارضِ ہند تک جا پہنچا تھا اور جب اس کی وہاں کے ایک سرکردہ حکمران "شرمہ" سے ملاقات ہوئی تھی تو مؤخر الذکر نے اس سے مرعوب اور اس کی شان و شوکت سے متاثر ہو کر اپنی ایک بیٹی کو اس کی زوجیت میں دے دیا تھا۔ یہی وہ بہرام تھا جس نے اپنے دور میں وقائع نگاری کو صحیح شکل دے کر استحکام بخشا تھا، اسی نے تیر اندازی اور کمان سازی میں نت نئے طریقے ایجاد کیے تھے۔ ان تمام باتوں کی تفصیلات اور ایک شکار کے دوران میں اس کی افسوسناک ہلاکت کے واقعے کو ہم نے اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں خاصی وضاحت کے ساتھ درج کر دیا ہے جن میں اس کے تیر چلا کر ایک گورخر کے سُم کو اس کی پیشانی میں بیندھ دینے کی تفصیلات بھی شامل ہیں نیز یہ کہ اہل فارس اور ترکوں نے اس کے ایک نئی کمان ایجاد کرنے کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کیا ہے اور یہ کہ خاقان اس کے ہاتھوں کس طرح قتل ہوا۔ ہم نے اپنی مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں بہرام گور کی شاعری پر اظہار خیال کے علاوہ اس کے چیدہ چیدہ اشعار بھی پیش کیے ہیں۔ اس نے فارسی و عربی میں بے شمار اشعار کہے ہیں جنہیں ہم نے یہاں بخوف طوالت و بخیال اختصار پیش نہیں کیا۔

یزدگرد بن بہرام

بہرام گور کے بعد یزدگرد بن بہرام بادشاہ ہوا اس کی مدت حکومت اٹھارہ سال اور بعض اقوال کے مطابق اٹھارہ سال چار مہینے اٹھارہ دن ہوتی ہے۔

اس نے اپنے دورِ حکومت میں باب والابواب کے قرب و جوار میں مٹی کو دودھ میں گندھوا کر ایک فصیل بنوائی تھی جس کا ذکر ہم اس کتاب میں جبل قبخ کے ضمن میں پہلے کر چکے ہیں اس نے اپنی مملکت کے

ایک دانشور کو جو اخلاقِ حمیدہ و اوصافِ ستودہ میں شہرت رکھنے کے علاوہ اس سے واقف تھا کہ نظامِ مملکت اور رعایا کے لیے انضباط قوانین کے کیا طریقے ہیں، بلا کر پوچھا تھا: "اے فاضل حکیم! کسی بادشاہ کو اپنی رعایا کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟" اس دانشور نے جواب دیا تھا:

"بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ نرمی و ملاطفت سے پیش آئے۔ اسے چاہیے کہ رعایا کے معاملات میں عدل و انصاف سے کام لے اور اس سے اپنے حقوق یعنی حقوق مملکت کے حصول میں جبر و تشدد سے کام نہ لے اور ظالم سے مظلوم کو اس کا کماحقہٗ حق دلوائے نیز راستوں کو پُرامن اور خطرات سے خالی رکھے کیونکہ کسی سلطنت کے استحکام کی بنیادی باتیں یہی ہیں۔"

یزدگرد نے دوسرا سوال اس دانشور سے یہ کیا:۔

"اور نظامِ مملکت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

دانشور نے جواب دیا "بادشاہ کے وزرا اور مشیروں کی نیکوکاری سے نظامِ مملکت درست رہے گا اور ان کی بدعنوانیوں اور فتنہ انگیزی سے نظامِ مملکت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"

آخر میں یزدگرد نے اس سے کہا "رعایا عموماً فتنہ و فساد میں مبتلا رہتی ہے۔ اس سے نمٹنے کے کیا طریقے ہونا چاہییں؟"

دانشور نے کہا "بادشاہ کو اس پر خصوصی نظر رکھنا چاہیے کہ اس کی رعایا عیش کوش نہ بن جائے اور لذائذ دنیوی کے حصول میں جائز حدود سے تجاوز نہ کرے۔ فساد برپا ہو یا اس کا اندیشہ ہو تو متعلقہ افراد کو پہلے نرمی سے فہمائش کی جائے اور اس کے بعد حالات کو قابو رکھنے کے لیے ضروری حد تک رعب داب اور سختی سے کام لیا جائے لیکن بادشاہ کو غیض و غضب یا مسرت کسی حالت میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

یزدگرد کے بعد اس کا بیٹا ہرمز بادشاہ ہوا لیکن اس کے بھائی فیروز نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے سترہ سال حکومت کی جس کے بعد ھیاطلہ اخشنوار[1] نے خراسان میں رود مرو عبور کر کے اس پر فوج کشی کی اور اس سے حکومت چھین کر اسے قتل کر دیا۔ ھیاطلہ وہ اہل صُغد ہیں جو بخارا اور سمرقند کے درمیانی علاقے میں رہتے ہیں۔

بہرکیف فیروز کے بعد اس کے بیٹے بلاس بن فیروز نے حکومت فارس پر پھر قبضہ کر لیا لیکن

---

[1] بعض نسخوں میں "باسران" لکھا ہے (مترجم عربی)

اس نے صرف چار سال حکومت کی۔

قباذ بلاس بن فیروز کے بعد اس کا بھائی قباذ بن فیروز فارس کے تخت حکومت پر بیٹھا۔ اسی کے زمانے میں زندیق مزدک کا ظہور ہوا جس نے فرقۂ مزدکیہ کی بنیاد رکھی۔ مزدک اور قباذ کے مابین بہت سے (مذہبی) جھگڑے چلے۔ نوشیرواں نے اپنے زمانے میں مزدک کو قتل کرا دیا لیکن اس سے قبل قباذ قتل کیا جا چکا تھا۔ قباذ کی مدت حکومت ۴۳ سال رہی۔

نوشیروان قباذ بن فیروز کے بعد اس کا بیٹا نوشیرواں فارس کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور اس نے اڑتالیس سال حکومت کی، بعض تواریخ کے مطابق اس کی مدت حکومت سینتالیس سال آٹھ مہینے ٹھہرتی ہے۔ مشہور دانشور بزرجمہر ابن سوخرا[1] نوشیرواں ہی کے زمانے میں گزرا ہے۔ مزدک اور فرقہ مزدکیہ سے شب و روز جھگڑے رہنے اور ملک میں افراتفری پھیل جانے کے بعد قباذ کے ملک سے فرار، واپسی اور قتل تک اس کے بھائی جاماسپ[2] نے قریباً دو سال تک عارضی طور پر حکومت سنبھالی تھی جس کے بعد حکومت قباذ کے جائز وارث نوشیرواں کو ملی۔ اسی نے مزدک اور اس کے اسی ہزار متبعین کو موت کے گھاٹ اتارا اور ارض عراق کے اس علاقے میں جو حازر[3] اور نہروان کے درمیان واقع ہے ان کا مکمل خاتمہ کر دیا اور اس کے بعد ہی وہ نوشیرواں کے نام سے مشہور ہوا جس کا مطلب جدید الملوک[4] ہوتا ہے۔ اس نے جملہ اہل فارس کو دین مجوسی پر مجتمع کیا اور انھیں دینی نظریات میں باہم اختلاف رکھنے سے اور ان کے بارے میں بحث مباحثہ کرنے سے قطعاً ممانعت کر دی۔ وہ جبل فتح[5] تک گیا جس طرف سے بیرونی حکمرانوں نے اس کے ملک پر دھاوا بولا تھا اور وہاں ان بحری راستوں پر جہاں جہاں سے ساحل پر اترنا ممکن تھا موانعات قائم کر دیے۔ ان موانعات کے لیے اس نے ہر ایسے ساحل پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے ستون بنوائے اور ان کے فصل کو گائے کے چمڑے کی ایسی مشکوں سے بند کیا جن میں پتھر، لوہا اور سیسہ ملا کر ایسا مسالہ بھرا گیا کہ اگر کوئی ان مشکوں کو خنجروں یا چھریوں سے کاٹ کر ساحل پر آنا چاہے تو وہ مشکیں پھٹ کر نہ صرف کشتی والوں کے بلکہ ان کی کشتیوں کے بھی پرخچے اڑا دے۔ نوشیرواں نے ایسے موانعات نہ صرف سواحل سمندر پر قائم کیے

---

[1] بعض نسخوں میں "بن سوجری" بھی ہے (مترجم عربی)۔ [2] بعض نسخوں میں جاماست لکھا ہے (مترجم عربی)
[3] بعض نسخوں میں جازر لکھا ہے (مترجم عربی)۔ [4] بعض نسخوں میں جدید الملک لکھا ہے (مترجم عربی)۔ [5] بعض نسخوں میں جبل فتح لکھا ہے (مترجم عربی)

تھے بلکہ اپنے ملک میں داخلے کے بری راستوں میں بھی بنوائے تھے جن میں جبل قبخ کا علاقہ بھی شامل تھا جس کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں ۔ان مواتعات کے آثار تا حال پائے جاتے ہیں ۔یہ موانعات ملوک خزر کے لیے تھے جو اس سے قبل ان راستوں سے فارس پر حملہ آور ہو چکے تھے ۔

جب نوشیرواں عراق کی طرف بڑھا تو ملوک عالم میں سے متعدد بادشاہوں نے اس کی خدمت میں بے شمار تحائف بھیجے اور اپنے اپنے سفیروں کے ذریعے اس سے اظہار ملاطفت کیا ۔ان بادشاہوں میں قیصر روم بھی شامل تھا ۔قیصر روم کے سفیر نے جب ایوان کسریٰ اور اس کے ہاتھی دانت سے تیار شدہ طویل و عریض صحن کو دیکھا تو اس کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے کہا: اسے مربع کیوں رکھا گیا ہے؟ کیا اس صحن کو عرض میں اور بڑھا کر مستطیل نہیں بنایا جا سکتا تھا؟" اسے جواب دیا گیا: بادشاہ معظم کا ارادہ تو یہی تھا لیکن اس کے ایک پہلو میں ایک بوڑھی عورت کا مکان تھا ۔بادشاہ نے اسے خریدنا چاہا اور وافر قیمت پیش کی لیکن اس ضعیف عورت نے انکار کر دیا، اس لیے اسے مستطیل رکھنے کے بجائے مربع رکھا گیا ہے کیونکہ بادشاہ نے اس ضعیفہ سے زبردستی مکان لے کر اس کا دل توڑنا پسند نہیں کیا۔" سفیر کو صحن کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے ہاتھی دانت دکھا کر کہا گیا: "یہ وہ باقی ہاتھی دانت ہیں جن سے یہ صحن مستطیل بنانے کا منصوبہ بنایا گیا تھا ۔" سفیر نے نوشیرواں کے عدل و احسان کی تعریف کرتے ہوئے کہا: "تاہم اب بھی یہ صحن خطا استوا سے چابک دمک میں کم نہیں ہے ۔"

نوشیرواں نے اپنے دارالحکومت کو مضبوط اور اپنی مملکت کے تمام شہروں میں شاندار عمارتیں اور ناقابل تسخیر قلعے اور شہر پناہیں بنانے کے بعد لوگوں کو حسب مراتب سلطنت کے مختلف عہدوں پر مامور کیا، پھر "جزیرہ" کی طرف رخ کیا اور وہاں کے تمام شہر فتح کرتا ہوا دریائے فرات تک جا پہنچا اور شام کے متعدد شہر فتح کر ڈالے ۔اس کے مفتوحہ شہروں میں حلب، قنسرین، حمص اور فامیہ شامل تھے جو انطاکیہ اور حمص کے درمیان واقع ہیں، پھر اس نے آگے بڑھ کر انطاکیہ کا محاصرہ کر لیا جو قیصر کے ساتھ صلح نامے کے بموجب خلاف معاہدہ تھا ۔انطاکیہ میں قیصر کی بہن مقیم تھی لیکن نوشیرواں نے انطاکیہ کے علاوہ اس کے دوسرے ساحلی شہر بھی فتح کر ڈالے جہاں وہ حد درجہ کشت و خون اور قتل و غارت کا مرتکب ہوا ۔اس نے ڈھیروں مال غنیمت اور زر و جواہر حاصل کیا ۔یہ دیکھ کر قیصر نے اسے بیش قیمتی تحائف کے علاوہ بطور خراج زر نقد بھی بھیجا ۔نوشیرواں نے جن شہروں کو فتح کیا تھا اور ان میں شہر سلوقیہ بھی شامل تھا وہاں اب تک ان شہروں کے آثار پائے جاتے ہیں نوشیرواں نے شام سے سنگ مرمر، رخام اور فسیفسا کی مختلف انواع عراق بھجوائیں، فسیفسا ایک

قسم کا حجری مرکب ہے جو شیشے اور پتھر کے امتزاج سے تیار کیا جاتا ہے۔ نوشیرواں نے انہیں چیزوں سے مدائن کے قریب ایک عجوبۂ روزگار ایوان تعمیر کیا جس کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے۔

ترکی خاقان نے نوشیرواں سے اپنی بیٹی اور اپنی بھتیجی کی شادی کر دی۔ اس کے علاوہ دنیا کے تمام بادشاہوں نے اس کے لاؤ لشکر اور شان و شوکت کے پیش نظر اس کے سامنے تحائف اور زر و جواہر کے انبار لگا دیئے۔ چین کے بادشاہ نے اس کے نام ایک خط کا افتتاح اس طرح کیا۔

چین کے بادشاہ فغفور کی طرف سے جس کا محل سچے موتیوں اور جواہرات سے تعمیر کیا گیا ہے جس کے قصر میں دو نہریں بہتی ہیں اور عود و کافور کے اس چمنستان کو سیراب کرتی ہیں جس کی خوشبو چاروں طرف دو دو کوس تک جاتی ہے، جس کی خدمت ہزار بادشاہوں کی لڑکیاں کرتی ہیں، جس کے پاس ایک ہزار سفید ہاتھی ہیں، اپنے بھائی کسریٰ نوشیرواں کے نام ان تحائف کے ساتھ جن میں مرصع ساز و یراق سے آراستہ خوبصورت گھوڑے یاقوت سرخ زمرد اور دیگر جواہرات سے آراستہ تلوار اور جامہ ہائے حریر جن پہ ایسے مناظر منقش ہیں کہ بادشاہ اپنے دربار خاص میں مسند نشین ہے، اس کے گرد و پیش خدام مؤدب ایستادہ ہیں، جس کے ہاتھوں میں جام و مینا ہیں، بادشاہ کی پشت پہ جو پردہ ہے اس کی زمین سنہری ہے اور حاشیہ لاجوردی، اس پردے کو ایک مہ جمال تھامے ہوئے ہے جو اپنے جمالِ جسمانی کے لیے ایڑی تک طویل خوب صورت بالوں کا پردہ کیے ہوئے ہے" وغیرہ وغیرہ۔

جن کا ذکر ہم دربار چین اور وہاں کے قصر شاہی کی آرائش کے سلسلے میں پہلے کر چکے ہیں۔

اس طرح ہندوستان کے بادشاہ نے اس کے نام ایک خط یوں شروع کیا:۔

"مشرق کے عظیم رکن رکین شاہِ ہند کی طرف سے جو قصر طلائی اور سچے موتیوں اور یاقوت کے دروازوں کا مالک ہے اپنے بھائی کسریٰ نوشیرواں کے نام بے شمار تحائف کے ساتھ جن میں آگ میں شمع کی طرح جلنے والا ایک ہزار من عودِ ہندی، سرخ یاقوت کا جام جس پہ موتیوں اور جواہرات مرصع کاری کی گئی تھی، دس من شفاف کافور ایک سرخ و سفید رنگت والی کنیز جس کے ہونٹ یاقوت احمریں کی قاشیں، آنکھیں شراب کے جام کی طرح مد بھری، رخسار بجلی کے کوندے ہیں اور خود چھوئی موئی کی طرح شرمیلی ہے، زریں فرش جن کا تانا بانا شجر کاذی کا ہے جو سونے کی طرح چمکتا دمکتا ہے، شجر کاذی

ہند و چین کا ایک خاص درخت ہے جس کی چھال سے بنے ہوئے کپڑے پر شاہی مراسلات رقم ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔"

نوشیرواں کو تبت کے بادشاہ نے بھی جس کے ساتھ اس کا کوئی صلح نامہ نہ تھا تحائف بھیجے اور ان کے ساتھ جو خط بھیجا اس کی ابتدا اس طرح کی :-

"سطح ارضی کے مشرقی حصوں کے بادشاہ جن میں چین و ہند شامل ہیں شاہ تبت کی طرف سے اپنے بھائی سات اقلیموں کے متوسط ممالک کے بادشاہ نوشیرواں کے نام جو بلحاظ سیرت و کردار اور قدر و منزلت حد درجہ نیک نام ہے تبت کے مختلف النوع عجیب و غریب تحائف[1] کے ساتھ جن میں ایک سو تبتی جوشن، سو تھان منجر و مرصع پارچہ جات، سو تبتی ڈھالیں[2] اور غزالان تبت کے نافوں سے برآمد کردہ مشک شامل ہے ......" وغیرہ وغیرہ

وہ نوشیرواں ہی تھا جو ماوراء النہر میں بلخ بلکہ اس سے آگے ختلانہ تک گیا جہاں اس نے اخشنوانہ اور اس کے دادا فیروز کو قتل کر کے ان کی مملکت کو اپنی قلمرو میں شامل کیا ۔ نیز وہ بھی نوشیرواں ہی تھا جس نے (مشہور) کتاب کلیلہ دمنہ کو ہندوستان سے اپنے ہاں منتقل کیا اور وہاں سے مشہور و معروف سیاہ ہندی خضاب بھی کثیر مقدار میں اپنے ساتھ لے گیا ۔ کہتے ہیں ہشام بن عبدالملک بن مروان بھی یہی خضاب استعمال کرتا تھا ۔

نوشیرواں کے عریض و طویل دسترخوان کا تانا بانا سونے کے تاروں سے تیار کیا گیا تھا اور اس کے حاشیوں پر جو تحریریں تھیں انہیں جواہرات جوڑ کر مرتب کیا گیا تھا ، اس دسترخوان پر عموماً اہل حاجت کی کثرت ہوتی تھی ۔ کھانوں کی خوبی یہ تھی کہ جتنا کھائے اشتہا بڑھتی جائے ، طبیعت سیر ہو جائے لیکن نگاہیں سیر نہ ہوں ۔ اس کی شاہی مہروں کی تعداد چار تھی ۔ پہلی خراج کے حسابات پر ثبت کرنے کے لیے اس انگوٹھی کا نگ عقیق کا تھا جس پر عدل کا علامتی نقشہ بنا ہوا تھا ۔ دوسری مہر اخراجات کی منظوری کے لیے تھی ، اس انگشتری کا نگ فیروزے کا تھا جس پر جذبۂ تعمیر کا علامتی نقشہ تھا ۔ تیسری مہر امدادی رقوم کے حسابات پر ثبت کرنے کے لیے تھی ، اس انگوٹھی کا نگینہ یاقوت کا تھا جس پر اس کا مکمل علامتی نقشہ تھا ۔ چوتھی مہر رسل و رسائل کے اخراجات کی منظوری کے لیے تھی اس انگوٹھی کا نگ سرخ یاقوت کا تھا جس پر رجائی علامات کا نقشہ تھا ۔

---

[1] بعض نسخوں میں تحایف کی جگہ تخاییف لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] کچھ نسخوں میں ترس کی جگہ برس لکھا ہے (مترجم عربی)

نوشیرواں نے عراق کی تعمیر پر معتدبہ اخراجات کیے لیکن کسانوں سے سرکاری محصولات کی وصولی کے لیے حسب ذیل ترتیب رکھی تھی :-

ایک جریب زمین سے حاصل کردہ گیہوں یا جو کے لیے ایک درہم، اتنے ہی چاولوں کے لیے پون درہم، ہر چار فارسی درختوں سے حاصل کردہ فصل پر ایک درہم، چھ درختوں کی معمولی کھجوروں پر ایک درہم، چھ جڑوں سے حاصل کردہ زیتون پر ایک درہم، اتنے ہی انگوروں پر آٹھ درہم اور اتنی ہی پختہ، تازہ اور اعلیٰ قسم کی رسیلی کھجوروں پر سات درہم۔ ان دنوں عراق میں بس یہی سات اقسام کے اناج یا پھل پیدا ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ مزارعین زمین سے جو پیدا کر لیتے وہ ان کا اپنا ہوتا تھا یا چوپایوں کے چارے کے طور پر مفت دیا جاتا تھا۔ نوشیرواں کو عموماً نیک نوشیرواں یا نوشیرواں عادل کہا جاتا تھا۔ اس کی مدح میں دوسرے شعراء کے علاوہ عدی بن زیاد العبادی نے بھی بہت سے شعر کہے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :-

آہ! اب نیک نوشیرواں کہاں! یا اس کا جد امجد سابور کہاں ہے!
اس کے احسانات کی یاد باقی ہے! اگرچہ اس کے قصور و محلات مٹ گئے!
آہ! وہ دن جب اس کے پھریرے ہوا میں بلند ہو کر لہراتے تھے

سیاست ملوکیہ کی اقسام

ایک روز نوشیرواں نے اپنے دربار میں موجود دانشوروں سے کہا:-
"مجھے چند ایسی حکیمانہ باتیں بتائیے جو سیاست ملوکیہ کے لحاظ سے میرے اور میری رعایا کے لیے یکساں مفید ہوں۔"

ان دانشوروں میں سے اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق کسی نے کچھ، کسی نے کچھ باتیں بتائیں یہاں تک کہ بات چلتے چلتے بزرجمہر بن بختگان تک پہنچی۔ وہ بولا :-

"ایسی باتیں بارہ ہو سکتی ہیں۔"

نوشیرواں نے حکم دیا: "مجھے وہ باتیں بتاؤ۔"

بزرجمہر نے کہا: "پہلی بات یہ ہے کہ ہر بادشاہ کے دل پر خواہشات نفسانی، جلب منفعت، غیض و غضب اور حرص و ہوس کے جملہ مواقع پر خوف خدا غالب رہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ قول و عمل میں صادق ہو اور جو وعدے، معاہدے اور عہد و پیمان کرے ان میں پورا اترے۔ تیسری بات یہ ہے کہ تمام اہم معاملات میں علماء سے مشورہ کرے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ عالموں اور شریفوں

کا احترام کرے، کاتبوں، حاجبوں، انتظامی امور پر مامور لوگوں، سرحدی محافظوں اور اپنے ملک کے دیگر عمائدین کا خاص خیال رکھے اور انھیں حسب مراتب نوازتا رہے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ جو قاضی یا جج مقرر کیے جائیں بادشاہ ان کا اور دیگر عہدہ داروں کا عدل و انصاف کے ساتھ محاسبہ کرتا رہے اور جن کی کارکردگی حسب توقع پائی جائے انہیں انعام و اکرام سے نوازے۔ چھٹی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو قید و بند کی سزا دی جائے وہ ان کے جرائم سے زیادہ ہو نہ میعاد سے بڑھنے پائے۔ ساتویں بات یہ ہے کہ مسافروں کی گزرگاہوں، تاجروں کے بازاروں، ذخیرہ گاہوں اور ان کی تجارت کی دیکھ بھال، حفاظت اور نگرانی کا خاص خیال رکھنا بادشاہ کے لیے ضروری ہے۔ آٹھویں بات یہ ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا کی تربیت کے ساتھ اس کی تادیب اور اسے حدود معینہ میں رکھنے پر شب و روز توجہ دیتا رہے۔ نویں بات یہ ہے کہ وہ اپنی افواج کو اسلحہ کی فراہمی، اس کے اعداد و شمار اور عساکر کی دیگر ضروریات کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھے۔ دسویں بات یہ ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کی جائز ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں تحفے تحائف اور عطیات سے نوازتا رہے لیکن ان کی اصلاح کا بھی خیال رکھے

--------------------- بادشاہ کے لیے یاد رکھنے کی گیارھویں ضروری بات یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے باغوں، چراگاہوں، اور کھیتیوں کے لیے پہاڑی چشموں اور دریاؤں سے اور اہل شہر کی گھریلو ضروریات کے لیے شہر سے گزرنے والی نہروں سے پانی کے جائز حصول کا خیال رکھے لیکن انہیں ان میں سے کسی جگہ غیر ضروری ہجوم، غاصبانہ قبضے اور لڑائی بھڑائی سے باز رکھنے کے لیے سخت ہدایات و احکام جاری کرے۔ بارھویں اور آخری بات یہ ہے کہ بادشاہ اپنے وزراء اور دیگر عہدہ داروں کی حرکات و سکنات اور شب و روز کی مصروفیات پر مسلسل و متواتر توجہ دیتا رہے۔"

یہ باتیں سن کر نوشیرواں بولا کہ یہ باتیں سیاست ملوکیہ کے جملہ امور کی جامع اور ان سب کا مکمل طور پر احاطہ کرتی ہیں، انہیں سنہری حروف سے لکھ کر محفوظ رکھا جائے۔

خود نوشیرواں کے حکیمانہ اقوال جو محفوظ رہ گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس سے خزائن کی معموری اور ان کے مصارف کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا۔

"خزانوں سے ملکی مصارف کے لیے جو کچھ لیا جائے وہ حد اعتدال سے کبھی بڑھنے نہ پائے نہ کوئی انہیں اپنی وراثت یا ذاتی ملکیت سمجھے۔ اگر اس کے خلاف ہو تو پایان کار تباہی و بربادی کا

سامنا ہوگا۔"

نوشیرواں سے ایک بار پوچھا گیا کہ طویل العمر اشخاص کن لوگوں کو سمجھا جائے تو اس نے جواب دیا "طویل العمر اشخاص انہیں سمجھنا چاہیے جو علم کی فراوانی کو اپنے لیے وجہ تادیب سمجھتے رہیں اور شہرت کے بعد ان کی طبعی شرافت و خوش مزاجی میں اضافہ ہوتا رہے۔"

نوشیرواں نے ایک بار کہا: "انعام مادہ منویہ ہے اور شکر اس کی ولادت، منعم وہ ہے جو شاکر کے لیے ادائے شکر کی مزید سبیلیں پیدا کرتا رہے۔"

اس نے ایک موقع پہ کہا: "حریصوں کو پرامن رہنے والوں سے اور جھوٹوں کو احرار سے فائدے کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

ایک بار نوشیرواں نے بزرجمہر سے پوچھا: "تمہارے نزدیک میری اولاد میں ملکی اصلاحات کے سلسلے میں پیش پیش کون ہے؟"

بزرجمہر نے جواب دیا: "مجھے ان کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات تو نہیں ہیں لیکن اگر ان میں سے کوئی ملکی اصلاحات کے سلسلے میں اپنے مراتب و مدارج کے باوجود رعایا کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتا ہے، آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ مہذب و مؤدب ہے، آپ کی رعایا اسے سب سے زیادہ پسند کرتی ہے کیونکہ وہ اس پر رحم کرنے کا عادی ہے، وہ ان میں یعنی آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ ظلم کے خلاف ہے تو وہ بھی یقیناً آپ کی ان جملہ صفات کا عکاس ہے تو میں اس کے لیے موجودہ بادشاہ یعنی آپ ہی کو قابل تعریف سمجھتا ہوں۔

ہم نے اس سلسلے میں یعنی سیاست ملوکیہ کے بارے میں حکمائے فارس اور ان کے اسلاف نیز حکمائے یونان میں سے افلاطون کی کتاب "سیاست مدنیہ" کے متعلقہ اقتباسات اپنی کتاب "الزلف" میں نقل کر دیے ہیں۔

بزرجمہر بیان کرتا ہے: "میں نے نوشیرواں میں دو خصلتیں ایسی پائیں جو ایک دوسری کی متضاد تھیں۔" اس کے بعد وہ ان کی مثال دے کر کہتا ہے: ایک دن نوشیرواں میری موجودگی میں کچھ لوگوں سے خاص امور پہ گفتگو کر رہا تھا کہ اس کے اہل خانہ میں سے اس کا ایک قریب ترین اس مجلس میں داخل ہوا۔ ایک وزیر نے اسے حیرت سے دیکھا لیکن نوشیرواں نے اسی وقت ایک فرمان کے ذریعہ اس قریب ترین شخص کے سرکاری رتبے میں ایک سال کے لیے مستقل کمی کر دی لیکن ایک دوسرے موقع پہ جب کہ میں اور بادشاہ یعنی نوشیرواں بعض خاص ملکی امور پہ رازداری کے ساتھ باہم صلاح و مشورہ

کر رہے تھے کہ پس پشت پردے کے دوسری طرف سے خدام شاہی کی گفتگو کی آواز آئی اور جب وہ زور زور سے بولنے لگے تو میں نے بادشاہ کو اشارے سے اس طرف متوجہ کیا لیکن انہوں نے مسکرا کر فرمایا: "ان کی بات رہنے دو، ہم اپنی رعایا کے بادشاہ ہیں لیکن یہ ہمارے بادشاہ ہیں اور ہمارا شمار ان کی رعایا میں ہے کیونکہ ہمیں خلوت تک میں ہمیشہ ان کی امداد کی ضرورت رہتی ہے، للذا ان سے بچاؤ یا احتراز کس طرح ممکن ہے؟"

نوشیرواں کا ایک قول یہ ہے: ملک کی سلامتی و استحکام لشکر سے ہے، لشکر کا استحکام مال سے ہے، مال کی فراہمی خراج پر منحصر ہے، خراج کی بنیاد مملکت کی تعمیر پر ہے، تعمیر مملکت کا انحصار عدل پر ہے، عدل اصلاح عُمّال پر مبنی ہے، عُمّال کی اصلاح وزیروں کی استقامت پر منحصر ہے اور اس سلسلے میں سب سے اہم چیز جو تمام چیزوں کی راس ہے وہ بادشاہ کا اپنی ذات و اقتدار کا احتساب ہے اور اس کی تادیب تاکہ یہ دونوں اس کے قابو میں رہیں نہ یہ کہ وہ ان کے قابو میں آجائے۔" اس نے یہ بھی کہا ہے کہ "بادشاہ کا عدل دنیا بھر کی سرسبزی[1] سے زیادہ مفید ہے۔"

یہ بھی نوشیرواں ہی کا قول ہے کہ کثرت عساکر (ملکی سلامتی کے علاوہ) رعایا کو مطمئن رکھنے کے لیے بھی کار آمد ہے اور یہ قول بھی اسی سے منسوب ہے کہ "دورِ مسرت پلک جھپکتے ہی گزر جاتا ہے لیکن مصیبت کے دن مہینوں ٹالے نہیں ٹلتے۔"

نوشیرواں کے اخلاق، عدل و احسان، ملکوں ملکوں اس کے سیر و سفر، شہر شہر محلوں اور قلعوں کی تعمیرات اور اس کی محاربات کی بابت اور بہت کچھ لکھا گیا ہے جو ہم نے اس کے حالات و کوائف کے تحت اپنی پچھلی کتابوں میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

ہرمز بن نوشیرواں

نوشیرواں کے بعد اس کا بیٹا ہرمز بن نوشیرواں بن قباد فارس کا بادشاہ ہوا۔ اس کی ماں فاقم ترک بادشاہ خاقان کی بیٹی تھی لیکن کچھ لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ملوک خزر میں سے کسی بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس کی مدت حکومت بارہ سال رہی۔ وہ خواص کے ساتھ متحمل لیکن عوام کی طرف مائل اور ان کے لیے باعثِ تقویت تھا۔ اہل ثروت کو دبا کر رکھتا تھا مگر عوام کے ساتھ نرمی برتتا تھا۔ کہتے ہیں اس نے اپنی حکومت کے گیارہ سال کے اندر اندر تیرہ ہزار خاص خاص مرد قتل کیے لیکن بارھویں سال ملک میں اس کی مخالفت شروع ہو گئی، اس کے اور اس کے عُمّال کے

---

[1] بعض نسخوں میں خصب کی جگہ عدل لکھا ہے (مترجم عربی)

احکام کو نظر انداز کیا جانے لگا جس سے تمام پچھلی قابل قدر روایات مٹتی چلی گئیں۔ اسی سال اس پر شابہ بن شب[1] نے چار ہزار ترک سپاہ لے کر حملہ کیا اور ہرات و بدغیس[2] بلکہ سرزمین خراسان میں بوشنج تک بڑھتا چلا آیا اس کے ساتھ سرزمین خزر کے طرخانی بھی ایک عظیم تر لشکر شامل ہو گئے اور وہاں سے درمیانی علاقوں میں قتل و غارت کا طوفان برپا کرتے اور وہاں کے حکمرانوں کو سرنگوں بلکہ اکثر کو تہ تیغ کرتے جبل قبخ کے متصل علاقے تک آپہنچے۔ شابہ بن شب نے اس طرح اپنا لشکر بڑھاتے بڑھاتے اسی ہزار تک کر لیا اور قیصر کی طرح عرب میں یمنی علاقوں تک چڑھ دوڑا جہاں اس وقت قبائل قحطان و معد کے سردار احول اور عمر الافوہ حکمران تھے۔ وہ ہرمز کو بھی احکام بھیجنے لگا اور اس کے بہت سے علاقائی حاکموں اور دوسرے عہدہ داروں کو اپنے ساتھ ملا کر اس پر رعب جمانے لگا جس سے اس کا اقبال بڑھتا چلا گیا لیکن کچھ دنوں بعد بہرام[3] چوبیں حاکم رے[3] اس کے مقابل آیا۔ یہ بہرام بن چوبیں بن بلاد الوش کی نسل سے تھا، وہی الوش جو عموماً رام کے نام سے مشہور ہے۔ اتفاق سے اس وقت شابہ بن شب کے ساتھ ~~وہی پہلا چار ہزار کا لشکر تھا جب کہ بہرام بارہ ہزار سپاہیوں کا لشکر جرار لے کر اس کے مقابل آیا تھا۔~~ پہلے تو کچھ دن بہرام کی طرف سے شابہ کے نام تہدید اور ملامت آمیز خطوط اور اپنے لشکر کی بہتر تنظیم میں لگ گئے لیکن اس کے بعد بہرام نے اس پر بھرپور حملہ کر کے اسے شکست دی اور اس کا سر کاٹ کر ہرمز کے پاس بھیج دیا، نیز اس کے لشکر کو تتر بتر کر کے اس کا سارا مال و اسباب اپنے قبضے میں کر لیا شابہ کا بیٹا یرموده ہرمز کے حکم سے کسی قلعے میں قید تھا اسے فارس کے دربار میں حاضری کا حکم دیا گیا اور جب وہ وہاں پہنچا تو اس کے باپ کا جو مال و منال اپنے قبضے میں کر لیا تھا وہ ہرمز نے اسے واپس دے دیا۔ تاہم بہرام نے وہ تمام زر و جواہر جو یرموده کے باپ شابہ نے سیاوخش سے حاصل کیا تھا یا بلخ میں بہراسف اور گشتاسف کے خزانوں اور ان کے اسلاف کے قیمتی خزانوں سے ترکوں نے لوٹا تھا اپنے قبضے میں رکھا۔ اس پر ہرمز کے کسی وزیر نے حسد کرتے ہوئے اسے بہرام کے خلاف بھڑکایا اور اس پر غاصب ہونے کا الزام لگایا لیکن بہرام اس سے زیادہ ہوشیار تھا۔

---

[1] بعض نسخوں میں شیابہ بن شیب لکھا ہے۔

[2] بعض نسخوں میں بلاد ہرات وعلیسی لکھا ہے (مترجم عربی)

[3] و [3] بعض نسخوں میں "بہرام چوبیں مرزبان رے" کی جگہ بہرام گور بن مرزبان لکھا ہے۔
(مترجم عربی)

اس نے کچھ تاجروں سے ہرمز کے بیٹے کسریٰ پرویز کے نام سے ہزاروں ایسے سکے ڈھلوائے جن پر پرویز کا نام کندہ تھا اور انہیں لا کر ہرمز کے محل کے دروازے پر ڈھیر کر دیا اور ہرمز سے کہا کہ شاہ سے حاصل کردہ مال غنیمت اس سے اس کے بیٹے پرویز نے جبراً لے لیا ہے جب کہ وہ اسے بادشاہ کی نذر کرنا چاہتا تھا۔ بہرام کی اس چال سے اس کی طرف سے ہرمز کے دل میں جو شک تھا وہ جاتا رہا اور وہ اپنے بیٹے پرویز سے بدظن ہو گیا۔ اس نے سمجھا کہ بہرام باوفا ہے لیکن خود اس کا بیٹا اس کے خلاف باغی ہو کر اسے قتل کرنے پر آمادہ اور فارس کا تخت و تاج اس طرح حاصل کرنا چاہتا ہے اس نے پرویز کو قید خانے میں محبوس کر کے اس پر بھاری پہرہ لگا دیا لیکن فارس کے اکثر صاحب ثروت و اقتدار خواص جو پہلے ہی اپنے عزیز و اقارب کے قتل کی وجہ سے ہرمز کے خلاف تھے، اس کے بیٹے پرویز کی حمایت پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے اسے کسی نہ کسی طرح خفیہ طور پر قید سے رہا کرا لیا۔ قید سے چھوٹ کر پرویز نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ اس نے اپنے باپ ہرمز کی دونوں آنکھیں نکلوا کر اسے ہمیشہ کے لیے اندھا کر دیا۔ تاہم ہرمز کا وہ بلند و سنگین مجسمہ جس میں فارس کے ماہر سنگتراشوں نے اسے اپنے مشہور گھوڑے شب دار[1] پر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سوار دکھایا ہے اب تک عجائب روزگار میں شمار ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کو بلحاظ صنعت سنگ تراشی حیرت میں ڈالتا ہے۔

کسریٰ پرویز کچھ دنوں اپنے باپ کے گھوڑے شب دار پر سواری کرتا رہا، پھر کچھ سوچ کر اس کی لگام کاٹ ڈالی اور جس نے اس کا ساز و براق اور لگام تیار کی تھی اسے بلا کر چاہا کہ اس کی گردن مار دے تاکہ ہرمز کی شان و شوکت سے منسوب ہر علامت ختم ہو جائے لیکن اس نے دست بستہ عرض کیا "بادشاہ سلامت! اب یہ گھوڑا اور میں ہی کیا بلکہ سارے فیل و خدم و حشم حضور کی ملکیت ہیں۔ اگر جہاں پناہ! اس گھوڑے اور مجھے ختم کر دیں گے تو آپ کے نئے گھوڑے کے لیے ایسے بلکہ ان سے بہتر کو لگام اور ساز و براق تیار کرنے والا حضور کو دوسرا نہ ملے گا۔ یہ سن کر پرویز نے نے اسے معاف کر دیا اور جانے کی اجازت دے دی۔

کسریٰ پرویز جب اپنے باپ ہرمز اور دادا نوشیرواں کی طرح عراق کی جانب بڑھا تو ایک معرکے میں اس کا سامنا نعمان سے ہوا جو اپنے گھوڑے یحموم پر سوار تھا اور شجاعت کے جوہر دکھا رہا تھا۔ ادھر پرویز بھی داد شجاعت دے رہا تھا لیکن اسی معرکے میں ایک ایسا موقع آیا کہ نعمان اور اس کے فوجی سپاہی اسے قتل کر دیتے۔ ہرمز

---

[1] بعض نسخوں میں المعروف بہ شب دار کی جگہ المعروف بشبدیز لکھا ہے (مترجم عربی)

اس وقت شب دار پر سوار تھا جو ہر طرف اپنی چال ڈھال میں ہر گھوڑے سے نمایاں تھا۔ اسی وقت حنظلہ بن حبۃ طائی اپنا گھوڑا "ضبیب" اس کے برابر لایا اور بولا "حضور! آپ کی جان جو میری جان سے زیادہ قیمتی ہے اس وقت سخت خطرے میں، بہتر ہے کہ آپ اپنا گھوڑا فوراً میرے گھوڑے سے بدل لیں اور فی الوقت میدانِ جنگ سے چلے جائیں۔ پرویز کا زود فہم ذہن حنظلہ کی بات پا گیا، چنانچہ اس نے وقتی طور پر حنظلہ کی درخواست پر عمل کرنا بہتر سمجھا اور اس کے بعد اس نے ہمیشہ حنظلہ کے ساتھ مراعات سے کام لیا۔

حنظلہ نے اس واقعے کے بارے میں دو شعر بھی کہے تھے جو یہ ہیں:۔

"میں نے کسریٰ کو ضبیب دے دیا   میں اسے دشمنوں میں کیسے چھوڑ دیتا
میں نے اسے اپنا گھوڑا دے کر   ترکوں اور دائلوں کی یلغار سے بچا لیا"

پرویز نے بھی اس عظیم واقعے کے صلے میں حنظلہ کو مالا مال کر دیا۔ جب وہ مذکورہ بالا معرکے میں ہزیمت کے بعد اپنے باپ ہرمز کے پاس پہنچا تو اس سے کہا: "اب میں قیصر سے کمک مانگوں گا"۔ ایسے موقعوں پر پہلے ملوک ایک دوسرے کی مدد کر دیا کرتے تھے۔

اب کے پرویز عراق کی طرف بڑھا تو اس کے ساتھ فارس کے کچھ خواص کے علاوہ اس کے ماموں بسطام اور بندویہ بھی تھے۔ اس نے دریائے دجلہ عبور کرنے کے بعد اس کا پل پشت کی طرف سے بہرام کے حملے کے خوف سے توڑ دیا، حالانکہ اس کے مذکورہ بالا دونوں ماموں اور دوسرے مشیر اس کے خلاف تھے۔ پرویز نے جب ان سے اس مخالفت کا سبب پوچھا تو وہ بولے: "بہرام نے تو اب تک آپ کے والد کو تخت پر بٹھا کر اس کے سر پر تاج شاہی بھی رکھ دیا ہوگا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اہل فارس کی اکثریت کے علاوہ شام میں اہل دمشق بھی اسے اب تک شاہی مراتب کے اعتبار سے "ہرمزان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔" اور واقعہ بھی یہی تھا کہ روم و شام کے لوگ سلطنت کے وزیر اعلیٰ کو امیر الامرا اور بادشاہ کو "ہرمزان" کہتے تھے۔

کسریٰ پرویز نے عراق کی طرف بڑھتے ہوئے جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے اپنے باپ ہرمز سے کہا تھا کہ اب وہ قیصر سے فوجی امداد طلب کرے گا لیکن ابھی وہ اس پر عمل پیرا ہونے نہ پایا تھا کہ بہرام نے قیصر کو لکھ دیا کہ پرویز نے ہرمز کو قید میں ڈال کر اس کی آنکھیں نکلوا لی ہیں اور خود زبردستی بادشاہ بن بیٹھا ہے۔ اس لیے جب پرویز نے عراق کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے اس سے امداد طلب کی تو اس نے چپ سادھ لی۔ پرویز کو کسی طرح بہرام کی اس سازش کا پتہ چلا تو اس نے پہلے بہرام سے نمٹنے کی ٹھانی۔ بہرام سے اس کے کئی مقابلے بھی ہوئے لیکن بعد میں "کچھ لو اور کچھ دو" پر بات ختم ہو گئی۔

لیکن پرویز بالا ہی بالا ہاتھ پاؤں مارتا رہا اور موقع پا کر اس نے ہرمز ہی کو ٹھکانے لگا دیا جس کی آڑ لے کر بہرام اس کے مقابل آیا تھا، چنانچہ اب بہرام بے بس ہو گیا۔ یہ سب خبریں روم پہنچ رہی تھیں جہاں اب قیصر کے بعد موریقس نے عنان حکومت سنبھال رکھی تھی۔ ہرمز کی بے بسی، اس کے انجام اور اس سے قبل نوشیرواں کی شان و شوکت اور جاہ و جلال سے متاثر ہو کر ورقہ بن نوفل نے یہ اشعار کہے تھے:۔

"ہرمز کو اس کے خزائن کچھ نہ دے سکے ہر شخص کو دنیاوی مال و متاع کو خیر باد کہنا ہی پڑتا ہے
سلیمان کے حکم سے کبھی ہوا چلتی تھی اور جن و انس پروانہ کرتے تھے مگر اب ؟"

بہرام چوبیں بھی ویسے پرویز سے غافل نہ تھا۔ وہ نہروان سے مدائن پہنچا اور وہاں سے ترکی بادشاہ کے پاس امداد طلب کرنے کے لیے چلا گیا، اس کے ساتھ ترکی سلطان کی بہن کردیہ بھی تھی جس نے اب فارسی وضع قطع اختیار کر لی تھی اور پہلے ہی بہت سے معرکوں میں بہرام کے ساتھ رہ چکی تھی۔ ادھر پرویز نے بہرام کے فارس سے دور چلے جانے سے فائدہ اٹھا کر ایک بار پھر شاہ روم موریقس سے رابطہ قائم کیا اور اسے لکھا کہ بہرام نے ترکی بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس کی بیٹی سے شادی رچا لی ہے اور یہ کہ وہ اس سے امداد لے کر فارس و عراق پر حملہ آور ہونے والا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ فارس و عراق کو روندتا ہوا آپ کے علاقوں پر بھی چڑھائی کر دے۔ اس شاہی مراسلے کے ساتھ جو اس نے اپنے ماموں بسطام کے ہاتھ بڑے خفیہ طریقے پر موریقس کو بھیجا بے شمار قیمتی تحائف اور زر و جواہر کے علاوہ لاتعداد حسین لڑکیاں بھی اسے بھیجیں جن کی جواہرات سے مرصع پوشاکیں اور زیورات دیکھنے والوں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرتی تھیں۔ اور جب موریقس کی طرف سے جوابی تحائف اور فوجی کمک لے کر خود اس کی بیٹی پرویز کے پاس پہنچی اس پیشکش کے ساتھ کہ وہ چاہے تو اسے اپنے حرم میں داخل کر لے تو اس نے موریقس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے لکھا کہ وہ بہادروں کی طرح بہادروں سے امداد طلب کرتے ہیں ان کی بیٹیاں نہیں۔ اس نے موریقس کی بیٹی کو مزید بے شمار تحائف کے ساتھ اور بڑے احترام سے رخصت کیا اور امدادی لشکر کو بھی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اس نے موریقس کو یہ بھی لکھا کہ اس کے باپ ہرمز کو اندھا کرنے اور اسے قتل کرنے میں بھی بہرام ہی کا ہاتھ تھا۔ بہرام کا حال ہرمز سے بھی برا ہوا۔ اس کے حسب و نسب اور اس کے مقتل کے بارے میں بہت سی کہانیاں اب تک فارس میں مشہور چلی آتی ہیں۔

پرویز اور بزرجمہر

نوشیرواں کے بعد پرویز کا مشیر سلطنت، اس کا مدبر ترین مصاحب اور حکومت کا وزیر اعلیٰ اگر کوئی ہو سکتا تھا تو وہ بزرجمہر بن بختگان ہی تھا اور وہی اس کے

سب سے زیادہ اثر انداز رہا لیکن پرویز نے اس کے حکیمانہ مشوروں سے مستفید و مستفیض ہونے کے باوجود اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ عبرت ناک ہے، اس نے اس کو نہ صرف قید میں ڈالا بلکہ اس کی ناک کے ساتھ اس کے ہونٹ بھی کٹوا لیے اور اسے کہلوایا کہ یہ اس کے عقل و ادراک کا ثمرہ ہے۔ پرویز نے بزرجمہر پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ مذہب تبدیل کر کے زندیقوں سے مل گیا ہے اور حکومت کے خلاف بغاوت کرانا چاہتا ہے۔ بزرجمہر نے اسے کہلوایا: "میرے عقل و ادراک کے فوائد اور ان کے ثمرات سے تیرا دادا نوشیرواں پوری طرح واقف تھا، اگر آج وہ زندہ ہوتا تو وہ ان کے بارے میں تجھے بتاتا کیونکہ وہ زندگی بھر ان سے مستفید ہوتا رہا بلکہ تو نے بھی ان سے اب تک اکثر فائدہ اٹھایا ہے، تیری طرف سے اس کا یہ جواب حیرت ناک ہونے کے علاوہ تیری فطری خباثت اور بدطینتی کی شہادت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟" پرویز یہ سن کر طیش میں آ گیا اور اس نے بزرجمہر کی گردن مارنے کا حکم دے دیا مگر جب اس کے دوسرے وزیر ادلیس[1] نے بزرجمہر کی عقل و حکمت اور اس سے حکومت فارس کو جو بڑے بڑے فائدے پہنچے تھے پرویز کو تدبر اور نرمی کے ساتھ بتائے تو وہ نادم ہوا اور اظہار افسوس کرنے لگا لیکن اس سے قبل بزرجمہر نے اپنے قتل کے وقت جو اسے بُرا بھلا کہا تھا اس پر غضب ناک ہو کر وہ اس کی لاش کے ٹکڑے کرا کے دریائے دجلہ میں ڈبو چکا تھا۔ بزرجمہر کے حکیمانہ اقوال جن میں سے کچھ ہم زیر نظر کتاب میں پہلے نقل کر چکے ہیں اور اس کی بیان کردہ سبق آموز حکایات اب تک بعض اہل فارس کے پاس محفوظ چلی آتی ہیں۔ ان کا ہم نے اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں بھی ذکر کیا ہے۔

حروب ذی قار

حروب ذی قار اُن لڑائیوں کو کہا جاتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے آپ کی بعثت تک عرب اور فارس کے درمیان چالیس سال تک جاری رہیں بعض مؤرخ ان کی مدت آپ کی ہجرت مدینہ کے بعد تک بتاتے ہیں۔ بہرکیف خود آخر النبیین، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک مشہور ترین لڑائی کے واقعات اور اس کے نتائج و عواقب سے ایک روز لوگوں کو آگاہ فرمایا تھا۔ یہ لڑائیاں عرب کے بکر بن وائل اور فارس کے ایک علاقے کے حکمران ہرمزان کے درمیان ہوئی تھیں اور ان کا آخری زمانہ کسریٰ پرویز ہی کا زمانہ تھا۔ ان لڑائیوں کے تفصیلی حالات ہم اپنی پچھلی کتاب "کتاب الاوسط" میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی لیے ہم نے یہاں

---

[1] بعض نسخوں میں "ادنوس" لکھا ہے (مترجم عربی)

ان کی تکرار سے گریز کیا۔

فارس میں نبوّت فارس میں کسریٰ پرویز کے دوران حکومت کچھ ایسے حادثات بھی پیش آئے[1] جن کا تعلق نبوت اور اس کے تحت نذرات و بشارت سے تھا۔ کسریٰ ہی نے عبدالمسیح بن بقیلہ غسانی کو سرکاری کاہن مقرر کیا تھا جس نے اسے سدّ موندان اور ایوان نوشیروان نیز بحیرۂ ساوت وحدود سماوات کے بارے میں کچھ من گھڑت باتیں بتائی تھیں۔

کسریٰ پرویز کی بھی اپنے دادا نوشیروان کی طرح نو مہریں تھیں جو اس کے احکام اور امور سلطنت کے دوسرے فیصلوں وغیرہ پر اس کے دستخطوں کے نیچے ثبت کی جاتی تھیں۔ پہلی مہر چاندی کی تھی جس میں سُرخ یاقوت جڑا ہوا تھا جس پر کسریٰ کی تصویر تھی اور اس کے چہار جانب اس کے یعنی کسریٰ کے اوصاف درج تھے۔ اس کا حلقہ ایسے مضبوط مگر پتلے چمڑے کا تھا جس پر شاہی مراسلات اور عہدنامے و معاہدے وغیرہ لکھے جاتے تھے۔ دوسری مہر عقیق تراش کر بنائی گئی تھی، اس پر خراسان کا نقشہ تھا اور چار جانب کچھ تذکرات تحریر تھے۔ تیسری مہر سفید و سیاہ پتھر سے تراشی گئی تھی، اس پر فارس کا مختصر نقشہ تھا، اس کا حلقہ سونے کا تھا اور اس پر ڈاک کے علامتی نقوش کندہ تھے۔ چوتھی اور پانچویں مہر بھی پہلی مہر کی طرح یاقوت کی تھی، اس کا حلقہ سونے کا تھا۔ اس مہر پر ایسی عبارت تحریر تھی جو سزاؤں کی معافی سے متعلق تھی اور یہ مہر اسی کام آتی تھی۔ چھٹی مہر یاقوت بہرمان کی تھی جو سب سے زیادہ قیمتی اور صاف شفاف ہوتا تھا۔ اس کا نقشہ نقشۂ آزادی فارس سے متعلق تھا اور خوشی و خرمی کی علامت تھا اور اس مہر میں موتی جڑے ہوئے تھے۔ یہ مہر خزائن و مالیات سے متعلق امور پر لگائی جاتی تھی چھٹی مہر بھی ایسی ہی تھی اس پر عقاب کی تصویر تھی، اس کا حلقہ سیاہ فولاد کا تھا۔ یہ مہران شاہی مراسلات پر لگائی جاتی تھی جو دوسرے ممالک کے بادشاہوں کو لکھے جاتے تھے۔ ساتویں مہر پر جنگلی بیل کی تصویر تھی۔ یہ مہر کھانوں کی سربند قابوں پر لگائی جاتی تھی اور اس بات کی تصدیق تھی کہ یہ کھانے زہر وغیرہ سے محفوظ ہیں۔ آٹھویں مہر لوہے کی تھی اور ان محضروب پر لگائی جاتی جن میں لوگوں کو سزائے قتل کا حکم درج کیا جاتا تھا۔ نویں مہر ان ملبوسات کے لیے تھی جو حمام میں رکھے تھے اور اس بات کی علامت تھی کہ یہ ملبوسات ہر مضر صحت چیز سے مبرّا ہیں۔

کسریٰ پرویز کی دولت کسریٰ پرویز کے پاس بے شمار دولت تھی جس میں زر و جواہر کے انبار

---

[1] بعض نسخوں میں "کانت حوادث" کی جگہ حدثت حوادث لکھا ہے (مترجم عربی)

کے علاوہ ایک ہزار ہاتھی، ہزاروں لاکھوں گھوڑے اور اونٹ نیز دوسرے جانور تھے۔ اسے ہاتھیوں کا خاص طور پر شوق تھا۔ ہندی ہاتھی دیکھ کر وہ کہا کرتا تھا کہ کاش ایسے ہاتھی فارس میں پیدا ہوا کرتے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کسریٰ پرویز کا بھی وہی حشر ہوا جو اس نے اپنے باپ ہرمز کا کیا تھا۔ اس کی آنکھیں نکالے جانے اور اس کے قتل کے وقت اس کی حکومت کے اڑتیس سال ہو چکے تھے۔

ملک قباد

پرویز کے بعد اس کا بیٹا قباد اسی طرح حکومت پر قابض ہوا جس طرح اس کا باپ ہوا تھا یعنی اپنے باپ پرویز کی آنکھیں نکلوا کر اور اسے قتل کر کے۔ قباد تواریخ میں شیرویہ کے نام سے مشہور ہے۔ اہل فارس اسے مشئوم[1] بھی کہتے تھے۔ اس کے زمانے میں اس کے مقبوضہ ممالک عراق وغیرہ میں ایسا طاعون پھیلا تھا جس سے ایک لاکھ آدمی مر گئے تھے۔ بعض مؤرخین نے ان مرنے والوں کی تعداد بلحاظ اعداد و شمار ان ممالک کی نصف آبادی اور بعض نے تہائی آبادی بتائی ہے شیرویہ کی حکومت اس کی ہلاکت کے وقت صرف ایک سال اور چھ مہینے ہوئی تھی۔ پرویز اور اس کے بیٹے شیرویہ کے بارے میں مختلف کتابوں میں عجیب و غریب دوسرے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن کا ذکر ہم اپنی پچھلی دو کتابوں میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔

ملک اردشیر

شیرویہ کے بعد اس کا بیٹا اور سلطنت کا ولی عہد "اردشیر" بادشاہ ہوا جس کی عمر تاجپوشی کے وقت کل سات سال تھی۔ اس کے فوراً بعد شہریار جو شام کے شہر انطاکیہ کا حاکم تھا اور جس کا ذکر پرویز کے ساتھ پہلے آ چکا ہے دار الحکومت پہنچا اور اردشیر کو قتل کر دیا اردشیر کی حکومت کل پانچ مہینے رہی۔

شہریار

اردشیر کو قتل کر کے شہریار صرف بیس دن حکومت کر سکا کیونکہ اسے پرویز کی بیٹی ازرمی دخت[2] نے قتل کر دیا تھا۔ بعض مؤرخین نے شہریار کی مدت حکومت دو مہینے اور بعض نے کچھ اور بتائی ہے۔

بادشاہ کسریٰ

شہریار کے بعد کسریٰ بن قباد بن پرویز فارس کا بادشاہ ہوا۔ بعض مورخین نے اسے پرویز کا بیٹا بتایا ہے۔ جب اس کی حکومت کا اعلان ہوا وہ اس وقت ترکی علاقے کے نواح میں تھا۔ وہ وہاں سے دار الحکومت کی طرف آ رہا تھا کہ اسے راستے ہی

---

[1] بعض نسخوں میں غشوم لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] بعض نسخوں میں "آزرمی دخت" لکھا ہے (مترجم عربی)

میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی حکومت کے اعلان کو اس وقت صرف تین مہینے ہوئے تھے۔

ملکہ بوران

کسریٰ کے بعد پرویز کی بیٹی "بوران" نے فارس کی حکومت سنبھالی مگر اس کی حکومت بھی صرف ایک سال چار ماہ رہی۔ اس کے بعد پرویز کی ایک دوسری بیٹی ارزمی دخت جس کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے تخت پر بیٹھی لیکن اس کی حکومت بھی کل ایک سال چار مہینے چلی پھر سابور کی اولاد میں سے "خشنشدہ" نے دو ماہ حکومت کی۔ اس کے بعد فرحاد خسرو[ل] کی حکومت کا اعلان کیا گیا، وہ ابھی بچہ تھا یعنی اس کا لڑکپن ہی تھا۔ چنانچہ وہ صرف ایک ماہ یا صرف چند مہینے بادشاہ کہلایا۔

یزدگرد

فرحاد خسرو کے بعد یزدگرد بن شہریار بن کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیروان بن قباد بن فیروز بن بہرام بن یزدگرد بن سابور بن ہرمز بن سابور بن اردشیر بن بابک بن ساسان بادشاہ ہوا جو ملوک ساسان کا آخری بادشاہ تھا۔ جب وہ خراسان کے شہر مرو میں قتل ہوا اس وقت اس کی حکومت بیس سال ہوئی تھی اور حضرت عثمانؓ بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو سات سال چھ ماہ گزر چکے تھے اور ہجرت کا اکتیسواں سال تھا۔ یزدگرد کے دورِ حکومت اور اس کے مقتل کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ملوکِ فارس کی کل تعداد اسّی بتاتے ہوئے المسعودی لکھتے ہیں :-

"مورخین کے بیانات اور دوسری تاریخی کتابوں نیز سیر الرجال پر اب تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ملوک فارس کا زمانہ آغاز سال ہجری اسلامی تک تین ہزار چھ سو نوّے سال پر مشتمل ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

(۱) کیومرث سے لے کر منوچہر تک ۱۹۲۲ سال
(۲) منوچہر سے زرتشت تک ۵۸۳ "
(۳) زرتشت سے سکندر اعظم تک ۲۵۸ "
(۴) سکندر اعظم کی فارس میں حکومت ۵ "
(۵) سکندر سے اردشیر تک ۵۱۷ "
(۶) اردشیر سے آغاز سال ہجری اسلامی تک ۴۰۴ "

اس کے بعد المسعودی رقم طراز ہیں :-

"ہم آگے چل کر اس کتاب میں حسب موقع ذکر ہجرت، خلافت ابوبکر، اس کے مابعد زمانہ خلافت

ل بعض نسخوں میں "فرخ زاد خسرو" لکھا ہے (مترجم عربی)

ملوک بنی اُمیہ اور ملوک بنو عباس کے حالات و کوائف علاوہ پوری تاریخ عالم، حالات انبیاء و ملوک عالم پر کسی قدر اور روشنی ڈالیں گے، اس کے لیے ہم نے زیرِ نظر کتاب کے آخر میں ایک الگ باب "ذکر تاریخ الثانی" کے نام سے مختص کر رکھا ہے۔"

یہاں ملوک فارس کے بعد اب ہم ملوک یونان، ان کے انساب اور حالات و کوائف قلمبند کریں گے۔

ملوکِ یونان، ان کے انساب اور حالات و کوائف

یونانیوں کی اصل و بنیاد

یونانیوں کی اصل و بنیاد، ان کے انساب اور اسلاف کے متعلق مؤرخین میں باہم بڑے اختلافات ہیں۔ ان کا ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اصلاً رومی ہیں اور مزید یہ کہ وہ نسلاً حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں سے ہیں جب کہ ایک دوسرے گروہ کے نزدیک وہ ابن یافث بن نوح کی نسل سے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا تعلق آراش بن ناواں[1] کی نسل سے ہے اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ ازمنۂ اولیٰ کی کسی قدیم نسل سے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ رومی و یونانی بلحاظ نسب ایک ہی ہیں، نیز یہ کہ ان دونوں کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ تھے۔ یہ لوگ اپنے اس گمان کی بنیاد اس بات کو ٹھہراتے ہیں کہ رومی و یونانی دونوں میں طبائع، عادات و خصائل اور مذہب کا اشتراک ہے۔ وہ انہیں لسانی طور پر بھی ایک ہی بتاتے ہیں حالانکہ یہ سب باتیں صریحًا غلط معلوم ہوتی ہیں، وجہ یہ کہ نہ رومیوں کی طبائع اور عادات و خصائل یونانیوں جیسی ہیں نہ ان کے مذاہب یونانیوں جیسے۔ لسانی اعتبار سے بھی وہ دونوں الگ الگ قومیں ہیں۔ جہاں تک رومیوں کے اظہارِ خیالات، فلسفۂ مذہب، اسلوب بیان اور طرزِ خطابت کا تعلق ہے وہ ان باتوں میں سے کسی ایک میں بھی یونانیوں سے لگا نہیں کھاتے، کیونکہ رومی ان سب باتوں میں یونانیوں سے کہیں پیچھے ہیں چہ جائیکہ وہ یونانیوں کی تحریر کردہ کتابوں کے اسلوب، ان کے ارفع و اعلیٰ حکیمانہ و فلسفیانہ خیالات اور بلحاظ زبان و بیان ان کی فصاحت و بلاغت کی سطح تک پہنچ سکتے۔

ذو والعنایہ نے "اخبار المتقدمین" میں لکھا ہے کہ اہل یونان قحطان کے بھائی بندوں میں سے اور عامر بن شالخ کی اولاد میں سے ہیں۔ اپنے بھائی کے گھر سے ان کے الگ ہو جانے کا سبب یہ تھا کہ انہیں

---

[1] بعض نسخوں میں "آوران بن یاوان بن یافث" لکھا ہے (مترجم عربی)

باہم ہم نسب ہونے میں شک پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ ان کا جدّ اعلیٰ اپنے یقینی ہم نسبوں کو لے کر مشرق سے اپنے اصلی وطن سے رخصت ہوکر مغرب میں آبسا نتیجہ یہ ہوا کہ زبان کے علاوہ وہ اپنی بود و باش تہذیب و ثقافت سے سب بھولتے چلے گئے اور جوں جوں ان کی نسل وہاں پھیلی اور بڑھی انہوں نے رومیوں کا طرز بود و باش، لباس، وضع قطع سب کچھ اختیار کر لیا اور وہ یورپی رنگ میں ایسے رنگے کہ یہ بھی قطعًا بھول گئے کہ ان کا اصلی وطن دیار یمن تھا لیکن وہ عرب میں اب تک یونانی اس لیے کہلاتے ہیں کہ وہ پہلا خاندان جو عرب سے اقصائے مغرب کی طرف منتقل ہوا اس کے سربراہ کا نام یونان تھا۔ یونان بڑا حسین و جمیل جسیم و فہیم، عقل و حکمت میں کامل اور انتہا درجے کا صاحب الرائے، ذہین، ذکی، کثیر الہمت اور عظیم القدر تھا۔ چنانچہ اس کی نسل بھی ان جملہ خصوصیات میں دنیا بھر میں اکمل نکلی۔

یعقوب بن اسحٰق الکندی نے یونان کے نسب کے بارے میں وہی لکھا ہے جو ہم نے ابھی بتایا یعنی وہ قحطان کے بھائیوں میں سے تھا۔ الکندی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مآخذ انساب عالم پر یا تو قابل وثوق قدیم کتابیں ہیں یا کچھ قدیم ثقہ اشخاص کے اقوال ہیں۔ اس نے عوام سے سُنی سنائی کسی بات کو مستند نہیں سمجھا۔

ابو العباس عبد اللہ بن محمد الناشی نے بھی اپنے ایک طویل عربی قصیدے میں جس میں اس نے یونانیوں کی عقل و حکمت کی حد درجہ مدح کی ہے یونان کو قحطان کا ہم نسب بتایا ہے۔

مساکنِ یونان

جب یونان کی اولاد بڑھنے لگی تو اس نے اقصائے مغرب میں اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ایک خاص خطۂ زمین منتخب کیا اور شہر ایتھنیا میں جا ٹھہرا اس شہر اور اس کے اطراف میں اس نے اور اس کی اولاد نے بڑی بڑی عمارتیں بنائیں۔ یونان نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو مرتے وقت یہ پند و نصیحت اور وصیت کی :-

"میرے بیٹے! میری موت کا وقت قریب آپہنچا ہے، موت ہر انسان کو آتی ہے، اب میں تم سے تمہارے بھائیوں اور سب گھر والوں سے رخصت اور جدا ہو رہا ہوں، میں نے ہر کڑے وقت میں عمر بھر تمہارا ساتھ دیا ہے اور ہر مصیبت میں تمہارے کام آیا ہوں ہر نشیب و فراز سے تمہیں آگاہ کیا ہے۔ اب تم میرے بعد میری طرح ہمیشہ جود و سخا سے کام لینا کیونکہ یہی ملک کی مرکزی میخ، سیاست کی کنجی بلکہ اس کا دروازہ ہے۔ لوگوں کا دل جیتنے کے لیے ہمیشہ نرمی، اخلاق اور انعام و اکرام سے کام لینا اور اسی راستے پہ چلنا جس پہ اہل عقل و حکمت چلا کرتے ہیں، میری انہیں خصوصیات کی بناء پر اب تک

تمہارا انتظام خانہ اور نظام ملکی درست اور قائم رہا ہے، یہ خصوصیات عقل و حکمت کی پیروی کا نتیجہ ہوتی ہیں اور عقل و حکمت سے روگردانی کرنے والا آدمی تباہی و بربادی کا شکار ہو کر قعر مذلت میں جا گرتا ہے۔"

حربیوس

یونان کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا حربیوس اس کا جانشین ہوا، اس کے جملہ اہل خانہ اور عزیز و اقارب اس کے ساتھ شیر و شکر اور اس کے تابع فرمان رہے۔ اسی وجہ سے یونان کی اولاد بڑھتی، پھیلتی اور پھلتی پھولتی چلی گئی یہاں تک کہ اس نے نہ صرف مقامی خطہ ارض بلکہ تمام یورپ اور قرب جوار کے ممالک نیز صقلیہ وغیرہ کے لوگوں پر تسلط حاصل کر لیا۔

فیلقوس

ان کا سب سے پہلا بادشاہ جیسا کہ بطلیموس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے "فیلبس" تھا جسے گھوڑے پالنے کا بہت شوق بلکہ وہ ان کا عاشق تھا۔ بعض مؤرخین نے اس کا نام "یالبس" اور بعض نے فیلقوس بتایا ہے جو سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کی مدت حکومت سات سال رہی۔

بیان کیا گیا ہے کہ مشرق میں بابل سے اٹھ کر بخت نصر کے مصر، شام، عراق اور فلسطین کے علاوہ اقصائے مغرب پر فوجی حملوں اور وہاں اس کی تاراجی اور ناقابل بیان کشت و خون سے قبل یونانی فارس کو سالانہ خراج ادا کیا کرتے تھے جس میں بے شمار قیمتی تحائف کے علاوہ مرغی کے انڈوں کی شکل میں ڈھلے ہوئے اتنے ہی وزنی مہر شدہ سونے کے سکے بھی ہوتے تھے اور اس خراج کے ساتھ اظہار اطاعت کا مراسلہ بھی ہوتا تھا۔ لیکن فیلقوس کے بیٹے سکندر کے دور حکومت میں جس کی ہمت و شجاعت اور فتوحات عالم کا ذکر بطلیموس نے اپنی کتاب میں کیا ہے جب دارا ابن دارا نے جو اس زمانے میں فارس کا عظیم الشان بادشاہ تھا پچھلی رسم کے اجرا کا تقاضا کیا تو سکندر نے اسے لکھ بھیجا کہ وہ مرغی جو پہلے ہمارے ہاں سونے کے انڈے دیا کرتی تھی آپ نے مار ڈالی ہے اور جب دارا نے اس کے ملک پر فوج کشی کی دھمکی دی تو سکندر نے ایک لشکر جرار لے کر فارس پر حملہ کر دیا اور خراسان سمیت سارے فارس کو روند ڈالا۔ اس نے فارس کو فتح کرنے کے بعد دارا ابن دارا کو قتل کر دیا اور اس کی بیٹی روشنک سے شادی کر لی۔

سکندر کی لڑائیاں اور فتوحات

سکندر فارس کو فتح کرنے کے بعد ہرات کے راستے افغانستان میں داخل ہوا اور اسے تاراج و پامال کرتا ہوا ہندوستان جا پہنچا جہاں فور (پورس) جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا اور طاقتور حکمران تھا

اس کے مقابل آیا لیکن سکندر نے اس کے لاتعداد لشکر اور جنگی ہاتھیوں کے باوجود اسے بھی شکست فاش دی جس کے بعد وہ نہ صرف چین بلکہ تبت کے بلند و بالا پہاڑوں میں قائم شدہ قدیم و مضبوط حکومت تک پر بھی دھاوا بولتا چلا گیا۔ اس نے ان فتوحات کے ذریعہ مال و دولت اور زر و جواہر کے انبار لگا لیے لیکن جب وہ مذکورہ بالا ممالک کی فتوحات کے بعد فارس کے راستے اپنے دارالحکومت کی طرف واپس آرہا تھا تو چند روزہ شدید علالت کے بعد راستے ہی میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت اس کی عمر چھتیس سال تھی۔

سکندر کی لاش یونان لا کر حنوط کی گئی اور اس کے لیے سونے کا جواہرات سے مرصع تابوت تیار کیا گیا۔ اس کی تدفین کے بعد اس کی قبر پر کہنی تک سونے میں ڈھلا ہوا ایک ہاتھ رکھا گیا جو آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ اس کی لاش پر یونان کے بہترین حکما جمع تھے۔ ان میں سے کم سے کم تیس بتیس حکماء نے اس کی ہمت و شجاعت، بہادری و دلیری، جسمانی توانائی شہہ زوری و شہسواری اور زر و جواہر کے ذخائر پر اپنے اپنے الفاظ میں بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ یکے بعد دیگرے اظہار خیال کیا لیکن اس کے حسرت ناک انجام پر جو کچھ آخر میں انہوں نے کہا اس کا لب لباب یہ تھا کہ دنیا فانی اور بے ثبات ہے اور ہر انسان خواہ زندگی میں کتنا ہی کروفر، جاہ و حشم اور مال و دولت رکھتا ہو موت کے آگے بے بس ہے اور دنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہے۔

سکندر کی ماں جب بیٹے کی لاش پر آئی تو اس نے حکماء کی پُر مغز باتیں سن کر کہا:۔

"آپ لوگوں کی باتوں میں حقائق سے زیادہ طعن و تشنیع کی آمیزش ہے" اس نے سکندر کی قبر سے سونے کا ہاتھ بھی ہٹوا دیا اور اس کا سونے کا مرصع کٹہرا ہٹوا کر بیٹے کی قبر سنگ مرمر اور سنگ رخام سے از سر نو تعمیر کرائی۔ اس کی بیوی روشنک نے بھی اپنی خوشدامن کے خیالات سے اتفاق کیا۔ تاہم سکندر کی موت پر اس کی بے نظیر فتوحات اور یونان میں اس کے حاصل کردہ خزانوں اور زر و جواہر کے انبار کے پیش نظر رنج و ملال سے زیادہ اظہار مسرت دیکھنے میں آیا تھا۔ اس کی قبر اسکندریہ میں ہے جہاں سے آج تک یعنی ۳۳۳ھ تک بعض لوگوں کے مطابق سنگ مرمر اور سنگ رخام بیرونی دنیا کو برآمد کیے جاتے ہیں لیکن اس کی قبر کے لیے مصر سے لائے گئے تھے۔ اس لیے وہاں سے ان کی برآمد غلط معلوم ہوتی ہے، تاہم سکندر کی قبر کے آس پاس بلکہ دُور دُور تک ان کی موجودگی وہاں کسی زمانے میں ان کی کثرت کا پتہ دیتی ہے کیونکہ اس نے اپنے مفتوحہ شہروں میں ہر جگہ انہیں پتھروں سے عالیشان عمارتیں بنوائی تھیں۔

سکندر ذوالقرنین کچھ لوگ اسی یونانی سکندر کو ذوالقرنین بھی کہتے ہیں - ایسا کہنے والوں نے شاید اس کے بارہ سالہ دورِ حکومت کو دو زمانوں میں تقسیم کر رکھا ہو یعنی چھ سال قتلِ دارا سے قبل اور چھ سال اس کے بعد لیکن درحقیقت یہ یونانی سکندر وہ سکندر نہیں تھا جس کے بارے میں کچھ لوگوں نے پہلے حضرت عمر اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ خلافت میں ان کے روبرو اظہارِ خیال کیا تھا - اور دوسرے سکندر کو کچھ لوگوں نے انسانی شکل میں فرشتہ بھی بتایا ہے ، واللہ اعلم بالصواب -

ہم اسکندریہ ، مصر ، دریائے نیل اور وہاں کے حالات و کوائف اور عجائبات کا ذکر انشاء اللہ زیرِ نظر کتاب میں حسبِ موقع آگے چل کر کریں گے -

---

سکندر کی ہندوستان میں لڑائیاں اور دیگر کوائف

سکندر کو خراسان و ہرات کے راستے افغانستان سے گزر کر ہندوستان میں داخلے اور جہلم تک پہنچنے میں چھوٹی موٹی کچھ لڑائیاں لڑنا پڑیں لیکن یہ اس کے لیے معمولی سرحدی جھڑپوں سے زیادہ نہ تھیں اس کی سب سے بڑی پہلی اور آخری لڑائی پورس کے ساتھ ہوئی جس کے بعد وہاں اس کے لیے ادھر سے اُدھر تک میدان صاف تھا کیونکہ اس کے مقابلے میں پورس کی شکست فاش کے بعد جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا اور طاقتور حکمران تھا کسی دوسرے راجہ کو اس کے مقابل آنے، دو دو ہاتھ کرنے یا فیصلہ کن جنگ کرنے کی ہمت نہ تھی، انہوں نے اس کے سامنے نہ صرف بغیر لڑے بھڑے چپ چاپ ہتھیار ڈال دیے بلکہ اظہار اطاعت کے علاوہ اس کی خدمت میں بیش قیمت تحائف کے علاوہ زر و جواہر کے انبار لگا دیے۔ ان تحائف میں ایسی بے شمار نوخیز و نوجوان حسین و جمیل راجکماریاں اور کنیزیں تھیں جن کے سامنے آفتاب و ماہتاب شرمائیں۔ ان کے حسن و جمال، ان کے زرتار ملبوسات اور ان کے مرصع زیورات کی تعریف و توصیف کیلیے الگ الگ ایک ایک دفتر چاہیے۔ ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر نہ صرف سکندر کے مقربین بلکہ خود اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔

سکندر کو ان حسیناؤں کی خوب صورتی، ان کے حور شمائل اور پری تمثال چہروں کی چمک دمک سے زیادہ شاہی آداب میں ان کے کمالات اور ان کی سمجھ بوجھ نے متاثر کیا۔ ان میں سب سے زیادہ خوب صورت لڑکی کی تہذیب دیکھ کر اور اس کی پر از عقل و شعور باتیں سن کر سکندر ہندوستان کے ثقافتی و تمدنی عروج پر حیران رہ گیا۔

ان پری جمالوں اور عقل و شعور کی پتلیوں کے علاوہ جب اس کے سامنے ہندوستان کے دانشور علماء و حکماء اور فلسفہ دان پیش ہوئے تو ان کی حکیمانہ باتوں اور ذخیرۂ معلومات نے سکندر کو بالکل ہی دریائے استعجاب و حیرت میں غرق کر دیا۔ اس نے ہندوستان کے ایک بزرگ فلسفی سے فلسفۂ کائنات

کے بارے میں مشکل ترین سوالات کیے اور اسے ہر سوال کا معقول اور تسلی بخش جواب ملا۔ سکندر نے اس سے آئینے کی جلا و جوہر کے بارے میں جب سوال کیا تو اس نے جوہری اجزاء کی بڑی خوبی سے تفصیل بیان کی، پانی کے اجزا پر سکندر کے سوال پر اس نے جو تفصیلی گفتگو کی اور شراب کا پیالہ دیکھ کر اس کے جوش و سرور کے بعد اس کی تلچھٹ پر جو حکیمانہ جوابات دیے ان سب نے سکندر کو متعجب کر دیا۔ اس نے سکندر کو مٹی دکھائی اور انجام حیات پر اس سے گفتگو کی۔ اس نے کہا: "حضور عالی! آپ فتوحات پر فتوحات کرتے چلے جائیں، دنیا کی ساری دولت جمع کر کے اپنے ملکی خزانے بھر لیں لیکن یہ مٹی بتاتی ہے کہ انسان کو ایک روز اور بہت جلد اس مٹی میں مل جانا ہے۔ موت ہر وقت اس کے دروازے پر موجود رہتی ہے، اسے معلوم نہیں کہ کب اور کس وقت اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے، اس لیے انسان کو ہمیشہ دنیا اور اس کے امور سے زیادہ اپنی عاقبت پر نظر رکھنی چاہیے۔

ہندوستانی طباء کے طبی کمالات نے بھی سکندر کو خاصا حیران کیا۔ اس نے ان سے جڑی بوٹیوں کے اجزا اور ان سے تیار کردہ ادویات کے خواص پر بھی ان سے گفتگو کی تو ان کے تسلی بخش جوابات سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے ان سے نباتات، حیوانات، جمادات، کیمیا اور طبیعات ہر موضوع پر گفتگو کی اور ان کی معلومات سے بہت متاثر ہوا۔ خصوصاً ہندوستان کے ایک فیلسوف کی طبیعات، مابعد الطبیعات، نفسیات اور مابعد النفسیات پر پُرمغز گفتگو نے اسے حد سے زیادہ متاثر کیا۔

مذکورہ بالا موضوعات پر سکندر کے ہر سوال اور ہندوستانی حکماء، اطبا اور فلسفیوں کے ان کے بارے میں الگ الگ جوابات کو ہم نے اس کتاب میں بخوف طوالت اور بخیال اختصار عمداً نظر انداز کر دیا ہے، ویسے بھی ہم انہیں اپنی پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" وغیرہ میں الگ الگ تفصیل سے بیان کر چکے ہیں نیز اس کے عالمی سیر و سفر اور وفات کے کوائف پر اسی کتاب میں پہلے بھی گفتگو کر چکے ہیں۔

---

(۳) بطلیموس المخلص	۱۷ سال	
(۴) بطلیموس الاسکندرانی	۱۲ ”	
(۵) بطلیموس الجدید۔	۸ ”	
(۶) بطلیموس الجوّال	۶۸ ”	(اس کے زمانے میں بے شمار لڑائیاں ہوئیں)
(۷) بطلیموس الحریث	۳۰ ”	

قلوپطرہ مندرجہ بالا آخری بطلیموس شاہِ یونان کے بعد اس کی بیٹی قلوپطرہ اس کی جانشین ہوئی اور اس نے بائیس سال حکومت کی۔ یہ ملکہ اعلیٰ درجے کی حکیمہ اور فلسفی تھی اور اس کے مقربین میں بڑے بڑے علماء و حکماء شامل تھے۔ وہ طب، سحر[1] اور دوسرے متعدد علوم پر کئی کتابوں کی مصنفہ بھی تھی۔ اس کے نام سے طب کی بہت سی مشہور کتابیں منسوب ہیں۔ یہ ملوک یونان میں آخری خاتون حکمران تھی جس کے بعد نہ صرف ان کی حکومت ختم ہوئی اور ان کے علوم مٹتے چلے گئے بلکہ ان کے آثار تک کا خاتمہ ہوگیا ماسوا حکمت و فلسفہ اور طب پر ان چند باقی کتابوں کے جو ہم تک پہنچی ہیں۔ اپنے ہاتھ سے اس کی موت کے بارے میں عجیب پُرلطف و مضحک کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اس کے شوہر کا نام انطونیوس[2] (انتونیو) بیان کیا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مقدونیہ میں جو مصر میں اسکندریہ کے قریب قلوپطرہ کا دارالحکومت تھا اس کا شریکِ حکومت رہا تھا۔

اغفیس کے زمانے میں روم کے دوسرے بادشاہ افسطس (آگسٹس) نے یونان پر حملہ کیا تھا اس نے پہلے قلوپطرہ سے اس کی اور دوسرے حکمائے یونان کی تصنیف کردہ کتابیں اور وہ علوم حاصل کیے جو اس کے خاندان میں سینہ بہ سینہ چلے آتے تھے اور پھر اسے[3] اور اس کے شوہر کو قتل کرکے مصر اور حجاز و شام کے درمیان ان کے جملہ مقبوضات پر قبضہ کرلیا۔

قلوپطرہ کے حسن و جمال، غسل میں خوشبوؤں کے استعمال اور آرائشِ جمال، اس نے کن ذرائع سے خودکشی کی کہ وہ بظاہر زندہ معلوم ہوتی تھی اور ریشمی ملبوسات میں ملبوس تاج زریں سر پر رکھے تخت نشین نظر آتی تھی نیز ان حیلوں حوالوں کے بارے میں جن کے ذریعہ آگسٹس نے اس سے مخفی

---

[1] بعض نسخوں میں "زفیتہ" کی جگہ زینت (آرائشِ جمال) لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] ” ” ” افطنیوس لکھا ہے (مترجم عربی)

[3] ” ” ” "یقتلها" سے پہلے "بعذبها" (تکلیفات دے کر) بھی لکھا ہے (مترجم عربی)

علوم حاصل کیے اور پھر اسے کن تدابیر سے قتل کیا متعدد روایات اب تک لوگوں میں مشہور چلی آتی ہیں۔

ملوک یونان کی تعداد

ملوک یونان کی تعداد جس پر جملہ مؤرخین کو اتفاق ہے چوبیس بیان کی گئی ہے جن میں سب سے آخری حکمران ملکہ قلوپطرہ تھی اور ان کی حکومت کی مجموعی مدت تین سو ایک سال کہی گئی ہے۔ ان بادشاہوں میں "بطلیموس" نام کا رواج اکثر ایسا ہی تھا جیسے فارس میں "کسریٰ" کا یا رومی بادشاہوں میں "قیصر" کا، یمن میں "تبع" کا، حبشہ میں "نجاشی" کا اور یورپ میں "فلیمن" یا "ہیلمن" کا۔ ہم نے اپنی پچھلی کتابوں کے علاوہ اس کتاب میں بھی اکثر ان کے یہی رواجی نام لکھے ہیں۔ ہم ان کا نام بنام تذکرہ زیر نظر کتاب کے کسی اگلے باب میں "ملوک و ممالک" کے تحت کریں گے۔

ملوکِ روم اور ان کے انساب کے متعلق لوگوں کے اقوال

انساب روم میں اختلاف آراء رومیوں کی صحیح نسل اور ان کے انساب کے متعلق مؤرخین اور دوسرے واقعہ نگاروں میں کثرت سے اختلاف آرا پایا جاتا ہے۔ اسی طرح لفظ روم کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بھی ان میں باہم اختلاف موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ روم کا ماخذ رومیہ ہے جو ایک شہر کا نام جسے عربی میں روما کہا جاتا ہے لیکن روم کو اہل روم یا اہل روما اپنی زبان میں "رومانیس"[1] کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لفظ یعنی روم رومیوں کے پہلے نسلی بزرگ روم بن سماحلین بن ہرباں بن عقلا بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام سے ماخوذ ہے جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کے خیال میں یہ نام رومیوں کے جدِ اعلیٰ یعنی رومی بن لیطن[2] بن یونان بن یافث بن بریر بن سرحون بن رومیہ بن مربط بن روین بن اصفر بن لیغز بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام سے لیا گیا ہے تاہم انہیں میں سے کچھ لوگوں نے اس نام کی وجہ تسمیہ مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ کچھ اور بھی بتائی ہیں جن کا ذکر ہم یونانیوں اور سکندر کے اجداد وانساب کے سلسلے میں اپنی پچھلی کتابوں کے علاوہ زیر نظر کتاب کے گزشتہ باب میں بھی کر چکے ہیں۔

عیص کے درحقیقت تیس بیٹے تھے جن میں روم نام کا آخری فرد تو اصفر بن نضر بن عیص بن اسحق کے نسبی سلسلے کا آخری شخص تھا۔ اس بات کو ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بھی بیان کر چکے ہیں اور زمانہ قبل اسلام کے بعض قدیم عرب شعراء نے بھی اپنے اشعار میں اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً عدی بن زید العبادی

---

[1] بعض نسخوں میں "رمیس" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " رومی بن لیطن کی جگہ روم بن سماحلین بن ہربان بن علقا بن عیص الخ لکھا ہے۔ (مترجم عربی)

اسی سلسلے میں کہتا ہے :-

"ملوک روم بنو اصفر میں سے ہیں (مگر) ان کا ذکر اب کہیں نہیں ملتا۔"

روم کا "غیصو" دراصل عیص بن اسحاق ہی تھا جس نے کنعانیوں میں شادی کر لی تھی اور اس کی اکثر اولاد انہیں میں سے تھی۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ عرب کے بادیہ نشین عمالیق جو بعد میں شام میں جا بسے تھے نفال[1] بن عیصو کی اولاد میں سے تھے (مثلاً رعویل بن عیصو[2])

عرب کے علماء نے اس سلسلے میں کچھ تنقید یا تبصرہ نہیں کیا لیکن رومی تذکروں میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں عمالیق کا ذکر موجود ہے۔ بہرحال روم کی وجہ تسمیہ اور رومیوں کے مذکورہ بالا انساب کے سلسلے میں ہم نے اکثر و بیشتر توریت اور دوسری عبرانی زبان کی کتابوں سے رجوع کیا ہے۔

ساطوخاس | وہ تاریخی مواد جس کی رو سے ملوک یونان پر ملوک روم کے غلبے اور یونان پر ان کے قبضے کی نشاندہی ہوتی ہے اس کی تشریحات و تفصیلات سے ہم نے اس کتاب میں بخوف طوالت و بہ خیال اختصار گریز کیا ہے تاہم یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ رومیوں کا پہلا بادشاہ ساطوخاس[3] تھا جو درحقیقت جالیوس الاصغر بن روم بن سماحلیق[4] کا رومی نام ہے۔ اس کا دورِ حکومت بائیس سال رہا۔ کچھ لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ روم کا پہلا بادشاہ جسے قیصر کہا گیا ہے وہ غالوس ابن کولیوس[5] تھا جس کا دورِ حکومت اٹھائیس سال رہا۔ ایک اور کتاب میں جو تاریخ روم سے متعلق ہے یہ لکھا ہے کہ روم پر یونانیوں کا غلبہ ختم ہونے کے بعد وہاں جو پہلا بادشاہ ہوا اس کا نام تولیس[6] تھا اور اس نے صرف سات سال چھ ماہ حکومت کی۔ اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شہر رومیہ روم کے بادشاہ "رُم" سے پہلے ہی چوتھی صدی قبل مسیح میں تعمیر ہو چکا تھا۔

افسطس[7] قیصر | ساطوخاس کے بعد روم کا دوسرا بادشاہ افسطس قیصر[8] ہوا۔ اس نے ۵۶ سال حکومت

---

۱ بعض نسخوں میں "یفر" لکھا ہے (مترجم عربی) ۲ بعض نسخوں میں یہ توسینی جملہ قلم زد کر دیا گیا ہے (مترجم عربی)

۳ بعض نسخوں میں "ساطوحاس یعنی جانیوس" لکھا ہے (مترجم عربی)

۴ بعض نسخوں میں "سماحلین" لکھا ہے (مترجم عربی)

۵ " " ہالوس بن افلیلوس لکھا ہے (مترجم عربی)

۶ اس کتاب کے بعض نسخوں میں "بولیس" لکھا ہے (مترجم عربی)

۷ اطالوی تلفظ آگسٹس (شاداٰنی) ۸ بعض نسخوں میں "افسطس بن قیصر" لکھا ہے (مترجم عربی)

کی یہی وہ روم کا پہلا بادشاہ تھا جسے قیصر کہا جاتا ہے۔ اسے قیصر کہے جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس پر ایک سانڈ نے حملہ کر دیا تھا جسے اس نے اس کا پیٹ تلوار سے چاک کر کے ہلاک کر دیا تھا۔ قیصر کا مطلب اطالوی زبان میں "شق کرنے والا" ہے۔ یہ بادشاہ اپنے زمانے میں اس بات پر فخر کیا کرتا تھا کہ اس کی اولاد میں کوئی لڑکی نہیں ہے یعنی سب لڑکے ہی لڑکے ہیں۔ اس کے بعد بھی روم کے اکثر بادشاہ اس لا یعنی بات پر فخر کرتے رہے کہ ان کی ماؤں نے کسی لڑکی کو جنم نہیں دیا۔ یہی بادشاہ شام، مصر اور اسکندریہ پر حملہ آور ہوا تھا اور اس نے مقدونیہ کی ساری دولت روم منتقل کر دی تھی۔ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قیصر کی طرح یونان کے اکثر بادشاہ بطلیموس کہلاتے تھے۔ اس قیصر کی لڑائیوں کے حالات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ یہ بادشاہ بھی اصنام و تماثیل کی پرستش کرتا تھا۔ اسی نے روم کے بیشتر علاقوں میں وہ شہر اور قلعے تعمیر کیے جو اب تک اس کے نام سے منسوب چلے آتے ہیں جن میں سے ارض روم کا قیساریہ اور شام میں ساحل فلسطین کا قیساریہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کا مولد ہونے کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یعنی یسوع ناصری کی ولادت باسعادت اس شہر میں مذکورہ بالا قیصر کی ابتدائے حکومت کے بیالیس سال بعد ہوئی تھی جب کہ بعض مورخین کے مطابق سکندر کی حکومت کو اس وقت ۳۶۹ سال گزر چکے تھے، لیکن میں نے رومی تواریخ کے ان بعض نسخوں میں جو انطاکیہ کے کنیسۂ قسیان کی ملکیت ہیں سکندر کی حکومت اور ولادت عیسیٰ علیہ السلام کا درمیانی فصل ۳۰۹ سال لکھا دیکھا ہے۔ انہیں نسخوں کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت بنی اسرائیل کے حکمران ہیرودس (ہیروڈس) کے خاتمۂ حکومت کے اکیس سال بعد ہوئی تھی۔ ارض فلسطین کے خطّہ اور شلیم (یورو شلم) یعنی عبرانیہ میں ایلیا کی حکومت کا بھی وہی زمانہ تھا جو ارض شام میں ہیرودس کی حکومت کا تھا۔ انہیں نسخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہبوط آدمؑ سے ولادت عیسیٰ علیہ السلام تک پانچ ہزار پانچ سو پچاس[1] سال گزر چکے تھے۔ اس کی تصدیق اہل کتاب کے اصحاب شریعت کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے۔ اغطس قیصر نے ولادت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے چودہ سال بعد تک حکومت کی اور جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس کی مجموعی مدت حکومت ۵۶ سال رہی قلوپطرہ ملکہ یونان و مصر کا واقعہ جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے اسی اغسطس قیصر کے ساتھ گزرا تھا۔

---

[1] بعض نسخوں میں یہ اضافی لفظ (پچاس) نہیں پایا جاتا (مترجم عربی)

طبیبارہ یوس اغسطس قیصر کے بعد طبیبار یوس[1] روم کا بادشاہ ہوا۔ اس کی مدت حکومت بارہ سال رہی۔ اس کے دورِ حکومت کے اختتام کو ابھی تین سال باقی تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب سے زندہ آسمان پر اُٹھایا۔ شہر رومیہ میں اس بادشاہ کی ہلاکت کے بعد رومی امراء، وزراء اور عمائدین سلطنت میں کثرت سے باہمی اختلافات پیدا ہوگئے اور ان اختلافات نے اتنا طول پکڑا کہ روم آئندہ دو سو سال تک انتشار اور فتنہ وفساد کا شکار رہا۔ اس انتشار کی کیفیت کے دو سو سال بعد طبارلیس[2] غالس کی حکومت قائم ہوئی لیکن وہ بھی صرف چار سال حکومت کر سکا اور اس دوران میں بھی رومی اصنام پرستی کے سوا کسی اور مذہب کی طرف راغب نہ ہو سکے۔

قلودیس طبارلیس یا بطارلیس کے بعد قلودلیس نے شہر رومیہ میں حکومت سنبھالی اور اس کا دورِ حکومت چودہ سال رہا۔ وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین نصرانیوں کے قتل کا مرتکب ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی کے دورِ حکومت میں پطرس کو رومیہ میں قتل کیا گیا جسے یونانی شمعون کے نام سے یاد کرتے ہیں اور عرب میں اسے سمعان کہا جاتا ہے۔ اسی پطرس، شمعون یا سمعان کو رومیہ میں اس کے ایک ساتھی بولس کے ساتھ بڑے دردناک انداز میں سولی پر چڑھایا گیا۔ انہیں دونوں کے ساتھ سیمان[3] ساحر کے حالات و واقعات بھی تواریخ میں درج کیے گئے ہیں۔ شمعون اور بولس کے پیرو انطاکیہ میں کثرت سے جمع ہو گئے تھے۔ انہیں دونوں کی بابت اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے سورہ یٰسین میں ارشاد فرمایا ہے۔ انہیں کے نام پر روم میں نصرانیت پھیل جانے کے بعد شہر رومیہ میں بڑے عظیم الشان گرجا تعمیر کیے گئے۔ ان گرجاؤں کی اندرونی محرابوں اور دیواروں پر خوب صورت بلوری نقش و نگار اور پچہ کاریاں تاحال دیکھنے کے لائق ہیں۔ روم میں بلور کی اس صنعت کا اجمالی ذکر بر سبیل تذکرہ ہم زیر نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں اور اس کا کسی قدر تفصیلی ذکر اپنی پہلی کتابوں میں کر چکے ہیں نیز اخبار عالم، سیر ملوک اور ان کے حالات و کوائف و کارہائے نمایاں کے تحت روم کی اس گراں قدر صنعت کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ بہر حال مذکورہ بالا دو قابل ذکر نصرانی اشخاص کے دردناک قتل کا واقعہ اسی پانچویں رومی بادشاہ قلودلیس کے دورِ حکومت میں پیش آیا جس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں

---

[1] بعض نسخوں میں "طبارلیس" لکھا ہے (مترجم عربی)
[2] " " " "بطارلیس" لکھا ہے (" ")
[3] " " " "سیمون ساحر" " " (" ")

اور حواریوں میں تفرقے پیدا ہوگئے۔ ان میں سے "ماری"[1] عراق کے نشیبی علاقے کی طرف چلا گیا۔ اس نے صافیہ کے دیر قنی میں جو دریائے دجلہ کے کنارے بغداد اور واسط کے درمیان ہے وفات پائی۔ اس جگہ کا ذکر بلدہ علی بن عیسیٰ بن داؤد بن جراح اور بلدہ محمد بن داؤد بن جراح کے نام سے اہل کتاب وغیرہم کی متعدد کتابوں میں آیا ہے۔ ماری یا مارا کی قبر تا حال یعنی ۳۳۲ھ تک مذکورہ بالا کنیسہ میں موجود ہے اور نصرانیوں کی نظر میں اس کی بڑی عظمت ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ خاص شاگردوں میں سے "توما" دین مسیحی کی اشاعت کے لیے بلاد ہند کی طرف چلا گیا تھا کہتے ہیں وہ اپنی آخری عمر میں خراسان میں تھا اور اس نے وہیں وفات پائی۔ اس کی قبر بھی اعلیٰ پیمانے پر تعمیر کی گئی ہے اور نصرانیوں کی نظر میں اس کی بھی بڑی عظمت ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا انتقال بلاد دقوقا و خانیجار یا کرخ حدان میں ہوا جو نواح عراق میں ہے لیکن بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ "توما" نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ بالا خاص شاگردوں میں سے "آدد"[2] نامی شخص تھا جس نے موخر الذکر جگہ میں وفات پائی اور اس جگہ کی شہرت اس کی جائے وفات اور وہاں اس کے مدفون کی وجہ سے ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ شاگردوں میں سے مارقس (مرقس) بھی تھا جو مصر کے شہر اسکندریہ چلا گیا تھا جہاں اس کے مقتل کے بارے میں عجیب مضحکہ خیز کہانیاں مشہور ہیں۔ یہ کہانیاں مصر سے نکل کر مغرب تک جا پہنچی تھیں جو اب تک زبان زد خاص عام ہیں۔ مصریوں کے ساتھ اسے جو واقعات پیش آئے انہیں بھی حیرت انگیز کہا جا سکتا ہے۔ مغرب میں آج تک یہ بات مشہور ہے کہ اس نے مصر سے وہاں کہلا بھیجا تھا کہ اگر میری شکل کا کوئی شخص آئے تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ خود اتفاق سے وہاں جا پہنچا تو لوگ اس کے قتل پر آمادہ ہوگئے۔ اس نے ہر چند کہا کہ میں ہی مارقس (مرقس) ہوں لیکن لوگوں نے اس کی ایک نہ سنی اور اس سے کہا: اگر تم ہی مارقس ہو تو کچھ معجزات دکھاؤ مثلاً آسمان تک اڑ کر جاؤ اور پھر واپس آؤ۔ ظاہر ہے کہ وہ یہ تو کیا کوئی معجزہ بھی دکھانے سے قاصر رہا، لہٰذا لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔

مارقس (مرقس) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان چار خاص شاگردوں میں سے ایک تھا جنہوں نے انجیل کے چار الگ الگ نسخے تالیف کیے لیکن چونکہ ان چاروں میں تضادات کی اس قدر بھرمار ہے

---

[1] بعض نسخوں میں "ماری" کی جگہ "مارا" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] بعض نسخوں کے مطابق "توما" کی جگہ "آدد" پڑھنا چاہیے (مترجم عربی)

کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی بلحاظ صحت قابل اعتبار نہیں سمجھا جا سکتا۔ حضرت عیسیٰ کے مذکورہ بالا شاگردوں کے علاوہ بہتر شاگرد (حواری اور بتائے جاتے ہیں۔ جن بارہ شاگردوں میں سے چار نے انجیل کے چار مختلف نسخے تالیف کیے ان کے نام لوقا، مارقس (مرقس)، یوحنا اور متی بتائے جاتے ہیں اور یہ چاروں نسخے اب تک الگ الگ انہیں کے نام سے مشہور چلے آتے ہیں۔ لوقا اور متی کو بہتر شاگردوں میں بھی شمار کیا جاتا ہے اور بارہ میں بھی، میں اب تک نہ سمجھ سکا کہ اس سے ان کہنے والوں کا کیا مطلب ہے۔ بہرکیف مذکورہ بالا بارہ شاگردوں میں یوحنا بن زبدی اور مارقس صاحب الاسکندریہ یقیناً شامل ہیں۔ تیسرا شاگرد جو انطاکیہ گیا تھا اور جس سے پہلے اس کے دو ساتھی پطرس اور توما وہاں گئے تھے وہ بولس تھا۔ ان میں تیسرا شخص یقیناً وہی بولس تھا جس کے متعلق اللہ تعالےٰ نے قرآن میں فرمایا ہے "فعززنا بثالث" ہم نے (انہیں) تیسرے (شخص) سے معزز کیا" (ترجمہ از شادانی) اسی نے کہا تھا کہ "تمام نصرانی راہبوں میں سوائے مصری راہبوں کے کوئی گوشت نہیں کھاتا کیونکہ مصری راہبوں کے لیے مارقس (مرقس) نے گوشت کھانا مباح (حلال) کر دیا تھا۔

تیبرون

مذکورہ بالا پانچویں بادشاہ کے بعد روم کا چھٹا بادشاہ "نیرون" تھا جس کے زمانے میں ملک کو استحکام حاصل ہوا۔ تاہم وہ بھی اصنام پرستی کی طرف مائل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب روم میں نصرانیت پھیلنے لگی تو اس نے پہلے شہر رومیہ میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں پطرس اور بولس کو قتل کیا اور اس کے بعد لاتعداد مسیحی قتل کر ڈالے۔ اس کی مدت حکومت چودہ سال اور کچھ مہینے رہی۔

طیطش و اسباسیانوس

تیبرون کے بعد روم میں طیطش اور اسپاسیانوس[1] بادشاہ ہوئے۔ انہوں نے مشترکہ طور پر تیرہ سال حکومت کی۔ انھیں کے زمانے میں رومی زبان شام تک جا پہنچی اور اس کے ساتھ ان کی حکومت بھی۔ بنی اسرائیل کے ساتھ ان کی بارہا لڑائیاں ہوئیں۔ آخری لڑائی میں انہوں نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، بنی اسرائیل کے تین لاکھ آدمی قتل کر ڈالے، ہیکل سلیمانی کو نذر آتش کر دیا اور وہاں ہزاروں گائیں مار کر ان کے گوشت کے لوتھڑے بکھیر دیے۔ یہ دونوں بادشاہ بھی مذہبًا اصنام پرست تھے۔

"میں نے تاریخ کی بعض کتابوں میں لکھا دیکھا ہے کہ اسی روز سے جب انہوں نے بیت المقدس

---

[1] بعض نسخوں میں "ططس اور اسفیانوس" لکھا ہے (مترجم عربی)

کو مسمار اور اس کی تقدیس کو پامال کیا سارا روم عذاب الٰہی میں مبتلا ہوگیا، ان میں برائیاں بڑھتی چلی گئیں اور آج تک وہ دینی و دنیاوی لحاظ سے کم و بیش برائیوں ہی میں ملوث چلے آتے ہیں بلکہ روز بروز ان میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔"

دوبطیاس مذکورہ بالا دو بادشاہوں کے بعد دوبطیاس روم کا بادشاہ ہوا۔ اس نے پندرہ سال حکومت کی۔ وہ اصنام پرستی کے لحاظ سے اپنے پیشرو رومی بادشاہوں میں سب سے بڑھ کر تھا۔ اس نے روم کے سمندری جزیرہ ن تک میں یوحنا کے داخلے کی ممانعت کر دی تھی اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یوحنا انجیل کے چار مختلف نسخے تالیف کرنے والے چار افراد میں سے ایک تھا۔ اس کے لیے یہ ممانعت مسلسل نو سال تک برقرار رہی تاہم کہا جاتا ہے کہ دوبطیاس[۱] نے نو سال کے بعد یہ حکم واپس لے لیا تھا۔

دوبطیاس یا ذونسطاس کے بعد "بیرنوس" نے صرف ایک سال حکومت کی۔

روم کے چند دوسرے حکمران (۱) طریانوس۔ اس کی حکومت سترہ[۲] سال رہی۔ اس کی حکومت کے نو سال بعد یوحنا نے وفات پائی۔ یہ رومی حکمران بھی اصنام پرست تھا

(۲) ادریانس :۔ اس نے گیارہ سال حکومت کی۔ وہ بھی اصنام پرست تھا اور اسی نے شام میں بنی اسرائیل کی تعمیر کردہ ساری عمارتیں مسمار کرا دی تھیں۔

(۳) ابطولیس ۔ اس نے تیرہ سال حکومت کی، اس کا دارالحکومت بھی شہر رومیہ تھا۔ اس نے بیت المقدس کو از سر نو تعمیر کرایا اور اس کا نام ایلیا رکھا۔ یہ وہی رومی بادشاہ تھا جس نے بیت المقدس کا نام پہلی بار ایلیا رکھا۔

(۴) "مرلس" دورِ حکومت سترہ سال، یہ بھی اصنام پرست تھا۔

(۵) "فرمودش" یہ تماثیل پرست تھا، دورِ حکومت تیرہ سال۔

(۶) "سویرس" دورِ حکومت اٹھارہ سال۔

(۷) سویرس کے بعد اس کا بیٹا جس کا نام "ابطونیس" بتایا جاتا ہے، بادشاہ ہوا اور اس نے سات

---

[۱] ایک نسخے میں "ذونسطاس" درج ہے (مترجم عربی)

[۲] بعض نسخوں میں انیس سال لکھا ہے (" ")

سال حکومت کی لیکن تاریخ روم کے بعض نسخوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

(۸) ابطونیس ثانی۔ وہ بھی تماثیل پرست تھا، اس نے چار سال حکومت کی، اس کے آخری زمانے میں حکیم جالینوس نے وفات پائی۔

(۹) "الاسکندر مامیاس" کتب تواریخ میں مامیاس کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ تحقیق سے صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ وہ بھی اصنام پرست تھا اور اس نے تیرہ سال حکومت کی۔

(۱۰) "مقسمس" وہ بھی اصنام پرست تھا اور اس نے صرف تین سال حکومت کی۔

(۱۱) "غرنادس" یہ بھی اصنام پرست تھا، اس کی حکومت سات سال رہی۔

دقیوس و اصحاب کہف: "غرنادس" کے بعد "دقیوس" روم کا بادشاہ ہوا، یہ بادشاہ ستارہ پرست تھا اس نے ساٹھ سال حکومت کی، نصرانیوں کے قتل کی معاونت میں وہ بھی شریک رہا، اس نے اصحاب کہف سے لڑائیاں لڑیں۔ اصحاب کہف ورقیم کے بارے میں مورخین میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اصحاب کہف ہی اصحاب رقیم تھے، بعض کہتے ہیں کہ اصحاب رقیم تھے تو اصحاب کہف ہی میں سے لیکن انہوں نے چونکہ اس غار کے باہر جس میں وہ مقیم تھے ایک پتھر پر سب کے نام لکھ دیے تھے اس لیے وہ "اصحاب رقیم" کے نام سے مشہور ہوگئے، بعض کہتے ہیں کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم دو الگ الگ جماعتیں تھیں۔ ہم نے ارض روم کے جملہ مقامات کا ذکر الگ کیا ہے۔

یعقوب بن اسحٰق الکندی کے شاگرد احمد بن طیب بن مروان[1] السرخی نے محمد بن موسیٰ المنجم کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب آخر الذکر کو واثق باللہ نے بلادِ روم کی طرف بھیجا تھا تو وہ وہاں کے موضع بحارمی[2] میں اصحاب رقیم کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔ ہم نے اصحاب کہف اور اصحاب رقیم اور ان کی جائے قیام کی تفصیلات "کتاب الاوسط" میں بیان کی ہیں اور اس کتاب میں یہ بھی بتا چکے ہیں کہ وہاں محمد موسےٰ المنجم کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے تھے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ جب وہ اصحاب رقیم کو دیکھنے والوں کی اولاد میں سے باقی ماندہ لوگوں سے ملاقات کے لیے وہاں ایک رہنما کی معیت میں گیا تھا تو اس رہنما نے اس کے سارے مسلمان ساتھیوں کو سازش سے قتل کرا دیا تھا اور اسے بھی زہر دے کر مار ڈالنے کا ارادہ کیا تھا۔ ہم نے اپنی مذکورہ کتاب میں اس دیوار کے بارے میں بھی تفصیلات بیان کر

---

[1] بعض نسخوں میں "احمد بن طیب نے مروان کے حوالے سے" لکھا ہے۔ (مترجم عربی)

[2] " " " بحارمی کی جگہ "بحاری" درج کیا گیا ہے (مترجم عربی)

دی ہیں جسے ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج سے تحفظ دینے کے لیے تعمیر کیا تھا۔ ہم نے اس دیوار کے طول و عرض اور اس کی بلندی کے بارے میں بھی جو کچھ کتبِ تواریخ سے معلوم ہوا اور اس سلسلے میں محمد بن طیب فرغانی المنجم نے، جسے معتضد باللہ نے قتل کر دیا تھا، جو کچھ لکھا ہے اور جو ہمیں تحقیق سے مزید پتہ چلا اپنی کتاب کتاب الاوسط ہی میں بیان کر دیا ہے۔

ہم نے اس سے قبل ابھی اصحاب کہف و رقیم کے ساتھ روم کے ایک بادشاہ دقیوس، اس کے مذہبی عقائد اور اس کی مدتِ حکومت کے بارے میں لکھا ہے۔ دقیوس کے بعد روم میں "جالینوس" بادشاہ ہوا، اور اس نے تین سال حکومت کی لیکن کتبِ تواریخ کے بعض نسخوں میں اس کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ جالنوس کے بعد یدنوس نے بیس سال حکومت کی۔ بعض مؤرخین نے اس کی مدت حکومت پچیس سال لکھی ہے۔

یدنوس کے بعد مندرجہ ذیل چار بادشاہ ہوئے:۔

(۱) فورس، مدت حکومت بیس سال

(۲) فارس ابن فورس، مدت حکومت تقریباً دو سال۔

(۳) قلیطالنس " " " دس سال

(۴) قسطنطین

ملوک روم کی تعداد

جہاں تک کتبِ تواریخ سے معلوم ہوا، ان رومی بادشاہوں کی تعداد جن کا ہم اس کتاب کے زیرِ نظر باب میں اب تک ذکر کر چکے ہیں (متفق علیہ) انچاس[۴۹] ہے۔ قسطنطین بھی انہیں میں شامل ہے۔ ہم نے پچھلے صفحات میں جن بادشاہوں کا نام بنام ذکر کیا ہے اور ان کے ساتھ ان کی مدت حکومت بھی بتائی ہے ان سب کا دارالحکومت رومیہ تھا، ہمارے بیانات اور بعض دیگر کتب تواریخ میں پائے جانے والے بیانات میں تھوڑا بہت اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ہم نے اپنی حاصل کردہ معلومات اور مزید تحقیق کے بعد جو کچھ لکھا ہے اس سے ہم اپنی جگہ مطمئن ہیں تاہم ان بادشاہوں کی مدتِ حکومت، ان کی تعمیرات اور سیر و سفر کے بارے میں ہماری معلومات کا آخذ دیگر ذرائع کے علاوہ وہی کتابیں تھیں جو نصرانیوں کی ملکیت ہیں۔

قسطنطنیہ کے رومی بادشاہ اور ان کا کچھ تذکرہ

قسطنطین شہر رومیہ میں فلیطانس کی ہلاکت کے بعد قسطنطین تخت حکومت پر بیٹھا، وہ بھی ستارہ پرست تھا وہ پہلا رومی بادشاہ تھا جو رومیہ سے بوزنطیا منتقل ہوا، قسطنطنیہ کا شہر جو پہلے بوزنطیا کہلاتا تھا اسی کا تعمیر کردہ ہے اور آج تک اسی شہر کا یہی نام چلا آتا ہے۔ اس شہر کی تعمیر کے سلسلے میں بعض بڑی دلچسپ باتیں بیان کی جاتی ہیں کہتے ہیں اس نے اس شہر کی فصیل یا شہر پناہ اور اس پر دو مضبوط سنگین برج دُور دُور تک گردو پیش دیکھنے کے لیے بنوائے تھے تاکہ اس شہر پر کوئی ساسانی بادشاہ اچانک حملہ آور نہ ہوسکے یہ فصیل اور برج ملوک برجان کی معاونت سے تعمیر کیے گئے تھے۔ اس نے شہر رومیہ سے بوزنطیا یا قسطنطنیہ منتقل ہونے کے بعد اپنی حکومت کے آخری سال میں عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس کی حکومت کا دور تخت نشینی کے آغاز سے آخر حکومت تک نو سال رہا جس کے بعد اس کی ماں "ہلانی" شام کی طرف چلی گئی جہاں اس نے بہت سے گرجا تعمیر کرائے، وہ پھر وہاں سے بیت المقدس گئی اور لوگوں سے وہ لکڑی منگوائی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (بظاہر) سولی دی گئی تھی۔ اس نے اس لکڑی کو سونے چاندی سے مڑھوایا جس کے بعد اس نے اس تقریب پر عید منائی جسے "عید صلیب" کہا جاتا ہے۔ اس کے پیرو اس کے ساتھ ایلول سے نکل کر مصر کی طرف گئے اور انہوں نے وہاں بہت سے مرکزی اور مضافاتی مقامات پر قبضہ کر لیا۔ یہ حالات و واقعات ہم نے "اخبار مصر" کے عنوان سے زیر نظر کتاب میں درج کیے ہیں۔ وہ "ہلانی" ہی تھی جس نے حمص میں ایک چو گوشیہ گرجا تعمیر کرایا تھا جو بلحاظ تعمیر عجائبات عالم میں شمار ہوتا ہے۔ اس نے مصر اور شام کے مدفون خزانے نکال کر ان سے مصر، شام اور روم میں متعدد کلیسا تعمیر کرائے جو "ہلانی ام قسطنطین" کے نام سے منسوب ہیں اور وہاں جو صلیبیں بنوا کر رکھی گئی انہیں بھی اسی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ رومی زبان کے کسی لفظ میں حرف "ھا" نہیں آتا لیکن "ہلانی" کے نام میں یہ حرف موجود ہے "ہلانی" از اوّل تا آخر چھ حروف

پر مشتمل ہے۔ نصرانی اس نام کے کل اعداد بحساب عمل (ابجد) نکالتے ہیں یعنی "ہ" کے پانچ جو امالہ ہے، دوسرے حرف "ل" کے تیس، اس کے بعد "الف" کے بصورت امالہ پانچ "ن" کے پچاس اور آخری حرف "ی" کے دس۔ اس طرح "ہالانی" کے چھ حروف کی بلحاظ ابجد مجموعی تعداد سو ہوتی ہے۔ شہر رومیہ میں قسطنطین کے نو سالہ دورِ حکومت کے آخری سال تک اس کی ماں "ہالانی" کے نام کی یہ بلحاظ ابجد تعداد بہت مشہور رہی اور متبرک سمجھی جاتی رہی۔ جب قسطنطنیہ میں قسطنطین کی حکومت کے اختتام پر دین عیسوی قائم ہو کر مستحکم ہو گیا تو وہاں اس کی ابتدائی یاد منانے کے لیے ۳۱۸ نصرانی اسقفوں نے اپنی پہلی مجلس منعقد کی۔ اس مجلس کی یکے بعد دیگرے آگے چل کر مجموعی تعداد بھی چھ ہو گئی اور دین نصاریٰ کے مذہبی قوانین کی مجموعی تعداد جو اس کے دستور کی حیثیت سے اب تک رائج چلے آتے ہیں "ہالانی" کے نام کے چھ حروف کی ابجدی تعداد کے لحاظ سے متبرک سمجھ کر ملتوی رکھی گئی۔ اہل نصاریٰ کے بزرگوں اور عوام کی پہچان کے لیے انہیں علی الترتیب ملکیہ اور مشارقہ یا نسطوریہ نام دیا گیا۔ مذکورہ بالا مجالس کی جنہیں رومی زبان میں سنودسات کہا جاتا ہے اور اس کی ایک مجلس کو بطور واحد سنودس، پہلی مجلس نیقیہ میں منعقد ہوئی تھی اور اس میں ملکیہ اور نسطوریہ سب شریک تھے اور اس کی تمام کارروائی اتفاق آراء سے منظور ہوئی تھی۔ ان مجالس کی دوسری مجلس "سنودس" قسطنطنیہ کے مقام منقدونس میں منعقد ہوئی جس میں ایک سو پچاس اسقف شریک ہوئے۔ تیسری مجلس افسوس، میں ہوئی جس میں سو افراد نے شریک ہو کر اس کی کارروائی کو بالاتفاق منظور کیا لیکن چوتھی مجلس میں جو خلدونیہ میں منعقد ہوئی ۶۶۰ افراد شریک ہوئے۔ ان مجالس کی پانچویں مجلس بھی قسطنطنیہ میں ہوئی اور اس میں اسقفوں اور نسطوریوں کی مجموعی تعداد ایک سو چھیالیس تھی۔ ان سنودسات یا مجالس کی آخری اور چھٹی مجلس یا سنودس مملکت مدائن میں منعقد ہوئی جس میں شرکاء کی مجموعی تعداد دو سو اسی تھی۔ ہم آگے چل کر ان سنودسات یا مجالس کی تشکیل میں رومی بادشاہوں کی شرکت، نصرانیت کی طرف ان کے میلان اور ترک اصنام پرستی کے بارے میں تذکرہ کریں گے۔

قسطنطین کی نصرانیت کے اسباب

نصرانیت کی طرف قسطنطین بن ہالانی کی رغبت اور اس کے میلان کا سب سے بڑا سبب یہ ہوا کہ جب وہ طوک برجان اور دوسری اقوام کے خلاف جنگ کے لیے نکلا (یہ لڑائیاں بڑے زور شور سے قریباً ایک سال تک جاری رہیں) تو ان دنوں اس کے لشکر کی اس میں ایک کثیر تعداد کام آ گئی اور اس پر شکست کا خوف غالب آنے لگا لیکن انہیں دنوں جیسا کہ کہا جاتا ہے اس نے ایک رات یہ خواب دیکھا کہ آسمان سے

ایک نیزہ اُتر کر اس کی طرف آرہا ہے جس کے سرے پر سونے چاندی لوہے اور سیسے میں مڑی ہوئی صلیبیں لگی ہوئی ہیں جن پر جواہرات بھی جگمگا رہے ہیں اور اس سے کہا جا رہا ہے کہ "لے اس نیزے سے اپنے دشمن کو مار ڈال اور نصرانی ہو جا۔" اسی خواب میں اس نے دیکھا کہ وہ یہ نیزہ لے کر جب دشمن کے لشکر پر حملہ آور ہوا تو وہ میدان چھوڑ بھاگا اور اس نے اس کا دور تک تعاقب کر کے ہزاروں کو تہ تیغ کر دیا یہ خواب دیکھنے کے بعد اس نے اگلی صبح جب دشمنوں کے لشکر کے سامنے صف بندی کی اور اپنے لشکریوں سے کہا کہ نیزوں سے اس پر حملہ کرو تو اس کے خواب کی حرف بحرف تصدیق ہو گئی اور وہ دشمنوں کو شکست فاش دے کر شہر نیقیہ کی طرف پلٹ آیا۔ اس نے کچھ باخبر لوگوں سے خواب میں دیکھے ہوئے نیزے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے بتایا کہ وہ صلیب کی وہ لکڑی تھی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی، ان اہل خبر نے اسے یہ بھی بتایا کہ "اس خواب کے ذریعہ آپ کو معنوی طور پر مسیح علیہ السلام کا پیرو ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔" چونکہ قسطنطین کے سامنے اس خواب کی تعبیر کھل کر آ چکی تھی اس لیے اس نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ مسیح علیہ السلام کے پیرو کہاں کہاں ہیں تو انہوں نے بیت المقدس میں ان کی کثرت کی نشاندہی کی۔ چنانچہ وہ شام سے ہوتا ہوا فلسطین میں بیت المقدس پہنچا تو اس کی ۳۱۸ نصرانی اسقفوں سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اسے بتایا کہ چونکہ اس کے اور اس کے اسلاف کے ہاتھوں بہت سے نصرانی قتل ہو چکے تھے اس لیے دشمنوں کی شکل میں اس پر عذاب الٰہی نازل ہوا لیکن مذکورہ خواب کے ذریعہ اسے اس عذاب سے نجات کا طریقہ بتا کر اسے دین عیسوی اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ انہیں مذکورہ بالا اسقفوں نے اس پہلی مجلس میں شرکت کی تھی جس کا سطور بالا میں ذکر آ چکا ہے اور اسی پہلی مجلس یا سنودس میں قسطنطین نے اپنے دین عیسوی قبول کرنے کا اعلان کیا۔ واضح رہے کہ اس کی ماں ہلانی اپنے بیٹے کے مذکورہ بالا خواب دیکھنے سے پہلے ہی خفیہ طور پر یہ مذہب اختیار کر چکی تھی۔

قسطنطین اپنی ہلاکت کے وقت تک اکتیس سال حکمران رہ چکا تھا۔ بعض کتب تواریخ میں اس کی مدت حکومت پچیس سال بتائی گئی ہے۔ ہم نے اس کے تفصیلی حالات و کوائف، اس کے شہر رومیہ سے نکلنے، قسطنطنیہ آمد اور اس کی لڑائیوں کے حالات اپنی پہلی دو کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں پہلے ہی قلمبند کر دیے ہیں اور یہ بھی بیان کر دیا کہ وہ خلیج قسطنطنیہ تک کب پہنچا تھا نیز یہ کہ خلیج بحر مایطس و نیطس سے نکل کر ۳۵۰ میل بہتی ہوئی بحر شام میں جا ملی ہے۔ بحر مایطس سے قسطنطنیہ تک اس خلیج کا فاصلہ دس میل ہے اور آج کل یہی خلیج قسطنطنیہ اور اندلس کے

درمیان آمد و رفت کا ذریعہ ہے لیکن وہ بھی یہی خلیج ہے جو قسطنطنیہ میں روس کے داخلے کے لیے سدراہ ہے جہاں اس کا پاٹ بہت کم ہو گیا ہے تاہم اس کے دونوں کناروں پر اب بہت سی عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں۔ مشرقی جانب سے قسطنطنیہ میں داخل ہونے کے لیے اس کا پاٹ صرف چار میل ہے مگر اندلس کی طرف سے یہاں تک پہنچنے میں بڑا طویل پہاڑی راستہ اور متعدد ذرا تنگ درے حائل ہیں۔ خلیج قسطنطنیہ کا یہ حصہ اس وقت سے جب مسلمہ بن عبدالملک نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا اور مسلمانوں کی کشتیاں اس خلیج میں داخل ہوئی تھیں اندلس کے اسی حکمران کے نام سے منسوب ہے اور نہر مسلمہ کہلاتا ہے اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی روس کے بحری مراکب کے داخلے کی روک تھام یہیں سے ہوتی ہے ان اذکار کا راوی ابوعبیر عدی بن احمد بن عبدالباقی اذدی ہے جو یہاں مسلمانوں کی طرف سے سرکاری محصولات کی وصولی کا ذمہ دار رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس خلیج میں رات اور دن کے اوقات میں مدوجزر کی کیفیت رہتی ہے۔ قسطنطنیہ کی طرف سے اس کے کنارے پر دیگر پختہ عمارتوں کے علاوہ ایک قلعہ بھی ہے جس کے لاتعداد برج اور دروازے ہیں ان دروازوں کی تعداد بعض لوگوں نے تین اور بعض نے چھوٹے بڑے سب دروازے ملا کر سو بتائی ہے۔

روم میں علم و حکمت اور فلسفے کے ساتھ موسیقی وغیرہ اور حد سے زیادہ محافل طرب کا رواج یونان سے آیا تھا جس کی وضاحت ہم اپنی پچھلی مذکورہ بالا کتابوں میں کر چکے ہیں۔

قسطنطین

قسطنطین بن ہلانی کے بعد روم میں جو نصرانی بادشاہ ہوا وہ "قسطنطین بن قسطنطین" تھا۔ اس نے چوبیس سال حکومت کی، بہت سے گرجا تعمیر کرائے اور دین مسیحی کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

للیانس

قسطنطین بن قسطنطین کے بعد قسطنطین اول کا بھائی "للیانس"[1] روم کا حکمران ہوا۔ یہ قسطنطین اول کے بعد روم کا تیسرا نصرانی بادشاہ تھا لیکن اس نے بہت جلد نصرانیت سے روگردانی کر کے اصنام پرستی شروع کر دی جس کی وجہ سے روم کے لوگ اس کے سخت مخالف ہو گئے اور اسے "للیانس بزطاط"[2] کہنے لگے۔ اس نے سابور بن اردشیر بن بابک کے عراقی علاقوں پر کثیر لشکر لے کر چڑھائی کی۔ لیکن اسی کے کچھ مغربی ساتھیوں نے جو اس کی نصرانیت سے روگردانی کی وجہ سے اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے اسے قتل کر دیا۔ اس نے صرف ایک سال اور بعض

---

[1] بعض نسخوں میں اس کا نام "بولیانس" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] بعض نسخوں میں "برباط" لکھا ہے (مترجم)

مؤرخین کے مطابق اس سے کسی قدر زیادہ حکومت کی۔

یونیاس

للیانس کے قتل پر اس کے ہمدرد حکمرانوں کو بہت افسوس ہوا لیکن چونکہ روم کے عوام مقتول بادشاہ کے سخت مخالف تھے اس لیے اس کے زیر دست حکمرانوں نے نصرانی بطریق سے رجوع کیا اور اس کے مشورے کے علاوہ رومی عوام کی کثرت رائے سے یونیاس[1] کو بادشاہ بنایا لیکن اس کی بادشاہت کا اعلان اس وقت کیا گیا جب اس نے دین مسیحی کے عقائد میں پختگی کا اقرار کیا۔ للیانس کا لشکر اور اس کے عمائدین سلطنت ابھی عراق ہی میں تھے جہاں سابور نے ان کا محاصرہ کر کے انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا ـــــ جس کے بعد یونیاس نے اسے بہت سے بیش قیمت تحائف اور زرِ نقد بھیج کر اس سے پیچھا چھڑایا۔ ان تحائف میں روم کی بہت سی نادر و نایاب اشیاء بھی شامل تھیں۔ سابور سے اس کی مراسلت اور دوبدو گفتگو بھی ہوئی جس کے دوران میں متعدد باہمی اختلافات کا بحسن و خوبی تصفیہ ہو گیا۔ یونیاس نے بھی بہت سے نئے گرجا تعمیر کرائے، اس نے پرانے کلیساؤں کے زرِ نقد کے علاوہ وہ چیزیں بھی واپس کر دیں جو اس کے پیشرو للیانس نے ضبط کر لی تھیں، اس نے بہت سے اصنام پرستوں کو قتل بھی کرایا مگر وہ صرف ایک سال ہی حکومت کر سکا۔

اوالس

یونیاس کے بعد اوالس[2] روم کا بادشاہ ہوا۔ وہ کچھ عرصہ دین مسیحی پر چلا لیکن بعد میں اس سے منکر ہو گیا۔ وہ کسی لڑائی میں مارا گیا۔ اس نے بھی صرف ایک سال حکومت کی۔

اہل کہف کا قضیہ

اوالس یا اوانیس ہی کے زمانے میں اہل کہف کا قضیہ پیدا ہوا جن کا ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں۔ ان کا ذکر قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ ان سے آفتاب کے طلوع و غروب کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا۔ ان کا قیام روم کے شہر "افیسس"[3] میں تھا۔

غراطیاس

اوالس کے بعد کچھ دن غراطیاس نامی بادشاہ کی حکومت رہی۔ کہتے ہیں اس نے پندرہ سال حکومت کی۔ اسی کے زمانے میں اہل نصاریٰ کا وہ پہلا اجتماع ہوا جس میں روح القدس پر بحث کی گئی۔ اسی کے دورِ حکومت میں وہ دوسری مجلس یا سندوس منعقد ہوئی جس میں

---

[1] بعض نسخوں میں اسے "یناس" لکھا گیا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " " "اوانیس" لکھا ہے (مترجم عربی)

[3] " " " " "آفسس" " " (" ")

قسطنطنیہ کے بطریق کو آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔

تدوسیس

غراطیاس کے بعد "تدوسیس" الاکبر (اعظم) روم کا حکمران ہوا۔ اس کے حالات و کوائف کی تفصیلات میں بتایا گیا ہے کہ رومی اقوال کے مطابق اس کا یہ نام خدا داد تھا۔ ان تفصیلات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ دین مسیحی پر قائم رہا اور اس سلسلے میں اس نے بڑا نام پیدا کیا تاہم وہ رومی بادشاہوں کی نسل سے تھا نہ روم کا اصلی باشندہ تھا۔ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ وہ اصلاً اشبان کی اولاد میں سے تھا جو قدیم اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ کہتے ہیں وہ شام و مصر کے باشندے تھے جو آگے چل کر مغرب اور روم و اندلس میں آباد ہو گئے تھے لیکن اس کے متعلق مورخین میں باہم اختلاف ہے۔ واقدی نے اپنی کتاب فتوح الامصار میں لکھا ہے کہ وہ اصفہانی تھے اور وہاں سے براہِ راست روم منتقل ہوئے اور وہاں آبسے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فارس کے اولین بادشاہوں کی نسل سے تھے۔ عبید اللہ[1] بن خرداذبہ نے بھی قریب قریب یہی لکھا ہے نیز دوسرے اہل سیر نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ اسی لیے ہمارا یہ کہنا درست ہے کہ وہ یافث ابن نوح کی اولاد میں سے تھے جو اندلس کے قدیم حکمرانوں میں شمار ہوتے ہیں اور لذارقہ[2] کہلاتے ہیں، ان کے لذارقہ کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ اندلس میں ان کے پہلے شخص کا نام لذریق تھا۔ ان کے مذہبی عقائد کے بارے میں کچھ اختلافات ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ مجوسی تھے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ صابی تھے، اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اصنام پرست تھے، تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ یافث بن نوح کی نسل سے تھے۔ بہر حال جب تدوسیس ہلاک ہوا اس وقت اس کی حکومت کو دس[3] سال ہوئے تھے۔

روم کے بعض باقی حکمران

تدوسیس کے بعد "ارقادلیس" نامی شخص نے چودہ سال حکومت کی جس کے بعد "تدوسیس" الاصغر حکمران ہوا۔ اس کا دار الحکومت افسیس تھا۔ اہل نصاریٰ کی تیسری مجلس یا سندوس اسی کے زمانے میں منعقد ہوئی جس میں سو پادریوں نے شرکت کی۔ اس مجلس کا ذکر ہم مسیحیوں کی جملہ مجالس کے ضمن میں پہلے کر چکے ہیں۔ اس مجلس میں بھی قسطنطنیہ کے اس بطریق پر لعنت ملامت کی گئی جو اس سے قبل اسکندریہ میں عیسائیوں کا مذہبی پیشوا

---

[1] بعض نسخوں میں "عبداللہ" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " انہیں" اندرافقہ اور ان کے پہلے شخص کا نام اندریق لکھا ہے۔

[3] " " " "سترہ" سال لکھا ہے۔ (مترجم عربی)

تھا۔ وہاں مصر کے نسطوریوں نے اس کے گرد جمع ہو کر اس کے مذہبی پیشوا ہونے پر بیعت کر لی تھی لیکن جب وہ قسطنطنیہ کا بطریق مقرر ہوا تو اس نے یوحنا راہب کے شاگرد عیسیٰ ہونے سے انکار کر دیا تھا اسی لیے اسے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں نصرانیوں کے دوسرے اجتماع میں زندہ جلا دیا گیا تھا۔ حیرہ کے مشارقی عیسائیوں کو اپنے نسطوری ہونے کا اعتراف ہے۔ لیکن مشرق کے دوسرے نصرانی نہ صرف اس سے انکار کرتے ہیں بلکہ اس نام سے نسبت پر کراہیت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اقانیم ثلاثہ یعنی رُوح، مادّہ اور جوہر میں تثلیث کے بجائے جوہر واحد کو تسلیم کرنے کے مدعی ہیں۔ تدوسیس اصغر نے اپنی ہلاکت کے وقت بیالیس سال حکومت کی۔

تدوسیس اصغر کے بعد "مرقیانوس" روم کا بادشاہ ہوا اور اس کے فوت ہو جانے پر روم کی مکمل حکومت اس کی بیوی "بلخاریہ" کے ہاتھ آئی۔ ویسے وہ اپنے شوہر کی زندگی میں بھی حکومت میں شریک رہی تھی۔ اسی کے زمانے میں نصرانیوں کے فرقۂ یعاقبہ کا ظہور ہوا۔ اس فرقے اور دوسرے نصرانیوں کے درمیان مسئلہ تثلیث کے متعلق اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ یعاقبہ عراق کے تکریت، موصل وغیرہ کے علاقوں میں اور جزیرہ میں کثرت سے آباد ہیں لیکن مصر کے قبطی ان میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ ملکیہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا ایک ہی سربراہ تھا جو مصر ہی میں انتقال کر گیا تھا۔ پہلے یعاقبہ کی مذہبی رسوم حلب کے قریب قنسرین میں ادا ہوتی تھیں، پھر انہوں نے انطاکیہ کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ ان کا ایک مرکز مصر میں بھی تھا۔ ان دو مراکز کے علاوہ ہمیں ان کے کسی تیسرے مرکز کا علم نہیں ہے مرقیانوس کی بیوی "بلخاریہ" نے روم میں سات سال حکومت کی۔

مرقیانوس اور اس کی بیوی بلخاریا کی حکومت کے بعد روم میں "الیون"[1] اصغر کی حکومت کا دور آیا اس نے سولہ سال حکومت کی۔ اسی کے دورِ حکومت میں اسکندریہ کے بطریق کی، جس کے گرد کم سے کم ۶۳۰ اسقف اس کی حمایت میں جمع ہو گئے تھے، روم میں داخلے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ روم کی تاریخ میں اسکندریہ کے بطریق یعقوبی کی حمایت کرنے والے اسقفوں اور دوسرے لوگوں کی تعداد ۶۶۰ بتائی گئی ہے۔ یعقوبی کی حمایت کا اعلان جس مجلس میں ہوا وہ خلدونیہ میں منعقد ہوئی تھی اور فرقۂ ملکیہ کے مطابق نصرانیوں کے مذکورہ بالا اجتماعات کی چوتھی مجلس تھی لیکن فرقہ یعاقبہ نے اس مجلس کا کہیں نمبر شمار بتایا ہے نہ یہ بتایا ہے کہ اس میں شرکاء کی تعداد کیا تھی تاہم ان کے بیانات میں مذکورہ بطریق کی سواری کا دلچسپ قصہ ضرور پایا جاتا ہے اور یہ بھی کہ اس کے احکام کیا تھے لیکن اسی قصے سے فرقہ سواریہ کی بنیاد پڑنے کا تعلق ہے۔ یعاقبہ بھی اسی موخر الذکر فرقے میں شامل ہو کر یعقوبی کے

[1] بعض نسخوں میں اسے "الیون" اکبر لکھا ہے (مترجم عربی)

شاگرد یعقوب براذعی کے حلقۂ اثر میں آ گئے تھے۔ انطاکیہ میں اس فرقے کے جو لوگ آباد ہیں وہ ابھی تک براذعی کہلاتے ہیں۔

الیون اکبر کے بعد اس کا بیٹا الیون اصغر بن الیون تخت حکومت پہ بیٹھا اور اس نے ایک سال حکومت کی۔ اس کا تعلق بھی گروہ ملکیہ سے تھا۔

اس الیون کے بعد روم کی حکومت "زینو" کے ہاتھ آئی۔ وہ اہل آرمینیا میں سے تھا اور مذہبی عقائد میں بطریق یعقوبی کا پیرو تھا۔ اس نے سترہ سال حکومت کی۔ اس کے ساتھ اس کے مخالفین کی لڑائیاں بھی ہوئیں لیکن آخری لڑائی میں جب ان باغیوں نے اس کے دارالحکومت پہ دھاوا بول دیا تھا اسے مکمل فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس کے بعد "نسطاس" نے روم کی حکومت سنبھالی اور اس کے ہاتھ روم کے بہت سے پوشیدہ خزانے اور دفینے آئے۔ اس نے اپنی ہلاکت کے وقت تک ستائیس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "یوسطاناس" نے نو سال حکومت کی۔ یوسطاناس کے بعد "یوسطانیاس" نے اقتدار حکومت سنبھالا اور انتالیس سال حکومت کی۔ اس کی حکومت کا زمانہ بعض مؤرخین نے چالیس سال لکھا ہے۔ اس نے بے شمار گرجے تعمیر کیے تھے جن میں "کنیسۃ الرہا" مشہور ترین اور بلحاظ تعمیر عجائبات عالم میں شمار ہوتا ہے وہ عقائد یعقوبیہ کا پیرو تھا تاہم اس نے دین مسیحی کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ "کنیسۃ الرہا" کا فانوس بڑی شہرت رکھتا ہے کہتے ہیں یسوع ناصری نے معمودیہ کے پانی سے برآمد ہو کر اس گرجا میں اسے روشن کیا تھا اور اس سے قبل ہی بپتسمہ لیا تھا۔ اس لیے نصرانیوں کے دل میں اس فانوس کی بڑی عزت و عظمت ہے۔ جب مسلمانوں نے سال رواں یعنی ۳۳۲ ہجری میں شہر رہا کا محاصرہ کیا اور پھر اسے فتح کر کے اس پر قابض ہوئے تو انہوں نے یہ فانوس رومیوں کو دے دیا تھا جس پہ اہل روم نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور اسے ہر نہ لے گئے۔

یوسطاناس کے بعد اس کی جانشینی اس کے بھتیجے "نوسطیس"[1] کے حصے میں آئی اور اس نے گروہ ملکیہ کا تیرہ سال تک اقتدار سنبھالے رکھا۔

نوسطیس یا فرسطیس کے بعد جیسا بعض مؤرخین نے لکھا ہے "طیباریس" نے حکومت سنبھالی اور چار سال حکمران رہا۔ اسی کے زمانے میں بادشاہ اور اس کے خاندان میں استعمال کے لیے بہت سے آلات حرب اور سونے چاندی کے ظروف تیار کیے گئے۔

---

[1] بعض نسخوں میں "فرسطیس" لکھا ہے (مترجم عربی)

طبارلیس کے بعد "موریقیس" روم کا حکمران ہوا۔ اسی کے زمانے میں کسریٰ پرویز نے کسی نہ کسی طرح بہرام چوبیںؒ[1] کو قتل کیا تھا۔ چونکہ موریقس نے بہرام کی مدد کی تھی اس لیے کسریٰ پرویز نے بہرام پر فتح پانے اور اسے قتل کرنے کے بعد کثیر لشکر لے کر روم پر چڑھائی کر دی تھی جس کا حال ہم زیر نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

موریقس کے بعد "فوقاسؒ[2]" روم کا بادشاہ ہوا۔ اس نے آٹھ سال حکومت کی جس کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔

فوقاس کے بعد روم کی حکومت "ہرقل" کو ملی۔ وہ اس سے قبل کئی رومی جزائر میں بطریق رہ چکا تھا۔ اس کا دورِ حکومت رسولِ عربی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کے وقت سات سال ہو چکا تھا۔ ہرقل ہی نے بیت المقدس کو از سرِ نو آباد کیا تھا اور اسی نے فارسیوں کے شام سے چلے جانے کے بعد وہاں متعدد گرجے تعمیر کرائے تھے۔

---

[1] بعض نسخوں میں "بہرام گور" لکھا ہے (مترجم عربی)
[2] " " " "قوماس" " " " (" ")

ظہورِ اسلام کے بعد رومی بادشاہ

کتب تواریخ میں اس بارے میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کہاں ہوئی اور اس وقت روم کا بادشاہ کون تھا کافی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کتابوں کے مصنفین ہمارے ان بیانات سے متفق ہیں جو ہم نے زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں آپ کی ولادت با سعادت اور ہجرت کے بارے میں تحریر کیے ہیں لیکن بعض یہ کہتے ہیں کہ آپ کی ولادت روم کے بادشاہ یوسطینوس[1] اوّل کے زمانے میں ہوئی تھی جس نے وہاں انتیس (۲۹) سال حکومت کی۔

یوسطینوس اوّل کے بعد "یوسطینوس" ثانی روم کا بادشاہ ہوا اور اس نے دس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "ہرقل" بن یوسطینوس حکمران ہوا۔ دینار و درہم کے سکّے اسی کے زمانے میں ڈھالے گئے اس نے پندرہ سال حکومت کی۔ اس کے بعد مورق بن ہرقل بادشاہ ہوا[2]۔

علم نجوم کی کتب زیجات میں جن پہ اہل ریاضی یقین کر کے حساب لگاتے ہیں اور روم کی کتب تواریخ میں بھی یہی لکھا ہے کہ ظہورِ اسلام سے لے کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ادوارِ خلافت تک روم میں ہرقل کی حکومت رہی لیکن تاریخ کی دوسری کتابوں میں یہ ترتیب نہیں پائی جاتی بلکہ اہلِ اخبار و سیر بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت روم میں قیصر بن مورق[3] کی حکومت تھی۔

خلفائے اسلام کے عہد میں

اہل اخبار و سیر کے مطابق جن کا ہم نے سطور بالا میں حوالہ دیا ہے۔ قیصر بن مورق کے بعد روم کا بادشاہ "قیصر" بن قیصر ہوا تھا اور یہ زمانہ

---

[1] بعض نسخوں میں "یوسطورس" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] بعض کتابوں میں یہ جملہ درج نہیں ہے (〃)

[3] 〃 〃 "فوق" لکھا ہے (〃)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔

قیصر بن قیصر کے بعد "ہرقل" بن قیصر روم کا حکمران ہوا اور یہ زمانہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔ وہ ہرقل ہی تھا جس سے شام کی کئی لڑائیوں میں خالد ابن ولید، ابو عبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان وغیرہ کا مقابلہ ہوا تھا اور انہوں نے شام کو فتح کر کے اسے وہاں سے نکال دیا تھا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کے زمانۂ خلافت میں "مورق" بن ہرقل روم کا حکمران تھا۔

"مورق" بن ہرقل کے بعد "مورق" بن مورق روم کا حکمران ہوا۔ یہ زمانہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی خلافت اور معاویہ بن ابو سفیان کی حکومت کا تھا۔

مورق بن مورق کے بعد "قلفط" بن مورق روم کا حکمران ہوا۔ اس وقت معاویہ بن ابی سفیان کی حکومت کا آخری زمانہ تھا۔ قلفط اور معاویہ کے درمیان بنائے اختلاف "قلفط کا بیٹا فناق[1] رومی تھا، جسے معاویہ نے ایک لڑائی میں گرفتار کر کے غلام بنا لیا تھا لیکن جب معاویہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ ہو رہی تھی تو معاویہ نے قلفط سے مراسلات اور صلحناموں کے ذریعہ جھوٹ موٹ صلح کر لی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معاویہ کی جنگ کی وجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت تھی جس کا ذمہ دار وہ حضرت علیؓ کو ٹھہراتا تھا اسے یقین تھا کہ عامۃ المسلمین اس کے اس دعوے کو برحق سمجھ رہے ہیں اور یہ کہ حضرت عثمانؓ کے بعد جن کی طرف سے وہ اس وقت شام کا گورنر تھا مرکزی حکومت اسی کو ملے گی۔ ان حالات و کوائف کی تفصیلات ہم اپنی پچھلی تالیف "کتاب الاوسط" میں بیان کر چکے ہیں۔ ہم نے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ روم میں اسلاف تا اخلاف علی الترتیب کون کون حکمران رہا تھا۔ بہرحال جس زمانے کا ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں اس وقت روم میں قلفط بن مورق کی حکومت تھی جو شام اور عرب کے دیگر علاقوں میں حکومت معاویہ کے آخری ایام سے لے کر یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید، مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان کے زمانے تک قائم رہی۔

عہد مروانیہ میں رومی حکمران

ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں کہ روم میں قلفط بن مورق کی حکومت عبدالملک بن مروان کے زمانے تک قائم تھی لیکن اسی کے زمانے میں قلفط کے بعد اس کا بیٹا "لاون" روم کا حکمران ہو گیا تھا۔ لاون کے بعد "جیرون" بن لاون روم کا بادشاہ ہوا جب کہ ادھر ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک کی حکومت اور عمر بن

---

[1] بعض نسخوں میں "بناق رومی" لکھا ہے (مترجم عربی)

عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اسی زمانے میں رومی بادشاہ کو یہ خیال آیا کہ مذکورہ بالا مروانی مسلمان حکمرانوں کے دورِ حکومت وخلافت کے بعد بھی وہ مسلمہ بن عبدالملک کے زیرِ اثر کیوں رہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں سے ہر جگہ بحری وبری جنگ شروع کر دی۔ اس وقت روم کا حکمران وہاں کے شاہی خاندان سے نہیں تھا بلکہ اس کا تعلق اہلِ مرعش سے تھا اور اس کا نام "جرجس" تھا۔ اس نے روم میں انیس سال حکومت کی۔

عہدِ عباسیہ میں رومی حکمران

روم کے حکمرانوں میں مسلمانوں کے زیرِ اثر رہنے کی وجہ سے جو اضطرابی کیفیت پائی جاتی تھی وہ قسطنطین بن الیون کے وقت تک قائم رہی۔ یہ زمانہ عہدِ عباسیہ میں ابی العباس السفّاح اور اس کے بھائی جعفر المنصور کی حکومت کا تھا۔ روم میں جب الیون بن قسطنطین کا زمانہ آیا تو اُدھر عباسیوں میں مہدی اور ہادی کا دورِ حکومت تھا۔ اس کے بعد ہارون رشید کے عہدِ حکومت کے دوران میں اِدھر "قسطنطین" بن الیون روم کا بادشاہ ہوا۔ اس کی ماں کا نام اربنی تھا اور وہ شروع ہی سے اپنے بیٹے کی حکومت میں شریک رہی کیونکہ وہ ابھی کمسن تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کی ماں بھی اپنی دونوں آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی جس کا یہاں ذکر طوالت سے خالی نہ ہوگا۔

قسطنطین بن الیون کے بعد "یعقور" بن اسرداق روم کا حکمران ہوا۔ اس نے ہارون الرشید اور مملکتِ عباسیہ کے زیرِ انتداب رہنے کی مخالفت کی تھی۔ اس سلسلے میں ہارون رشید سے اس کی مراسلت بھی ہوئی جس کے بعد ہارون الرشید نے روم پر چڑھائی کر دی تھی لیکن یعقور نے اس کے نام اپنی مراسلت کے الفاظ کی معذرت کے ساتھ جو توجیہ پیش کی اس کی وجہ سے عباسی خلیفہ ہارون رشید اس سے اور اس کے ملک سے دست کش ہوگیا تھا۔ یعقور نے ہارون الرشید کی خدمت میں بہت سے بیش قیمت تحائف بھی پیش کیے تھے۔ اس کے بارے میں ابوالعتاہیہ بہت سے اشعار بھی کہتے ہیں جب ہارون رشید نے یعقور کی معذرت اور جان لیوا بیماری کے پیشِ نظر اسے معاف کر دیا۔ تو اکثر لوگوں نے اسے یعقور کے باغیانہ خیالات کی خبر دی اور بعض شعرا کو بھی کچھ لوگوں نے اکسایا تو انہوں نے اپنے اشعار میں بڑے اثر انگیز انداز سے یعقور کی بغاوت پر اظہارِ خیال کیا لیکن ہارون الرشید یعقور کو معاف کر چکا تھا اس لیے وہ کچھ دن تو خاموش رہا، تاہم جب اس کی طرف سے مسلسل بغاوت کی خبریں آنے لگیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے شب وروز تیاریوں میں مصروف ہے تو ہارون الرشید نے مجبوراً حفظ ماتقدم کے طور پر

دوبارہ روم پر لشکر کشی کی جس میں مسلم عساکر کی کمان خود عباسی حکمران ہارون الرشید کے ہاتھ میں تھی۔

ہارون الرشید کی طرف سے ہرقلہ کا محاصرہ

ابوعمیر عدی بن احمد بن عبدالباقی ازدی کے بیان کے مطابق جب ہارون الرشید نے ہرقلہ کے محاصرے کا ارادہ کیا تو اس وقت اس کے ہمراہ پہاڑی اور سرحدی علاقوں کے بھی بہت سے (تجربہ کار) لوگ تھے۔ انہیں میں شام کے (دشوار گزار) پہاڑی علاقے کا ایک سن رسیدہ شخص مخلد بن حسین نامی بھی تھا۔ ہارون الرشید نے اسے تخلیہ میں بلا کر پوچھا: "آپ کا اس قلعے کے محاصرے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" مخلد بن حسین نے مودبانہ جواب دیا: "یہ قلعہ نہ صرف سرحدی علاقے بلکہ سارے روم میں سب سے زیادہ مضبوط اور بظاہر ناقابل تسخیر قلعہ ہے۔ اگر آپ نے اس قلعہ کو فتح کر لیا تو اس کے بعد روم کے ہر قلعے کی تسخیر آسان ہو جائے گی۔" ہارون الرشید کے ہمراہیوں میں ابواسحاق الفزاری مصنف "کتاب السیر" بھی تھا۔ جب ہارون الرشید نے اس سے علیحدگی میں یہی بات دریافت کی تو اس نے بھی وہی جواب دیا جو مخلد بن حسین نے دیا تھا لیکن جب اس قلعہ کا محاصرہ کیا گیا تو انیس دن تک اس پر بار بار تابڑ توڑ حملوں کے باوجود مسلمانوں کا لشکر اسے فتح نہ کر سکا بلکہ اس کی حالت تھکاوٹ سے غیر ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر ہارون الرشید نے مخلد بن حسین اور ابواسحاق الفزاری کو مشورے کے لیے پھر طلب کیا اور ان سے کہا: "آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان کس مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آخر اس قلعے کو فتح کرنے کی کیا تدبیر کی جائے؟" ان دونوں تجربہ کار لوگوں نے اپنا اپنا پہلا مشورہ دہرا کر عرض کیا: "امیرالمومنین جناب کو معلوم ہے کہ جنگ درحقیقت تلوار سے نہیں جنگی تدابیر سے لڑی جاتی ہے۔"

ہارون الرشید نے ان کا قطع کلام کرتے ہوئے کہا: "میں جانتا ہوں اور جیسا آپ لوگ پہلے کہہ چکے ہیں کہ اگر مسلمان یہاں جی چھوڑ بیٹھے تو پھر اندرون ملک کوئی قلعہ تو کیا شہر تک تسخیر نہ کر سکیں گے لیکن میں نے آپ لوگوں کو یہی دریافت کرنے کے لیے بلایا کہ اس قلعے کو فتح کرنے کی کیا تدبیر کی جائے؟"

مخلد بن حسین اور ابواسحٰق نے ہارون الرشید کے اس سوال کے جواب میں یک زبان ہو کر کہا:

"امیرالمومنین! جنگ میں مصائب کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے اور یہاں تو صرف ملک ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے دین کی عزت کا بھی سوال ہے لیکن حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے (غالباً) ایسے ہی مواقع کے لیے فرمایا ہے کہ "الحرب خدعۃ" یعنی جنگ دھوکے کا دوسرا نام ہے، مطلب یہ کہ جنگ میں فتح و نصرت کے لیے ضروری ہے کہ بطور تدبیر جنگ دشمن کو دھوکے میں رکھا جائے۔"

ہارون الرشید نے پوچھا: "پھر آپ لوگوں کا اس سلسلے میں کیا مشورہ ہے۔"

وہ بولے :۔" امیرالمومنین ! ایسا کیجیے کہ صبح ہوتے ہی اسلامی لشکر کو قلعے کے صدر دروازے کی طرف بڑھنے کا حکم دیجیے اور عین دروازے پر پہنچ کر یہ منادی کرا دیجیے کہ اس قلعے کی فتح تک لشکر کا کوئی سپاہی اس کے سامنے سے نہیں ہٹے گا ۔اس کے بعد یہ منادی کرا دیجیے کہ اس قلعے کے سامنے پہاڑ پر ایک دوسرا قلعہ تعمیر کیا جائے گا جس میں اسلامی لشکر کے ہر سپاہی کے لیے حصہ لینا ضروری ہے ۔"

اور پھر دوسرے ہی دن اس ناقابل تسخیر سرحدی پہاڑوں میں تعمیر کردہ قلعے کے سامنے اس سے زیادہ بلند پہاڑ پر ایک نیا قلعہ تعمیر ہونا شروع ہوگیا ، لشکر کے جس سپاہی کو دیکھو وہ یا تو پتھر جمع کر کے لا رہا ہے یا قریب کی جھاڑیاں صاف کرنے اور بڑے بڑے درختوں کی لکڑیاں کاٹنے میں مصروف ہے ۔

یہ دیکھ کر قلعے میں محصور لوگ بولے :" اگرچہ روم کا یہ پہاڑی قلعہ فتح کرنا قوی سے قوی دشمن کے بس کی بات نہیں ہے اور ہم سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا یہ لشکر بھی اور کچھ روز تک اس کی سنگی دیواروں سے سر ٹکرا کر واپس چلا جائے گا لیکن یہ تو کچھ عجیب لوگ ہیں ، انھوں نے تو واقعی سامنے کے پہاڑ پر قلعہ تعمیر کرنا شروع کر دیا ہے جسے یہ یقیناً مکمل کر کے ہی دم لیں گے ، ان کی پھرتی اور دوڑ دھوپ سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ۔"

قلعے میں محصور فوجی دستے کا ایک افسر بولا :" اگر انھوں نے یہاں یہ قلعہ واقعی تعمیر کر لیا جس کے آثار بھی نظر آتے ہیں تو پھر یہ لوگ تمام ارضی و سماوی آفتوں سے محفوظ ہو کر جب تک چاہیں گے ہم سے نبرد آزما ہوتے رہیں ۔"

ایک اور فوجی سردار بولا :" اور دارالحکومت یا کسی دوسری چھاؤنی سے فوراً تو کیا مہینوں بلکہ برسوں تک کمک پہنچنا ناممکن ہے کیونکہ ان لوگوں نے ہر پہاڑی درے پر پہرے بٹھا رکھے ہیں ۔"

اسی گفتگو میں صبح سے شام اور پھر رات ہوگئی اور دوسرے دن مسلمانوں نے دیکھا کہ قلعے کا صدر دروازہ کھلا اور وہاں محصور لوگ صلح اور طلب امن کے علامتی سفید پھریرے اڑاتے ہوئے باہر آنے لگے ۔

اس جنگ میں ہارون الرشید اور اس کے لشکر کو بے شمار و بے اندازہ مال غنیمت ہاتھ آیا ۔اس کے سامنے جب ایک حسین دوشیزہ بطور مال غنیمت پیش کی گئی تو ہارون الرشید جیسا صاحب جاہ و جلال مسلمان بادشاہ بھی اس کا حسن و جمال دیکھ کر حیران رہ گیا اس لڑکی کا نام ہرقلہ تھا ۔یہ لڑکی بعد میں اس کا دل موہ لینے والی سب سے مقرب کنیز بنی ۔ ہارون الرشید نے اس کے نام پر شام کے ایک پہاڑی علاقے میں مذکورہ قلعے سے ملتا جلتا اور اسی کی طرز پر ایک سرحدی قلعہ تعمیر کر لیا تھا لیکن وہ قلعہ

خرابے میں تبدیل ہو جانے کے باوجود اب تک اس پیکرِ حسن و جمال کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم نے "کتاب الاوسط" میں کیا ہے۔ جہاں یہ قلعہ تعمیر کیا گیا تھا اس جگہ کو اب تک لوگ "ہرقلہ" ہی کہتے ہیں۔ یہ سب معلومات دیگر معلومات کے علاوہ ہمیں ابی عمیر بن عبدالباقی زیادات کی کتاب سے ملی ہیں۔ ابوبکر محمد بن حسین بن درید نے ابوعینا کے حوالے سے اور اس نے شبل ترجمان کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ موخر الذکر کے بقول وہ روم کے خلاف ہارون الرشید کی جنگ میں اس کے ساتھ تھا اور اس نے قلعہ ہرقلہ کا محاصرہ اور اس کی فتح دونوں کو بچشم خود دیکھا ہے۔ وہ کہتا ہے :۔

"جب مسلمانوں کے محاصرے کے بعد قلعہ ہرقلہ فتح ہو گیا تو میں نے اس کے دروازے پر ایک پتھر نصب دیکھا جس پر یونانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا، میں اسے پڑھنے لگا، اس وقت ہارون الرشید بھی میری طرف غور سے دیکھ رہے تھے لیکن مجھے اس کی خبر نہ تھی۔ اس پتھر پر یہ لکھا تھا :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

"اے ابن آدم! جہاں تک فرصت ملے اسے غنیمت جان، ہر کام وقت پر کر، تیرے سرور کی افراط تجھے آنے والے غم سے کہیں غافل نہ کر دے، اپنے نفس پر ذمہ داریوں کا بوجھ زیادہ نہ ڈال کیونکہ خبر نہیں کل کیا ہو، اللہ نے تلاش رزق تجھ پر واجب کی ہے وقت اجل تک اس میں مصروف رہ، غرور کرنے والوں میں سے نہ بن کہ جمع کی ہوئی دولت کو قرار نہیں، دوسروں کے مال و دولت کو رشک کی نظر سے نہ دیکھ کہ وہ کسی کے پاس دائماً رہنے والی چیز نہیں۔"

اس کے بعد شبل ترجمان کہتا ہے :۔

" اس پتھر پر جو کچھ لکھا تھا اس کی تاریخ تحریر ایک ہزار سال سے بھی پہلے کی تھی"۔

ایک اور راوی لکھتا ہے :۔

"قلعہ ہرقلہ پہاڑی وادی کے سارے طول و عرض پر محیط تھا اور اس کے چہار جانب بڑی گہری خندق تھی۔ جب اہل ہرقلہ کو اسلامی لشکر کا محاصرہ گراں گزرنے لگا اور ان پتھروں، تیروں اور آگ کے گولوں کی بارش کسی طرح ختم ہونے میں نہ آئی تو ایک دن انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ دروازے سے جو شخص باہر آیا وہ بہت خوبصورت، توانا اور دراز قد تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور پوری طرح مسلح تھا۔ اس نے باہر

آتے ہی ایک نعرہ لگایا، پھر بولا: "اے اہل عرب! تم چاہو تو ایک سے لے کر دس تک بلکہ بیس تک علیحدہ علیحدہ آ کر مجھ سے مقابلہ کر سکتے ہو۔ میں فارسی النسل ہوں اور میرے مقابلے میں تم میں سے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔"

"ادھر سے کوئی شخص اس کے مقابلے کے لیے اس لیے آگے نہ بڑھا کیونکہ انہیں امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید کی اجازت درکار تھی اور وہ اس وقت سو رہے تھے۔ وہ شخص تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا، پھر لوٹ کر قلعے میں واپس ہو گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔ انہیں یعنی امیرالمومنین کو اس واقعے کا علم ہوا تو اس کے بعد انہیں رات کاٹنا مشکل ہو گئی"

لوگوں نے عرض کیا:-

"امیرالمومنین! اگر وہ کل پھر آیا تو ہم میں سے ہر شخص اس کے مقابلے کے لیے تیار ہے صرف حضور والا کی اجازت درکار ہو گی۔"

اگلے دن واقعی وہ شخص پھر اسی طرح باب ہرقلہ سے نکل کر اسلامی لشکر سے مبارز طلب ہوا۔ ادھر کئی شخص مستعد ہو کر امیرالمومنین ہارون الرشید کی اجازت کے منتظر تھے لیکن اس سے قبل کہ وہ اس شخص سے مقابلے کے لیے کسی کا انتخاب فرمائیں مخلد و ابراہیم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کیا:-

"یا امیرالمومنین! حضور کے جری و بہادر لشکر میں ایک سے ایک بڑھ کر دلیر شہسوار، فنونِ حرب سے بخوبی واقف، تجربہ کار اور جہاں دیدہ و جنگ آزمودہ شخص موجود ہے جو اس لاف زن کو دم بھر میں جہنم رسید کر دے گا لیکن ہماری مؤدبانہ گزارش یہ ہے کہ ایسے کسی جاں نثار کو اس شخص کے مقابلے کے لیے نہ بھیجا جائے بلکہ ہم میں سے کسی عام آدمی کو اس سے مقابلہ کرنے کی اجازت دی جائے کیونکہ اگر اس شخص نے کسی ایک آزمودہ کار کو بھی قتل کر دیا تو اس سے حضور عالی کے علاوہ ہم سب مسلمانوں کی سبکی ہو گی، لیکن اس کے مقابلے کے لیے کسی عام غیر معروف شخص کے جانے میں یہ اندیشہ نہیں ہے بلکہ اگر کسی ایسے شخص نے اسے زیر کر لیا جس کی ہمیں قوی امید ہے تو سارے روم میں ہماری بہادری کے ڈنکے بج جائیں گے۔" (ترجمہ مفہومی)

خلیفہ ہارون الرشید نے فرمایا:-

"مخلد ابن حسین اور ابواسحٰق ابراہیم! تم نے سچ کہا، ہم اپنے لشکر کے کسی عام سپاہی کو

اس کے مقابلے کے لیے بھیجیں گے۔"

"امیر المومنین کی زبان مبارک سے اتنا سنتے ہی اسلامی لشکر کا ایک سپاہی جو ابن جزری کے نام سے مشہور تھا آگے بڑھا اور اس شخص سے مقابلے کی اجازت مانگی جو مل گئی۔"

جب الجزری نے اس کے سامنے پہنچ کر اسے مقابلے کے لیے للکارا تو اس نے پوچھا:-

"اے نشانۂ اجل! تیرا نام کیا ہے؟"

الجزری نے جواب دیا:-

"میرا نام ابن جزری ہے، ویسے تو میں اس اسلامی لشکر کا ایک معمولی سپاہی ہوں لیکن تیرے لیے ملک الموت سے کسی طرح کم نہیں۔"

اس شخص نے جو اپنے خوب صورت گھوڑے پر بڑے غرور سے تنا بیٹھا تھا الجزری پر حقارت کے ساتھ اچٹتی سی نظر ڈالی، پھر بولا:-

"میں تیرے سارے اسلامی لشکر کے لیے تن تنہا کافی ہوں، کسی لشکر کے سینکڑوں ہزاروں آزمودہ کار سپاہیوں کو بھی میرے مقابل آنے کی آج تک جرأت نہیں ہوئی، میں تجھ جیسے معمولی سپاہی پر ہاتھ اٹھانا اپنی توہین سمجھتا ہوں لیکن اگر تو اپنی موت کا خواہاں ہے تو لے سنبھل!"

"اتنا کہہ کر اس نے ابن جزری پر نیزہ تول کر بھرپور وار کیا لیکن ابن جزری نے کاوا کاٹ کر اس کا وار خالی دیا اور چشم زدن میں اس کے نیزے کو اپنے نیزے سے کاٹا تو اس کا نیزہ ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔ یہ دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے حیران ہوا لیکن پھر فوراً ہی میان سے تلوار نکال کر ابن جزری پر نپا تلا وار کیا لیکن اس اثنا میں ابن جزری بجلی کی سی سرعت سے اپنا نیزہ ٹیک کر گھوڑے سے زمین پر آیا اور آناً فاناً تلوار نکال کر پہلے اس کے گھوڑے کے پچھلے پاؤں کاٹے اور جب وہ ڈگمگا کر زمین کی طرف جھکا تو اس وقت تک ابن جزری کی تلوار کے دوسرے ہی وار سے اس کا ٹھوس بھاری جسم دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔"

"ابن جزری جب اپنی بہادری اور جنگ میں اپنی آزمودہ کاری کا یہ تماشا دکھا کر اپنے لشکر کی طرف پلٹا تو پرجوش نعروں سے اس کا استقبال کیا گیا، سارے لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، ہر شخص فنون حرب میں اس کی مہارت پر حیران تھا، عباسی خلیفہ امیر المومنین ہارون الرشید نے بھی اسے بہ نگاہِ

تحسین دیکھا، اس کی شجاعت کی کھلے دل سے داد دی اور اسے اتنا انعام دیا کہ وہ عمر بھر کے لیے دولت کی طرف سے بے نیاز ہو گیا۔"

آخر میں شبلی ترجمان کہتا ہے:۔

وہ شخص یقیناً فارسی الاصل تھا، اس کا نام "علج" تھا اور وہ اپنے زمانے کا درحقیقت ہزاروں میں ایک جنگجو سپاہی تھا لیکن ابن جزری کا کمال سپہ گری بھی مدتوں لوگوں کو یاد رہے گا۔"

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد قلعہ ہرقلہ کے محصورین کے دل ٹوٹ گئے اور انہوں نے اسلامی لشکر کے لیے دروازے کھول دیے۔ کچھ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسلامی لشکر کے کچھ نڈر سپاہیوں نے جان پر کھیل کر فصیل قلعہ کے اس حصے پر کمندیں ڈالی تھیں جہاں سے ان کے ذریعہ فصیل کو عبور کرکے اندر پہنچنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن انہوں نے ایسا ہی کیا اور فصیل کے پہرہ داروں سے نمٹ کر قلعے کے اندر پہنچے اور وہاں فوجیوں کی ایک کثیر تعداد سے دست بدست لڑائی کے بعد خود اندر سے صدر دروازہ کھولا تھا لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ روم کے مضبوط ترین سرحدی پہاڑی قلعے یا ب "ہرقلہ" کی فتح کا سب سے بڑا سبب وہ مشورہ تھا جو مخلد بن حسین اور ابو اسحٰق ابراہیم نے ہارون الرشید کو ارشاد نبوی کے حوالے سے دیا تھا۔

بہرکیف واقعہ کچھ بھی ہو مسلمانوں کے ہاتھوں مذکورہ بالا قلعہ کی فتح کے بعد یعفور نے ہارون رشید کی خدمت میں خود حاضر ہو کر معذرت طلب کی تھی اور اسے بیش بہا تحائف کے علاوہ بہت سی حسین رومی کنیزیں پیش کی تھیں نیز مستقل صلح نامے پر دستخط کرکے ہمیشہ کے لیے انقیاد مملکت اسلامی کا وعدہ کیا تھا۔

یعفور اور ہارون الرشید کے درمیان مصالحت کے بارے میں مؤرخین اور وقائع نگاروں نے اور بہت سی باتیں بیان کی ہیں اور لکھا ہے کہ ان دونوں کے درمیان مصالحت کی سب سے اہم شرط یہ تھی کہ یعفور ہارون الرشید کو چشمۂ عشیرہ کا پانی ہمیشہ بھیجتا رہے گا۔ اس پانی کے حد سے زیادہ مصفا ہونے کے علاوہ اس میں اور بہت سی خوبیاں تھیں جن کی تفصیل ہم اپنی پچھلی کتابوں میں پیش کر چکے ہیں۔ روم کے لوگ اس چشمے کو چشمۂ بربدون[1] بھی کہتے ہیں۔

---

[1] بعض نسخوں میں "بدبدرن" لکھا ہے (مترجم عربی)

یعفور کے بعد " استراق بن یعفور بن استراق[1] " نے روم کی حکومت سنبھالی۔ یہ زمانہ عباسی خلیفہ محمد الامین کی حکومت کا تھا۔ اس کے ہاتھ سے جب حکومت نکلی اس وقت وہ قسطنطین بن قلفط[2] پر فتح حاصل کر چکا تھا۔ قسطنطین کا باقی ماندہ دورِ حکومت خلیفہ المامون کے زمانے میں گزرا۔

قسطنطین کے بعد روم کی حکومت توفیل[3] کے ہاتھ آئی۔ یہ زمانہ بغداد میں عباسی خلیفہ المعتصم کا تھا، اسی نے " زبطرہ " فتح کیا تھا اور اسی نے توفیل کے ساتھ ایک لڑائی میں " عموریہ " بھی فتح کر لیا تھا۔ معتصم کی خلافت کے حالات و واقعات ہم زیرِ نظر کتاب میں آگے چل کر حسب موقع بیان کریں گے۔

توفیل کا دورِ حکومت ختم ہونے کے بعد اس کی جانشینی کے بارے میں روم میں تنازعات پیدا ہو گئے جن سے موقع پا کر توفیل بن میخائیل بن توفیل حکومت پر قبضہ جما بیٹھا لیکن کچھ عرصے بعد اس پر بسیل صقلبی نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اس کا تعلق روم کے شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ اس کا دورِ حکومت عباسی خلفاء معتز، مہتدی اور کچھ معتمد کے دورِ خلافت میں گزرا۔

روم میں بسیل کے بعد اس کے بیٹے الیون بن بسیل نے حکومت سنبھالی۔ اس نے کچھ عرصے معتمد کے دورِ خلافت کے آخری ایّام میں حکومت کی لیکن اس کی حکومت کی زیادہ تر مدت خلیفہ معتضد کے زمانے میں گزری۔

جب الیون بن بسیل ہلاک ہو گیا تو روم کی حکومت اس کے بیٹے کو ملی جو اسکندروس کے نام سے مشہور ہے لیکن عوام اس کی حکومت سے خوش نہیں تھے، اس لیے انہوں نے اسے معزول کر کے حکومت اس کے بھائی لاوی بن الیون بن بسیل صقلبی کے سپرد کر دی۔ لاوی کا دورِ حکومت کچھ عباسی خلفاء معتضد و مکتفی کے زمانے میں اور زیادہ تر عباسی خلیفہ مقتدر کے زمانے میں گزرا۔

لاوی کی ہلاکت کے بعد اس کا کمسن بیٹا روم میں تختِ حکومت پر بیٹھا جسے قسطنطین کہا جاتا ہے لیکن چونکہ وہ ابھی بچہ تھا اس لیے اس کی شرکت میں نظامِ حکومت بطریقِ بحر " ارمنوس " نے سنبھالا اور لڑائیوں کے موقع پر رومی افواج کی کمان بھی اپنے ہاتھ میں لی۔ اس نے قسطنطین کی شادی اس کے

---

[1] بعض نسخوں میں " اسبتراق بن نقفور بن اسبتراق " لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " بن فلفط " لکھا ہے (مترجم عربی)

[3] " " " نطر توفیل " " " (" ")

وٹکپن ہی میں اپنی بیٹی سے کر دی - یہ تمام واقعات خلفائے عباسی المقتدر، القاہر، الراضی اور المتقی کی حکومت کے آخری ایام میں گزرے اور آج کل ہمارے وقت میں کہ ۳۳۲ ہجری ہے روم میں قسطنطین ہی کی حکومت ہے جب کہ ادھر مدینۃ العلم بغداد میں ابی اسحق المتقی بن المقتدر مسند خلافت پر متمکن ہیں۔

"آج کل ہمارے زمانے میں روم کے اقتدار حکومت میں تین اشخاص شامل ہیں - پہلا شخص ارمنوس ہے جس کے ہاتھ میں جملہ امور سلطنت ہیں، دوسرا شخص قسطنطین بن لاوی بن الیون بن بسیل ہے اور تیسرا ارمنوس کا بیٹا اسطفنوس[1] ہے - اسے بھی شاہی اختیارات حاصل ہیں کیونکہ وہ قسطنطنیہ کا بطریق اعظم ہے اور جملہ اہل مذہبی معاملات میں اسی سے رجوع کرتے ہیں، لہٰذا روم کا کاروبارِ حکومت انہیں تینوں کے ہاتھ میں ہے -

روم کے ملکی، سیاسی اور مذہبی حالات وکوائف اب تک تو وہی ہیں جو ہم نے ابھی بیان کیے - یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ کل (یعنی آئندہ) کیا ہوگا -

ملوک روم کی مجموعی مدت حکومت

روم کے نصرانی حکمرانوں کی مجموعی مدت حکومت قسطنطین بن ہلانی کے زمانہ حال تک پانچ سو سات سال ہوتی ہے اور وہاں کے حکمرانوں کی مجموعی تعداد جس میں ارمنوس شامل ہے آج تک اکتالیس ہوتی ہے - اگر اس میں ارمنوس کے بیٹے اسطفنوس کو بھی جسے شاہی اختیارات حاصل ہیں شامل کر لیا جائے تو روم کے نصرانی حکمرانوں کی مجموعی تعداد ہمارے زمانے تک بیالیس ہو جائے گی -

مورخین نے اخبار عالم کے تحت ہبوط آدم سے لے کر اب تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک ایام عالم کی مدت چھ ہزار دو سو انسٹھ (۶۲۵۹) سال بتائی ہے - ہم زیر نظر کتاب کے ایک اگلے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کریں گے -

---

[1] بعض نسخوں میں "اسطفانس" لکھا ہے (مترجم عربی)

مصر، ملوکِ مصر، نیل اور اس کے عجائبات

قرآن میں ذکرِ مصر اللہ جل شانہٗ نے مصر کا اپنے کلام پاک میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے۔ ایک جگہ فرمایا:- وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ الخ (۱۲ : ۱۲ : ۲۱[1]) ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:- وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ الخ (۱۳ : ۱۲ : ۹۹[2]) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:- وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا الخ (۱۱ : ۱۰ : ۸۷[3]) ایک جگہ ارشاد فرمایا:- اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ الخ (۱ : ۲ : ۶۱[4]) اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا:- وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ[5] امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ الخ (۱۳ : ۱۲ : ۳۰[6])

مصر کی تعریف و توصیف بعض حکماء نے بھی مصر کی تعریف و توصیف کی ہے۔ ان میں سے ایک نے یہ کہا: "مصر کے تین مہینے سفید موتی ہیں، تین مہینے مشک جیسے سیاہ، تین مہینے زمرد جیسے اور تین مہینے سونے کی طرح چمکنے والے۔ اس دانشور نے مصر کی جو تعریف و توصیف کی ہے کہ مصر کا محل وقوع ایسا ہے کہ اسے شہرِ اسباب کہیے یعنی سفید موتی کی طرح پُرنور اگرچہ یہ مہینے گرمی کے ہیں۔ اگلے تین مہینے برسات کے ہیں جب ہر طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے کہ آپ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا چاہیں تو کشتی کے بغیر نہ جا سکیں لیکن یہ مہینے بھی انتہائی خوشگوار ہوتے ہیں۔ اگلے تین مہینے موسم بہار کے ہوتے ہیں جب ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہوتا ہے، درخت از سرِ نو

---

[1] ، [2] ، [3] ، [4] (حوالہ جات از شادانی)

[5] یہاں مدینہ سے مراد مصر ہے (شادانی)

[6] حوالہ از شادانی۔

سرسبز ہو جاتے ہیں، کلیاں چٹکتی اور پھول کھلتے ہیں غرض ہر چیز زمردیں نظر آتی ہے، پھر موسم سرما آتا ہے تو بظاہر موسم ٹھٹھرا ہوا اور راتیں تاریک ہوتی ہیں مگر جب مہاوٹیں برستی ہیں تو زمین کی رنگت ہر چند سیاہ ہو جاتی ہے لیکن مٹی سے اٹھنے والی خوشبو بالکل مشک کی خوشبو جیسی ہوتی ہے۔ اس کے بعد تین مہینے فصلوں کے پکنے کے ہوتے ہیں جن کی سنہری بالیاں سونے کی چمک دمک کو مات کرتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام زرعی زمینیں سونے کی ہو گئی ہیں۔ خوش رنگ و نفع بخش۔"

ہم زیر نظر کتاب میں بھی آگے چل کر ان مہینوں اور موسموں کا ذکر ان کی سریانی، عربی اور فارسی تقسیم کے لحاظ سے کریں گے اگرچہ یہ ذکر ہم اپنی اس سے پہلی تالیف کتاب الاوسط میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔

آخر میں ایک دوسرے دانشور کی قابل تعریف مرصع تحریر دیکھیے۔ وہ مصر کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہے:۔

"(مصر کا) دریائے نیل عجیب و غریب ہے، اس کی زمین سونا ہے، اس کی خوبیاں دلکش ہیں، اس کے ملک سے جو چاہے لے لو، اس کا ہر مال اور ہر چیز مرغوب ہے، اس کے باشندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی آواز دور تک سنی جائے، ان کی عبادت درحقیقت عبادت ہے، ان کا سلام پُرجوش اور ان کی جنگ واقعی جنگ ہوتی ہے۔ بہر کیف مصر اسی کا ہے جو اس پر چھا جائے۔"

نیل مصر کا دریا دریائے نیل ہے جسے دریاؤں کا بادشاہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ واقعی سادات الانہار اور اشراف البحار ہے۔ کیونکہ شرعی خبروں کے مطابق یہ جنت سے نکلا ہے۔ یہی بات دریائے سیحان کے بارے میں بھی کہی جاتی ہے۔ اس دریا کو دریائے اذنہ بھی کہتے ہیں، اس کا مخرج شام کے پہاڑوں میں ہے جہاں سے نکل کر وہ بحر روم میں جا ملتا ہے۔ اس کا مخرج تین دن بند رہتا ہے اور تین دن کے بعد پھر پھوٹنے لگتا ہے۔ یہ دریا بلادِ روم سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس کے کنارے مسلمانوں کا کوئی شہر شہر اذنہ کے علاوہ نہیں ہے جو طرطوس اور مصیصہ و جیحان کے درمیان واقع ہے۔ اس کے مخرج کو چشمۂ جیحان بھی کہتے ہیں۔ بحر روم تک بھی اس دریا کے کنارے مسلمانوں کا کوئی شہر مصیصہ و کفر بیّا[1] کے سوا نہیں ہے۔ سیحان ان دونوں شہروں کے بیچ سے ہو کر گزرتا ہے۔ دریائے نیل کے بعد دریائے فرات اور دریائے دجلہ کا ذکر کیا گیا ہے سو دریائے نیل کے بارے میں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بتا چکے ہیں کہ اس کا مخرج باغ جنت بتایا جاتا ہے اور اسی طرح دریائے دجلہ کا مخرج بھی اسی کو بتایا جاتا ہے انہیں دو دریاؤں کا شمار دنیا کے بڑے بڑے دریاؤں میں ہوتا ہے۔

ہم نیل کی طغیانیوں دنیا کے دوسرے چھوٹے بڑے دریاؤں اور بحار و بحیرات کا حال اپنی پچھلی

---

[1] بعض نسخوں میں "کفر یاد" لکھا ہے (مترجم عربی)

کتاب "اخبار الزماں" میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کا اعادہ نہیں کیا گیا۔

مصر کو دنیا کی بستیوں کی شہزادی اور شہروں کا رئیس کہا جاتا ہے۔ قرآن میں بھی فرعون اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے اس کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ مصر کا دریا دریائے نیل ہی ساری دنیا میں ایک ایسا دریا ہے جسے بحر (سمندر) کہا جاتا ہے اور اس کے مدوجزر کو چاند کے گھٹنے بڑھنے سے منسوب کیا جاتا ہے زید بن اسلم نے مصر کی تعریف میں قرآن کے حوالے دیے اور اس سلسلے میں بعض شعراء کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ مثلاً:-

مصر کی کیا شان ہے کیا بات ہے　　　　نیل کا دکھنی ہوا کا سات ہے

(ترجمۂ منظوم از شادانی)

وہ مصر ہی ہے جس کے نام میں بے مثل معنویت ہے یعنی اسی کے نام پر شہر کو مصر اور شہروں کو امصار کہا جاتا ہے۔ اہل بصرہ نے بھی اس اشتعات کا ذکر کیا ہے۔

مصر کی زراعت کا دارومدار دریائے نیل سے آبپاشی پر ہے۔ اہل مصر کو پینے کا پانی بھی یہی دریا مہیا کرتا ہے۔ اس لیے اس دریا کو اہل مصر اپنے لیے نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں لیکن اس کی طغیانی سمندری طوفانوں سے کم نہیں ہوتی جن سے قریبی شہر تک غرقاب ہو جاتے ہیں۔ یہی حال دریائے نیل کا ہے کبھی کبھی اس کی طغیانی سے چوتھائی مصر زیر آب آجاتا ہے۔ ان ایام کو اہل مصر وبائی ایام کہتے ہیں۔ یہ حالت جب ہوتی ہے جب نیل کا پانی اپنی معمولی سطح سے اٹھارہ گز تک بلند ہو جاتا ہے۔ اب تک نیل کا پانی اس سے زیادہ ایک دفعہ کے سوا کبھی اونچا نہیں ہوا۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں پیش آیا تھا۔ اس وقت نیل کی سطح اپنی معمولی سطح سے انیس گز اونچی ہو گئی تھی۔ نیل کی طغیانی سے اہل مصر کے دوسرے نقصانات کے علاوہ سرکاری محصولات پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔

جب دریائے نیل کا پانی اپنی معمولی سطح سے بھی کم ہو جاتا ہے تو اہل مصر وہاں سے پانی لے کر اسے پینے کے لیے ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ یہ میٹھا پانی واقعی بے حد مصفا ہوتا ہے اور اس پر اہل مصر بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔ دریائے نیل مصر کے علاوہ اپنے سواحلی علاقوں کی دوسری بستیوں کو بھی سیراب کرتا ہے اور ان کی زراعت کے لیے آبپاشی کے بھی کام آتا ہے۔

شب غطاس مصر میں شب غطاس کی تقریب بڑے شاندار طریقے سے منائی جاتی ہے جو نصرانیوں کی عید صلیب سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے۔ یہ جشن منانے کے لیے مصر کے شہری ہوں یا دیہاتی ساری رات جاگتے ہیں۔ شب غطاس کسی زمانے میں نیل کی طغیانی سے نجات کے بعد

شروع ہوئی تھی اور اب تک اس کی تعداد ۳۳۰ راتیں ہو چکی ہے۔ اس شب کا سب سے بڑا اجتماع محمد بن طغج کے مکان واقع "مختارہ" میں ہوتا ہے۔ یہ نیل کا ایک جزیرہ ہے جہاں لوگ اس تقریب میں شرکت کے لیے کشتیوں کے ذریعہ جاتے ہیں۔ شب غطاس کا جشن طوبہ کی اکیسویں شب اور کانون ثانی کی چھٹی تاریخ گزرنے کے بعد منایا جاتا ہے۔

مقیاس آب

کہتے ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں اہرام کے قریب عمارات تیار کی گئی تھیں تو اس سے قبل دریائے نیل کے آثار چڑھاؤ کا اندازہ کرنے کے لیے مصر کی کسی ضعیفہ نے مقیاس آب بنائی تھی ورنہ اس وقت تک لوگ نیل کی طغیانی اور دریا کی غضبناکی سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے چڑھاوے چڑھاتے تھے جو فرعون کے خزائن میں افراط کا باعث بنتے تھے لیکن یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ دشمن خدا فرعون اللہ تعالےٰ کے حکم سے وہیں غرق ہوا تھا جہاں یہ چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ مصر میں غلبہ اسلام کے بعد دریائے نیل کے آثار چڑھاؤ کا اندازہ کرنے کے لیے اب وہی طریقہ ہے جو ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں۔

مصر میں ایک سال بدترین خشک سالی کا واقعہ جب دریائے نیل خشک ہو گیا تھا، عزیز مصر نے خواب دیکھا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر بتائی تھی اب تک زبان زد خاص و عام ہے۔

بحیرۂ تنیس و دمیاط

احمد بن طولون مصر میں ایک ایسا طویل العمر شخص تھا جسے مصر اور اس کے اطراف و جوانب کے بارے میں بہت سی بیان کردہ اور ذاتی معلومات حاصل تھیں۔ چنانچہ بحیرۂ تنیس و دمیاط کے بارے میں اس کی فراہم کردہ معلومات کو قابل اعتماد تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ "مصر میں بحیرۂ تنیس و دمیاط کا علاقہ ایسا تھا جس کی مثال روئے زمین پر ملنا مشکل ہے۔ اس کی اوپری مٹی ہو یا نمناک دونوں ایسی زرخیز تھیں کہ وہاں کے اشجار، باغات، سبزہ زار اور لہلہاتے کھیت جنت کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ یہ بحیرہ اپنی نہروں کے لحاظ سے بھی جنت ارضی کہلانے کا مستحق تھا۔ اس سطح مرتفع کی آبادی بھی اپنی مثال آپ تھی جس کے تراشیدہ پتھروں سے تعمیر کردہ مکانات زینہ بہ زینہ بلند سے بلند تر ہوتے ہوئے عجیب دلکش منظر پیش کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے دلکش مناظر مصر میں کسی دوسری جگہ تو کیا ساری دنیا میں کہیں نہ ہوں گے اس لیے اسے جنت ارضی کہا جاتا تھا۔ سمندر سے لے کر وہاں کے ایک موضع اشترم تک ایک دن کی مسافت کا فصل تھا یعنی اس جزیرے تک پہنچنے کے لیے ہر جانب سے سمندر میں ایک دن سفر کرنا پڑتا تھا۔ پہلے عرلیش اور جزیرہ قبرص کے لیے یہاں سے الگ الگ سمندری

راستے اختیار کیے جاتے ہیں جب کہ ان دونوں قبرص عریش اور اس جزیرے کے درمیان آ گیا ہے۔ اس لیے یہاں سے عریش تک جانے کے لیے اب قبرص کا چکر لگا کر جانا پڑتا ہے جس کا سمندری راستہ پہلے کی بہ نسبت اب طویل ترین ہو گیا ہے۔ یہاں سے مغرب میں فارس اور اندلس تک جہاں بحر روم کے ساحل میں متعدد خوشنما جزیرے تھے اور کشتی کے ذریعہ ان دونوں مقامات کے راستے میں ان جزیروں کے اونچے اونچے درخت، وہاں کی آبادیاں اور ان کی چراگاہوں میں چرتے ہوئے جانور سب کچھ نظر آتا تھا اور یہ مناظر بھی بڑے دلکش تھے مگر اب یہ سب جزیرے غرقاب ہو گئے ہیں۔"

احمد بن طولون کی بیان کردہ یہ باتیں مصر میں بہت مشہور ہیں اور آج تک کسی نے ان کی تردید نہیں کی، اس لیے ہم نے بھی ان پر کوئی تبصرہ غیر ضروری سمجھا ہے۔

اہرام

احمد بن طولون سے اہرام مصر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا:-

"یہ مصر کے قدیم بادشاہوں کی قبریں ہیں، ان کی میتوں کے لیے پتھر کے تابوت تیار کیے جاتے تھے، ان تابوتوں کو مصر اور شام میں جرنی[1] کہا جاتا تھا، ان تابوتوں پر دھات کے پتر چڑھائے جاتے تھے، پھر ان تابوتوں کو زمین میں تدفین کے لیے پہلے سے تیار کردہ منصوبے کے مطابق حوض کی طرح کے "ہرم" بنائے جاتے تھے، ان اہرام کی گہرائی قریباً سو ہاتھ ہوتی تھی، انھیں چھت ڈال کر بند کر دیا جاتا تھا پھر ان اہرام کے گرد پہلے کی طرح سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق بنیادوں سے لے کر اوپر تک حسب منشا بلند مدور دیواریں تعمیر کی جاتی تھیں۔ ان دیواروں میں ایک طرف اہرام میں داخلے کے لیے دروازے بنائے جاتے تھے جو اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔"

احمد بن طولون سے دریافت کیا گیا:-

"لوگ ان اہرام کی دیواریں تعمیر کرنے کے لیے ان کی چوٹیوں تک اتنے بڑے بڑے بھاری پتھر کس طرح پہنچاتے ہوں گے؟"

اس نے جواب دیا:-

"میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ اس کام کے لیے اس زمانے کے لوگ اپنے بادشاہوں کے احترام میں رضاکارانہ کام کرتے تھے۔ جب یہ دیواریں قد آدم سے بلند ہو جاتی تھیں تو ان کے

---

[1] بعض نسخوں میں "جیرون" لکھا ہے (مترجم عربی)

گرد جیسا آج کل دستور ہے پاڑیں باندھی جاتی تھیں جو اب سے کہیں زیادہ چوڑی اور مضبوط ہوتی تھیں۔ کئی کئی آدمی مل کر پتھر کی تراشیدہ بڑی بڑی وزنی سلیں سروں پہ اُٹھا کر باری باری سے درجہ بدرجہ ان پاڑوں پہ چڑھتے تھے اور جیسا کہ سب جانتے ہیں ان اہرام کے گرد یہ اس قدر بلند و بالا مدوّر دیواریں تعمیر کرنے میں بے شمار رضا کاروں نے جانیں گنوا دیں تھیں لیکن ان کے پسماندگان کو اس کا ذرا بھی ملال نہیں تھا اور دوسرے رضا کار کارکن بھی ان کی تعمیر میں برضا و رغبت اور ہنسی خوشی آخر تک مصروف رہے، وہ گر گر کر مرتے رہے لیکن ان کی ہمت پہ آفریں ہے کہ انہوں نے اس ناقابل تصوّر پُر مشقت کام کو تکمیل تک پہنچا کر چھوڑا جس کی وجہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یعنی پس مرگ بھی اپنے بادشاہوں کا حد سے زیادہ قابل قدر احترام اور اپنے کام میں دیانت۔"

جب اس سے پوچھا گیا کہ ان اہرام کی دیواروں پہ جو عبارتیں تحریر ہیں کیا آپ انہیں پڑھ سکتے ہیں؟ اگر پڑھ سکتے ہیں تو بتایئے کہ ان کا کیا مطلب ہے تو اس نے جواب دیا:۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ عبارتیں ان اہرام کی تعمیر کے بعد قدیم مصری زبان میں ان پہ لکھی گئی تھیں اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے ان اہرام کی انہیں تفصیلات پہ مشتمل تھیں جو میں نے ابھی بیان کیں لیکن جب مصر پہ رومیوں نے غلبہ حاصل کیا تو انہوں نے ان عبارتوں کو اپنی زبان اور اسی کے رسم الخط میں بدل دیا اور اس کے بعد جب مصر پہ قبطیوں نے اقتدار حاصل کیا تو انہوں نے ان عبارات کو اپنی زبان اور اس کے رسم الخط میں بدل ڈالا اور اب وہی ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھ سکتے ہیں۔"

جب اس سے دریافت کیا گیا کہ نسل آدم میں سب سے پہلے مصر میں کون آباد ہوا تھا تو وہ بولا:۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہوا مصر میں سب سے پہلے مصر بن بیصر بن حام بن نوح آیا تھا اور اس کی تین نسلیں یہاں گزریں جس کے بعد اس کی اولاد دنیا میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئی۔"

جب اس سے دریافت کیا گیا کہ مصر میں سنگِ رخام نکلنے کے بارے میں اسے کچھ معلوم ہے تو اس نے جواب دیا:۔

"جی ہاں، میں جانتا ہوں۔ مصر میں سب سے پہلے بندرگاہ سعید کے مشرقی جانب سنگِ رخام دریافت ہوا تھا، وہاں جو پہاڑ ہے وہ سب کا سب سنگ رخام کا ہے لہٰذا مصر میں سب سے پہلے عمارتوں کی تعمیر میں اسی سے کام لیا گیا لیکن جب اس کے بعد جب یہاں سنگِ رمل اور سنگ نقر یعنی ریتلے پتھر اور سفید پتھر جن پہ کچھ لکھا بھی جا سکتا تھا تو سنگ رخام کا استعمال جسے سنگ عمد بھی کہتے تھے ترک کر دیا گیا کیونکہ اس میں نمی پائی جاتی تھی، تاہم سنگ رخام کا استعمال اسکندریہ اور باقی یونان میں

صدیوں جاری رہا کیونکہ مصر میں سنگ مرمر نصرانیت آجانے کے دو صدی بعد دریافت ہوا تھا اس لیے اس سے قبل یونان کو یہاں سے سنگِ رخام ہی جاتا تھا۔ ویسے مصر میں بھی اسوان کی ساری تعمیرات اس سے قبل سنگِ رخام ہی سے بنائی گئی تھیں کیونکہ مذکورہ پہاڑ وہاں سے قریب ترین تھا اور اسوان تک اس کے حمل و نقل میں آسانی تھی۔ اس کے علاوہ سنگِ رخام سے عمودی ٹکڑے کاٹے جاتے تھے وہ دوسرے پتھروں سے سالم نکل آنے والے ٹکڑوں میں سب سے بڑے ہوتے تھے۔ ویسے بھی ایسا سنگِ رخام مصر کے سوا دنیا میں اور کہیں نہیں پایا جاتا۔"

جب اس سے شہر "عقاب" کے بارے میں دریافت کیا گیا تو وہ بولا :۔

"وہ شہر اہرام کے مغربی علاقے دصیر و جیزہ میں ہے۔ وہاں کے بحری ساحل پہ ہفتے میں پانچ دن بڑے بڑے جہاز آکر ٹھہرتے تھے۔"

اس نے مدینۂ عقاب کے بارے میں گفتگو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ وہاں کے لوگ بہت مہذب اور اس کا معاشرہ بہت ترقی یافتہ ہے۔ وہاں مال و دولت اور زر و جواہر کی بھی کثرت ہے اسی لیے لوگ اسے "مدینۃ العقاب" کہتے ہیں۔ اس نے شہر عقاب کے علاوہ شہر اخیم کا بھی ذکر کیا جو اہرام کے غربی علاقے ہی میں ہے۔ اس نے اس شہر کے بارے میں بھی بہت سی عجیب و غریب باتیں بتائیں اور یہ بھی بتایا کہ بندرگاہ سعید سے چلیں تو وہاں تک پہنچنے میں اندازاً چھ دن سفر کرنا ہوگا۔

جب اس سے نوبہ اور اہلِ نوبہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا :۔

"وہ بڑی اچھی جگہ ہے، وہاں کے رہنے والے بڑے خوش نصیب ہیں، ان کے پاس اونٹوں، بھیڑوں، بکریوں وغیرہ کے بے شمار ریوڑ ہیں، وہ کسی قدیم نسل کے لوگ ہیں، عموماً گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں، ان کے تیر عربی لکڑی کی طرح مضبوط لکڑی کے بنے ہوتے ہیں، وہ تیر خوب چلاتے ہیں۔ تیراندازی، حجاز، یمن اور دوسرے اہلِ عرب نے وہیں سے لی ہے، یہی وجہ ہے کہ اہلِ عرب انہیں تیراندازی کا ماہر کہتے ہیں۔ نوبہ میں کھجوریں، انگور اور کیلے کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، وہاں گیہوں اور دوسرے غلّے بھی بہت پیدا ہوتے ہیں، وہاں کی زمین زراعت اور باغات کے لیے بہت اچھی ہے، درحقیقت اس سلسلے میں وہ یمن ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔ وہاں کے میوے "اترج" کو ساری اسلامی دنیا میں دیکھ ڈالیے گا کہیں نہ ملے گا اور ملا بھی تو اس سے بڑا نہ ہوگا۔ وہاں کے حکمرانوں کا خیال ہے کہ وہ قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے حدودِ حکمرانی میں نوبہ کے علاوہ مقرا و علوہ بھی آتے ہیں۔ علوہ سے آگے سوڈانی قوم آباد ہے جسے "کنہ" بھی کہتے ہیں وہ

لوگ اہل حبش کی طرح سیاہ فام ہوتے ہیں۔ وہاں کی کانوں سے سونا نکلتا ہے۔ دریائے نیل سوڈان میں پہنچ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جس سے سوڈان میں ایک بڑی سی خلیج نکل آئی ہے جو بڑھ کر نوبہ تک چلی جاتی ہے۔ اس خلیج میں دریائے نیل کا پانی اس قدر جمع ہو جاتا ہے کہ موسم گرما میں جب نیل کی سطح کم ہو جاتی ہے تب بھی یہاں پانی کی کثرت ہوتی ہے۔ ویسے وہاں خشک زمین زیادہ ہے اور سبزہ کم اُگتا ہے کیونکہ مذکورہ خلیج کا پانی سمندری پانی کی طرح کھاری ہو جاتا ہے اور اس لیے اہل سوڈان کو دریائے نیل کے پانی پر انحصار کرنا پڑتا ہے جو وہاں سے قدرے دُور بھی پڑتا ہے۔ مذکورہ بالا سوڈانی خلیج آگے جنوب میں بڑھ کر ساحل حبشہ تک چلی جاتی ہے اور وہیں سمندر میں جا ملتی ہے۔

فیوم و منہی و حجر لاہون

احمد بن طالون سے لوگوں نے نواحِ مصر میں فیوم، منہی اور لاہون کی بستیوں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا:۔

کہتے ہیں کہ مصر کے قریب ایک چھوٹی سی بستی منہی کے سوا پہلے کوئی دوسری بستی نہ تھی لیکن جہاں اب فیوم نام کی بستی ہے اس جگہ کسی زمانے میں ایک رومی کنیز اور اس کا بیٹا یاماں آئے تھے، انہیں نے اس بستی کی وہاں بنیاد ڈالی تھی جو بڑھتے بڑھتے بہت بڑی بستی بن گئی اور وہ اب تک اسی رومی کنیز فیوم کے نام سے منسوب ہے وہاں سال بسال نئی نئی عمارتیں بھی بنتی رہی تھیں۔ منہی کے متعلق اس نے کہا کہ اس چھوٹی سی بستی کے قریب سے جس کا پہلا نام کسی کو معلوم نہیں دریائے نیل گزرتا تھا لیکن ایک سال جب دریا میں شدید طغیانی کی وجہ سے اس بستی کے تہ آب آجانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے دُعا فرمائی تھی اور دریا کا سیلابی پانی بحکم الٰہی آگے بڑھنے سے رُک گیا تھا، پھر وہی رکاوٹ اس بستی کی وجہ تسمیہ بن گئی۔" فیوم کے بارے میں اس نے بتایا:۔

"دریائے نیل میں ایک سال طغیانی آجانے سے اس کا سیلابی پانی مذکورہ بستی فیوم کی طرف پھیلا تو اس بستی سے کسی قدر پہلے ایک خلیج بن گئی اور پھر وہ سارا علاقہ اسی طرح رفتہ رفتہ خلیج در خلیج بنتا چلا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد ان میں سے ایک خلیج منجمد ہو گئی اور اس پر پتھریلی زمین کا گمان ہونے لگا، پھر کچھ عرصہ بعد وہ پتھریلی زمین جگہ جگہ سے شق ہوئی اور اس میں بقضائے الٰہی میٹھے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے تو آس پاس کے لوگ وہاں آکر آباد ہونے لگے اور انہوں نے بہت سی چھوٹی بڑی عمارتیں بھی تعمیر کر لیں جو وہیں کے پتھروں سے تعمیر کی گئی تھیں۔ اس طرح پہلے وہ قدرتی پتھریلا علاقہ "لاہون" کہلایا۔ اس علاقے کے پتھروں کو احجار لاہون کہا جاتا تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ ساری بستی ہی "حجر لاہون" کہلانے لگی۔ دوسرے ممالک کے حکمران جب مصر آئے اور انہوں نے یکے بعد دیگرے یہاں غلبہ حاصل کیا تو وہ فراعین مصر، اہرام مصر اور دریائے نیل کے عجائبات کا حال

سن کر حیران رہ گئے لیکن انہوں نے جب بستی ” حجر لاہون “ کے ابتدائی واقعات سنے تو ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔“

اس سے مصر میں قبطیوں کی آمد کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ مصر پہ نصرانی رومیوں کے غلبے کے فوراً بعد وہاں آنے لگے تھے لیکن اس وقت ان کی تعداد زیادہ نہ تھی جو بعد میں بڑھتے بڑھتے بہت زیادہ ہو گئی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ جب وہ ظہور اسلام کے بعد مصر کے ایک علاقے کا حکمران تھا تو ان دنوں اس کی مجلس میں ایک قبطی کو لایا گیا جو نصرانی تھا۔ اس سے دین مسیحی کے بارے میں بہت سے سوالات کیے تو اس نے فلسفۂ کائنات کے علاوہ بہت سے علوم ادیان کے مسائل چھیڑ دیے اور نصرانیت کی حمایت میں طول طویل تقریر کر ڈالی۔ جب اس سے اسلام پہ نصرانیت کو ترجیح دینے کے بارے میں سوال کیا گیا تو ہر چند بحر العلوم ہونے کا مدعی ہونے کے باوجود اس سلسلے میں اس کے لاتعداد دلائل میں سے عقلی طور پہ ایک دلیل بھی قوی نہ تھی لیکن اس کے مذہب سے اس لیے تعارض نہیں کیا گیا کیونکہ اسلام نہ صرف جبر و تشدد کی ممانعت کرتا ہے بلکہ کسی کے مذہبی معتقدات سے تعارض نہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے اسی لیے اب مصر میں ان گنت نصرانی قبطی موجود ہیں۔ احمد بن طولون کو مصر کے ایک علاقے پہ اس کی حکمرانی کے زمانے سے سلطان احمد طولون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ابن طولون کی ایک مجلس میں اس کے یہودی طبیب اور ایک نصرانی قبطی کے درمیان توریت و انجیل کے حوالے سے ان کے مذہبی مباحات و احکام میں تضادات کے بارے میں بھی ایک طویل مگر دلچسپ مباحثہ ہوا تھا۔ اس مجلس میں فلاسفہ، دیصانیہ، ثنویہ، صابیہ اور مجوس کے علاوہ بعض مسلم متکلمین بھی موجود تھے۔ قبطیوں میں کچھ یہودی تھے اور کچھ نصرانی تھے، یہودیوں اور نصرانیوں سے سوال کیا گیا تھا کہ جب توریت میں بھائی کی بیٹی سے نکاح کا کسی جگہ جواز نہیں پایا جاتا اور اسی طرح انجیل میں بھی کہیں اس کی اباحت نہیں ملتی اور مجوسی تک اسے برا سمجھتے ہیں تو اہل یہود اہل نصاریٰ اسے تا حال کیوں جائز سمجھتے ہیں تو احمد بن طولون کے یہودی طبیب کے سوا جس نے اس کے مذہبی جواز کی بھرپور تردید کی تھی اور یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کے کچھ لوگوں نے جو وہاں موجود تھیں مذکورہ بالا یہودی طبیب کی اپنے اپنے مذہب کے لحاظ سے تائید کی تھی لیکن ان دونوں جماعتوں کے باقی لوگ یہ کہہ کر کہ بھتیجی کسی کی اپنی سگی بیٹی نہیں ہوتی اور یہ کہ ازمنۂ قدیم سے اس کا رواج چلا آتا ہے اس موضوع پہ مزید گفتگو سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ یہود و نصاریٰ کی تحریر کردہ کتب تواریخ میں اس مباحثے کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا لیکن ہم نے احمد بن طولون کے مستند بیانات کے حوالے سے اس کی تفصیلات اپنی

کتاب "المقالات فی اصول الدیانات" میں بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے یہودی ونصرانی قبطیوں کے اس رواج کی اسلامی احکام کے حوالے سے بڑزور مخالفت کی تھی لیکن اس سلسلے میں اسلام ہی کے احکام کے تحت جن میں کسی کے مذہبی یا غیر مذہبی یعنی رواجی معتقدات و اعمال میں مداخلت نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے انہیں ان پر عمل پیرا رہنے کی آزادی دے دی تھی۔

مصر اور نیل کے عجائبات

مصر اور اس کے دریا نیل کے عجائبات بے شمار ہیں، اس کی بری و بحری کوئی جگہ ہو وہ درحقیقت عجوبہ روزگار نظر آتی ہے، اس کے جملہ حیوانات بھی اپنی اپنی جگہ مشہور و ممتاز ہیں خصوصًا دریائے نیل کی مچھلیوں کی ایک قسم جو رعادہ کے نام سے مشہور ہے، وہ لمبائی میں صرف ہاتھ برابر ہوتی ہے لیکن جب وہ کسی شکاری کی بنسی میں پھنس جاتی ہے تو وہ اس کے ہاتھوں بلکہ سارے جسم کو لرزا کر رکھ دیتی ہے، اسے پانی سے نکال کر بنسی سے علیحدہ کرنا شکاری کے لیے دشوار ترین کام ہوتا ہے، اگر اسے ہاتھ لگایا جائے تو وہ شکاری کے پنجے بلکہ پنجے تک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے، اگر کسی خود رو جھاڑی کی شاخ یا پتلی لکڑی کو اس کے پاس لایا جائے تو وہ اس کے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ غرض یہ کہ اسے بنسی سے نکالنا شکاری کے لیے دوبھر ہو جاتا ہے لیکن لذیذ اتنی ہوتی ہے کہ شاید ہی دنیا کی کوئی دوسری مچھلی لذت میں اس کا مقابلہ کر سکے۔ جالینوس نے اس کی ان صفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح مصر کے دریائی گھوڑے اپنی صفات میں ممتاز ہیں۔ جب وہ دریائے نیل سے نکل کر خشکی پر کچھ آگے آتے ہیں تو مصر کے لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ دریا اب کچھ دنوں تک نہ اس حد سے آگے بڑھے گا جہاں تک وہ گھوڑے آئے ہیں نہ اپنی پہلی سطح سے نیچے اترے گا کیونکہ ان کے تجربات اور مشاہدات نے اب تک یہی ثابت کیا ہے۔ ویسے بھی دریا کا اس حد سے آگے بڑھنا یا اس کا اس سطح سے نیچے اترنا اہل مصر کی زرعی فصلوں کے لیے آج تک ہمیشہ بلا استثناء علی الترتیب نفع بخش اور نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ مصر کی خاص خاص نباتات ان گھوڑوں کی مرغوب غذائیں ہیں۔ وہ اگر ان کے لیے کبھی کبھی کھیتوں میں داخل بھی ہو جائیں تو وہ انھیں روندتے نہیں بلکہ جیسا کہ تجربات و مشاہدات سے ہمیشہ ثابت ہوا ہے، بڑی احتیاط سے صرف انھیں پودوں کو تلاش کر کے اور انھیں سے پیٹ بھرتے ہیں جو ان کی مرغوب و پسندیدہ غذا ہوتے ہیں۔ اس پر بھی اگر وہ کبھی کبھار اپنی متعین و معمولی خوراک سے زیادہ کھا لیں تو انہیں کھیتوں کے کنارے لوٹ پوٹ کر اسے ہضم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ رات کے پچھلے پہر دریا سے باہر آتے ہیں اور نمود سحر سے قبل واپس چلے جاتے ہیں۔ جب کبھی وہ اپنی معمولی خوراک سے زیادہ کھا لیتے ہیں اور انھیں صبح سے پہلے

کھیتوں کے کنارے لوٹ کر اسے ہضم کرنے کا موقع نہیں ملتا تب بھی وہ حسب معمول پانی میں اُترنے کے لیے واپس ہونے لگتے ہیں لیکن ایسی صورت میں اکثر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس ذرا سی بد احتیاطی سے ان کا پیٹ شق ہو جاتا ہے اور وہ دریا کے کنارے ہی دم توڑ دیتے ہیں تاہم ایسا بہت کم ہوتا ہے کیونکہ وہ اگر کھیتوں کے کنارے لوٹ نہیں پاتے تو وہیں قے کر کے فالتو غذا پیٹ سے باہر نکال دیتے ہیں جو کھیتی باڑی کے لیے دنیا میں سب سے بہتر کھاد سمجھی جاتی ہے۔ یہ گھوڑے جب کبھی شاذ و نادر دریا کے کنارے پہنچتے پہنچتے پیٹ پھٹنے سے مرتے ہیں تو ان کے مُردہ جسم ایک آدھ گھنٹے سے زیادہ وہاں نہیں رہتے، خدا جانے انہیں آسمان اچک لیتا ہے یا زمین نگل لیتی ہے، وہاں ان کے مرنے کے اثرات پائے جاتے ہیں نہ ان کے پیٹ کی الائش کا کوئی نشان ملتا ہے۔ یہ انوکھا واقعہ صرف ارضِ مصر اور اس کے دریا نیل سے مخصوص ہے، دنیا میں کسی دوسری جگہ اس کی مثال نہیں ملتی اس لیے اسے مصر اور دریائے نیل کے عجائبات میں شمار کرنا کچھ بے جا نہیں۔

مصر میں ابنائے نوح کی آمد

ابنائے نوح میں سے مصر میں سب سے پہلے کون آیا؟ یہ سوال اپنی جگہ واقعی بڑی اہمیت کا حامل ہے لیکن علماء اہل مذاہب اور اہل اخبار و سیر نے اس سلسلے میں اب تک جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے بیصر بن حام بن نوح بابل چھوڑنے کے بعد سب سے پہلے اپنے اہل و عیال سمیت کے مغربی نواحی علاقے میں کہیں قریب ہی مصر آیا تھا۔ مذکورہ بالا حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ بیصر کے چار بیٹے تھے: مصر ابن بیصر، فاروق بن بیصر اور ماح و یارج۔ انہیں حضرات نے بعد تحقیق یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ بیصر مصری علاقے میں جہاں آکر ٹھہرا تھا اس جگہ کو اس زمانے میں منف کہتے تھے اور وہ جگہ آج تک اسی نام سے مشہور چلی آتی ہے۔ بیصر اور اس کے اہل خانہ کی تعداد چونکہ تیس تھی، اس لیے ان کے وہاں بس جانے کے بعد لوگ شروع شروع میں ان کی تعداد کی نسبت سے اس جگہ کو بھی ثلاثین[1] کہنے لگے تھے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اہل کشتی کی تعداد اسّی کی نسبت سے ارض جزیرہ اور بلاد موصل و بنی حمدان میں اس جگہ کا نام جہاں یہ لوگ آکر ٹھہرے تھے "مدینہ ثمانین" پڑ گیا تھا۔

بیصر نے کبر سنی میں عمر طبعی کو پہنچ کر اپنی وفات سے پہلے اپنے سب سے بڑے بیٹے مصر کو

---

[1] فرانسیسی نسخے کے سوا یہ لفظ کسی دوسرے نسخے میں نہیں پایا جاتا (مترجم عربی)

اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا جس وجہ سے نہ صرف منف بلکہ سارے مصر کے لوگوں نے بیصر کے انتقال کے بعد اسے اپنا حکمران تسلیم کر لیا تھا۔ پھر اس کی حکومت کے لحاظ سے عریش یا مشہور بستی شجرہ سے لے کر جو شام کی طرف عریش و رفح کے درمیان مصر کی آخری سرحدی بستی ہے، شام اور اس کے علاقے فلسطین تک اور ایلہ سے لے کر جو حجاز کی قدیم بستی تھی برقہ تک نیز ارض صعید کے علاقہ اسوان تک بڑھتی چلی گئی تھی۔ واضح رہے کہ منف سمیت اس وقت سے آج تک مصر اسی کے نام کی نسبت سے مصر کہلاتا ہے۔

مصر کے بھی چار بیٹے تھے۔ قبط، اشمون، اتریب اور صا۔ اس نے مصر کو ان چاروں میں برابر برابر تقسیم کر کے وہاں کی حکمرانی بھی اسی لحاظ سے انہیں سونپ دی تھی۔ چنانچہ مصر کے چار علاقے اشمون، قبط، اتریب اور صا اب تک انہیں کے نام سے منسوب چلے آتے ہیں۔ مصر میں قبط کی نسل سب سے زیادہ بڑھی اور پھلی پھولی۔ اس میں دوسرے بھائیوں کی اولاد شامل ہو جانے سے ان کے انساب خلط ملط ہو گئے۔ لیکن سارا مصر عموماً اقباط مصر ہی کے زیر تسلط رہا، اس کی واحد وجہ اولاد قبط کی کثرت تھی لیکن ان سب بھائیوں کی اولاد مصر میں ہمیشہ اولاد مصر بن بیصر بن حام بن نوح ہی کہلاتی رہی اور اب تک کہلاتی ہے۔

مصر کے جملہ ملوک

قبط بن مصر کے بعد اشمون ابن مصر، اس کے بعد صا بن مصر اور اس کے بعد اتریب ابن مصر یکے بعد دیگرے مصر کے حکمران ہوئے۔ اتریب کے بعد "مالیق بن دارس" اس کے بعد "حرایا بن مالیق" اس کے بعد "کلکی"[1] بن حرایا یکے بعد دیگرے حکومت مصر میں ایک دوسرے کے جانشین ہوئے۔ "کلکی" کی مدت حکومت سو سال کے قریب رہی جس کے بعد اس کا بھائی "مالیا[2] بن حرایا" اس کا جانشین ہوا، اس کے بعد "طولس بن مالیا" حکمران ہوا اور اس نے قریباً ستر سال حکومت کی، پھر اس کی بیٹی جو "حوریا بنت طولس" کے نام سے مشہور ہے اپنے طولس کی جانشین ہوئی اور اس نے تیس سال حکومت کی۔ وہ دنیا کی سب سے پہلی خاتون حکمران تھی، اس لیے دوسرے ممالک کے حکمرانوں کی ہوس آلود نظریں مصر کی طرف اٹھنے لگیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مصر بن بیصر کے بھائیوں کی اولاد کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، چنانچہ وہ دنیا میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے انہیں میں وہ بھی تھے جو ایک عرصے سے شام میں حکمرانی کر رہے تھے اور عمالیق کہلاتے تھے۔ ان

---

[1] بعض نسخوں میں "کلی" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " "مالیا بن حرایا" لکھا ہے (مترجم عربی)

شامی حکمرانوں میں سے "ولید بن دومع" اس وقت شام کا حکمران تھا۔ وہ حوریا بنت طولس بن مالیا[1] کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے مصر پر حملہ کر دیا۔ حوریا نے لڑائی میں اس کا مقابلہ کیا لیکن ہار گئی اور مصر پر ولید بن دومع کا قبضہ ہو گیا اور وہ جب تک ہلاک نہیں ہو گیا مصر پر حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا "ریان بن ولید" العملاقی مصر کا بادشاہ ہوا۔ اسی بادشاہ کو فرعونِ یوسف کہا جاتا ہے اور اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کے ساتھ کیا ہے۔ ہم اس کی تاریخی تفصیلات اپنی پچھلی کتاب کتاب الاوسط میں بیان کر چکے ہیں۔ ریان بن ولید کے بعد "دارم بن ریان" عملاقی، اس کے بعد "کامس بن معدان" عملاقی، اس کے بعد "ولید بن مصعب" یکے بعد دیگرے مصر کے بادشاہ ہوئے ولید بن مصعب ہی فرعونِ موسیٰ تھا۔ اس کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ بھی عمالیق ہی میں سے تھا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ لخم شامی کی اولاد میں سے تھا اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ قبطیوں میں سے یعنی مصر بن بیصر کی اولاد میں سے تھا۔ وہ جبر و استبداد اور ظلم و ستم میں مشہور ہے۔ یہی فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں گیا تھا جب وہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لے جا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ہمراہیوں کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا دیا تھا لیکن جب یہ فرعون اسی راستے پر ان کے تعاقب میں آگے بڑھا تو وہ راستہ بحکم الٰہی تہ آب آ گیا اور فرعون مع اپنے ساتھیوں کے سمندر میں غرق ہو گیا۔ اس کے بعد جو لوگ جن میں بوڑھے، بچے، عورتیں اور شاہی خدام و غلام شامل تھے مصر کی سرزمین میں باقی رہ گئے تھے انہیں اندیشہ ہوا کہ شام اور مغرب کے حکمران ان پر حملہ کر کے مصر پر قبضہ جما لیں گے، اس لیے انہوں نے ایک صاحبِ عقل و تدبر خاتون "دلوکہ" کو اپنی حکمران بنا لیا۔ اس نے اپنی قلمرو کو صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کر کے وہاں شہر بنائے اور قلعے تعمیر کرا دیے۔ ان صوبوں میں جہاں مرکزی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ علیحدہ علیحدہ حاکم یا گورنر تھے اگرچہ ایک دوسرے سے کافی فاصلہ تھا لیکن ان کی زبان اور لب و لہجہ ایک ہی رہا اور اب تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک قریب قریب ایک ہی ہے ان شہروں اور دوسری بستیوں کے گرد حصار یا دیواریں اس لیے تعمیر کی گئی تھیں کہ وہاں بھیڑیوں اور دوسرے جنگلی درندوں نیز خوفناک بحری جانوروں کے گھس آنے کا خوف تھا۔ اس کے علاوہ انہیں قریب و جوار کے بادشاہوں کے حملوں اور خانہ بدوش صحرا نشینوں کی لوٹ مار کا بھی اندیشہ

---

[1] بعض نسخوں میں طولیس بن بادیا لکھا ہے (مترجم عربی)

رہتا تھا۔

دلوکہ نے جو دنیا کی سب سے پہلی خاتون حکمران تھی مصر میں دیوی دیوتاؤں کے لیے منادر اور طبیعات، کیمیا، حیوانیات، نباتیات اور ریاضیات پر تحقیق کے لیے تجربہ گاہیں بھی بنوائی تھیں۔ ان تجربہ گاہوں میں تجربات کا شعبہ بھی رکھا گیا تھا جہاں پتھروں کے خواص معلوم کیے جاتے تھے اور نباتیات میں جڑی بوٹیوں کے خواص پر تحقیق کی جاتی تھی تاکہ انہیں امراض کی روک تھام اور ان کے علاج کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ منادر میں دیوی دیوتاؤں کے مجسموں کے علاوہ ان کی دیواروں پر اونٹ اور دوسرے جانوروں کی تصاویر بنائی گئی تھیں نیز جنگی محاذ آرائیوں کے علاوہ دو بدو لڑائی کے رنگین مناظر بھی بڑی مصورانہ مہارت سے پیش کیے گئے تھے۔ ان منادر کے اندر جادوگری کے آلات بھی جمع کیے گئے تھے۔ مذکورہ بالا تجربہ گاہوں میں ایسے سائنسی آلات بھی رکھے گئے تھے۔ جن سے موسموں کے تغیر و تبدل، طوفانوں کی آمد بلکہ غنیم کی یورش کا بھی قبل از وقت پتہ چل جاتا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ یہ سب کچھ مصری حکماء کے سربراہ ایک معمر حکیم کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

"بندرگاہ سعید کے علاقہ اخمیم میں مجھ سے ایک سے زائد لوگوں نے ابی الفیض ذی النون بن ابراہیم المصری الاخمیمی الزاہد کے حوالے سے بیان کیا کہ قدیم مصری تجربہ گاہوں میں ہم نے ابھی جن علوم و فنون پر تحقیقی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے ان سب کا سہرا ایک بزرگ ترین مصری حکیم کے سر ہے جو مذکورہ بالا علوم و فنون کے علاوہ نجوم و رمل اور دیگر علوم فلکیات کا بھی ماہر تھا نیز خطاطی و مصوری میں بھی بدرجۂ کمال دسترس رکھتا تھا۔ ان زبانی بیانات کے علاوہ میں نے بچشم خود ایک مصری عجائب گھر میں مذکورہ بالا حکیم سے منسوب کچھ خطاطی اور مصوری کے نمونے دیکھے ہیں اور جب ان کا اسی عجائب گھر میں محفوظ چند قلمی اوراق اور ان عبارتوں کی عکاسی کے نمونوں سے موازنہ کیا تو ان کا قلم ایک ہی پایا یعنی وہ کسی ایک ہی شخص کے قلم اور موقلم کی مرہون منت نکلیں۔ میں نے اخمیم میں قدیم مصری مقناطیس کے نمونے بھی دیکھے ہیں۔ مصر سے حیوانات خصوصاً پالتو جانور حبشہ کس طرح پہنچے اس کے بارے میں ہم اپنی کتاب "القضایا والتجارب" میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم مذکورہ کتاب میں یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ مصر سے کون کون سی دوسری چیزیں اور علوم و فنون دنیا کے دوسرے ممالک نے کب اور کس طرح حاصل کیں۔ اب ہم اخبار ملوک مصر کے سلسلے میں کچھ باقی باتیں بیان کریں گے۔

باقی ملوک مصر ملکہ دلوکہ العجوز کے بعد مصر میں درکوس بن بلوطس[۱] بادشاہ ہوا، پھر بورس بن درکوس اور فغامس[۲] بن بورس یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے۔ فغامس بن بورس نے پچاس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "دینا بن بورش[۳]" اور "نمار یس" بن مرینا نے علی الترتیب قریباً دس سال اور دس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "بلوطس" ابن میناکیل اور "مالوس بن بلوطس" علی الترتیب چالیس سال اور بیس سال حکمران رہے۔ اس کے بعد "بلوطس" بن میناکیل بن بلوطس اور "بلونا" یکے بعد دیگرے مصر کے بادشاہ ہوئے۔ بلونا نے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور دُنیا کا "سبرو سبز" بھی اس کے حالات میں شامل ہے۔ فرعون الاعرج بلونا ہی تھا جس نے بنی اسرائیل پر حملہ کرکے بیت المقدس کو تباہ کیا۔ اس کے بعد "مرینوس" بادشاہ ہوا اور اس کی ملوک مغرب سے اکثر لڑائیاں ہوئیں۔ اس کے بعد "نقاس" بن مرینوس نے اسی سال اور "قومیس" بن نقاس نے دس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "کابیل" بادشاہ ہوا اور اس کی بھی مغرب کے حکمرانوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ وہ کابیل ہی تھا جس پر بخت نا صر (نفر؟) مرزبان مغرب نے ملوک فارس سے قبل حملہ کیا تھا اور مصر کو تباہ و برباد اور اس کے لاتعداد باشندوں کو قتل کیا تھا۔ بخت ناصر اس کے بعد ہی اطراف مغرب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس کے تفصیلی حالات و کوائف ہم نے اپنی ایک دوسری کتاب "راحتہ الارواح" میں بیان کیے ہیں کیونکہ ہم نے اس کتاب کو ملوک عالم اور ان کی لڑائیوں کے ان باقی ماندہ حالات و کوائف کے لیے مخصوص کیا تھا جو ہم اس سے قبل اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں بیان نہ کر سکے تھے۔

جب بخت ناصر اور اس کے حمایتی فارسی عساکر کا زور ٹوٹا تو مصر میں رومی حکومت آگئی اور اس نے مصر اور اس کے اطراف و جوانب پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اس رومی حکومت کے اہل اقتدار نے یہ بھی کیا کہ اہل روم کی طرح اہل مصر کو عیسائی بنا لیا۔ رومیوں کی حکومت مصر پر اس وقت تک قائم رہی جب تک کسریٰ نوشیرواں نے شام پر حملہ کرکے وہاں اپنا تسلط نہ جما لیا۔ نوشیرواں نے شام سے مصر کی طرف رخ کیا اور اسے مغلوب کرکے وہاں بھی اپنی حکومت قائم کر لی جو بیس[۵] سال تک قائم رہی۔ اس دوران میں روم

---

[۱] بعض نسخوں میں "درکوش بن ملوطش" لکھا ہے (مترجم عربی)

[۲] 〃 〃 〃 〃 "نورش بن درکوش" 〃 〃 (〃 〃)

[۳] 〃 〃 〃 〃 "ملص بن نورشش" 〃 〃 (〃 〃)

[۴] 〃 〃 〃 〃 "رسا بن نورس" 〃 〃 (〃 〃)

[۵] 〃 〃 〃 〃 "دس سال" 〃 〃 (〃 〃)

اور فارس کے درمیان مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں اور اہل مصر مجبوراً دونوں کو سالانہ خراج دیتے رہے لیکن جب اہل فارس اپنے ہی ملک میں لگاتار مختلف حادثات سے دوچار ہونے لگے تو رومی شام اور مصر دونوں پر غالب آگئے اور وہاں اپنے اقتدار کے دوران میں دین مسیحی کی خوب اشاعت کی۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عرب میں ظہور اسلام کے بعد مدینے میں اسلامی اقتدار کو استحکام حاصل ہوا اس وقت مصر میں مقوقس قبطی حکمران تھا اور وہ بھی نصرانی تھا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے مراسلت کے بعد بہت سے تحائف بھیجے۔ مصر کی طرف سے عرب کو رہ رہ کر یہ تحائف بھیجنے کا سلسلہ اس وقت تک چلتا رہا جب تک وہاں کی اسلامی حکومت کی جانب سے عمرو ابن العاص نے مصر فتح کیا اور اس پر مسلمانوں کو مستقل اقتدار حاصل ہوا۔ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ عمرو بن العاص نے مصر میں فسطاس کی بنیاد رکھی۔ یہ قصبہ وہاں اب بھی موجود ہے۔ جب عمرو بن العاص نے مصر فتح کیا اس وقت بھی وہاں مقوقس قبطی کی حکومت تھی۔ وہ ایک سال میں ہر بار موسموں کے لحاظ سے کبھی اسکندریہ، کبھی منف اور کبھی قصر شمع میں رہتا تھا۔ جب عمرو بن عاص نے مصر فتح کر کے اس کے گرد و نواح کی طرف توجہ کی اس وقت مقوقس قصر شمع میں تھا۔ اس کے اور عمرو بن عاص کے مابین اس وقت جب موخرالذکر نے قصر شمع پر قبضہ کیا جو گفتگو ہوئی وہ کتب تواریخ میں کافی تفصیل کے ساتھ قلمبند کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں مصر و اسکندریہ کے بارے میں اور بھی بہت سی تفصیلات ملتی ہیں۔ کتب تواریخ میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جو صرف بحکم الٰہی انبیاء سے ظہور پذیر ہو سکتے ہیں اور آپ کے دیگر حالات و کوائف نیز اقوال مبارک کا بھی ذکر آیا ہے جنہیں اہل ثقہ کی زبانی سُن کر اہل مصر نے آپ کی صداقت اور آپ کے اللہ کا آخری نبی ہونے کو تسلیم اور اسلام قبول کیا تھا۔ عمرو بن عاص ظہور اسلام سے قبل بھی ایک بار مصر جا چکے تھے جہاں ایک نصرانی راہب نے ان کے سامنے عرب میں ظہور اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نبوت کی پیشگوئی کی تھی۔ ان سب باتوں کو ہم اپنی پچھلی دو کتابوں اخبار الزماں اور کتاب الاوسط میں تفصیلاً لکھ چکے ہیں۔

ملوک مصر کی تعداد

ملوک مصر کی مجموعی تعداد جس پر کچھ معمولی اختلافات کے باوجود سب مؤرخین متفق ہیں ایک سو تین بتائی جاتی ہے۔ ان میں تینتیس [۳۲] فراعنۂ مصر، پچاس عمالیق ملوک بابل، چاروہ عمالیق جو شام سے مصر آئے، سات ملوک روم اور دس ملوک یونان شامل ہیں۔ یہ سب حکومتیں سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے قبل کی تھیں۔ جن چند اہل فارس نے براہ راست مصر پر حکومت کی وہ بھی کسرائے فارس کے ازمنۂ قدیم سے تعلق رکھتے تھے۔ بہرکیف ان

سب کو شامل کر کے مصر کے جملہ حکمرانوں کی مدت حکومت ایک ہزار تین سو سال رہی ۔ مصر کے فرعونوں کو فراعین کیوں کہا جاتا ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہ ہو سکا نہ مصری زبان کی قدیم و جدید لغات میں یہ لفظ کہیں ملتا ہے ۔ ممکن ہے مصر کی قدیم زبان پہلوی کی طرح کچھ اور ہو اور جس طرح آج کی فارسی میں پہلوی زبان کے بہت سے الفاظ متروک الاستعمال ہیں اسی طرح قدیم مصری زبان کے بعض الفاظ اور ان کے معانی بھی اب اہل مصر کو یاد نہ رہے ہوں ۔ یونانی ، رومی اور حمیری قدیم زبانوں کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا ہے ۔

مصری دفینے

مصر کے دفینوں اور ان میں پائے جانے والے نوادرات کے بارے میں ہم نے وہاں متعدد عجیب و غریب واقعات سُنے جنہیں ہم اپنی پچھلی تصنیفات "تالیفات میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں ۔ ان میں سے ایک واقعہ ہم یحییٰ بن بکیر کے حوالے سے یہاں بیان کرتے ہیں اس نے بیان کیا ہے کہ جب عبدالعزیز بن مروان اپنے بھائی عبدالملک بن مروان کی طرف سے مصر کا گورنر تھا تو اس کے پاس سن بیدہ مصری آیا جو اس سے قبل مصر کے دوسرے حکمرانوں کو بڑے مفید مشورے دیتا رہا تھا ۔ عبدالعزیز بن مروان نے اس سے کہا : "آپ مجھے بھی کوئی مشورہ دیجیے ۔" وہ شخص بولا : "اگر آپ مجھ سے کوئی لاجواب مفید ترین مشورہ چاہتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ فلاں عظیم گنبد کے نیچے ایک قدیم مصری خزانہ مدفون ہے جس میں چاندی سونے کے علاوہ نادر و نایاب جواہرات کے انبار لگے ہوئے ہیں آپ اس گنبد کو گروا کر اس کے نیچے کی زمین کھدوائیے اور اس میں مدفون خزانہ حاصل کر لیجیے جس کا میں نے آپ سے ذکر کیا ہے ۔" عبدالعزیز بن مروان بولا "آپ نے جو کچھ مجھے بتایا اس کی صداقت کا کیا ثبوت ہے ؟" اس نے کہا : "جب آپ اس گنبد کے نیچے کی زمین کھدوائیں گے تو وہاں سنگ رخام کے اور سنگ مرمر کے تراشیدہ بُت ملیں گے ، مزید کھدائی کے بعد ایک تہہ خانہ ملے گا جس میں چاندی سونے کے متعدد ستون ہوں گے اور جب اس تہہ خانے میں سونے چاندی کے بڑے بلند و بالا اور حد درجہ وزنی مجسمے ملیں گے جو مختلف جواہرات ، مرجان ، یاقوت اور زمرد وغیرہ سے مرصع ہوں گے ۔ اس تہہ خانے کے نیچے ایک اور تہہ خانہ ہے ، جب آپ وہاں تک پہنچیں گے تو اس میں آپ کو قدیم مصر کا وہ نادر و نایاب مدفون خزانہ ملے گا جس کی قیمت کی برابری دُنیا کے سارے خزانے مل کر بھی نہیں کر سکتے ۔" اس شخص کی یہ باتیں سُن کر عبدالعزیز بن مروان بہت خوش ہوا ، پھر بولا : آپ اس گنبد کو ڈھلواتے اور اس کے نیچے کی زمین کھدوانے کے لیے مزدور لگوا دیجیے ، انہیں اس کی مزدوری ایک ہزار دینار ملیں گے ۔" وہ شخص اس پر راضی ہو گیا ۔ اس کے پتہ بتانے پر دیکھا گیا تو واقعی اس

جگہ ایک قدیم بلند و بالا سنگی گنبد موجود تھا۔ اس گنبد کو جس نے اس وقت کسی ٹیلے کی شکل اختیار کر لی تھی مسمار کیا گیا اور اس کے نیچے کی زمین کھودنے کے بعد جب اور کھدائی کی گئی تو وہاں درحقیقت ایک تہہ خانہ تھا جہاں اس شخص کے کہنے کے مطابق سنگ رخام اور سنگ مرمر سے تراشیدہ بت پائے گئے۔ یہ دیکھ کر عبدالعزیز کے دل میں لالچ آگیا۔ اس نے مزدوروں کی اُجرت میں اضافہ کر دیا اور اس شخص کے بتائے ہوئے خزانے کو حاصل کرنے کے لیے کھدائی پر کھدائی کرانے لگا۔ ہر تہہ خانے میں سب وہی چیزیں ملتی چلی گئیں جو اس شخص نے بتائی تھیں۔ آخری تہہ خانے میں بوڑھوں، جوانوں، عورتوں اور بچوں کے سونے میں ڈھلے ہوئے مجسمے ملے جو بیش قیمت جواہرات سے پٹے پڑے تھے، ان کے سروں پر جو مرصع تاج تھے ان کے ہیروں کی چمک دمک بجلی کی چمک کو مات کر رہی تھی اور ان کی طرف نگاہ اٹھانے سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ اس شخص کے کہنے پر ان مجسموں کو توڑا گیا کیونکہ وہ ٹھوس نظر آنے کے باوجود ٹھوس نہ تھے۔ ان میں سے بھی بیش قیمت جواہرات کے اِدھر اُدھر بکھر کر ڈھیر لگ گئے لیکن ان کے بیچ میں ہو بہو انہیں مجسموں کی شکل کے انسانی لاشے تھے جن پر سونے کا لیپ کیا گیا تھا جس سے وہ چمک رہے تھے مگر حقیقت میں انہیں حنوط کیا گیا تھا اور ان پر سونے کا لیپ بھی اسی مسالے کا ایک جزو تھا جس سے ان مُردہ لاشوں کو مومیایا گیا تھا۔ تب معلوم ہوا کہ وہ مجسمے ایستادہ کیوں نہیں تھے اور انہیں لٹایا کیوں گیا تھا۔ جب ان مُردہ لاشوں کو باہر نکالنے کی کوشش کی گئی تو وہ بکھر کر راکھ ہو گئیں لیکن اس راکھ میں جو حنوطی اجزاء رہ گئے تھے جب انہیں آگ میں ڈالا گیا تو ان میں سے عجیب سرور آور خوشبو نکلنے لگی۔ عبدالعزیز بن مروان قدیم مصری لوگوں کی لاشوں کو حنوط کرنے میں مہارت کو دیکھ کر حیرت زدہ اور انگشت بدنداں رہ گیا، لیکن زر و دولت کی اس بے مثال کثرت کے باوجود حیاتِ انسانی کے اس دردناک مآل پر خدائے ذوالجلال کو یاد کرتا ہوا وہ سب خزانہ چھوڑ چھاڑ واپس لوٹ آیا۔

یحییٰ بن بکیر کا بیان کردہ یہ واقعہ احمد بن طولون کے بیان کردہ کچھ واقعات اور اس کے بتائے ہوئے مصر کے کچھ دوسرے حالات و کوائف اور ان عجائبات کے عین مطابق ہے جن کا ہم اپنی پہلی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

واضح رہے کہ مصر کے ان حالات و کوائف اور عجائبات و مقابر کا تعلق جن کا ذکر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں نیز مصر کی اس علمی و سائنسی ترقی اور اہلِ مصر کے ان کمالات کا تعلق جن کا ہم اس کتاب کے پچھلے صفحات میں ذکر کر چکے ہیں نہ یہودیوں کے زمانے سے ہے نہ نصرانیوں کے

زمانے سے ہے بلکہ ان کا تعلق مصر کی تاریخ کے اس زمانے سے ہے جسے اب چار ہزار سال گزر چکے ہیں حالانکہ انہیں دیگر پہلے مؤرخین کے علاوہ احمد بن طولون اور یحییٰ بن بکیر نے ۳۲۸ھ ہجری میں بیان کیا اور ان دونوں کے حوالے سے ہم انہیں اب یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں بیان کر رہے ہیں۔

اسکندریہ، اس کا آغاز تعمیر اور اس کے ملوک و عجائبات

احیاء اسکندریہ

اہل علم کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ جب سکندر مقدونی اپنے دار الحکومت مقدونیہ اور اس کے گرد و نواح کے بحری و بری انتظام و استحکام سے مطمئن و فارغ ہوا تو وہ اسکندریہ پہنچا۔ اس نے وہاں بڑی عظیم عمارتوں اور سنگ رخام سے تعمیر کردہ بہت سے چھوٹے بڑے میناروں کے آثار دیکھے۔ اس نے ان کے درمیان ایک ایسا فلک بوس مینار بھی دیکھا جو امتداد زمانہ سے بے نیاز ابھی تک سر اٹھائے اسکندریہ کی عظمت رفتہ کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ اس مینار کی فرشی منزل پر مسندی تحریر میں کچھ عبارت لکھی ہوئی تھی جو حمیریوں اور ملوک عاد کے زمانے کی اوّلین تحریر تھی۔ مذکورہ مینار پر اسی زمانے کی زبان اور اسی زبان کے رسم الخط میں لکھا تھا:۔

"میں شدّاد بن عاد بن شدّاد بن عاد ہوں، میرے ہاتھوں ممالک کو قوت و پختگی حاصل ہوئی، میرے حکم سے بڑی بڑی چٹانیں اور پہاڑیاں کاٹی گئیں۔ میں نے باغ ارم تعمیر کیا ہے جس کی چار دیواری سنگ عماد کی ہے۔ اس باغ کی مثال ساری دنیا میں کہیں نہیں ملے گی میرا ارادہ ہے کہ اس باغ میں دنیا کے نادر ترین اشجار، پھول پھل وغیرہ جمع کر دوں اور اس میں دنیا کے معزز ترین و شریف ترین لوگ بلا کر انہیں جملہ آسائشیں مہیا کر دوں۔ میں نے اب تک جو چاہا اسے جلد سے جلد حاصل کر لیا لیکن پھر بھی مجھے اب رات کو نیند آتی ہے نہ دن کو سکون ملتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری موت کا وقت اب قریب آ پہنچا ہے، ویسے مجھے نہ کسی قاہر و جبّار بادشاہ کا خوف ہے نہ کسی لشکر جرار کا ڈر ہے لیکن پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ میری پیرانہ سالی کی وجہ سے میرے بہت سے مہمات و مقاصد پورے نہ ہو سکے، تاہم مجھے اطمینان ہے کہ میں بہت سے قابل قدر آثار چھوڑے جا رہا ہوں۔ جو شخص میرے ان آثار کو دیکھے اور اسے میری جیسی طویل عمر اور عمیق نظر حاصل ہو تو سمجھ لے کہ دنیا سرائے فانی ہے

اس میں کسی کو سکون و قرار حاصل ہو سکتا ہے نہ حیاتِ دوام، لہٰذا اس سے دل لگانا بیکار ہے۔"

اس کے آگے شداد نے دنیا کی بے ثباتی، دنیاوی زر و مال اور شاہی جاہ و جلال کی ناپائداری کے بارے میں بہت کچھ لکھا تھا اور آخر میں اس عبارت کے قاری کو عیش و عشرت میں پڑ کر مآلِ حیات پہ نظر ڈالنے سے ممانعت اور اپنے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی ہدایت کی تھی۔

سکندر شداد کی تحریر کردہ اس عبارت کو پڑھ کر سوچ میں پڑ گیا کہ اس کا کہاں تک اعتبار کرے۔ البتہ اس نے اسکندریہ کے طول و عرض کی پیمائش کا حکم دے کر اس کے بعد وہاں متعدد نئی عمارتیں تعمیر کرائیں جس کے لیے اس نے سنگِ عمد، سنگِ رخام اور سنگِ مرمر اور دوسرے پتھر جزیرہ صنقلیہ، بلادِ افریقہ و اطربیلنش اور بحرِ روم کے گرد و نواح سے جو بحرِ اوقیانوس کے متصل ہیں منگوائے اور انہیں منگوانے کے لیے بڑی بڑی کشتیوں کا انتظام کیا۔ اس نے کچھ پتھر اور دوسرا سامان روڈس کے جزیرے سے بھی منگوایا تھا۔ یہ جزیرہ اسکندریہ کے بالکل سامنے ہے اور سمندری راستے سے یہاں سے وہاں تک رات بھر کی مسافت پہ واقع ہے۔ یہ جزیرہ آج بھی یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک موجود ہے اور مشرقی جانب سے یورپ کا پہلا آباد جزیرہ ہے۔ آج کل وہاں روم کے بہت سے صنعتی ادارے قائم ہیں، جنگی جہاز بنتے ہیں اور رومیوں کی کثرت ہے جو اکثر اسکندریہ اور مصر آتے جاتے رہتے ہیں جہاں اب بہت سی تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔

اس بات سے قطع نظر کہ سکندر نے شداد بن عاد بن شداد بن عاد کی مندرجہ بالا تحریر کا اعتبار اور اس کی نصیحت و ہدایت پہ عمل کیا یا نہیں ہم سطورِ بالا میں بیان کر چکے ہیں کہ اس نے اسکندریہ کو جو اس کے زمانے تک کسی خرابے کی شکل اختیار کر چکا تھا دیکھ کر اس کی از سرِ نو تعمیر کا ارادہ کیا اور وہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ اس سے قبل اس نے اس کے طول و عرض کی پیمائش کرائی تاکہ وہاں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی جا سکے۔ چنانچہ جب پیمائش ہو چکی تو اس نے اس مجوزہ شہر کی بنیادوں کے لیے پیمائش شدہ زمین کے چہار جانب کھدائی کرائی اور اس کے گرد اونچی اونچی شاخوں کی باڑ لگوائی، پھر اس باڑھ میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے کھڑکی کے موٹے موٹے ڈنڈے گڑوائے گئے اور ان کے سروں پہ لوہے کی پتلی پتلی سلاخیں کٹوا کر کنڈے لگوا دیے گئے۔ ان کنڈوں کا مقصد ہم ابھی بیان کریں گے۔

سکندر نے مجوزہ نئے شہر کے بیچ میں اپنے قیام کے لیے پہلے ایک عارضی عمارت تعمیر کرائی تھی اور اس کے گرد اپنی فوج کے سرداروں اور سپاہیوں کے لیے چھوٹے بڑے عارضی مکان بھی

تعمیر کرا دیے تھے۔ اس نے شہر کی مجوزہ چہار دیواری کے ساتھ ساتھ معماروں اور مزدوروں کے لیے سکونتی کمرے بھی تعمیر کرا دیے تھے تاکہ وہ اپنے کام پر جلد سے جلد پہنچ سکیں۔ اپنی مذکورہ قیام گاہ کی چھت پر اس نے لکڑی کا ایک برج بنوایا تھا اور اس کے بیچ میں گرجا گھروں کی طرح ایک بڑی سی گھنٹی ٹنگوائی تھی، اس گھنٹی میں سوت کی موٹی سی رسی بندھوائی تھی جس کا ایک سرا اس نے اپنی خواب گاہ تک پہنچایا تھا اور اس رسی کا طویل حصہ بالا ہی بالا مذکورہ باڑھ کے ڈنڈوں میں لگائے ہوئے کنڈوں سے گزار کر جن میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگائی گئی تھیں چاروں طرف لے جایا گیا تھا۔ سکندر کا مقصد یہ تھا کہ وہ کسی دن علی الصباح ساعت سعید دیکھ کر اپنی خواب گاہ کی رسی کا سرا کھینچے گا جس سے برج کی بڑی گھنٹی بجنے لگے گی اور اس کے ساتھ ہی دوسری گھنٹیاں جو اسی کے طویل حصے کے ذریعے باڑھ میں لگائی گئی تھیں وہ بھی بجنے لگیں گی۔ اس طرح شہر کی چہار دیواری کی بنیادوں کا کام بیک وقت شروع ہو سکے گا یہ بات معماروں اور مزدوروں کو پہلے ہی بتا دی گئی تھی لیکن قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ ایک دن صبح ہی صبح سکندر کے بیدار ہونے سے قبل ایک کوا اس رسی پر آ بیٹھا جو اس کی خواب گاہ تک پہنچائی گئی تھی اور کوے کے ادھر ادھر پھدکنے سے نہ صرف برج کی بڑی گھنٹی بلکہ دوسری گھنٹیاں بھی بجنے لگیں۔ سکندر ہڑبڑا کر اٹھا تو ظاہر ہے کہ اس آواز سے معمار اور مزدور کیوں نہ بوکھلا کر اٹھتے اور اپنے کام کے لیے مستعد ہو جاتے۔ سکندر نے فوراً دوسرا حکم دیا کہ ابھی بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع نہ کیا جائے۔ اس دوسرے حکم پر اور لوگوں کے علاوہ معمار اور مزدور بھی حیران ہوئے لیکن "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" کہہ کر خاموش ہو گئے اور سکندر بھی پہلے تو "تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ" کے پیش نظر اور یہ سوچ کر کہ شاید خالق کائنات کی مصلحت کچھ اور ہو پہلے تو چپ رہا لیکن اگلے ہی دن نہ جانے کیا خیال آیا کہ ایک جگہ مجوزہ شہر کا اساسی پتھر نصب کرانے کے بعد عمارتوں کی تعمیر شروع کرا دی۔ ممکن ہے یہ اس کی افتاد طبع کا نتیجہ ہو۔ بہر کیف عمارتیں بننا شروع ہوئیں لیکن جو عمارت دن بھر جتنی بنتی رات کو شکست و ریخت کا شکار ہو جاتی۔ سکندر جو اپنے استاد اور وزیر اعظم ارسطو کی طرح ذہانت و تدبر میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا غور کرتا رہا کہ آخر ان عمارتوں کی یہ درگت رات کے وقت کون بنا جاتا ہے اور آخر کار ایک شب کو وہ رات بھر جاگتا رہا تو اس نے دیکھا کہ نصف شب گزر جانے کے بعد عجیب و غریب شکلوں کے بہت سے لحیم شحیم چوپائے سمندر سے نکلے اور دن بھر جو عمارتیں تیار ہوئی تھیں انہیں توڑ پھوڑ کر چلتے بنے۔

سکندر جو ذہانت و حکمت کا پتلا ہونے کے علاوہ راج ہٹ کا بھی کامل نمونہ تھا ان خوف ناک سمندری جانوروں سے چھٹکارا پانے پر تل گیا۔ اس نے شیشے کا ایک مضبوط تابوت بنوایا، اس کے

پینڈے پر تانبے یا کسی اور دھات کی دبیز چادر چڑھوائی جو تابوت کو سمندری لہروں کی شکست و ریخت سے محفوظ رکھ سکے اور اُوپر آزمودہ ربڑ کی دو اتنی لمبی اور ایسی نالیاں لگوائیں جن سے تابوت میں ہوا تو جا سکے لیکن پانی نہ رِس سکے اور اگر وہ سمندر کی گہرائی میں تہہ تک بھی چلا جائے تو نالیاں سطحِ آب سے اُوپر رہیں۔ یہ سارے ضروری اور حفاظتی انتظامات کر کے وہ اس تابوت کو دو کشتیاں ادھر اُدھر رکھ کر دُور تک سمندر میں لے گیا خود اس میں بیٹھ گیا اور ہر کشتی کے ملاحوں کو حکم دیا کہ سَن کے موٹے رسّوں کے ذریعے اسے اس وقت تک نیچے جانے دیا اور تہہ آب رکھا جائے جب تک وہ واپسی کا اشارہ نہ کرے۔ تابوت کو سمندر میں اتارا گیا تو اسے سکندر کے حکم کے مطابق اس وقت تک گہرائی میں جانے دیا گیا جب تک وہ تہہ میں نہ پہنچ گیا حُسنِ اتفاق سے وہاں ادھر ادھر دُور تک سمندری چٹانیں نہ تھیں اور دن کا وقت ہونے کی وجہ سے پانی میں ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔ وہاں وہی لحیم شحیم خوف ناک جانور ہر طرف دوڑتے پھر رہے تھے جن کی شکلیں وہ رات کے وقت نہ دیکھ سکا تھا۔ ان کی شکلیں سکندر نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تو رسّوں کے ذریعے کشتی کے ملاحوں کو اشارہ کیا کہ وہ تابوت کو اوپر کھینچ لیں اور جب وہ سمندر کی سطح پر آ گیا تو سکندر اس میں سے ہشاش بشاش باہر نکلا اور لوگوں نے دیکھا کہ اس کے سنجیدہ چہرے پر ادنوں کے برخلاف ہنسی کھیل رہی ہے۔

سکندر نے اسی دن ان سمندری جانوروں کی شکلوں اور ان کی جسامت کا نقشہ یونان کے ان ماہر مجسمہ سازوں کے سامنے جنہیں وہ اپنے ساتھ لایا تھا اس طرح کھینچا جیسے وہ اس وقت بھی اس کے پیشِ نظر ہوں اور جب وہ اچھی طرح ان کے ذہن نشین ہو گئیں تو انہیں حکم دیا کہ وہ پتھر کے بجائے موٹی لکڑی کے ٹکڑے جوڑ کر انہیں شکلوں اور جسامت کے مجسمے تیار کریں اور ان پر ایسا روغن کریں جو رات کے اندھیرے میں فاسفورس کی طرح چمکے۔ حکم کی دیر تھی کہ دو تین ہی روز میں وہ مجسمے بن کر تیار ہو گئے اور ان پر ایسا ہی رنگ روغن کر دیا گیا جیسا سکندر نے حکم دیا تھا۔ ان مجسموں کو جو تعداد میں بے شمار تھے ہر زیرِ تعمیر عمارت کے سامنے اور اس کے گرد رکھ دیا گیا۔ اس سے قبل جن دو راتوں کو وہ جانور سمندر سے نکل کر آئے تھے تو ان عمارتوں کے صرف اس ملبے کو روند کر جو انہیں کی شکست و ریخت کا نتیجہ تھا واپس چلے گئے تھے لیکن جس دن شام کو وہ مجسمے ہر عمارت کے ارد گرد رکھے گئے تھے تو اس کی رات کو بھی وہ حسبِ معمول آئے لیکن اندھیرے میں اپنی ہی شکل کے ان چمکتے دمکتے مجسموں کو دیکھ کر جو انہیں کی طرح کے ہو بہو اصلی جانور نظر آتے تھے پہلے تو ٹھٹکے اور پھر مڑتے اور دم دبا کر بھاگتے ہوئے سمندر میں ایسے غائب ہوئے کہ اس کے بعد کسی کو کبھی نظر نہ آئے۔ سکندر اپنے اس لاجواب منصوبے اور ان سے

ہمیشہ کے لیے پیچھا چھڑانے کی تدبیر پر خوش ہوتا رہا، نئے شہر کی مضبوط فصیلیں اور خوشنما عمارتیں تعمیر ہوتی رہیں اور لوگ اپنے دانش مند بادشاہ کی بے نظیر ذہانت پر عش عش کرتے رہے۔ جب نیا شہر بلحاظ تعمیر مکمل ہو کر آباد ہو گیا تو اس کا نام اس کے بانی کے نام پر اسکندریہ رکھا گیا اور آج تک تمام دنیا کے لوگ اسے اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ اسکندریہ اب بھی اپنی مرمریں عمارتوں کی وجہ سے رات کے وقت دن کی چمک دمک اور روشنی کو شرماتا ہے، ویسے ان عمارتوں پر دن کے وقت بھی نظر پڑتے ہی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہونے لگتی ہے۔

اسکندریہ کی بنیاد اور اس کی تعمیر کے بارے میں اکثر مورخین نے وہی کچھ لکھا ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسے مصر کی ملکہ دلوکہ نے تعمیر کرایا تھا تاکہ وہ مصر پر کسی حملہ آور دشمن کے لیے پہلا مورچہ ثابت ہو سکے، کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسے مصر کے دسویں فرعون نے تعمیر کر رہا تھا جس نے اہرام مصر تعمیر کرائے تھے اور یہ کہ سکندر نے چونکہ دنیا کے بیشتر ممالک فتح کر لیے تھے اس لیے اس کی شہرت کی وجہ سے لوگ اس شہر کو بھی اسکندریہ کہنے لگے تھے ورنہ مصر پر حملہ کرنے والے سکندر کے نام سے جس نے پہلے اس شہر کو تاراج کیا تھا اس کی تعمیر کس طرح منسوب کی جا سکتی ہے تاہم کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ سکندر ہی تھا جس نے اسے فتح کرنے اور تاخت و تاراج کرنے کے بعد از سر نو تعمیر کرایا اس لیے یہ شہر اب تک اسی کے نام سے منسوب ہے۔

مینار اسکندریہ کا انہدام

ہم نے سکندر سے قبل اسکندریہ میں جس قدیم مینار کا ذکر پچھلے صفحات میں سکندر کے حوالے سے کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسے شداد نے تعمیر کیا تھا اس کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ بھی دراصل سکندر ہی نے تعمیر کیا تھا اور اس کے بارے میں تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ روم کا ایک بادشاہ ولید بن عبد الملک بن مروان کے زمانے میں دمشق گیا اور اس کے خدام خاص میں شامل ہو گیا۔ اس کا ارادہ ولید کو قتل کرنے کا تھا لیکن ولید کو عربی لب و لہجہ پر شبہ ہوا تو اس کے عرب ہونے کی تحقیق کی گئی تو ولید کا شبہ صحیح نکلا۔ اس کے علاوہ اس کے ایک رازدار خادم نے بھی اس کا راز فاش کر دیا جس پر ولید نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن وہ معافی مانگ کر مسلمان ہو گیا اور ولید کی قربت و توجہ اور اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے دمشق میں کچھ مدفون خزانوں کا حال بتایا جہاں سے واقعی بہت سا سونا، سونے کے مرصع زیورات اور جواہرات نکلے۔ ولید نے لالچ میں آ کر اس سے مزید دفینوں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اگر وہ بے شمار بیش قیمت جواہرات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسکندریہ جائے جہاں سکندر نے ایک مینار تعمیر کر کے اس کے تہ خانے میں اور

اس کے اردگرد اپنے زمانے میں بہت سے خزانے جو اس نے اپنی فتوحات کے دوران میں حاصل کیے تھے دفن کر دیے تھے۔ یہ سُن کر ولید کا لالچ اور بڑھا اور اس نے اسکندریہ پہنچ کر سکندر کا تعمیر کردہ مینار مسمار کرا دیا۔ رہا یہ کہ اسے وہ خزانے ملے یا نہیں اس کی تصدیق نہیں ہو سکی لیکن یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جس مینار کو ولید نے منہدم کرایا وہ سکندر ہی کا تعمیر کردہ تھا۔ سکندر کے مملوکہ جواہرات اور خزائن کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر کی ماں جب اس کے مرنے کے بعد اسکندریہ آئی تو اس نے سکندر کے شراب پینے کے طلائی ساغر سمندر میں پھنکوا دیے تھے اور ان کے ساتھ بہت سے جواہرات بھی کیونکہ اسے سکندر کی موت کا بہت صدمہ تھا۔ سکندر کے طلائی ظروف میں سے کبھی کبھی اب بھی کوئی نہ کوئی برتن وغیرہ اسکندریہ کے سمندر سے نکل آتا ہے۔

تعمیر اسکندریہ کے سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسکندریہ کے قریب سمندر میں جو مینار مینارِ نحاس کے نمونے کا موجود ہے وہ بھی سکندر ہی نے تعمیر کرایا تھا، اور اس کی تعمیر پہ بے شمار روپیہ خرچ کیا تھا۔ اس نے وہاں بہت سے جواہرات بھی پوشیدہ طور پر رکھے۔ جو اس کے مرنے کے بعد خدا جانے کس کے ہاتھ آئے۔ سکندر کے کچھ دوسرے خزانوں کے بارے میں بھی لوگ بے شمار کہانیاں بیان کرتے تھے اور اب بھی بیان کرتے ہیں۔ سکندر کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان سے نارنگی اور اخروٹ وغیرہ کے درخت لایا تھا جو اسکندریہ ہی سے بصرہ، عراق اور شام وغیرہ پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عطر وغیرہ بھی جو اب ان ممالک میں پائے جاتے ہیں سکندر ہی ہندوستان سے لایا تھا۔

اسکندریہ کے جس مینار کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے ملوک مصر ہی میں سے کسی نے تعمیر کیا تھا اور اس کی چوٹی پر ایک بہت بڑا آئینہ لگا یا تھا جو گھومتا رہتا تھا اور اس سے اسکندریہ دشمن کے حملے کی قبل از وقت خبر ہو جاتی تھی۔

یہ تھی ملوکِ مصر، مصر کے عجائبات، اسکندریہ کی تعمیر اور مصر کی نیز یونان کے حالات وکوائف کی تاریخی داستان۔ ویسے مصر، اسکندریہ بلاد اندلس روم اور مغرب وغیرہ اور مشرق میں بھی اور دوسرے شہروں کے بارے میں اور بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ چونکہ ہم ان کا ذکر اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں اس لیے یہاں بخوف طوالت انہیں چھوڑ دیا ہے تاہم ان میں سے کچھ ضروری باتیں جو آتشکدوں، ہیکلوں اور دوسری مقدس عبادت گاہوں کے بارے میں ہیں اور ان کی کتب تواریخ سے تصدیق ہوتی ہے ہم آگے چل کر انشاء اللہ حسب موقع اس کتاب میں بھی بیان کریں گے۔

سوڈان

سوڈانی نسلیں، قومیں، مرد، عورتیں، ابتدائی ممالک، مختلف آبادیاں اور حکمران ۴

کوش کی اولاد

حضرت نوح علیہ السلام کی نسل دُنیا میں پھیلی تو کوش بن کنعان کی اولاد مغرب کی طرف بڑھی اور دریائے نیل کے پار چلی گئی، پھر ان کی ایک جماعت جو مُیّمنہ کہلاتی ہے مشرق و مغرب کے درمیانی علاقے میں ٹھہری اور نوبہ، بُجہ اور زنگی کے ناموں سے مشہور ہوئی۔ پھر ان کے کچھ لوگ مزید مغرب کی جانب بڑھے تو الگ الگ قومیں بن کر زغاوہ، کاثم، مرکہ، کوکو، غانہ وغیرہ کہلائے۔ سوڈانی اور دمادمی بھی انہیں میں سے ہیں۔ ان میں جو لوگ مشرق و مغرب کے درمیان ٹھہرے یا کیر و مشکر اور بربر میں پھیلے وہ سب بھی زنگی ہی مشہور ہوئے۔ ان کا ذکر ہم بحر حبشی اور خلیج بربری نیزان کے قریبی مقامات دھلک، زیلع و ناصع اور اصحاب نمور و جمیر کے ساتھ پہلے کر چکے ہیں۔ نمور و جمیر دراصل ان کے لباس تھے جن کی نسبت سے وہ نموری و جمیری کہلانے لگے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی آبادیاں اب اسلامی مقبوضات تک پھیل گئی ہیں نمور و جمیر جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا وہ کھالیں ہیں جنہیں یہ لوگ اوّل اوّل بطور لباس استعمال کرتے تھے، ان میں سب سے اچھی کھال سمروج کہلاتی ہے۔ زنگ و حبش بحرِ ہند کی داہنی جانب کے قریبی علاقے ہیں جہاں سے سلاحف کے وقت سے گوبر کی کھاد اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں باہر لے جائی جاتی ہیں جن میں مچھلیاں وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں اونٹ کی سی لمبی گردن کا گدھے سے کسی قدر بڑا دھاری دار جانور زرافہ بھی پایا جاتا ہے، ویسے اس جانور کی نوبہ کے علاوہ سارے افریقہ میں بہتات ہے۔

زرافہ

زرافہ کی نسل کے بارے میں لوگ مختلف الخیال ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ اُونٹ کی نسل سے ہوتا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی پیدائش اُونٹ اور چیتے کے اختلاط سے

ہوئی ہے لیکن اکثر لوگوں کے نزدیک یہ گھوڑے، گدھے اور گائے کی طرح اپنی جگہ سب سے الگ نوع حیوانی میں سے ایک ہے، ایسا نہیں ہے کہ یہ دو جانوروں کے اختلاط سے پیدا ہوا جس طرح گھوڑے اور گدھے کے اختلاط سے حیوانات کی ایک نئی نسل خچر پیدا ہو گئی ہے۔ اہل فارس زرافہ کو شتر گاؤ کہتے ہیں۔ اس کی گردن جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا اونٹ کی طرح لمبی ہوتی ہے، اس کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگوں سے لمبی ہوتی ہیں پچھلی ٹانگوں کے چھوٹے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پشت سے پٹھے تک اس کا جسم پیچھے کی طرف ڈھلتا چلا گیا ہے جہاں آخر میں ایک کوب سا نکل آیا ہے۔ اس کے پچھلے پاؤں کے ٹخنوں پہ اگلے پیروں کی طرح سُم کھلی نہیں ہوتے۔ جاحظ نے اپنی تصنیف "کتاب الحیوان" میں اس جنگلی چوپائے زرافہ کے بارے میں اور بہت سی تفصیلات دی ہیں اور اس کی نسل پر بھی گفتگو کی ہے۔ نوبہ کی "سطح مرتفع" اس کے ندی نالوں کے کنارے اور جنگلی میدانوں میں دوسرے متعدد وحشی، جنگلی جانوروں کی طرح زرافہ بھی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس کے متعلق جاحظ کے علاوہ دوسرے مصنفین نے بھی اس کی نسل کے سلسلے میں تفصیل سے لکھا ہے لیکن ہم نے اس سلسلے میں سطور بالا میں اجمال و اختصار کو پیش نظر رکھا ہے نوبہ کے جنگلوں میں چیتے بہت بڑے بڑے لیکن وہاں کی بستیوں میں پائے جانے والے اونٹ چھوٹے ہوتے ہیں جس طرح بختی، کرمانی اور خراسانی اونٹ چھوٹے اور عرب کی کچھ اونٹنیاں چھوٹے قد کی ہوتی ہیں۔ فارس میں تو بعض مقامات پر ان کے چھوٹے قدوں کی وجہ سے نر اور مادہ میں امتیاز مشکل ہوتا ہے۔

صاحب المنطق نے حیوانات پر اپنی ضخیم کتاب میں حیوان اور حیوانات اور ان کے اعضاء کے فوائد کا حال لکھا ہے زرافہ کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں کچھ باتیں مختصراً اپنی کتاب "القضایا والتجارب" میں بیان کر دی ہیں۔

زرافہ کو لوگ بہت کم پالتے ہیں کیونکہ دوسرے پالتو جانوروں کے برعکس وہ اپنے مالکوں سے مانوس نہیں ہوتا بلکہ جنگلی اور وحشی حیوانات کی طرح بدکتا ہی رہتا ہے۔

اہل زنگ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں پہلے دریائے نیل کے دائیں کنارے سے اسے عبور کر کے ان علاقوں تک چلے گئے تھے جو اس دریا کا نشیبی حصہ اور اس سے بحر حبش کا ساحل آ جاتا ہے۔ افریقہ کی یہ سرزمین سونے کی کانوں اور دوسرے عجائبات سے بھری پڑی ہیں، البتہ موسم کے لحاظ سے گرم و خشک ہے۔

زنگی حکمران و تعلیمی حبشیوں نے جب منظم ہو کر اپنا ایک مرکز مقرر کیا اور دارالحکمت کی بنیاد ڈالی

توان کا پہلا حکمران دقلیمی ہوا۔ اس کے بعد سے فارس تقویم کے لحاظ سے تین سو سال تک ان کا ہر حکمران ہر صدی اور ہر زمانے میں اسی نام سے منسوب رہا۔ البتہ اس دوران میں ان کے ہاں نہ گھوڑے تھے نہ اونٹ اور نہ خچر نہ گائیں، انہوں نے نہ ان کے نام سُنے تھے نہ انہیں پہچانتے تھے، ان کے مردوں اور عورتوں کی عمریں بھی بہت کم ہوتی تھیں کیونکہ وہ اکثر ایک دوسرے ہی کو اپنی خوراک بنا لیتے تھے۔

زنگیوں کے مساکن فرازنیل سے لے کر بلاد واق واق تک پھیلتے چلے گئے تھے اور پہاڑوں، وادیوں، میدانی علاقوں وغیرہ میں ان کی دُور و نزدیک بستیوں کا مجموعی طول و عرض اس وقت بھی قریبًا سات سو فرسخ (کوس) تھا۔

ہاتھی

افریقی ممالک میں ہاتھیوں کی کثرت ہے لیکن وہ وہاں ہمیشہ ایک جنگلی و وحشی جانور رہا ہے، وہ اسے جہاں دیکھتے تھے مار ڈالتے تھے کیونکہ جنگلی ہاتھی انسان کے دشمن تھے اور ہیں، وہ انہیں تو کیا ان کی بستیوں تک کو روند ڈالتے تھے۔ ان کے شکار کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی ہاتھی جب جنگل سے نکل کر کسی ندی نالے یا جوہڑ کے کنارے پانی پینے آتا تو کہیں وہ چھپ کر اس کی تاک میں بیٹھ جاتے اور لکڑی کے نوک دار لمبے ڈنڈے لے کر موقع پاتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتے اور ہلاک کر دیتے تھے ان کے اس اقدام کی وجہ اس کے علاوہ جو ہم بیان کر چکے ان کے دانتوں کا حصول تھی جن سے وہ ہتھیار بنانے کے علاوہ اور بہت سے کام لیتے تھے۔ اس وقت انہیں ہاتھیوں کو پکڑ کر پالنے اور سدھانے کا شعور تھا نہ وہ یہ جانتے تھے کہ انھیں لڑائیوں میں استعمال کرنے کے علاوہ ان سے اور بہت سے کام لیے جا سکتے ہیں۔ وہ ہاتھی دانت کو جلا کر اس سے اپنی عبادت گاہوں میں اس طرح دھواں کرتے تھے جس طرح آج کل یہودی و نصرانی اپنے کنیساؤں اور گرجا گھروں میں بخورات جلا کر کرتے ہیں اہل چین بھی ہاتھی نہیں پالتے نہ انہوں نے پہلے کبھی ان سے لڑائیوں میں کام لیا ہے جیسا کہ ان کی قدیم زمانے میں بعض بعض لڑائیوں کے حالات سے پتہ چلتا ہے۔

ہاتھی دانت سے شطرنج اور قمار بازی

ہاتھی دانت کا استعمال ہندوستان میں کثرت سے ہوتا ہے۔ وہاں اس سے خنجروں اور تلواروں کے قبضوں کے علاوہ اور بے شمار کام لیے جاتے ہیں مثلاً شطرنج کے سفید مہرے اور قمار بازی کے پانسے بھی اسی سے بنائے جاتے ہیں۔ وہاں تلواروں اور خنجروں کے زخموں کے لیے بھی اس کے سفوف کا استعمال عام ہے بلکہ وہاں جراح وہ سفوف اس وقت بھی استعمال کرتے ہیں جب کسی انسانی عضو کے کٹ جانے یا کاٹے جانے کے بعد اس عضو کے باقی ماندہ حصے سے خون کا اجرا بند کیا جاتا ہے جس طرح پہلے

جراح لوہے کی سلاخ آگ پر تپا کر اس جگہ کو داغ دیا کرتے تھے۔

ہندوستان میں ہاتھی دانت کے کچھ مصرف ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ وہاں بھی اس کا سفوف اہل حبش کی عبادت گاہوں، یہودیوں کے کنسیاؤں اور نصرانیوں کے گرجا گھروں کی طرح عقاقیر[1] میں ملا کر دھواں پیدا کرنے کے لیے منادر میں آگ پر ڈالا جاتا ہے۔

ہندوستان میں ہاتھی پالے بھی جاتے ہیں، سدھائے بھی جاتے ہیں اور لڑائیوں میں بھی ان سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح اسلامی ممالک میں گھوڑوں، گدھوں، خچروں، اونٹوں اور بیلوں سے باربرداری کا کام لیا جاتا ہے اسی طرح ہندوستان میں بھی اس سے یہ کام لیا جاتا ہے ویسے بھی بھاری سامان لادنے، لانے اور لے جانے میں ہاتھی کا مقابلہ کوئی دوسرا چوپایہ نہیں کر سکتا۔ وہاں اسے شکاری بھی خصوصاً شیر کے شکار کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسے امارت اور شان و شوکت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ فارس کے حکمران اور کچھ عباسی خلفا اسے اسی لیے پالتے اور سدھاتے تھے۔ اس پہ ہودج و عماری رکھ کر بڑی شان و شوکت سے اس پر بیٹھ کر نکلتے تھے۔ ہاتھی ان مقامات سے بچتا ہے جہاں گینڈے رہتے ہوں۔ وہ ان کی بو سے بھاگ نکلتا ہے اور ایسی جگہوں سے بچتا ہے جہاں کیڑے مکوڑے زیادہ ہوں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ہاتھی دنیا میں تمام جانوروں سے زیادہ عظیم الجثہ ہوتا ہے۔ اس کے کان حد سے زیادہ بڑے، سونڈ زمین تک لٹکی ہوئی جس سے وہ کھانے پینے اور نہانے کا کام لیتا ہے اور پاؤں ستون کے ستون ہوتے ہیں۔ ہاتھی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ دوسرے جانوروں کے برعکس جن کی زبان باہر کی طرف نکلتی ہے اس کی زبان اُلٹی حلق کے اندر کی طرف جاتی ہے۔ اس کی جسامت اور بدہیئتی کی وجہ سے گھوڑے اور اونٹ تک اس سے بدکتے اور اسے دیکھ کر بھاگ نکلتے ہیں، ایک لڑائی میں بخت ناصر کی ہزیمت کا باعث جس کے لشکر میں اونٹ تھے یہ ہاتھی ہی ہوئے تھے لیکن فارس سے لڑائی میں عربوں نے یہ حال دیکھ کر اپنے اونٹوں کی لمبی لمبی گردنوں پر کالے کپڑے ڈال دیے تھے اور ہاتھی انہیں عجیب سی بلا بُس سمجھ کر پلٹے اور اپنی ہی فوجوں کو روندتے ہوئے بھاگ نکلے تھے۔

ہاتھی کی خوراک ظاہر ہے بلحاظ جسامت دنیا میں سب جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے اور بحالت غیض و غضب وہ بڑا خطرناک اور ہلاکت خیز و اجل آفریں ثابت ہوتا ہے لیکن سندھ و ہند

---

[1] اگر اور لوبان وغیرہ (رشادانی)

ہیں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اس سے بے شمار مفید مطلب کام لیے جاتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی وہ وہاں بڑا کام آتا ہے، اس کے دانت خزانوں میں جواہرات کی طرح محفوظ رکھے جاتے ہیں، اس کی کھال سے ڈھالیں بنائی جاتی ہیں، اس کی چربی میں کچھ زہریلی جڑی بوٹیاں ملا کر تلواروں اور خنجروں کو لڑائی کے لیے سم آلود کیا جاتا ہے اور اس کے دوسرے اعضاء و جوارح سے بے شمار مفید مطلب کام لیے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ بڑے لوگ مٹتے مٹتے بھی بہت کچھ رہ جاتے ہیں، اس لیے ہندوستانی کہاوت "مرا ہاتھی سوا لاکھ ٹکے کا" بے معنی نہیں ہے۔

افریقہ کے ہاتھیوں کی عمر چار سو سال کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں کچھ ہاتھی سو دو سو سال تک جیتے ہیں۔ ہتھنیاں سات سال میں صرف ایک بار حاملہ ہوتی ہیں اور بچے جنتی ہیں۔ وہاں کے ہاتھی اکثر سیاہ مگر کچھ سفید اور ابلق بھی ہوتے ہیں۔

زبرق | ہندوستان میں سب سے زیادہ خطرناک جانور جو افریقہ کے ہاتھیوں، شیروں اور چیتوں سے بھی زیادہ خطرناک بلکہ واقعۃً ایک عظیم بلا ہے وہ زبرق[1] ہے۔ وہ عموماً سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ افریقہ کے جنگلوں میں شیر بھورے، ایالدار، کئی کئی گز لمبے، بہت سی بلند جھاڑیوں سے بھی اونچے، حد سے زیادہ طاقت ور اور خونخوار ہوتے ہیں، وہاں کے چیتے ان سے بھی زیادہ خوفناک خونخوار، جسیم، دھاری دار یا چتی دار ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان کا پتہ پانی ہو جائے لیکن ہندوستان کا یہ بظاہر چھوٹا سا جانور ان دونوں بلکہ افریقہ کے جنگلی وحشی غضب ناک ہاتھیوں سے بھی اکثر زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ ایک درخت سے دور کے دوسرے درختوں تک بھی حیرت ناک لمبی لمبی چھلانگیں لگا سکتا ہے۔ اس کی دم حد سے زیادہ لمبی ہوتی ہے جسے وہ کوڑے کی طرح استعمال کرتا ہے اور کسی انسان کو تنہا پا کر اس سے اسے منٹوں میں ادھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ جب وہ کسی انسان یا جنگلی جانور کے آگے خود کو مجبور پاتا ہے تو اپنی دم پر پیشاب کر کے اسے اس پر پانی کی دھار کی طرح مارتا ہے جس سے اس آدمی یا جانور کے جسم میں چنگاریاں سی لگ جاتی ہیں بلکہ اس کی جلد جگہ جگہ سے جل جاتی ہے۔ اس کی آواز منحنی لیکن بڑی ہیبت ناک ہوتی ہے، اس کی چڑچڑاہٹ انسانوں کے جسم میں لرزہ پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے جھلسا دینے والے پیشاب کے نتائج کی بنا پر انسان تو انسان جنگلی خونخوار جانور تک اس سے بچ کر نکلتے ہیں۔

---

[1] زبرق = لنگور (شادانی)

عندبیل عندبیل ایک چھوٹا سا خوب صورت پرندہ ہے جو فارس کے علاوہ سندھ و ہند میں بھی پایا جاتا ہے اور پھولوں خصوصاً گلاب کی شاخوں پر چہچہاتا ہے۔ شاعروں نے اس کی تعریف میں بڑے خوب صورت اشعار لکھے ہیں۔ ویسے شاعر زندبیل یعنی چھوٹی ہتھنیوں کی تعریف میں بھی ان کی پھرتی چالاکی خصوصاً لڑائیوں میں ان کی کارکردگی دیکھ کر خاصے رطب اللسان رہے ہیں۔ افریقہ اور ہندوستان کے علاوہ ہتھنیاں کہیں بچے نہیں جنتیں۔ سندھ و ہند میں افریقہ کی طرح ہاتھی دانت کی تعظیم بھی نہیں کی جاتی۔ افریقی ہاتھی کی کھال سے شراب بھی بنا لیتے ہیں لیکن وہ چینی و تبتی درق[1] سے اچھی نہیں ہوتی۔

ہاتھیوں پر منصور کی عنایات عباسی خلیفہ المنصور نے جب شروع شروع میں ہاتھی دیکھا تو اس عجیب الخلقت جانور کی ہیئت کذائی دیکھ کر اسے سخت ناپسند کیا، اس نے اسے "مکروہ شکل کا وحشی جانور" کہا، اسے اس کے چھاجوں جیسے کان، اتنے بڑے سر پر چھوٹے گھونگوں جیسی آنکھیں، زمین تک لٹکتی ہوئی سونڈ جسے لوگ اس کی ناک کہتے تھے، اس قدر جسامت پر چھوٹی سی دم، اس کے تھموں جیسے پاؤں اور گز گز بھر اس کے نکلے ہوئے دو دانت ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے لیکن جب اس کے مقربین خاص نے ہاتھی کی جنگ میں کارکردگی اور دوسرے کارنامے سنائے اور یہ بھی بتایا کہ ہند و فارس کے حکمران اس کی پیٹھ پر جواہر نگار ہودے بندھوا کر کس قدر رعب داب اور کس شان و شوکت سے اس پر سواری کرتے ہیں تو اس سے اس کی وحشت و نفرت کسی قدر کم ہوئی۔ پھر جب اس کی اجازت سے اسے کہیں سے منگوا کر شاہانہ سواری کے لیے حسب منشا سدھایا گیا تو وہ بہت حیران ہوا اور اس کی نفرت انسیت میں بدل گئی، پھر رفتہ رفتہ وہ اس سے اس قدر مانوس ہوا کہ عرب کا بہترین شہسوار ہونے کے باوجود اسی سرزمین کے دنیا میں بہترین کہے جانے والے گھوڑوں کو بھول گیا اور اپنی ساری عنایات اس سلسلے میں ہاتھیوں کی طرف مبذول کر دیں۔ اس کے بعد المنذر بھی اسی کی طرح ان پر بطور خاص مہربان رہا اور ان کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ اس وقت سے اسلامی شہروں میں ہاتھی بھی عربی النسل گھوڑوں کی طرح حکمرانوں کے علاوہ امراء اور رؤسا میں مقبول ہونے لگے۔ عمرو بن بحر جاحظ نے اپنی عجیب و غریب تصنیف "کتاب الحیوان" میں ہاتھی کے ان گنت اوصاف

---

[1] وہ شراب جو چین و تبت میں ایک میوے دار درخت کی چھال سے تیار کی جاتی ہے۔ (شادانی)

بتائے ہیں اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس نے جو لکھا ہے بجا اور صحیح لکھا ہے۔ شاعر بھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہاتھی کی تعریف میں اکثر رطب اللسان رہے ہیں اور انہوں نے کچھ غلط نہیں کہا نہ مبالغہ آرائی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اونٹ کی طرح جس کا اس نے اپنے کلام پاک میں ذکر فرمایا ہے عجیب الخلقت، عظیم الجثہ اور حد سے زیادہ طاقت ور جانور تخلیق فرما کر اپنی مخلوق کو اپنی قدرت کاملہ کا نمونہ دکھایا ہے۔

البقر والجوامیس[1]

اب ہم حبشیوں کی مختلف اقسام، ان کے مختلف انساب، ان کی اقوام، ان کے مختلف مساکن و ممالک، ان کے حکمرانوں اور اجناس کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں جن کا ہم نے اس باب کے موضوع کے لحاظ سے اس کی افتتاحی سطور میں ذکر شروع کیا تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں جو لوگ اب زنگیوں، حبشیوں یا افریقیوں کے نام سے مشہور ہیں وہ کبھی دریائے نیل کے فرازی علاقے سے چلے تھے اور اس دریا کے نشیبی علاقوں میں آگے بڑھتے ہوئے وہاں تک جا پہنچے تھے جہاں یہ دریا بحر حبش کے ساحلی علاقوں کے قریب سے گزرتا ہوا ایک خلیج میں شامل ہو کر اس سمندر میں مل جاتا ہے جہاں سے کچھ آگے بحر حبش اور بحر روم مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ ہم پہلے یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس طویل سفر کے دوران میں وہ جہاں جہاں ٹھہرے تھے وہاں اُنہوں نے بستیاں بسائی تھیں، شہروں کی بنیاد ڈالی تھی اور منظم ہو کر حکمرانی بھی شروع کر دی تھی۔ یہ حکمران اگرچہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے کافی فاصلوں پر قیام پذیر تھے لیکن مجموعی طور پر وہ سب وقلیمی کہلاتے تھے۔ ان لوگوں کے انساب اور ان کی مختلف اقوام کے ذکر کے ساتھ ان کے مساکن اور وہاں کی اجناس یعنی حیوانات وغیرہ کا ذکر بھی آگیا تھا۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے مساکن و ممالک میں ہاتھیوں کے علاوہ جن کا ذکر پچھلے صفحات میں تفصیل سے ہو چکا ہے اور کون کون سے جانور پائے جاتے ہیں۔

اہل حبش کے پالتو جانوروں میں اُونٹ، گھوڑوں اور بھینسوں کے علاوہ گائے کا ذکر سب سے مقدم سمجھا گیا ہے جسے وہ مذکورہ جانوروں کے ساتھ ساتھ مار کر کھا بھی لیتے ہیں اور اس کی کھال کو طرح طرح سے استعمال کرتے ہیں۔ افریقہ کے جنگلی بھینسے گینڈوں، ہاتھیوں، شیروں اور چیتوں کے بعد سب سے خطرناک جانور ہیں، وہ انسان تو کیا مذکورہ وحشی جانوروں اور درندوں کا بھی ایسا زبردست مقابلہ کرتے ہیں کہ ان کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔

---

[1] گائے اور بھینس (رشادانی)

حبش کی گائیں، الجزائر کے بجرے، بلاد مصر، اس کے قریبی علاقے، جزیرہ تینس و دمیاط اور اس کے قریبی علاقوں کے سوا دنیا میں اور کہیں نہیں پائی جاتیں۔ البتہ وہاں کی جیسی بھینس صرف شام کے شہروں اور وہاں کے جیسے جنگلی بھینسے شام کے پہاڑی علاقوں کے گھنے جنگلوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ البتہ ایسی یا ان سے ملتی جلتی کچھ بھینسیں بلاد سندھ و ہند، طبرستان میں بھی مل جاتی ہیں۔ رہیں گائیں تو وہ دنیا میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں اور اسلامی ممالک میں عراق کے شہر کوفہ و بصرہ وغیرہ میں ان کی بہتات ہے لیکن حبش کے بعد اگر گائیں کہیں بھینسوں سے بھی بڑی ملتی ہیں تو وہ سندھ کا علاقہ ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ مغرب میں عنقا نام کا پرندہ بھی پایا جاتا ہے اور وہاں میں نے حماموں میں اس کی تصاویر لگی دیکھی لیکن میں نے اسے وہاں کبھی نہیں دیکھا نہ مجھے کوئی ایسا شخص ملا جس نے اسے دیکھا ہو اور اس کے وجود کی شہادت دے سکتا ہو۔ میرے خیال میں اس نام کے پرندے کا کہیں دنیا میں وجود نہیں ہے، بس اس کا نام ہی نام سنا جاتا ہے۔

اس سے قبل ہم ابھی سندھ کی گائے کی جسامت کا ذکر کر رہے تھے۔ ویسے میں نے علاقے میں ایسی گائیں بھی دیکھی ہیں جو اونٹ کی طرح بلبلاتی ہیں، ان پر گھوڑے کی طرح زین کس کر منہ میں لگام بھی دی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ اہل حبش بھی گائے سے اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں کی طرح باربرداری کا کام لیتے ہیں۔ رہے بیل تو ان سے ساری دنیا میں باربرداری اور گاڑیاں کھینچنے کے علاوہ اور بہت سے کام لیے جاتے ہیں۔ علاقہ رے کی جس گائے کا ہم نے ابھی ذکر کیا اس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ ایسی تمام گایوں کا تعلق علاقہ رے کے ایک خاص قبیلے سے ہے جن کے مالک مجوس زندیقیہ ہوتے ہیں۔ وہ ان سے مذکورہ بالا کام لینے یعنی باربرداری کے علاوہ انہیں مار کر کھاتے بھی ہیں جس طرح اہل حبش کرتے ہیں لیکن ان کی طرح اہل حبش کے بارے میں یہ نہیں سنا گیا کہ وہ اس کے تازہ گوشت کے علاوہ اس کا گوشت سکھا کر اور مہینوں رکھ کر بھی کھاتے ہوں۔

ملک حبش کے لقب کی تشریح

اب ہم پھر بلاد حبش، وہاں کے حکمرانوں اور ان کے حالات و کوائف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہاں کے ہر حکمران کو وقلیمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں کی زبان میں اس کا مطلب "رب کبیر کا بیٹا" ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اسی نے اسے ان لوگوں کا حاکم بنایا ہے اور ان کے معاملات کے انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا حکم دیا ہے لیکن جب وہ کوئی ایسا حکم دیتا ہے جو ان کے نزدیک حق اور قرین انصاف نہ ہو تو وہ اسے قتل کر دیتے ہیں کیونکہ وہ پھر حکومت کے قابل نہیں رہتا کیونکہ اب جیسے وہ اپنی زبان میں "ملکنجلو"[1] کہتے ہیں اور "رب السموات والارض"

---

[1] بعض نسخوں میں "ملکنجلو" لکھا ہے (مترجم عربی)

سمجھتے ہیں اپنے بیٹے کو خلاف حق و انصاف کوئی حکم دینے کا اختیار نہیں دے سکتا - اہل حبش میں ان کی زبان کے خطیب بھی ہوتے ہیں - وہ ان میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور صالح ہوتے ہیں اور ان کو جمع کر کے وعظ کہتے ہیں - ان کے مواعظ میں نیک چلنی کی ہدایت، خدا کا خوف، عاقبت میں سزا کا ڈر وغیرہ کی باتیں اور ان کے گزشتہ ملوک اور اسلاف کے کردار کا ذکر ہوتا ہے - ویسے ان کے کوئی باضابطہ مذہبی قوانین نہیں ہیں بلکہ ان کے حکمرانوں کے رسوم اور ان کے عائد کردہ احکام ہی کو مذہبی طور طریق سمجھا جاتا - یہی حال ان کی سیاست کا ہے - ان کے حکمران ان پر کچھ سیاسی پابندیاں عائد کر دیتے ہیں جو ان کے ملکی نظم و ضبط کا کام دیتی ہیں - ان کی غذا زیادہ تر کیلا ہے جو وہاں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ شہد اور گوشت بھی کھاتے ہیں - حبش کے سمندر میں جزیرے بے شمار ہیں جہاں ناریل بہت ہوتا ہے اور وہی ان اہل جزائر کی عمومی خوراک ہے - ان جزائر میں سے ایک ایسا جزیرہ بھی ہے جو بحر حبش کے ساحل سے ایک یا دو دن کی مسافت پر واقع ہے اس جزیرے میں مسلمان آباد ہیں - یہ جزیرہ انہیں کچھ پہلے مسلمان حکمرانوں سے وراثت میں ملا تھا۔

مساکن نوبہ

اہالیان حبش میں جو لوگ نوبہ کہلاتے تھے وہ دو جماعتوں میں بٹ گئے تھے - ان میں سے پہلی جماعت جو نیل کے مشرقی و غربی علاقے میں ٹھہری تھی وہ بعد میں دریائے نیل ہی کے کنارے مستقل سکونت پذیر ہو گئی اور ان کی آبادیاں نیل کے بالائی علاقے مصر و صعید اور اسوان کی قبطی آبادیوں کے قریب تر جا پہنچیں اور انہوں نے اپنی انہیں آبادیوں میں سے ایک جگہ منتخب کر کے اسے اپنا دار المملکت بنا لیا - یہ جگہ ایک چھوٹی بستی سے رفتہ رفتہ بڑھ کر ایک بہت بڑا شہر بن گئی اور وہ شہر "نقلہ" کہلانے لگا - انہیں نوبہ زنگیوں کی دوسری جماعت نے پہلی جماعت سے الگ ہو کر اپنا نام "علوہ" رکھ لیا - انہوں نے بھی بہت سی بستیاں بسائیں، پھر ایک بڑا شہر بسا کر اسے دار المملکت بنایا اور اس کا نام "سریہ" رکھ لیا۔

جب ہم اپنی زیر نظر کتاب کے اس حصے تک پہنچے تو وہ سال ۳۳۲ھ ہجری کا ماہ ربیع الثانی تھا اور ہم اس وقت فسطاط میں ٹھہرے ہوئے تھے - ہمیں وہیں اطلاع ملی کہ نوبہ زنگیوں کی پہلی جماعت کے ملک ابن ملک ابن ملک "کابل" ابن سرور نے جس کے اسلاف نے "دنقلہ" کو اپنا دار الحکومت بنایا تھا اب اپنی حدود سلطنت وہاں تک بڑھا لی ہیں جو ان کی دوسری جماعت "علوہ" کی حدود سلطنت "ماقرہ" اور ان کے متصل علاقوں کے شہر اسوان میں شامل ہیں بلکہ اپنی قلمرو کی حدود مصری علاقے سعید تک پہنچا دی ہیں جن میں مصر کا شہر اسوان بھی آتا ہے حالانکہ اس دوسری جماعت نے اپنی الگ حکومت

قائم کر کے اپنے دار الحکومت کا نام بھی پہلے لوگوں کے دار الحکومت دنقلہ کے نام سے الگ "مریہ" رکھ لیا تھا۔

بجہ زنگیوں کی ابتدائی انواع اور اقسام واقوام میں ایک اور جماعت بھی تھی جو بحر قلزم اور مصری دریائے نیل کے درمیانی علاقے میں آ بسی تھی۔ اس جماعت نے اپنی قومی حیثیت الگ کر کے اپنی شناخت کے لیے "بجہ" نام اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے بھی اس علاقے میں دار المملکت قائم کر کے اپنی ہی نئی قوم کے ایک شخص کو بادشاہ بنا لیا تھا۔ ان کی مملکت میں سونے کی کانیں بھی نکل آئی تھیں۔ انہیں وہ "معادن تبر" کہتے تھے۔ ان کی خوش قسمتی سے وہاں زمرد کی بھی ایک کان نکل آئی تھی۔ اس وقت ان کی آبادیاں مملکت نوبہ کے علاقے تجب تک پھیل گئی تھیں لیکن پھر ان کی قوت زوال پذیر ہونے لگی۔ اس وقت تک وہ نوبہ سے کہیں زیادہ طاقت ور قوم تھی لیکن اس کے کچھ ہی عرصے بعد وہاں اسلامی قوت بڑھنے لگی اور اس علاقے میں مسلمانوں نے آباد ہو کر سونے کی ان کانوں پر تسلط حاصل کر لیا اور بلاد علاقی و عیذاب تک پھیل گئے۔ ان لوگوں میں عربی قبیلے ربیعہ کا نامور شخص ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان بھی شامل تھا۔ قبیلۂ ربیعہ کے افراد نے جب بجہ قوم میں شادیاں کر لیں تو ان افراد کی وجہ سے اس کی قوت پھر بڑھنے لگی۔ دوسری طرف قبیلہ ربیعہ کے مذکورہ افراد کو بھی اپنی قوت بڑھانے میں بجہ قوم سے بے حد مدد ملی اور رفتہ رفتہ وہ اپنے پڑوسی علاقوں میں آباد بنی قحطان اور مضر بن نزار جیسے طاقت ور لوگوں پر بھی غالب آ گئے۔ اس وقت ہمارے زمانے یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں ان مذکورہ کانوں پر ابومروان بشر بن اسحاق کی ملکیت ہے وہ بھی بنی ربیعہ میں سے ہے اور آج کل بنی ربیعہ اور اپنے حلیف مضری و یمنی تین ہزار افراد کے علاوہ قوم بجہ کے ان تیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل لشکر کے ساتھ جو جحف ہے اور بجہ لوگوں میں حداربہ کہلاتا ہے نوبہ کے علاقے تجب تک آ پہنچا ہے۔ بجہ قوم میں جحف یا حواربہ بھی مسلمان ہیں۔ اس قوم کے باقی لوگ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے اور ہنوز اپنے مخصوص بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔

حبشہ قدیم زنگیوں کی ایک کثیر تعداد بحر حبشی کے ان اطراف میں بھی آ بسی تھی جس کی مملکت محروسہ کو اب "حبشہ" کہا جاتا ہے۔ اس مملکت کا دار الحکومت "کعبر"[1] ہے جو کثیر آبادی پر مشتمل ایک شاندار عظیم شہر ہے۔ اس مملکت کا حکمران نجاشی اسی شہر میں رہتا ہے۔ حبشہ میں اور بھی متعدد

---

[1] بعض نسخوں میں "کعبی" لکھا ہے (مترجم عربی)

پُر رونق شہر اور وسیع عمارتیں ہیں۔ بادشاہ نجاشی کا یہ ملک بحر حبشی کے قریب ہے، اس ملک کا اپنا ساحل ہے اور اس پر بہت سے شہر آباد ہیں۔ حبشہ کے سمندری ساحل پر کئی ایسے شہر بھی ہیں جن میں مسلمان آباد ہیں اور یہ سب مملکت حبشہ کے ذمی ہیں۔ حبشہ کے سمندری ساحل سے ارض یمن کے ساحل زبید تک جس پر شہر علافقہ[1] آباد ہے بلحاظ عرض البحرتین دن کا فاصلہ ہے۔ جب یمن پر ذی نواس کی حکومت تھی تو اہل حبشہ یہ فاصلہ طے کر کے ساحل عبید ہی کی طرف سے اس سرزمین میں داخل ہوئے تھے۔ قرآن میں ذی نواس کا ذکر صاحب الخلود کے نام سے آیا ہے۔ اب اس سرزمین پر حرملی کے حکمران ابراہیم بن زیاد کا قبضہ ہے۔ چونکہ حرملی مذکورہ ساحل یمن اور ساحل حبشہ کے درمیان واقع ہے اس لیے یہاں سے ساحل حبشہ تک بحری جہازوں کی آمدورفت ہوتی رہتی ہے جن میں تجارتی سامان لایا اور لیجایا جاتا ہے جس کے لیے دونوں حکومتوں میں باہمی معاہدہ ہوگیا ہے۔ ان دونوں سواحل کے درمیان کچھ ایسے مقام بھی ہیں جہاں سمندر کی چوڑائی بہت کم ہوگئی ہے۔ ایسے مقامات پر اب تک کئی جزیرے موجود ہیں۔ ان میں سے ایک جزیرے کا نام "جزیرہ عقل" ہے۔ اس جزیرے کا یہ نام اس کے پانی کی وجہ سے پڑگیا ہے جسے "ماء العقل" (یعنی عقل کا پانی یا آب دانش) کہا جاتا ہے۔ اس پانی کو اس طرف سے گزرنے والی کشتیوں کے لوگ بڑے شوق سے پیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ پانی عقل و دانش میں عموماً اضافہ کرتا ہے اور یہ پانی واقعی دوسری جگہوں کے پانی سے کہیں زیادہ مصفا اور فرحت بخش ہے۔ بعض فلاسفہ متقدمین نے یہاں کے پانی کے یہ خواص اور اس کے اسباب بتائے ہیں۔ ہم نے اپنی ایک دوسری کتاب اخبار الزماں میں جہاں اطباء اور ان کے تجربات علاج معالجے کے سلسلے میں بیان کیے ہیں ان کے ضمن میں ہم نے اس پانی کا ذکر بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ ظہور اسلام سے قبل اور اس کے بعد کئی حکمرانوں کے کچھ امراض کا علاج صرف ایسے ہی مقامات کے پانی سے کیا گیا ہے اور کامیاب رہا ہے۔

ابن زیاد نے اپنے دورِ حکومت میں اس جزیرے کو حاصل کرلیا تھا اور وہاں اب تک اس کے ساتھی اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں۔

جزیرۂ سقطرہ بلاد عدن کے قریب بحر حبشی میں ایک جزیرہ ہے جو سقطرہ کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگ اس جزیرے کے نام کے ساتھ صبرِ سقطری کا

---

[1] بعض نسخوں میں "علافتہ" لکھا ہے (مترجم عربی)

بھی اضافہ کر دیتے ہیں لیکن یہ اضافہ صرف اس جزیرے ہی میں کیا جاتا ہے، اس سے باہر کسی دوسری جگہ اس اضافے کے ساتھ اس جزیرے کا نام لیتے ہوئے آج تک کسی کو نہیں سُنا گیا۔

جب سکندر بن فیلیس[1] ہندوستان کی فتح کے لیے گیا تھا تو ارسطا طالیس[2] بن نقوماخس[3] نے اسے وہاں جو خط بھیجا تھا اس میں اس جزیرے کا ذکر کیا تھا اور لکھا تھا کہ واپسی میں اس طویل سفر کی تکان دُور کرنے کے لیے وہ اس جزیرے میں ٹھہرے۔ اپنے خط کے جن یونانی زبان کے الفاظ میں سکندر کو پیش آنے والی تکالیف اور ان کی برداشت کا ذکر کیا تھا عربی میں اس کا ترجمہ "صبر سقطری" ہوتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اس جزیرے کا نام سقطرہ پڑ گیا ہو اور اسی وقت سے اس کے ساتھ اہل جزیرہ میں یہ اضافہ بھی چلا آرہا ہو۔ بہرکیف سکندر واپسی میں اپنے یونانی لاؤ لشکر کے ساتھ جن میں ارسطو کے شہر اسطاغر (اسطامود) کے رہنے والے اور ان کے اہل و عیال بھی تھے اس جزیرے میں آیا اور ملوک ہند کے گماشتے جو وہاں تھے انہیں بھی مغلوب کر لیا اور اس جزیرے کو اپنی ملکیت میں لے لیا۔ سکندر نے اس عظیم بت کو بھی جو ملوک ہند کی طرف سے اس جزیرے میں رکھا گیا تھا یونان منتقل کر دیا۔ سکندر کے وقت میں جو یونانی اس جزیرے میں رہ گئے انہوں نے وہاں ازدواجی تعلقات قائم کر لیے۔ ویسے اہل یونان اپنے تحفظ النساب کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ ہند و روم میں ان کے سلسلۂ توالد و تناسل کا کہیں بجز اس جزیرے کے ذکر نہیں ملتا۔

ہندی افواج نے جب بھی کسی مسلم عرب کا رُخ کیا وہ اپنی کشتیوں میں ہمیشہ اس جزیرہ سقطرہ سے ہو کر گذریں جس طرح رومی افواج مصر و شام پر حملے کے لیے بحر روم کے محفوظ جزیرے شوانی سے جہاں ان کے فوجی اڈے تھے کشتیوں میں جنہیں اس جزیرے کے نام کی نسبت سے شوانی کہا جاتا تھا۔ گذر کر آتی تھیں۔

اسی جزیرہ سقطرہ سے بہت سی جڑی بوٹیاں باہر لے جائی جاتی تھیں کیونکہ ان کے خواص ساری دنیا میں شہرت رکھتے تھے۔ ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں ان عقاقیر و نباتات میں سے اکثر کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ویسے اس جزیرے کے لوگ سکندر کا دَور گزر جانے اور ظہور مسیح علیہ السلام کے بعد عیسائی ہو گئے تھے اور

---

[1] اردو میں "فیلقوس" لکھا اور بولا جاتا ہے (رشادانی)

[2] " " "ارسطو" " " " " " (" ")

[3] " " "لقوماجیس" " " " " " (" ")

اب تک نصرانی چلے آتے ہیں۔

سوڈانیوں کی باقی اقسام و اقوام

ان زنگیوں کے علاوہ جو مغرب کی طرف جا کر آباد ہو گئے تھے اور جن کا ذکر ہم زیر نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں ان کی اور بھی کئی جماعتیں یا قومیں تھیں جو شمالی افریقہ یعنی سوڈان سے چل کر مغربی افریقہ وغیرہ میں آباد ہو گئی تھیں مثلاً زنماوہ، کوکو، قراقر، دمدیدہ، مرلیس و مبرس، ملانہ و قوماطی اور دویلہ و قرمہ۔ ان سب قوموں کا اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے زنگیوں کا الگ الگ بادشاہ (حکمران) اور دار الحکومت تھا۔ ان سوڈانیوں کی جملہ انواع و اقسام، ان کے مساکن، ان کی نزدرتی بود و باش، ان میں شعور کی کمی اور سیاہ فام ہونے کے اسباب نیز ان کے مختلف بادشاہوں اور ان زنگیوں کی عجیب و غریب سیرت و سلوک انساب کے تفصیلی حالات اپنی کتاب اخبار الزمان کے تیس فنون میں سے فن اوّل میں بیان کر چکے ہیں۔ ان میں سے جو کچھ باقی رہ گئے تھے وہ ہم اپنی ایک دوسری تالیف کتاب الاوسط میں درج کر چکے ہیں۔ البتہ اس کے بعد جو اطلاعات ان کے بارے میں ہمیں ملیں اور ہماری دو مذکورہ کتابوں میں اندراج سے رہ گئی تھیں صرف انہیں کی تفصیلات ہم نے زیر نظر کتاب میں بیان کی ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب عمرو بن عاص آپ کی طرف سے مصر کے گورنر ہو کر وہاں گئے تو آپ نے انہیں نوبہ سے جہاد کا حکم دیا تھا لیکن جب انہوں نے آپ کو نوبہ والوں کی تیر اندازی میں مہارت کی اطلاع دے کر یہ لکھا کہ وہ محاذ جنگ سے پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے اور اسی وجہ سے نوبہ کی فتح میں تاخیر ہو رہی ہے تو آپ نے انہیں نوبہ سے مشروط صلح نامے کی اجازت دے دی تھی۔ عمرو بن عاص کے بعد جب عبداللہ بن سعد مصر کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے بھی سابقہ شرائط پر نوبہ سے اس صلحنامے پر عملدر آمد جاری رکھا۔ اس صلح نامے کی شرائط یہ تھیں: "مصر اور نوبہ کے درمیان جو متنازعہ علاقہ ہے جس میں سے کچھ حدود مصر کے متصل اور کچھ نوبہ کی سرحد کے قریب ہے، اس کی زراعتی پیداوار باہمی صلح نامے کے مطابق تقسیم سال بسال مختلف فصلیں اٹھانے کے لحاظ سے ہو گی۔ اس پیداوار کی قابل تقسیم مقدار مجموعی طور پر سال کے ۳۶۵ دنوں کی مناسبت سے اسی تعداد کی جھلیاں ہوں گی جو پوری پوری پُر شدہ ایک ایک کر کے اسی تعداد کے باربرداری کے جانوروں پر لادی جائیں گی اور مصر و نوبہ میں مساوی تقسیم ہو گی۔ مصر ہر فصل کی پیداوار سے نوبہ کو اس کا طے شدہ حصہ دے گا لیکن نوبہ اپنے مقبوضہ علاقے سے اس کے بدلے صرف کھجوریں دے گا، مصر اور نوبہ کے درمیان یہ صلح نامہ عبوری ہو گا۔"

اس صلح نامے میں مرقوم اکثر شرائط جو نوبہ کی پیش کردہ تھیں مصری مفاد کے سراسر منافی اور نوبہ کے حق میں تھیں اس کے علاوہ اس پر نوبہ کے حکمران کے دستخط اور سرکاری مہر بھی نہیں تھی اس لیے یہ کچھ عرصے معرض التوا میں پڑا رہا - لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں صلح نامہ حدیبیہ کی طرح اسے عبوری سمجھتے ہوئے اس شرط پر کہ اس پر حسب دستور نوبہ کے حکمران کے دستخط اور سرکاری مہر لگ جائے اس کی بارگاہِ خلافت سے اجازت مل گئی - اس صلح نامے میں مصر کی طرف سے پیش کردہ یہ شرط درج ہونے سے رہ گئی تھی کہ متنازعہ علاقے کی مذکورہ پیداوار کی تقسیم کے اخراجات دونوں فریق مساوی طور پر برداشت کریں گے - اس سلسلے میں نوبہ والوں سے جب زبانی بات چیت ہوئی تو وہ بولے :-

"مسلمان جس طرح اپنے مذہبی دستور و قوانین اور اپنے حکمران کے احکام کے پابند رہنا چاہتے ہیں اسی طرح ہم بھی اپنے حکمران کے حکم کی پابندی پر مجبور ہیں اور اس نے ہمیں صلح نامے میں درج شدہ شرائط کے علاوہ کسی مزید شرط کو زبانی بھی قبول کرنے کی اجازت نہیں دی"

دوسری طرف اسلامی صواب دید کے مطابق مصر اور نوبہ کے درمیان مذکورہ پیداوار کی تقسیم کے بارے میں یہ طے ہوا کہ اس تقسیم کے بعد مصر کا جو حصہ ہوگا اس میں سے پانچ فیصد امیر اسوان کا حصہ ہوگا، بارہ فی صد نوبہ اور مصر کی طرف سے مقرر کردہ اس مجموعی مال کے متولیوں اور ان دیانت دار لوگوں کا حصہ ہوگا جو امیر اسوان کے سامنے اس مال کی عادلانہ تقسیم کی اپنے عہدے اور نام "قصر" کے اعتبار سے نگرانی کریں گے، بیس فی صد مصری بیت المال میں جائے گا اور باقی مرکزی اسلامی بیت المال کے لیے بھیجا جائے گا - اس میں نوبہ نے صرف اپنے مصری متولی اور اس کے ساتھیوں کے معاوضے کی ذمہ داری لی تھی - بہرکیف مصر اور نوبہ کے درمیان اس صلح کے تحریری معاہدے پر خلافت راشدہ کے علاوہ بنی امیہ کے دورِ حکومت اور اس کے بعد عباسی حکومت کے زمانے میں بھی کچھ عرصے عمل درآمد ہوتا رہا لیکن جب عباسی خلیفہ مامون الرشید مصر آکر فسطاط میں ٹھہرا تو اسوان کے کچھ معزز لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذکورہ صلح نامے کی ان شرائط پر اعتراض و احتجاج کیا جو سراسر مصری مفاد کے خلاف اور نوبہ کے حق میں تھیں - مامون الرشید نے ان کے اعتراض اور احتجاج کو درست تسلیم کرتے ہوئے نوبہ کے ساتھ اس معاہدے کو منسوخ کر دیا - اس کے بعد مصر اور نوبہ میں جو نیا باہمی معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے نہ صرف ایک دوسرے کے

ہر علاقے میں دونوں طرف سے لوگوں کی آزادانہ آمدورفت کا آغاز ہوا تھا بلکہ ان میں تجارتی معاہدات بھی طے پا گئے تھے۔

سطور بالا میں لفظِ قصر کے حوالے سے جن لوگوں کا ذکر آیا ہے وہ مصر اور نوبہ کے مشترک مقبوضہ علاقے "قصر" کے رہنے والے تھے اور خود بھی اسی نام سے مشہور تھے۔ یہ بستی اسوان کے جزیرے بلاق کے قریب ہے اور اسوان اور نوبہ دونوں طرف سے قریب پڑتی ہے۔ یہاں مصر اور نوبہ دونوں طرف کے لوگ کثرت سے آباد ہیں۔ جزیرۂ بلاق کو دریائے نیل نے اس طرح گھیر رکھا ہے جس طرح دریائے فرات نے جزائر کاثنہ کو گھیرا ہوا ہے۔ جزیرۂ بلاق میں چھوٹی بڑی پہاڑیوں اور چٹانوں کی بہتات ہے پھر بھی یہاں مصر اور نوبہ دونوں کے لوگ کثرت سے آباد ہیں جب کہ اسوان میں اہل حجاز کی آبادی زیادہ ہے۔ جزیرۂ بلاق تک اسوان اور نوبہ کی کشتیاں اکثر آتی جاتی رہتی ہیں۔

یہ حالات و واقعات اس زمانے سے قبل کے ہیں جب ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان اور مضر بن نزار نے بجہ میں داخل ہو کر وہاں کی سونے اور زمرد کی کانوں پر قبضہ کر لیا تھا اور پھر انہوں نے اور ان کے قبیلے کے دوسرے لوگوں نے اہل بجہ سے سلسلۂ ازدواج قائم کر لیا تھا جس کے بعد بجہ کے لوگ اہل نوبہ اور ان کی حکومت پر چھا گئے تھے۔

زمرد اور اس کی اقسام

زمرد کی ایک کان علاقۂ صعید کے بالائی حصے شہر قفط[1] میں ہے۔ جہاں زمرد کی یہ کان ہے وہ اس شہر کا پہاڑی حصہ ہے اور خربہ کہلاتا ہے۔ بجہ اس شہر کے مذکورہ پہاڑی حصے خربہ سے نزدیک ہے جہاں دور دور تک زمرد کی کانوں کی کھدائی ہوتی ہے۔ جو زمرد ان کانوں سے نکلتا ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم "مر" کہلاتی ہے۔ اس کا حد درجہ گہرا سبز رنگ ہرے رنگ کی جملہ نباتات سے زیادہ سبز ہوتا ہے۔ اس کے سبز رنگ میں کسی دوسرے رنگ کی بال برابر ملاوٹ نہیں ہوتی۔ اس پر نہ کوئی لکیر ہوتی ہے نہ خراش۔ یہ حد درجہ آب دار اور صاف شفاف پُر نور ہوتا ہے۔ یہ زمرد نادر الوجود اور زمرد کی ہر قسم سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ زمرد کی دوسری قسم "بحری" ہے۔ اس کے اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سندھ و ہند اور حبش و چین کے ملوک بحر کا بے حد پسندیدہ و مرغوب پتھر ہے۔ وہ اسے اپنی پگڑیوں کے سرپیچ پر پیشانی کے رُخ پر لگاتے ہیں اور اپنے تاجوں میں، انگوٹھیوں میں اور مہروں پر لگواتے

---

[1] بعض نسخوں میں "قبط" لکھا ہے (مترجم عربی)

ہیں۔ یہ اپنی آب، تب و تاب اور صفائی میں دوسرے درجے پہ آتا ہے۔ اس کا رنگ بھی سبز ہوتا ہے مگر پہلے درجے کے زمرد سے رنگ میں کسی قدر کم ہوتا ہے۔ تیسری قسم کے زمرد کو "مغربی" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ انگلستان، فرانس، اندلس، جرمنی، جلالتہ، ژشکند، متابیہ اور مغربی روس میں بہت پسند کیا جاتا ہے اور وہاں کے بادشاہوں اور امراء و رؤسا کا مرغوب ترین پتھر ہے۔ مشرق و مغرب کے ان درمیانی علاقوں کے لوگ بھی جہاں یافث بن نوح کی نسل آباد ہے اس پتھر پہ جان دیتے ہیں۔ زمرد کی چوتھی قسم "اصم" کہلاتی ہے۔ یہ اپنے رنگ روپ، آب و تاب اور صفائی کے لحاظ سے زمرد کی چاروں اقسام میں سب سے کم درجہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ اپنے طول و عرض اور وزن میں سب سے کم ہوتا ہے، اس میں پتھر اور مٹی کے ذرات بھی پائے جاتے ہیں جو اسے توڑے بغیر اس سے الگ نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ وہ اس کے اندرونی حصوں میں چہار طرف پیوست ہوتے ہیں پانی میں بھی حل نہیں ہوتے۔ اعلیٰ قسم کے زمرد اگر اپنی کانوں میں بجلی کی کڑک چمک، بادلوں کی حد سے متجاوز گرج اور دوسرے قدرتی طوفانی حوادث سے دوچار نہ ہوں یا کان سے باہر انہیں تراشنے کے بعد ان میں سوراخ نہ کیے جائیں تو ان کا وزن کم سے کم چار مثقال ہوتا ہے، البتہ انگوٹھیوں اور دوسرے زیورات کے مطلوبہ حلقوں میں اگر انہیں دکھا جائے تو ظاہر ہے ان کا وزن انہیں کی نسبت سے کم ہو جائے گا کہتے ہیں کہ زمرد کی آب و تاب اور صفائی چاند کی روشنی کی نسبت سے گھٹتی بڑھتی ہے، چاند کی پہلی تاریخوں میں اس کی آب و تاب کم ہوتی ہے پھر جوں جوں چاند بڑھتا ہے زمرد کی آب و تاب میں بھی بتدریج اضافہ ہوتا جاتا ہے اور چودھویں رات یا پورن ماشی کو جب چاند اپنا دائرہ مکمل کر لیتا ہے تو زمرد کی چمک دمک بھی اپنے عروج پہ پہنچ جاتی ہے۔ یہ بات مجھے کچھ جواہرات کی پرکھ رکھنے والے دانشوروں، کچھ ماہرین حجریات اور کچھ جوہریوں نے بتائی ہے۔ زمرد عموماً چین، سندھ و ہند اور دوسرے متعلقہ علاقوں سے عدن اور سواحل یمن وغیرہ سے جا کر مکے کے جوہریوں کے ہاتھ فروخت کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ زمرد آگ یا ہیرے پہ رکھنے سے جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

زمرّد کے نقصانات

زمرد کے فوائد کے ساتھ ساتھ اس کے نقصانات بھی کچھ کم نہیں ہیں، اس کے پہننے یا لمس سے بعض لوگوں کے جسم میں زخم پیدا ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگوں کو نقرس اور سنگ مثانہ کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ یہ بات اکثر لوگوں کے تجربے میں آ چکی ہے۔ اس کے خواص میں افادیت کے پہلو یہ ہیں کہ زمرد پہننے والے پر سانپ کی پھنکار کا اثر نہیں ہوتا بلکہ زمرد پہ نظر پڑتے ہی پھنکار بھول کر ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ تجربے کے بعد

لوگوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ مسموم شخص کو درجہ اوّل کے خالص زمرد کے صرف گیہوں کے برابر دو دانے پانی میں ڈال کر وہ پانی پلایا تو فوراً زہر کا اثر اس کے جسم سے زائل ہو جاتا ہے۔

خالص زمرّد کو یونان اور روم کے بادشاہوں میں بہت پسندیدہ اور قابل قدر سمجھا جاتا ہے، وہ ایسے زمرد کو جملہ جواہرات میں حد سے زیادہ پسند کرتے بلکہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ایسے زمرّد کے عجیب و غریب خواص کے علاوہ اس کی قدر و منزلت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ خالص زمرد کا وزن تمام جواہرات میں سب سے کم ہوتا ہے اور اس کے پہننے میں آسانی ہوتی ہے۔

آفتاب کی تمازت اور بجلی کی تابش و حرارت کا زمرد کی کانوں پہ بہت اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمرد کی کانوں میں سفید اور زرد رنگ گندھک کی کثرت ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے بلادِ منصورہ میں کافوری کانوں کا اپنی پچھلی کتابوں میں ذکر کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے۔

چونکہ ہم اپنی ایک پچھلی کتاب "اخبار الزماں" میں دنیا میں پائے جانے والے جملہ جواہرات ان کی اقسام، ان کے خواص اور ان کی افادیت و نقصانات پر تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں اس لیے ہم نے یہاں ارض حبش کے حوالے سے صرف زمرد کا بخیال اختصار کسی قدر اجمالی ذکر کیا ہے ویسے ہم نے چونکہ زیر نظر باب ارض حبش کے حالات و کوائف کے لیے مختص کیا ہے، اس لیے یہاں اس کے حوالے سے اتنا اور بتائے دیتے ہیں کہ خربہ میں بھی جس کا ہم اس کتاب میں پہلے ذکر کر چکے ہیں زمرد کی ایک کان ہے۔ اس افریقی بستی کے قریب وجرا ہیں اور بہت سی بستیاں ہیں جن میں سے علاقۂ صعید کی دو بستیاں قوص و قفط بہت مشہور ہیں جن میں سے قوص میں ابھی تک بہت سے لوگ آباد ہیں لیکن قفط جو کبھی بڑی آباد اور پُر رونق بستی تھی اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہے۔

بلاد الواحات

جہاں تک بلاد واحات کا تعلق ہے تو سمجھ لیجیے کہ یہ جگہ مصر و اسکندریہ، صعید مصر، مغرب اور سرزمین احابش کے کچھ دوسرے مقامات نوبہ وغیرہ کے درمیان واقع ہے۔ ہم نے اس جگہ کے جملہ کوائف مثلاً وہاں کے باشندوں کی مجموعی تعداد، وہاں کی آب و ہوا، ہاضم چشموں اور مختلف کھانوں وغیرہ کا حال اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہاں کا حکمران آج کل یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں عبدالملک بن مروان ہے اور اس کا مذہب نیز سیاسی عقائد سب وہی ہیں جو اس کے جدِ اعلیٰ مروان کے تھے چونکہ اس نے وہی تربیت پائی ہے وہ جب سوار ہو کر چلتا ہے تو اس کی سواری کے ساتھ شہر کے شرفا اور معززین میں سے کبھی کبھی کم سے کم ایک ہزار ورنہ ویسے ہزاروں آدمی چلتے ہیں۔ اس کے زیرِ حکومت اس شہر تک آنے کے لیے

حبش کے دوسرے قریبی مقامات سے کم سے کم چھ دن کا بحری سفر کرنا پڑتا ہے۔ اس شہر کی مٹی کے خواص بھی عجائبات میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں۔ یہ شہر خود کفیل ہے، اس لیے اسے کسی دوسرے شہر سے کبھی کسی امداد کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہاں سے املی، خشک انگور، انجیر، عناب، پھٹکری اور کافی نمک وغیرہ جیسی بہت سی اشیاء دوسرے مقامات کو تجارتی مقدار میں برآمد کی جاتی ہیں۔

میں نے یہ سب باتیں جیسا کہ میرا دنیا کی سیر و سیاحت کے دوران میں عام قاعدہ ہے اپنے ایک شناسا اور عبدالملک بن مروان کے مصاحب خاص محمد بن طفج سے معلوم کی ہیں۔ یہ صاحب سنہ ۳۳۰ ہجری میں یہاں آئے تھے اور اسی وقت سے یہاں کے مشہور محلے باب اخشید میں قیام پذیر ہیں۔

"ہم نے اپنی اس کتاب مروج الذھب و معادن الجوہر کی پہلی جلد کے اس آخری باب میں (توقع ہے کہ) وہ سب باتیں جن کا بلحاظ موضوع اس باب سے تعلق تھا خاصی تفصیل سے بیان کر دی ہیں۔ زیرِ نظر جلد کے ابواب ماسبق کی طرح اس باب کے موضوعات سے متعلق بھی بہت سی مزید تفصیلات ہم اپنی پچھلی کتابوں اخبار الزمان وغیرہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم یافث بن نوح کی اولاد کی جس کا ہم نے اپنی زیرِ نظر کتاب کی اس جلد اوّل کے آغاز میں ذکر کیا ہے، شاخوں، ان کے مساکن، تاریخ میں ان کے انواع و الوان اور انساب کے بارے میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وغیرہ کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ عنقریب دوسری جلد میں کریں گے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ اس کی توفیق سے یہ جلد اوّل ختم ہوئی"

تاریخ المسعودی

مروج الذہب و معاون الجواہر

حصّہ دوم

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی بزرگ شخصیت اور نامور مورخ

امام المورخین ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودیؒ

کی شہرۂ آفاق تالیف

کا اردو ترجمہ

مترجم

پروفیسر کوکب شادانی

(بی اے آنرز (علیگ)، ایم اے ایم او ایل (پنجاب))

ناشر

نفیس اکیڈمی

اسٹریچن روڈ۔ کراچی ۱

فہرست موضوعات

حصّہ دوم

عرضِ ناشر

دُنیا کے نامور سیّاح، علوم کائنات کے ماہر، علم تاریخ و جغرافیہ میں کامل الفن، شہرہ آفاق مؤرخ ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی متوفی ۳۴۶ھ ہجری کے علمی و تحقیقی کارناموں اور ایک عظیم مؤرخ کی حیثیت سے اس کی آفاق گیر شہرت پر اس کے عظیم ترین گراں قدر کارنامے "مُروجُ الذہب و معادن الجواہر" کی جلد اوّل کے اُردو ترجمے میں معروضات ناشر" کے تحت ہم اجمالاً روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اُردو میں مذکورہ بالا کتاب کے ترجمے کی اہمیت پر بھی اظہارِ خیال کر چکے ہیں اور اب قارئینِ کرام کی خدمت میں جلد دوم پیش کرتے ہوئے حیرت آمیز مسرت محسوس کر رہے ہیں، حیرت اس لیے کہ اس قبیل کی ضخیم علمی کتابوں کی موجودہ کساد بازاری کے زمانے میں بھی ہمارے ترقی پذیر ملک میں ان کے شائقین کی کمی نہیں ہے اور مسرت اس لیے کہ ہمیں روایت پسند بلکہ رجعت پسند سمجھنے کے بجائے علمی و قومی خدمت کے سلسلے میں ہماری اس جراُت رندانہ کو لاتعداد خواتین و حضرات نے نہ صرف بہ نگاہِ تحسین دیکھا ہے بلکہ اس سلسلے میں ہمیں بے شمار توصیفی خطوط بھی موصول ہوئے ہیں، جن کے لیے ہم اپنے علم دوست قارئین کرام کے شکر گزار ہیں اور اپنے پروردگار کا بھی لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ اس کے فضل و کرم سے ہمارے خوابہائے شیریں کی تعبیریں بھی ابھی تک خوش گوار نکلتی آ رہی ہیں۔

"مُروجُ الذہب" جلد دوم کا زیر نظر اُردو ترجمہ بھی مخدومی جناب پروفیسر کوکب شادانی کے کرشمہ ساز قلم کا مرہونِ منّت ہے، اس کی اشاعت میں جو کسی قدر تاخیر و تعویق ہوئی ہے اس کا خاص سبب فاضل مترجم کی علالت تھی جس کی بنا پر موصوف کو اپنے معالج کے مشورے پر چند ماہ مسلسل مری اور اسلام آباد میں قیام کرنا پڑا، ہم نے اپنے کرم فرماؤں اور موصوف کے بے شمار مدّاحوں کے اس ترجمے کی بعجلت اشاعت کے اصرار پر مبنی موصول ہونے والے مسلسل خطوط انہیں

ارسال کر دیے تھے جس کا حسبِ اُمید خوشگوار اثر ہوا کہ موصوف نے مکمل طور پر صحت یاب نہ ہونے کے باوصف یہ ترجمہ مکمل کر کے ہمیں بھجوا دیا اور ہم نے بھی کاغذ کی موجودہ ہوشربا گرانی اور دیگر بھاری اخراجات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی دیرینہ روایات کا بھرم رکھنے کے لیے اس ترجمے کو ممکنہ عجلت سے شائع کر دیا ہے۔ تیسری اور چوتھی جلد کے تراجم بھی انشاء اللہ جلد شائع کیے جائیں گے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ

اُمید ہے ہماری اس ناچیز علمی و قومی خدمت کو بھی حسبِ سابق بہ نگاہِ استحسان دیکھا جائے گا۔

طارق اقبال گاھندری

المسعودی

پیش لفظ

(ترجمہ جلد دوم)

آئندہ صفحات میں تیسری، چوتھی صدی ہجری کے نامور مسلم مؤرخ "امام المؤرخین" المسعودی کی عالمی تاریخ و جغرافیہ پر گراں قدر شہرہ آفاق تالیف "مُرُوجُ الذہب" و معادن الجواہر" جلد دوم کا اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ اہل علم واقف ہیں اور المسعودی کی اس نادر تالیف کے ترجمہ جلد اوّل کے پیش لفظ میں عرض کیا جا چکا ہے۔ ہمارے اس نامور عربی مسلم مؤرخ اور جغرافیہ داں نے ابوالمؤرخین ابن خلدون کی طرح مغرب کے بڑے بڑے سربرآوردہ محققین کو تاریخ نویسی کا نہ صرف پہلی بار ڈھنگ سکھایا بلکہ ایک طویل عرصے کی دشوار ترین عالمی سیاحت اور جانکاہ علمی و تحقیقی کاوش کے بعد تخلیق کائنات سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے قریباً نصف اوّل تک علم تاریخ و جغرافیہ پر اپنی مذکورہ بالا تالیف کی چار جلدوں میں اس قدر فکر انگیز مواد فراہم کر دیا کہ کم و بیش سارے یورپ میں علم تاریخ کے فنی ماہرین بھی عش عش کر اُٹھے اور وہاں کے انصاف پسند اہل علم آج تک اس عظیم مسلم مؤرخ کو خراجِ تحسین ادا کرتے رہتے ہیں کیونکہ عصر حاضر کے ترقی یافتہ سائنسی دَور میں بھی علوم کائنات پر ایسا نادر و نایاب مستند تحقیقی ذخیرہ کہیں مشکل ہی سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ "مُرُوجُ الذہب" کے انگریزی نسخے، فرانسیسی نسخے اور بیروت (لبنان) میں اس کے تازہ ترین عربی نسخے پر تحقیقی کام کا ذکر جلد اوّل کے پیش لفظ میں کیا جا چکا ہے۔

علوم کائنات اور عالمی تاریخ و جغرافیہ پر اپنے زمانے کی حد تک المسعودی کو جس قدر عبور حاصل تھا اور اسے پیش کرنے میں مؤلف موصوف نے جس قدر جگر کاری اور محنت شاقہ سے کام لیا ہے اس کا اندازہ اہل فکر و نظر کو "مُروجُ الذہب و معادن الجواہر" کی چاروں جلدوں کے بالاستیعاب

مطالعے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مؤلف موصوف کو عربی زبان و ادب میں جو کمال حاصل تھا اس کا اندازہ بھی عربی زبان و ادب کے وسیع و تمام تر مطالعے ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔ "مُرُوجُ الذہب" کے عظیم و نامور مؤلف نے شاہانِ عالم کے پُر رونق درباروں کی آراستگی و پیراستگی کی جس منفرد اُسلوب میں عکاسی کی ہے اس کا جواب ادبیاتِ عالم میں کہیں مشکل ہی سے مل سکے گا۔ ایسے ادبی اسلوب کی طرحگی اور نادر کاری کو کسی دُوسری زبان میں ہو بہو و ہو بہو منتقل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے خصوصاً عربی زبان کی ایسی عبارتوں کا ترجمہ کرنا جن کا ایک ایک لفظ بلحاظ بلاغت آج بھی دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے متعدد تحریری صفحات پر بھاری ہوتا ہے اور وہ بھی قریب قریب اسی ادبی شگفتگی کے ساتھ جس قدر دشوار ہے یہاں اس کا ذکر اہلِ نظر کے آفتابِ فراست کو چراغ دکھانے کا مصداق ہوگا، البتہ یہ عرض کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ ناچیز راقم الحروف نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ قارئین کرام کو "مُرُوجُ الذہب" جلد اوّل کے اُردو ترجمے کی طرح جس کے سلسلے میں اُنہوں نے راقم الحروف کو محترم چوہدری اقبال سلیم گاھندری صاحب مرحوم کے لائق فرزند عزیز القدر چوہدری طارق اقبال گاھندری صاحب مالک و مدیر منتظم نفیس اکیڈمی کراچی کے توسط سے بے شمار توصیفی خطوط ارسال فرمائے ہیں (جن کے لیے میں ان کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں) مذکورہ بالا گراں قدر تالیف جلد دوم کے زیرِ نظر اُردو ترجمے کے بارے میں بھی یہ شکایت نہ رہے کہ "گیسوئے اُردو ابھی منت پذیر شانہ ہے؛ شمع یہ سودائی دلسوزیِ پروانہ ہے"

"مُرُوجُ الذہب" کے لائق مؤلف المسعودی نے اپنی گراں قدر تالیف کی اس دوسری جلد کے چند مخصوص آخری ابواب (خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک) جس انتہائی احتیاط اور دیانتِ تاریخ نگاری کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے قلمبند کیے ہیں ان کے ترجمے میں بھی اُسی قدر احتیاط اور دیانت ترجمہ کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اگرچہ مؤلف موصوف کے قلمبند کردہ ان ابواب میں کچھ تلخ و افسوسناک مگر مستند اور ٹھوس تاریخی حقائق کا ترجمہ کرتے وقت ناچیز راقم الحروف کو جگہ جگہ دانتوں پسینہ آ گیا ہے۔

اُمید ہے کہ "مُرُوجُ الذہب" جلد اوّل کے اُردو ترجمے کی طرح اس جلد دوم کے ترجمے کو بھی علمی و ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا، وما توفیقی الا باللہ۔

احقر العباد

کوکب شادانی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب (۱)

نسل صقالبہ، ان کے مساکن و حکمران اور مختلف قبائل

صقالبہ

صقالبہ مادبن[1] یافث بن نوح کی نسل سے ہیں اور ان کے جملہ قبائل کا تعلق اسی نسل سے ہے جملہ اہل علم اور مؤرخین اس پہ متفق ہیں۔ ان کے قدیم مساکن جودی[2] میں تھے جہاں سے وہ مغرب کی طرف منتقل ہوئے۔ ان کے مختلف قبیلے تھے جن میں باہمی لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ ان کے حکمران بھی تھے۔ ان میں سے کچھ دین مسیحی پہ تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کا کسی مذہب سے تعلق نہ تھا۔ وہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی طرح کسی مذہب یا شریعت سے واقف تک نہ تھے۔ انہیں قبائل میں حکمران بھی تھے جن کا تعلق ازمنۂ وسطیٰ سے تھا۔ ان کا ایک حکمران ماجک[3] کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے قبیلے کا نام "ولینانا" تھا۔ صقالبہ کی جملہ نسلوں کا شیرازہ اسی قبیلے سے متعلق تھا۔ اور دوسرے تمام قبائل کے حکمران اسی کے مطیع تھے۔ پھر اس قبیلے سے ایک دوسرا قبیلہ نکلا جس کا نام اصطبرانہ پڑا۔ اس قبیلے کا موجودہ حکمران صقلائح ہے اور اس کا قبیلہ دلاوتہ کہلاتا ہے۔ ان کا ایک علاقہ دانج علاف ہے جہاں قبیلہ تامجیین رہتا ہے، ان کا حکمران غزانہ ہے۔ یہ قبیلہ اس نسل کے جملہ قبیلوں میں شجاعت اور شہسواری کے لحاظ سے سب پہ فوقیت رکھتا ہے۔ ان کا ایک قبیلہ منابن[4] ہے جس کا حکمران زنبیر ہے۔ ان کا ایک قبیلہ سرتین بھی ہے۔ صقالبہ کا یہ قبیلہ مہیب

---

[1] بعض نسخوں میں ماد کی جگہ باد لکھا ہے (مرتب)

[2] بعض نسخوں میں جودی کی جگہ جرا لکھا ہے (مرتب)

[3] 〃 〃 〃 ماجک کی جگہ ماجل لکھا ہے (〃)

[4] 〃 〃 〃 منابن 〃 〃 مابین 〃 〃 (〃)

ترین ہونے کی وجہ سے اکثر مؤرخین نے اس کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے اور دُوسرے بہت سے قبائل اس کی اطاعت پر مجبور رہیں۔ مذکورہ بالا قبائل کے علاوہ ان کا ایک قبیلہ صاصین، ایک جروانیق، ایک خشانین اور ایک براتجابین بھی ہے۔ ان سب قبائل کے الگ الگ حکمران ہیں۔ قبیلہ سرتین کے لوگ اپنے حکمرانوں کی میتوں کو جلاتے ہیں بلکہ ان کے جانوروں اور جملہ املاک کو بھی نذرِ آتش کر دیتے ہیں۔ اس قبیلے کے دوسرے مُردے بھی جلائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ قبیلہ ہندوستان کے ہندوؤں کی اسی رسم کی تقلید کرتا ہے جیسا کہ ہم جبل قبخ و خزر کے ذکر میں جہاں صقالبہ کے علاوہ روسی بھی آباد ہیں بیان کر چکے ہیں۔ یہ لوگ مغرب کی سرحدیں عبور کر کے مشرقی علاقوں میں آ گئے ہیں۔ اسی لیے مشرقی علاقوں کی متعدد روایات ان میں رواج پا گئی ہیں۔

ملوک صقالبہ

صقالبہ کا پہلا حکمران "ملک الدیر" کہلاتا ہے۔ اس کے بہت سے گنجان شہر اور بلند و بالا عمارتیں ہیں۔ اس کے پاس ایک بڑا لشکر بھی ہے جس کے سپاہیوں کی تعداد بے شمار ہے۔ یہ لوگ اکثر روم، افرنگ، نوکبرد اور دوسری قوموں سے محاربات میں مصروف رہتے ہیں۔ ان میں جو لوگ ترکی سے آکر آباد ہوئے ہیں وہ شکل و صورت اور شجاعت میں ان سب سے ممتاز ہیں۔

قبائل صقالبہ

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں صقالبہ کے بہت سے قبیلے ہیں۔ ان کا ذکر ہم نے جبل قبخ و خزر کے ساتھ جلد اوّل میں بھی کیا ہے۔ ان کا قدیم ترین قبیلہ ماجک ہے جس کا تعلق علاقہ ولینانا سے ہے۔ یہی سب سے بڑا قبیلہ ہے جس کی قدامت پر سب کو اتفاق ہے۔

جب قبائل صقالبہ میں اختلافات پیدا ہوئے تو ان کا نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔ ان سب کا تفصیلی ذکر ہم اپنی کتاب اخبار الزمان میں کر چکے ہیں جو قدیم اقوام کے حالات پر مشتمل ہے۔

باب (۲)

افرنگ و جلالقہ، ان کے حکمرانوں اور ہمسایہ اقوام کا ذکر

افرنگ و صقالیہ اور لوکبرد، اشبان، یاجوج و ماجوج، ترک، خزر، دبرجان اور للان وجلالقہ کا جو ذکر ہم علاقہ جدی کے تحت کر چکے ہیں اس سے مؤرخین کے کسی گروہ کو کوئی اختلاف نہیں ہے علاقہ جدی شمال میں ہے اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں کے قدیم قبائل یافث بن نوح کی نسل سے ہیں جو حضرت نوح (علیہ السلام) کا چھوٹا بیٹا تھا۔ ان قبائل میں فرنگی سب سے زیادہ تُندخو اور سخت گیر واقع ہوئے ہیں اور بڑے باہیبت لوگ ہیں اور ان میں سے اکثر جنگجو ہیں۔ ان کے ملک کا وسیع علاقہ متمدن، منظم، قوانین کا پابند اور اپنے حکمرانوں کا مُتّبع ہے۔ جلالقہ فرنگیوں میں سے بھی زیادہ شہ زور اور جنگ جُو ہیں وہ افرنگ سے ہمیشہ متحارب رہتے ہیں۔ افرنگ کی زبان ایک ہے۔ ان کے ملک میں حزب اختلاف جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کا موجودہ دارالحکومت بویرہ ہے۔ ویسے ان کے شہروں کی تعداد ان قصور و محلات اور قلعوں کے علاوہ جو ان سے الگ مقامات پر تعمیر کیے گئے ہیں پچاس ہے۔

مساکن افرنگ ظہور اسلام سے قبل فرنگیوں کے مساکن سمندری جزیرے روڈس میں تھے اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ جزیرہ اسکندریہ کے سامنے تھا۔ یہ جزیرہ اب یعنی ہمارے زمانے میں روم کی جہاز سازی کی صنعت گاہ ہے۔ اس کے آگے جزیرۂ اقریطش آتا ہے جسے ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ اسی طرح افریقی ممالک اور جزیرہ صقلیہ بھی پہلے فرنگیوں ہی کا تھا۔ ہم اس جزیرے اور جزیرۂ برکان کا پہلے ذکر کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ کبھی اس جزیرے میں بے سر کے اجسام شعلوں کی طرح سطح آتشی سے

بلند ہو کر آسمان کی طرف پرواز کر جاتے تھے اور رات کے وقت ہوا میں تیرتے پھرتے تھے پھر دن میں سمندر میں آ پڑتے تھے اور مچھلیوں کی طرح اہل صقلیہ کے لیے خوراک کا کام دیتے تھے۔ اسی جزیرے میں فرفوریس حکیم کی قبر ہے جو یونان کا پہلا منطق داں تھا۔ پہلی جلد میں ہم نے زمین سے برآمد ہونے والی دوسری اغذیات کا ذکر کیا ہے جو اس جزیرے کے باشندوں کی خوراک ہے جیسا کہ ہم وادی برہوت کے بارے میں ذکر کر چکے ہیں جو بلاد حضر موت اور شجیر میں ہے۔ اس کے علاوہ ہم بحر چین کے بلاد زابج اور بلاد اسک کے باشندوں کی اشیائے خوردنی کا بھی ذکر کر چکے ہیں (یہ مقامات بلادِ فارس و اھواز کے درمیان بلادِ فارس کے شہر ارجان کے قریب ہیں۔ جس جزیرے کی آگ کا ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں وہ دس میل دور سے نظر آ جاتی ہے۔ اب یہ جزیرہ اسلامی جزیرہ ہے جہاں لوگ زمین سے اگی ہوئی چیزیں بطور خوراک استعمال کرتے ہیں۔ یہاں زمین سے گندھک اور دوسرے جمادات نکلتے ہیں ان کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان گرم چشموں کا ذکر بھی ہم بلاد ماسبدان کے تحت کر چکے ہیں جو ارضِ اربوجان اور شیبرداں میں ہیں اور عجائباتِ عالم میں شمار ہوتے ہیں۔

ہم اس سے قبل یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہاں کے سمندروں سے خوراک کے علاوہ یہاں کی مخلوق اور کیا کیا فوائد حاصل کرتی ہے۔

ملوک افرنگ

۳۳۶ھ ہجری میں مصر کے شہر فسطاط میں ہم نے وہ کتاب دیکھی جو نصرانی اسقف عرماز نے ۳۲۸ھ ہجری میں حکم بن عبدالرحمن بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن ابن حکم بن ہشام بن عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بن حکم جو اپنے باپ عبدالرحمن صاحب اندلس کا ولی عہد تھا تحفتہً بھیجی تھی اور اسے لکھا تھا کہ "فرنگیوں کا پہلا حکمران قلودیہ تھا جو خود تو مجوسی تھا لیکن اس کی بیوی جس کا نام غرطلہ تھا نصرانی تھی۔ قلودیہ کے بعد اس کا بیٹا لذریق اس کا جانشین ہوا۔ لذریق کے بعد اس کا بیٹا دقشرت فرنگیوں کا حکمران ہوا۔ اس کے بعد سلسلہ بسلسلہ یکے بعد دیگرے دقشرت کا بیٹا لذریق، پھر قرطال ابن دقشرت اور اس کے بعد اس کا بیٹا قارلہ، پھر اس کا بیٹا ببنین، پھر اس کے بعد قارلہ بن ببنین حکمران ہوئے۔ قارلہ بن ببنین حکم صاحب اندلس کے زمانے میں فرنگیوں کا حکمران تھا۔ اس کی حکومت چھ سال تک رہی، پھر اس کی اولاد میں اختلافات پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے فرنگیوں کی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی۔ بہرحال لذریق بن صادقہ کی حکومت دس سال چھ ماہ رہی۔ لذریق بن صادقہ وہی تھا جس نے طرطوشہ کی طرف بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا قارلہ بن لذریق حکمران

ہوا تھا جس نے محمد بن عبدالرحمٰن بن حکم بن ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ محمد کو اس زمانے میں "امام" کہا جاتا تھا۔ قارلہ بن لزریق کی حکومت ۳۹ سال ۶ ماہ رہی، اس کے بعد اس کا بیٹا لزریق فرنگیوں کا حکمران ہوا، اس کی حکومت چھ سال رہی لیکن اس کے بعد فرنگیوں کا ایک مذہبی "قائد" نوسہ نے اس پر چڑھائی کی اور فرنگیوں کا حکمران بن گیا اور اس نے آٹھ سال حکومت کی۔ اسی نے مجوسیوں کو اس شرط پر سات سال تک اپنے ملک میں قیام کی اجازت دی تھی کہ وہ چھ سو رطل سونا اور چھ سو رطل چاندی سالانہ اسے ادا کریں۔ نوسہ کے بعد قارلہ بن تقویرہ[1] نے چار سال حکومت کی۔ اس کے بعد قارلہ آخر کی حکومت ہوئی جس نے ۳۱ سال ۳ ماہ حکومت کی۔ اس کے بعد لزریق بن قارلہ کی حکومت ہوئی جو ہمارے زمانے میں ۳۳۲ھ ہجری تک قائم ہے۔ یہ وہ سب باتیں ہیں جو اب تک ہمارے علم میں آئی ہیں۔

عبدالرحمٰن و جلالقہ

اندلس کے فرنگیوں میں سب سے بڑھ کر جنگجو قوم جلالقہ ہی تھی۔ اس وقت عبدالرحمٰن صاحب اندلس کا وزیر بنی اُمیہ کی نسل سے ایک شخص احمد بن اسحٰق تھا۔ اس نے چونکہ عبدالرحمٰن کے خلاف جلالقہ سے مل کر بغاوت کی تھی اس لیے عبدالرحمٰن نے احکام شریعت کے مطابق اسے قتل کرا دیا تھا۔ احمد بن اسحٰق کا ایک بھائی اُندلس کے قریب شہر شنترین میں رہتا تھا۔ اس نے جب اپنے بھائی کے قتل کا حال سُنا تو وہ بھی جلالقہ کو ملا کر عبدالرحمٰن کے مقابلے کی تیاری کرنے لگا۔ عبدالرحمٰن نے جب یہ سُنا تو وہ ایک لاکھ سپاہ پر مشتمل ایک عظیم لشکر لے کر قلعہ شنترین کی طرف بڑھا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن اس قلعے کے گرد کافی چوڑی خندق تھی اور وہاں ان مسلمانوں کے علاوہ جو اُمیہ کے ساتھ تھے جلالقہ بھی تھے جن کی بہادری جنگجویانہ خصائل کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ کچھ عرصہ قلعہ شنترین کے محاصرے کے بعد عبدالرحمٰن نے قلعہ کے گرد خندق کو عبور کرنے کی پے در پے ہفتوں کوشش کی جس میں اس کے لشکر کے پچاس ہزار آدمی کام آ گئے۔ اس کے علاوہ عبدالرحمٰن کے لشکر کے پاس جو ساز و سامان تھا اسے خود عبدالرحمٰن کا ذاتی بیش قیمت سامان دیکھ کر اہل حرص و ہوس کا

---

[1] بعض نسخوں میں نانلہ بن بغربیہ لکھا ہے (مرتب)

شکار ہوگئے اور انہوں نے قلعہ سے باہر آکر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہا جس کے نتیجے میں انہیں شکست ہوئی اور انہوں نے عبدالرحمٰن سے صلح کی درخواست کی جو امیہ کی طرف سے تھی۔ جلالقہ کے حکمران اذمیر نے بھی اس سے معافی مانگی اور صلح کا خواہاں ہوا۔ جس پر عبدالرحمٰن نے انہیں معاف کر دیا بلکہ انہیں زر و مال سے بھی نوازا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے جنگ کے وہ قواعد اختیار کیے جو جلالقہ میں چلے آرہے تھے اور ان میں ایسی مہارت حاصل کی کہ خود جلالقہ حیران رہ گئے تاہم جلالقہ اب تک یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک اپنے مقبوضات کے مالک ہیں اور ان کا حکمران بھی وہی اذمیر ہے جو عبدالرحمٰن کے مقابل آیا تھا۔ اذمیر سے قبل فرنگیوں کے مقبوضات کا حکمران اردون تھا۔ اور اس سے پہلے اذلوشن تھا۔ اندلس کے ان اطراف کے عوام اور حکمران تا حال دین مسیحی پر ہیں۔

باب (۳)

قوم نوکبردا اور اس کے حکمران

ان کے انساب و مساکن

قوم نوکبرد کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ یہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے ممالک مغرب سے متصل ہیں۔ ان کا مرکزی مقام بھی جدی ہے۔ ویسے ان کے بے شمار جزیرے ہیں جہاں ان کے قوی الہیکل اور بہادر جنگجو آباد ہیں ان سب کا ایک ہی حکمران ہے جس کی اطاعت پر سب کے سب ہر وقت کمربستہ رہتے ہیں۔ اس حکمران کا نام "اونکبس" ہے۔ ان کے ملک کا دارالحکومت ایک بڑے شہر میں ہے جس کا نام "ھی نبیت" ہے۔ اس شہر کے دونوں طرف ایک عظیم نہر نکالی گئی ہے۔ اس نہر کی خوبی یہ ہے کہ اس کی تہہ میں قدرتی طور پر گندھک رہتی ہے جس کی وجہ سے اس کا پانی شفاف اور جراثیم سے پاک ہے۔ اسی لیے یہ نہر عجائبات عالم میں شمار ہوتی ہے۔ اس نہر کا نام "سابیط" ہے۔ قوم نوکبرد کے قرب و جوار میں اندلسی مسلمان آباد ہیں۔ ان لوگوں کی چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کے اکثر بڑے بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان شہروں میں شہر باری، شہر طارنیو اور شہر شبرامہ وغیرہ شامل ہیں۔ قوم نوکبرد نے ان شہروں کو واپس لینے کے لیے متعدد لڑائیاں لڑیں لیکن مسلمانوں کے مقابلے میں ہر بار شکست کھائی۔ یہ ذکر ۳۳۲ ہجری تک کا ہے۔

ہم اس سے پہلے فرنگیوں، صنقالبہ اور جلالقہ و نوکبرد کا ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اندلس کے حکمرانوں سے ان کی کتنی اور کہاں کہاں لڑائیاں ہوئیں۔ ان دنوں اندلس میں جو حکمران ہے اس کے نسب اور احوال و اخبار کے بارے میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ حکومت عباسیہ کے دورِ اوّل میں جو شخص پہلی بار اندلس آیا وہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام تھا۔ وہ کس طرح

اندلس پہنچا اور وہاں اسے کیا حالات پیش آئے اور پھر کس طرح اس نے اندلس کی حکومت حاصل کی اس کا حال متعدد کتب تواریخ میں آچکا ہے اور ہم بھی اس کا ذکر اس سے قبل تفصیل سے کر چکے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اندلس کا دار الحکومت قرطبہ ہے جس کی بلند بالا عمارات محلّات و باغات اور قصر خلافت کا ذکر بھی پہلے ہو چکا ہے۔ قرطبہ کے علاوہ بھی اندلس کے کئی اور بڑے بڑے شہر ہیں جن کی شان و شوکت دیکھ کر لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ قرب و جوار کے جملہ حکمران جن میں فرنگی، صقالبی، جلالقی اور نوکبردی وغیرہ سبھی شامل ہیں اب صاحب اندلس کے مطیع و منقاد ہیں۔ آج کل جب امیر اندلس کی سواری نکلتی ہے تو اس کے جلو میں کم سے کم ایک لاکھ فوجی سواروں کا لشکر ہوتا ہے۔ امیر اندلس کے اس کرّ و فر اور شان و شوکت کے علاوہ اس کے پاس زر و سیم اور جواہرات کی کثرت ناقابل بیان ہے۔

باب (۴)

قومِ عاد اور اس کے حکمران

عاد اوّل اخبار عالم میں ثقہ ترین اصحاب کے مطابق حضرت نوح (علیہ السلام) کے بعد قوم عاد میں پہلا شخص جس کے نام سے ساری قوم مشہور ہوئی عاد اوّل ہوتر تھا اور سارے عرب پر اس کا غلبہ تھا۔ عاد اوّل اور اس کی ہلاکت قرآن سے ثابت ہے اس لیے اس اس سلسلے میں کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن میں اس کے حد درجہ ظالم اور جابر ہونے کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس کے ظالم و جابر ہونے اور بدکرداری کا ذکر اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر حضرت ہود (علیہ السلام) کی زبانی کیا ہے۔ جب قوم نوحؑ کے کفار کو اللہ تعالےٰ نے ہلاک کر دیا تو اس کے بعد قوم عاد سطح ارضی پر چھا گئی اور یہ سب حکم الٰہی سے ہوا۔ یہ لوگ اُونچے درختوں کے برابر طویل القامت اور قوی الجثّہ بھی تھے۔ ان کی ہئیت کذائی کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔

نسب عاد عاد عظیم الخلقت ہونے کے علاوہ بڑا جابر شخص تھا۔ وہ نسبی اعتبار سے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کہلاتا ہے۔ یہ عاد اوّل چاند کی پرستش کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عاد کی اولاد چار ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ جو عاد کی ایک ہزار بیویوں سے تھی۔ اس کا ملک بلادِ یمن کے متصل تھا جو بلادِ احقاف اور بلادِ صحاری پر مشتمل تھا۔ یہ مقامات جیسا کہ ہم اس کتاب کی جلد اوّل میں بیان کر چکے ہیں عُمّان سے لے کر حضرموت تک پھیلے ہوئے تھے۔

جب عاد کا انتقال ہوا اس وقت وہ ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کے بعد حکومت اس کی اولاد

میں اولاد در اولاد منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ حکومت دسویں شخص غمر تک پہنچی۔ اس کے زمانے میں حکومت کو استقلال و استحکام حاصل ہوا۔ وہ حسنِ اخلاق اور مہمان نوازی کی وجہ سے عوام میں بہت مقبول تھا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ایک ہزار دو سو سال تھی۔

غمر کے بعد اس کا بیٹا شدید بن عاد حکمران ہوا۔ اس نے پانچ سو تیس سال حکومت کی کچھ مؤرخین نے کم و بیش بھی بتائی ہے۔

شدید بن عاد کے بعد اس کا بھائی شداد بن عاد بادشاہ ہوا۔ اس کی حکومت ۹۰۰ سو سال رہی جو کم و بیش جملہ اکناف عالم پر محیط تھی۔ اسی نے "ارم ذات العماد" تعمیر کیا تھا جس کے کوائف ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ تاہم لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ کہاں اور کس جگہ واقع تھا۔ البتہ اس کے وجود کی دلیل قرآن میں موجود ہے۔ شداد بن عاد عاد ثانی تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے: (الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد) اس عاد یعنی شدّاد کی حکومت میں ظلم و جبر اپنی انتہا کو پہنچ گئے تھے شدّاد بن عاد ساری دنیا میں گھوما پھرا۔ بلادِ ہند میں اظہارِ قوت اور شوکت و حشمت کی انتہا کر دی۔ غرض دنیا میں مشرق سے مغرب تک اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے متعدد لڑائیاں بھی لڑیں۔ یہاں ہم نے اس کا ذکر بخوف طوالت اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم نے قوم عاد اور اس کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر، اس قوم کے عادات و خصائل اور چہروں مہروں کی تفصیل اپنی پہلی کتابوں اخبار الزمان، کتاب الاوسط اور کتاب الزلف وغیرہ میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔ اس قوم میں تفریق انساب اور ان کے تنزل کے اسباب پر اس کتاب میں آگے چل کر روشنی ڈالیں گے۔ یہاں اتنا سمجھ لیا جائے کہ اندلس کے ساتھ سب قوموں سے زیادہ اس قوم نے سختی کی تھی اور جبر و ظلم میں یہی قوم سب سے آگے تھی۔ اس کے بعد اسی کے آس پاس ایک اور قوم ابھری جو ومشکش کہلائی اور جس کا ہم اپنی پچھلی کتابوں میں ذکر کر چکے ہیں۔

باب (۵)

قوم ثمود، اس کے حکمران اور اس کے نبی حضرت صالحؑ

مساکن ثمود

ہم نے اس سے قبل قوم ثمود اور اس کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا قدرے ذکر کیا ہے۔ ملک ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح شام و حجاز کے درمیان بحر حبشی کے کنارے واقع تھا۔ ان کا ایک شہر فج ناقہ میں اور ان کے مکانات پہاڑوں کی گھاٹیوں میں اب تک ملتے ہیں۔ ان کی کچھ رسوم اور آثار بھی تا حال باقی ہیں۔ ان کی رسوم قریب قریب وہی ہیں جب وہ شام سے وادی قریٰ میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے مکانات اور دوسری جگہیں اب بھی ویسی ہی ہیں یعنی اس طرح کی ہیں جیسی ہماری ہیں۔ ان کے چہرے مہرے اور قد و قامت قوم عاد کے علی الرغم ہم سے زیادہ قریب ہیں، ان کے اکثر مکانات اب ارض شجیر میں ہیں۔ ان میں یہ تبدیلیاں تبدیل مقام کی وجہ سے آئی ہیں، ان کا پہلا حکمران جس نے کم و بیش دو سو سال حکومت کی عابر بن ارم بن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح تھا۔ اس کے بعد "جندع بن عمرو" بن زبیل بن ارم بن سام بن نوح بادشاہ ہوا جس نے اپنی ہلاکت کے وقت تک ۲۹۰ سال حکومت کی۔ اسی جندع نے حضرت صالح علیہ السلام کے حکم سے پہلے حکمران کو ۴۰ سال قبل ہلاک کیا تھا۔ قوم ثمود میں سب سے زیادہ عرصہ اسی جندع نے حکومت کی ویسے قوم ثمود کی حکومت کا مجموعی عرصہ ۳۲۷ سال ہوتا ہے۔

قوم ثمود ہی میں حضرت صالح علیہ السلام نے توحید خداوندی کی تبلیغ کی تھی۔ یہ قوم اونٹوں والی قوم کہلاتی تھی۔ انہی کے ایک سردار نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ اگر وہ سچے نبی ہیں۔ تو اپنے رب سے کہیں کہ سامنے کی چٹان سے ایک اونٹنی پیدا کر دے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے خدا سے دعا کی۔ چٹان کی شکل بالکل ایسی ہو گئی، جیسی کسی حاملہ عورت کی دردِ زِہ

کے وقت ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے بحکم خدا ایک اُونٹنی ظاہر ہو گئی۔ اس کے بعد اس اُونٹنی کے لیے چارے اور دانہ پانی کی تلاش ہوئی۔ خدا نے اس کے لیے ایک چشمہ پیدا کر دیا لیکن اس سے کوئی دُوسرا اس کی باری کے دن پانی نہیں لے سکتا تھا۔ قوم ثمود حضرت صالحؑ کے بہت سے معجزات دیکھ چکی تھی۔ لیکن بار بار انہیں معجزات دکھانے پر مجبور کرتی رہتی تھی۔

اس اونٹنی کے واقعہ کے بعد ان میں پانی پر جھگڑا چلا۔ اتفاق سے قوم ثمود میں دو حسین ترین عورتیں تھیں۔ ایک کا نام غنیزہ بنت غنم اور دُوسری کا صدوف بنت مجیا تھا۔ ان دونوں پر دو مرد قدار بن سالف اور مصدع بن مفرج عاشق تھے۔ مفسد عورتوں کی مکاریاں تو مشہور ہی ہیں چنانچہ ان دونوں نے مذکورہ بالا دونوں مردوں سے کہا کہ وہ اُونٹنی کے باری کے دن جب کسی کو چشمے سے پانی لینے کی اجازت نہیں ہے پانی لاکر دکھا دیں اور یہ شرط رکھی کہ اگر وہ اپنے قول کے سچے نکلے تو وہ ان کی زوجیت میں آجائیں گی۔ ان دونوں نے پانی کے حصول کے لیے تلوار اور خنجر استعمال کیے اور اونٹنی کو ذبح کر دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ تم پر خدا کا عذاب آنے والا ہے۔ قوم ثمود کے ایک سردار نے پوچھا "عذاب کب آئے گا؟" یہ گویا تمسخر تھا۔ آپ نے فرمایا "جمعرات کو" اس نے کہا: "جمعرات تو آج ہے۔" آپ نے فرمایا ہفتہ کے دنوں کا صحیح حساب لگایا جائے تو جمعرات کل ہوگی۔ چنانچہ دوسرے دن ان پر قہر خداوندی نازل ہو گیا۔ حضرت صالح (علیہ السلام) سے عذاب کے بارے میں پوچھنے والا جندع بن عمرو ہی تھا اور وہ بھی جندع ہی تھا جس نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ وہ پہاڑی چٹان سے اُونٹنی پیدا کر کے اپنی نبوّت کا ثبوت دیں۔ جب عذاب آیا تو قوم ثمود ہلاک ہو گئی۔ حضرت صالح (علیہ السلام) اپنے کچھ متبعین کے ہمراہ ارضِ فلسطین کی طرف ہجرت فرما گئے۔

قوم ثمود اور اس پر عذابِ الٰہی کے بارے میں مؤرخین کے علاوہ عرب شاعروں نے بہت کچھ کہا ہے۔ انہیں میں حباب بن عمر ہیں جو حضرت صالح پر ایمان لانے کے بعد آپ کے ہمراہ فلسطین چلے گئے تھے۔

ہم اس کتاب میں آگے چل کر اس کا ذکر ان اذکار کے ساتھ کریں گے جب قومیں منتشر ہو کر بابل کی طرف پھیلتی چلی گئیں اور مختلف قبائل میں تقسیم ہو گئیں۔ ان کی نسلیں اور زبانیں بھی بدل گئیں جس کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی پچھلی کتاب اخبار الزمان میں کیا ہے۔

باب (۶)

مکّہ، اس کا احوال اور بناء کعبۃ اللہ

مکّے میں حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کا مسکن

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو مکّے میں ٹھہرایا تو دونوں میاں بیوی نے اپنے خالق سے دُعا کی۔ اس واقعے کو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں یوں بیان فرمایا ہے کہ "اس نے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے (اپنے بیٹے کو) ایک بے آب و گیاہ وادی میں ٹھہرایا" جہاں آج کل خانہ کعبہ ہے وہاں اس وقت ایک سُرخ رنگ کا ٹیلہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے کہا کہ وہ اس ٹیلے کے دامن میں کوئی ایسی جگہ بنالیں جو چھت کا کام دے سکے اور وہ وہاں قیام کر سکیں۔ پھر جیسا کہ حضرت ہاجرہ کی زبانی بیان کیا گیا ہے وہاں ایک چٹان شق ہوئی اور ماں بیٹے دونوں کے لیے خدا نے اپنی قدرت سے ایک چشمہ (زمزم) پیدا کر دیا۔ بیت اللہ کی بنیاد کو کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ شحر اور یمن کے علاقوں میں قحط پڑ گیا اور قبائل عمالیق وجرہم جو قوم عاد کے باقی ماندہ لوگوں پر مشتمل تھے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔

عمالیق پہلے خوراک، پانی اور جانوروں کے چارے کے لیے تہامہ کی طرف گئے۔ اس وقت ان کا سرگروہ سمیع الدرع بن ہوبر بن لاوی بن قیطور بن کرکر بن حیدان تھا۔ لیکن جب بہزار جد و جہد کہیں پانی اور سبزہ نظر نہ آیا تو بنو کرکر نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً سمیع الدرع بن ہوبر کو بھی رُک جانا پڑا۔ پھر بھی کچھ لوگ پانی کی تلاش میں آگے بڑھے کیونکہ اس وقت تک ان کے پانی کا ذخیرہ بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ان لوگوں کو کچھ دُور جا کر ایک پرندہ نظر

آیا جو کبھی زمین پر اُترتا اور پھر اُوپر اُڑ جاتا۔ اُنہوں نے غور سے دیکھا تو انہیں وہ سُرخ ٹیلہ اور اس کے سامنے وہ سائبان نظر آیا جس کے سائے میں حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ رہائش پذیر تھیں۔

ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ قریب کی ایک چٹان سے چشمہ جاری ہے لیکن اس کے چہار جانب پتھر رکھ دیے گئے ہیں تاکہ اس کا پانی چشمے سے باہر نکل کر ادھر اُدھر نہ بہے۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ جو قافلے سے آگے بڑھ آئے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سائبان کے سامنے جاکر حضرت ہاجرہ کو سلام کیا اور چشمے سے پانی لینے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ہاجرہ نے انہیں پانی لینے کی بخوشی اجازت دے کر پوچھا: "کیا تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں؟ کیا تم تنہا سفر کر رہے ہو یا تمہارے اہل و عیال بھی ساتھ ہیں؟" ان لوگوں نے اپنی کیفیت سُنا کر حضرت ہاجرہ سے اس پہاڑی کے قریب مستقل قیام کی اجازت چاہی تو حضرت ہاجرہ نے انہیں اس کی بھی بخوشی اجازت دے دی۔ اس طرح وہ بے آب و گیاہ وادی آباد ہوئی۔ وہ چشمہ آج تک موجود ہے لیکن اب اس کی شکل ایک کنوئیں جیسی ہے جسے چاہِ زمزم کہتے ہیں اور اس کا سُوتا آج تک خشک نہیں ہوا۔ یہیں حضرت اسماعیل کی اولاد بڑھی جس میں خدا کے آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے اور یہیں سے نورِ نبوّت تمام دُنیا میں پھیلا۔ جن لوگوں کا اوپر ذکر کیا گیا انہوں نے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے گفتگو کی تھی تو آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی زبان کے برعکس ان سے عربی میں گفتگو کی تھی۔

ہم نے اس کتاب کے علاوہ دُوسرے مورخین کی طرح اپنی دوسری کتابوں میں بھی بنو قحطان اور بنو نزار کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے جداء بنت سعد عملاقی سے شادی کی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کی اپنے بیٹے اسماعیلؑ سے ملاقات

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل اور

ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ سے رخصت ہو کر گئے تو عرصہ بعد اپنی پہلی منکوحہ بیوی حضرت سارہؓ سے اجازت لے کر ان دونوں کو دیکھنے دوبارہ مکے آئے تو وہ گھر تو تھا جس میں وہ ان دونوں کو چھوڑ گئے تھے لیکن حضرت ہاجرہؓ وہاں تھیں نہ اسماعیل علیہ السلام۔ وہ دونوں اس وقت شکار اور کچھ کھانے کا کچھ دوسرا سامان تلاش کرنے اس وقت کہیں گئے ہوئے تھے مگر حضرت اسماعیلؑ

کی بیوی جداء بنت سعد عملاقی گھر میں موجود تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا: "کیا تمہارے سوا اس گھر میں کوئی نہیں ہے؟"

جداء نے مختصر جواب دیا: "جی نہیں۔"

آپ نے پھر پوچھا: "اس گھر کا مالک کہاں ہے؟"

جداء نے پھر پہلے کی طرح مختصر سا جواب دیا: "وہ بھی یہاں نہیں ہے۔"

یہ سُن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے اسماعیل علیہ السلام اور اس کی والدہ سے (رصاف) کہہ دیا تھا کہ اس گھر میں ان کے سوا کوئی اور نہیں رہے گا۔" اتنا کہہ کر آپ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ گھر لوٹے تو جداء سے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دریافت کیا: "ہمارے پیچھے یہاں کوئی آیا تو نہیں تھا؟"

جداء نے جواب دیا: "ہاں ایک بوڑھا شخص آیا تھا۔" یہ کہہ کر اس نے وہ گفتگو بھی حضرت اسماعیل کو سُنائی جو اس کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ہوئی تھی۔

جداء کی زبان سے یہ واقعہ سُن کر حضرت اسماعیل (علیہ السلام) بولے: "غضب ہو گیا وہ تو میرے محترم والد بزرگوار "خلیل اللہ" تھے۔ ان کی گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں اس گھر سے علیحدہ کر کے تمہارے میکے بھیج دوں۔ یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوا۔"

قبیلۂ جرہم کی مکے میں قیام کی خواہش

جب مکہ آباد ہو رہا تھا تو عمالیق کی طرح بنو جرہم بھی قحط سالی کا شکار تھے۔ انہوں نے بنو کرکر کے مکے میں مستقل قیام کے بارے میں سُنا تو ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ مکے میں قیام کے خواہش مند ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں سرزمین مکہ کی زرخیزی پانی کی افراط اور سبزے کی کثرت کا علم ہو چکا تھا۔ جب انہیں اجازت مل گئی تو وہ اپنے متعلقین اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے ساتھ مل کر ہنسی خوشی وہاں رہنے لگے۔ جب وہ مکے میں وارد ہوئے تھے تو اس وقت ان کا سرگروہ حارث بن مضاض بن عمرو بن سعد بن رقیب ابن ہینی بن نبت بن جرہم تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عمالیق بنی کرکر میں سے تھے لیکن اکثریت اس پر متفق ہے کہ وہ بنی جرہم میں سے تھے یا بنو جرہم خود عمالیق میں سے تھے۔ حضرت اسماعیل نے دوسری شادی سامہ بنت مہلہل بن سعد بن عوف بن ہینی ابن نبت سے کی تھی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ حضرت اسماعیل سے ملنے کے لیے جانے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے کہا کہ وہ انہیں اپنے ہمراہ کیوں نہیں لاتے تھے یا وہ خود اپنے باپ سے ملنے کیوں نہیں آتے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے بھی ازراہ تمسخر کہا کہ بیٹا اپنے باپ سے ملنے براق پر آتا یا آتان پہ یا کسی معمولی جانور پر؟ بہرحال جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ مکے پہنچے تو انہوں نے حضرت اسماعیل کے گھر پہنچ کر ان کی جرہمی بیوی کو سلام کیا تو اس نے بھی انہیں بڑے ادب سے سلام کیا اور عرض کیا کہ گھر کے اندر تشریف لے آئیے لیکن انہوں نے گھر میں داخل ہونے سے انکار کرتے ہوئے پوچھا کہ اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہؓ کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ دونوں کھیت پر گئے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا "میں سمجھا تھا کہ ہاجرہ کا انتقال ہو چکا ہوگا۔ کیونکہ میرے اندازے کے مطابق ان کی عمر اب ۹۰ سال ہو چکی ہے۔ سامہ بنت مہلہل نے اپنے خسر حضرت ابراہیمؑ کو بڑے اصرار اور خوشامد کے بعد گھوڑے سے اُتارا اور گھر میں لے جا کر ایک پتھر پر بٹھایا اور قدموں میں ایک یمنی نمدہ بچھایا جو اس وقت گھر میں موجود تھا۔ پھر آپ کے سر میں تیل ڈال کر کنگھی کی اور برابر آپ کی خدمت میں لگی رہی۔ جب آپ نے پتھر سے اُٹھ کر کبھی دائیں جانب سے بائیں جانب اور کبھی بائیں جانب سے دائیں جانب اس کا چکر لگایا تو وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے اسی طرح اس پتھر کا طواف کرتی رہی۔ اس کے بعد جب اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کی شہادت دی۔ وہی پتھر اب مقام ابراہیم کہلاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سامہ سے کہا تھا کہ "جب اسماعیل آ جائیں تو ان سے میرے سلام کے بعد کہنا کہ گھر کی حفاظت کا خیال رکھا کریں، ویسے تم بھی ماشاء اللہ اس گھر کی عمدہ محافظ ہو۔" اتنا کہہ کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے، سامہ کو دُعائیں دیں اور شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام کی وجہ تسمیہ

کہتے ہیں جب حضرت ہاجرہؓ اپنی مالکہ حضرت سارہ اُم اسحٰق سے رخصت ہوئی تھیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے بھی ایک بیٹے کی دُعا کی تھی۔ ان کی یہ دُعا اللہ تعالیٰ نے سُن لی تھی اسی لیے ان کے بیٹے کا نام اسماعیل ہوا۔

وفات کے وقت حضرت اسماعیل کی عمر ۱۳۷ سال تھی۔ آپ کو مسجد حرام میں اس جگہ کے قریب دفن کیا گیا جہاں اب حجر اسود ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں:۔ نابت[1] ، قیدار ، ادبیل ، مبسم ، مشمع ، دوما ، دوام ، متا ، حدّاد ، تیما ، یطور اور نافش ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بس یہی بارہ بیٹے ہوئے جو سب کے سب دین ابراہیمی یعنی دینِ اسلام پر تھے ۔

تعمیر بیت اللہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام مکے میں جب بھی آئے ہوں لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں تعمیر بیت اللہ کا حکم دیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر اس وقت تیس سال تھی ۔ وہ اپنے باپ کے کہنے کے مطابق مختلف پہاڑیوں سے پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں بیت اللہ کی دیواروں میں چہار جانب نصب کرتے جاتے تھے ۔ اس طرح لمبائی میں خانہ کعبہ تیس گز چوڑائی میں بائیس گز اور اونچائی میں اس کی چاروں دیواریں سات سات گز ہوئیں ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا ایک دروازہ بھی رکھا لیکن اس پر چھت نہیں ڈالی ۔ اس کھلی چھت والے ممتاز مقام کی زیارت حاجیوں کے لیے آج بھی متبرک اور ضروری ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے تعمیر کعبہ کے بارے میں مسلمانوں کو قرآن میں حسب ذیل آیہ کریمہ کے ذریعہ مطلع فرمایا :۔

" واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسماعیل ۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کو حج کے لیے بلانے کا حکم بھی دیا ۔

خانہ کعبہ کی تولیت

اپنی وفات تک حضرت اسماعیلؑ خانہ کعبہ میں مقیم رہے ۔ ان کے بعد ان کے بیٹے بُنت بن اسماعیل نے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا ۔ پھر قبیلہ جرہم کے لوگ اولاد اسماعیلؑ پر غلبہ حاصل کر کے وہاں رہنے لگے ۔ کعبے کا پہلا متولی حارث بن مضاض تھا ۔ اس کا خاندان اب تک موضع قعیقعان میں مقیم چلا آتا ہے ۔ اس کے بعد جو لوگ تجارت کی غرض سے مکے آئے انہوں نے اس کے دسویں حصے پر قبضہ کر لیا ۔ یہ لوگ مکے کے بالائی علاقے میں رہتے

---

[1] اس نام کے بارے میں کثرت سے اختلافات ہیں ۔ کسی مؤرخ نے اسے قیذار بتایا ہے کسی نے ادبل ، کسی نے میسم ، کسی نے مسمع ، کسی نے دوما ، کسی نے دوام ، کسی نے مثنی ، کسی نے حداد ، کسی نے نیم ، کسی نے بطور ، کسی نے نابسرا اور اسی وجہ سے "مُروجُ الذہب" کے مختلف نسخوں میں یہ مختلف نام پائے جاتے ہیں (مرتب)

ہیں ۔اس کے بعد بھی لوگ تجارت ہی کی غرض سے آئے اور اُنھوں نے مکے کے دوسرے دسویں حصے میں سکونت اختیار کی لیکن یہ لوگ اب تک مکے کے اسی نشیبی علاقے میں مقیم ہیں ۔یہ لوگ عمالیق ہیں ۔ ان کا سردار سمیدع بن ہوبر بن لاوی بن قیطور بن کرکر بن جید تھا ۔یہ لوگ مکے کے منصلات سے اچانک مکے آ گئے تھے ، اس لیے ان میں اور پہلے سے مقیم لوگوں میں لڑائیاں بھی ہوئیں ۔جرہم کے سردار حارث بن مضاض نے ان بعد میں آنے والوں اور ان کے سرداروں قنقفع اور رماح و ذرق وغیرہ کو مکے سے نکال دیا اور اپنی جائے قیام کو جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا قیقعان رکھا مگو سمیدع نے جو عمالیق کا سردار تھا انہیں وہاں رہنے نہیں دیا اور حیلوں حوالوں سے انہیں وہاں سے نکال کر اس جگہ کا نام اجیاد رکھ دیا لیکن بنی جرہم ان کے خلاف متحد ہو کر اُٹھے اور انہیں وہاں سے بھگا کر اس جگہ کا نام فاضحا رکھا لیکن اجیاد اور فاضحا نام کے محلے مکہ میں اب تک چلے آتے ہیں ۔عمالیق نے اپنے حصے میں اصطلاحات مقرر کیں اور بکریوں کو ذبح کرنے لگے اور انہیں پکانے لگے ۔اس لیے پھر ان کی جائے سکونت کا نام طابخ پڑ گیا ۔جو اب تک چلا آتا ہے ۔خانہ کعبہ کی تولیت بھی رفتہ رفتہ انہیں کے حصے میں آ گئی ۔پھر وہ قبیلہ جرہم کی طرف منتقل ہوئی اور تین سو سال تک انہیں کے پاس رہی ۔ان کا آخری حکمران حارث بن مضاض اصغر بن عمرو بن حارث بن مضاض اکبر تھا ۔بنی جرہم نے خانہ کعبہ کی تعمیرات میں اضافہ کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی دیواریں جہاں تک اُٹھائی تھیں انہیں بلند بھی کیا ۔آخر کار بنی جرہم میں برائیاں پیدا ہو گئیں ۔ حتیٰ کہ ان کے ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ حرم کعبہ میں کارِ بد کیا تو خدا نے انہیں سنگسار کر دیا ۔اس مرد کا نام اِساف اور عورت کا نائلہ تھا ۔خدا نے انہیں پتھر کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا جو اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں ۔بنی جرہم کی برائیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نکسیر اور پھوڑے پھنسیوں جیسی بیماریوں کی آمد و رفت میں مبتلا کر دیا اور ان کی ایک کثیر تعداد انہیں بیماریوں میں مبتلا رہ کر ہلاک ہو گئی ۔دوسری طرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اضافہ ہوتا رہا حتےٰ کہ انھیں اپنے ماموؤں پر غلبہ حاصل ہو گیا تو انہوں نے بنو جرہم کو مکے سے نکال باہر کیا اور جہینہ میں آباد ہو گئے جہاں رات کے اوقات میں سیلابوں نے اس بستی کو بار بار اجاڑا ۔اس واقعے کو اُمیہ بن ابی صلت نے ایک شعر میں بھی بیان کیا ہے ۔

اس بچی کھچی آبادی کا نام اِضم پڑ گیا تھا ۔

کچھ عرصہ بعد خانہ کعبہ کی تولیت ایاد بن نزار بن معد کی طرف منتقل ہوئی ۔جس کی وجہ سے مضر

اور ایاد کی اولاد کے درمیان لڑائیاں بھی ہوئیں لیکن آخر کار جب مضر ایاد پر مکمل طور پر غالب آ گئے تو موخرالذکر مکّے سے عراق چلے گئے۔ ہم آگے چل کر مکے کے تفصیلی حالات اور قبائل نزار و خزاعہ کے کوائف بیان کریں گے۔ ویسے یہاں اتنا سمجھ لیا جائے کہ ملوک جرہم کے اوّلین اشخاص مکّے میں سوسال تک حکمران رہے۔ ان کا سلسلہ جرہم بن قحطان سے مضاض بن عمر بن سعد بن رقیب بن ہُنَت تک رہا۔ اس کے بعد عمرو بن مضاض کا سلسلہ اگلے سو سال تک رہا۔ اس کے بعد مضاض کے بیٹے عمرو بن مضاض اور اس کی اولاد کا سلسلہ ۱۲۰ سال چلا۔ اس کے بعد حارث بن عمرو کی اولاد دو سو سال تک مکّے میں حکمران رہی۔ اس کے بعد مضاض بن عمرو اصغر بن حارث بن عمر بن مضاض بن عمرو بن سعد بن رقیب بن ہبنی بن ہُنَت بن جرہم بن قحطان کا دور دورہ رہا۔ جنہوں نے چالیس سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد اصل عربی النسل لوگ عاد و ثمود اور عبید و طسم اور جدیس و عمالیق نیز وبار و جرہم رفتہ رفتہ ختم ہوتے چلے گئے اور صحیح النسب عربوں میں صرف قبائل عدنان و قحطان کے کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے جن میں ادھر ادھر کے بدّو شامل ہوتے چلے گئے۔ اس لیے ان کے انساب و آثار کی شناخت مشکل ہو گئی۔

عمالیق نے چونکہ اللہ سے منہ موڑ کر دنیا میں فساد پھیلایا تو اس نے ان پر دُنیا کے دُوسرے لوگوں کو مسلط کر دیا جیسا کہ ہم رومیوں، ان کے انساب اور عمالیق کے ساتھ جو ان کا نسبی تعلق تھا اس سلسلے میں پہلے بیان کر چکے ہیں مثلاً عیصو بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام۔ لیکن علمائے عرب کو اس نسبی تعلق سے اختلاف ہے۔

طسم اور جدیس

جہاں تک قبائل طسم اور جدیس کا تعلق ہے وہ قریبًا ستر سال تک مکّے میں اقتدار کے خواب دیکھتے رہے لیکن سارے عرصہ میں انہیں منتسب اور ریاست کا اعلیٰ عہدے دار ہونے کے مابین ہی قوت حاصل ہو سکی۔ طلب حکومت کے اس سلسلے میں عربوں نے ان کے متعلق بہت سی کہاوتیں زبان میں داخل کیں اور عرب شاعروں نے بھی ان کے اس جوڑ توڑ کے بارے میں بہت سے دلچسپ اشعار کہے ہیں۔

اصحاب الرّس

قبیلہ رس اور ان کے ساتھیوں کا کسی قدر ذکر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے انھیں کنووالوں پر حکمران بنایا تھا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی پر جھوٹی تہمتیں لگانا شروع کر دیں۔ قبیلہ رس قوم حنظلہ بن صفوان عبسی میں سے تھا۔ دُوسرے مصنّفین نے ان کے بارے میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا ہے جو

ہم اس سے قبل اپنی دوسری کتابوں میں لکھ چکے یا اس کتاب میں مختصراً لکھا ہے۔ان کا ذکر توریت میں بھی آیا ہے۔ یہ لوگ سام بن نوح کی نسل سے تھے یعنی بنی ارم بن سام کی اولاد میں جو عوص بن ارم کی اولاد تھے اور یہ نسل عابر بن ارم اور اس کے بیٹے ماش بن ارم سے تعلق رکھتی تھی۔

نبیط نبیط کا نسبی سلسلہ یہ ہے:۔
عوص کا بیٹا عاد بن عوص، عابر کا بیٹا ثمود بن عابر، پھر ماش بن ارم، پھر نبیط بن ماش۔ اس طرح نبیط کا نسبی سلسلہ نبیط بن ماش پر ختم ہوتا ہے۔

عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح اور اس کا بیٹا احقاف مکے سے حضر موت میں جا بسے اور ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اور اس کے بیٹے اکتاف نے حجاز ہی میں رہائش اختیار کی لیکن جدلیس بن عابر بلاد جو کی طرف چلا گیا۔ یہ جگہ یمامہ اور حجاز کے درمیان واقع ہے اور آج تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک اسی نام سے مشہور چلی آتی ہے یہ مقام انتظامی طور پر اخیضر علوی کے ہاتھ میں ہے۔ اخیضر علوی حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے اور علاقہ بحرین کی حکومت ابھی تک اسی کے قبضے میں ہے۔

طسم ابن لود بن سام بن نوح اور اس کا بیٹا بنی جدلیس کے ہمراہ مکے سے یمامہ منتقل ہو گئے تھے مگر عملیق بن لود ابن سام بن نوح حجاز ہی میں مقیم رہے۔اس سے قبل ہم اپنی پچھلی کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ عیلام کی اولاد اہواز و فارس چلی گئی تھی۔ یہ عیلام بن سام بن نوح کا ذکر ہے۔ جو نبیط بن ماش بن ارم بن سام نوح جو بابل کی طرف منتقل ہوئے تھے اُنہوں نے عراق پر تسلط حاصل کر لیا تھا۔ یہ وہی نبط ہیں جن کا ہم ملوکِ بابل کے تحت پہلے ذکر کر چکے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے در حقیقت دنیا کی ساری زمین آباد کی اور شہر پر شہر بسا کر انہیں رونق بخشی لیکن چونکہ دنیا میں سب سے زیادہ فسادو شر پر ور لوگ تھے اس لیے یہ عزت وافتخار ان کے ہاتھ سے نکل گئے اور ان میں سے اس وقت جو باقی ہیں وہ عراق وغیرہ میں ذلت و شکست کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

قبائلی دعوے متکلمین کی ایک جماعت نے جن میں ضرار بن عمرو اور ثمامہ ابن اشرس اور عمرو بن بحر جاحظ شامل ہیں یہ کہا ہے کہ عربوں میں سب سے بہتر قبیلہ قبیلہ نبط ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قبیلے میں اللہ تعالےٰ نے رسول عربی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا اور بحیثیت نبی مبعوث کیا۔ دنیاوی شرف یقیناً اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کچھ

لوگوں نے اس کے خلاف آواز بھی اُٹھائی اور تردید شعوب پر کمربستہ ہوئے لیکن پھر جب اعمال صالح پر نظر ڈالی تو انہیں کو اس میں بھی بہترین پایا۔ اللہ تعالےٰ نے اس قبیلے کو جو شرف بخشا وہ بھی اسی وجہ سے ہے، خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ان اللّٰہ اصطفیٰ آدم و نوحًا و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین، ذریۃ بعضھا من بعض، و اللّٰہ سمیع علیمٌ۔
بہرحال اس بحث کو اعمال صالح پر انجام پذیر سمجھنا چاہیے کہ خود اللہ جل شانہ، کا ارشاد بھی یہی ہے۔

پرستش اصنام کی ابتدا

جب عمرو بن عامر مارب سے نکلے تو انھیں پہلے بنو ربیعہ سے واسطہ پڑا پھر وہ تہامہ چلے گئے۔ بنو ربیعہ اسی واسطے یا مزاحمت کی بنا پر "خزاعہ" کہلائے۔
جب نزار کے بیٹوں ایاد اور مضر میں باہمی نزاع کے بعد جنگ تک نوبت پہنچی تو اسی زمانے میں ایاد کو حجر اسود مل گیا اور اس نے اسے حریم کعبہ ہی میں کسی جگہ دفن کر دیا لیکن بنو خزاعہ کی ایک عورت کو اس کا پتہ چل گیا اور اس نے اپنے قبیلے کو اس کی نشاندہی کر دی۔ اس پر دونوں قبیلوں میں جھگڑا ہوا۔ وجہ مخاصمت یہ تھی کہ اوّل الذکر نے حجر اسود کو پوشیدہ کیوں رکھا۔ پھر اس فعل کو معاف کر دیا گیا اور خزاعہ ہی کو خانہ کعبہ کی تولیت سونپ دی گئی۔ اور عمرو بن لحی اس قبیلے میں بیت اللہ کا پہلا متولی قرار پایا۔ لحی کا اصلی نام حارثہ بن عامر تھا۔ وہ دین ابراہیمی کے برعکس عمل پیرا ہوا اور اسے بدل کر اسی نے خانہ کعبہ میں اصنام پرستی کی بنیاد رکھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور زیر نظر کتاب میں آگے چل کر تفصیل سے اس کا ذکر کریں گے۔ ہوا یہ کہ حارثہ بن عامر جب شام کی طرف گیا تو اس نے وہاں لوگوں کو اصنام پرستی کرتے دیکھا۔ ان لوگوں نے اسے ایک بُت بھی دیا جسے اس نے وہاں سے لا کر خانہ کعبہ میں نصب کر دیا اور اس طرح مکے میں بُت پرستی کی ابتدا ہوئی۔ اس خصوصیت کی وجہ سے بنو خزاعہ کو کچھ قوت بھی حاصل ہوئی لیکن پھر بھی عامۃ الناس اس فعل کی وجہ سے اسے بُرا سمجھتے رہے حالانکہ اس نے انہیں ظلم و تشدد سے دبانے کی کوشش بھی کی۔ اس سلسلے میں بنو جرہم کے ایک شاعر نے جو دین ابراہیمی پر ایمان رکھتا تھا بنو خزاعہ کی ہجو بھی کی۔

"اے عمرو اہل مکہ پر ظلم مت کر کہ خانہ کعبہ جائے امن ہے اور یہاں کسی پر تشدد کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔" الخ

بہرحال عمرو بن لحی نے کعبے کے گردو پیش بہت سے بُت نصب کر دیے اور اسی نے اہل عرب پر غلبہ حاصل کر کے انہیں اصنام پرستی پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی کچھ لوگ دین ابراہیمی پر چلتے رہے شحنہ[1] بن خلف نے اس سلسلے میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔

عمرو بن لحی کی عمر تین سو پینتالیس سال ہوئی۔

خزاعہ اور مضر میں تولیت کعبہ کا اختتام

خزاعہ اور مضر کی تین نسلوں تک کعبے کی تولیت انہیں میں رہی۔

انہوں نے بُت پرستوں میں اضافہ کیا۔ تاہم منیٰ میں قربانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد ابی سیارہ چالیس سال تک منیٰ سے مزدلفہ تک کے علاقے پر قابض رہے اس کے بعد ظہور اسلام اور غلبۂ دین حق کے بعد خانہ کعبہ کو ان بُت پرستوں کی تولیت و نگرانی سے چھٹکارا ملا۔

جن لوگوں نے بیت اللہ کی اوّلین عظمت و حرمت ایک عرصے تک لوگوں کے دل سے بھلائے رکھی وہ بنی مالک بن کنانہ تھے۔ ان کا پہلا شخص ابو القلمس حُذیفہ بن عبد تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو ثمامہ بیت اللہ کا متولّی ہوا اور ظہور اسلام تک یہ عزت اسی کو حاصل رہی۔ بنو کنانہ ہی لوگوں کو حج بیت اللہ کی طرف راغب کرتے تھے حالانکہ وہاں سینکڑوں بتوں کی پُوجا ہوتی تھی۔ خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے بنو کنانہ لوگوں میں بہت مقبول تھے۔ لوگ اِدھر اُدھر سے بیت اللہ کی زیارت اور حج کے لیے آتے تو ان کے ٹھہرنے وغیرہ کا انتظام بھی لوگ کرتے تھے۔ جب اسلام پھیلا تو خانہ کعبہ کی عزت و حُرمت بھی لوٹ آئی۔ اسی کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا وہ کبھی کبھی اسی اصلیت پر چلا جاتا ہے۔ جب خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی نساۃ کو کفر میں حد سے زیادہ فرمایا ہے:۔ انما النسیی زیادۃ فی الکفر (آیۂ کریمہ)

قصی بن کلاب نے جس عورت سے شادی کی تھی وہ حلیل کی بیٹی تھی۔ حلیل ہی بنو خزاعہ میں خانہ کعبہ کا آخری متولّی تھا۔ عمرو بن لحی کی عمر جیسا کہ ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں بہت طویل ہوئی۔ اس کی نسل میں کم و بیش ہزار آدمی ہوئے۔ عمرو نے خانہ کعبہ کی تولیت اپنی بیٹی قصی بن کلاب کے سپرد کر دی تھی۔ وہی اس کا دروازہ کھولتی اور بند کرتی تھی۔ وہ بنی خزاعہ کے

---

[1] بعض نسخوں میں سحنہ بن خلف درج ہے (مرتّب)

ایک شخص ابی غبشان خزاعی سے مانوس تھی اس لیے اس نے بیت اللہ کی تولیت ایک اونٹ اور کچھ مال لے کر اسے فروخت کر دی تھی جو اس وقت تک قصی بن کلاب کے پاس تھی۔ اس واقعے کے بارے میں ایک عرب شاعر کا شعر بھی بہت مشہور ہے۔

خزاعہ میں بیت اللہ کی تولیت تین سو سال تک رہی، اس دور میں قصی کو استقلال حاصل رہا۔ لیکن اس کے بعد یہ عزت قریش کے حصے میں آئی جو اس سے قبل جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا مکے کے دسویں حصے پر قابض تھے۔ انہوں نے واقعی بیت اللہ کی توسیع اور اس کے مطابق تعمیرات میں قابل قدر اضافہ کیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کبھی بت پرستی کی روایت پر ظہورِ اسلام اور دین حق کے غلبے تک مصر رہے۔ کچھ غیر قریش نے بھی اس میں حصہ لیا۔ ویسے انساب مکہ میں قریش اربطی کا غلبہ رہا۔ انھیں کو اباطح کہا جاتا ہے۔

قریش اباطح یہ قبائل عبد مناف، اولاد عبد الدار، اولاد عبد العزیٰ بن قصی، زہرہ، مخزوم، تیم بن مرہ، جمح، سہم اور عدی پر مشتمل تھے جو مجموعی طور پر لعقۃ الدم اور بنو عتیک بن عامر بن لوئی ہی میں شمار ہوتے ہیں۔

قریش الظواہر قریش اباطح کے مقابل قریش الظواہر آتے ہیں جو یہ ہیں:-
بنو محارب والحارث بن فہر، بنو ادرم بن غالب بن فہر، بنو معیص[1] بن عامر بن لوئی۔

قریش کے حلیف جو لوگ قریش کے حلیف تھے وہ یہ ہیں:-
بنو عبد الدار بن قصی، سہم، جمح، عدی اور مخزوم

پسندیدہ معاذین قریش معاذین قریش یہ ہیں:-
بنو عبد مناف، بنو اسد بن عبد العزیٰ، زہرہ، تیم اور بنو حارث بن لوئی۔

ان کے علاوہ قریش نے اطراف کے ملوک کی طرف بھی امن و صلح کا ہاتھ بڑھایا تھا جن میں شام، حبشہ، یمن اور عراق کے حکمران شامل تھے۔

---

[1] بعض نسخوں میں بنو عمیص لکھا ہے (مرتب)

قریش کے بارے میں تواریخ میں کثرت سے معلومات پائی جاتی ہیں جنہیں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اور کسی قدر کتاب زیر نظر میں بھی بیان کریں گے جو مکے کے حالات عبدالمطلب کا حال، حبشہ کے احوال کے ساتھ اس وقت سے مربوط ہیں جب اہل بابل ادھر ادھر منتشر ہوئے۔

باب (۷)

اخبارِ عالم، خِطّہ ہائے ارضی کے خصوصی اوصاف اور نوعِ انسانی کا میلانِ توطن

حضرت عمر بن خطابؓ کا خِطّہ ہائے ارضی کے بارے میں استفسار

ذو والدرایہ[1] نے بیان کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کے ایک دانشور سے مختلف خِطّہ ہائے ارضی کے بارے میں استفسار کیا اور اسے لکھا کہ "خدا کے فضل سے مسلمانوں نے عراق، شام اور مصر وغیرہ فتح کر لیے ہیں لہٰذا ہم عربی باشندے فطری طور پر اطراف و اکنافِ عالم میں جائیں گے لہٰذا تم ہمیں دنیا کے مختلف حصوں کی آب و ہوا اور وہاں کے کوائف نیز وہاں کے باشندوں کے سیرت و کردار کے بارے جو کچھ تمہیں معلوم ہو اس کی ہمیں اطلاع دو کیونکہ ہم مسلمان جہاں جہاں جائیں گے وہاں تازہ بستیاں آباد کر کے یقیناً وہاں سکونت بھی اختیار کریں گے۔"

اس دانشور (حکیم) نے آپ کو دُنیا کے مختلف حصوں کے بارے میں جو اطلاعات فراہم کیں وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

اکنافِ عالم کے فطری خواص

اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو فطری طور پر مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں تقسیم کیا ہے۔ اس لیے ان تمام حصوں کی آب و ہوا بھی مختلف ہے اور اسی کا اثر وہاں کے مختلف باشندوں کے اطوار و عادات پر بھی مرتب ہوا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے ان چاروں خطّوں کی آب و ہوا وغیرہ اور وہاں کے

---

[1] بعض نسخوں میں "ذو والروایہ" لکھا ہے (مرتّب)

مختلف شہروں کی تفصیلات یہ ہیں"۔

"مشرق میں طلوعِ آفتاب کے اوقات اور دن رات کی ساعتیں مغرب سے مختلف ہیں۔ مشرق میں گرمی زیادہ پڑتی ہے۔ لیکن وہاں کے باشندے اس کے عادی ہیں۔ اسی طرح مغرب میں برودت زیادہ ہے لیکن وہاں کے باشندے بھی اس کے عادی ہیں۔ یہی حال شمال و جنوب کا ہے۔ جہاں تک اپنے مفتوحہ شہروں میں عربوں کے سکونت اختیار کرنے کا تعلق ہے تو ان شہروں کے بارے میں میری معلومات کی حد تک تفصیلات حسب ذیل ہیں"۔

شام شام میں پہاڑیاں ہیں ٹیلے ہیں، عمدہ ہوائیں ہیں، گھٹائیں ہیں، بارشیں ہیں، بجلیوں کی چمک ہے، بادلوں کی گرج ہے، لوگ جسمانی طور پر تروتازہ ہیں، حلیم و بردبار ہیں ان کے رنگ صاف ہیں، شام میں سرزمین حمص کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ وہاں کے باشندوں کے جسم خوب صورت، رنگ سفید ہیں۔ وہ لوگ سریع الفہم اور غور و خوض کے سلسلے میں مکمل ہیں اور ساتھ ہی ساتھ خوش طبع بھی ہیں۔ وہاں کا پانی صاف شفاف ہے۔ یا امیر المومنین! شام کے بارے میں میں نے ہر بات دُرست اور صحیح لکھی ہے۔ مجموعی طور پر شام میں بارشیں کثرت سے ہوتی ہیں، اس لیے وہاں سرسبزی و شادابی بہت ہے۔ درختوں کی کثرت ہے، نہریں بہتی ہیں، زمین بڑی زرخیز ہے۔ یہ انبیاء کے ٹھہرنے کی جگہ کہلاتی ہے یہاں اب بھی شرفاء بستے ہیں اور مخلوق خدا صالحین اور عبادت گزاروں پر مشتمل ہے۔ وہ لوگ اس سلسلے میں کامل کہلانے کے مستحق ہیں۔ ان کے کچھ لوگ جو اجتہاد وغیرہ میں منفرد کہلانے کے مستحق ہیں پہاڑوں پر سکونت رکھتے ہیں۔"

مصر جہاں تک مصر کا تعلق ہے وہ سرسبزی و شادابی کے ساتھ ساتھ فراعنہ کا مرکز رہنے کی وجہ سے اب تک فتنہ و فساد کی سرزمین ہے۔ یہی کبھی ظالم و جابر لوگوں کی سرزمین رہی ہے۔ ان کا انحصار دریائے نیل پر ہے جس کا انہیں شکر گزار ہونا چاہیے۔ ویسے یہاں کی ہوا تیز و تند اور یہاں کا موسم سخت گرم، اس لیے لوگوں کے رنگ اکثر سیاہی مائل ہیں۔ ویسے لوگ ذہانت و فطانت کے لحاظ سے قابلِ تعریف ہیں۔ یہاں زر و مال اور جواہر کی کثرت ہے۔ اسی طرح غلے وغیرہ کے ڈھیر ہیں مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا، لوگ شریر و فسادی ہیں۔"

یمن "یمن کے لوگ جسمانی طور پر کمزور ہیں، اسی لیے ان میں تحمل کی کمی ہے۔ مزاج بلغمی

ہے جس کی وجہ وہاں کی ہوا میں رطوبت ہے ۔ تاہم وہاں اہلِ ہمم کی کمی نہیں ۔ شادابی اور سرسبزی بھی خاطر خواہ ہے وہاں کے موسم مختلف ہیں لہٰذا باشندوں میں بھی اختلافی کیفیت پائی جاتی ہے ۔ ویسے وہاں کے بعض حصّے بہت خوبصورت ہیں ۔ کچھ شعبوں میں ترقی کے رجحانات پائے ہیں ۔ وہاں کی زبان بھی فصیح ہے ۔"

حجاز حجاز چونکہ شام و یمن اور تہامہ کے درمیان واقع ہے، اسی لیے وہاں گرمی کی شدت ہے یہاں کی ہوائیں بھی گرم ہیں، اہلِ حجاز نحیف الجثہ ہیں لیکن دماغی لحاظ سے بڑے قوی اور شجاعت میں بے نظیر ہیں لوگ اہلِ ہمت ہیں البتہ سرسبزی و شادابی کی کمی کی وجہ سے لوگ اکثر قحط کا شکار ہو جاتے ہیں ۔

مغرب "مغرب اور اس کے لوگ شقی القلب، طبیعت کے لحاظ سے متوحش، محرور المزاج مٹھاس کے شوقین، رحم و کرم سے دُور، اکتسابِ شجاعت پر مائل، زرعی معاملات میں مساعی مگر وہاں کی اکثریت غدّار، خبث و مکر میں طاق، ان کے ممالک مختلف ہیں ۔ ان کی مہمات بھی تغیرّ و تبدل کا شکار ہوتی رہتی ہیں ۔ آج کل ان کے کم و بیش ہر ملک میں ترقی کی کوشش جاری ہے جو ان کے احوال و آثار سے ظاہر ہے ۔"

عراق "عراق کو سرزمینِ مشرق کا مینار کہہ سکتے ہیں ۔ وہ اس سرزمین کا نچوڑ اور اس کا قلب ہے وہاں دریا ہیں ۔ اس لیے ان کے قرب و جوار سرسبز و شاداب ہیں ۔ وہاں سے سمندر نزدیک ہے ۔ آب و ہوا معتدل ہے ۔ لوگوں کے مزاج بھی کم و بیش معتدل ہیں، ان کے اذہان بھی لطیف ہیں ۔ ان کے دلوں اور خیالوں میں سرگرمی ہے، ان کی خوشیاں بھی ترقی پذیر ہیں ۔ ان کی عقل و بصیرت قوی ہے ۔ زمانۂ قدیم سے عراق سطحِ ارضی کا قلب کہلاتا چلا آرہا ہے ۔ وہ دراصل مشرق کی کنجی ہے، مسلک نور ہے، آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے ۔ اس کے شہر آباد ہیں جہاں پانی بکثرت ہے ۔ آب و ہوا اچھی ہے ۔ لوگوں کے رنگ معتدل و متوسط درجے کے ہیں ۔ ان کی ارواح مصفا ہیں ۔ ان کے فضائل مجموعی طور پر بے شمار ہیں ۔ مٹی اچھی ہے جسے پانی نے اور فرحت بخش بنا دیا ہے ۔"

جبال "جغرافیائی لحاظ سے دنیا کے مختلف پہاڑی علاقوں میں بھی اختلاف ہے ۔ ویسے وہاں کے لوگ جسمانی لحاظ سے توانا اور کرخت چہروں والے ہوتے ہیں ۔ البتہ ہوتے ہیں باہمت، یہ شاید ان علاقوں کی مٹی کے خواص کا اثر ہے ۔ ان میں عقل و فہم میدانی

علاقوں کے باشندوں سے نسبتاً کم ہوتی ہے۔ آب وہوا بھی معتدل نہیں ہوتی۔ موسم اکثر و بیشتر خراب رہتے ہیں۔"

دنیا کے لوگوں کے اخلاق اور ان کی شکلیں، یا امیرالمومنین! مختلف ممالک کی آب وہوا پر منحصر ہیں۔ ویسے مغرب کے اکثر ممالک میں توازن و اعتدال کے لحاظ سے زوال کے اثرات کا تناسب زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی لیے رفتہ رفتہ وہاں زبوں حالی بڑھتی جا رہی ہے۔"

خراسان خراسان، اہل ہمت کا ملک ہے، وہاں کے لوگ جسمانی لحاظ سے قوی، حلم و بردباری میں لطیف الطبع، عقل و بصیرت اور غور و فکر میں ممتاز اور ان کی اکثریت اہل الرائے ہے۔"

فارس فارس کی فضا صاف، زمین سرسبز و شاداب، اشجار باثمر، پانی صاف و شفاف، آب وہوا لطیف ہے، البتہ اہل فارس کے اجسام میں معلوم ہوتا ہے، چربی بہت ہے، اس لیے وہ زود فہم نہیں ہیں۔ ان میں کھلم کھلا بات کرنے کی کمی ہے۔ ان کے اعمال و افعال بھی کچھ اچھے نہیں۔ ان کی مہمات میں بھی دنایت پائی جاتی ہے۔ مجموعی طور پر اہل فارس مکر و فریب کے عادی ہیں۔

خوزستان خوزستان کی آب وہوا مکدر ہے، اس لیے وہاں کے باشندے بھی مکدر طبع کے شکار رہیں۔ بردباری جیسے جانتے ہی نہیں، ہمت میں بھی پستی پائی جاتی ہے خود ان میں رحم و کرم کی کمی ہے لیکن دوسروں سے اس کے متوقع رہتے ہیں۔"

جزیرہ "جزیرے کی آب وہوا خشکی یعنی برّی علاقوں کی نسبت سے اچھی ہے۔ وہاں سرسبزی اور شادابی ہے، سکون ہے، اہل جزیرہ باہمت لوگ ہیں لیکن عموماً سکون پسند ہیں۔"

برّی علاقے "یا امیرالمومنین! برّی علاقوں میں اشرف ترین اور سب سے اعلیٰ و ارفع علاقہ نجد و تہامہ کے اطراف کا ہے۔ وہاں ہر چیز معتدل و متوازن ہے، اس لیے وہاں کے باشندوں کی طبیعتیں اور مزاج بھی معتدل و متوازن ہیں۔ وہاں کی آب وہوا کو مہذب کہہ سکتے ہیں۔ شر اور فساد نام کی کوئی چیز چونکہ وہاں نہیں ہے اس لیے خطرات اور نقصانات کا اندیشہ بھی کم سے کم ہے۔"

"ویسے یا امیرالمومنین! یہ سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مختلف حصے بنائے ہیں

یا انھیں مختلف حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہاں کے خصوصی حالات کے لحاظ سے ان حصّوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ ان میں اس لحاظ سے امتیازی کیفیت بالکل فطری ہے، جیسے آپ عراق کو اشرف البلاد کہہ سکتے ہیں اور اہلِ عراق کو صاحبانِ کمال کہا جا سکتا ہے اور وہ اس کے مستحق بھی ہیں۔"

ہند اور چین

"یا امیرالمومنین! ہند اور چین کی بابت مجھے آپ سے کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہاں کی منازل میں چمک دمک، شہروں میں رونق، زر و مال کی افراط، نظامِ حکومت میں استقلال و استحکام البتہ کفر و طغیان حد سے زیادہ۔"

اہلِ سیر و اخبارِ عالم کے سلسلے میں علم رکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ جب اہلِ عجم عراق میں جمع ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب احبار سے عراق کی خصوصیات کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے آپ کو جو جواب دیا وہ مختصراً درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"کعب احبار نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا: "یا امیرالمومنین! جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق عالم کے بعد مختلف مواضع ارضی کے بارے میں مختلف قوائے عالم سے سوال کیا تو عقل بولی: "میرا تعلق عراق سے ہے" علم نے کہا: "میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔" مال و دولت نے کہا: "میرا تعلق شام سے ہے۔" فتنے نے کہا: "میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔" سرسبزی و شادابی بولی "میرا تعلق مصر سے ہے۔" ذلّت بولی: "میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔" فقر نے کہا: "میرا تعلق حجاز سے ہے۔" قناعت بولی: "میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔" محنت و شفقت بولی "میرا تعلق صحرا سے ہے" تو صحت بولی "میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔"

اقلیم بابل

اقلیم بابل کو "اوسط العالم" کہا جا سکتا ہے۔ ہماری یعنی انسانی برادری کی زیادہ عمر اسی خطۂ ارضی میں گزری ہے اس لیے ہمارے قلوب عموماً اس کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ اہلِ فارس نے ارضِ بابل کو عظیم بتایا ہے اور اس کی قدر و منزلت بھی بہت کی ہے اور اس پر عنایات کی بارش بھی کی ہے۔ وہ خصوصاً عراق کی طرف زیادہ مائل رہے ہیں۔ اس طرح ظہور اسلام کے بعد بھی ابی دُلف قاسم بن عیسیٰ عجلی حرود[1] کی طرف مائل رہے ہیں جو عراق میں ہے۔ اسی طرح ابی دلف نے اپنی نسبت "حرود" سے ظاہر کی ہے۔ وہ

---

[1] بعض نسخوں میں حرود کی جگہ جبردم لکھا ہے، وہ بھی عراق ہی میں ہے (مرتب)

بھی عراق یا بابل ہی کا علاقہ ہے۔ ابودلف نے اپنے اشعار میں بھی "حرود" کی مدح کی ہے۔

اس خطّۂ ارض میں ملاطفت، موافقت اور اس کی مٹی میں اعتدال کی کیفیت پائی جاتی تھی اس لیے لوگ دق در جوق جاکر وہاں آباد ہو گئے تھے۔ اس خطّۂ ارضی کی ایک خصوصیت دجلہ و فرات کے دریا ہیں۔ وہاں کسی زمانے میں مکمل امن و امان تھا۔ خوف و ہراس کا دور دور پتہ نہ تھا۔ یہی ارض بابل کو دنیا کی ہفت اقلیم کا دل کہا جاتا تھا۔ یہ سرزمین اقالیم عالم میں واقعی ایسی ہی تھی جیسے جسم انسانی میں دل ہوتا ہے۔ اسی لیے شعرائے روم اور صقالیہ نیز سواد حبشہ وغیرہ کے لوگوں نے اول اول اس خطّۂ ارضی کو سکونت کے لیے ترجیح دی تھی۔ یہاں کے لوگ جسمانی لحاظ سے وجیہ و شکیل تھے۔ وہ علم و حکمت میں ہر خطّۂ ارضی پر فوقیت رکھتے تھے کیونکہ قریب قریب ساری دنیا کے باکمال لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ ان کی فطرت و جبلّت میں اعتدال تھا اور فطانت میں بلندی تھی۔ ان کے جملہ امور میں خوبی پائی جاتی تھی۔ پھر جب وہاں کے لوگ منتشر ہو کر دنیا کے مختلف حصّوں میں پھیلے تو انہوں نے فطری طور پر وہیں کی خصوصیات اپنا لیں۔

جذبات وطنیت

وطنیت کا جذبہ انسان میں فطری ہے۔ وہ جہاں جاکر آباد ہوتا ہے رفتہ رفتہ اس جگہ سے اسے قلبی لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اس جگہ کے فروغ کی کوشش کرتا ہے۔ جن شہروں میں آپ تعمیرات کی کثرت، چمن آرائی، بازاروں کی رونق دیکھتے ہیں یہ سب ضروریات زندگی کے علاوہ جذبات وطنیت سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ ہر انسان کو اپنے مولد و مسکن سے فطری طور پر جو لگاؤ ہوتا ہے وہ کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا۔

ابن زبیر کہتے ہیں کہ انسان اپنے وطن سے زیادہ کسی دوسری چیز پر قناعت نہیں کر سکتا۔ بعض حکمائے عرب نے کہا ہے کہ دنیا کی آبادی میں اللہ تعالےٰ نے جذبات وطنیت کا سب سے زیادہ دخل رکھا ہے۔ حکمائے ہند کا قول ہے کہ وطن کی عزت و حرمت اور اس کی عظمت انسان کے لیے والدین کی عزت و حرمت اور عظمت کا درجہ رکھتی ہے۔ والدین اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں اس کی غذا کا انتظام کرتے ہیں لیکن والدین کی پرورش اور ان کی غذا کا انحصار تو اس زمین پر ہوتا ہے جہاں سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں اور یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہتا ہے۔ دوسرے اہل علم لوگوں نے بھی وطن سے محبت اور لگاؤ کے بارے میں اسی قبیل کی باتیں کہی ہیں۔ بقراط کا قول ہے کہ ہر مریض اپنے مرض کے علاج کے لیے زیادہ تر اپنی زمین کی جڑی بوٹیوں پر انحصار کرتا ہے کیونکہ انسانی طبائع اپنے مولد و مسکن کے مطابق ہوتی ہیں اور انسان کو وہیں کی آب و ہوا اور غذا زیادہ موافق آتی ہے

جس طرح مختلف نباتات کو خاص خاص زیتون کی مٹی موافق آتی ہے۔

علم الاخبار کی فضیلت

اہل علم نے جملہ علوم کا مخرج و منبع علم الاخبار کو بتایا ہے۔ان کے بقول حکمت کا انحصار علم الاخبار پر ہے، فقہی علوم کا مخرج بھی علم الاخبار ہے اور وہ اسی کے ذریعے پھیلے ہیں، فصاحت نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے، قیاس کی بنیاد بھی علم الاخبار پر قائم ہے، مقالات نویس علم النفس کے بارے میں جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ بھی علم الاخبار کے مرہونِ منّت ہیں۔ امثال حکماء بھی اسی میں پائی جاتی ہیں، مکارم اخلاق اور اس کی بلندی کے بارے میں جو کہا جاتا ہے وہ بھی علم الاخبار سے ماخوذ ہے۔ سیاست بھی علم الاجتہاد سے استفادہ کرتی ہے، انسانی زندگی میں جو حزم و احتیاط کی عظمت ہے اس کا سلسلہ بھی علم الاخبار سے ملتا ہے۔ دنیا کے عجائب و غرائب کا پتہ بھی علم الاخبار سے چلتا ہے جو عالم و جاہل دونوں کے لیے یکساں ہے، احمق ہوں یا عاقل دونوں اخبار عالم سے نتائج اخذ کرتے ہیں اور عوام ہوں یا خواص عربی ہوں یا عجمی سب کو ہر معاملے میں علم الاخبار کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

فضائل کتاب

جملہ کلام ہوں یا زینت مقامات ان سب کا سلسلہ کتاب سے قائم ہے کسی معاملے میں شہادت حاصل کرنا ہو تو کتاب ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جملہ محافل کی زیب و زینت اور رونق کا منبع بھی کتاب ہی ہے۔ علم الاخبار کی بنیاد بھی کتاب ہی ہے، تمام فہم و فراست کا انحصار بھی عموماً کتاب ہی پر ہوتا ہے کیونکہ کوئی انسان صرف اپنی فہم و فراست پر انحصار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اسے کتاب ہی سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ انسانی تجربات سے جو استفادہ کیا جاتا ہے اس کا ذریعہ بھی اکثر کتاب ہی ہوتی ہے، انسانی برادری اور قوموں کے عروج و زوال کا حال بھی ہم کتاب ہی میں پڑھتے ہیں، اسی لیے حکماء نے کہا ہے کہ کتاب انسان کی بہترین جلیس اور مشیر ہے، دنیا کے عجائب و غرائب اور ان کے متعلق معلومات بھی کتاب ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ حاضر و غائب اور ماضی و حال کے بارے میں معلومات کا ذریعہ بھی کتاب ہی ہے۔ انسان کی موت و حیات کے بارے میں علمی مباحث بھی کتابوں ہی میں ملتے ہیں، غرض صبح ہو یا شام، دن ہو یا رات، سفر ہو یا حضر ان کی معلومات کا ذخیرہ کتاب ہی میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں جو ارشاد فرمایا:۔

(اقراء باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق۔ اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم) تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ

انسان کا ذریعہ علم فہم ہے جس کا انحصار کرم خداوندی پر ہے۔ اہل عرب نے اس کی تفسیر نظم و نثر دونوں میں با تفصیل کی ہے۔

عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن خطاب لوگوں کی مجالس میں شریک نہیں ہوتے تھے وہ جب قبرستان میں جاتے تھے تو لوگوں نے ہمیشہ ان کے ہاتھ میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی کتاب دیکھی۔ کسی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا:۔

"مقابر سے زیادہ کوئی دوسرا واعظ دنیا میں نہیں پایا جاتا اور فضائے عالم میں کتاب سے زیادہ کوئی دوسری چیز مفید نہیں ہے۔ یہ دونوں اس سلسلے میں متحد ہیں۔" پوچھا گیا کہ مقابر کا کتاب سے کیا تعلق ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ" یہ دونوں صاحبان علم و احساس کے لیے افادیت میں برابر ہیں، جاہل کو مقابر کی زیارت سے مآلِ حیات کا علم نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کا قلب احساس سے خالی ہوتا ہے نہ وہ کتاب پڑھ سکتا ہے جس سے وہ اس کے بارے میں کچھ سمجھ سکے۔"

کتاب کی افادیت پر بعض شعرائے عرب نے بھی اب تک اکثر و بیشتر طبع آزمائی کی ہے جس کا لب لباب وہی ہے جو سطورِ بالا میں بیان کیا گیا۔

باب (۸)

لوگوں کا یمن، عراق، شام اور حجاز کی وجہ تسمیہ میں اختلاف

یمن کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چونکہ یہ ملک خانہ کعبہ کے دائیں جانب (یمین میں) واقع ہے اس لیے تیمناً وتبرکاً اس کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ شام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ وہ خانہ کعبہ کے شمال میں واقع ہے، اس لیے اس کا نام شام رکھا گیا۔ حجاز کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ چونکہ یمن اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے اس کا نام حجاز رکھا گیا یعنی یہ سرزمین حاجز ہیں شام ہے جس طرح بحیرہ روم اور بحر قلزم کا درمیانی علاقہ اللہ جل شانہ، کے ارشاد کے مطابق برزخ کہلایا (وجعل بین البحرین حاجزا۔ آیت) عراق کا نام عراق کہتے ہیں کہ اس لیے رکھا گیا کہ اس کی طرف دجلہ و فرات اور دوسرے دریاؤں کے پانی بہہ آتے ہیں یعنی عراق "عراق الدلو اور عراق القربہ" سے ماخوذ ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یمن کا نام اس ملک کی یُمن وبرکت کی وجہ سے یمن رکھا گیا ہے اور شام کا نام اس کے شوم ہونے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ یہ اقوال بعد کے لوگوں کے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ جب انسانی برادری بابل سے ادھر اُدھر منتشر ہوئی تو جو لوگ زمین کی نسبت سے نظام شمسی کے داہنی جانب جہاں آکر آباد ہوئے انہوں نے اپنی لغت کے مطابق اس کا نام یمن رکھ دیا۔

شام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے مختلف مقامات (شامات) کی مٹی کہیں سفید اور کہیں سیاہ ہے اس لیے ان شامات کی نسبت سے اسے شام کہا گیا۔ یہ کلبی کا قول ہے۔

شرقی بن قطامی کے مطابق شام کا نام سام بن نوح کے نام کی مناسبت سے رکھا گیا ہے

سام سے شام کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب عرب یہاں آئے تو انہوں نے اپنی لغت کے مطابق سام کو بدل کر شام کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سارا تے شام کا نام سام کی اضافت لگا کر رکھا ہے۔ لغت کا فرق ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بنی عباس نے اپنی حکومت کے زمانے میں اپنی رائے میں بطور اظہار مسرت شام کا نام شام (رجائے سرور) رکھا ہے۔

ان ممالک اور مقامات کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔

باب (۹)

اہل یمن کے انساب اور اس بارے میں مختلف اقوال

انساب قحطان میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ہشام بن کلبی نے اپنے باپ اور شرقی بن قطامی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان دونوں کی رائے میں قحطان بن ہمیسع بنت کا بیٹا تھا اور بنت اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کا فرزند تھا۔ ان کے دلائل ان روایات پر مبنی ہیں جو ان تک پہنچی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے اسے ہشام کے حوالے سے روایت فرمایا ہے اور ہشام نے اسے اپنے باپ اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ابن عباس سے قبل اس روایت کا سلسلہ یوں ہے کہ ہیثم نے کلبی اور کلبی نے ابی صالح کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک میدان کے قریب سے گزرے جو تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: "اے بنی اسماعیل تیر چلاؤ! تمہارے آبا (بہت عمدہ) تیر انداز تھے، میں ابن ادرع کے ساتھ ہوں جو بنی خزاعہ سے ہے۔" وہاں جمع لوگوں نے دریافت کیا: "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اور کس کے ساتھ ہیں۔ آپ جس کے ساتھ ہوں گے وہی سب سے افضل ہوگا۔" آپ نے فرمایا: "تیر اندازی کی مشق جاری رکھو، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔"

اب چاہے قحطان اور حمیر و کہلان کی ساری اولاد اس قول کی منکر ہو لیکن اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قحطان ہی دراصل یقطن تھا جسے معرّب کر کے قحطان کر لیا گیا ہے۔

ابن کلبی بیان کرتا ہے کہ یقطن کا نام توریت میں جبّار بن عامر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام

بن نوح لکھا ہے جس سے انساب اہل یمن کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اور اب قحطان کے بیٹے کہلان و حمیر یا ان کی اولاد اور سب چھوٹے بڑے جنہیں تاریخ قدیم سے تھوڑی بہت واقفیت ہے اور جو ان دونوں یمن کے علاوہ تہائم، انجاد، حضرموت، مشحر، احقاف اور بلاد عمان تک ہر طرف آباد ہیں اس سے انکار نہیں کر سکتے بلکہ اس کے بجائے اس پر یقین رکھتے ہیں کہ قحطان ہی عابر ابن شالخ (بن سالم)[1] ہے جو درحقیقت قینان بن ارفخشذ بن سام بن نوح تھا۔ تاریخ قدیم سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عابر کے تین بیٹے تھے " فالغ، قحطان اور ملکان" اور اکثر لوگوں کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام ملکان کی اولاد میں سے تھے۔ قحطان کے ۳۱ بیٹے ہوئے۔ ان کی ماں حیّی[2] بنت رزق بن فزارہ[3] بن منقذ بن سوید بن عوص بن ارم بن سام بن نوح تھی۔ قحطان کا ایک بیٹا یعرب بن قحطان تھا اور یعرب کا بیٹا یشجب تھا۔ یشجب کے دو بیٹے تھے ان میں سے ایک عبد شمس تھا جو تاریخ میں سبا کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ سبا کے دو بیٹے حمیر و کہلان کہلاتے ہیں۔

اہل یمن کے اس سلسلۂ نسب پر جملہ اہل تواریخ اور ثقہ ترین سیرت نگاروں کا اتفاق ہے۔

ہیثم بن عدی طائی بھی ان لوگوں میں سے ہے جو اس کی تردید کرتے ہیں کہ قحطان حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے تھا۔ وہ اس کی یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ حضرت اسماعیل تو بنی جرہم کی زبان بولتے تھے جو ان کے والد بزرگوار حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تھی یعنی سریانی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے نامور فرزند حضرت اسماعیلؑ مع اپنی والدہ حضرت ہاجرہ کے اس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں مکہ کی بے آب و گیاہ سرزمین پر لائے تھے سریانی زبان ہی میں گفتگو کر رہے تھے بلکہ حضرت ہاجرہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہاں سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اسی زبان یعنی سریانی میں گفتگو کرتی تھیں لیکن ہنوز اس سے انکار کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل سریانی بولتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو اس وادی بے آب و گیاہ میں چھوڑا تو اس وقت حضرت اسماعیل کی عمر سترہ سال تھی جسے بعض لوگ چودہ سال بتاتے ہیں۔ بہرحال اس وقت ان کے

---

[1] یہ نام بعض نسخوں سے نکال دیا گیا ہے (مرتّب)

[2] بعض نسخوں میں حنی لکھا ہے (مرتّب)

[3] بعض نسخوں میں فزارہ بن سعد لکھا ہے (مرتّب)

ساتھ ان کا کوئی ساتھی یا ہمدرد تو تھا نہیں جس سے وہ سریانی یعنی بنوجرہم کی زبان میں گفتگو کرتے دوسروں سے اس شدتِ تشنگی میں وہ اس کا اظہار کس طرح کرتے کیونکہ وہاں سے گزرنے والے قافلے تک سب عربی زبان بولتے تھے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے ان کے لیے وہاں زمزم کا چشمہ پیدا کر دیا بلکہ اپنی قدرت سے حضرت اسماعیل کو عربی زبان بھی سکھا دی جس میں وہ اس کے بعد بڑی روانی سے گفتگو کرنے لگے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بنوجرہم کی زبان سریانی زبان سے الگ تھی نیز یہ قحطان کی اولاد کی زبان نزار بن معد کی زبان کے برعکس پائی گئی ہے۔ اس لیے ان لوگوں کا قول جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل عربی نہیں بول سکتے تھے غلط ثابت ہوجاتا ہے اور یہ بھی کہ ان کی زبان بنوجرہم کی زبان تھی۔ غرض یہ کہ وہ تمام اقوال جو حضرت اسماعیل کو سُریانی زبان بولنے والا اور عربی سے نابلد ہونے کے ثبوت میں پیش کیے جاتے ہیں باطل قرار پاتے ہیں۔ ویسے بھی یعرب کی منزلت خدا کے نزدیک حضرت اسماعیل سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ یعرب بن قحطان صرف بربنائے فضیلت زبان حضرت اسماعیلؑ سے رتبے میں زیادہ سمجھا جائے اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کا درجہ عربی سے ناواقفیت کی بنیاد پر اس سے کمتر سمجھا جائے۔

اولادِ نزار اور اولادِ قحطان کے بارے میں اور بہت سے طویل مباحث بھی تواریخ میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے اسلاف و اخلاف پر بھی مختلف بیانات ملتے ہیں۔ اس طرح سفید و سیاہ رنگوں اور عربیت و عجمیت پر بھی بہت کثرت سے اقوال پائے جاتے ہیں۔ ہم نے ان سب پر اپنی کتاب اخبار الزماں میں مفصل گفتگو کر کے تحقیقی نتائج پیش کیے ہیں۔

ہثیم کے خیال میں جرہم بن عامر بن سبا بن یقطن قحطان ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی کہ آپ نے انصار کو تیراندازی کی مشق کرتے دیکھ کر ان کی حوصلہ افزائی کے لیے مزید تیراندازی پر مائل کر کے فرمایا تھا کہ "اے بنی اسماعیل اور تیر چلاؤ۔" یہ تاویل پیش کی ہے کہ آپ نے انہیں بنی اسماعیل اُن کی ماؤں کی مناسبت سے فرمایا تھا نہ کہ باپوں کی نسبت سے کیونکہ آپ انہیں باپوں کی نسبت سے بنی اسماعیل نہیں فرما سکتے تھے اور اس سلسلہ میں بعض دُوسروں نے آپ کے دُوسرے اقوال و اعمال پیش کیے ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ سے جب ایک دفعہ دریافت کیا گیا کہ "سبا" کے بارے میں حضورؐ کا کیا خیال ہے؟ آیا اسے مردوں میں شمار کیا جائے یا عورتوں میں؟ تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ "سبا" مرد تھا۔ اس کے دس لڑکے

تھے جن میں سے چار شام میں آباد ہوئے اور چھ یمن میں - جو شام میں آباد ہوئے وہ لخم، جذام، عاملہ اور غسان تھے اور جو یمن میں آباد ہوئے وہ حمیر، آزد، مذحج اور کنانہ تھے ان چار کے علاوہ جو دو اشعری اور انماری کہلاتے ہیں، ان کے نام بجیلہ اور خثعم تھے ۔"

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "ابوالمنذر درحقیقت انمار میں ایاد بن عمرو بن غوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا تھا ۔"

بہر حال ہماری تحقیق کے نتائج یہ ہیں کہ انمار کے نسب میں لوگوں کے درمیان اختلافات بے معنی ہیں کیونکہ اکثر مورخین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کچھ انماری اور ایاد و ربیعہ و مضر جو بنو نزار بن معد بن عدنان میں سے تھے تو یمن پہنچنے کے بعد ان کی نسل بڑھتی چلی گئی - اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر جو سطور بالا میں پیش کیا گیا کسی دوسرے قول سے زد نہیں پڑتی نہ کوئی تضاد کی صورت پیدا ہوتی ہے ۔

اس سلسلے میں بھی لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے کہ سبا کی تمام اولاد کو سبئیون کیوں کہا جائے ۔ اس پر ہشام نے اپنے باپ کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے اور بتایا کہ یمن میں اولادِ سبا کے علاوہ بھی دوسرے قبائل آباد ہوئے تھے اور وہ بھی سبئیون میں شامل سمجھے جاتے ہیں ۔

ہم زیر نظر کتاب میں آگے چل کر عمرو بن عامر مزیقیا، طریفہ کاہنہ، عمران کاہن کے حوالے سے جو عمرو بن عامر کا بھائی تھا - عرم وسیل، امرسد وغیرہ پر گفتگو کریں گے اور بتائیں گے کہ مذکورہ بالا افراد کی کہانت کی رو سے امرسد وسیل عرم کیا معنی رکھتے ہیں اور یہ بھی عرض کریں گے کہ بابل سے منتشر ہو کر مارب کے قبائل عمان، شنوءہ، سراۃ[1]، شام کے علاوہ روئے زمین پر اور کہاں کہاں جا کر آباد ہوئے ۔

---

[1] بعض نسخوں میں شراۃ لکھا ہے (مرتب)

باب (۱۰)

ملوکِ یمن اور ان کی مدّت حکومت

سبا ملوک یمن میں سب سے پہلے سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کا نام آتا ہے جس کا اصلی نام عبد شمس تھا۔ اس کے نام سبا کی شہرت کے اسباب پر ہم پہلے روشنی ڈال چکے ہیں، واللہ اعلم۔ اس کی مدت حکومت ۴۸۴ بیان کی گئی ہے۔

حمیر سبا کے بعد اس کا بیٹا حمیر بن سبا بن یشجب بن یعرب حکمران ہوا جو اپنے زمانے کا شجاع ترین شخص سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شہسواری اور حسن و جمال کے لحاظ سے بھی اپنے ہم عصروں میں ممتاز ترین تھا۔ اس نے پچاس سال حکومت کی جسے بعض لوگوں نے کم و بیش بھی لکھا ہے۔ اس کے نام کے ساتھ "متوج" بھی لگایا جاتا تھا اور وہ اسی نام سے شہرت بھی رکھتا تھا کیونکہ یمن میں بحیثیت حکمران وہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے سر پر سونے کے تاج پہنا۔

کہلان حمیر کے بعد اس کا بھائی کہلان بن سبا یمن کا بادشاہ ہوا۔ اس نے بہت طویل عمر پائی اور کبر سنی تک اس کی حکومت کو استقلال و استحکام حاصل رہا۔ اس نے ۳۰۰ سال حکومت کی۔ کچھ مورخین نے اس مدت کو کم و بیش بھی لکھا ہے۔

کہلان کے بعد اقتدار حکومت حمیر کے بیٹے کے پاس آیا جس کے بارے میں بڑی طویل طویل اطلاعات ملتی ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حکومت کے لیے حمیر و کہلان کے بیٹوں میں جنگ ہوئی۔

عمرو بن سبا آخر کار ابو مالک عمرو بن سبا کی حکومت آئی۔ اس کے دور حکومت میں لوگوں کو امن و سکون نصیب ہوا۔ اس کی عدل پروری کی وجہ سے لوگ اس کی

بڑی تعریف کرتے اور اس کا احسان مانتے تھے۔ اس نے ۳۰۰ سال حکومت کی۔ کہا جاتا ہے کہ کملان کے بعد رائش نے حکومت کی جس کا اصلی نام حارث بن شدادؔ تھا[1]۔ اس کے بعد جبّار بن غالب (بن زید بن کہلان) حکمران ہوا اور اس نے ۱۲۰ سال حکومت کی۔ اس کے بعد حارث بن مالک بن افریقس بن صیفی بن یشجب ابن سبا حکمران ہوا۔ اور اس نے ۱۴۰ سال کے قریب حکومت کی۔

کہتے ہیں ابو ابرہہ بن رائش جسے ذی منار بھی کہا جاتا ہے یمن کا یہی بادشاہ تھا۔

حارث بن مالک کے بعد یمن میں جن بادشاہوں نے یمن میں یکے بعد دیگرے حکومت کی ان کے نام اور مدت حکومت درج ذیل ہے:۔

(۱) رائش بن شداد بن ملطاط (مدتِ حکومت ۱۲۵ سال)

(۲) ابرہہ بن رائش ذوالمنار (" " ۱۸۰ سال)

(۳) افریقس بن ابرہہ (" " ۱۶۴ سال)

(۴) العبد بن ابرہہ ذوالاذعار (" " ۲۵ سال)

(۵) الہدھاد بن شرجیل بن عمرو بن رائش۔

اس کی مدت حکومت کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں۔ کسی نے اس کی مدت حکومت دس سال بتائی ہے، کسی نے سات سال اور کسی نے صرف چھ سال لکھی ہے۔

(۶) تبع اوّل (مدتِ حکومت چار سال)

اکثر لوگوں کے مطابق اسے بلقیس نے قتل کر دیا تھا۔ اگرچہ بعض مورخین نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے لیکن اوّل الذکر بیان ہی زیادہ مشہور ہے۔

(۷) بلقیس بنت الہدھاد۔ اس کے مولد کے بارے میں بڑی دلچسپ کہانیاں مشہور ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس نے ایک دو نہ تصور میں اپنے باپ کو دیکھا جس کا آدھا چہرہ سیاہ اور آدھا سفید تھا۔ اس کے بعد اس کے سامنے ایک سیاہ چہرہ آیا پھر سفید۔ اس نے اسی حالت تصور میں سیاہ چہرے والے شخص کے قتل کا حکم دیا۔ اس کے بعد اس کے سامنے ایک ایسا شخص آیا جسے بوڑھا اور جوان دونوں کہہ سکتے ہیں وہ کوئی جن تھا۔ اس نے اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دی۔ لیکن

---

[1] بعض نسخوں میں "حارث بن ذی سدد" بھی لکھا ہے (مرتب)

شرائط کچھ ایسی سخت رکھیں جنہیں وہ پورا نہ کرسکا اور ایک روز اچانک غائب ہوگیا - یہ عجیب و غریب کہانی کتاب "اخبار التبابعہ" میں موجود ہے -

ہم نے زیرِ نظر کتاب میں محیرالعقول حکایات کہیں کہیں درج کی ہیں وہ یا تو اہل سیر کی کتابوں سے ماخوذ ہیں یا قصص القرآن میں بیان ہوئی ہیں اور ان کی تصدیق بانی شریعت اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی ہے - اس لیے زن سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم نے ان کے سلسلے میں صرف قدیم قصّہ گویوں کی باتوں پر اعتماد کیا ہے -

ملکہ بلقیس نے یمن میں ۱۲۰ سال حکومت کی - اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اسے وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہُدہُد کے ذکر کے ساتھ آیا ہے - اس واقعے کے بعد حضرت سلیمانؑ کی یمن پر ۲۳ سال حکومت رہی -

یمن کے باقی حکمران

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد یمن کی حکومت پھر حمیر کی اولاد میں منتقل ہوگئی اور ان میں مندرجہ ذیل بادشاہ ہوئے -

(۱) ناشر النعم ابن عمرو بن یعفر[1] (مدت حکومت ۳۵ سال)

(۲) کلیکرب بن تبع (مدت حکومت ۱۲۰ سال)

اس بادشاہ کی قوم کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف بڑھ کر خراسان، تبت، چین اور سجستان میں جا بسی تھی -

(۳) حسان بن تبع - اس کی حکومت کو کچھ عرصہ استحکام حاصل رہا لیکن اس کے بعد باہمی تنازعات پیدا ہوئے اور اسے قتل کردیا گیا - قتل کے وقت اس کا دورِ حکومت ۲۵ سال ہوچکا تھا -

(۴) عمرو بن تبع - اس نے اپنے بھائی حسان بن تبع کو قتل کرکے حکومت حاصل کی تھی - اس نے اگرچہ ۶۴ سال حکومت کی لیکن اپنے بھائی کے قتل کے بعد اسے زندگی بھر چین سے نیند نہیں آئی اور وہ "مرضِ بے خوابی" میں مبتلا رہا -

(۵) تبع بن حسان بن کلیکرب - اس نے یمن سے حجاز تک پورے علاقے پر حکومت کی - قبائل اوس و خزرج کے ساتھ اس کی لڑائیاں بھی ہوئیں - اس نے خانہ کعبہ کے انہدام کا ارادہ کیا تھا لیکن اسے یہودی احبار نے اس سے روکا تھا اور قضب الیمانی نے اسے سمجھایا تھا - بعد

---

[1] ایک نسخے میں یاسر" بن عبد بن یعفر" بھی لکھا ہے (مرتب)

یں وہ خود بھی یہودی ہوگیا تھا۔ اس وقت سے یمن پہ یہودیوں کا غلبہ ہوگیا تھا۔ تبع بن حسان بن کلیکرب قریبًا سو سال تک یمن کا حکمران رہا۔

(۶) عمرو بن تبع۔ اس کے حکمران ہوتے ہی یمن میں پھر تنازعات شروع ہوگئے جس کی وجہ سے اسے حکومت چھوڑنا پڑی۔

(۷) مرثد بن عبد کلال۔ عمرو بن تبع کے بعد مرثد بن عبد کلال نے حکومت سنبھالی لیکن تنازعات جاری رہے تاہم اس کا دورِ حکومت چالیس سال جاری رہا۔

(۸) ولیعہ بن مرثد (مدت حکومت ۳۹ سال)

(۹) ابرہہ بن صباح بن ولیعہ بن مرثد۔ اسے شیبۃ الحمد کہا جاتا ہے۔ وہ بڑا زبردست عالم گزرا ہے۔ اس کی سوانح حیات بھی مرتب و مدوّن ہوئی تھی۔ اس نے قریبًا ۹۳ سال حکومت کی۔

(۱۰) عمرو بن ذی قیفان (مدت حکومت ۱۷ سال)

(۱۱) ذوشناتر[1]۔ یہ شخص شاہی خاندان سے نہیں تھا۔ بس یونہی لوگوں کے جھانسے میں آکر خصوصًا عورتوں کی حمایت سے بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ اس نے یمن میں حد سے زیادہ فسق و فجور پھیلایا، وہ لواطت کا بھی عادی تھا۔ اس کے باوجود رعایا سے اچھی طرح پیش آتا اور ان سے اچھا سلوک کرتا تھا۔ اسے ملوک یمن کی اولادیں سے ایک شخص یوسف ذونواس نے قتل کر دیا تھا کیونکہ اسے خوف تھا کہ وہ کہیں اسے بھی اپنے ساتھ اپنی بُری عادات میں مبتلا نہ کرے۔ ذوشناتر نے ۱۹ سال حکومت کی۔

(۱۲) ذوشناتر کے بعد یوسف ذونواس بن زرعہ بن تبع اصغر بن حسان بن کلیکرب یمن کا حکمران ہوا۔ ہم نے اس کا ذکر زیرِ نظر کتاب کے علاوہ اپنی پچھلی کتابوں میں بھی کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس نے اصحاب اخدود کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور انہیں کس طرح آگ میں جلایا تھا۔ اس واقعے کو اللہ تعالٰے نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے "قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود" اس واقعے کے بعد حبشی ناصح اور ذبلع کی طرف سے اس پہ ٹوٹ پڑے۔ یہ مقامات جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ساحل حبشہ پہ ارض یمن سے ساحل زبید کی

---

[1] ایک نسخے میں اس کا نام لخنیعہ ذوشناتر لکھا ہے (مرتب)

طرف واقع ہیں۔ یوسف جان توڑ کر لڑا لیکن جب شکست ہونے لگی تو شرم کی وجہ سے سمندر میں کود کر ہلاک ہو گیا۔ حبشہ کے حکمران نجاشی نے ذونواس کی حرکات سے واقف ہو کر حبشیوں کی فوج یمن بھیجی تھی جس کا سردار ارباط بن اصحمہ تھا۔ ذونواس کے بعد اسی نے یمن پر بیس سال تک حکومت کی جس کے بعد ابرہہ اشرم ابویکسوم نے کسی طرح اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا اور خود حکومت سنبھال لی۔ اس کی اطلاع جب نجاشی حاکم حبشہ کو ہوئی تو اس نے جناب مسیح علیہ السلام کی قسم کھائی کہ جب تک ابرہہ کا خون بہا کر اس کی مٹی یعنی اس کے ملک یمن کی مٹی اپنے قدموں تلے نہ روندے گا چین سے نہ بیٹھے گا۔ نجاشی کی اس قسم کی اطلاع کسی نہ کسی طرح ابرہہ کو بھی مل گئی۔ اس نے اپنا تھوڑا سا خون نکال کر اسے قارورے میں ملایا اور ایک شیشے میں بھر دیا۔ پھر یمن کی مٹی لے کر ایک موزے میں بھری اور یہ دونوں چیزیں ایک قاصد کے ذریعہ نجاشی کی خدمت میں بھیجیں اور اسے لکھا کہ وہ شیشے کا خون زمین پر بہا دے اور موزے میں بھری ہوئی مٹی اپنے قدموں تلے روند ڈالے۔ ان دونوں باتوں سے اس کی قسم پوری ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اس نے نجاشی سے معافی مانگی اور قسم کھا کر لکھا کہ وہ دین مسیحی کے زیر سایہ آ گیا ہے اور اپنے پچھلے جملہ گناہوں سے تائب ہو چکا ہے۔ نجاشی اس کی اس عقل مندی پر حیرانی کے ساتھ خوش بھی ہوا اور اسے معاف کر دیا۔ یہ واقعہ قباذ شاہ فارس کے زمانے میں گزرا۔

۱۳۔ ابرہہ ابویکسوم[1]

یہ وہی یمنی بادشاہ ہے جو اصحاب فیل کو لے کر کعبہ ڈھانے چلا تھا۔ یہ واقعہ اس زمانے میں گزرا جب فارس کے بادشاہ کسریٰ نوشیرواں عادل کو وفات پائے چالیس سال گزر چکے تھے۔ ابرہہ نے مکے کے لیے طائف کا راستہ اختیار کیا تاکہ وہاں آسانی سے پہنچ سکے۔ طائف میں بنو ثقیف اس کے معاون ہو گئے اور اسی قبیلے کے ایک شخص ابی رغال نے طائف سے مکے کا آسان ترین راستہ بتانے کے لیے اس کے ساتھ سازش کی لیکن رغال راستے ہی میں ہلاک ہو گیا۔ جہاں وہ ہلاک ہوا اس جگہ کا نام مُغمّس ہے جو طائف اور مکے کے درمیان واقع ہے۔ اس کی قبر پر بعد میں لوگوں نے پتھر مارنے شروع کیے۔ اس واقعہ کا ذکر شاعر فرزدق کے سلسلے میں مشہور عربی شاعر جریر بن غطفی نے ... "جب فرزدق کا انتقال ہوا لوگوں نے اس کی قبر کو اس طرح سنگسار ...

[1] ایک نسخے میں ابرہہ الاشرم بن یکسوم لکھا ہے (مرتب)

جیسے انہوں نے ابی رغال کی قبر کو اس کی ہلاکت کے بعد کیا تھا"

کہتے ہیں کہ جب خدا کے نبی حضرت صالح علیہ السلام نے لوگوں کو صدقات اموال کی ترغیب دی تھی تو اس وقت جس شخص نے لوگوں کو ان کے ارشاد پر عمل کرنے سے روکا تھا وہ ابی رغال کے آباء میں سے ثقیف نام کا ہی شخص تھا، اسی نے وہاں انبیاء کے احکام کی خلاف ورزی کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کے کردار کو بدی کی طرف مائل کیا تھا۔ اس کا اصلی نام قسیّ بن منبعہ تھا۔ لوگوں نے اسے اس کی عادات شنیعہ کی بناء پر قتل کر دیا تھا۔ اس قبیلے کی بدعنوانیوں اور کردار کی خرابی کا بہت سے عرب شاعروں نے اپنی منظومات میں ذکر کیا ہے۔

حبشہ والوں کے حرم میں داخلے کی کوشش کی تفصیلات ہم زیرِ نظر کتاب میں آگے چل کر بیان کریں گے۔

قبر عبادی یمن سے مکے کے راستے کا ذکر آیا ہے اور "قبر رغال" کا تذکرہ کیا گیا ہے تو یہ بھی واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عراق سے مکے کے راستے میں بھی ایک موضع کا نام "قبر عبادی" ہے۔ اس کا ذکر المادہ نے "قبر رغال" کے ضمن میں کیا ہے یہ جگہ بطان کی طرف ثعلبیہ اور حبیر کے درمیان واقع ہے اور اس کے متعلق بہت سی دلچسپ باتیں بیان کی جاتی ہیں جنہیں ہم نے تفصیلاً اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزمان" اور "حدائق الاذہان" نیز ایک تیسری کتاب "اخبار اہلبیت" رضی اللہ عنہم میں بیان کیا ہے۔

مکے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابابیلوں کے ذریعے جب اس کا لشکر ہاتھیوں سمیت تباہ ہو گیا اور ابرہہ کسی طرح جان بچا کر یمن پہنچا تو اس کی مجموعی حکومت از اوّل تا آخر ۴۳ سال ہوئی۔

اس سلسلے میں ہم تاریخ عالم، تاریخ الانبیاء والملوک کے تحت آگے چل کر مزید روشنی ڈالیں گے۔

۱۴۔ اشرم بن یکسومؒ یا یکسوم بن ابرہہ ابرہہ کے بعد اس کا بیٹا جیسا کہ مؤرخین نے بالاتفاق لکھا ہے یکسوم یمن کا حکمران ہوا اور اس کی حکومت کم و بیش جگہ یمن پہ تھی (مدت حکومت بیس سال)

۱۵۔ مسروق بن ابرہہ یکسوم کے بعد مسروق بن ابرہہ حکمران ہوا۔ وہ اپنے اسلاف سے بھی زیادہ تشدد پسند تھا۔ اس کے ہاتھوں اس کی

تمام یمنی رعایا کو سخت تکلیف و اذیت پہنچی۔ اس کی ماں آل ذی یزن میں سے تھی۔ سیف بن ذی یزن باہمت شخص تھا۔ اس نے روم اور ایران تک سارے سمندر کشتیوں کے ذریعہ عبور کر لیے تھے۔ پہلے اس نے قیصر روم سے حبشہ کے خلاف مدد مانگی تھی اور اس اُمید میں سات سال تک روم کے دروازے پر پڑا رہا تھا۔ لیکن قیصر روم نے بار بار اسے یہی جواب دیا کہ حبشہ عیسائی ہے۔ جب کہ تم یہودی ہو ہم اس کے خلاف تمہیں کس طرح مدد دے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حبشہ سے ہمارے باہمی صلح کے معاہدات بھی ہیں۔ اس طرف سے مایوس ہو کر اس نے شاہ فارس سے حبشہ کے خلاف مدد مانگی اور روم کی نسبت فارس سے اپنی قربت کا حوالہ بھی دیا۔ شاہ فارس نے اس کے دلائل طلب کیے تو اُس نے جواب میں لکھ بھیجا کہ حبشہ کی نسبت فارس سے یمن کا فاصلہ کم ہے دوسرے فارس اور یمن دونوں کے باشندوں کے رنگ ملتے جلتے ہیں جب کہ حبشی سیاہ فام ہیں۔

سیف بن ذی یزان کے دلائل (یکے دیگرے) شاہ ایران کو پسند آئے اور اس نے حبشہ کے خلاف یمن کی امداد کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ سوڈان کی فتح میں اسے مدد بھی دی۔ اس کے بعد وہ اہل مکہ کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے مصالحانہ گفتگو پر آمادگی ظاہر کی۔ اس سے قبل جب وہ عراق کی طرف بڑھا تھا اور وہاں فوج کشی کی تھی تو شاہِ فارس اس میں مانع ہوا تھا لیکن اس نے یہ دلیل پیش کی کہ ایران نے حبشہ کے خلاف ہماری امداد کی تھی اس لیے ہم حلیف ٹھہرتے ہیں۔ تاہم فارس کے ساتھ اس کی بڑی معرکہ آرائی ہوئی۔ اس نے لڑائی میں ہزاروں ہاتھی جھونک دیے تھے مگر عین لڑائی کے وقت وہ نہ جانے کیوں پہلے ہاتھی سے اُتر کر اُونٹ پر سوار ہوا، اس کے بعد گھوڑے پر اور پھر گدھے پر سوار ہوا اور خدا جانے قدرت کو کیا منظور تھا کہ اسی نسبت سے اس کی حکومت یمن میں زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔

یکسوم نے شاہِ فارس کو ازدواجی رشتوں کے لیے بھی لکھا تھا لیکن اسے یہ جواب دیا گیا تھا کہ فارس یمن میں رشتہ لینے کے لیے تو تیار ہے لیکن کسی یمنی کو فارس کی کوئی لڑکی بیوی کے طور پر نہیں دے گا۔ اس معاملے پر عربی شاعروں نے بہت کچھ اظہار خیال کیا ہے اور فارس کو اس کی خود غرضی کے طعنے دیے ہیں۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یکسوم یمن میں نام کا حکمران تھا، ملک پر ہر گونہ تسلّط سیف بن ذی یزان کا تھا اور وہی آخر تک یمن کے سیاہ و سفید کا مالک رہا۔ اس لیے اس کے اور یکسوم کے بعد یمن کی حکومت سیف بن ذی یزان کے بیٹے کے ہاتھ آئی۔

معدیکرب بن سیف بن ذی یزان

عرب کے وفود تو یمن میں سیف بن یزان کی حکومت کے زمانے ہی میں آنے شروع ہو گئے، لیکن معدیکرب کے زمانے میں ان میں خصوصی اضافہ ہوا اور خاص طور پر حجاز کی طرف سے اسے وارث حکومت ہونے پر مبارک باد بھی پیش کی گئی۔ جن کی طرف سے اسے مبارک باد پیش کی گئی ان اشراف عرب میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف، اُمیہ بن عبدشمس بن عبدمناف، خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اور ابوزمعہ جدّ اُمیہ بن ابی صلت ثقفی شامل تھے۔

ان لوگوں میں سب سے زیادہ جس شخص نے معدیکرب کو مبارک باد دے کر اسے عربوں کا ذی کرامت شخص ٹھہرایا وہ عبدالمطلب بن ہاشم تھے انہوں نے معدی کرب کو "ابن اختنا" کہہ خطاب بھی کیا۔ ان کے جملہ مراسلات کا ذکر ہم نے تفصیل سے اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں کیا ہے ویسے معدیکرب کو جس نے منظوم مبارکباد پیش کی وہ ابوزمعہ جدّ اُمیہ بن ابی الصلت ثقفی تھا۔

مقتل معدی کرب

معدیکرب نے متعدد معرکہ آرائیوں کے بعد حبشہ کو اپنا مطیع و منقاد بنا لیا تھا۔ اس کے محافظ رسالے میں بہت سے حبشی بھی شامل تھے۔

وہ اکثر اپنے قصر غمدان کے مرکزی دروازے سے سوار ہو کر نکلا کرتا تھا۔ ایک روز اسے دروازے ہی میں حبشیوں نے گھیر لیا، ان کے ساتھ اس کے محافظ بھی ہو گئے اور اسے چاروں طرف سے حملہ کر کے قتل کر دیا گیا۔ معدی کرب نے کل چار سال حکومت کی۔ وہ آلِ قحطان میں یمن کا آخری حکمران تھا۔ اس طرح یمن میں بنی قحطان کے کل ۳۷ بادشاہ ہوئے اور انہوں نے وہاں مجموعی طور پر تین ہزار ایک سو نوے سال حکومت کی۔

عبید بن شریہ کی روایت

عبید بن شریہ جب یمن سے ایک وفد لے کر اُمیہ کے دربار میں گیا تھا تو آخرالذکر نے اس سے یمن کے کوائف کے علاوہ وہاں کے حکمرانوں کی تفصیل بھی دریافت کی تھی۔ عبید بن شریہ نے اس کے سامنے یمن کے حکمرانوں اور ان کی مدت حکومت کے بارے میں جو بیان کیا تھا وہ درج ذیل ہے:-

(۱) "یمن کا پہلا حکمران سبا بن یشجب ابن یعرب بن قحطان	(مدت حکومت	۴۸۴	سال)
(۲) حارث بن شداد بن ملطاط بن عمرو	("	۱۲۵	سال)
(۳) ابرہہ بن دالش (ابرہہ ذوالمنار)	(" "	۱۳۳	")
(۴) افریقس بن ابرہہ	(" "	۱۶۴	")

(۵) العبد بن ابرہہ (مدت حکومت ۴۵ سال)
(۶) ھدھاد بن شرجیل (″ ″ ایک ″)
(۷) بلقیس بن ھدد (″ ″ ۷ ″)
(۸) حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت بلقیس کی وجہ سے (″ ″ ۲۳ ″)
(۹) رجیعم بن سلیمان (″ ″ ایک ″)

اس کے بعد حکومت حمیریوں کی طرف منتقل ہوئی جن میں یہ بادشاہ ہوئے:-

(۱) رجیعم بن سلیمان کے بعد پہلا بادشاہ ناشر النعم بن یعفر (″ ″ ۳۵ ″)
(۲) عمرو بن شمر بن افریقس (″ ″ ۵۳ ″)
(۳) تبع الاقرن بن عمر (تبع اکبر) (″ ″ ۱۵۳ ″)
(۴) ملکیکرب بن تبع (″ ″ ۳۵ ″)
(۵) تبع بن ملکیکرب بن تبع (تبع ابو کرب)
اسعد ابن ملکیکرب (″ ″ ۸۴ ″)
(۶) کلال بن مثوب (″ ″ ۷۴ ″)
(۷) تبع بن حسان بن تبع (″ ″ ۳۲۷ ″)
(۸) مرثد (″ ″ ۳۷ ″)
(۹) ابرہہ بن صباح (″ ″ ۷۳ ″)
(۱۰) ذو شناتر بن ذرعہ (″ ″ ۸۹ ″)
(۱۱) لخنیعہ المعروف ذی شناتر (″ ″ ۸۴ ″)

یمن کی ان مجموعی حکومتوں کا زمانہ ۱۹۲۷ سال ہوتا ہے۔ اس تضاد کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے سطور بالا میں لکھا ہے وہ مختلف تواریخ سے ماخوذ ہے جن میں باہمی تباین بھی ہے۔ اس لیے ہم نے تحقیق کے بعد مستند حوالوں سے صرف صدر درجہ مورخین کا انتخاب کیا ہے اور ہمارا بیان انہیں کے بیانات پر مبنی ہے۔

یمن میں فارس کی حکومت

جب اہل حبشہ نے معدی کرب بن سیف بن ذی یزن کو جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا ہے قتل کیا تو اس وقت صنعا میں شاہ فارس کا نائب لوہرز تھا۔ اس نے جب یمن کے حالات سنے تو وہ چار ہزار کا

لشکر لے کر وہاں پہنچا اور حبشیوں کو شکست دے کر یمن پر قبضہ کر لیا - پھر لوہرز کو سب حالات لکھے جو نوشیرواں کسریٰ یعنی اس وقت کا شاہِ فارس تھا اور شاہی اجازت نامہ موصول ہونے پر لوہرز نے یمن کی حکومت کا مستقل طور پر انتظام سنبھال لیا اور سوڈان میں ازدواجی تعلقات بھی قائم کر لیے لیکن شاہِ فارس نے جب یہ سُنا تو ایک اور فارسی سردار کو بھیجا جس نے نہ صرف لوہرز کا خاتمہ کیا بلکہ حبشیوں کو چُن چُن کر مروا ڈالا -

یمن میں وہرز شاہِ فارس کی حکومت اس وقت تک رہی جب تک اسے صنعا (مدائن) میں قتل نہ کر دیا گیا - وہرز شاہ فارس کے بعد فارس کی طرح یمن کی حکومت بھی اس کے بیٹے نوشجان کے پاس رہی لیکن جب اسے بھی قتل کر دیا گیا تو اس کے بعد یمن کی حکومت پر فارس ہی کے ایک شخص سبحان نے قبضہ کر لیا - سبحان کے بعد خُرزاد نے صرف چھ مہینے یمن میں حکومت کی - اس کے بعد یمن کی حکومت مرزبان نے سنبھالی - یہ شخص فارس کے شاہی خاندان سے تھا مرزبان کے بعد یمن کی حکومت خرخسرو کے ہاتھ آئی جو یمن ہی میں پیدا ہوا تھا -

اولادِ ابراہیمؑ میں یمن کی حکومت

مذکورہ بالا یمنی، حبشی اور فارسی حکومتوں کے بعد یمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو اقتدار حاصل ہوا - ان میں سب سے پہلے جس نے یمن میں حکومت کی وہ مغفیبہ بن اُمیم بن بدل بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام تھے - جن میں انھوں نے بڑی عظمت و شہرت پائی اور وہاں انہیں بڑی شان و شوکت حاصل ہوئی - مشہور عربی شاعر امرؤ القیس نے بھی اپنے اشعار میں ان کی مدح کی ہے اس نے انہیں "مغبتہ بن اُمیم بن بدل بن لسان بن ابراہیمؑ الخلیل" کہہ کر یاد کیا ہے -

عاصمۃ الیمن

ملوک یمن میں سب سے پہلے آل ذی سحر، آل ذی کلاع، آل ذی اصبح اور آل ذی یزن شہر ظفار میں آئے تھے - پھر وہاں دُوسرے مقامات کو منتقل ہوئے لیکن شہر ظفار کے دروازے پر سنگِ سیاہ کا ایک کتبہ آج تک موجود ہے جس پر ملوک یمن کی عہد بعہد حکومت کا حال درج ہے جن میں حبشی اور فارسی حکمران بھی شامل ہیں - سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ ان حکمرانوں میں سے ہر ایک کے نام کے سامنے اس کا کردار بھی کندہ کر دیا گیا ہے - مثلاً : حمیر کو "اخیار" اہل حبش کو "اشرار" اہل فارس کو "احرار" اور قریش کو "تجّار" لکھا گیا ہے -

ہم نے یمن اور وہاں کے حکمرانوں کے کل حالات حتی الامکان پیش کر دیے ہیں جس

جس وقت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا اس وقت یمن میں اہل فارس کی حکومت تھی لیکن ظہور اسلام اور اکناف عالم میں غلبہ اسلام کے بعد دوسرے ممالک کی طرح یمن پر بھی مسلمان غالب آ گئے۔

اب ہم آگے چل کر انشاء اللہ تعالیٰ ملوک حیرہ، یمن سے ان کا تعلق اور ان میں سے جو بعد میں ملوک شام کہلائے ان کا ذکر کریں گے۔

باب (۱۱)

بنی نصر کے ملوک حیرہ وغیرہ

جذیمہ وضاح اور اس کا مقتل

جب جذیمہ وضاح قتل ہوگیا تو اس کی حکومت زبا بنت عمرو بن ظرب بن حسان بن اذینہ بن سمیدع بن ہوبر کے حصے میں آئی۔ جذیمہ شام کے مشرق میں روم کی طرف فرات کے کنارے پر مقیم تھا اور زبا اس مقام پر رہتی تھی جس کا نام معنیق تھا۔ یہ مقام بلاد خانونہ اور قرقیسیا کے درمیان واقع تھا۔ درحقیقت زبا اپنے باپ کے انتقال کے بعد حکومت کی حق دار تھی لیکن اس پر جذیمہ قبضہ جما بیٹھا تھا۔ اس لیے زبا کافی عرصے سے اسے قتل کر دینے کی فکر میں تھی۔ جذیمہ کی حکومت ملوک الطوائف کے زمانے میں ۹۵ سال اور ملک اُردشیر بن بابک اور سابور الجنود بن اُردشیر کے وقت میں ۲۳ سال رہی۔ اس طرح اس کی حکومت کا مجموعی زمانہ ۱۱۸ سال ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں بعض شعرائے جاہلیت سوید بن ابی کاہل الیشکری وغیرہ نے اشعار کہے ہیں جن میں زبا کے ہاتھوں اس کے قتل کا ذکر ہے۔

مالک بن فہم

یہ شخص ان لوگوں کی اولاد میں سے تھا جو جذیمہ سے قبل حیرہ پر تھوڑے تھوڑے عرصے حکومت کر چکے تھے۔ حیرہ کی حقیقی حکومت مالک بن فہم ہی کے ہاتھ آئی تھی۔ اس کا پورا نام مالک بن فہم بن درس بن ازد بن غوث بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا۔ وہ جفنہ بن عمرو بن عامر مزیقیا کے ہمراہ شام کی طرف آیا تھا۔ پہلے وہ عراق کی طرف چلا گیا تھا جہاں اس نے مضر بن نزار کے قبائل کی سرداری کی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا پہلے وہاں کا پھر حیرہ کا حاکم ہوگیا تھا۔

عمرو بن عدی

جذیمہ کے بعد اس کی بہن کا بیٹا عدی بن نصر ابن ربیعہ ابن حارث ابن مالک بن غنم بن نمارہ بن لخم حاکم ہوا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے حیرہ پہنچ کر جم کر حکومت کی۔ اس سے ملوک نصرانیہ کے تعلقات تھے جو پہلے سے حیرہ کے حکمران چلے آتے تھے۔ جذیمہ کی بہن کے بیٹے عمرو بن عدی کی حکومت سو سال چلی۔

زبّا اور جذیمہ

زبّا بنت عمرو بن ظرب بن حسان بن اذنیہ بن سمیدع بن ہوبر، شام اور جزیرہ کی ملکہ عمالیق کی عزیزہ عاطلہ کے خاندان سے تھی جو سلیح میں مقیم تھا لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ رومی تھی۔ البتہ عربی بول لیتی تھی۔ اس کے شہر فرات کے شرقی و غربی دونوں کناروں پر تھے۔ آج کل وہ ویران پڑے ہیں۔ کہتے ہیں اس نے ان اطراف میں فرات کو بٹوا دیا تھا۔ اور اس جگہ رومی طرز کی عمارات بنوائی تھیں کیونکہ قبائل سے اس کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ جب اسے جذیمہ ابرش نے ایک خط لکھ کر مناکحت کا پیغام دیا تو اس نے جواباً اسے لکھا کہ میں عورت ہوں اور آپ مرد ہیں، اس لیے آپ کو خود میرے پاس آکر یہ درخواست کرنی چاہیے۔ واضح رہے کہ زبّا اس وقت تک دوشیزہ تھی۔ جذیمہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو قصیر نے اور بنو لخم کے لوگ جو اس کے ماتحت تھے سب نے اس کی مخالفت کی لیکن اکثریت نے اثبات میں فیصلہ دیا۔ اس لیے جذیمہ زبّا سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا اور وہ سب بھی جنہوں نے اسے وہاں جانے کا مشورہ دیا تھا اس کے ہمراہ تھے یہاں تک کہ وہ انبار کی حدود میں بُقّہ تک پہنچ گیا قصیر کو بھی مجبوراً اس کے ساتھ جانا پڑا تھا۔ بُقّہ پہنچ کر بھی قصیر نے جذیمہ کو سمجھایا کہ اگر وہ اپنی جان کی سلامتی چاہتا ہے تو زبّا کے پاس جانے سے باز رہے لیکن جذیمہ اپنی بات پر اڑا رہا اور بولا: "بُقّہ تک پہنچ کر لوٹ جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔" اس کے بعد اس نے وہاں سے زبّا کو اپنی آمد کی اطلاع دی اور اس کے بعد بھی اگلے پڑاؤ پر ایک الوداعی پیغام روانہ کیا۔ قصیر اس کا بھانجا تھا اور ظاہر ہے ماموں کو حکماً تو اس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا لیکن اس نے بُقّہ سے آگے جذیمہ کے ساتھ جانا مناسب نہیں سمجھا اس لیے وہیں ٹھہر گیا۔ جذیمہ جب زبّا کے دارالحکومت کے قریب پہنچا تو وہ خاتون بجائے ایک دوسرے شہر میں ٹھہری ہوئی تھی۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قصیر کو اندیشہ تھا کہ جذیمہ کو کوئی نقصان ضرور پہنچے گا اس لیے وہ اس کے پیچھے پیچھے چل کر اس سے آملا تھا۔ جب جذیمہ اس شہر کے سامنے پہنچا جہاں اس وقت زبّا مقیم تھی تو جذیمہ نے قصیر سے پھر اپنے طلب کی

جس پر وہ بولا:۔ میں اپنی رائے قُبہّ ہی میں چھوڑ آیا ہوں، اب جو کچھ آپ مناسب سمجھیں اس پر عمل کریں۔

جب زبّا کو جذیمہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ اس کے استقبال کے لیے اپنے محل سے باہر آئی لیکن اس کے ساتھ اس کے حفاظتی رسالے کو دیکھ کر بولی:۔

"آپ مجھ سے صلح صفائی، میل ملاپ کے لیے بلکہ مجھے اپنے رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں یا یہ فوج لے کر میرے ملک پر حملہ کرنے کی غرض سے اور میرے اس محل کا محاصرہ کرنے آئے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ میرے ساتھ گھوڑے سے اُتر کر اندرون محل تشریف لے چلیں اور تلوار وغیرہ بھی یہیں چھوڑیں۔ اسی طرح محبت کی فضا میں گفتگو ہو سکے گی۔"

چنانچہ جذیمہ گھوڑے سے اُترا اور تلوار کمر سے کھول کر ایک محافظ کے حوالے کی اور زبّا کے ساتھ اس کے قصر میں داخل ہو گیا۔ جب دونوں بیٹھے تو جذیمہ کو ایک طلائی پیالے میں شربت پیش کیا گیا جسے پینے کے بعد اس نے جسم میں کمزوری محسوس کی اور دماغ کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اسے چکر سے آنے لگے۔ یہ دیکھ زبّا مسکرائی اور اس سے بولی:۔

"آپ کی تشریف آوری کا شکریہ لیکن آپ میرے لیے "تحفہ عروسی" کیا لائے ہیں"۔ زبّا کو جذیمہ کیا جواب دیتا۔ اس کی حالت غیر تھی، پھر بھی اس نے اُٹھنا چاہا لیکن لڑکھڑانے سے اُس کی پشت زبّا کی طرف ہوگئی۔ زبّا نے اسی وقت اس کی پشت پر تلوار کچھ اس طرح ماری کہ دونوں کے درمیان سے شگاف ڈالتی ہوئی سرسرین پر جا کر رُکی جس سے جذیمہ کی پشت میں ایک باریک سی نالی بن گئی اور اس سے خون بہتا ہوا سرسرین سے قطرہ قطرہ ٹپکنے لگا۔ زبّا شاید اسی کی منتظر تھی اس نے ایک چھوٹی سی چادر اس جگہ لگا دی جس سے خون ٹپک ٹپک کر جمع ہونے لگا۔ جذیمہ نے پھر اُٹھنا چاہا تو اس کا منہ اب کے زبّا کی طرف ہوگیا۔ زبّا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی:۔

"بیٹھے رہیئے، مجھے تحفۂ عروسی مل گیا ہے جو آپ کے خون کی صورت میں ہے۔ دیکھ لیجیے میں نے آپ کا خون زمین پر بہنے نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ تحفۂ عروسی کے طور پر اپنا خون ہی دینا چاہتے تھے جو میں نے خود حاصل کر کے قبول کر لیا ہے۔ آپ کا یہ خون دیوانگی کے مریضوں کے لیے اکسیر ثابت ہوگا۔"

اتنا کہہ کر زبّا نے ایک قہقہہ لگایا لیکن جذیمہ تک اس کی آواز خاک پہنچتی کیونکہ وہ عالم سماعت توکیا مقام حیات سے بہت دُور جا چکا تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ زبّا نے جذیمہ کا خون جما کر رکھ لیا تھا اور اس کی لاش غائب کرادی تھی یا اس کے ہمراہیوں کو بطور درس عبرت قصرِ شاہی سے باہر بھجوادی تھی۔

ماموں کا انتقام

جو کچھ جذیمہ کے ساتھ پیش آیا اس کا اندازہ قصیر کو قبل از وقت ان مکاتیب کے لب و لہجہ سے ہو گیا تھا جو زبا کی طرف سے اس کے ماموں جذیمہ کو موصول ہوتے تھے لیکن جتنے لوگ اس کے ساتھ تھے ان کے بل بوتے پر وہ زبّا سے انتقام نہیں لے سکتا تھا۔ وہ مجبوراً واپس ہوا لیکن اپنی جائے سکونت پر پہنچتے ہی اس واقعے کی اطلاع جذیمہ کے چچازاد بھائی عمرو بن عبدالجن تنوخی کو جزیرہ پہنچائی اور اسے لکھا کہ اپنے چچا کے بیٹے کا بدلہ زبّا سے لے ورنہ ساری دنیائے عرب تجھے عمر بھر بُرا بھلا کہتی رہے گی۔

دوسری طرف قصیر نے اپنے بھائی عمرو بن عدی کو تاکیداً لکھا کہ ہم دونوں کو مل کر زبّا سے اپنے ماموں کا خون کا بدلہ ضرور لینا ہے۔ چنانچہ یہ تینوں اپنے اپنے عظیم عساکر کے ساتھ زبّا کے دارالحکومت خانوتہ کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد عمرو بن عدی اور عمرو بن عبدالجن تنوخی قصیر سے بولے: "خانوتہ کا قلعہ بہت مضبوط ہے، اس میں داخلہ مستحیل محالات نظر آتا ہے۔ ویسے پشت کی جانب سے دریائے فرات حائل ہے جہاں زبّا کے ماہر تیر انداز موجود ہوں گے۔ اس طرح تو ہمیں یہاں پڑے پڑے مدتوں گزر جائیں گی۔"

قصیر نے کہا: "میری سمجھ میں ایک تدبیر آئی ہے کہ زبّا کو صلح کا پیغام بھیجا جائے کہ ہم جذیمہ کے خون کا بدلہ خون کی صورت میں اس سے لینے نہیں آئے بلکہ خون بہا لینے اور آئندہ کے لیے معاہدات صلح کرنے آئے ہیں۔"

عمرو بن عدی اور عمرو ابن عبدالجن تنوخی کو قصیر کی یہ تدبیر پسند آئی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ زبّا نے بھی ان کے عظیم عساکر اور طویل محاصرے کے پیش نظر انہیں کہلا بھیجا کہ "آپ صرف قصیر کو میرے پاس بھیج دیں تاکہ اس سے صلح نامے پر گفتگو ہو سکے۔ اس کے بعد آپ تینوں ایک ساتھ اندرون قلعہ آکر اس پر دستخط کر دیں۔"

ادھر یہ پیغام موصول ہونے کے بعد طے پایا کہ کسی نہ کسی طرح تینوں ایک ساتھ چلیں اور زبّا کا کام تمام کر دیں۔

زبّا بھی غافل نہ تھی۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ جذیمہ کی طرح قصیر کو بھی ٹھکانے لگا کر اس کے دونوں ساتھیوں سے من مانی شرائط پہ صلح کر سکے گی یا کسی نہ کسی طرح ان کا بھی خاتمہ کر دے گی۔ بہرکیف جب قصیر زبّا کے سامنے پہنچا تو اس نے دریافت کیا۔

"تم کون ہو؟"

قصیر بولا:۔ "مجھے قصیر کہتے ہیں۔"

زبّا نے کہا: "اچھا! لیکن آپ طے شدہ معاہدے کے خلاف اپنے ساتھ ان دونوں کو کیوں لائے ہیں جو آپ کی پشت پر کھڑے ہیں۔ خیر آپ لوگ بیٹھ جائیے اور سُنیے کہ میرے پاس آپ تینوں کو دینے کے لیے بہت سا زر و مال اور جواہرات ہیں جو آپ لوگ جذیمہ کے خوں بہا کے طور پر قبول کر لیں۔ اس کے علاوہ میں آپ کے دونوں ساتھیوں کو اپنے مقبوضات کے کچھ حصّے دینے کے لیے تیار ہوں۔"

پھر اس نے قصیر کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئے کہا:۔

"آپ اب اپنے آپ کو حیرہ کا حکمران سمجھیے جس پر درحقیقت میرا حق ہے۔ کیونکہ ملوک حیرہ کی جائز وارث میں ہوں۔ اس کے علاوہ میں خود کو آپ کے حبالۂ عقد میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن یہ سمجھ لیجیے کہ میری یہ فراخدلانہ پیشکش آپ کو قبول نہ ہوئی تو میرے اس تخت کے نیچے ایک خفیہ راستہ موجود جو فرات کے نیچے ہی نیچے میری بہن راحیلہ کے تخت کے نیچے جا نکلتا ہے، میں چشم زدن میں اس میں داخل ہو کر اپنی بہن کے پاس جا پہنچوں گی اور آپ دیکھتے رہ جائیں گے۔"

یہ کہہ کر زبّا نے جُھک کر تخت کے ایک کونے کا فرش اُٹھانا چاہا لیکن عمرو بن عدی نے اُچھل کر تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

زبّا کے قتل کے بعد قصیر اور اس کے ساتھیوں کے اُونٹ قطار در قطار قلعہ میں داخل ہو گئے اور ان کے سپاہیوں نے نہ صرف قلعہ بلکہ پورے دارالحکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی دوسرے شہروں کا بھی یہی حال ہوا جن کے دردناک افسانے شعرائے عرب کی منظومات میں آج بھی محفوظ ہیں۔

جذیمہ کو ابرش کے نام سے اس لیے یاد کیا جاتا تھا کہ وہ مبروص تھا۔ جذیمہ کے بعد حیرہ کی حکومت عمرو بن عدی کو ملی جس نے وہاں سو سال تک حکومت کی۔

باقی ملوک حیرہ

عمرو بن عدی کے بعد اس کا بیٹا امرؤ القیس بن عمرو بن عدی حیرہ کا حکمران ہوا اس نے ستر سال حکومت کی۔

امرؤ القیس کے بعد اس کا بیٹا عمرو بن امرؤ القیس حکمران ہوا جسے "محرق العرب"[1] بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے پچیس سال حکومت کی۔ اس کی ماں ماریہ البربیہ ملوک غسان میں سے ثعلبہ بن عمرو کی بہن تھی۔

اس کے بعد نعمان بن امرؤ القیس قاتل الفرس حیرہ کا حکمران ہوا۔ اس نے ۵۹ سال حکومت کی۔ اس کی ماں ہیجانہ بنت سلول بن مراد تھی۔

اس کے بعد ایاد کے بقول منذر بن نعمان بن امرؤ القیس حیرہ کا حکمران ہوا اور اس نے پچیس سال حکومت کی۔ اس کی ماں فراسیہ بنت مالک المنذر آل نصر میں سے تھی۔

منذر بن نعمان کے بعد نعمان بن منذر المعروف فارس حلیمہ جو بنی الخورنق اور کردوس الکرادلیس بھی کہلاتا تھا حیرہ کا حکمران ہوا۔ اس نے ۳۵ سال حکومت کی۔ وہ آل غسان کی ہند بنت زید منات کا بیٹا تھا۔ اس کے بعد اسود بن نعمان حکمران ہوا۔ اس نے بیس سال حکومت کی۔ اس کی ماں ہند بنت ہیجانہ آل نصر میں سے تھی۔ اس کے بعد منذر بن اسود بن نعمان حکمران ہوا اور ۳۴ سال حکومت کی۔ اس کی ماں ماء السماء بنت عوف بن نمر بن قاسط بن ہبت بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار تھی۔ اسے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے "ماءُ السما" کہا جاتا تھا۔

منذر بن اسود بن نعمان کے بعد عمرو بن منذر حکمران ہوا اور اس نے ۲۴ سال حکومت کی۔ اس کی ماں کا نام حلیمہ بنت حارث تھا اور وہ آل معدیکرب میں سے تھی۔

اس کے بعد منذر بن عمرو بن منذر حکمران ہوا اور اس نے ۶۰ سال حکومت کی۔ اس کی ماں عمرو ابن قابوس کی بہن اور آل نصر میں سے تھی۔

اس کے بعد قابوس بن منذر نے ۳۰ سال حکومت کی۔ اس کی ماں ہند بنت حارث آلِ معاویہ بن معدی کرب میں سے تھی۔

اس کے بعد نعمان بن منذر حکمران ہوا۔ اس کو "ابیت اللعن" بھی کہا جاتا تھا۔ اس نے ۲۲ سال حکومت کی۔ اس کی ماں سلمٰی بنت وائل بن عطیہ بنی کلب میں سے تھی۔

---

[1] ایک نسخے میں "محرق الحرب" لکھا ہے (مُرتب)

نابغہ اور نعمان کے درمیان رابطہ

ایک روز نابغہ اچانک نعمان کے خلوت خانے کے دروازے تک جا پہنچا اور حاجب سے اندر جانے کی اجازت طلب کی ۔حاجب بولا :" وہ اس وقت مشروبات سے شغل کر رہے ہیں ۔" نابغہ نے کہا " ٹھیک ہے ۔یہی دوستی کے روابط مضبوط کرنے کا وقت ہے ،اس کے علاوہ ان کی خدمت میں اس وقت میری حاضری ان کے کیف و سرور میں موسیقی کے ذریعہ اضافے کا باعث ہوگی ۔"

حاجب نے کہا : مگر اس وقت ان کے پاس کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے ۔"

نابغہ نے کہا" آپ انہیں میری آمد کی اطلاع کر دیجیے ۔ باقی ان پر چھوڑ دیجیے ۔"

حاجب بولا :" اس اطلاع کے لیے بھی آپ کو میرا شکر گزار ہونا پڑے گا ۔"

نابغہ نے کہا " آپ نے سچ کہا ۔ ویسے اس وقت ان کے پاس دوسرے کون لوگ ہیں ؟"

حاجب :" وہاں اس وقت ان کے دوست خالد بن جعفر کلابی بیٹھے ہیں ۔"

نابغہ نے کہا :" یہ تو اور بھی اچھی بات ہے ۔اس صحبت خاص میں ایک اور دوست کا اضافہ ہو جائے گا ۔"

جب خالد بن جعفر کلبی نے نابغہ سے پہلے نعمان کے پاس جانے کی اجازت چاہی تھی تو اس وقت بھی حاجب نے ایسی ہی طول طویل بحث کی تھی لیکن خالد اسے لاجواب کر کے مسکراتا ہوا نعمان کے پاس جا پہنچا تھا کیونکہ وہ نعمان کا رفیق خاص ہونے کے علاوہ حسن بصیرت بھی رکھتا تھا اس نے نعمان کو چند بہت ہی لطیف شعر بھی سنائے ۔انہیں سن کر نعمان بولا :" کاش اس وقت نابغہ بھی ہوتا تو اس مجلس کا لطف دوبالا ہو جاتا ۔" اسی وقت حاجب نے نابغہ کی آمد کی اطلاع دی جسے سن کر نعمان بولا :۔

" لو وہ خود ہی آ گیا ۔اب مزہ آئے گا ۔" اور واقعی نابغہ کے آ جانے سے مجلس کا رنگ ہی بدل گیا ۔بے تکلفی بڑھی ۔نابغہ نے بہت سے اشعار سنائے اور گفتگو کے دوران میں اس نے نعمان کی جہاں " سر آمد فصحائے عرب " کہہ کہہ مدح کی وہیں اسے کئی بار " ابیت اللعن " کہہ کر بھی مخاطب کیا اور یہ صحبت تا دیر گرم رہی ۔

نعمان ، زید بن عدی اور کسریٰ

نعمان نے زید بن عدی کو قتل کیا تو اس کی وجوہ یہ تھیں :۔

زید بن عدی نعمان کا کاتب تھا ۔نعمان کی جو مراسلت کسریٰ پرویز کے ساتھ ہوتی تھی وہ

سب عربی میں زید بن عدی ہی لکھتا تھا۔ ایک بار نعمان نے کسریٰ پرویز کو دوسری باتوں کے ضمن میں یہ بھی لکھوا یا کہ آل منذر کی عورتیں حد درجہ حسین ہوتی ہیں۔ اس کے جواب میں کسریٰ پرویز نے لکھا کہ ان کی کوئی لڑکی انہیں بھیج دی جائے۔ نعمان نے قاصد سے کہا:۔

یہ زید بن عدی ہے، اس کی بہن حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ یہ اپنی بہن کے ساتھ کسریٰ پرویز کے پاس جائے گا اور میرے عربی خط کی سب باتیں بھی اسے سمجھائے گا، زید طوعاً و کرہاً وہاں چلا تو گیا لیکن اپنی بہن کو ساتھ لے کر نہیں گیا بلکہ وہاں پہنچ کر کسریٰ پرویز کو یہ پٹی پڑھائی کہ نعمان کی بہن ہی سارے عرب میں وہ عورت ہے جو حسن و جمال میں غالباً ساری دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ یہ سُن کر کسریٰ پرویز کو اشتیاق ہوا کہ وہ نعمان کی بہن کو دیکھے۔ چنانچہ اس نے نعمان کو لکھا کہ وہ اپنی بہن کے ساتھ اس سے ملاقات کے لیے آئے نعمان کسریٰ پرویز کا یہ پیغام پاکر جل ہی تو گیا اور حاضرین سے بولا:۔ "ہم عرب عجمیوں کو اپنی بیٹیاں دے نہیں سکتے، البتہ ان کی عورتیں اپنے حبالۂ عقد میں لے سکتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ایک عظیم لشکر کے ساتھ مدائن کی طرف کوچ کیا۔ زید واپس آ چکا تھا اور اس وقت بھی اس کے ساتھ تھا۔ نعمان کے دل میں چونکہ اس کی طرف سے گرہ بیٹھ گئی تھی اس لیے جب وہ راستے میں دوسرے عرب قبائل کے جنگجو لوگوں کو ساتھ ملاتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا تو اس نے یہ دیکھ کر کہ کسریٰ پرویز اس کے مقابلے کے لیے جو اسّی ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر آیا ہے ان کی پہلی دو صفیں فارس کی حسین ترین عورتوں پر مشتمل ہیں جو جسم پر اسلحہ سجائے نعمان کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے بے قرار ہیں۔ زید بن عدی سے کہا یہ سب تیری لگائی بجھائی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد نعمان نے زید بن عدی کو پابہ زنجیر کر کے بسطاط مدائن کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اور کسریٰ پرویز کو ایک خوب صورت عربی سیاہ فام گائے بھیج دی۔ اشارہ یہ تھا کہ کسریٰ پرویز کو عرب کی کوئی لڑکی پیش کرنے کی بجائے ہم اسے صرف یہ گائے پیش کر سکتے ہیں جو اس کے لشکر کی سلاح بند لڑکیوں کا تنہا مقابلہ کر سکتی ہے۔

اس واقعے پر عربی میں خاصا شعری لٹریچر موجود ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ زید بن عدی کو نعمان نے قتل کرا دیا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بسطاط کے قید خانے ہی میں مر گیا تھا۔

جب نعمان لشکر لے کر کسریٰ پرویز سے مقابلے کے لیے مدائن کی طرف بڑھا تھا تو اس نے بنی شیبان کے ہتھیار بند لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ جب کسریٰ پرویز کو اس کی اطلاع

ہوئی تو اس نے بنی شیبان کے سربراہ ہانی بن مسعود کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ نعمان کا ساتھ چھوڑ دے اس لڑائی اور اس سے متعلق جملہ حالات و کوائف ہم نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں درج کیے ہیں جس میں جنگ ذی قار کا حال بھی آ گیا ہے۔ اس لیے ہم زیر نظر کتاب میں بس اتنا ہی بیان کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

بنت نعمان اور سعدؓ ابن وقاص

کہتے ہیں نعمان بن منذر کے دورِ حکومت میں جب اس کی بیٹی حریقہ بنت نعمان اس سے ملنے جب کبھی جاتی تھی تو اس کے راستے میں دیبا و حریر اور دوسرے زر دوز فرش بچھائے جاتے تھے لیکن جب فارس کی لڑائی میں نعمان مارا گیا اور اس کے بعد جب سعدؓ ابن وقاص نے فارس فتح کر لیا اور اس لڑائی میں رستم مارا گیا تو ظاہر ہے حریقہ بنت نعمان کی وہ قدر و منزلت کہاں رہتی کیونکہ خود اس کے باپ کی حکومت اور طاقت نکبت و زوال کے گڑھے میں جا پڑی تھی۔ چنانچہ جب سعد ابن وقاص کا فاتح فارس کی حیثیت سے اس کا سامنا ہوا تو اس نے پوچھا: "کیا تم حریقہ بنت نعمان ہو؟" اس نے کہا "ہاں" سعد ابن وقاص نے اس سے پھر پوچھا: "کیا واقعی تم حریقہ بنت نعمان ہو؟"

حریقہ بولی: "جب میں ایک بار آپ کو بتا چکی ہوں تو پھر دوبارہ دریافت کرنے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

سعد ابن وقاص نے کہا: "میں آپ کے سابقہ تزک و احتشام اور حالیہ احوال پر غور کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آیا تم واقعی حریقہ بنت نعمان بن منذر ہی ہو۔"

حریقہ بن نعمان نے جواب دیا:-

"اے سعد! دُنیا اور اس کی دولت و حکومت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ وہ کبھی کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی۔ میرا پہلا اور موجودہ حال اس کا شاہد عادل ہے۔ انسان کو کبھی حکومت، طاقت اور مال و زر پر کبھی بھروسہ کرنا چاہیے نہ غرور۔ میں اس رمز حیات کو سمجھ چکی ہوں، اس لیے اس حال پر بھی قانع ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتی ہوں۔"

سعدؓ بن ابی وقاص حریقہ کی یہ گفتگو سن کر بہت متاثر ہوئے اور بولے:-

"عمرو بن عدی کا بُرا ہو جس نے نعمان ہی کو نہیں بلکہ اس قابلِ قدر اور فہیم و ذکی خاتون کو اس حال میں گرفتار کر دیا ہے۔"

حریقہ نے کہا: "اے سعد! دنیا اس کا نام ہے۔ اس نے کبھی ہمیں عروج پر پہنچایا تھا اور آج اس خراب حالی سے دوچار کر دیا ہے اور ایک ہم ہی کیا دنیا کی بے شمار قومیں عروج و زوال کی ان منزلوں سے گزری ہیں۔"

ابھی سعد ابن وقاص اور حریقہ بنت نعمان میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ عمرو بن معدی کرب جو زمانۂ جاہلیت میں حریقہ کے باپ کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا تھا وہاں آ پہنچا۔ اس نے حریقہ کو تعجب سے دیکھ کر پوچھا۔

"تم اتم حریقہ بنت نعمان ہو؟"

حریقہ نے کہا: "ہاں میں وہی ہوں۔"

عمرو بن معدی کرب نے یہ جواب سُن کر کہا:۔

حریقہ!" وہ تمہاری شان و شوکت اور جاہ و جلال سب کیا ہوئے؟"

حریقہ نے عمرو بن معدی کرب کو بھی وہی جواب دیا جو وہ پہلے سعد ابن وقاص کو دے چکی تھی اور اس کے بعد دنیا کی بے ثباتی پر بڑی اثر انگیز تقریر کی۔

سعد بن ابی وقاص نے حریقہ کو بڑے عزت و احترام سے رُخصت کیا اور یہ بھی کہا:۔

"جب تک آپ زندہ ہیں آپ کی خبر گیری ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ بے فکر رہیے آپ کو عمر بھر کسی قسم کی تکلیف اُٹھانا نہ پڑے گی۔"

جب حریقہ وہاں سے رُخصت ہوئی تو شہر کی کچھ عورتوں نے اس سے پوچھا:۔

"امیر آپ کے ساتھ کس طرح پیش آئے!"

حریقہ نے جواب دیا:۔

"بالکل اسی طرح جس طرح اہل کرم اہل کرم سے پیش آتے ہیں۔"

یہ باقی ان ملوک حیرہ کا ذکر تھا جس سے قبل ہم ان کی پہلی حکومتوں کا سلسلے وار ذکر کر چکے ہیں۔ ظہور اسلام کے وقت حیرہ پر شاہِ فارس کسریٰ پرویز کی حکومت رہی۔ اس کے بعد عرب کے لوگ اس پر قابض ہو گئے اور وہاں کچھ عرصے ایاس بن قبیصہ طائی حکمران رہا۔ اس نے نُو سال آٹھ مہینے حکومت کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی وہاں اہل فارس حکمران تھے۔ اس سے پہلے وہاں عمرو بن عدی کا اقتدار بھی رہا تھا جس کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس طرح حیرہ میں اس وقت تک عربی و فارسی دونوں کو ملا کر ۲۳ حکمران رہ

چکے تھے۔ ویسے حیرہ کی حکومتوں کا فی الجملہ دور چھ سو بائیس سال آٹھ مہینوں پر محیط ہے۔

کہتے ہیں حیرہ اور اس کی تعمیرات اس وقت ویران ہوئیں جب عراق میں شہر کوفہ کی بنیاد پڑی۔ ویسے حیرہ کو عباسی خلفاء میں معتضد کے علاوہ جس کے دور میں حیرہ اپنی ویرانی کی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ سفاح، منصور اور ہارون الرشید سبھی تھے' اس کی عمدہ آب و ہوا زمین کی زرخیزی، پانی کی فراوانی اور عمومی شادابی کی وجہ سے پسند کیا تھا۔ اب حیرہ تو حیرہ خود کوفہ جس کی بنیادیں حیرہ کی تباہ حال بنیادوں پر اٹھی تھیں ویرانی کی تصویر نظر آتا ہے۔ اس کی تفصیل ہم اپنی ایک دوسری کتاب اخبار الزماں میں بیان کر چکے ہیں، اس لیے یہاں بخوف طوالت ان تفصیلات میں جانے سے گریز کیا گیا ہے۔

باب (۱۲)

شام کے یمنی و غسّانی حکمران ٭

شام کے اوّلین حکمران

یمن والوں میں سے شام کا پہلا حکمران فالغ بن لعیقور[1] تھا۔ اس کے بعد یوتاب حکمران ہوا۔ ایوب بن زراح[2] جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کیا ہے اور اس کے امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر اس ملک پر روم[3] نے غلبہ حاصل کر لیا اور وہاں کے لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ بہرحال شام میں پہلے آنے والا شخص قضاعہ بن مالک بن حمیر تھا۔ اس نے شام پر اس زمانے میں حکمرانی کی جب اس علاقے کے لوگ جو عرب سے ملحق تھا عیسائی ہو گئے تھے۔

تنوخ اور اس کا نسب

تنوخ میں سے جو شخص سب سے پہلے وہاں کا حکمران ہوا وہ تنوخ النعمان بن عمرو بن مالک تھا۔

اس کے بعد عمرو بن نعمان بن عمرو حکمران ہوا۔ اس کے بعد حواری بن نعمان نے حکومت سنبھالی لیکن تنوخ میں سے ان کے سوا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور کوئی وہاں حکمران نہیں ہوا۔ وہ تنوخ بن مالک ابن فہم بن تیم اللات بن ازد بن وبرہ بن ثعلبہ بن حلوان ابن الحاف بن قضاعہ بن مالک بن حمیر تھا۔

---

[1] ایک نسخے میں فالغ بن ہود لکھا ہے (مرتب)

[2] ایک نسخے میں ایوب بن سوات لکھا ہے (مرتب)

[3] 〃 〃 〃 یمن لکھا ہے۔ (〃)

قضاعہ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے آیا وہ بنی قحطان میں سے تھی۔ خود قضاعہ کو اس سے انکار تھا کہ وہ معد کی بیٹی تھی جو بنی قحطان میں سے تھا۔ بہرحال اس نسبی الحاق کے علاوہ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کچھ لوگوں نے اس کا سلسلۂ نسب حمیر سے ملایا ہے۔

سلیح اور اس کا نسب

سلسلۂ قضاعہ کے بعد یمن سے اکثر شام میں حکمرانی کرنے والوں میں سلیح کا ذکر آتا ہے۔ اس نے تنوخ پر غلبہ حاصل کر کے روم کی طرف سے ان عربوں پر حکومت کی جو شام میں آباد ہو گئے تھے۔ وہی سلیح بن صفوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھا۔ اس نے عربی قبائل کو مارب کی طرف اور قصہ عمرو بن عامر مزیقیا کو بھی وہاں سے نکال دیا تھا۔

اس کے بعد بنی غسان شام آئے۔ وہ مازن یعنی ازد بن غوث بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان بن مازن کی اولاد تھے۔ درحقیقت غسان اس چشمے کا نام تھا جس سے وہ پانی پیتے تھے۔[1] اس لیے ان کے پورے قبیلے کا نام غسان پڑ گیا تھا۔ اسی کے بارے میں حسان بن ثابت انصاری نے کہا ہے ؎

"ہم سے ہماری نجابت کے بارے میں پوچھا جاتا ہے ہماری نسبت ازد سے اور چشمۂ غسان سے ہے"

آگے چل کر ہم عمرو بن عامر مزیقیا اور سیل عرم کا حال بیان کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ یہ لوگ کس طرح ادھر ادھر منتشر ہوئے نیز چشمۂ غسان کا ذکر بھی کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ عمرو بن عامر کو جب مارب سے نکالا گیا تو وہ اس چشمے پر مستقلاً کبھی نہیں ٹھہرا بلکہ اس نے چار سو سال گھومنے پھرنے میں گزارے اور چار سو سال حکومت کی۔

ملوک غسان شام میں

عربوں میں سے جن لوگوں نے پہلے شام پر درحقیقت اقتدار حاصل کیا وہ غسانی تھے۔ انہیں سے رومیوں نے شام کی حکومت حاصل کی تھی۔ شام میں جس غسانی نے سب سے پہلے حکومت کی وہ حارث بن عمرو بن حارث بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن[1] تھا۔ وہی درحقیقت غسان بن ازد بن غوث تھا۔

اس کے بعد حارث بن ثعلبہ بن جفنہ بن عمرو بن عامر ابن حارثہ حاکم ہوا۔ اس کی ماں ماریہ ذات القرطین بنت ارقم بن ثعلبہ بن جفنہ ابن عمرو تھی۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وہ ماریہ

---

[1] ایک نسخے میں "ماس بن غسان" لکھا ہے (مرتب)

بنت ظالم بن وہب بن حارث بن معاویہ ابن ثور تھی اور اس کو یعنی ثور کو کندہ بھی کہتے ہیں۔ ماریہ وہی عورت تھی جس سے جملہ غسانیوں کا سلسلہ نسبی جا ملتا ہے۔

اس کے بعد نعمان بن حارث بن جبلہ بن حارث بن ثعلبہ بن جفنہ ابن عمرو حاکم ہوا۔ اس کے بعد منذر ابو شمر بن حارث بن جبلہ بن ثعلبہ ابن عمرو حکمران ہوا اور اس کے بعد عوف بن ابی شمر نے حکومت سنبھالی۔

عوف بن ابی شمر کے بعد حارث بن ابی شمر حکمران ہوا۔ وہ عرب میں بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک شام کا حاکم تھا۔

حسان اور حارث غسانی

کہتے ہیں کہ حسان بن ثابت انصاری شام جا کر حارث ابی شمر سے ملے تھے۔ اس وقت نعمان بن منذر لخمی وہاں موجود تھا۔ آپ نے اس سے کہا:۔

"اے ابن فریعہ ہم نے سنا ہے کہ آپ نعمان کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں۔"

یہ سن کر حارث بن ابی شمر بولا:۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ خدا کی قسم آپ کی پشت اس کے چہرے سے آپ کی ماں اس کے باپ سے، آپ کا باپ اس کی ساری قوم سے۔ آپ کی شمال اس کے یمین سے، آپ کی سانس اس کی آواز سے، آپ کی قلت اس کی کثرت سے، آپ کا لوٹا اس کے مٹکے سے، آپ کا بوریا اس کے تخت سے، آپ کا پایاب تالاب اس کے سمندر سے آپ کا ایک دن اس کے ایک مہینے سے اور آپ کا ایک مہینہ اس کی ساری عمر سے، آپ کا گرد و پیش اس کے سارے علاقے سے، آپ کا ایک شخص اس کے ہزاروں اشخاص سے اور آپ کا ایک گروہ اس کے بے شمار گروہوں سے کہیں بہتر ہے۔ اس کے علاوہ آپ غسان اور وہ لخم ہے۔ پھر بھلا میں اسے آپ پر کس طرح ترجیح دے سکتا ہوں؟

یہ سن کر حسان بن ثابت نے کچھ اشعار پڑھے اور کہا یہ اشعار آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ حارث نے اس کی تردید کی اور کہا کہ یہ اشعار اس کے نہیں ہیں اور اگر اس سے منسوب کیے جاتے ہیں تو غلط فہمی کی بنا پر کیے جاتے ہیں یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے۔

جبلہ بن ایہم

عوف بن ابی شمر کے بعد جبلہ بن ایہم بن جبلہ بن حارث بن ثعلبہ بن جفنہ بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن یعنی غسان بن ازد بن غوث شام کا حاکم ہوا۔ یہ وہی حاکم شام تھا جس کی مدح میں حسان بن ثابت انصاری نے بہت سے اشعار کہے تھے۔

دیارِ غسّان

ملوک غسّان کا احاطۂ اقتدار یرموک، جولان اوران کے علاوہ دمشق کے مفصلات اوران کے اطراف تک تھا۔ اردن جو پہلے ارض شام میں شامل تھا انہیں میں سے ایک تھا۔

جبلہ بن ایہم وہی شخص ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا تھا لیکن پھر اپنے قبیلے والوں کے طعن و تشنیع سے شرمندہ ہوکر مرتد ہوگیا تھا۔ ہم نے اس کے بارے میں اپنی کتاب اخبار الزماں میں اس واقعے اوراس کے حالات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مشہور عرب شاعر نابغہ نے اپنے اشعار میں اس کے باپ کی مدح بھی کی ہے۔

شام کے پہلے جملہ گیارہ حاکم غسّانی تھے جو بلاد مارب، بلقا، دمشق اور قوم لوطؑ کے سب شہروں اُردن اور فلسطین وغیرہ پر حکومت کرتے تھے۔ ان کے پانچ بڑے شہر تھے جن میں سب سے بڑا سدوم تھا۔ جس کا توریت میں بھی ذکر آیا ہے۔ ہم نے یہاں بخیال اختصار ان سب کے تفصیلی ذکر سے گریز کیا ہے، ویسے بھی ہم "اخبار الزماں" میں اخبارِ عالم کے ضمن میں ان کا مفصّل ذکر کر چکے ہیں۔

باب (۱۳)

بلوادی عرب وغیرہ، بدوؤں کے وہاں قیام کے اسباب عرب کا جملہ احوال اور تمام ضمنی اذکار

ہم اب تک اولادِ قحطان اور ان میں جو عرب عاد و طسم، عملاق و جرہم، ثمود و عبیل و وبارکا اور ان کے علاوہ جو عرب اب تک ان میں شامل ہوئے جیسے معد وغیرہ کا ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے سوا ہمیں ان عربی الاصل قبائل کے بارے میں علم نہیں ہے جو دُنیا میں ادھر اُدھر پھیلے۔ یہ لوگ معد و قحطان کے علاوہ تھے جنھوں نے مشرق و مغرب میں متعدد بڑے بڑے شہر آباد کیے۔ جیسے مشرق میں افریقس بن ابرہہ تھا۔ اُنھوں نے مغرب میں بھی افریقہ اور صقلیہ جیسے شہروں کی بنیاد ڈالی اور اطرافِ مشرق میں سمرقند کی بنیاد ڈالی نیز بلادِ تبت و چین میں بھی بہت سی بستیاں بسائیں اور متعدد بلند و بالا عمارتیں تعمیر کیں جن کا ان کے اسلاف و اخلاف دونوں نے ذکر کیا ہے۔

دعبل و کمیت دعبل بن علی خزاعی نے اپنے ایک قصیدے میں اپنے ان اسلاف کا فخریہ ذکر کیا ہے جنھوں نے اطراف عالم میں پھیل کر بہت سے علاقوں میں حکومت کی۔ اس کے مطابق وہ سب معد بن عدنان کے اسلاف سے الگ افراد تھے۔ اس نے انہیں تبابعہ میں شامل نہیں کیا ہے جو اوّل ہوں یا آخر اور انہیں تبابعہ کہا جائے جنھوں نے شحر و حضرموت میں سکونت اختیار کر کے وہاں حکومتوں کی بنیاد رکھی جیسا کہ ہم نے کچھ ملوک کا ذکر کیا ہے۔ وہ ان پر لفظ تُبّع کا اطلاق نہیں کرتا جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے قریش کی جمعیّت اور افرادی قوّت کا قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے (اَھُم خیر اَمّ قوم تُبّع ۔ آیت) اور پھر جس قدر حرم کی تولیت کی وجہ سے انہیں شہرت و عزّت اور عظمت حاصل ہوئی جیسا کہ عبداللہ بن عباس نے بیان کیا ہے۔

قباد کے ملوک الطوائف اور تبع کا درمیانی فصل

درحقیقت تبع آل ابوکرب ہیں جو ساری دُنیا میں پھیلے اور جنہوں نے مختلف ممالک کا سفر طے کیا اور پھر عراق آکر ملک طوائف پر اقتدار حاصل کیا جواب تک جوذر بن سابور کی نسل میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ابوکرب نے جس حکمران پر تسلط حاصل کیا وہ قباد تھا لیکن وہ قباد بن فیروز ساسانی نہیں تھا۔ ابوکرب نے اس دُوسرے قباد پر جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا غلبہ حاصل کر کے اس کے ملک ہی پر نہیں بلکہ تمام عراق، شام و حجاز اور دوسرے بہت سے مشرقی ممالک پر حکومت کی۔ تُبّع دراصل یہی لوگ تھے۔ اور اہل تبع نے اپنی منظومات میں انہیں کا ذکر کیا ہے۔ نزار بن معد کے ساتھ انہیں بہت سی لڑائیاں پیش آئیں اور بہت سے واقعات ہوئے۔ ان کے خلاف معد بن ربیعہ اور مضر و ایاد و انمار اکٹھے ہو گئے تھے۔ جب باہمی کشت و خون اور تباہی کا باعث ہوا جس کا ابودواد ایادی نے اپنے اشعار میں تفصیلی ذکر کیا ہے۔

ہم نے اپنی پچھلی کتاب "کتاب الاوسط" میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبی ابتدا اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں نسبی تفریق کا نزار بن معد تک اور ان سے جو قبائل نکلے ان سب کا مفصل ذکر کیا ہے۔ اب یہاں ہم نزار الجعر، افعی بن افعی جرہمی کا اور ان قبائل کا ذکر کریں گے جو ان کے اخلاف کہلاتے ہیں اور جنہوں نے عرب کی وادیوں، وہاں کے پہاڑی علاقوں اور صحراؤں میں سکونت اختیار کی اور جیسا کہ زیر نظر باب کے عنوان سے ظاہر ہے اس کے اسباب بھی بیان کریں گے۔

نزار بن معد اور اس کی اولاد

جن لوگوں نے عرب کے حالات بیان کیے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ نزار بن معد کے چار بیٹے تھے۔ ایاد جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں، انمار اور بجیلہ و خثعم۔ ان سے یمن والوں کا جو سابقہ ہوا ان کا ذکر بھی اولاد انمار کے ضمن میں آچکا ہے اور ربیعہ اور مضر کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ نزار کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے کو بلایا اور ایک کنیز جس کا نام شمطاء تھا کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے ایاد سے کہا کہ اس سے بہتر کنیز چشم عالم نے آج تک نہ دیکھی ہو گی جو آج تک میری ملکیت رہی ہے۔ پھر وہ اپنے دوسرے بیٹے مضر کا ہاتھ پکڑ کر ایک قبہ میں لے گیا اور اس سے بولا کہ اس قبہ سے بہتر آج تک کوئی قبہ چشم فلک نے نہ دیکھا ہو گا یہ ہمیشہ میری ملکیت رہا ہے۔ پھر اس نے اپنے تیسرے بیٹے ربیعہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اصطبل میں لے جا کر ایک مشکی گھوڑا دکھا کر کہا کہ اس سے بہتر گھوڑا آج تک چشم فلک نے نہ دیکھا ہو گا۔ پھر اپنے چوتھے بیٹے انمار کا ہاتھ پکڑ کر

اپنے مجلسی ساز و سامان کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ ایسا ساز و سامان آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ پھر ان چاروں سے بولا: یہ سب چیزیں جو میں نے تمہیں دکھائی ہیں میرے بعد تمہاری ہوں گی لیکن ان کی تقسیم کا فیصلہ افعی بن افعی جرہمی پر چھوڑ دیتا ہوں اور جو کچھ وہ فیصلہ کرے وہ قبول کر لینا اس کے بعد نزار کچھ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہا اور اسے موت سے دوچار ہونا پڑا۔

اولادِ نزار بن معد کا اور افعی جرہمی

اپنے باپ نزار کے انتقال کے بعد اس کے چاروں بیٹے ایاد، مضر، ربیعہ اور انمار گھوڑوں پر سوار ہو کر اور ایک اُونٹ پر زادِ راہ لے کر افعی جرہمی حاکم نجران سے ملنے روانہ ہوئے تاکہ اس سے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اس کی وراثت تقسیم کرا لیں۔ راستے میں وہ ایک منزل پر آرام کے لیے ٹھہرے تو ان کا سامان سے لدا ہوا اُونٹ کھُل کر کسی طرف نکل گیا۔ وہ اسے ڈھونڈنے نکلے تو انہیں ایک راہ گیر ملا۔ انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ آیا اس نے اس طرف جدھر سے وہ آرہا ہے کوئی اُونٹ جاتا دیکھا ہے؟ مسافر نے پوچھا: کیا وہ ایک پاؤں سے لنگڑا کر چلتا ہے؟" وہ بولے: "ہاں۔" مسافر نے پوچھا: "کیا اسے ایک آنکھ سے سجھائی نہیں دیتا؟" انہوں نے کہا: "ہاں" مسافر نے پوچھا: "کیا اس کا ایک پاؤں چھوٹا ہے؟" وہ بولے: "ہاں ہاں، بس وہی ہمارا اُونٹ ہے۔" مسافر بولا: جدھر سے میں آرہا ہوں ادھر سے اس قسم کا ایک اونٹ گزرا تو ضرور ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا اور اب کہاں ہوگا۔ اس پر وہ چاروں غصّے سے بولے: "تمہیں اس کا پتہ ضرور معلوم ہے اور تم نے اسے کہیں جھاڑیوں میں چھپا دیا ہے۔"

مسافر بولا: "نہیں بھائیو! قسم لے لو، میں نے ایسا نہیں کیا۔"

انہوں نے پوچھا: "پھر تمہیں ہمارے اُونٹ کی یہ نشانیاں کیسے معلوم ہوئیں؟"

مسافر نے کہا۔ ادھر سے جو اُونٹ گزرا ہے وہ پاؤں اس طرح رکھتا ہے کہ جیسے وہ اس پاؤں سے معذور ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ راستے کے ریت پر اوچھا پڑتا ہے۔ اس کا ایک پاؤں زمین پر نہیں ٹکتا تو وہ اسے اُٹھا کر چلتا ہے، اس کا ثبوت بھی اس کے پیروں کے نشانات کا فاصلہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا ایک پاؤں چھوٹا ہے۔"

ان چاروں بھائیوں نے پوچھا: "خیر یہ تو تمہیں اس کے قدموں کے نشانات سے معلوم ہو گیا کہ وہ ایک پاؤں سے معذور یا زخمی ہے اور اس کا ایک پاؤں چھوٹا ہے لیکن تمہیں بغیر

دیکھے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ اسے ایک آنکھ سے سجھائی نہیں دیتا ؟"

مسافر بولا : یہ تو بڑی آسان بات ہے ۔ جس طرف سے وہ گزرا ہے وہاں کی صرف ایک طرف کی جھاڑیوں پہ اس نے مُنہ مارا ہے اور دوسری طرف کی چھوڑتا چلا گیا حالانکہ وہ ان سے بہتر تھیں، معلوم ہوا ہے کہ اسے دوسری طرف کی جھاڑیاں نظر ہی نہیں آتی تھیں ۔"

نزار بن معد کے بیٹے اس راہ گیر کی عقلمندی پہ حیران ہوتے ہوئے اس طرف کچھ دُور گئے تو انہیں اپنا اُونٹ مل گیا اور وہ نجران کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہر کے دروازے پہ پہنچے تو ان سے پوچھا گیا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں ۔ اُنہوں نے شہر میں داخلے کی اجازت کے علاوہ افعی جرہمی سے ملاقات کی اجازت بھی طلب کی اور اس سے ملاقات کا مقصد بھی بتایا ۔

جب انہیں افعی جرہمی والی نجران کے سامنے پیش کیا گیا اور انہوں نے اس کے پاس آنے کا مقصد اس سے بیان کیا تو وہ ان سے بڑی نرمی و ملاطفت سے پیش آیا اور انہیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرا کر ان کی جملہ ضروریات کا بندوبست کر دیا ۔ لیکن اپنے ایک خادم خاص کو یہ بھی ہدایت کر دی کہ وہ آپس میں جو بھی گفتگو کریں اس کی اطلاع اسے دی جائے ۔

جب وہ چاروں بھائی رات کو کھانا کھانے بیٹھے تو اُنہوں نے شہر کی تعریف کی اور کہا کہ ایسا شہر ہمارے سوا کہیں اور نہیں پایا جاتا ، یہ افعی جرہمی کے پاس کہاں سے آیا ۔ ان کی اس گفتگو کی اطلاع افعی کی ہدایت کے مطابق اس کے خادم خاص نے اسے دے دی ۔ اس کے بعد انہوں نے اسلحہ خانے میں پڑی سے بنے ہوئے تیر دیکھے تو بولے کہ ایسے تیر تو سوائے ہمارے اسلحہ خانے کے اور کہیں نہیں تھے ، یہ یہاں کیسے آئے ؟ یہ اطلاع بھی افعی جرہمی کو مل گئی ۔ اس کے بعد انہوں نے کھانے کے بعد شراب کی تعریف کرتے ہوئے بھی یہی کہا کہ ایسی شراب ان کے باپ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی تھی ، یہ یہاں کیسے آئی ؟ اس کی اطلاع بھی جب افعی جرہمی کو ملی تو اپنی ماں کے پاس گیا اور اس کو ان کی گفتگو سُنا کر اس کا سبب پوچھا تو وہ بولی :۔

"دراصل بنو نزار اور بنو جرہم نسبی لحاظ سے ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں ۔ تمہارا باپ اور نزار کا باپ رشتے کے بھائی اور ایک ہی نسل سے تھے ، جن چیزوں کی خوبیوں پہ انہیں حیرت ہے وہ نسلاً بعد نسلٍ تم دونوں کی نسل میں خصوصی طور پہ منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں ۔ مثلاً شہر کے حصول کا جو طریقہ اس نسل کو معلوم تھا وہ آج تک کسی دوسرے

کو معلوم نہیں ہے۔ شراب بھی یہ دونوں قبیلے ایک خاص قسم کی کھجوروں سے حاصل کرتے تھے جن کی تخم ریزی اور پرورش کے طریقے بھی انہیں سے مخصوص تھے۔ رہے تیر تو یہ دونوں قبیلے تیروں کی سلاخیں ایسی لانبی لانبی ہڈیوں سے تیار کرتے تھے جو رات کو چمکتی تھیں، اس لیے رات کے اندھیرے میں بھی ان کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔"

اپنی ماں کی زبانی یہ باتیں سُن کر افعی جرہمی نے ان چاروں بھائیوں کے ساتھ سلوک میں اضافہ کر دیا اور انھیں وہ سب کچھ بتا دیا جو اسے اپنی ماں کی زبانی معلوم ہوا تھا۔ یہ سُن کر وہ بہت خوش ہوئے اور یہ بھی سمجھ گئے کہ ان کے باپ نے تقسیم وراثت کے لیے انہیں افعی جرہمی کے پاس کیوں بھیجا تھا۔ چنانچہ افعی جرہمی نے ان میں ان کے باپ کی وراثت اس طرح تقسیم کی کہ کسی کو اعتراض کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس کے بعد ایسا طلائی قبّہ، اسلحہ خانہ، سازوسامانِ دربار اور مُشکی گھوڑے جیسی کوئی چیز نہ توں کسی قبیلے کے حصّے میں نہیں آئی۔

بعض سیرت نگاروں نے عربی الاصل نسلوں کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ بنی نزار اور بنو جرہم ہی پہلے دو عربی قبیلے تھے جو یکے گئے تھے اور انہوں نے اس کے دسویں دسویں حصّے پر اوّل اوّل تسلط حاصل کیا تھا۔ ان کے علاوہ عربی الاصل قبائل اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے اور انہیں صحراؤں، پہاڑوں اور دوسری جگہوں میں جہاں بھی ٹھکانا ملا قیام کرتے رہے لیکن کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہے بلکہ ہمیشہ خانہ بدوشوں کی زندگی بسر کرتے رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے آباؤ اجداد نے بھی شہر آباد کیے تھے، نہ کہیں بستیاں بسائی تھیں بلکہ کہیں ایک جگہ مستقل قیام بھی نہیں کیا تھا، اسی لیے وہ بھی انہی کی روایات پر چلتے رہے اور ان کے اخلاف کی یہ روایت آج تک عرب کے بدوؤں میں پائی جاتی ہے۔

کچھ مؤرخین کے مطابق طوفان کے بعد جس کے دوران میں اللہ تعالیٰ نے طبقۂ ارضی کو تہ و بالا کر ڈالا تھا۔ نوعِ انسانی منتشر ہوئی تو سب سے اوّل وہ لوگ تھے جنہوں نے بابل کا رُخ کیا۔ اس خطۂ ارضی کو دوبارہ آباد کیا۔ وہاں شاندار عمارتوں، قلعوں اور محلّات و قصور کی بنیاد ڈالی اور حکومت کی داغ بیل ڈال کر نظامِ حکومت استوار کیا۔ یہ قوم نبط تھی اور اس کا نسلی تعلق حلّہ سے تھا جو حام بن نوح سے تھی۔ انہیں میں نمرود بن کنعان بن سنجاریب بن نمرود اوّل بن کوش بن حام بن نوح بھی تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ضحاک سے قبل بابل میں حکومت قائم کی تھی ان کا پہلا شخص بیوراسف[1] تھا۔

---

[1] ایک نسخے میں بنوداست لکھا ہے (مرتب)

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اولادِ حام ہی نے بلادِ مصر و شام آباد کیے تھے اور انہیں میں وہ کنعانی تھے جو پہلے یہاں آئے تھے اور پھر وادی بربر میں پھیل کر ہوارہ، زناتہ، ضریعہ، مغیلہ زنارہ، غمارہ وفالمہ، دارقہ وآئیلتہ وبابہ اور بنوسجون وارکنہ کہلائے۔ زناتہ، بنو کلان و بنو مصدریان اور بنو افیاس وزیحن نیز بنو ساوصنہاجہ، غابہ المعروف غابہ عاقدیم سون اور رعوین و عورفہ و یکسوم بھی انہیں کی قبائلی شاخیں ہیں اور وہ لوگ بھی انہیں میں سے ہیں جنہوں نے غابہ کے علاوہ حبشہ میں دوسری بستیاں بسائیں اور یہیں سے مغرب کی طرف بڑھے۔

یہ بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ارض بربر درحقیقت ارض فلسطین ہی تھی جو بلادِ شام کا ایک حصہ تھی اور اس کا پہلا حکمران جالوت تھا۔ یہ نام ان حکمرانوں کا اس وقت سے مخصوص نام ہوگیا تھا اور اس وقت تک چلتا رہا جس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کے آخری وارث کو قتل کرکے وہاں سے ان حکمرانوں کا نام ونشان مٹا دیا اور وہاں سے مغرب کی طرف منتقل ہو گئے۔ یہ لوگ مغرب میں جہاں گئے ان مقامات کا نام بلوبیہ اور مراقیہ تھا۔ پھر وہ وہاں زناتہ ومغلیہ اور وہاں کے پہاڑی علاقے ضریعہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد اودیہ کا وطن بنایا اور پھر ارض برقہ کی طرف پھیلے، پھر بلادِ ایاس کے ہوارہ میں آباد ہوئے۔ یہ تینوں مقامات مغرب میں اب بلادِ طرابلس کے مشہور شہر ہیں۔ یہ پہلے فرنگیوں اور رومیوں کے شہر تھے۔ جہاں یہ لوگ بربر سے آئے اور ان فرنگیوں اور رومیوں پر مسلط ہو گئے۔ جب یہ لوگ وہاں سے ہٹے تو انہوں نے بحرِ روم کے جزائر پر قبضہ جمایا اور ان میں سے اکثر صقلیہ میں آباد ہو گئے۔ اس کے بعد جب یہ بربری لوگ مغرب کے متصل مقامات میں جو افریقی ممالک میں کہیں کہیں ایک ایک ہزار میل کے فاصلے پر واقع ہیں اور بلادِ قیروان میں شامل ہیں بڑھتے چلے گئے تو فرنگی اور رومی لوگ پھر اپنے پرانے شہروں کو لوٹے، انہیں از سرِ نو آباد کیا، وہاں نئی نئی عمارتیں تعمیر کیں اور ان بربریوں سے صلح کے معاہدے کر لیے۔ اس لیے ان بربریوں نے پہاڑی علاقوں میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ علاقے اب اودیہ، رتال ودلاس اور براری وقفار کے مفقلات کہلاتے ہیں۔

بحر افریقیہ وصقلیہ سے مرجان (مونگے) نکلتے ہیں۔ یہ سمندری علاقہ بحرِ ظلمات کے قریب ہے جسے اب بحر اوقیانوس کہا جاتا ہے۔ ان باتوں اور ان سے متعلق دوسری باتوں کی تفصیلات ہم نے اپنی پچھلی کتاب میں وہاں بیان کی ہیں جہاں سطح ارضی پر دنیا کی مختلف اقوام کے آباد ہونے اور مشرق و مغرب میں شہروں کی بنیاد ڈالنے کا ذکر کیا ہے۔

جہاں تک جولان کے پہاڑی علاقے کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شام وفلسطین والوں نے اس علاقے کو ناپسندیدہ قرار دے کر وہاں آباد ہونا پسند نہیں کیا تو بدوؤں نے اسے اپنی جائے سکونت بنا لیا۔

یہ بات مسلّمات میں سے ہے کہ انسانی جسم کے اعضاء وجوارح کی طرح سطح ارضی کی تشخیص بھی ضروری ہے۔ اسی کے نتیجے میں یہ معلوم ہو سکا ہے کہ کہاں کہاں کی فضا، آب وہوا اور مٹی انسانی آبادیوں کے لیے اپنے خواص کے لحاظ سے مناسب ونامناسب ہیں۔ ظاہر ہے کہ سطح ارضی پر کہیں صرف چٹیل میدان ہیں، کہیں گھنے جنگلات اور کوہستانی علاقے ہیں جن کی آب وہوا مختلف ہے، زمین کہیں زرخیز ہے اور کہیں محض بنجر ہے۔ اس لیے اگر نوعِ انسانی نے اپنے لیے پہلے ہی سے اچھے علاقے چُنے تو اس پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ وہ مختلف ایام میں حالات کے تحت اِدھر اُدھر منتشر ہوتی رہی تو وہ بھی کچھ غلط نہ تھا بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے عین مطابق تھا۔ عرب کی زمین بھی اپنے خواص کے لحاظ سے دُنیا کے دُوسرے علاقوں کے بارے میں اندازہ لگانے کی روایت سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

انہیں مسلّمات کے تحت اقصائے عالم کے عربی علاقوں میں جیسے حجاز، یمن اور شام وفلسطین میں اولادِ آدم نے اپنے اپنے لیے کچھ مقامات منتخب کر کے وہاں اپنا اقتدار قائم کر لیا تو باقی لوگوں نے خانہ بدوشی یا صحرانشینی اختیار کی تو وہ لوگ بدّو کہلائے اور اب تک کہلاتے ہیں، لیکن قدرت کی فیاضی دیکھیے کہ انہیں صحرانشینوں اور خانہ بدوشوں کو کچھ ایسی خصوصیات بخشی گئیں جو ان کے علاوہ دوسروں میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً ان کا ڈیل ڈول، جسمانی قویٰ، ہمت وشجاعت محنت کشی، صبر واستقامت وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو مدنیت کی دلدادہ اقوام میں شاذ ونادر ہی پائی جاتی ہیں۔ ان کا باہمی اتحاد واتفاق بھی من حیث الجماعت نادر الوجود ہے۔ متمدن دُنیا اپنے رنگ روپ نظامِ حیات، معاشی ومعاشرتی خصوصیات پر کتنا ہی فخر کرے لیکن بدوؤں کی مذکورہ بالا خصوصیات کا جو قدرت کا عطیہ ہیں اور ان کی جفاکشی کا نتیجہ، مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان کے پسندیدہ مقامات میں زمینی توازن واعتدال نہ پایا جانا الگ بات ہے لیکن ان کی ان خصوصیات کا کوئی خطہ ارضی جواب نہیں دے سکتا۔

ایک دفعہ کسریٰ نوشیرواں کے پاس عرب سے ایک وفد گیا تو اس میں ایک ماہر خطابت شخص بھی تھا۔ اس کی گفتگو سُن کر نوشیرواں نے اور باتوں کے علاوہ اس سے پوچھا کہ عرب کے

صاحبانِ اقتدار اب تک صحرانشین و خانہ بدوش بدّوؤں کو قابو نہیں لا سکے اس کی کیا وجہ ہے اور وہ لوگ اب تک کیوں آزاد پھرتے ہیں ۔ عربی خطیب نے جواب دیا : وہ آزاد پیدا ہوئے ہیں، آزادی پسند ہیں اور آزاد ہی رہنا چاہتے ہیں ۔

نوشیرواں نے پوچھا :" زیرِ فلک آفات ارضی و سماوی سے ان کا تحفظ کیسے ہوتا ہوگا ؟"

خطیب نے جواب دیا ، وہ برسوں سے اسی طرح گھومتے پھرتے موسمی تغیرات کے عادی ہوگئے ہیں ۔ اس کے علاوہ وہ پہلے سے موسم کی تبدیلی کو سمجھ لیتے ہیں ۔ ویسے وہ رات کے وقت صحرا میں کھلے آسمان کے نیچے سو جاتے ہیں لیکن افقِ مشرق میں سُورج کے نمودار ہونے سے پہلے کسی سرسبز و شاداب علاقے یا نخلستان کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور عموماً نصف النہار سے پہلے وہاں پہنچ جاتے ہیں، ان سے زیادہ صحرا میں راستوں کا اندازہ اور تعین کوئی دوسرا نہیں کر سکتا ۔ رات کے وقت وہ ستاروں سے راستے پہچان لیتے ہیں ۔

نوشیرواں نے کہا :۔" وہ متمدن علاقوں سے الگ رہتے ہیں اس لیے تہذیب و تمدن سے یقیناً ناآشنا ہوں گے لیکن کچھ لوگ ان کی بے شمار خوبیاں بیان کرتے ہیں ، ان میں سے کچھ ہمیں بھی بتاؤ ۔"

خطیب نے کہا :۔ وہ حد سے زیادہ خود دار ہیں ، کسی کا زیرِ بارِ احسان ہونا پسند نہیں کرتے حد سے زیادہ جفاکش ہیں ، محنت سے کتراتے اور جی نہیں چراتے ، حرب و ضرب میں طاق ہیں اس کے باوجود متمدن اہلِ عرب سے زیادہ مہمان نواز ہیں ۔

نوشیرواں نے پوچھا :" ان کی گزر اوقات کا ذریعہ کیا ہے ؟ وہ کھاتے پیتے کیا ہیں ؟"

خطیب نے جواب دیا :۔" وہ شکار کا گوشت کھاتے ہیں ، بکریوں کا دودھ پیتے ہیں اور کھجوریں بھی کھاتے ہیں ۔ کھلی فضا میں رہنے کی وجہ سے حد درجہ چاق و چوبند ہوتے ہیں ۔"

کُرد ، ان کے انساب و مساکن

فارس کے بدنام ترین حکمران ضحاک نے عرب و عجم کے اکثر علاقوں کو عرصے تک اپنے زیرِ اقتدار رکھا اس کے ظلم و جبر ، تشدّد اور سفّاکی و خونخواری کی داستانوں کو مختلف اہلِ قلم نے مختلف انداز سے بیان کیا ہے لیکن اس امرِ واقعہ کی کسی نے تردید نہیں کی کہ قدرت نے اسے زندگی ہی میں ایک ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا تھا جو آج تک کسی نے دیکھا تو کیا سُنا بھی نہ ہوگا ۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے سر کے دونوں طرف دو سانپ اُگ آئے تھے جنھوں نے اس کا دماغ کھانا

شروع کر دیا تھا۔ اس لیے اطباء نے اسے مشورہ دیا تھا کہ اگر دُوسرے آدمیوں کے سروں سے مغز نکال کر ان سانپوں کو کھلایا جائے تو وہ بادشاہ کا مغز کھانے سے باز رہیں گے۔ اطباء کے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے بے شمار بے گناہوں کا مغز نکال کر روزانہ ان سانپوں کے لیے غذا مہیا کی جاتی تھی جس سے ضحاک کا ایک ظالم وزیر لوگوں کو قتل کر کے ان کے سروں کا مغز نکالنے پر مقرر تھا۔ آخر جب لوگ اس ظلم و تعدی سے عاجز آ گئے تو انہوں نے شہری علاقوں سے ادھر اُدھر بھاگ کر پناہ لینی شروع کی۔ وہ زیادہ تر فارس و عراق کے سرحدی پہاڑی علاقوں میں چلے گئے اور پھر وہیں مستقلاً آباد ہو گئے۔ وہیں ان کے ہاں توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہا اور رفتہ رفتہ انہوں نے ایک الگ قوم کی شکل اختیار کر لی۔ یہی لوگ اب کُرد کہلاتے ہیں اور جہاں جہاں وہ آباد ہیں ان علاقوں کو کردستان کہا جاتا ہے۔ ویسے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مضر بن نزار کی نسل سے ہیں۔ جو عیسائی ہو گئے تھے لیکن ان میں کچھ کرد جو شوہجان کہلاتے ہیں وہ ان نصرانیوں سے الگ ہیں اور وہ کوفہ و بصرہ کے درمیانی علاقے عرض و بنور و ہمدان میں آباد ہیں ویسے یہ بھی اپنے آپ کو پہلے کردوں کی نسل سے الگ نہیں ظاہر کرتے۔ ان میں کچھ ربیعہ بن نزار بن معد کی شاخوں میں سے ہیں اور وہ آذربائیجان کے علاقہ کنکور سے لے کر ہبانیہ و شراۃ اور شادی خان کے پہاڑی علاقوں زبۃ، مادنجان، مزدکفان، بارسان، خالیہ جاربافیہ، جاوانیہ و مستکان اور شام کے ان علاقوں تک جو دبابلہ کہلاتے ہیں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مضر نزار کی اولاد ہیں۔ ان میں لیعقوبیہ اور جورقان جو نصرانی ہیں وہ بلاد موصل اور جبل جودی کے قرب و جوار میں اقامت پذیر ہیں۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو انہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالف خوارج اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔

یہ سب بوادی عرب کا ذکر تھا اور بوادی عالم کا بھی۔ ہم نے یہاں ان غوریوں اور خوارج کے ذکر سے گریز کیا ہے جو ترک ہیں اور بلاد غرش و بسطام و بست اور ان کے متصل بلاد سجستان کے ان علاقوں میں رہتے ہیں جو ارض قفص اور بلوچ وجست میں شامل ہیں۔

ایامِ عرب کے بعض وقائع اور جنگیں

ایامِ عرب کے وقائع اور جنگوں پر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ یہ واقعات زمانہ جاہلیت اور ظہور اسلام کے بعد کے زمانے دونوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں زیادہ مشہور لڑائیاں وہ تھیں جو عبس اور جملہ عرب کے یمنی اور نزاری قبائل کے درمیان ہوئیں۔ ان کے علاوہ جنگ

واحس وغبراء، جنگ بکر بن وائل و تغلب جسے جنگ بسوس بھی کہا جاتا ہے، یوم کلاب، یوم خزاز مقتل شاس بن زہیر، یوم ذی قار، یوم شعب جبلہ جو بنی عامر وغیرہ کے درمیان ہوئیں اور حروب اوس وخزرج جو غسان و عک کے مابین ہوئیں کچھ کم اہم اور مشہور نہیں ہیں۔

اب ہم اعراب دائرہ وغیرہ، زمانہ جاہلیت میں عربوں کی دیانت، شجاعت، قیافہ شناسی شہسواری اور الہام وغیرہ پر اگلے باب میں گفتگو کریں گے۔

باب (۱۴)

عربوں کی دیانت، زمانۂ جاہلیت میں اُن کی آراء مختلف ممالک میں اُن کا پھیلاؤ، اصحاب فیل اور عبدالمطلب اور اس باب سے متعلق دیگر ذیلی و ضمنی واقعات

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی دیانت

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے کئی فرقے تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو اپنے خالق کے وجود کے قائل اور اس کی توحید پہ ایمان رکھتے تھے۔ وہ احیاء بعد الموت اور حشر و نشر کو بھی مانتے تھے اور اس پہ بھی ایمان رکھتے تھے کہ معصیت کی سزا اور نیکیوں کی قیامت میں جزا ملے گی۔ ہم نے زیر نظر کتاب اور پہلی کتابوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ لوگ جو خدا سے دُعا بھی کرتے تھے۔ قس بن ساعدہ ایادی، رئاب الشنی، بحیرا راہب وغیرہ تھے جن کا نسبی تعلق عبدالقیس سے تھا۔

انہیں عربوں میں وہ لوگ بھی تھے جو وجودِ باری تعالےٰ کے قائل تو تھے، مبادو معاد کا صرف اقرار ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے ثبوت میں دلائل کے ساتھ اظہارِ خیال بھی کرتے تھے لیکن خدا کی طرف سے رسولوں کے آنے کے منکر تھے اور اصنام پرستی پہ اصرار کرتے تھے۔ انہی لوگوں کا قول اللہ جل شانہٗ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے (ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ آیت) یعنی وہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے اور اسی لیے ان کی پرستش کرتے ہیں (ترجمہ تشریحی) یہی وہ لوگ تھے جو بتوں سے حاجت برآری چاہتے، ان پہ چڑھاوے اور صدقات کی رقم چڑھاتے، ان کو اپنے اجسام اور خون کی قربانی دیتے اور حلال و حرام کا فرق بھی انہیں سے طلب کرتے تھے۔

انہیں میں وہ لوگ بھی تھے جو وجود باری تعالےٰ کا اقرار تو کرتے تھے لیکن بعثت نبوت و

رسالت کے منکر تھے۔ ان کے نزدیک آخرت نام کی کوئی چیز نہیں۔ قرآن میں انہیں کے متعلق ارشاد ہوا (وقالوا ماھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر) لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید اس طرح فرمائی (ومالھم بذالک من علم ان ھم الا یظنون) یعنی انہیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف گمان کرتے ہیں۔

انہیں میں (قبل از اسلام) یہودی بھی تھے اور نصرانی بھی تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو ادھر اُدھر طاقت اور مصلحتوں کے پیش نظر ہوتے رہتے تھے۔

اہل عرب میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو ملائکہ کی عبادت اس لیے کرتے تھے کہ وہ خدا کے سامنے ان کی شفاعت کریں گے، وہ انہیں اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، قرآن میں ان کی بھی تردید کی گئی ہے

عبدالمطلب بن ہاشم | عربوں میں جو لوگ توحید خداوندی کا اقرار کرنے والے، عہد میں ثابت قدم اور دوسروں کی تقلید کرنے والے تھے ان میں ممتاز ترین شخصیت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کی تھی۔ آپ ہی نے چاہِ زمزم کو کھدوا کر گہرا اور عوام کے لیے مفید بنایا تھا۔ یہ زمانہ فارس کے بادشاہ کسریٰ قباذ کا تھا۔ آپ ہی نے چاہِ زمزم سے وہ طلائی ہرن برآمد کیے تھے۔ جو موتیوں اور جواہرات سے مرصع تھے۔ وہیں سے بہت سے زیورات اور سات سات دھات کے بڑے بڑے پتّر دستیاب ہوئے تھے۔ آپ ہی نے ان پتّروں سے کعبے کا دروازہ بنوایا تھا اور اس دروازے کے دونوں طرف سونے کے ہرن نصب کرا دیے تھے اور باقی سامان بھی کعبے کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے حاجیوں کے قیام اور انہیں پانی پلانے کا انتظام کیا تھا۔ آپ ہی نے اہل مکہ کے لیے میٹھے پانی کی فراہمی کا بندوبست کیا تھا اور خانہ کعبہ کے دروازے کو مطلا کیا تھا۔

حضرت عبدالمطلب کو اللہ تعالےٰ نے دس بیٹے عطا فرمائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے جو ان میں سے اللہ تعالیٰ کی قربت کے لیے منتخب ہوئے تھے ان کا نام عبداللہ تھا۔ وہی رسولِ عربی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے انہیں جو اُونٹ دیے تھے، وہ بڑھتے بڑھتے سو ہو گئے تھے۔ اس بارے میں تواریخ میں بہت سی طول طویل اطلاعات ملتی ہیں۔

قصہ اصحاب فیل | جب ابرہہ حبشہ سے چل کر مقام حب المخضب[1] آیا تھا تو اس نے حضرت

---

[1] بعض نسخوں میں "جنب المخضب" لکھا ہے (مرتب)

عبدالمطلب کو بلوا بھیجا تھا کیونکہ اسے اطلاع ملی تھی کہ مکے کے سردار وہی ہیں۔ جب وہ اس کے پاس گئے تو اس نے آپ کی پیشانی پر نورِ نبوت کی چمک محسوس کی۔ اس نے آپ سے کہا "کیا میں آپ سے کچھ مانگ سکتا ہوں؟"

آپ نے جواب دیا: "اس اونٹ کے سوا جس پر سوار ہو کر میں آیا ہوں اور اسی پر واپس جاؤں گا جو چاہو مانگو۔"

ابرہہ آپ کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا، بولا: یہ اونٹ تو کیا مکے کے سارے اونٹ میرے حوالے کر دو۔ اس کے علاوہ مکے کی سرداری اور خانہ کعبہ کی سربراہی بھی آج سے میری سمجھو۔ کیا تم جانتے نہیں کہ میں حبشہ کا بادشاہ ہوں؟ یہ سن کر حضرت عبدالمطلب اسے کوئی جواب دیے بغیر مکے لوٹ آئے۔

مکے پہنچ کر آپ نے اہل مکہ سے فرمایا کہ وہ وادی مکہ کے اندرونی حصوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جائیں۔ اونٹوں کو آپ نے ان کے گھٹنے بندھوا کر خانہ کعبہ کی چار دیواری کے اندر چھڑوا دیا۔ اہل مکہ نے آپ کے مشورے پر عمل کیا۔

ابرہہ جب بے شمار ہاتھی اور ایک لشکرِ عظیم لے کر مکے پر حملہ آور ہوا اور اس نے خانہ کعبہ کو منہدم کرنا چاہا تو اللہ تعالے نے اس کے اور اس کے لشکر پر ابابیلیں بھیج دیں جو چیلوں سے مشابہ تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں سمندری کنکریاں تھیں جو مٹی میں لت پت تھیں ان بے شمار ابابیلوں نے لشکرِ ابرہہ پر جب سنگباری کی تو اللہ تعالے کے حکم سے وہ ہلاک ہو گیا۔

ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں اور آگے چل کر زیرِ نظر کتاب میں بھی نفیل بن حبیب خثعمی کی روایت بیان کی ہے جس کے مطابق ابرہا کا لشکر مکے کے راستے ہی میں تباہ ہو گیا تھا۔ خود ابرہا کسی طرح جان بچا کر حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس نے اہل حبشہ کو بتایا تھا کہ ان پر راستے میں ایک آسمانی بلا نازل ہو گئی تھی۔

ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں وہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو حضرت عبدالمطلب نے مکے اور خانۂ کعبہ کے محفوظ و مصئون رہنے پر کہے تھے۔

تناسخ ارواح کا مسئلہ

اہل مذاہب و خروج نے اس مسئلے کے بارے میں عقلی استدلال کے علاوہ بہت سے اقوال خصوصاً عباسؓ بن عبدالمطلب کے اس شعر سے استدلال کیا ہے جو انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا ہے۔ وہ یہ کہ آپؐ

ہر زمانے میں اپنی نبوت کی ہر دلیل و حجت کے ساتھ تشریف لاتے رہیں گے۔ لیکن یہ استدلال روح کو کسی جسم میں منتقل ہونے کا ثبوت نہیں ہے بلکہ مراد رُوحانی تصرف سے ہے۔ اس استدلال کے راویوں میں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ قدیم بن اوس بن حارثہ بن لائی طائی بھی ہے جو جنگ تبوک کے دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لایا تھا اور اس مسئلے پر آپ سے گفتگو کی تھی۔ اس نے اس سلسلے میں اس روایت کا بھی حوالہ دیا تھا کہ عباس بن عبد المطلب نے آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ مجھے اس فیض خداوندی سے مستفید و مستفیض ہونے کی بشارت دیں جو بحیثیت نبی آپؐ کے لیے مخصوص ہے یعنی رُوحانی تصرفات کے علاوہ میں جسمانی طور پر بھی بار بار دنیا میں آتا رہوں تو آپؐ نے انہیں اس فیض خداوندی سے مستفیض ہونے کی تردید فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ اصول خداوندی یہ ہے کہ وہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد جب موت سے دوچار فرمائے گا تو پھر اسے اس کے اعمال کی جزا و سزا کے لیے صرف روز قیامت جسمانی شکل میں دوبارہ زندہ کرے گا اور بس۔ اس کے سوا اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالنا خارج از بحث ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے اصحاب سیر و اخبار و مغازی نے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے زیادہ تر شعر عبد المطلب اور شعر عباسؓ کا حوالہ دیا ہے جو ان دونوں نے آپ کے ظہور مبارک اور خود آپؐ کی مدح میں کہے ہیں۔ انہوں نے جس انداز میں استدلال کیا ہے اس پر ہم سطور بالا میں گفتگو کر چکے ہیں کہ اس میں غلو کے علاوہ حقیقی و مجازی معانی پر غور نہیں کیا گیا۔ اس سلسلے میں دو الگ الگ فرقے بھی ظہور پذیر ہوئے یعنی محمدیہ اور علیائیہ۔ بعد میں اور فرقے بھی جو ان سے نکلے مختلف فرقوں میں بٹتے رہے۔ ان سے الگ جو فرقہ غلو کی حد تک نہ پہنچا ان میں اسحاق بن محمد نخفی المعروف احمر بھی ہے جس نے اپنی کتاب "کتاب الصراط" میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اس کتاب اور اس کے موضوع کا ذکر فیاض ابن علی بن محمد بن فیاض نے اپنی مشہور کتاب "قسطاس فی نقیۃ لکتاب الصراط" میں کرتے ہوئے اس کے مصنف کے دلائل کا مزید مدلل ردّ پیش کیا ہے۔ اسی طرح فرقہ محمدیہ نے بھی اس کتاب کے ردّ میں بہت کچھ کہا ہے جس کا حوالہ نہکیبی نے دیا ہے اور فرقہ علیائیہ کے عقائد بھی پیش کیے ہیں۔ بہرحال اس سلسلے میں قدیم یونانیوں، ہندیوں، فرقہ ثنویہ یا مجوسیوں یہودیوں اور نصاریٰ نے جو کچھ اپنے عقائد کے متعلق عقلی دلائل پیش کیے ہوں اسلام اس کے بارے میں ان سب سے الگ رائے رکھتا ہے اور وہ بھی بغیر کسی دلیل کے نہیں بلکہ اس پر علمائے اسلام نے عقلاً قابل قبول باتیں کی ہیں اور اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان کا مرنے

کے بعد کسی حیوانی یا انسانی شکل میں دوبارہ یا بار بار نمودار ہونا خارج از بحث اور ناممکن ہے۔ اس سلسلے میں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں احمد بن حائط اور ابن یا قوس[1] بن جعفر القاضی کے اقوال اور اس کے ساتھ ان لوگوں کے اقوال پیش کر چکے ہیں جو اس مسئلے پر ہمارے زمانے تک موافق و مخالف رائے دیتے چلے آئے ہیں مثلاً: حسین بن منصور المعروف حلاج، اصحاب ابی یعقوب مزائلی، ابی جعفر محمد بن علی شلمغانی المعروف بابن ابی الغرائر وغیرہ جس سے ان لوگوں کے طریق استدلال کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی سب سے بڑی دلیل لیل و نہار کی گردش ہے اور اس سے انہوں نے تناسخ (آواگون) کے سلسلے میں ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی ہے اور مزید ثبوت میں عبد المطلب اور عباس بن عبد المطلب کے وہ اشعار جو انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہے ہیں پیش کرتے ہیں جن کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں۔

ایمان عبد المطلب میں تنازعات

ایمان عبد المطلب کے بارے میں اہل سیر و تواریخ مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ مومن موحد تھے اور انہوں نے کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ آبائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی نے کبھی ارتکاب شرک نہیں کیا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اصلاب مطہرہ میں سے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب کے والد نے باقاعدہ نکاح کیا تھا اور وہ دوسروں کی طرح زمانۂ جاہلیت میں بھی اہل عرب کی جاری و ساری رسوم کے پابند نہ تھے۔ لیکن ان میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ بھی مشرک تھے لیکن انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت کو بعد میں قبول کر لیا تھا۔ اس کے بارے میں بھی امامیہ، معتزلہ، خوارج اور مرجیہ فرقے باہمی اختلاف آراء رکھتے ہیں ہر کیف ہماری زیر نظر کتاب کے موضوعات میں یہ بحث شامل نہیں ہے اس لیے ہم نے سب کی رائیں بلا کم و کاست یہاں نقل کر دی ہیں۔ ویسے ہم نے ان سب کی آراء اور ان میں سے ہر ایک کے دلائل پر اپنی کتابوں "المقالات فی اصول الدیانات" اور "الاستبصار" میں گفتگو کی ہے اور اپنی ایک اور کتاب "الصفوۃ" میں ان اقوال کا بھی ذکر کیا ہے جو لوگوں میں امامت کے بارے میں مشہور چلے آتے ہیں۔

---

[1] ایک نسخے میں "ابن یالوس" لکھا ہے (مرتب)

عبد المطلب ہی وہ شخص تھے جنہوں نے اپنے بیٹے (ابی طالب) کو صلہ رحمی اور لوگوں میں کھانا تقسیم کرنے کی ہدایت کی تھی۔ انہوں نے عقائد کفر سے اجتناب کے علاوہ اپنی ساری اولاد کو مبادی و معاد اور حشر و نشر پر عقیدہ رکھنے کی ترغیب دی تھی انہوں نے اپنے بیٹے عبد مناف کو جن کا نام درحقیقت ابی طالب تھا لوگوں کو پانی پلانے اور رفاہ عامہ کے کاموں پر مامور کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت و پرورش کے بارے میں بھی وصیت کی تھی۔

ابوطالب کا نام

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو عبد المطلب کے لائق فرزند ابوطالب کے نام کے بارے میں بھی مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ ان کا اصل نام عبد مناف تھا لیکن کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابوطالب ان کی کنیت بھی ہے اور نام بھی کیونکہ خود انہوں نے واقعۂ خیبر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے جو کچھ لکھا ہے اس میں اپنا نام اور ولدیت علی بن ابی طالب درج کیا ہے اور اکثر اہل عرب اسی کے قائل ہیں۔

زبانوں کی تعداد اور اختلاط السنہ

نمرود بن کوش بن حام بن نوح کے زمانے میں گردش روزگار اس خاندان کو بابل سے عراق لے آئی تھی جب ان کی زبان سریانی تھی اور وہ بھی بہتر مختلف لغات پر مبنی تھی۔ اس وقت اس زبان میں بھی بابل کو بابل ہی کہا جاتا تھا۔ پھر سام بن نوح کی اولاد اسے سولہ طرح بولتی تھی۔ اس کے بعد وہی سریانی زبان یافث بن نوح کی اولاد میں سے ۳۷ طرح بولی جانے لگی جیسا کہ ہم نے زیر نظر کتاب میں آگے چل کر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان میں جو لوگ عربی بولنے لگے وہ یعرب، جرہم، عاد و عبیل و جدلیس، ثمود و عملاق و طسم اور وُبار و عبد ضخم تھے۔

یعرب کی یمن کی طرف مسافرت

یعرب بن قحطان بن عابر ابن شالخ[1] بن ارفخشذ بن سام بن نوح نے اور اس کے ساتھ اس کی اولاد میں جو لوگ اس وقت اس کے ساتھ تھے انہوں نے یمن کا رُخ کیا ہم اس کا ذکر اجمالی طور پر پہلے بھی کر چکے ہیں۔

عاد کا سفر احقاف

جب عاد بن ارم بن سام بن نوح نے یعرب کے برعکس احقاف کا رُخ کیا تو اس کی اولاد اور اس کے دُوسرے ساتھی بھی اس کے

[1] ایک نسخے میں بن سالح بن سالم لکھا ہے (مرتب)

ساتھ ہو لیے۔

ارم ذات العماد عاد کی اولاد احقاف کے بعد عمان، حضرموت اور یمن میں پھیل گئی جس کے بعد یہ لوگ کثیر تعداد میں سطح ارضی کے مختلف مقامات میں منتشر ہو گئے۔ انہیں میں جیرون بن سعد بن عاد بھی تھا جو پہلے دمشق گیا اور پھر مصر میں جا بسا۔ اسی نے وہاں سنگ مرمر سے یکجا بہت سے ایوان و قصر تعمیر کیے اور ان کا نام "ارم ذات العماد" رکھا۔ کعب الاحبار کی روایت اس سے مختلف ہے۔ اس کے بیان کے مطابق یہ تعمیرات دمشق میں ہیں اور آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اسی آبادی کے بازاروں میں سے ایک بازار جیرون اب بھی موجود ہے جو جامع مسجد کے قریب واقع ہے۔ یہ سب ایوان و قصور بڑے عظیم اور عجیب و غریب ہیں اور ان کے در و بام بھی حیران کن ہیں۔ ہم نے ان سب کا ذکر حضرت ہودؑ کے ذکر کے ضمن میں کیا ہے۔

ثمود کا حجر میں ورود عاد بن عوص کے بعد ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اپنی اولاد اور ساتھیوں کے ساتھ بابل سے نکلا اور حجر کے قرب و جوار میں اقامت اختیار کی۔ اس کا ذکر ہم آلِ ثمود کی قوم کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ کر چکے ہیں جنہوں نے شام و حجاز کے قریب وادی قریٰ میں اقامت اختیار کی تھی۔

جدلیس کا یمامہ کی طرف سفر ثمود کے بعد جدلیس بن عابر بن ارم بن سام بن نوح نے اپنی اولاد اور ساتھیوں کے ساتھ بابل سے نکل کر باہر کا سفر اختیار کیا۔ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس نے یمامہ میں منتقل اقامت اختیار کی تھی۔

عملاق کا مختلف مقامات کی طرف جانا یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے بابل چھوڑ کر حرم و تہائم کے اطراف میں قیام کیا تھا۔ یہ جدلیس کے بعد بابل سے نکلنے والے عملاق بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح، اس کی اولاد اور ساتھی تھے۔ انہیں میں سے کچھ مصر کے فرعون بھی ہوئے ہیں۔ عمالیق کو جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر ہم عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل (علیہ السلام) کے ذکر کے ساتھ کر چکے ہیں کیونکہ عمالیق کو جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں عیص ہی کی اولاد سمجھا گیا ہے۔ ویسے عمالیق میں جب وہ سطح ارضی پر ادھر اُدھر منتشر ہوئے بہت سے حکمران ہوئے۔ ہم نے ان کی حکومتوں اور جنگوں وغیرہ کا ذکر اپنی پچھلی کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیل سے کیا ہے اور اس کتاب میں بتایا ہے کہ یوشع بن نون عمالیق ہی کے

ایک حکمران کے ساتھ آملہ گیا تھا۔ اس حکمران کا نام سمیدع بن ہوبر تھا۔ باقی عمالیق روم کی طرف چلے گئے تھے اور انہوں نے روم کے مشرقی علاقوں[1] شام، مغرب اور جزیرہ میں جو فارس اور ثغور شام کے درمیان ہے حکومت حاصل کر لی تھی۔

اذینہ بن سمیدع عملاقی

عمالیق میں پہلا شخص جو روم پہنچ کر وہاں کا حکمران ہوا، اذینہ ابن سمیدع تھا جس کا اعشیٰ نے ذکر کیا ہے۔

شعر "اذینہ کی حکومت کو زوال آیا ❊ تو ذا ییزن بھی مُلک سے نکالا گیا"

اذینہ کے بعد حسّان بن اذینہ بن طرب بن حسّان روم میں حکمران ہوا۔ یہ شخص اپنی ماں زَبّاء کی نسبت سے معروف تھا۔ اس کے بعد عمرو بن طرب حکمران ہوا۔ یہ بھی اپنی ماں زبّاء ہی کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ کہتے ہیں اس کے اور جذیمہ ابرش ازدی ابی مالک[2] کے درمیان کثرت سے لڑائیاں ہوئیں اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آخر الذکر ہی نے اسے قتل کیا تھا۔ یہ وہی تھا جس کی وجہ سے زبّا نے اپنی ہی اولاد کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔

طسم کا سفر بحرین

عمالیق میں طسم بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح نے بابل سے بحرین کا رُخ کیا تھا اور اس کے ساتھ اس کی اولاد اور ساتھی بھی وہیں چلے گئے تھے۔

یہ سب جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں بدوی تھے اور اپنے اپنے مساکن سے انہیں کی طرح روئے زمین پر ادھر ادھر منتشر ہوتے رہے۔ آلِ جدیس کی کمزوری سے اسود بن غفار نے اور طسم کی کمزوری سے عملوق[3] بن جدیس نے فائدہ اُٹھا کر ان پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ عبید بن شریۃ جرہمی جب وفد لے کر معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اس نے معاویہ کو بتایا تھا کہ طسم بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح اور جدیس بن عابر[4] بن سام بن نوح سب کے سب "عرب العاربہ" (عربی الاصل) تھے لیکن اُنہوں نے یمامہ کو جس کا پہلا نام "جو" تھا ٹھکانا بنا لیا تھا۔

---

[1] پہلے نسخوں میں اصل عبارت "مشارق الشام" کی بجائے مشارف الشام تھی (مرتّب)

[2] ایک نسخے میں ابی مالک کی جگہ بن مالک لکھا ہے (مرتّب)

[3] " " " عملیق لکھا ہے (مرتّب)

[4] " " " قوسینی عبارت نکال دی گئی ہے (مرتّب)

طَسّمی حکمران عملوق الظالم

آل طَسم میں ایک حکمران عملوق نام کا ہوا ہے۔ وہ حد سے زیادہ سخت گیر اور ظالم تھا۔ اس کے پنجہ ہوا و ہوس سے کسی کو پناہ نہ تھی لیکن آل جدلیس پر تو اس نے ظلم و تشدد کی انتہا کر دی تھی۔ اس وجہ سے عملوق کی نسل کے ہاتھ سے حکومت چھن گئی حالانکہ انہوں نے اپنی حکومت میں چہار جانب بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرنے اور باغات لگانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ عملوق کی سلطنت کو زوال اس وقت آیا جب آل جدلیس کی ایک عورت جس کا نام ہزیلہ بنت مازن تھا اس کی زوجیت میں آئی۔ اس عورت نے عملوق سے علیحدگی اختیار کر کے ایک شخص ماشق سے شادی کر لی۔ پھر اس سے بھی علیحدگی اختیار کی تو اس کے دوسرے شوہر نے اپنا اکلوتا لڑکا اس کی تحویل میں رکھنے سے انکار کر دیا لیکن ماشق نے اس سے اسے زبردستی چھین لیا تو وہ فریاد لے کر عملوق کے پاس گئی اور کہا کہ ماشق سے اسے نو بار استقرار حمل ہوا لیکن آخر میں صرف ایک بچہ پیدا ہوا اسے بھی وہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے اور میری گود خالی کرنے پر مصر ہے۔ ماشق نے جواب دہی کرتے ہوئے کہا: میں نے اس کا پورا مہر ادا کر دیا ہے اور جو چیز بھی اس نے مانگی دے دی ہے البتہ یہ بچہ میں اسے ہرگز نہ دوں گا۔" عملوق نے دونوں کے دعاوی خارج کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ بچے کو ماشق سے لے کر ہمارے حرم میں رکھا جائے لیکن اس کی حیثیت خدمتگاروں جیسی ہو گی۔ اس قبیل کے بہت سے دوسرے ظالمانہ فیصلے عملوق سے منسوب کیے جاتے ہیں۔

جدلیس کا انتقام

جدلیس نے جب اپنے قبیلے کی ایک خاتون کے مقدمے میں عملوق کا یہ ظالمانہ فیصلہ سُنا تو وہ غضب ناک ہو کر عملوق سے انتقام لینے پر تیار ہو گیا قبیلہ جدلیس میں ایک شخص اسود بن غفار بھی جس کا سارا قبیلہ بڑا احترام کرتا تھا اور وہ دانائی میں بھی مشہور تھا۔ اس نے جدلیس سے کہا کہ تلوار کے زور پر عملوق سے انتقام لینا ناممکن ہے جدلیس نے پوچھا: "پھر کیا کیا جائے؟" اسود نے طسم کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ دیکھو عملوق کے پاس طسم سے زیادہ فوجی طاقت نہیں تھی لیکن اس نے پھر بھی طسم پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ جدلیس نے پوچھا: "کس طرح؟" اسود بولا: "تدبیر سے۔" پھر اس نے جدلیس کو مشورہ دیا کہ عملوق کو دعوت پر بلایا جائے، نہ صرف عملوق کو بلکہ اس کے سارے عمائدین سلطنت اور قبیلے کو بھی دعوت دی جائے۔ اس کے بعد بولا: "پھر تم دیکھ لینا کیا ہوتا ہے۔" جدلیس نے اسود کے مشورے کو دانائی پر محمول کرتے ہوئے اس پر عمل کیا لیکن جب عملوق ان کے ہاں پہنچا تو اسود نے آلِ جدلیس

کے ایک جمِ غفیر کو جسے اس نے ادھر ادھر چھپا رکھا تھا اشارہ کیا اور اس نے عملوق اور اس کے ساتھیوں کو آناً فاناً تہ تیغ کر ڈالا۔ اسود کی بہن عفیرہ کو اس کی اس سازش کا پہلے سے علم ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو اس سے منع کرتے ہوئے کہا تھا کہ غدّاری اور غداری کا نتیجہ ہمیشہ ذلت و رسوائی ہوتا ہے لیکن اسود نے عملوق کے مظالم کا حوالہ دیتے ہوئے اس سے کہا تھا کہ عملوق نے بھی کوئی نئی بات نہ ہو گی۔ مثل مشہور ہے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ اس واقعے کے بعد اس دین غفار نے جدلیس کو پس پشت ڈال کر خود حکومت پر قبضہ کر لیا تھا کیونکہ اس وقت ساری قوم بھی اس کے ساتھ تھی۔ اسود کی بہن عفیرہ نے اس واقعے پر بڑے دردناک اشعار کہے ہیں۔

رباح طسمی کا حمیر کو جدلیس پر غالب کرنا

دھرب کے بیان کے مطابق قبیلہ طسم سے ایک شخص رباح بن مرّۃ طسمی تھا۔ وہ حسّان بن تبع حمیری کے پاس جو آج کل حاکم ہے پہنچا اور اس سے فریاد کی کہ جدلیس نے اس کی قوم پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی ہے اس کی قوم کو اس کے مظالم سے نجات دلائی جائے۔ اس نے حسّان کو کچھ جادو ٹوٹکے دکھا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ جدلیس سے حکومت چھین لے۔ حالانکہ حسّان آخر تک اس سے کہتا رہا کہ اپنے ہی عزیز و قریب قبائل میں خونریزی اچھی نہیں ہوتی۔ بہر کیف حسّان کسی نہ کسی طرح اس کے جھانسے میں آ ہی گیا اور جدلیس کے دارالحکومت کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف رباح طسمی نے جدلیس کو یہ چکمہ دیا کہ حسان کی حکومت کمزور ہو چکی ہے اس لیے وہ آسانی سے اس پر قبضہ کر سکتا ہے۔ چونکہ اس سے قبل اسود اپنی سازش کے ذریعہ اسے عملوق پر غالب کر چکا تھا اس لیے اس نے رباح طسمی کے اس مشورے کو بھی دانائی اور قرین مصلحت سمجھ کر اس پر عمل کر ڈالا۔ جدلیس اپنا ایک مخصوص رسالہ لے کر حسّان کی طرف بڑھا اور اپنے مسلح سپاہیوں کو اس کے دارالحکومت کے قریب پہنچ کر رباح طسمی کے مشورے کے مطابق درختوں کی آڑ میں چھپا دیا۔ رباح طسمی نے حسان کے پاس خفیہ طریقے سے پہنچ کر اس سے کہا کہ اس کی بہن یمامہ تین رات کی مسافت تک ہر چیز صاف دیکھ سکتی ہے۔ حسّان نے یمامہ کی آنکھوں کا کاجل دیکھ کر کہا "تمہاری آنکھوں میں یہ کالی لکیریں کیسی ہیں؟" یمامہ نے اپنے بھائی رباح طسمی کے کہنے کے مطابق جواب دیا۔ یہ حجر اسود کی کالک ہے۔ اگر اسے بطور سرمہ آنکھوں میں لگایا جائے تو تین راتوں کی مسافت تک ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے۔ مثلاً میں دیکھ رہی ہوں کہ یہاں سے تین راتوں کی مسافت پر ایک مسلح فوجی دستہ درختوں کی آڑ میں چھپا ہوا ہے۔ یہ جدلیس کے سپاہی ہیں جنہیں میں دیکھ کر صاف طور پر

پہچان رہی ہوں۔ اگر آپ اس سے قبل کہ جدلیس یہ رسالہ لے کر اسی طرح درختوں کی آڑ میں چھپتا چھپاتا آپ کے دارالحکومت تک آ پہنچے آپ پہلے ہی پیشقدمی کر کے اسے جالیں اور جدلیس سمیت اس کا کام تمام کر دیں۔"

حسان بڑا مدبّر اور سمجھ دار حکمران تھا، اس نے رباح طسمی اور اس کی بہن یمامہ کے مشورے پر عمل تو کیا لیکن وہ اس مشورے کے پس پردہ رباح طسمی کی سازش کو تاڑ گیا۔ اس نے جدلیس کے ساتھ رباح طسمی کو قتل کر دیا اور اس کی مکار بہن یمامہ کو اس جگہ سولی دی جو پہلے جوّ کی لبستی کہلاتی تھی اور اس لبستی کا نام یمامہ رکھ دیا جو آج تک مشہور چلا آتا ہے۔

وبار بن امیم کا سفر

طسم بن لاوذ کے بعد وبار بن امیم بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح جب اپنی اولاد اور اپنی قوم کے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے اس کا ساتھ دیا اپنی اوّلین اقامت گاہ سے نکلا تو ارض وبار میں اس جگہ ٹھہرا جو رمل عالج کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے ہمراہیوں کو سطح ارضی پر رضائے الٰہی سے بغاوت کی بناء پر عذاب میں مبتلا کر دیا۔ جیسا کہ ہم نے زیر نظر کتاب کے پہلے حصّے میں عربی اہل سیر کے حوالے سے بتایا ہے وہ لوگ حد معقول و معتاد سے تجاوز کر گئے تھے اس لیے خدا نے اس عظیم قوم کو جو قوم وبار کہلاتی تھی ہلاک کر دیا جس طرح اس نے طسم، جدلیس اور واسم کو ہلاک کیا تھا۔ واسم کی سکونت ارض سماوہ میں تھی انہیں کالی آندھی نے جو بادِ سموم سے زیادہ گرم تھی ہلاک کیا۔ یہ جگہ ارض نوی کے بلاد حوران و بثنیہ میں دمشق و طبریہ کے درمیان میں تھی جو ارض شام میں شامل ہے یہیں پہلے عاد و ثمود بھی آکر ٹھہرے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ جگہ جو دیار وبار کہلاتی تھی جنّوں کا مسکن تھی اور بنی نوع انسان میں سے کوئی شخص یا گروہ اس علاقے میں آتا یا آنے کا قصد کرتا تو وہ اسے ہلاک کر دیتے تھے۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس سرزمین کو بڑا شاداب کیا تھا جہاں کے اشجار ہمیشہ پُرثمر رہتے تھے اور پانی کی بھی وہاں بہتات تھی، اسی لیے یہ جگہ انسانوں کے لیے بڑی کشش رکھتی تھی۔ وہاں کے پھلوں میں دوسرے خوش ذائقہ اثمار کے علاوہ انگور، کھجوریں اور کیلے بڑے لذیذ ہوتے تھے۔ چنانچہ جس وقت کوئی انسان یا انسانی قافلہ اس طرف غلطی سے یا جان بوجھ کر چلا جاتا تھا تو وہاں رہنے والے جنّ ریت کی شکل اختیار کر کے ان پر صورت عذاب بن جاتے تھے۔ جو لوگ وہاں سے لوٹنے کا ارادہ کرتے تو وہ انہیں راستے سے بھٹکا دیتے یا قتل کر ڈالتے تھے کیونکہ وہ گمراہی بموجب قتل ہی تھی۔ اہل مباحث اس سرزمین کو

ارض باطل کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں کی حدود تک جانا بھی سخت حماقت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو جنہوں آپ کے ساتھ مصر سے خروج کیا تھا اس طرف آنے سے روک دیا تھا۔ اس ارض مجہول کو زمانۂ جاہلیت کے لوگ ہوں یا زمانۂ اسلام کے افراد ہوں یہی کہتے ہیں کہ وہ وادی قری وعمان اور دھنا و رمل کی سرزمین کے قریب واقع تھی جہاں لوگ کھانے اور پانی کی تلاش میں آکر خیمہ زن ہو جاتے تھے۔ اہل سیر کے نزدیک اب وہاں انسانوں کا نام ونشان نہیں پایا جاتا۔ اب وہاں کوئی رہتا ہے تو وہ قوم جنات سے ہیں یا جنگلی اونٹ بلکہ وہ اونٹ بھی جنی حیوانات میں سے ہیں یا وہ جن ہیں جنہوں نے وحشی اونٹوں کی شکل اختیار کر لی ہے تاکہ وہاں کوئی انسان نہ آسکے کیونکہ انہوں نے اس سرزمین کی سرحدوں پر اس طرح پہرہ بٹھا رکھا ہے۔

ہم نے اس سلسلے میں وجوب وجواز کے متعلق کچھ کہے بغیر اہل سیر کی روایات کو یہاں اور اپنی پچھلی کتابوں میں بھی بحر اختصار و ایجاز نقل کر دیا ہے۔

عبد ضخم کا طائف کی طرف سفر

وبار بن امیم کے بعد عبد ضخم ابن ارم بن نوح نے اپنی اولاد اور قبیلے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ طائف کا رخ کیا لیکن ان میں سے اکثر اشخاص حوادث روزگار کا شکار ہو گئے اور ان کا نام و نشان تک مٹ گیا تاہم ازدی اور کچھ دوسرے عرب شعراء نے اپنے اشعار میں ان کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ عبد ضخم ہی کے عزیزوں نے پہلی بار عربی میں کتابت شروع کی تھی اور اس میں حروف معجمہ "اب ت ث" وغیرہ کی بنیاد ڈالی تھی جن کی کل تعداد انتیس ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اس بارے میں مختلف رائیں رکھتے ہیں کہ عربی میں کتابت کی ابتدا کب ہوئی۔

جرہم کا سفر مکہ

عبد ضخم بن ارم کے بعد جرہم بن قحطان اپنی اولین اقامت گاہ بابل سے نکل کر اپنی اولاد اور قبیلے والوں کے ہمراہ عرب کی اجنبی راہوں سے ہوتا ہوا مکے میں وارد ہوا جیسا کہ مضاض بن عمرو جرہمی نے اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کیا ہے:-

اہل عرب کے اقوال کے مطابق ۔۔۔ یہ وہی اجنبی راستے اور راہیں ہیں
اے قوم! انہیں اجنبی راہوں پر چل ۔۔۔ کہ جرہم جدی اور ابی قحطان کی یہی راہیں ہیں

امیم کا سفر فارس

جرہم ابن قحطان کے بعد امیم بن لاوذ بن ارم نے فارس کا رخ کیا جیسا کہ ہم اپنی زیر نظر کتاب اور دوسری کتابوں میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ انساب فارس

کے انساب کے بارے میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مؤرخین میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ ویسے عموماً اہل فارس کو کیومرث بن امیم بن لاوذ بن ارم بن سام کی نسل سے بتایا جاتا ہے فارس کے مسلم شعراء نے بھی اپنے عربی اشعار میں سب سے پہلے فارس میں امیم کے ورود کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے :۔

"ہمارے آباء سب سے پہلے نیک امیم نے سرزمین فارس پر قدم رکھا
ہم انہیں ملوک فارس میں سے ہیں جن پر ہمیں فخر ہے
مؤرخین اور اہل سیر نے نوعِ انسانی کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے
لیکن انہوں نے بھی ہمارے ذکر کو افضل و مقدم رکھا ہے"

(ترجمہ مفہومی)

سطح ارضی پر عمارتوں کی ابتدا

ہم نے جہاں جہاں اہل سیر و مؤرخین کے حوالے سے امیم بن لاوذ کے قبائل کا ذکر کیا ہے وہیں انہیں کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بنی نوع انسان نے سطح ارضی پر منتشر ہو کر خانہ بدوشی اور خیمہ و خرگاہی زندگی کے بعد جب اپنے مساکن کے لیے عمارتوں کی بنیاد ڈالی تو اس میں سب سے پہلا قبیلۂ امیم بن لاوذ تھا۔ انہیں نے بلند و بالا ایوان و قصور تعمیر کیے ۔جگہ جگہ شجرکاری کی اور قابل دید باغات لگائے نیز ہر جگہ سطح ارضی کو ہموار کیا۔ ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ ان قبائل میں کوش بن کنعان خصوصاً قبائل نوبہ پیش پیش تھے۔ ہم مُرُوجُ الذہب کے فرانسیسی نسخے کے حوالے سے یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ کنعان بن حام بلادِ افریقہ اور طنجہ کی طرف گیا تھا جو مغرب میں ہیں۔ بہرکیف راقم الحروف کی رائے ہیں اولاد کنعان بن حام میں وہ شخص بربر تھا جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سب سے پہلے ان علاقوں میں جا بسا تھا۔

انساب بربر

انساب بربر کے بارے میں مؤرخین مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ بعض انہیں یمن کے غسانی بتاتے ہیں اور بعض قیس عیلان سے بتاتے ہیں۔ بہرکیف کچھ بھی ہو یہ وہ لوگ ہیں جو سیل عرم کے بعد مختلف مقامات میں پھیل گئے تھے۔ کچھ لوگ اس سے اختلاف کرتے ہیں جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

شام - بلادِ کنعان

کنعان بن حام کی اولاد کی اکثریت بلادِ شام میں آئی اور کنعانی کہلائے۔ شام کو کنعان کی مناسبت سے بلادِ کنعان کہا گیا ہے۔

نوفیر کا سفر ہند

ہم زیر نظر کتاب کی پہلی جلد میں ذکر مصر کے تحت بتا چکے ہیں کہ مصر بن حام

ملہ فرانسیسی نسخے کے سوا اور کسی نسخے میں نہیں ہے۔ (مرتب)

اور بصیرو انباط سے قطع نظر توفیر بن فوط ہی تھا جو سب سے قبل ارض سندھ و ہند کی طرف اپنی اولاد اور ساتھیوں کے ساتھ گیا تھا۔ سندھ میں جو لوگ پہلے سے آباد تھے وہ بڑے طویل القامت اور جسیم تھے لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ بلادِ منصورہ میں ارض سندھ کے باشندے توفیر بن فوط بن حام بن نوح کی اولاد ہیں۔ حام کی اولاد زیادہ تر جنوب میں اور یافث کی اولاد شمال مشرق و مغرب کے درمیان آباد ہوئی تھی۔

قوم عاد کی عبادات قوم عاد ہی وہ قوم تھی جس نے فرش زمین پر خدا سے بغاوت کی۔ ان کا (پہلا) حکمران خلجان بن الوہم تھا۔ قوم عاد تین بتوں کی پوجا کرتی تھی جن کے نام صمود، صداء اور ہباء تھے۔ اللہ تعالٰے نے ان کی اصلاح کے لیے ان میں حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا لیکن وہ انہیں جھٹلاتے رہے۔ ہود علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے: ہود (علیہ السلام) بن عبد اللہ بن رباح بن خالد بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام) قوم عاد کے دس قبیلے تھے۔ ان کے کفر پر اصرار اور بُت پرستی پر اڑے رہنے کی وجہ سے ان کے علاقے میں تین برس تک بارش نہیں ہوئی، زمینیں بنجر ہوگئیں، اس لیے ان میں غلّے کا ایک دانہ بھی نہ اُگ سکا۔

اصل شرک جیسا کہ ہم ذکر امیم میں بتا چکے ہیں وہ صانع حقیقی اور خالق کائنات کا تصور رکھتی تھیں، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام خدا کے پیغمبر تھے، وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب الٰہی کیوں نازل ہوا تھا۔ وہ اس عذاب سے اس قدر متاثر تھے اور خدا کی ہیبت ان پر اس قدر طاری تھی کہ انہوں نے اسے راضی رکھنے اور اس کی قربت حاصل کرنے کے لیے بہت سے اصنام تراش لیے تھے، گویا وہ ان کے پردے میں خدا کی عبادت کرتے تھے لیکن یہ درحقیقت ان کا وہم تھا۔ خانہ کعبہ میں بتوں کی موجودگی کی بھی یہی وجہ تھی۔ مکہ اس وقت ایک ریتیلا مقام تھا جس کی ریت سُرخ رنگ کی تھی۔ پہلے قوم عاد ہی پانی کی تلاش میں مکے آئی تھی۔ البتہ آج کل مکے میں عمالیق آباد ہیں۔ جو لوگ وہاں پہلے آباد ہوئے تھے انہوں نے پانی سے سیراب ہو کر رفتہ رفتہ شراب اور لہو و لعب کو اپنا منتہائے مقصود بنا لیا تھا اس کے بارے میں معاویہ بن بکر کی متعدد منظومات میں خاصی تفصیل ملتی ہے۔ مرثد بن سعد کے اشعار کا بھی اس سلسلے میں حوالہ دیا گیا ہے۔

قوم عاد کی ہلاکت قوم عاد پر اللہ تعالٰے نے زہریلی ہوا کا عذاب نازل فرمایا تھا۔ کچھ

لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسلسل موسلا دھار بارش کا عذاب تھا لیکن زہریلی ہوا کا ثبوت خود عاد کے اس قول سے ملتا ہے جسے اللہ تعالٰے نے قرآن میں نقل فرمایا ہے (" عاد نے کہا:- بل ھو ما استعجلتم بہ، ریحٌ فیھا عذابٌ الیم- آیت) یہ زہریلی ہوا انہیں چار دن تک گھیرے رہی- ان کے دُوسرے چار دن بھی بڑے عذاب میں گزرے کیونکہ پہلے چار دن میں ان سے اکثر ہلاک ہو چکے تھے اور جو بچ رہے تھے وہ دہشت سے اگلے چار دن تک کانپتے لرزتے رہے- ہم نے قوم ہود کی اس کیفیت کو ذکر ثمود کے ضمن میں بیان کیا ہے- جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے مطلع کر دیا تھا اس کے بعد آپ دُوسرے مومنین کو لے کر وہاں سے رُخصت ہو گئے تھے۔

قوم ہود کا آخری حکمران غلجان تھا جس کا ہم نے عاد و ثمود کے حکمرانوں کے ساتھ پچھلے صفحات میں ذکر کیا ہے- کچھ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ قوم عاد کا پہلا حکمران عاد بن عوص تھا (جس نے تین سو سال حکومت کی) اس کے بعد ابن عاد بن عوص حکمران ہوا[1])

جُحفہ جب عرب میں سکونت پذیر قومیں اور قبائل وہاں سے نکل آئے تو دوسری قومیں وہاں آ بسیں قوم بنی حنیفہ یمامہ سے چل کر جب عرب کی سرزمین میں آئی تو سب سے پہلے جُحفہ میں ٹھہری اور وہیں متوطن ہو گئی- یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے- انہوں نے وہاں آباد ہو کر کھیتی باڑی اور حصولِ رزق کے لیے دُوسرے کام شروع کر دیے، انھیں کے ایک شاعر نے بطور وطن جُحفہ کی مدح کی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جُحفہ میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے سب سے پہلے عبیل[2] بن عوص ابن ارم بن سام بن نوح آباد تھا جس کے ہمراہ اس کی اولاد اور قبیلے والے بھی تھے مگر وہ سب سیلاب کی نذر ہو گئے تھے۔ اس عذاب سیل ہی کی بناء پر اس جگہ کا نام جُحفہ پڑ گیا کیونکہ اس جگہ کے باشندوں کو دوران سیلاب میں اجحاف سخت پریشانیوں سے واسطہ پڑا تھا۔

یثرب کیونکہ یثرب بن قانیہ بن مھلیل بن ارم بن عبیل اپنی اولاد اور قبیلے کے ساتھ مدینے میں آکر مقیم ہوا تھا- اس لیے اس مقام کا نام اس کے نام پر یثرب مشہور ہو گیا- یثرب اور اس کا قبیلہ بھی حوادث روزگار اور آفات ارضی وسماوی کی نذر ہو گیا- اسی قوم کے ایک شاعر نے اس کا ذکر

---

[1] یہ قوسینی عبارت کسی اور نسخے میں نہیں پائی جاتی (مرتّب)

[2] ایک نسخے میں عبید بن عوص لکھا ہے (مرتّب)

ذکر کیا ہے۔

خدا نے اس قوم کی سرکشی کے نتیجے میں اسے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا اور اس کا ذکر قرآن پاک میں یوں فرمایا۔ کذبت ثمود وعاد بالقارعۃ، فاما ثمود فاھلکوا بالطاغیۃ، واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ)

قوم شعیب

اہل شرائع قوم شعیب بن نویل بن رعویل[1] بن مر بن عنقاء بن مدین بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بہرکیف ان کی زبان عربی تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ عربی الاصل اور دنیا کی ابتدائی اقوام میں سے تھے۔ بعض نے انہیں "اجیال خالیہ" سے بتایا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ محض بن جندل بن یعصب بن مدین بن ابراہیم کی اولاد سے تھے۔ حضرت شعیب کو نسباً اسی قوم کے اخوان میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس قوم میں کچھ بادشاہ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے دور و نزدیک کے ممالک میں حکمرانی کی ہے۔ انہیں میں ابی جساد، ہور وحطی، کلمن وسعفص وقرشت وغیرہ بھی ہوئے ہیں جن کے ناموں پر حروف ابجد پڑے ہیں۔ انہیں میں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بنو محض بن جندل وغیرہ بھی تھے جن کے ناموں سے حروف جمل منسوب ہیں۔ ان حروف کی تعداد ۲۹ ہے جن کے گرد حساب جمل گردش کرتا ہے۔ ان حروف کی وجہ تسمیہ اس توجیہ کے علاوہ بھی بیان کی گئی ہے جیسا کہ ہم پہلے اپنی دوسری کتابوں میں بتا چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں ہمارا مقصد مختلف آراء پیش کرنا اور ان پر بحث کرنا نہیں ہے۔

ابجد مکہ اور سرزمین حجاز میں اس کے متصل علاقوں کا حکمران تھا جب کہ ہوز اور حطی بلاد وج کے حکمران تھے جو طائف اور اس سے متصل نجدی علاقہ ہے۔ کلمن، سعفص اور قرشت مدین کے حکمران تھے۔ بعض لوگوں نے انہیں مصر کا حکمران بتایا ہے اور کلمن کو ملک مدین کا حکمران لکھا ہے۔ بعض نے اسے ان تمام ملکوں کا حکمران لکھا ہے جن کا ہم نے سطور بالا میں نام لیا ہے۔

~~عذاب یوم ظلہ کلمن ہی کے ملک پر نازل ہوا تھا۔ حضرت شعیب نے (علیہ السلام)~~ اسے اور اس کی قوم کو خدائے تعالیٰ پر ایمان لانے کی ہدایت کی تھی لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا تھا۔ اس پر حضرت شعیبؑ نے انہیں عذاب یوم ظلہ کی خبر دی تھی۔ چنانچہ ان پر عذاب نازل ہوا تھا جو آسمان سے باران آتش کی صورت میں تھا۔ اس سے قبل حضرت شعیبؑ اور ان پر ایمان لانے والے مشہور

---

[1] ایک نسخے میں بن نوفل بن رعبیل لکھا ہے (مرتب)

موضع ایکہ میں چلے گئے تھے۔ جب مذکورہ بالا قوم آگ کی گرمی کی تاب نہ لاسکی اور مسلسل ہلاک ہونے لگی تو اس نے حضرت شعیبؑ اور ان کے ماننے والے مومنین کو بلا کر امن طلب کی۔ چنانچہ آپ کی دُعا سے آگ کی بارش بند ہوگئی اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ اس ظالم قوم نے یہ دیکھ کر کہ عذاب ختم ہوگیا ہے یہ نہ سمجھا کہ اس کی وجہ بارگاہ خداوندی میں حضرت شعیبؑ کی دعا تھی۔ انہوں نے بار دیگر آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو اپنے ہاں سے نکال باہر کیا جس کے بعد ان پر وہی عذاب پھر نازل ہوگیا۔ اس پر کلمن کی بیٹی حارثہ بنت کلمن جو حجاز میں مقیم تھی وہاں پہنچی انہیں متنبہ کیا اور حضرت شعیبؑ سے ان کے لیے پھر دُعا کرائی۔

مذکورہ بالا ملوک کے سلسلے میں بہت سے عجیب و غریب واقعات اور ان کی محاربات کے قصے بھی بیان کیے گئے ہیں جو ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں۔

حضورا اور اس کا نسب

بنی حضورا ایک عظیم قوم تھی جس نے سطح ارضی کے مختلف ممالک میں حکمرانی کی۔ لوگوں کا حضورا کے نسبی روابط کے بارے میں جو خیال ہے اس میں اکثر اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ ہماری رائے کے مطابق قوم حضورا کو عربی الاصل بتاتے ہیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ قوم یافث بن نوح کی اولاد میں سے تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اس قوم پر شعیب بن مہدم بن حضورا بن عدی کو بہ حیثیت نبی کے بھیجا تھا۔ یہ شعیب شعیب بن نویل بن رعویل بن مر بن عنقا بن مدین بن خلیل حاکم مدین سے الگ ہیں جس کی بیٹی سے حضرت موسےٰ علیہ السلام ابن عمران نے شادی کی تھی جس کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ ان دونوں میں مدت مدید کا فرق ہے جس طرح حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے ادوار کے درمیان ایک ہزار سال کا فرق ہے۔ جب یہ دوسرے شعیب بطور نبی بنی حضورا پر ظاہر ہوئے اور انہوں نے اس قوم کو نیک راہ پر چلنے کی ہدایت کی اور خدا کے خوف سے آگاہ کیا تو انہوں نے انہیں قتل کر دیا، حالانکہ ان سے بہت سے معجزات کا ظہور ہو چکا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کی نبوت کی صداقت کے ثبوت میں ان کے ذریعہ ظاہر فرمائے تھے اور اس طرح وہ اتمام حجت کر چکے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کسی بے گناہ اور مظلوم کا خون ضائع نہیں جانے دیتا اس لیے اس نے ان کی طرف ایک اور نبی اسی زمانے میں بھیجا۔ وہ حضرت برخیا بن اخنیا ابن زرتائیل بن شالتان[1] تھے اور یہود ابن اسرائیل بن اسحاق بن

---

[1] ایک نسخے میں "برخیا بن اخنیا بن روبائیل بن شالیال" لکھا ہے (مرتب)

ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کی اولاد میں سے تھے ـــــــــــــــ آپ کی بخت نصر سے ملاقات ہوئی تھی جو اس وقت شام میں تھا۔ اس نے آپ سے کہا تھا کہ میں نے سات راتوں تک جو خواب دیکھے ہیں ان سے آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق ہوتی ہے، لہٰذا جو کچھ اب آپ فرمائیں گے میں اس پر عمل کروں گا اور اس ظالم قوم سے مقتول نبی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گا۔ اس کے بعد بخت نصر نے قوم حضورا پر ایک عظیم لشکر کے ساتھ چڑھائی کی۔ اور اس طرح وہ ظالم قوم اپنے کیفر کردار کو پہنچی۔

منازلِ حضورا لوگوں میں اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ بنی حضورا کہاں رہتے تھے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ارض سماوہ میں رہتے تھے۔ یہ آبادی حجاز کی سرحد پر عراق و شام کے درمیان ہے اور اب کھنڈرات کی شکل میں ویران پڑی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بنی حضورا بلاد جُند قنسرین میں جو تل باسح کی طرف بلادِ سوریہ میں ہے، رہتے تھے۔ یہ جگہ اب ارض شام کے علاقۂ قنسرین کی اس قلمرو میں شامل ہے جو حلب کا اضافی علاقہ کہلاتا ہے۔

ہم اب تک قدیم عرب کے بارے وہ سب حالات بیان کر چکے ہیں جو ظہورِ اسلام سے قبل گزرے اور اس کے ضمن میں مختلف مذاہب اور عقائد کا ذکر بھی آ چکا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ماضی کے حالات جو باقی رہ گئے ہیں انشاء اللہ اگلے باب میں بیان کریں گے۔

باب (۱۵)

زمانۂ جاہلیت میں انفاس و الہام و صفر اور ظاہر و باطن کے بارے میں عربوں کے خیالات

نفس کے بارے میں اختلافات

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے درمیان نفس کی کیفیات کے بارے میں اختلاف رائے تھا۔ کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ خون اور سانس الگ الگ چیزیں ہیں، البتہ رُوح جسم انسانی کے اندرونی حصّوں میں ہوا کی طرح خون اور سانس کی روانی میں معاونت کرتی ہے۔ مختلف شہروں کے فقہا کہتے تھے کہ نفس جو شب و روز جسم کے اندر رواں رہتا ہے جسم کے پانی میں پہنچنے کے بعد لمحاتی طور پر ہی سہی ساقط ہو جاتا ہے۔ وہ پوچھتے تھے کہ اس وقوف اور روانی کی آخر کیا وجہ ہے؟ وہ کہتے تھے کہ سانس کی سکی کیفیت پر غور و خوض لازم ہے۔ وہ کہتے تھے کہ انسان کے مرنے کے بعد جسم میں خون کی روانی جو بحالت حیات موجود رہتی ہے رُک جاتی ہے کیونکہ مُردہ جسم میں وہ نمی، رطوبت اور حرارت جو زندہ جسم میں ہوتی ہے باقی نہیں رہتی وہ کہتے تھے کہ ہر زندہ شخص کے جسم میں یہ حرارت و رطوبت ہوتی ہے جو بعد از مرگ باقی نہیں رہتی، اگر کچھ چیز باقی رہتی ہے تو وہ یبوست اور برودت ہوتی ہے۔

ان میں سے کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ جسم میں سانس اس پرندے کی طرح ہے جو آزادی کے لمحات میں ادھر ادھر اُڑتا پھرتا ہے۔ انسانی زندگی میں اس پرندے کی آزادی بحال رہتی ہے لیکن جونہی اس کی زندگی ختم ہوتی ہے اس پرندے کی پرواز بھی رُک جاتی ہے۔ انسان طبعی موت مرے۔ کسی حادثے کا شکار ہو جائے یا قتل کر دیا جائے نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے یعنی اس طائر نفس یا طائر رُوح کی پرواز کا اختتام۔ البتہ یہ پرندہ انسان کی قبر یا اس کی جائے وفات پہ بھٹکے ہوئے پرندے کی طرح چکر لگاتا رہتا ہے۔

الہام مذکورہ بالا طائرِ نفس یا طائرِ روح کا نام زمانۂ جاہلیت کے عربوں نے الہام رکھا ہوا تھا لیکن ظہورِ اسلام کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ہام یا صُفر تو ہمات کے سوا کچھ نہیں ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ طائرِ نفس نومولود بچے کی طرح ہوتا ہے اور بچے ہی کی طرح بڑھتا اور پروان چڑھتا رہتا ہے۔ یہ پرندہ اس اُلّو کی طرح جو راتوں کو بولتا ہے ہر بالغ انسان کو آواز دیتا اور پل پل کی خبر دیتا رہتا ہے، یہ طائرِ نفس یا طائرِ رُوح ہی الہام ہے جو مرگ انسانی کے بعد بھی اس کی جائے مرگ پر بولتا اور اس کی موت کا اعلان کرتا رہتا ہے یہ قول حاتم طائی سے منسوب کیا جاتا ہے جس کے حالات ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

نقلِ ارواح نقلِ ارواح کے بارے میں عربوں کے اسلاف زمانہ جاہلیت میں جو عقیدہ رکھتے تھے اور وہ خود بھی ظہورِ اسلام سے قبل اس سلسلے میں جن باتوں کے قائل تھے اس کا ذکر ہم نے اپنی پچھلی دو کتابوں "سرّ الحیات" اور "دعاوی" میں بہ توفیق خداوندی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

باب (۱۶)

غیلان و تغول کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے عقائد اور ان کی متعلقہ باتیں

غول بیابانی کے متعلق عربوں کی رائے

عربوں کے نزدیک غول بیابانی کا کام تنہا مسافروں کو گمراہ کرنا ہے۔ ان کے خیال میں وہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور مسافر کو مختلف آوازوں میں مخاطب کرتے ہیں۔ یہ خیالات اکثر عرب شعراء نے اپنے اشعار میں بھی قلم بند کیے ہیں۔

بعض عربوں کے اقوال کے مطابق بھوت پریت اور چڑیلوں کے پنجے اُلٹے ہوتے ہیں، اسی لیے انھیں "پچھل پاوے" بھی کہا گیا ہے۔

غول بیابانی کے اجسام کا گھٹنا بڑھنا

عرب کہتے ہیں کہ غول بیابانی جب شام کے دھندلکوں یا رات کے اندھیروں میں بھولے بھٹکے مسافروں کے سامنے آکر متجسّم ہوتے ہیں تو وہ حسب ضرورت اپنی اشکال بدلنے کے علاوہ اپنے اجسام کو بھی گھٹا بڑھا لیتے ہیں۔ جو لوگ ویرانوں میں ان کے وجود کے قائل ہیں وہ ان کے مساکن وادیوں کے اندرونی حصے اور چٹیل میدان یا (خشک) پہاڑوں کی چوٹیاں بتاتے ہیں۔

ان عربوں کے علاوہ بعض صحابہ نے بھی اپنے مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے ان سے دوچار ہونے کے واقعات بیان کیے ہیں۔ ان صحابہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ آپ نے ظہورِ اسلام سے قبل اپنے سفر شام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس سفر میں کسی غول بیابانی نے آپ کو راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی تھی لیکن آپ نے تلوار میان سے نکال کر اسے ٹھکانے لگا دیا تھا۔

فلاسفہ کی رائے بعض فلاسفہ غولِ بیابانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نادر الوجود حیوان ہیں جن کی جسمانی ساخت طبعی نہیں ہوتی، اسی لیے ان کے افعال طبعی اجسام کے تابع نہیں ہوتے۔ جب وہ فرداً فرداً حالتِ وحشت میں کھانے پانی کی تلاش میں اپنے مساکن سے باہر آتے ہیں تو وہ یا تو وحشی انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں جن کی شکلیں خوف ناک ہوتی ہیں یا ان کی صورتیں بہائم کی جیسی ہوتی ہیں۔ اہل ہند کہتے ہیں کہ غولِ بیابانی درحقیقت کواکب ہیں جو آسمان سے زمین تک آتے آتے مختلف اشکال میں ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً کلب جبار، سہیل جب وہ برج حمل میں ہو یا کوکب ذنب جب وہ برج دب میں ہو۔ ان کے ظاہر ہونے کے اوقات اور اشکال مختلف ہیں۔ ان کے نزدیک وہ اکثر صحراؤں اور خرابوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ ہندوؤں نے ان کواکب کی تعداد ۴۸ بتائی ہے۔ ان کا ذکر بطلیموس اور اس سے پہلے اور بعد کے کچھ فلاسفہ نے بھی کیا ہے۔ ابومعشر نے اپنی مشہور کتاب "المدخل الکبیر الی علم النجوم" میں ان میں سے ہر ستارے کی شکل وقت ظہور پر مفصل گفتگو کی ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ آپ ہر اس شے کو جو عجیب الخلقت ہو "غول" کہہ سکتے ہیں، بہرکیف ان کا حاملِ حیات ہونا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ وہ نسوانی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور اکثر لوگ اپنے مشاہدات کے حوالے سے بھی بیان کرتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ سعلات اور غول میں امتیاز کے بارے میں بھی اپنے مشاہدات کا حوالہ دیتے ہیں۔ بہرکیف اس ضمن میں ان کے مختلف اقوال ہیں۔

ہم نے اس موضوع پر اپنی پچھلی کتابوں میں مفصل گفتگو کی ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کا خیال تھا کہ غولِ بیابانی اکثر راتوں کو مختلف اشکال میں نمودار ہو کر ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ شہاب ثاقب ہوتے تھے جو زمین تک آتے آتے متشکل ہو جاتے تھے۔

شیاطین وغیرہ غیلان کے بارے میں لوگوں کے متعدد اقوال ملتے ہیں۔ ان میں شیاطین، مَردہ جنّ، قطرب، غدار وغیرہ جو سب کے سب غیلان کہلاتے ہیں نوع شیاطین میں شامل ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو انسانی شکل میں ظاہر ہو کر عمل مناکحت بھی کر بیٹھتے ہیں لیکن جلد ہی ان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ایسے واقعات اکناف یمن و تہامہ اور مصر کے بالائی علاقوں میں سننے میں آئے ہیں لیکن ہم انہیں سوانح فاسدہ میں شمار کرتے ہیں۔

ہم زیر نظر کتاب میں کسی شرعی حکم یا اس بارے میں اہل شریعت کے اقوال کا ذکر نہیں کریں گے

نہ اہلِ تواریخ اور دیگر مصنفین کے بیانات پر تنقیدی نظر ڈالیں گے۔ ویسے وہب بن منبہ اور ابن اسحاق وغیرہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جنوں کو نارِ سموم سے پیدا کیا ہے اور ان کی زوجاؤں کو انہیں کے جسم سے خلق کیا ہے جس طرح حوّا کو آدم سے تخلیق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنّات کی ہر مؤنث ۸۱ انڈے دیتی ہے ان میں سے جو بیضہ قطربہ سے نکلتا ہے وہ اُمّ القطارب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ ان قطارب کے مسکن عموماً سمندر ہوتے ہیں لیکن وہ خرابوں، ویرانوں اور ٹیلوں پر بھی رہتے ہیں۔ قطارب کے علاوہ جنّوں کی مختلف اقسام ہیں جو پہلے انڈے سے لے کر ۸۱ ویں انڈے تک پیدا ہوتے اور مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ اولی الاجنحہ بھی انہیں میں سے ہوتے ہیں۔ اسی آخری بیضے سعالی سے دواسق اور حمامیص نام کے جنّ پیدا ہوتے ہیں۔ ہم نے ان کا ذکر مختلف بیانات اور کتب کی روشنی میں کر دیا ہے لیکن ہم ان کے غیر ممتنع یا لاواجب ہونے پر کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ ویسے کچھ مؤرخین و مصنّفین ہمارے ان اذکار پر بھی معترض ہو سکتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ایک مصنّف کی حیثیت سے ہم نے مخالف و موافق جملہ اقوال اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر بحیثیت مصنّف اپنا فرض منصبی ادا کر دیا ہے۔ بہرکیف جنّوں کا وجود حقیقت ثابتہ ہے اور ان کے مراتب تک لوگوں نے سُنے ہیں جن اشخاص نے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے ہم نے ان کا ذکر نام بنام اپنی کتاب المقالات فی اصول الدیانات میں کر دیا ہے۔

باب (۱۷)

ہاتفانِ غیبی اور جنّات کے متعلق اقوالِ عرب

عرب اور اس کے متصل ملکوں میں ہاتفانِ غیبی کی بھنبھناہٹ تھی ۔ یہ بھنبھناہٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام ولادت اور آپ کی بعثت کے زمانے کے متصل ایام میں حد سے زیادہ تھی ۔ ہواتف کا مطلب اس غیر مرئی یا نادیدہ شخصیت سے مراد تھا جس کی آواز سنی جاتی تھی ۔

ہواتف کے متعلق اقوال عرب

ہواتف اور جنّات کے بارے میں عربوں کے اندر مختلف رائیں تھیں ۔ ان میں سے ایک فریق کا خیال تھا کہ کسی نادیدہ شخصیت کی آواز اس وقت سنی جاتی ہے جب کوئی شخص تنہا کسی ہیبت ناک مقام یا وادی سے گزر رہا ہو اور اس کے دل میں خوف و دہشت یا فضول وسوسے متمکن ہو جائیں اور اسے یہ آواز ان بے جا توہمات اور وسوسوں کے خلاف مشورہ دیتی ہے اور اس کی ڈھارس بندھ جاتی ہے اور غلط تفکرات اس کے دل سے نکال دیتی ہے ۔

جنّات کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اپنی آدھی شکل میں انسان سے مشابہ ہوتے ہیں ان کا خیال تھا کہ مسافروں پر ان کے سفر کے دوران ظاہر ہوتے ہیں ۔ وہ انھیں شق کہتے ہیں ۔

علقمہ بن صفوان کا جنّ سے واسطہ

کہتے ہیں کہ علقمہ بن صفوان بن امیہ بن محرب کنانی جو مروان بن حکم کا نانا تھا ایک دفعہ کہیں جانے کے لیے کچھ مال لے کر نکلا تو اسے راستے میں ایک جنّ سے سابقہ پڑ گیا ۔ وہ جن یا جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا وہ شق علقمہ سے بولا ۔

اے علقمہ! میں مقتول ہوں　　میرا گوشت کھا لیا گیا ہے

اب میں انہیں مسلول سے غلاموں کی مار مارتا ہوں
چاہے وہ چار آئینہ پہنے ہوں

علقمہ نے جواب دیا:۔

اے شق میرا تیرا کیا ہے تو مجھے بے ضرر جانے دے
کیا تو اُسے قتل کرے گا جس نے تجھے قتل نہیں کیا؟

جنّ بولا:۔

علقمہ تیرا مال تیرے پاس عقل ہے اسے غنیمت سمجھو
اور جو مصیبت تجھ پر پڑنے والی ہے اس پہ صبر کر!

اس کے بعد دونوں میں لڑائی شروع ہوئی اور دونوں اس میں کھیت رہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علقمہ نے جن کو قتل کر دیا تھا یا جنّ نے اسے مار ڈالا تھا۔

جنّ کے ہاتھوں حرب بن اُمیّہ کا قتل

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حرب بن اُمیّہ کا بھی جنّ سے سابقہ پڑا تھا تو جنّ نے اسے قتل کر دیا تھا۔

حرب نے مرنے سے پہلے مندرجہ ذیل شعر کہا تھا ؎

"حرب کی قبر ایک ویران مقام پر ہے جہاں حرب کی قبر ہے وہاں کوئی دُوسری قبر نہیں ہے"

کہتے ہیں کہ جو لوگ جنّات کے ہاتھوں قتل ہوئے ان میں مرداس بن ابو عامر سلّمی بھی تھا یعنی ابو عباس سُلّمی۔ کہا جاتا ہے کہ ابو عباس جنّ کو شعر سُنا کر قائل کرنا چاہتا تھا لیکن جب وہ شعر سُنا رہا تھا اسی وقت جنّ نے اسے قتل کر دیا۔

قبر حاتم طائی کا مہمان سے ہمکلام ہونا

یحییٰ بن عفاب نے یکے بعد دیگرے علی ابن حرب، ابی عبیدہ معمر بن مثنیٰ اور منصور بن یزید طائی ثم صامتی کے حوالے سے بیان کیا ہے:۔

"میں نے حاتم طائی کی قبر قبۃ میں دیکھی تھی، وہ ایک پہاڑ پر ہے جس کی وادی کو حابل کہا جاتا ہے۔ حاتم کی قبر کے چاروں طرف بڑے بڑے پتھر چُنے ہوئے ہیں جن کا اٹھانا کسی انسان کے بس کا نہیں ہو سکتا۔ اس کے قریب کسی سبزے کا ہونا حیرت ناک ہے لیکن وہاں ہے۔ وہاں ایک ناریل کا درخت بھی ہے اس کے پھل لوگ کھاتے ہیں۔ حاتم کے قبر کے چہار جانب چار چار پتھروں کی چار دیواری ہے جس سے قبر کی حفاظت کی

گئی ہے۔ حاتم کی قبر پہ جنّات بھی پائے جاتے ہیں جن کے چہرے اس قدر سفید ہیں کہ جن کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ہم نے انہیں دُور سے دیکھا، وہ قبر حاتم پہ نوحہ کناں تھے۔ وہ رات کا وقت تھا لیکن جب ہم صبح کو قبر حاتم پہ گئے تو وہاں پتھروں کے سوا کچھ نہ تھا۔"

یحییٰ بن عقاب جوہری نے عبدالرحمٰن ابن یحییٰ منذری، ابی منذر ہشام کلبی، ابومسکین بن جعفر بن محرز بن ولید اور اس کے باپ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ محرز بن ولید کا باپ ابی ہریرہؓ کا غلام تھا اسے لوگ محمد بن ابی ہریرہ کہتے تھے اس کا بیان ہے کہ ایک شخص جس کی کنیت ابا بختری تھی ایک دفعہ سفر کرتے ہوئے حاتم طائی کی قبر کے قریب سے گزرا۔ وہ ایک قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا جو اسی کی قوم کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ یہ قافلہ قبر حاتم کے قریب وادی میں شب گزاری کے لیے مقیم ہوا۔ قافلے والوں نے ابا بختری کو دور زور سے کہتے سُنا:۔

"اے ابوجعد! مجھ سے ہمکلام ہو!"

وہ بولے:۔ "کیا تو دیوانہ ہوا ہے جو آدھی رات کو یوں بڑبڑا رہا ہے؟"

ابا بختری نے جواب دیا: "سامنے کے پہاڑ پر حاتم طائی کی قبر سے جب کوئی شخص اس کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے تو حاتم اس سے ضرور ہمکلام ہوتا ہے۔ میں اسی لیے اسے ہمکلام ہونے کے لیے پکار رہا ہوں تعجب ہے کہ اس نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا۔"

یہ سُن کر قافلے والوں نے اس کا مذاق اڑایا لیکن رفتہ رفتہ خاموش ہو گئے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابا بختری کو قافلے سے نکل کر حاتم کی قبر کی طرف جاتے دیکھا تو میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ ابا بختری نے جب قبر حاتم پہ پہنچ کر اسے آواز دی تو وہ تلوار ہاتھ میں لیے قبر سے باہر نکلا اور ابا بختری سے دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ جب ابا بختری قافلے میں لوٹ کر آیا تو صبح ہو رہی تھی۔ اس نے قافلے والوں سے رات کا واقعہ سُنایا تو وہ پھر ہنسنے لگے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابا بختری کے قول کی تصدیق کی۔ اس کے علاوہ میں نے ابا بختری نے اور جملہ اہل قافلہ نے دیکھا کہ تھوڑی دُور ایک اونٹ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ گویا یہ حاتم طائی کی طرف سے قافلے کو بطور مہمان داری پیشکش تھی۔

اس راوی کے علاوہ خود ابا بختری کا بیان یہ ہے کہ پہاڑ کی دوسری طرف ایک اور قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ اس طرف وہاں گیا تو ایک شخص نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ جب اس نے نام

بتایا اور رات کا واقعہ سنایا تو وہ شخص بولا "میں عدی بن حاتم طائی ہوں۔ میں یہاں اکثر آتا رہتا ہوں ——————— میرے باپ کی قبر پر ایسے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔
خواب میں میں نے کل رات تمہیں دیکھا تھا اور یہ بھی کہ تم میرے والد بزرگوار کو آواز دے رہے ہو باقی سارا واقعہ بھی میں نے خواب میں دیکھا جس کی تم سے تصدیق ہو گئی۔"

اس واقعے کا ذکر سالم بن زرارہ غطفانی نے بھی اپنے اس قصیدے میں کیا ہے جو اس نے عدی بن حاتم طائی کی مدح میں کہا ہے۔ اس کے علاوہ ابوبکر محمد بن حسن بن درید نے ابی حاتم سجستانی اور ابی عبیدہ معمر بن مثنیٰ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اول الذکر نے اس سے کہا کہ آخر الذکر نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جس کی عمر سو سال سے کم نہ ہوگی۔ اس بوڑھے نے اس سے بیان کیا کہ ایک روز اس وادی سے گزر رہا تھا جس کے قریب پہاڑ پر حاتم طائی کی قبر ہے۔ رات اندھیری تھی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے لیکن کبھی کبھی کوئی تارا ان بادلوں سے جھانکنے لگتا تھا۔ میں اندھیری رات میں راستہ بھول کر اُدھر جا نکلا تھا اور حد درجہ خائف تھا کہ ایک آواز آئی:-

شعر:- "ڈرمت! اطمینان سے چلتا رہ اسی راستے سے اپنی منزل پر جا پہنچے گا"

راوی کا بیان ہے کہ اندھیری رات میں اس آواز کو سن کر اور سہم گیا۔ تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ ساری وادی یک دم روشن ہو گئی اور اِدھر اُدھر کچھ طویل القامت لوگ کھڑے تھے جن کے چہرے قندیلوں کی طرح روشن تھے۔ ان کے چہروں سے ساری وادی روشن ہو گئی تھی چنانچہ میں اس کے بعد بے خوف ہو کر اس وادی سے گزر کر صحیح راستے پر آنکلا تو دیکھا کہ مشرق سے آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ اس کے بعد راوی سے لوگوں نے بیان کیا کہ اس پہاڑ پر جہاں حاتم طائی کی قبر ہے جنات رہتے ہیں۔ وہ حاتم کی قبر کی حفاظت کرنے کے علاوہ اس کی قبر پر مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی بھی کرتے رہتے ہیں۔

باب (۱۸)

قیافہ، زجر و عیافہ اور سانح و بارح میں عربوں کے خیالات

قیافہ اور اس کے جواز میں اختلاف

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے قیافہ شناسی اور اس کے جواز کے بارے میں عرب مختلف الرائے رہے ہیں۔ کچھ اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ دوسری چیزوں کے سلسلے میں شباہت سے اندازہ لگانا بجا ہے لیکن اگر کوئی بچہ صورت و شکل میں اپنے باپ پر نہ جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہے غلط اور بے جا ہوگا۔ دوسرے تحقیق کنندہ کہتے ہیں کہ صورت و شکل میں مشابہت سے قطع نظر دوسری بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کی رُو سے باپ بیٹے میں مماثلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور وہی قیافہ شناسی کا مناسب ترین طریقہ ہے۔ یہ بات صرف کسی شخص اور اس کے صُلبی بچوں کے سلسلے میں کہی جا سکتی ہے ورنہ قیافہ شناسی کے اور بہت سے قاعدے اور قرائن ہیں۔ باپ بیٹے کے بارے میں مشابہت پر انحصار کرنا یقیناً غلط ہوگا۔ دوسرے معاملات میں آثار و قرائن دلیل قیافہ شناسی بن سکتے ہیں۔

قیافہ شناسی میں عرب کی خصوصیت

قیافہ، فال، شگون اور اندازوں میں عربوں کا اختصاص و امتیاز دُرست سہی لیکن اوّل تو یہ خصوصیت عرب کے ہر علاقے میں نہیں پائی جاتی دوسرے صرف عربوں کو اس سلسلے میں خصوصیت دینا غلط ہوگا کیونکہ یہ باتیں عقلاً درست ہوں یا غلط دُوسری قومیں بھی ان خصوصیات سے خالی نہیں ہیں۔ عربوں سے قطع نظر فرنگیوں اور دوسری قوموں میں بھی یہ باتیں پائی جاتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ علم قیافہ شناسی دوسری قوموں میں عربوں سے منتقل ہوا ہو کیونکہ جملہ نوع انسانی میں عربی الاصل

اقوام ہی اوّل اوّل سطح ارضی پر پھیلی ہیں، للذا عربوں کی کچھ خصوصیات کا دوسری اقوام میں منتقل ہو جانا کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ ظہور اسلام کے بعد عربوں کا بر بنائے فتوحات فرنگ فرنگیوں سے زیادہ سابقہ رہا ہے اور وہ بھی عربوں سے قریب تر رہے ہیں للذا انہوں نے یہ باتیں عربوں سے لی ہوں۔ بہرحال ان علوم کے جواز و وجوب سے قطع نظر اور ان پر عمل کرنے کے علاوہ بھی عربوں کی یہ خصوصیات قابل تسلیم ہیں جیسے علم نقاط اور دست شناسی کی ابتدا بربر سے ہوئی اور اسے ان علوم میں اختصاص و امتیاز حاصل ہے۔

قیافہ کا منشاء

اس سلسلے میں اہل بحث و تنقید کہتے ہیں کہ قیافہ کا منشاء کسی شے کی اصلیت اور اس کی اہمیت معلوم کر کے نتائج تک پہنچنا ہے۔ ایک چیز دوسری چیز سے اس قدر مشابہت رکھتی ہے کہ کسی اور چیز میں اتنی مماثلت و مشابہت نہیں پائی جاتی مثلاً اس سے نسلی و نسبی تشخص کا پتہ چل جاتا ہے۔ تشبیہ نسل تشبیہ نوع کے قریب تر ہے اور دونوں بلحاظ مشابہت مشترک ہیں۔ چنانچہ یہی چیز ان حضرات کے نزدیک قیافے کی اصل ہے کیونکہ کسی شے کا الحاق اپنی مثل شے سے ممکنات میں سے ہے اور ان کا مساوی ہونا بھی ممکن ہے۔ یہ مساوات اور اس کی اہلیت و ماہیت تک پہنچنا عقل کی پختگی پر منحصر ہے۔ یہ استدلال اہل قیاس فقہاء اور اہل اسلام کا نہیں ہے کیونکہ ایک بیٹا اپنے باپ سے مشابہ ہو یہ ضروری نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک اور بہت سی باتیں ہیں جن میں ان کی مشابہت و مماثلت ہو سکتی ہے مثلاً افعال وغیرہ جیسے نشست و برخاست چلنا پھرنا اور عادات و اطوار۔ فلاسفہ متقدمین بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اہل قیافہ کے نتائج اخذ کرنے کا طریقہ ہر حال میں درست نہیں ہو سکتا۔ جسمانی ساخت کا انحصار علاقائی آب و ہوا پر بھی ہوتا ہے اور نسلوں پر بھی جیسے رومیوں کی نسل کا پتہ ان کی شکل و صورت سے لگ سکتا ہے، اس طرح اہل جبال یا پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کی جسمانی ساخت میں جو خصوصیت ہوتی ہے وہ وہاں کی آب و ہوا کا نتیجہ ہوتی ہے۔ رومیوں کی طرح دوسری کچھ نسلیں بھی نسل در نسل ایک ہی شکل و صورت پر چلے جاتی ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر اپنی دوسری کتابوں میں اسرار طبیعہ اور نیز اس امر پر کہ جو ہر عالم ظلمت میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور نور کا استثنا اس سلسلے میں شواذ میں داخل ہے اور یہ کہ کچھ نفوس ایسے ہیں جن پر جسم کی موجودگی کے بغیر نوری ہونے کا اطلاق ہوتا ہے، تفصیل سے گفتگو کی ہے اس بحث میں آدم کے بیٹے شیث، زرتشت، مسیح و یولس اور ان دو شخصیتوں کا بھی حوالہ آ گیا ہے جن پر تفصیلی روشنی ڈالنا اور ان کا تعارف بھی ناممکن محسوس ہوتا ہے۔ اس بحث میں نور و ظلمت کی

قدامت پر بھی بحث ہو چکی ہے اور مجوسیوں کے نبی زرتشت کے اقوال پر بھی جو محالات میں شامل ہیں اور جن میں منطقی طور پر تضاد پایا جاتا ہے۔ یا بولس کا قول کہ جناب مسیح (علیہ السلام) انسان بھی ہیں اور الوہیت میں خدا کے شریک بھی۔ یہ سب باتیں ہم نے کتاب استرجاع وابانہ میں تفصیل سے بیان کی ہیں، اس لیے اب صرف موضوع زیر بحث پر گفتگو کریں گے۔

زجر یا شگون

منقری نے عتبی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک بار عبید الراعی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اپنے گھوڑے پر کسی ویران جگہ کے قریب سے گزر رہا تھا اس سفر سے ان کا مقصد بنو تمیم کے کسی شخص سے ملاقات کرنا تھا۔ چلتے چلتے وہ کسی جنگل سے گزرے تو عتبی کے بیان کے مطابق عبید کا گھوڑا چلتے چلتے رُک گیا۔ اس نے اس سے شگون لیا کہ آگے خطرہ ہے۔ اس نے اپنے ساتھی کو بھی آگے بڑھنے سے روکا لیکن وہ ہنس کر آگے بڑھ گیا۔ تو اگلے درخت سے لٹکے ہوئے ایک حد درجہ زہریلے سانپ نے اسے ڈس لیا۔ اس واقعے کا ذکر عبید الراعی نے اپنے ایک شعر میں بھی کیا ہے۔

ان امور میں بعض عربوں کی خصوصیت

ان امور کے سلسلے میں عرب کے کچھ علاقے اور قبائل خصوصیت رکھتے ہیں جیسے کہانت یمن کے لیے مخصوص سمجھی گئی ہے، اس طرح شگون لینا بنی اسد کے لیے، قیافہ بنی مُدلج کے لیے۔ نقصانات کی پیشگوئی ابن نزار بن معد کے قبیلے کے لیے مخصوص ہیں۔ جمل، رمل وغیرہ سب قیافے کی مختلف شکلیں ہیں۔ میں نے کچھ قبائل کو جمل و رمل وغیرہ میں خصوصیت کا حامل پایا ہے۔

قیافہ

ظہور اسلام سے قبل قیافہ شناسی قریش کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔ ہوا کدھر کی چل رہی ہے مٹی اُڑ کر کدھر جاتی ہے، پرندہ چھوڑا جائے تو کدھر کا رُخ کرتا ہے۔ ان باتوں سے قیافہ کرنا اور نیک و بد شگون کا اندازہ کرنا ان کے لیے مخصوص تھا لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان عادات قبیحہ اور خیالات فاسدہ سے نجات دلائی۔ غارِ ثور پر مکڑی کا جالا تن دینا اس سلسلے میں بطور خاص پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس موقع پر قریش کی بصارت و بصیرت دونوں زائل ہو کر رہ گئی تھیں۔

اہل شرع کے نزدیک قیافہ کے ذریعہ نتائج اخذ کرنا باطل سمجھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں احادیث رسول اللہ موجود ہیں تاہم کچھ ملکوں میں اب تک لوگ اس پر عامل ہیں۔ ہم نے اس سلسلے میں اپنی ایک دوسری کتاب "کتاب الدروس السبعۃ فی الاحاطہ بسیاستہ العالم واسرارہ" میں مفصل گفتگو کی ہے (یہ کتاب اس موضوع پر خاصی شہرت یافتہ ہے)

باب (۱۹)

کہانت اور نفس ناطقہ کی وحدانیت کے بارے میں لوگوں کے مشاہدات

دعویٰ علم غیب کی اصلیّت

کہانت کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے ان میں ایک گروہ یونان و روم کے حکماء کا ہے۔ انہیں علوم غیب کا دعویٰ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اسرار طبیعی سے خود ان کے نفوس انہیں مطلع کر دیتے ہیں کیونکہ نفس کُلیّہ میں اشیاء کی صورتیں واحد ہیں، جب وہ ان کے مشاہدے کا عزم کرتے ہیں تو وہ مجسّم ہو کر ان کی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ نفوس میں ایک "کدر" ہے جو نفس حیتہ، نفس نزاعیہ اور نفس متخیلہ پر مشتمل ہے۔ "یہ نفس کدر" انسانی اجسام کی قوتوں کے علاوہ ایک مزید قوت ہے جس سے انسانی جسم کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ نفس انسانی میں ایک نوری نسبت ہے جو استخراج غیب میں معاون ہوتی ہے۔ یہ فطانت و ذہانت اور ظن و گمان میں سب پر غالب ہے اس کے ذریعہ کہانت کی شخصیات شق و سطیح، سملقہ و زولعہ، سدلیف و ہوماس، طریفہ کاہنہ و عمران رمزیقیا، حارثہ و جہینہ کا بھائی) اور کاہنہ باہلہ اور ان جیسے دُوسرے کاہن و کاہنات غیبی اُبھر کر سامنے آجاتے ہیں اور علوم غیب اور اسرار طبیعی سے واقفیت کے خواہشمندوں کے سامنے آکر انہیں زمانۂ مستقبل میں واقع ہونے اور ظہور پذیر ہونے والی باتوں سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

عرافہ اور بعض عرافین

عرافت کہانت سے بالکل الگ چیز ہے جو علم غیب سے لوگوں کو آگاہی بخشتی ہے۔ اس کے دعوے داروں میں ابلق ازدی، اجلح ذھری، عُروہ بن زید ازدی اور رباح بن عجلہ ہیں جو یمامہ کے عرّاف کہلاتے ہیں اور زیادہ مشہور ہیں۔ یہ

لوگ عروہ کے بقول سب سے قدیم عراف میں سے ہیں۔

عرب میں کہانت

کہانت کی اصل نفسی بتائی جاتی ہے۔ وہ جسم انسانی کی وہ لطافت ہے جو اس کی مادیت پر غالب آکر اعجاز کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ یہ چیز عربوں میں بطور ندرت اکثر پائی گئی ہے جو مزاج طبیعی کی لطافت سے حاصل ہوتی ہے اور مادی قوتوں پر نور نفس کو غالب کر دیتی ہے۔ یہ قوت کثرت وحدت کو ابھار کر انسانی جسم کی کثافت کو کم اور عفت نوری کو بڑھا دیتی ہے جس سے بوقت غور وفکر انسان کی نگاہوں کے سامنے جملہ اسرار غیب علبنی ہو کر آجاتے ہیں جو نفس انسانی کی عفت وحرمت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی قوت سے انسان آئندہ وقوع پذیر ہونے والے اسرار کے بارے میں پیشگوئی کر سکتا ہے۔

حکمائے یونان نے بھی یہی کہا ہے کہ جب انسانی تفکر لطافت و پاکیزگی کی حدود طے کر لیتا ہے تو اسرار غیب اس کے روبرو ہو جاتے ہیں۔ اہل شریعت اس چیز کو رویائے صادقہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے پاکیزگی نفس کی علامت بتاتے ہیں۔ جب نفس انسانی کی پاکیزگی ان حدود میں داخل ہوتی ہے تو وہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں موبمو آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔

خواب اور اس کے اسباب

لوگ خواب، اس کے وقوع اور ماہیت وکیفیت کے بارے میں بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ ایک فریق کے نزدیک نیند انسان کے امور ظاہری سے ہٹ کر نفس کے اشتغال باطنی کا نام ہے۔ وہ اس کے دو اسباب بتاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب انسان اپنی کھلی آنکھوں سے اشیاء پر نظر ڈالتا ہے تو ان کے فرق کو ظاہری طور پر محسوس کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ حالت خواب میں ہوتا ہے تو اس کے حواس ظاہری اور ادراک باطل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس وقت روح انسانی اشتغال باطنی میں مصروف ہوتی ہے۔ پھر جب حواس خمسہ اور ادراک باطل ہوں تو بچہ ہو یا بوڑھا ان چیزوں کے خوف یا سرور سے بے نیاز ہو جاتا ہے جن سے وہ بیداری کی حالت میں متاثر ہوتا ہے۔ حالت خواب میں وہ چیزیں سامنے آتی ہیں جن کی ضرورت انسان عالم بیداری میں محسوس کرتا ہے جیسے بچہ بھوک کے وقت دودھ کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ یہ ضرورت طبی رو سے اس وقت محسوس ہوتی ہے جب معدہ غذا سے خالی ہوتا ہے۔

دوسرا فریق کہتا ہے کہ اشکال اشیاء کا ادراک دو باتوں پر منحصر ہے یعنی حس اور فکر پر جو اشکال محسوس ہوتی ہیں وہ اپنی ظاہر ہیئت کے بغیر محسوس نہیں ہو سکتیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب انسان حالت

خواب میں ہوتا ہے تو اس کے احساس کی قوت ضرور باطل ہو جاتی ہے لیکن قوت فکر میں اضافہ ہو جاتا ہے جسے اشتغال رُوح سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس وقت انسان دیکھتا ہے کہ وہ پرواز کر رہا ہے، بالکل پرندوں کی طرح حالانکہ وہ پرندہ نہیں ہوتا۔ البتہ یہ سب کچھ انسانی نفس کی کدورت اور پاکیزگی پر منحصر ہے۔ اگر نفس میں پاکیزگی ہے تو وہ حالت خواب میں بھی مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے حالات کو کھلی آنکھوں دیکھتا ہے لیکن اگر نفس میں کدورت ہو تو اس کے خواب بھی صرف فاسد خیالات کا نتیجہ ہوتے ہیں اور صداقت سے انہیں دُور کی نسبت بھی نہیں ہوتی۔ اسی لیے ایسے سب خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔

ایک اور فریق کا خیال ہے کہ حالت خواب میں بھی حواس خمسہ معطل نہیں ہوتے اور اشتغال رُوح کے وقت بھی طبعی طور پر جسم سے ان کا تعلق قائم رہتا ہے جو بصورت مشارکت و ملاء یت ادراک اشیاء کے لیے ضروری ہے۔ تاہم رُوح انفصال و انفصال جسدی دونوں حالتوں میں ادراک اشیاء پر قادر ہے جو ویسے ممکن نہیں یعنی بحالت بیداری و خواب جسم انسانی بغیر مشاہدہ مدرکات ان کے متعلق کچھ کہنے پر قدرت نہیں رکھتا یعنی حواس خمسہ صرف بحالت بیداری عمل کرتے ہیں۔

ایک اور فریق جسے آخری فریق کہنا چاہیے۔ یہ رائے رکھتا ہے کہ نیند کا وقت وہ ہوتا ہے جب جسم میں خون ایک جگہ جمع ہو کر جگر کی طرف منتقل ہونا شروع ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں خواب فاسد معدے کی خرابی کی وجہ سے نظر آتے ہیں اور خوش گوار خواب معدے کے سکون و راحت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

ایک فریق جو مذکورہ بالا ہر فریق سے الگ ہے یہ رائے رکھتا ہے کہ خوش گوار خواب ملکوتی اور بدخوابی شیطانی عمل ہے۔ یہ فریق اپنی رائے کے متعلق مندرجہ ذیل قولِ باری تعالیٰ بطور استدلال پیش کرتا ہے:۔

"انما النجوی من الشیطان لیحزن الذین آمنوا۔"

اس سلسلے میں متعدد اہل علم نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور خوابوں کو مختلف لوگوں کے مزاج سے منسلک بتایا ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کے مزاج بلغمی ہوتے ہیں بعض کے سوداوی۔ پھر یہ کہ انسان کی طبیعت پر بہت سی باتیں اثر کرتی ہیں جیسے حالت سکر و سرور، معطر ماحول وغیرہ جو طبع انسانی پر خوشگوار اثر ڈالتی ہے۔

طبعی اثرات پر گفتگو کرنے والے لوگوں میں اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ

غم وغصہ، سکر وسرور، فرحت وانبساط انسان کے جسم میں رواں خون پر اثرانداز ہوتے ہیں نیز خوف و وحشت سے بھی انسان کے خون میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ ہم نے اس پر اپنی کتاب الرویا والکمال میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہاں ہم نے اس بحث میں پڑنے سے اس لیے احتراز کیا ہے کہ زیر نظر کتاب کا موضوع تاریخ ہے نہ کہ بحث و نظر۔ ویسے متکلمین اور دوسرے فلاسفہ نے رُوح و بدن کے متعلقات اور اقسام نفس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جن میں حکمائے یونان و اسلام دونوں شامل ہیں۔ ہم نے ان موضوعات پر افلاطون وغیرہ کے اقوال کے حوالے سے اپنی دوسری کتابوں "سرالحیات" وغیرہ میں مفصل گفتگو کی ہے۔

کاہنوں کے سطیح و شق

کہانت کے سلسلے میں سطیح و شق کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ عرب میں ربیع ابن ربیعہ بن مسعود بن مازن ذئب[1] بن عدی بن غسان سطیح کاہنان کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اپنے جسم کو کپڑے کی طرح موڑ توڑ سکتا تھا یہاں تک کہ سر کی ہڈی کے سوا اس کے سارے جسم میں کسی ہڈی کا نام و نشان بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ربیع ابن ربیعہ کے علاوہ ابن مصعب بن شکران بن اترک بن قیس بن عنقر بن انمار بن ربیعہ ابن نزار شق الکاہنہ کہلاتا تھا اور یہ دونوں ہم عصر تھے۔ اسی طرح جمرۃ الکاہنہ بھی ان دونوں کا ہم عصر تھا۔ اور سملقہ و زولبعہ دونوں ہمعصر ہوئے ہیں، واللہ اعلم۔

[1] ایک نسخے میں ذئب کی جگہ وفیر لکھا ہے (مرتب)

باب (۲۰)

ذکر کاہنان، سیل عرم اور قوم ازد کی مختلف شہروں کی طرف بھاگ دوڑ

ہم پچھلے باب میں کہانت، قیافہ، زجر اور بارح و سانح کا ذکر کر چکے ہیں۔ زیر نظر باب میں اب ہم کچھ باقی ماندہ کاہنوں، سیل عرم اور اولاد سبا کی مختلف شہروں کی طرف بھاگ دوڑ اور وہاں ان کی آباد کاری کا ذکر کریں گے۔

سدّ و بانیہ اور ان کا محل وقوع

جب تک اولاد قحطان عیش و آرام میں رہی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے لیکن سبا کی ہلاکت کے بعد سے ان کی حکومت اور اس کے ساتھ ہی راحت و مسرت پر زوال آگیا۔ وہ صدیوں شہر بہ شہر بھٹکتے اور آوارہ پھرتے رہے۔ ان کے تعیش اور کفر و طغیان کا نتیجہ سبا کی ہلاکت اور سیل عرم کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ ان کی حکومت کا اختتام عمرو بن عمر مزیقیا جو نسبی اعتبار سے درحقیقت عمرو بن عامر بن ماء السماء بن حارثہ قطر یطف بن ثعلبہ بن امرئ القیس بن مازن بن ازد بن غوث بن کہلان بن سبا تھا اور اس کی جائے قیام ارض یمن میں بلادِ مازن میں تھی۔ یہ سبا کا مقام سکونت تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے اور جس کی قوم پر عذاب الٰہی سیل عرم کی صورت میں نازل ہوا تھا۔ ارشادِ خداوندی یہ ہے "وانہ، أرسل علی اھلھا سیل العرم"

یہ مقام سدّ کہلاتا تھا اور طول و عرض میں میلوں پھیلا ہوا تھا۔ سدّ کی بنیاد لقمان اکبر العادی نے ڈالی تھی۔ یہ لقمان بن عاد ابن عاد تھا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ جب سدّ پر عذاب الٰہی سیل عرم کی صورت میں نازل ہوا تو ان کی حکومت اور مال و اموال سب غارت ہو گئے۔ اس سلسلے میں واقعات بیان کرنے والوں میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے اور کہیں کہیں ان کے بیانات متضاد بھی ہیں۔

بلادِ سبا

قدیم مؤرخین لکھتے ہیں کہ سرزمینِ سبا یمن کے شاداب ترین علاقے میں تھی۔ وہاں کے اکثر مقامات پر باغات لگائے گئے تھے جن میں ثمردار درخت اور پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ شہر خیاباں در خیاباں تھے جن کی شاہراہوں پر دو رویہ درخت لگائے گئے تھے۔ باغات میں سیر کرنے کے لیے لوگ مختلف قسم کی سواریوں میں آتے تھے۔ باغات کی کثرت اور سایہ دار اشجار کی کثرت کا یہ حال تھا کہ ہر شہر کے باشندے دھوپ کی تمازت محسوس ہی نہیں کرتے تھے۔ وہاں کے باشندے بھی ہر طرح کے عیش و آرام میں زندگی بسر کرتے تھے۔ شادابی و خوشحالی ان کا مقدر تھی، فضا معطر اور پانی مصفا اور کثرت سے تھا۔ جہاں بھی جاؤ لوگ شریف اور با اخلاق نیز مہمان نواز اور متواضع پائے جاتے تھے۔ سدّ و جبال کے پار ایک عظیم دریا تھا جس سے تیس نہریں نکالی گئی تھیں جو سارے علاقے کے طول و عرض میں گھومتی ہوئی بہتی تھیں۔ لوگوں میں علم کا زور شور تھا۔ شہرِ سبا بڑے بڑے حکماء و علماء کا مسکن تھا جہاں دور دور سے لوگ ان کے علم و فضل سے فیضیاب ہونے اور ان سے اپنے مختلف معاملات میں مشورہ طلب کرنے کے لیے آتے تھے۔ سیلِ عرم سے پہلے جب کبھی وہاں سیلاب آتا تھا تو لوگ سدّ (دیوار) یا پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لے لیا کرتے تھے اور سمندری طوفان کا پانی انہیں نہروں سے جن سے وہ آتا تھا سمندر ہی میں واپس چلا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں ان لوگوں نے بہت سے بند بھی بنا دیے تھے جو ان سیلابوں سے حفاظت کا آسان طریقہ تھا۔ دریا پر پُل بنائے گئے تھے جن میں بڑے بڑے پھاٹک بنائے گئے تھے، یہ پھاٹک بند اور پانی کی نکاس دونوں کے کام آتے تھے۔ پُلوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی تھی اور اس طرح ان پھاٹکوں کی تعداد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

انہدام کی ابتدا

جب ان پر عذاب الٰہی سیلِ عرم کی شکل میں نازل ہوا تو وہ لوگ سرکشی و تمرّد کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ عیش و آرام نے ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیے تھے چنانچہ جب ان پر مشہور سیلاب آیا تو وہی پُل اور ان کے پھاٹک، بلند و بالا عمارتیں بلکہ جبل در جبل ان کے لیے غرقاب ہو کر عذاب بن گئے۔ اس کے بعد وہاں کے بچے کھچے لوگ بھی اجڑ کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ ان کے اس طرح اجڑنے اور ان کی تباہ حالی کا حال سیلِ عرم کی خبروں کے ضمن میں قریب ہر مؤرخ نے کسی اختلاف کے بغیر لکھا ہے۔

عَرِم

عَرِم کی تباہی اور وہاں کے باشندوں کی تباہی کے حالات قلمبند کرنے میں کسی مؤرخ نے جیسا کہ ہم نے سطورِ بالا میں بیان کیا کوئی کوتاہی کی ہے نہ خلافِ دیانت کوئی بات لکھی

ہے سیلِ عرم طوفانِ نوح سے کسی طرح کم نہ تھا جب کہ آسمان سے بارش کے تسلسل کے علاوہ تنوروں سے بھی پانی اُبل پڑا تھا، دیارِ سبا کے باشندوں پر جو افتاد پڑی اس نے ان کے دلوں سے اس کی شہرت و عظمت کو بھلا دیا ہے۔

سفاح کے سامنے قحطانیوں اور عدنانیوں کا اظہارِ مفاخرت

ایک روز اولادِ قحطان میں سے بعض لوگوں نے سفاح کی مجلس میں حمیر و کہلان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے انہیں فخر یہ طور پر اولادِ نزار پر ترجیح دی جن میں نزار بن معد کے خالد بن صفوان وغیرہ بھی شامل تھے اور یہ کہا کہ ان میں سفاح جیسی شجاعت اور اس کا رُعب و دبدبہ نہیں تھا حالانکہ اس کے ماموں بھی بنی قحطان میں سے تھے۔ اس مجلس میں خالد بن صفوان بھی موجود تھا۔ سفاح نے اس سے کہا: "خالد بن صفوان! تم کیا کہتے ہو؟ کیا واقعی قحطانیوں کو عدنانیوں پر ان کے اوصاف کے لحاظ سے ترجیح حاصل ہے جس پر عدنانی فخر کر سکیں؟" یہ سُن کر خالد بن صفوان بولا! میں ایسی قوم کے بارے میں کیا کہہ سکتا جن میں یا تو چمڑے کی دباغت کرنے والے تھے یا جلاہے (چادریں بُننے والے) اور سائیس، گدھوں پر سواری کرنے والے اور بھٹی جھونکنے والے جنہیں شہسواری کی ابجد بھی نہیں آتی تھی حتیٰ کہ ان پر ایک عورت حکمرانی کرتی تھی" خالد بن صفوان کا اشارہ اس زمانے کی طرف تھا جب یمن کی حکمران ایک عورت تھی اور یمن پر حبشہ کے رہنے والوں نے چڑھائی کر دی تھی۔

شعرِ عرب میں عرم کا ذکر

عرب کے شاعروں نے اکثر عرم کی شادابی، اس کے باغات اور مرغزاروں نیز آب و ہوا کی تعریف کی ہے۔ یہ جگہ پہلے مارب کہلاتی تھی اور صدیوں اسی نام سے مشہور رہی لیکن سبا کے دورِ حکومت میں اس کے مذکورہ بالا اوصاف کی وجہ سے اسے عرم کہا جانے لگا اور یہ جگہ تاحال اسی نام سے یاد کی جاتی ہے۔

طول عمر و عمر نسور

ہم نے اپنی کتاب اخبار الزمان میں اس بادشاہ کا ذکر کیا ہے جو اپنے حسن و جمال، سیرت و کردار اور طول عمری کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کی عمر عمرِ نسور سے بھی زیادہ تھی۔ بنی نسر کی طوالتِ عمر اور ان کے قد و قامت سارے عرب میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا ذکر شعرائے عرب میں خزرجی وغیرہ نے اپنے اشعار میں بھی کیا ہے خصوصاً انہوں نے جہاں تہاں قعقاع بن حکیم کے غلام معاذ بن مسلم ابن رجاء کی طول عمری کا حوالہ دیا ہے۔

طوالتِ عمر کی وجہ اور اس میں کمی کے اسباب

اللہ تعالےٰ نے تخلیق کائنات کے بعد نوعِ انسانی

کی تخلیق اس طرح فرمائی کہ اس میں بھرپور قوت رکھتے ہوئے اس کے اعضا و جوارح بھی فطری طور پہ قوی بنائے تھے۔ نوعِ انسانی جب تک کھلی فضاؤں اور پہاڑی علاقوں کی صاف آب و ہوا میں رہتی رہی وہ قدآور مضبوط و توانا رہی اور اسی وجہ سے اس نے طویل سے طویل عمر پائی جس کا ذکر ہم اس کتاب کے علاوہ اپنی دوسری کتابوں میں بھی متعدد مقامات پہ کر چکے ہیں لیکن انسان نے شہر آباد کر کے آراستہ و پیراستہ مگر آب و ہوا کے لحاظ سے مختصر مکانوں میں رہنا شروع کیا اور اس کے علاوہ وہ راحت و آرام کا عادی ہوا تو اسی نسبت سے اس کی عمر مختصر سے مختصر ہوتی چلی گئی اور اسی نسبت سے اس کے بدن اور اعضا و جوارح میں پہلی سی قوت بھی باقی نہ رہی۔

ہم سیل عرم اور دیارِ سبا کا ذکر کرتے کرتے عمر کی طوالت اور اس میں کمی کے اسباب بیان کرنے لگے ہیں، اس کی وجہ بنی نسر کی طولِ عمری کا ذکر ہے جس کا بیان ابھی سطورِ بالا میں ہوا ہے اور جن کا تعلق انہیں مقامات سے تھا اور ان کا آخری بادشاہ عمرو بن عامر تھا۔

ذکرِ سبا کی طرف مراجعت

سرزمین سبا میں اس شادابی و خوش حالی کے دور میں سب سے پہلی بلا جو اس رشکِ فردوس سرزمین پہ نازل ہوئی وہ سیلِ عَرِم تھی۔ اس زمانے میں سبا کا حکمران عمرو بن عامر مزیقیا تھا۔ جس کا ذکر اس باب میں پہلے آ چکا ہے۔ اس کے زمانے میں وہاں اس کے بھائی بندوں میں سے ایک بڑا کاہن عمران تھا اور ایک کاہنہ بھی تھی جو "طریفہ الخیر" کہلاتی تھی، اس کا تعلق بنو حمیر سے تھا۔ سیلِ عرم کی پیشگوئی سب سے پہلے کاہن عمران نے اپنے قریبی عزیز عمرو بن عامر کے سامنے کر دی تھی لیکن عمرو بن عامر کے زمانے میں اس وقت تک سیلِ عرم نہیں آیا بلکہ اس کے بعد آیا۔ مزیقیا اپنی قوم کا سب سے زیادہ تشدد پسند حکمران تھا اور گمراہ بھی جس کی تفصیلات کا علم خدا ہی کو ہے۔

کاہنہ طریفہ

کاہنہ طریفہ نے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ایک رات عجیب خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ سرزمین سبا پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے، بادل گرج رہے ہیں اور بجلی چمک رہی ہے۔ یہ کیفیت اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر اس نے دیکھا کہ بجلی کڑک کڑک کر جگہ جگہ گر رہی ہے اور ہر چیز کو جلاتی چلی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ پانی بھی ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہا ہے لیکن جو چیزیں جل رہی ہیں وہ برابر جلتی چلی جا رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر طریفہ کی سوتے میں چیخ نکل گئی۔ وہ بیدار ہوئی اور پھر کئی راتوں تک سو نہ سکی۔ اس حالت کو بیان کرتے ہوئے اس نے خود کہا تھا کہ اس خواب نے اس کی نیند اچاٹ کر دی تھی اور اس پہ جو خوف

طاری ہوا تھا وہ ناقابل بیان تھا۔ جو چیزیں جل گئی تھیں انہیں پانی کی رَو غرق کرتی چلی جا رہی تھی۔ اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ عمرو بن عامر مزیقیا اپنے قصر سے نکل کر ایک باغ میں پہنچا وہ بھی اپنے دروازے سے نکل کر اس کے ساتھ ہولی لیکن وہ باغ اس وقت تک خلیج بن چکا تھا۔ عمرو بن عامر کے ساتھ اس کے دو ساتھی بھی تھے وہ چلتے چلتے سد تک جا پہنچے لیکن پانی بڑھتے بڑھتے ان پہاڑوں تک جا پہنچا تھا جن پر وہ اب چڑھ رہے تھے۔ عمرو بن عامر طریفہ سے سوال کرتا جا رہا تھا اور ہر بڑھتی ہوئی آفت کے بارے میں وہ اسے بتاتی جا رہی تھی۔ عمرو بن عامر نے آخر میں اس سے دریافت کیا کہ ان سب باتوں کا علم اسے پہلے سے کس طرح ہو گیا تھا تو اس نے اپنے خواب کے ذکر کے علاوہ اسے بتایا کہ اس کے کچھ بزرگ جو کہانت کے ماہر تھے کئی بار خواب کی حالت میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے ان حالات سے آگاہ کر چکے تھے۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ اس نے حالت خواب میں اپنے ہاتھوں میں بطحا کی خشک مٹی دیکھی تھی اور ایسا مقام بھی جہاں سورج کی روشنی پہنچتی تھی نہ ہوا کا گزر تھا۔ عمرو بن عامر نے اس سے پوچھا تھا کہ ہم وہاں کب تک جا ئیں گے تو اس نے سات سال کا عرصہ بتایا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمرو بن عامر مزیقیا نے سیل عرم اور اس کی تباہی کا حال بہت پہلے خواب میں دیکھ لیا تھا اور وہ سرزمینِ سبا سے نکل آیا تھا۔ اس کے ہمراہ غسانیوں کے علاوہ اوس و خزرج وغیرہ کے بہت سے لوگ بھی تھے۔

سرزمینِ سبا کے حکمران قبل سیلِ عرم اور قوم مارب کی عبادات

سرزمین مارب یا سرزمین مارب کے حکمرانوں کا ذکر

سطور بالا میں آچکا ہے۔ قوم سبا یا قوم مارب میں اللہ تعالیٰ نے کئی پیغمبر بھیجے جنھوں نے ان کی اصلاح کی کوشش کی۔ وہ قوم سورج کی پرستش کرتی تھی۔ پیغمبروں نے خدائے واحد کو ماننے اور اس کی عبادت کی تلقین کی۔ انہوں نے انہیں خدا کی نعمتوں کی طرف بھی متوجہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دے رکھی تھیں۔ لیکن وہ ضدی قوم ان کی بات ماننے پر تیار نہ ہوئی بلکہ یہ کہنے لگی کہ جن نعمتوں کے خداداد ہونے کا وہ یقین دلاتے تھے وہ خود انہوں نے اپنی محنت اور اپنے زور بازو سے حاصل کی ہیں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ چیزیں اور مال و متاع اگر انہیں اس خدا نے دیا ہے جس کی پرستش پر وہ زور دیتے ہیں تو وہ اس خدا سے کہیں کہ وہ سب نعمتیں وہ ان سے چھین کر دکھائے اور جب وہ کسی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سیلِ عرم کی شکل میں عذاب

نازل فرمایا اور ان کے سرسبز و شاداب شہر، بلند و بالا عمارتیں، قصر و ایوان بھرے پڑے بازار اور مال و زر اسب کے سب چشم زدن میں تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے پیغمبروں کی طرف رجوع کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ خدا سے دُعا فرمائیں کہ وہ ان کی نعمتیں اور ان کی سرزمین کی شادابی بحال فرما دے۔ انہوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اس کے بعد صرف خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے۔ چنانچہ پیغمبروں کی دُعا سے خدا نے ان کی ساری چیزیں انہیں از سرِ نو عطا فرما دیں لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے بلکہ احسان فراموشی کی حد کرتے ہوئے اور زیادہ کفر کی طرف مائل ہو گئے۔ خدا نے ان کو پہلی سی خوشحالی اس وقت دی تھی جب وہ اپنے قدیم ملک سے اُجڑ کر سرزمین فلسطین میں جا بسے تھے اور مفلوک الحال تھے۔

ان کا کاہن سطیح | ان میں پہلی بار کہانت کا آغاز سطیح غسّانی سے ہوا تھا جس کا قصّہ بڑا طویل ہے ہم نے اس کا تفصیلی ذکر اپنی ایک پچھلی کتاب "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں کیا ہے۔

باب (۲۱)

عرب و عجم کے مہینے اور ان میں اتفاق و اختلاف

عرب ہو یا عجم دونوں جگہ ایک سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔

یہاں مختلف ملکوں اور اقوام کے سنوں، مہینوں اور دنوں کا ذکر کریں گے یعنی عرب و فارس اور سُریانی و رومی اور قبطیوں نے ان کا کیا حساب رکھا ہے اور یونانیوں نے ان کے بارے میں کیا رائے دی ہے اور کیا فیصلہ کیا۔ البتہ ہم یہاں اس ضمن میں یہ ذکر نہیں چھیڑیں گے کہ ہندیوں نے ان کے بارے میں کیا حساب لگایا ہے اور یہ کہ چینیوں اور کشمیریوں نے ان سے اختلاف کیا ہے یا اختلاف نیز یہ کہ بنی نوع انسان میں جمہور کا کس حساب پر اتفاق ہے۔

سب سے پہلے ہم اس سلسلے میں قبطیوں کو لیں گے جو اس موضوع پر سریانیوں سے متفق ہیں۔ اس کے بعد ہم رومیوں کے سنین و شہور و ایام کے ساتھ سُریانیوں کے سنین و شہور و ایام سے ان کی موافقت کا ذکر کریں گے۔ پھر عرب کے سنین و شہور و ایام کا ذکر آئے گا۔ اس کے بعد ہم فارس کے سنوں اور دنوں کا ذکر کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ انہوں نے اپنے سن کے مہینے اور دن کس طرح مقرر کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم بطور تقابل عرب کے انہیں سنوں، مہینوں اور دنوں کا دوبارہ ذکر کریں گے اور انشاء اللہ بتائیں گے کہ انہوں نے شمس و قمر کے تاثر کو کس طرح جملہ عالم میں پائے جانے والے حیوانات و نباتات و جمادات پر منطبق کیا ہے اور اپنے ایام دیالی کے نام کس مناسبت سے رکھے ہیں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ۔

قبطیوں اور سُریانیوں کے مہینے اور اُن کے ناموں میں تاریخی اختلاف

قبطیوں کے مہینے اور سُریانیوں کے مہینوں سے ان کا تقابل

پہلا سریانی مہینہ توت ہے جسے ایلول بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد بابہ ہے جو تشرین اوّل ہے۔ پھر ہاتور ہے جو تشرین ثانی ہے۔ اس کے بعد کہیک ہے جسے کانون اوّل کہا جاتا ہے، پھر طُوبہ ہے جو کانون ثانی کہلاتا ہے۔ پھر امشیر یا شباط ہے، پھر برمہات یا آذار آتا ہے۔ اس کے بعد برمودہ ہے جو نیسان کہلاتا ہے، پھر بشنس یا ایار آتا ہے۔ اس کے بعد بوُونہ ہے جو حزیران کہلاتا ہے، پھر اُبیب یا تموز آتا ہے۔ اس کے بعد مِسری آتا ہے جو آب کہلاتا ہے۔

قبطی ان مہینوں کے دنوں میں پانچ دن کا اضافہ کر لیتے ہیں اور انھیں "عُمیاء"[1] کہتے ہیں۔ ویسے ان کے ایک سال میں تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں جو ان پانچ دن کے اضافے سے ۳۶۵ دن ہو جاتے ہیں۔

قبطیوں کا سن

قبطیوں کے سن کا پہلا دن ان کے حساب سے ۲۹ واں دن ہوتا ہے یہ آب کے مہینے میں آتا ہے۔ اس کا ان کا یہ مہینہ عموماً ۲۸ دن کا ہوتا ہے جس کے بعد دوسرا مہینہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس طرح قبطیوں کے سال میں ۳۶۰ دن ہوتے ہیں جن پہ وہ پانچ دن کا اضافہ کرتے ہیں بالکل اسی طرح اہلِ فارس بھی کرتے ہیں لیکن ان کے ہاں توت اوّل آذر ماہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ان کے مہینے قبطیوں کے مہینوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ بات کتاب نجوم زیجات میں ہے۔

اہلِ مصر اور سارے قبطی اس زمانے میں یعنی ۳۳۲ ہجری میں اپنے مہینوں کا حساب اس کے بالکل برعکس لگاتے ہیں جس کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں۔ وہ آج کل سریانیوں کی طرح ہر سال کے دنوں میں چار دن کا اضافہ کرتے ہیں۔ وہی اس کے خلاف جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قبطیوں اور اہلِ فارس میں موافقت پائی ہے، عمل کرتے ہیں اور ان کا حساب قبطیوں کے برعکس سریانیوں سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ قبطیوں کا حساب سال کے دنوں کے سلسلے میں

---

[1] بعض نسخوں میں عمیاء کی جگہ عمائہ لکھا ہے (مرتب)

جو کتاب مجسطی میں تحریر ہے اس کی ابتدا بخت نصر نے کی تھی، اس لحاظ سے ان کے سال کا پہلا دن "یوم الاربعاء" (یعنی بدھ) کہلاتا ہے۔

مبدائے تواریخ

اگر تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو بطلیموس کی کتاب "زیج" قبطیوں کے سال کا پہلا دن یکشنبہ یا اتوار لکھا ہے۔ ویسے بخت نصر اور یزدجرد کے زمانے میں فارسی تاریخ کے لحاظ سے ۳۹۹ سال اور تین مہینے کا فصل ہے جب کہ فیلقوس یونانی اور یزدجرد ایرانی کے زمانوں میں ۹۵۵ سال اور تین مہینے کا فصل پایا جاتا ہے۔ اگر یزدجرد اور سکندر کے زمانوں کو دیکھا جائے تو دونوں میں ۲۴۹ سال کا فرق پایا جاتا ہے جب کہ رومیوں کے سال اور سکندر کے تاریخی سال میں صرف ۲۵۹ دن کا فصل ہے جب کہ سن ہجری اور سن یزدجرد میں ۳۶۲۴ دن کا فصل ہے۔ بہرکیف سنین کا حساب لگانے کے لیے پہلے تاریخ بخت نصر اس کے بعد تاریخ فیلقوس، پھر اس کے بیٹے سکندر کی تاریخ، اس کے بعد تاریخ ہجرت اور آخر میں یزدجرد کی تاریخ کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

جُملہ تواریخ کی ابتداء

تاریخ عرب کا پہلا سال رسولِ عربی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے سے مدینے کو ہجرت کے دن سے شروع ہوتا ہے اور اس سال کا پہلا دن یوم الخمیس (یعنی جمعرات) تھا جب کہ اہلِ فارس کا پہلا تاریخی سال اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب یزدجرد بن شہریار بن کسریٰ پرویز فارس کا بادشاہ تھا۔ ان کے سال کا پہلا دن یوم الثلاثاء (منگل) تھا۔

رومیوں اور سُریانیوں کا پہلا تاریخی سن سکندر کے زمانے سے شروع ہوتا ہے اور اس کا پہلا دن یوم الاثنین (دوشنبہ یا پیر) تھا۔ باقی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

باب (۲۲)

سُریانی مہینے، عربی مہینوں سے ان کی مماثلت اور موسموں کی پہچان

مہینے اور ہر مہینے کے دن

سریانی میں اوّل اوّل ہر مہینے کے اور ہر سال کے دنوں کا حساب یوں تھا کہ ہر سال کے ۳۶۵ دن ہوتے تھے اور ان میں ایک چوتھائی دن کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ مہینوں کے دنوں کا حساب یوں تھا کہ ماہ نیسان کے ۳۰ دن، ماہ ایار کے ۳۱ دن ماہ حزیران کے ۳۰ دن مگر اس مہینے کی راتوں کا حساب سورج کے شمال کی جانب جھکنے سے لگایا جاتا تھا اور وہ راتیں ۳۸ راتوں تک جا پہنچتی تھیں۔ یہاں دنوں اور راتوں کا اوسط نکالا جاتا تھا جو ہندیوں کے حساب سے ملتا جلتا تھا۔ سورج جب شمال کی طرف راجع ہوتا تھا تو وہ دن یہاں بھی ہندی دن کی طرح سال کا سب سے طویل دن ہوتا تھا۔ ماہ تموز کے ۳۱ دن ہوتے تھے اور ماہ آب کے بھی ۳۱ دن شمار کیے جاتے تھے۔ جب ماہ آب کا آخری دن رسلخ آتا تھا تو گرمی کا موسم بالکل ختم ہو جاتا تھا۔ اس خوشگوار موسم کی کیفیت محمد بن عبدالملک "الزیات" نے اپنے ایک شعر میں یوں بیان کی ہے:۔

"پانی خنک، رات سہانی اور شراب لذیذ ہوگئی ہے

حزیران و تموز جا چکے ہیں اور اب ماہ آب بھی جا رہا ہے"

ماہ ایلول کے ۳۰ دن شمار کیے جاتے تھے جن میں سے پانچواں دن "عید ذکریا" کہلاتا تھا۔ اس مہینے کا تیرھواں دن "عید صلیب" کہلاتا تھا جو درست حساب سے جس میں گزشتہ ماہ کا آخری دن بھی شمار ہوتا تھا درحقیقت چودھواں دن ہوتا تھا۔ اس روز اور مہینے کے باقی دنوں میں خصوصاً بیسویں دن جیسا کہ ہم اپنی ایک دوسری کتاب میں بیان کر چکے ہیں رات اور دن برابر ہو جاتے تھے۔

ابو نواس کہتا ہے :۔

"ایلول گزر گیا ، گرمی ختم ہوئی ! ایلول کی جھلسانے والی گرمی ٹھنڈی پڑ گئی"

مہرجان کے نام کا راز تشرین اوّل ۳۱ دنوں کا ہوتا تھا ، ماہ مہرجان بھی اسی تشرین کے زمانے میں آتا تھا۔ مہرجان اور نوروز میں ۱۶۹ دن کا فصل ہوتا تھا۔ اہل فارس کے نزدیک مہرجان کا نام ان کے ایک قدیم بادشاہ کے نام پر پڑا تھا جس کے ظلم و ستم سے عوام و خواص میں کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔ اس لیے اہلِ ایران اس بادشاہ کو مہر یعنی سُورج کہتے تھے جس کی تمازت اس مہینے میں حد سے گزر جاتی تھی۔ اس بادشاہ کو اس نام سے منسوب کرنے کے ساتھ ساتھ اس حد درجہ گرم مہینے کو اہل ایران نے مہرجان کہنا شروع کر دیا تھا ، مہرجان بمعنی مہر صفت یعنی سخت گرم۔ اس بادشاہ کی موت بھی جس نے بڑی طویل عمر پائی تھی اس مہینے کے درمیانی دن واقع ہوئی تھی۔ اس کے بعد یہ مہینہ مہرماہ کہلانے لگا جس کے دونوں لفظ اہل فارس نے عربی لغت کے برعکس مقدم و موخر کر دیے ہیں جو ان کی قدیم زبان پہلوی کے مطابق ہے۔ عراق میں کچھ علاقوں کے لوگ اور تمام عجمی لوگ اس دن کو گرمی کے موسم کا پہلا دن سمجھتے ہیں۔ اس مہینے میں وہ ہلکا پھلکا لباس پہننا شروع کر دیتے ہیں اور جملہ فرش فروش اور دوسری استعمال میں آنے والی اشیاء بھی موسم کے لحاظ سے بدل جاتی ہیں اس مہینے کے پانچویں دن جس سے تشرین اوّل شروع ہوتا ہے بیت المقدس میں "عید کنیسہ القیامہ" منائی جاتی ہے جو نصرانیوں کا خاص تہوار ہے ، اس روز ساری دنیا کے عیسائی بیت المقدس میں آ کر جمع ہوتے ہیں۔ نصرانیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس رات کو آسمان سے آگ اُترتی ہے جس سے بیت المقدس کے بڑے کلیسا کی شمع روشن ہوتی ہے۔

نصرانیوں کی اس عید کے عجیب و غریب مناظر دیکھنے کے لیے مسلمان بھی بڑی کثیر تعداد میں اس روز بیت المقدس میں جمع ہو جاتے تھے۔ اس روز رات کے وقت زیتون کی شاخیں روشنیوں سے جگمگا اُٹھتی تھیں۔ اس عید کے سلسلے میں قوم نصاریٰ میں بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ رات کے وقت آگ کا آسمان سے اُتر کر بڑے کلیسا کی شمع کو روشن کرنا بھی ان کے نزدیک معجزات میں شمار ہوتا ہے اور وہ اس کے بارے میں بہت سے دلچسپ قصے سُناتے ہیں۔ اس کے اسباب جو بیان کیے جاتے ہیں ان کا ہم اپنی ایک دوسری کتاب "القاضا والتجارب" میں ذکر کر چکے ہیں۔

تشرین ثانی کے سریانیوں میں ۳۰ دن شمار کیے جاتے تھے ، اسی طرح وہ کانون اوّل کے بھی ۳۰ دن گنتے تھے جس کا انتیسواں دن پونے آٹھ گھنٹے کا ہوتا تھا جو سال کا چھوٹے سے چھوٹا

دن سمجھا جاتا تھا اور رات سوا چودہ گھنٹے کی ہوتی تھی جو سال کی طویل ترین رات سمجھی جاتی تھی۔ تشرین ثانی کی پچیسویں شب کو عید میلاد مسیح علیہ السلام منائی جاتی تھی۔

کانون ثانی کے ۳۱ دن ہوتے تھے جس کا پہلا دن "القلندس[1]" کہلاتا تھا۔ شام کے نصرانی اسے عید کے طور پر مناتے ہیں اور وہاں بھی گرجوں میں وہی آگ کی رات والی رسوم ادا کی جاتی ہیں جن کا ذکر ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں۔ یہ رسوم انطاکیہ کے شہر میں بھی پوری کی جاتی ہیں جہاں عیسائیوں کا مقدس کلیسا قیسان واقع ہے۔ یہ عید میلاد مسیح علیہ السلام شام کے علاوہ مصر، بیت المقدس بلکہ ان تمام شہروں میں منائی جاتی ہے جہاں نصرانی کثرت سے آباد ہیں۔ انطاکیہ میں اس روز بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ دعوتیں ہوتی ہیں جن میں فواکہات پیش کیے جاتے ہیں اور مشروبات کے جام کے جام لنڈھائے جاتے ہیں۔ انطاکیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ عیسائیت کی تشہیر کی ابتدا اس شہر سے ہوئی تھی۔ یہاں نصرانیوں کے بطریق اعظم کا مرکز ہے۔ یہ بطریق نصرانیوں میں حد سے زیادہ دیانت دار سمجھا جاتا ہے۔ نصرانی انطاکیہ کو "اللہ کا شہر" کہتے ہیں اور اسے بادشاہ کا شہر اور ام المدن شہروں کی ماں بھی کہا جاتا ہے کیونکہ جیسا ہم نے ابھی بیان کیا نصرانیت کی ابتدا اس شہر سے ہوئی تھی۔

نصاریٰ کے بطریق

نصرانیوں کے بطریق یا لاٹ پادری چار ہوتے ہیں یا ہیں۔ ایک تو روم کے شہر کا مذہبی حاکم کہلاتا ہے، دوسرا شہر قسطنطنیہ کا جو اقسس یعنی سب سے بڑا پادری ہوتا ہے، قسطنطنیہ کا پہلا یا قدیم نام بوزنطیا تھا۔ نصرانیوں کا تیسرا لاٹ پادری اسکندریہ میں رہتا ہے اور وہاں کا مذہبی حاکم سمجھا جاتا ہے۔ ان کا چوتھا لاٹ پادری انطاکیہ میں رہتا ہے اور وہاں کا مذہبی حاکم ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا عیسائیت کی ابتدا انطاکیہ سے ہوئی تھی اس لیے عیسائیوں کا سب سے بڑا پادری پہلے وہیں رہتا تھا اور اسے سب سے بڑا پادری سمجھا جاتا تھا۔ نصرانیوں کے ان عہدوں کی ایک کرسی اب بیت المقدس میں بھی ہے جو زمانۂ قدیم میں نہیں تھی۔ یہ ایلیا کے لیے رکھی گئی جو بیت المقدس اور اس کے قریب فلسطین کے ایک دوسرے مقام کورہ کے لیے تھی اور ایلیا کے نام کی وجہ سے بیت المقدس کے پادری کو تعظیماً اسقف اعظم کہا جاتا تھا۔

نصرانیوں کے کلیسا

نصرانیوں کے کلیساؤں میں ایک کلیسا انطاکیہ میں ہے جو عام عیسائیوں

---

[1] ایک نسخے میں "الغطاس" لکھا ہے (مرتب)

میں کنیسہ پولس کے نام سے مشہور ہے لیکن انطاکیہ والے "دیر البراغیث" کہتے ہیں۔ یہ کلیسا فارس کی سرحد پر واقع ہے۔ ایک دوسرا کلیسا "اشمونیت" کہلاتا ہے جہاں نصرانیوں کی بڑی عید ہوتی ہے۔ ایک اور کلیسا "کنیسہ بربارا" ہے جسے کنیسہ مریم بھی کہتے ہیں، یہ کلیسا مدورہ میں ہے۔

اس کلیسا کی عمارت اپنی پختگی اور بلندی کی وجہ سے دُنیا کے عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔ اس کلیسا کے سنگِ مرمر اور سنگِ رخام جو عمارت کے قریب فالتو رہ گئے تھے انہیں ولید بن عبدالملک بن مروان عجوبۂ روزگار سمجھ کر سمندری راستے سے جامع مسجد دمشق کے لیے دمشق کے ساحل تک لے گیا تھا لیکن اس کلیسا کی عمارت جو مرورِ ایّام سے باقی رہ گئی ہے اب بھی حیرت ناک ہے۔

کنیسہ اشمونیت کی یہودیوں کے ہاتھوں بربادی کے عجیب وغریب قصے مشہور ہیں، البتہ یہ واقعہ درست ہے کہ روم کے علاوہ انطاکیہ پر یہودیوں کے تسلط کے بعد اس شہر کی رونق اور شادابی بھی وہاں سے رُخصت ہوگئی تھی۔ یہودیوں نے کنیسۂ اشمونیت کو منہدم کرکے اپنے حکمران کے لیے اس جگہ "دارالامیر" تعمیر کیا تھا۔ یہودیوں نے کئی حیلوں بہانوں سے انطاکیہ میں قتلِ عام کرکے لاکھوں عیسائی قتل کرڈالے تھے۔

اس سے قبل ہم بطرس و پولس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوسرے حواریوں کا ذکر کر چکے ہیں جو یہودیوں سے جان بچانے کے لیے ادھر اُدھر منتشر ہوگئے تھے۔ ہم اس بادشاہ کا ذکر بھی کر چکے ہیں جس نے انطاکیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا نام انطیخش تھا۔ رومی انطاکیہ کا نام پہلے پہلے اسی کے نام سے انطیخش پڑا تھا لیکن جب مسلمانوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اس نام کے باقی حروف حذف کرکے اسے انطاکیہ رہنے دیا اور اب وہ اسی نام سے مشہور ہے۔

نصرانیوں کی حکمرانی کی اور دوسری تاریخ سے جو اس وقت تک یعنی سن ۳۳۲ ہجری تک لکھی گئی ہے اس کی رُو سے ولادتِ مسیح علیہ السلام کو اب تک ۹۴۰ سال ہو چکے ہیں، سکندر کے زمانے سے اب تک ۱۲۵۸ سال اور سکندر کے زمانے سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ولادت تک ۳۶۹ سال گزر چکے تھے۔

یہ سب کچھ اس تاریخی کتاب کے اندراجات ہیں جو انطاکیہ کے کنیسہ قیسان کی ملکیت ہے۔ اب ہم اس تاریخی سلسلے کی باقی باتیں آگے چل کر اس باب میں بیان کریں گے جو ہم نے ان کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔

ان کے مہینے اور دِن | اب ہم پھر ان کے مہینوں اور دنوں کی طرف آتے ہیں۔ ان کے حساب سے

"شباط" کے ۲۸ دن اور تیرہ سن بیچے لعد دیگرے آتے تھے ۔ "رالعہ کبیبہ" ۲۹ دن ہوتے تھے ۔ان کا سن ۳۶۶ دن کا ہوتا تھا لیکن جمرۂ اولیٰ میں سات دن نکال دیتے تھے اور اسے "جُبتہ" کہتے تھے ۔ جمرۂ ثانی میں ۲۴ رکھ کر باقی دن نکالے جاتے تھے اور اسے "زُبرہ" کہتے تھے ۔ جس مہینے میں کُل ۲۱ دن رکھے جاتے تھے اسے "صُرفہ" کہتے تھے اور ایام سرما میں شمار کر لیتے تھے ۔ "ایّام عجوز" کے آخر سے تین دن نکالے جاتے تھے لیکن "آذار" کے پورے ۳۱ دن شمار کیے جاتے تھے ۔ اس کے شروع سے "ایام عجوز" پورے کرنے کے لیے چار دن نکالے جاتے تھے ۔ ان سات ایام عجوز کو عرب صِنّا ، صَنبرّا ، وبرا ، آمرا ، مُوتمرا ، مُعَللا اور مُصطفٰی الجمر کہنے لگے ہیں ۔

ماہ آذار کے پندرھویں ان کے حساب سے برابر ہو جاتے تھے کیونکہ انہی کے حساب سے سُورج اس روز برُج حمل میں چلا جاتا ہے ۔ اب ساری دُنیا میں یہی دن ہے جب رات اور دن برابر ہوتے سمجھے جاتے ہیں ۔ ابو نواس کہتا ہے ؎

"کیا دیکھتے نہیں کہ سُورج برُج حمل میں چلا گیا ہے دُنیا کا وزن (رات دن) برابر ہو گیا ہے"

رُومیوں کے مہینے

رومیوں کے مہینے تعداد میں سُریانیوں کے مہینوں کے برابر ہوتے ہیں رومیوں کا پہلا مہینہ یوادیوس کہلاتا جو کانون ثانی میں شمار کیا جاتا ہے

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ان کا پہلا مہینہ قلندس ہوتا ہے ۔ پھر شباط فبرار لیوس ، آذار مارتیوس ، نیسان ابریلییس ، ایّار مالیوس حزیران یونیوس ، تموز لولیوس ، آب اغسطوس ، ایلول ستمبر ، تشرین اوّل اکتوبر تشرین ثانی یعنی نومبر اور کانون اوّل یعنی دسمبر آتے ہیں ۔

باب (۲۳)

اہلِ فارس کے مہینے

مہینوں کے نام اور ان کے دن

اہلِ فارس کے سارے مہینے تیس دن کے ہوتے ہیں۔ ان کا پہلا مہینہ فروردین ماہ کہلاتا ہے جس کا پہلا دن نوروز اور روزِ مہرجان کے درمیان ۱۹۴ دن کا فصل ہے۔ اہلِ فارس کے سال کا دوسرا مہینہ اُردیبہشت ہے، پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے خرداد ماہ، تیر ماہ، تیرروز (جس میں روزِ مہرجان پڑتا ہے) آبان ماہ (جس میں روز آبان پڑتا ہے) اور عید آبان گاہ آتی ہے اور اس کے آخری پانچ دن ایّام فردجان کہلاتے ہیں) آذر ماہ کے پہلے روز سے دس روز تک ماتمی جلوس نکلتے ہیں جو فارس سے عراق تک جاتے ہیں جس کی وجہ عجمیوں اور اہلِ عراق کے سوا اہلِ شام، اہلِ جزیرہ یا مصر و یمن کے لوگوں میں سے کوئی نہیں جانتا۔ ان ایّام میں اہلِ فارس کے پہلے یا دوسرے تازہ پھل اور پرندوں کا گوشت کھاتے ہیں یا ٹھنڈے مشروبات استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس مہینے میں گرمی زیادہ پڑتی ہے اور وہ لوگ پھر بھی "ہائے گرمی ہائے گرمی" اور "ہائے پیاس ہائے پیاس" کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد عجمیوں کی جو عید آتی ہے اس پر وہ لوگ حد درجہ خوشی مناتے ہیں یہ ایّام سرور و مسرّت ان کے سال کے آخری مہینوں اذرخش، دیماہ، بہمن ماہ اور اسفندیار مز ماہ تک چلتے ہیں۔ اس طرح اہلِ فارس کے سال کے بارہ مہینوں کے ۳۶۵ دن گزر جاتے ہیں۔

باب (۲۴)

ایامِ اہلِ فارس کی وجہ تسمیہ

اہلِ فارس نے اپنے مہینوں اور دنوں کے نام مندرجہ ذیل شخصیتوں سے منسوب کر رکھے ہیں جنہیں وہ خوش بختی اور نحوست کی علامات سمجھتے ہیں۔

ہرمز و بہمن و اُردی بہشت، شہریور و اسفندیار، خرداد و مرداد و دیبا زرد آذر و آبان و خورشید (خور) و ماہ و تیر و جوش و دیہ و مہر و دل اور اسروش و فروردین بہرام و ارام۔ ایک فارسی شاعر نے عربی میں کہا ہے ؎

شعر ہماری دائمی لذت و (مسرت) یوم سُنبت اور یوم رام پر منحصر ہے

ان ایام کی خصوصی علامتیں یہ ہیں:۔

وبا و دیبا دین، آذر و اشتاد، آسمان و داماد، ماہ و سفند اور رامزان۔ یہ علامتیں قدیم اہلِ فارس نے کچھ اپنے قدیم اسلاف سے اور کچھ قدیم ہندی رسوم و روایات سے لی ہیں۔ اہلِ فارس (ایران) کی طرح عربوں میں بھی قدیم زمانے میں پانچ دن خوش بختی یا نحوست کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

الہریہ، البہیر، قالب الفہر، حافل الضرع اور مدحرج البعیر[1]

اہل فارس ایک سو بیس سال کے فصل سے دنوں کی بھلائی اور نحوست کا اندازہ کرتے اور ہر سال کا پہلا دن نوروز رکھتے ہیں۔

---

[1] ایک نسخے میں "مزحرج البعیر" لکھا ہے (مرتب)

باب (۲۵)

عربوں کے مہینے، دن اور ان کے نام

عربوں کے مہینوں کے نام

عربوں کے سال کا پہلا مہینہ محرم ہوتا ہے اور سال کے جملہ دن ۳۵۴ شمار ہوتے ہیں جو سریانی دنوں سے سوا گیارہ دن کم ہیں۔ یہ فرق ہر ۳۳ سال کے دنوں کا حساب کرنے سے پڑ جاتا ہے۔ ہر مہینے کے آخری دن کے لحاظ سے بھی دونوں میں یہ فرق واضح ہے۔ عربی دنوں میں نوروز بھی نہیں ہوتا۔ عربوں کے ہاں ہر تیسرے سال ایک مہینہ آتا تھا جسے وہ نسئ یا "تاخیر" کہتے تھے۔ ان کے اس فعل کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے مذمت کی ہے (انما النسئ زیادۃ فی الکفر) عربوں کا پہلا مہینہ محرم سے شروع ہوتا ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں وہ لڑائیوں اور قتل و غارت کو حرام سمجھتے ہیں۔ ان کا دوسرا مہینہ صفر ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں یمن میں بازار لگتے ہیں جنہیں "صفریہ" کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس کی مخالفت کرنے اور اس سے روگردانی کرنے والا بھوکوں مر جاتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مہینے میں شہر خالی ہو جاتے ہیں اور لوگ لڑائیوں کے لیے نکل پڑتے ہیں۔ اس لیے اس مہینے کو صفر کہتے ہیں کیونکہ لوگ اس مہینے میں مکان خالی کر جاتے ہیں۔ ربیع کے ایک سال میں جو مہینے شمار کیے جاتے ہیں وہ اس لیے کہ ان مہینوں میں لوگ اور ان کے جانور کھیتی باڑی میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان مہینوں کا یہ نام زمانۂ قدیم سے کسی اختلاف کے بغیر چلا آتا ہے۔ اس کے بعد جمادی الاوّل اور جمادی الثانی جو سال میں دو مہینے آتے ہیں ان کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان مہینوں میں اکثر پانی منجمد ہو جاتا ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ان مہینوں میں عرب میں پانی منجمد ہو جاتا ہوگا۔ بہرکیف ان دو مہینوں کے یہ نام عرب میں ابھی تک چلے آتے ہیں

رجب کو رجب کہنے کی وجہ اس مہینے میں کوئی خوف تھا - اس لیے عربوں میں "رَجِبتُ الشی" ابھی تک بطور محاورہ مستعمل ہے - ایک محاورہ "فَلَا تَھِبْہَا وَلَا تَرْجُبْہَا" بھی ہے - ماہ شعبان کا نام شعبان اس مہینے میں عربوں کی مہم جوئی کی وجہ سے پڑا ہے اور یہی نام زمانۂ قدیم سے اب تک علیٰ حالہ چلا آتا ہے - رمضان کو رمضان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس مہینے میں کبھی موسم سخت گرم ہوتا ہوگا حَرُّ الرَّمْضَا (موسم کی گرمی) عربوں میں اب تک زبان زد خاص و عام ہے - اس نام کی ایک وجہ اب یہ بھی ہے کہ اس نام کو عرب اسمائے باری تعالیٰ کے ذکر کردہ ناموں میں سے سمجھتے ہیں (شہر رمضان) تبھی سے اب تک اس مہینے کو اسی نام سے موسوم کرتے چلے آرہے ہیں -

شوال کو شوال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں اُونٹ مستی پر آتے ہیں اور عرب اس مہینے میں شادی بیاہ سے پرہیز کرتے ہیں - بہرکیف اس مہینے کو اب بھی عرب شوال ہی کہتے ہیں ماہ ذی قعدہ کا نام ذیقعدہ اس لیے پڑا تھا کہ اس مہینے میں عرب لڑائیوں کی تیاری کرتے تھے اور دوسرے کاموں سے فارغ رہتے تھے تاہم اس مہینے کا یہ قدیم نام بھی اب تک عربوں کے سال کے بارہ مہینوں میں اسی نام سے شمار ہوتا چلا آرہا ہے - ذالحجہ کا نام ذالحجہ اس لیے ہے کہ اس مہینے میں حج ہوتا ہے -

حرمت کے مہینے

عربوں میں محرم، رجب اور ذی قعدہ حرمت کے مہینے سمجھے جاتے ہیں -

حج کے مہینے

عربوں میں ایام حج شوال و ذیقعدہ کے دو مہینے اور ذالحجہ کے دس دن ہوتے تھے - عربوں میں اب تک ایام معلومات اس دن ہیں اور ایام معدودات ایام تشریق کہلاتے ہیں - ان کے ہاں یوم تعجیل بالاتفاق قربانی کا تیسرا دن ہے - وہ کہتے ہیں کہ حج کا دوسرا دن قربانی کا پہلا دن ہے - اگر اسے قربانی کا پہلا دن سمجھا جائے تو یوم تعجیل تیسرا دن ہو جائے گا جو حکم قرآنی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق یوم تعجیل درحقیقت ایام معدودات کے دونوں دنوں پر مشتمل ہے (اِنَّ التَّعجیل فی یومین من المعدودات) - اس طرح معدودات ہی میں ایام معلومات داخل ہیں اور قربانی کا دن بھی انہیں میں سے ہے -

عربوں میں قربانی کے دن روزہ نہیں رکھتے اور نہ یوم فطر (عید کے دن) میں روزہ رکھتے ہیں ایام منیٰ میں بھی روزہ نہیں رکھا جاتا - یہ حکم جو احکام نبوی میں سے ایک حکم ہے جو فرض روزوں کے بارے میں ہے - نفلی روزے اس سے خارج ہیں -

عقبہ بن عامر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک نقل کیا ہے کہ ایام تشریق کے تین دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔ اس کے علاوہ ان جملہ دنوں میں بھی یعنی ایّام معلومات و معدودات میں روزے کی ممانعت ہے جو ایام تشریق میں شامل ہیں۔ ایّام تشریق کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے ہے۔ بہرکیف ایّام تشریق حج کا پہلا دن قربانی کا دوسرا دن اور حج کا تیسرا دن عصر کے وقت تک شمار کیا جاتا ہے۔

ایّام تشریق کی وجہ تسمیہ

ایام تشریق کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ یعنی لوگوں کا خیال ہے کہ منیٰ میں قیام کی راتوں اور دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوگ منیٰ میں قربانی کرتے تھے اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کا گوشت سورج کی دھوپ میں پھیلا دیتے تھے اس لیے ان ایام کو ایّام تشریق کہا جانے لگا کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ چونکہ حج کے بعد اہل مکّہ اور دوسرے لوگ اپنے اپنے وطن کو واپسی کے لیے ان دنوں میں اِدھر اُدھر پھیل جاتے تھے اس لیے انہیں ایام تشریق کہا جانے لگا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایام حج میں لوگ عبادات کے لیے منیٰ اور مزدلفہ میں قیام کرتے ہیں اور جہاں جہاں وہ قیام کرتے ہیں ان مقامات کو مشارق کہا جاتا ہے جس کا واحد مشراق ہے اس لیے ان ایام عبادات کو ایام تشریق[1] کہا جانے لگا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جانوروں کے ذبح کرنے کو کیونکہ عربی میں تشریق کہتے ہیں اس لیے قربانی کے ایّام ایّام تشریق کہلاتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دنوں میں مشرقہ کے طول میں "ضحیۃ" کی ممانعت کی ہے اس لیے وہ دن ایّام تشریق ہیں۔

دینی عالموں اور فقہاء نے اس سلسلے میں بہت طول طویل بحث کی ہے جس پر ہم اپنی دوسری کتابوں میں تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں، اس لیے یہاں اس کو مختصر طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ایام نحسات

عربوں میں ہر مہینے کے چار دن "موافق" چار دن "رخلون" چودہ دن "خلت" اور باقی دن "یقین" کہلاتے ہیں جنہیں "ایام نحسات" بھی کہا جاتا ہے۔

قدیم عرب میں دنوں کے نام

عربوں میں ہفتے کے دن یہ ہیں:۔

یوم الاحد (پہلا دن) یوم الاحد پہلے دن کو اس لیے کہتے

---

[1] ایک نسخے میں تشریق کی جگہ شرق لکھا ہے (مرتب)

ہیں کہ اس روز تخلیق عالم کی ابتدا ہوئی تھی اور توریت بھی اسی روز کا تخلیق عالم کے بارے میں تذکرہ کرتی ہے۔ "یوم الاثنین" یا ثان (دوسرا دن) "ثلاثاءٗ" (تیسرا دن)، اربعاءٗ (چوتھا دن) "یوم الخمیس" (پانچواں دن) "یوم الجمعہ" (چھٹا دن) جمعہ کو جمعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس روز لوگ عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ "یوم السبت" (ساتواں دن) اسے "یوم السبت" اس لیے کہتے ہیں کہ اس روز تخلیق عالم ختم ہوئی اور اس روز حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے پیدا کیا۔

قدیم عرب میں مہینوں کے نام

عرب قدیم میں مہینوں کے نام یہ تھے:۔ ناتق (محرم) ثقیل (صفر) اس کے بعد علی الترتیب طلیق، ناجر، اسلخ[1]، ایح[2]، احلک، کسع، زاہر، برک[3]، حرف اور نعس جسے اب ذالحجہ کہتے ہیں۔

عرب کے موسم

عربوں میں موسموں کے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ویسے وہاں عموماً ایک سال میں چار موسم ہوتے ہیں۔

(۱) وسمی، جو خریف کا موسم ہوتا ہے (۲) شتا (۳) صیف (۴) قیظ

کچھ لوگ ایک سال کے چار موسم تو مانتے ہیں لیکن انہیں فصلوں کے لحاظ سے تقسیم کرتے ہیں اور اس مناسبت سے ان میں فصلوں کے نام مشہور ہوگئے ہیں۔

رومیوں کے موسم

رومی سال کے چاروں موسموں کو عربوں کے برعکس صرف فصلوں پر تقسیم کرتے ہیں جب کہ عرب صرف دو موسم ربیع و خریف فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

وہ اپنے سال کے مہینوں کا حساب سورج کے برجوں میں منتقل ہونے اور ستاروں کے نظر آنے اور نظر نہ آنے کے اوقات سے لگاتے ہیں جب کہ عرب اس سلسلے میں چاند کے تغیرات کا لحاظ رکھتے ہیں رومیوں کے بارہ مہینوں کے نام ہم سطور بالا میں بتا چکے ہیں۔ ان کی فصلیں بھی عربوں کے فصل بونے اور کاٹنے سے مختلف ہیں لہذا فصلی موسم بھی مختلف ہیں۔

---

۱ ایک نسخے میں سماج لکھا ہے (مرتب)
۲ " " " امیح " " (")
۳ " " " برط " " (")

باب (۲۶)

عربوں کی راتوں کا قمری حساب

عربوں نے چاند کے طلوع سے لے کر مہینے کی آخری رات تک اس کے بڑھنے اور گھٹنے کی مناسبت سے راتوں کا حساب لگا رکھا ہے جو سوال و جواب کی صورت میں ہے اور اس کی دلچسپی کے پیش نظر درج ذیل کیا جاتا ہے۔

س۔ ابن لیلہ کسے کہتے ہیں۔

ج۔ رضاع سخیلہ کو جو بر میلہ کے نام سے بھی موسوم ہے۔

س۔ لیلتین کیا ہے؟

ج۔ حدیث اُمتین ہے یعنی اِفک اور مین کا امتزاج۔

س۔ ثلاث کا کیا مطلب ہے؟

ج۔ ثلاث حدیث فتیات ہے جو شتات اجتماع ہے جب چاند افق پر کم ٹھہرتا ہے۔

س۔ اربع یا چوتھی رات کو آپ کیا کہتے ہیں؟

ج۔ ہم اسے غنمہ رتع کہتے ہیں جب چاند مسلسل بڑھتا ہے۔

س۔ پانچویں رات کو کیا کہو گے۔

ج۔ حدیث وانس۔

س۔ ست کیا ہے یعنی چھٹی رات کو کیا کہو گے؟

ج۔ ہم اسے سر وبت کہتے ہیں۔

س۔ اور ساتویں رات کو؟

ج ۔ تصفر فی الشفع چونکہ اس رات کو چاند ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے اسے دُلجتہ الضّبع بھی کہا جاتا ہے۔

س ۔ آٹھویں رات کو کس نام سے یاد کرتے ہو؟

ج ۔ وہ قمر اصبحان ہے جب چاند صبح تک ٹھہرتا ہے ۔

س ۔ اور نویں رات ؟

ج ۔ وہ جبرع کہلاتی ہے ۔

س ۔ اور دسویں رات ؟

ج ۔ وہ محق فجر ہوتی ہے ۔

س ۔ اور گیارھویں رات ؟

ج ۔ سادُجرہ جب چاند کا دائرہ مکمل ہو جاتا ہے ۔

س ۔ اور بارھویں رات ؟

ج ۔ یہ چاند کی لطیف روشنی میں سفر وحضر کی رات ہوتی ہے ۔

س ۔ اور چودھویں شب ؟

ج یہ چاند کے بھرپور شباب کی رات ہوتی ہے اور مقتبل الشباب کہلاتی ہے جب چاند بادلوں سے بھی جھانکتا رہتا ہے ۔

س ۔ اور پندرھویں شب ؟

ج ۔ یہ تم التّام ہوتی ہے جب چاند اُٹھ بیٹھتا ہے اور اس کے بڑھنے کے دن پورے ہو جاتے ہیں ۔

س ۔ اور سولھویں شب ؟

ج ۔ یہ ناقص الخلق کہلاتی ہے ۔ کیونکہ اس رات عروج ماہ میں کمی آجاتی ہے ۔

س ۔ اور سترھویں شب ؟

ج ۔ رکب الفقیر کہلاتی ہے یعنی رخصتی شروع ہوئی ۔

س ۔ اور اٹھارہویں شب ؟

ج ۔ یہ قلیل البقا یا سریع الفنا کہلاتی ہے کیونکہ زوال ماہ کا تسلسل اس رات سے بڑھتا ہے ۔

س ۔ اور انیسویں شب ؟

ج ۔ یہ بطی الطلوع ہے ۔ جب چاند آسمان پہ کسی قدر تاخیر سے نمودار ہوتا ہے یعنی روشن ہونا شروع ہوتا ہے ۔

س - اور بیسویں شب ؟

ج - یہ "اطلع السحر" کہلاتی ہے -

س - اور اکیسویں شب ؟

ج - یہ اطیل السری ہے جب چاند زیادہ دیر روشن نہیں رہتا -

س - اور بائیسویں شب ؟

ج - یہ "سفح خطب" اور لیث حرب بھی کہلاتی ہے -

س - اور تیئیسویں شب ؟

ج - اسے فحس کہتے ہیں کیونکہ چاند اب افق کی طرف مائل ہوتا نظر آتا ہے -

س - اور چوبیسویں رات ؟

ج - یہ اطلع القسمۃ کہلاتی ہے کیونکہ چاند اب ایک ٹکڑا ہو کر رہ جاتا ہے اور تاریکی کو بھی دُور نہیں کر سکتا -

س - اور پچیسویں شب ؟

ج - یہ شب ہلالی ہے نہ قمری، اس لیے اس کا نام بتانا مشکل ہے، اسے بس رات کہہ لیجیے -

س - اور چھبیسویں شب ؟

ج - یہ "دنا الاجل" ہے یعنی چاند کی وہ رات جب اس کی موت قریب ہوتی ہے اور اُمید عروج منقطع ہو جاتی ہے -

س - اور ستائیسویں شب ؟

ج - اسے "دنانا دنا" کہیے کہ اب چاند کم سے کم ہو جاتا ہے -

س - اور اٹھائیسویں شب ؟

ج - یہ طلوع لو ہے (چاند کی نسبت سے) روشن باقی ہو یا نہ ہو -

س - اور انتیسویں شب ؟

ج - یہ چاند کی آخری شب ہے جب سورج کا عکس اس پر پڑنے ہی والا ہوتا ہے -

س - اور تیسویں شب کو کیا کہیے گا ؟

ج - ہلال کی نوید -

مہینے کی راتوں کی تین تین راتوں میں تقسیم

عربوں نے مہینے کی راتوں کو تین تین میں تقسیم

کر رکھا ہے۔ پہلی تیسری کو وہ "ثلاث تمر" کہتے ہیں، اور اس کے بعد کی تین راتیں "ثلاث سمر" کہلاتی ہیں پھر اس کے بعد کی تین راتیں ثلوث زہر کہی جاتی ہیں۔ اس کے بعد کی تین راتیں "ثلاث دُرر" کہی جاتی ہیں۔ اس کے بعد جو تین راتیں آتی ہیں وہ "ثلاث قمر" کہلاتی ہیں اور ان کے بعد کی تین راتیں "ثلاث بیض کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ آدھا مہینہ گزرنے کے بعد پہلی تین راتوں کو عرب "ثلاث درع" کہتے ہیں اور اگلی تین راتوں کو "ثلاث ظلم" کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد جو تین راتیں آتی ہیں وہ انہیں "ثلاث حنادلیس" کہتے ہیں۔ اس کے بعد کی تین راتوں کو "ثلاث دواری" اور اس سے اگلی تین راتوں کو "ثلاث محاق" کہتے ہیں۔

ہلال کی رُو سے چاندنی راتیں

عربوں میں طلوع ماہ سے چاندنی راتوں اور اس کے بعد کی راتوں کے یہ نام ہیں:۔

"ہلالی راتیں" وہ راتیں ہیں جب چاند اپنے ابتدائی ایام میں ہوتا ہے، اس کے بعد کی راتیں "قمری راتیں" کہلاتی ہیں جب چاند پوری طرح روشن ہوتا ہے اور جب چاند رو بہ زوال ہوتا ہے تو عرب ان راتوں کو شبھائے قمیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

باب (۲۷)

شمس و قمر کے بارے میں حکماء کے اقوال اور اس باب سے متعلق دوسری باتیں

یونانی اور دوسرے حکماء نے افعال قمر کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے افعال افعال شمس سے کم ہوتے ہیں نیز یہ کہ چاند کا درجہ اجرام سماوی میں سورج کے بعد آتا ہے۔ بہرکیف چاند کے افعال کے تحت جہاں سال کے مہینوں اور مہینوں کے دنوں کا شمار ہوتا ہے وہیں اس کے افعال کے تحت سمندر کا مدوجزر، نباتات کی نشو و نما اور پھلوں کی پختگی بھی آتی ہے اور ان کا اثر سمندری حیوانات پر بھی ہوتا ہے۔ حیوانات کے ایام حمل اور عورتوں کے ایام حیض بھی محدود اوقات میں ان کے ذریعہ اثر آتے ہیں۔

نطفے کی رحم مادر میں نشو و نما

رحم مادر میں نطفے کی نشو و نما کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں کہ آیا اس پر چاند کی حرکات کا کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں۔ لوگ اس بارے میں بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں کہ جنین کی صورت پذیری صرف منی سے ہوتی ہے یا عورت کے ایام حیض کے خون کا بھی اس میں کچھ حصّہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ عورت کے رحم میں ایک حصّہ ایسا ہوتا ہے جس میں نطفہ صورت پذیر ہوتا ہے۔ جالینوس نے اپنی کتاب میں بقراط کے حوالے سے لکھا ہے کہ فاعل و مفعول کی منی میں جو جراثیم ہوتے ہیں وہ خود جنین کی صورت پذیری اور نشو و نما میں معاونت کرتے ہیں۔

صاحب المنطق کی رائے میں جنین کا انحصار فاعل کی منی سے شروع ہو کر عورت کے حیض کے خون پر ہے البتہ اس کی صورت پذیری کا انحصار شریانوں کے خون اور اس ریح پر ہے جو اسے رگوں ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنین کی نشو و نما کا اصول وہی ہے جو نباتات

میں کام کرتا ہے۔ جس طرح زمین سے بیج اُگ کر پہلے پودے کی جڑ بناتا ہے پھر اسی جڑ سے شاخیں پھوٹتی ہیں جو جڑ سے غذا حاصل کرتی ہیں اور جڑ زمین میں پیوست رہ کر اس سے غذا حاصل کرتی رہتی ہے جنین بھی بالکل اسی طرح رحم مادر میں شریانوں میں رواں خون سے اور اس خون سے جو استقرار حمل کے بعد جسم سے خارج نہیں ہوتا غذا حاصل کرتا ہے اور جسم میں جو ریح دوڑتی رہتی ہے وہ اس تغذیہ میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ غرض جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا جنین کے صورت پذیر ہونے اور ولادت تک اس کی غذا کی وہی صورت ہے جس طرح پودے کی ننھی شاخیں پہلے اس کی جڑ سے جو زمین سے پیوست ہوتی ہے اور پھر بڑی شاخوں سے اوپر کی شاخیں اس کی بلندی تک سیراب ہوتی رہتی ہیں اس کے بعد المنطق کا مصنف انہیں حوالوں سے کہتا ہے کہ جنین کا وجود عورت و مرد کی وطی کے نتیجے میں خارج شدہ منی اور عورت کے طمث یعنی حیض کے رُکے ہوئے خون پر منحصر ہے۔ آخر میں جالینوس کا قول انبذقلس کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے المنطق کا مصنف بتاتا ہے کہ وجود عالم کے مختلف درجات کی بھی یہی صورت تھی۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان کے جسم کا جوہر لطیف صنف نازک کے رحم میں داخل ہونے کے بعد بھی جنین کے وجود میں آنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور پھر صورت پذیری تک وہ جنین اس جوہر لطیف کے ذریعہ نشو و نما پاتا ہے بلکہ آخر تک اس کی غذا کا ذریعہ مرد کا وہی جوہر لطیف ہے جو ابتدا میں رحم کے اندر استقرار حمل کا سبب ہوتا ہے۔

بیٹے کی اپنے باپ اور اس کے خاندان سے مشابہت

آخر میں ہم ان لوگوں کی رائے نقل کر رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کے اتصال کے وقت جو مرد کا جوہر لطیف اس کے جسم سے خارج ہو کر مادہ منویہ کی شکل میں عورت کے رحم میں داخل ہوتا ہے وہ عورت کے مادہ منویہ پر غالب ہوتا ہے اور جنین کے وجود میں آنے سے لے کر اس کی صورت پذیری اور نشو و نما کی تدریجی کیفیات میں اس پر غالب رہتا ہے اس لیے نومولود اپنے باپ اور اس کے خاندان والوں کی شکل و شباہت پر جاتا ہے۔ یہ بات پچھلے باب میں علم القیافہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کی جا چکی ہے اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ کسی شخص کے نسب کا یقین کرنے کے لیے جو کچھ قیافہ شناس کہتے ہیں وہ سب اسی پر منحصر ہے جو سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے تاہم ہمارا ایمان ہے کہ بچے کی تخلیق ذکور و اناث دونوں صورتوں میں خالق کائنات کی رضا پر منحصر ہے جو ارشاد فرماتا ہے کہ کس طرح انسان کو

اس نے پہلے نطفے کی شکل دی، پھر علقہ کی اور پھر مضغہ کی اور آخر میں اس کی نشوونما کر کے اسے انسان کی شکل دے دی۔ خود خالق کائنات کا کلام اس کی تصدیق کرتا ہے۔ پہلے ارشاد ہوا: "ھوالذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء، لا الہ الا ھو العزیز الحکیم" پھر اس نے یہ ارشاد فرمایا "یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ" اور آخر میں تدریجی کیفیات کے بارے میں ارشاد فرمایا: "یا ایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلّقۃ و غیر مخلقۃ لنبیّن لکم ونقر فی الارحام ما نشاءُ الیٰ اجلٍ مسمّی، ثم نخرجکم طفلا، ثم لتبلغو اشدّکم، و منکم من یتوفّی، و منکم من یرد الیٰ ارذل العمر۔ (الآیۃ)

سُورج اور چاند کی تاثیروں میں اختلاف آراء

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ مرد و عورت کے منویہ مادّوں میں مرد کا مادّہ منویہ یا جوہر لطیف عورت کے رحم میں ابتدا ہی سے غالب رہتا ہے اور اس کا یہ غلبہ بچے کی ولادت تک قائم رہتا ہے اس لیے بچے کی شکل و صورت اور اس کے اعضاء و جوارح عموماً اس کے باپ اور اس کے آباء سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اسی طرح ان کا خیال ہے کہ انسان حیوانات، نباتات اور سمندری مدوجزر وغیرہ کے علاوہ جو چاند کے زیر اثر ہوتے ہیں اور انسان کے اعضاء و جوارح کی نشوونما پر بھی سورج کی مختلف حرکات کا اثر پڑتا ہے۔

چاند کے اثرات کے سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ چاند کے طلوع کے پہلے ہفتے تک اس کے اثرات کچھ اور ہوتے ہیں کہ وہ اس وقت تک صرف نصف کی حد تک روشن ہوتا ہے، پھر دوسرے ہفتے میں چودھویں شب تک جب وہ پورے طور روشن ہوتا ہے اس کے اثرات مختلف ہوتے ہیں اس کے بعد تیسرے ہفتے میں جب وہ گھٹتے گھٹتے پھر آدھا رہ جاتا ہے تو اس کے اثرات میں بھی تغیر آ جاتا ہے اور پھر چوتھے ہفتے میں جب وہ گھٹتے گھٹتے بالکل غائب ہو جاتا ہے تو اس وقت بھی وہ مذکورہ بالا چیزوں پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن اس وقت اس کے اثرات پہلے تین ہفتوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ہم نے اپنی دو پچھلی کتابوں "الزلف" اور "المبادی والتراکیب" وغیرہ میں چاند اور سورج کے اثرات پر مفصّل گفتگو کی ہے۔

ارضی و سماوی کُرّے

یہ استدلال کہ آسمان اپنے دائرۂ وجود میں کرہ در کرہ ہے اور جملہ کواکب بھی اسی طرح ہے بے سبب نہیں ہے۔ زمین بھی اپنے بحری و برّی

اشکال میں جیسا کہ ہم اس کتاب میں پہلے بیان کر چکے ہیں مختلف کروں میں بٹی ہوئی ہے۔ کرۂ ارض کا مرکز درحقیقت وسطِ آسمان میں ہے جس طرح کوئی چھوٹا نقطہ اپنے دائرہ کے بیچ میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ زمین کی گردش جب اپنے مرکزی نقطے پر ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں کبھی دن ہوتا ہے اور کبھی رات اور آفتاب کے طلوع و غروب اور وقفے وقفے سے کہیں اس کے نظر آنے نہ آنے کا انحصار بھی زمین کی اپنے مرکز پر گردش کرنے پر ہے۔ بعض مہینوں میں سورج کے طلوع و غروب کا وقت کچھ اور ہوتا ہے اور بعض مہینوں میں کچھ اور اس کا سبب بھی زمین کی یہی گردش ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں لوگوں کے اقوال اور ان کے دلائل و براہین ایک ایک کر کے اپنی ایک پچھلی کتاب "اخبار الزماں" میں من و عن بیان کر دیے ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے ان دلائل و براہین کی توضیح کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ زمین آسمان کے جوف (شکم) میں بالکل اسی طرح ہے جس طرح انڈے کی زردی اس کی سفیدی اور اس کے خول کے درمیان ہوتی ہے۔ وہاں ہم نے انسان کے جسم کی مثال دیتے ہوئے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انسانی اجسام کا مرکز جو حقنہ کہلاتا ہے اس کے اعضا و جوارح کے لیے کشش ثقل کا کام کرتا ہے، بالکل اسی طرح آسمان زمین کی گردش کو نظم و ضبط کی صورت میں رکھنے کے لیے وہی کام کرتا ہے۔ پتھر اور لوہے کی جو صورت تعمیرات میں ہوتی ہے وہی لوہے اور مقناطیس میں بھی ہے یہی نظام زمین کی گردش کو صحیح شکل میں قائم رکھنے کے لیے آسمان کے ذریعہ رکھا گیا ہے۔

زمین پر سمندروں اور دریاؤں کی ابتداء اور آسمان کے بروج اور اس کے منطقوں کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ زمین پر قطب جنوبی سے قطب شمالی کا فصل اور میلوں اور گزوں میں سطح ارضی کی پیمائش کا ذکر بھی پہلے آ چکا ہے۔ منطقہ حارہ اور منطقہ بارده، خط استواء نصف النہار کے سلسلے میں آسمان کے دوائر کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ کچھ لوگوں نے زمین کی پیمائش گزوں، میلوں اور انگلوں میں کی ہے اسے بھی ہم نے اس کی صحت پر اپنی رائے ظاہر کیے بغیر ان کی کتابوں سے من و عن نقل کر دیا ہے جو ایک مورخ کی دیانت کا خاصہ سمجھا جاتا ہے۔ بہرکیف یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ خط استوا سے قطب شمالی اور قطب جنوبی دونوں طرف نوّے ڈگری کا فصل ہے۔ بعض لوگوں نے خط استوا سے دونوں جانب یہ فصل صرف چوبیس ڈگری بتایا ہے کیونکہ انہوں نے اس میں سے سمندری حصوں کو خارج کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کے شمال میں چوتھائی حصے میں آبادی ہے، جنوبی چوتھے حصے میں گرمی کی شدت ہوتی ہے اس لیے وہاں آبادیاں کم ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق باقی زمین یعنی زمین کا نصف حصہ غیر آباد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کے شمال اور جنوب

یں سات اقالیم ہیں۔ ان کا ذکر اور زمین کے مشرق و مغرب نیز شمال و جنوب کا احوال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کتاب جغرافیہ کے مصنّف کے مطابق شمال و جنوب کی سات اقالیم میں چار ہزار دو سو شہر ہیں ان سب کا حال بھی ہم اپنی ایک دوسری کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔

ہماری بیان کردہ باتوں کی تصدیق ابوحنیفہ دینوری کی کتاب سے ہو سکتی ہے۔ یہ باتیں ابن قتیبہ نے ابوحنیفہ دینوری کی کتاب سے اپنی کتاب میں بغیر کتاب دینوری کے حوالے کے اس طرح نقل کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انحصار اس کی اپنی تحقیقات پر ہے۔ بہر کیف ابوحنیفہ ایک بڑا عالم ہے اور اس کی تحقیق مسلم الثبوت ہے۔ اس کی کتاب کا نام بھی "علم الکبیر" ہے۔ اس سے قبل اس سلسلے میں نطلیموس کے بیانات توجہ کے قابل ہیں۔ ظہور اسلام کے بعد اس سلسلے میں الکندی ابن منجم، احمد بن طیب، ماشاءاللہ، ابی معشر، خوارزمی، محمد بن کثیر فرغانی، ثابت بن قرّہ، تبریزی اور محمد بن جابر تبانی کی کتابیں بھی علوم ہیئت پر تحقیق کے لحاظ سے کچھ کم قابلِ قدر نہیں ہیں۔ ہم ان کے حوالے سے ان علوم پر آگے چل کر مختصر گفتگو کریں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

باب (۲۸)

دُنیا کے چار گوشے، ان کے خواص، آب وہوا اور سُلطان الکواکب (سُورج) کے اُن پر اثرات

زمین کے چار خواص یا مزاج زمین کا پہلا اور دُوسرا مزاج گرمی اور خشکی ہوتا ہے یعنی اس خطے کی آب وہوا گرم خشک ہوتی ہے۔ زمین کے دوسرے دو خواص یا مزاج سردی اور رطوبت ہیں۔ یعنی اس خطّے کی آب وہوا سرد اور مرطوب ہوتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ پہلا مزاج گرم وخشک، دوسرا سرد ومرطوب، تیسرا گرم ومرطوب اور چوتھا سرد خشک ہوتا ہے۔ اکناف عالم میں زمین کے یہی چار اجزاء ہیں جنہیں ربع مسکون کہا جاتا ہے۔

مشرق زمین کا ربع اوّل ہے جس میں گرمی و رطوبت دونوں ہوتے ہیں، یہ ہوا اور اجسام کے خون پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ زمین کا وہ چوتھائی حصّہ ہے جس میں پُروا ہوا چلتی ہے اور اس کی بلحاظ وقت تین ساعتیں ہوتی ہیں، پہلی، دوسری اور تیسری ساعت۔ یہاں قوائے بدن میں قوت ہاضمہ اور قوت ذائقہ ہوتی ہے، آخر الذکر لذت حلاوت پر مبنی ہوتی ہے۔ اس خطّہ زمین کے ستارے قمر اور زہرہ ہیں، اس کے بروج حمل، ثور اور جوزا ہیں۔ اس پر حکمائے عصر قدیم و جدید کے متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔

مغرب زمین کا ربع ثانی ہے۔ یہاں کی آب وہوا سرد و مرطوب یعنی آبی و بلغمی اس کے گرم موسم اور اس کی ہوا کو" دبور" کہتے ہیں۔ اس کی ساعتیں دسویں، گیارہویں اور بارہویں ہوتی ہیں۔ اس کے ستارے مشتری و عطارد ہیں اور بُرج جَدی دَلو اور حُوت ہیں۔ وہاں کے ذائقے مالح یعنی نمکین وغیرہ ہیں اور قویٰ میں قوت مدافعت غالب ہے۔

زمین کا تیسرا چوتھائی حصّہ اس کا شمالی حصّہ ہے۔ وہاں کی آب وہوا گرم خشک اور

کسی قدر صفراوی ہوتی ہے۔ وہاں کی ہوا کو صبا کہتے ہیں۔ دن کے وقت وہاں کی ساعتیں یا گھڑیاں چوتھی پانچویں اور چھٹی ساعتیں ہوتی ہیں۔ وہاں کے بدنی قوی قوائے نفسانیہ وحیوانیہ کہلاتے ہیں۔ وہاں کے ذائقوں پر تلخی یا کڑواہٹ غالب ہے۔ وہاں کے کواکب مریخ اور سورج ہیں اور اس کے برُوج سرطان وسنبلہ اور میزان ہیں۔ زمین کا چوتھا اور آخری چوتھائی حصّہ اس کا جنوبی خطہ ہے جہاں کی آب وہوا سرد وخشک اور زمین کا مزاج تلخ وسوداوی ہے اور فصل خریف ہوتی ہے۔ وہاں کی ہوا کو ہوائے شمال کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جنوب سے شمال کی طرف چلتی ہے۔ وہاں کی ساعتیں آٹھویں اور نویں ہوتی ہیں اور قوائے بدن میں قوت ماسکہ غالب ہے وہاں کے کھانوں اور اس کے مزوں پر پھیکا پن غالب ہے۔ اس کے کواکب میں زحل ہے اور اس کے بروج میزان عقرب اور قوس ہیں۔ اس کے بعد جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ زمین اپنی ہیئت وخواص میں بدلتی چلی گئی ہے۔ یعنی جو خطے ایک دوسرے کے قریب ہیں ان کے خواص قریب قریب ایک ہیں اور جو دُور دُور ہیں وہاں زمین کی ہیئت اور اس کے خواص مختلف ہیں۔ زمین کا بہترین خطہ وہ ہے جہاں سُورج کی کرنیں زیادہ پڑتی ہیں۔ وہ علاقہ چوتھی اقلیم ہے جہاں سُورج کی کرنیں زمین کی کدورت کو صاف کر کے اسے جلا بخشتی ہیں اور وہ اقلیم عراق ہے۔

زمین کے غیر آباد ہونے کی وجوہ

زمین جہاں غیر آباد ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہاں سُورج کی کرنیں براہِ راست پڑ کر اس خطہ ارضی کو اس قدر گرم بنا دیتی ہیں کہ وہاں زمین جل کر سیاہ پڑ جاتی اور پانی اُبل کر ایسا ہو جاتا ہے کہ پینے کے قابل نہیں رہتا۔ وہاں نباتات کے اُگنے کا تو ذکر ہی کیا حیوانات کے جسم کی رطوبت تک زائل ہو جاتی ہے۔ دُوسری وجہ یہ ہے کہ وہاں سورج کی شعاعیں پہنچ ہی نہیں پاتیں اور زمین کا وہ خطہ صرف چاند کی زد میں رہتا ہے۔ وہ جگہ اس قدر سرد ہوتی ہے کہ نہ تو وہاں کوئی چیز اُگ سکتی ہے اور نہ سردی کی شدت کی وجہ سے انسان وحیوان سانس لے سکتے ہیں ان کے اجسام میں حرارت باقی نہیں رہتی، وہاں پانی بھی ہر وقت منجمد رہتا ہے۔

اس سلسلے میں علماء وحکماء کے بہت سے بیانات ملتے ہیں جو زمین کے نقائص اور اس عالم بردرت پر جو زمین کی فنا کے مساوی سمجھی گئی ہے روشنی ڈالتے ہیں۔ اس جگہ بُرج سُنبلہ میں سُورج کا قیام سات ہزار سال بتایا گیا ہے جو عالم بشریت کی تمام عمر سمجھی گئی ہے۔ اس خطہ ارضی کی یہ حالت ابدی ہے۔

سُورج کی بُرجوں میں قیام کی مُدّتیں

سُورج کے بُرج حمل میں قیام کی مُدّت بارہ ہزار سال بتائی گئی ہے، بُرج ثور میں گیارہ ہزار سال، بُرج جوزاء میں دس ہزار سال، بُرج سرطان میں نو ہزار سال، بُرج اسد میں آٹھ ہزار سال، بُرج سنبلہ میں سات ہزار سال، بُرج میزان میں چھ ہزار سال، بُرج عقرب میں پانچ ہزار سال، بُرج قوس میں چار ہزار سال، بُرج جدی میں تین ہزار سال، برج دَلو میں ایک ہزار سال اور بُرج حُوت میں میں ایک ہزار سال۔ اس طرح مجموعی طور پر جملہ برجوں میں سُورج کے قیام کی مُدّت ۷۸ ہزار سال ہوتی ہے اور یہی مجموعی مدّت تخلیق عالم سے لے کر اس کی فنا تک بتائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں فریقوں نے ان حالات کا ذکر کیا ہے جب سورج شمال سے جنوب کی طرف اور جنوب سے شمال کی طرف اپنے اثرات منتقل کرتا ہے۔ ہم نے اسے اپنی کتاب "الزلف" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اجسام کی اقسام

اہل خبر کے بیانات کے مطابق جملہ خطّہ ہائے ارضی میں اوّل سے آخر تک اجسام کی تین اقدار ہوتی ہیں اور انھیں کی نسبت سے وہاں کے باشندوں کی شکل وصورت اور قد وقامت کے علاوہ ان کی عقول، ان کے نفوس اور ہیولے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جیسا ہم نے اپنی کتاب "الزلف" میں بتایا ہے اجسام کی درحقیقت چھ قسمیں ہوتی ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

جسم سماوی، جسم ارضی، جسم حیوانی ناطق، جسم حیوانی غیر ناطق، جسم نباتاتی اور جسم حجری یعنی معدنی۔ ان اجسام کے چار عناصر ہیں۔ وہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی ہیں۔

ان جملہ باتوں کا ذکر ہم نے ان میں فرفوریوس، افلاطون اور ارسطو کے مختلف بیانات کے حوالے سے اپنی کتاب "الرّؤوس السبیعہ، فی باب السیاستہ المدینیہ، وعدد اجزائہا وعللہا الطبیعہ" میں تفصیل سے کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ مختلف خطّہ ہائے ارضی میں لوگوں کی شکل وصورت، ان کے مزاج، ان کی طبیعتیں اور ان کی مناسبت سے ان کے پسندیدہ اذواق مختلف کیوں ہوتے ہیں ہم نے اس کی مثال سوڈانی، ترکی وغیرہ کے متعلق دی ہے۔ اسی طرح موسم گرما میں ہندوستان کی گرمی اور سوڈان میں گرمی کی شدّت کی وجہ بھی ہم بتا چکے ہیں کہ اس موسم میں وہاں سُورج ان خطّہ ہائے ارضی کے قریب ہوتا ہے اور موسم سرما میں ان خطّوں سے اس کا بُعد بڑھتا جاتا ہے۔ بہرکیف جو کچھ اوروں نے بیان کیا ہے اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں ہمیں ازروئے تحقیق اس پہ اصرار نہیں ہے

ویسے لوگوں نے انسانوں، حیوانوں اور جنّات کی بھی مختلف اقسام بیان کی ہیں مغرب کے حوالے سے انہوں نے نوعِ انسانی کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

ناس، نسناس اور نسانس

لیکن یہ اس لیے محال ہے کہ ناس ونسناس کے علاوہ باقی رہ جانے والی قسم ارذل ترین ہو جاتی ہے۔

اس طرح انہوں نے جنّات کی دو قسمیں بتائی ہیں: "اعلام" و "اشد" ان کے نزدیک جو طاقتور جنّ ہیں "ماجنہ" کہلاتے ہیں اور جو ضعیف ہیں وہ "جن" ہیں۔

بہرکیف جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جنّات کی یہ تقسیم اجسام عربوں کے توہمات کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

انسان کی تقسیم اجسام کے بارے میں بھی عبداللہ بن سعید ابن کثیر بن عفیر مصری وغیرہ کے مختلف بیانات ملتے ہیں۔

ہم نے اس کتاب سے پہلی کتاب میں بتایا ہے کہ خلیفہ عباسی المتوکل نے حنین بن اسحٰق اور اپنے زمانے کے دوسرے حکماء کو حکم دیا تھا کہ وہ مختلف خِطّہ ہائے ارضی کی مٹی کے نمونے لاکر بتائیں کہ وہاں نوعِ انسانی میں نسناس وغیرہ کس طرح پیدا ہوتے ہیں اور پھر اس تحقیق کا کیا نتیجہ نکلا تھا۔ بہرکیف ہم ان بیانات کی ذمّہ داری نہیں لیتے جیسا کہ ان راویوں نے نہیں لی جنھوں نے یہ روایات دوسروں سے نقل کی ہیں۔ لہٰذا ہم نے بھی ان روایات کو یہاں نقل کر دیا ہے۔ جن کی صحت و عدمِ صحت کا علم خدا ہی کو ہے۔

ہم نے اپنی پہلی کتاب میں خالد بن سنان عبسی کی روایات بھی نقل کی ہیں۔ یہ راوی جناب عیسٰی بن مریم اور محمد علیہما السلام کے زمانوں کے درمیانی وقفے میں گزرا ہے۔ ہم نے اس راوی کا آگ اور اس کے بجھنے کے متعلق بیان بھی اپنی اس کتاب میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔

عنقا

عنقا کے بارے میں خالد بن سنان عبسی کی روایت اور اس کے مآخذ کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے نیز ان کے بعد جو اطلاعات اس سلسلے میں ہم تک پہنچی ہیں ان کا ذکر بھی یہاں ضروری سمجھا گیا ہے جن کا اہم ماخذ ابن عفیر کی روایت ہے۔

حسن بن ابراہیم کہتا ہے:- ہم سے محمد بن عبداللہ مروزی نے یکے بعد دیگرے اسد بن سعید بن کثیر بن عفیر کے حوالے سے بیان کیا کہ اوّل الذکر نے اپنے باپ کثیر اور اس نے اپنے عفیر کی

روایت ابن عباس کے حوالے سے عکرمہ کی زبانی یوں نقل کی ہے کہ ابن عباس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے پہلے زمانے میں ایک پرندہ پیدا فرمایا تھا جو سب پرندوں سے اچھا تھا۔ اس کے اعضاء درجہ بدرجہ حُسن میں ڈھلے ہوئے تھے۔ اللہ نے اس کا منہ انسان کی شکل کا بنایا تھا۔ اس کے بازوؤں کے پَر طرح طرح کے رنگوں پر مشتمل تھے۔ اس کے دونوں جانب چار چار بازو یا پنکھ تھے۔ اس کے دونوں پنجوں میں زتیز اور لمبے) ناخن بھی تھے۔ اس کی چونچ عقاب کی چونچ کی طرح مضبوط تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اس پرندے کی مادہ بھی پیدا کی تھی اور ان دونوں کا نام عنقا ہی رکھا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسےٰ بن عمران (علیہما السلام) پر وحی بھی نازل فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ میں نے یہ عجیب وغریب پرندہ پیدا کر کے اس کی مادہ بھی پیدا کی ہے اور ان کی خوراک بیت المقدس کے جنگلی پرندے بنائے ہیں۔ تم ان سے انسیت رکھو اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہماری طرف سے عزت افزائی سمجھو۔ چنانچہ اس کے بعد اس پرندے کی نسل بڑھتی رہی یہاں تک کہ موسےٰ وہارون (علیہما السلام) تیہ میں چلے گئے اور انہیں وہاں گئے ہوئے چالیس سال گزر گئے تو موسےٰؑ، ہارونؑ اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کے جو لوگ وہاں گئے تھے سب وفات پا گئے اور وہاں اس نسل پر چھ ہزار سال گزر گئے تو اللہ تعالےٰ نے انہیں یوشع بن نون شاگرد موسےٰؑ اور ان کے وصی کے ساتھ تیہ سے نکالا۔ اس اثنا میں مذکورہ طائر بھی وہاں سے نجد وحجاز کی طرف اس سرزمین کی طرف جو بلاد قیس عیلان میں واقع ہے منتقل ہو گیا لیکن اس کو اب جنگلی چڑیوں کو کھانے کی عادت کے علاوہ چھوٹے بچوں اور لوگوں کے پالتو جانور کھانے کی بھی عادت پڑ گئی۔ اس زمانے میں بنی عبس میں اللہ تعالےٰ نے ایک نبی کو مبعوث فرمایا تھا۔ اب جیسا خالد بن سنان کی روایت سے پتہ چلتا ہے اور اس نے مختلف حوالوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ لوگ اس نبی کی خدمت میں اس پرندے کی (ظالمانہ) عادتوں کی شکایت لے کر گئے تو نبی نے اللہ تعالےٰ سے اس پرندے کی نسل ختم کر دینے کے لیے دُعا کی اور اس کے نتیجے میں اس پرندے کی نسل اللہ تبارک وتعالیٰ نے ختم فرما دی۔ اسی لیے اب اس پرندے (یعنی عنقا) کا ذکر صرف قصوں کہانیوں میں باقی رہ گیا ہے۔" چنانچہ اب اگر کوئی شخص عنقا کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب عجیب وغریب چیز، نادر الوجود چیز یا نہ پائے جانے والی چیز ہوتا ہے ویسے عَنق کے معنی سُرعت کے ہوتے ہیں۔

خالد بن سنان عَبْسی ؒ | ابن عباس کہتے ہیں کہ "خالد بن سنان عَبسی بنی عبس میں نبی ہوئے

ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرب میں مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی قوم کو وصیت کی کہ انہیں وفات کے بعد انہیں اطراف میں کہیں دفن کر دیا جائے۔ یہاں ایک عظیم رملی ٹیلہ تھا۔ انہوں نے یہ بھی وصیت کی کہ چند روز ان کی قبر کی وہاں حفاظت کی جائے، پھر لوگ جمع ہو کر میری قبر کھولیں اور میری میت کو قبرستان میں لے جا کر دفن کرنے لگو تو اس وقت کسی کاتب کو بُلا لانا وہ ان واقعات کو لکھتا جائے جو میں لکھاتا جاؤں اور وہ قیامت تک پیش آنے والے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کی قبر کی تین تین کر کے نو دن تک حفاظت کی۔ اس وقت ایک گدھا ان کی قبر کے قریب آ کر گھاس چرنے لگا۔ ان لوگوں نے اس روز خالد بن سنان عبسی کی قبر کھولنا چاہی تا کہ ان کی وصیت کے مطابق ان کی لاش قبرستان میں منتقل کر دی جائے کہ اچانک خالد کا بیٹا ننگی تلوار لے کر وہاں آ پہنچا اور ان لوگوں سے بولا۔

"خبردار! جو تم نے اس قبر کو کھولا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ بعد میں آنے والی عربی نسلیں یہ کہیں کہ مُنبوش کی اولاد ایک قبر کی حفاظت بھی نہ کر سکے۔"

چنانچہ ان لوگوں نے خالد بن سنان عبسی کی قبر کو وہیں رہنے دیا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس کے برسوں بعد خالد کی نسل کی ایک بُڑھیا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو بڑے احترام سے سلام کیا اور آپ کی سلامتی کے لیے دُعا کی۔ آپ نے اسے نبی کی بیٹی کہہ کر خطاب فرمایا اور اسے مرحبا کہا۔

ابن عضیر کی بیان کردہ اور بہت سی باتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔

چوپایوں کی تخلیق

عضیر کی بیان کردہ باتوں میں ایک چوپایوں کی تخلیق کے بارے میں بھی اسے حسن بن ابراہیم شعبی القاضی نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: "ہم سے ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ مروزی نے بیان کیا کہ "مجھ سے ابو الحارث اسد بن سعید بن کثیر بن عضیر نے اپنے باپ، دادا اور پردادا کے حوالے سے کہا کہ اس کے پردادا عضیر نے بیان کیا ہے کہ اس سے عکرمہ نے اپنے آقا ابن عباس کے حوالے سے کہا کہ آخر الذکر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب اللہ تعالےٰ نے سواری کے جانوروں کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو جنوبی ہوا سے ارشاد ہوا: "میں نے تجھ سے ساری مخلوق پیدا کی ہے۔ اب تو ہر طرف سے ایک جگہ جمع ہو جا۔" چنانچہ ہوا ایک جگہ اکٹھی ہو گئی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے حضرت جبریلؑ سے ارشاد فرمایا کہ اس پہ قبضہ کریں تو جبریل نے اس پہ قبضہ کر لیا۔" اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تب

اللہ تعالٰی نے گھوڑا پیدا کیا اس سے ارشاد فرمایا: "ہم نے تجھے عربی گھوڑا بنایا ہے جہاں جہاں سواری کے جانور پیدا کیے ہیں اور ان کے لیے رزق اتارا ہے ان سب جانوروں پر تجھے فضیلت بخشی ہے۔ تجھے ہم نے برکت بخشی ہے۔ تیری پیٹھ پر مالِ غنیمت آیا کرے گا، تیری پیشانی پر چمک دار نشان ہو گا اور تیری آواز ایسی ہو گی کہ اسے سُن کر مشرکین پر رُعب بیٹھے گا۔ ان کے کان پھٹنے اور ان کے قدم ڈگمگانے لگیں گے۔" پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالٰی نے اس گھوڑے کی نسل کا نام "عزبہ" اور "تحجیل" رکھا۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: "پھر جب اللہ تعالٰی نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ان سے پوچھا: "اے آدمؑ! تو گھوڑا پسند کرتا ہے یا بُراق؟ بُراق خچر کی شکل کا ہے لیکن نر یا مادّہ دونوں میں سے کوئی نہیں ہے" آدمؑ نے عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ اللہ تعالٰی تو نے مجھے ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا ہے، لہٰذا میں گھوڑے کو پسند کر کے وہی لیتا ہوں۔" چنانچہ آدمؑ نے گھوڑا لے لیا۔"

اس کے بعد اللہ تعالٰی نے آدمؑ سے ارشاد فرمایا: "تیرا پسند کردہ یہ گھوڑا تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے قیامت تک عزت کا نشان بنا رہے گا۔" ابن عباس کہتے ہیں اب یہ اصلی نسل کے وہی عربی گھوڑے "عزبہ" اور "تحجیل" کے نام سے ہمیشہ دنیا میں مشہور رہیں گے۔"

عیسٰی بن لہیعہ مصری نے اپنی کتاب "الحلائب والجلائب" میں اسلام کے دور اور قبل اسلام کے دور یعنی زمانہ جاہلیت کے زمانے کے گھوڑوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب بنی ازد میں سے ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس گھوڑے کا نام "زاد الراکب" رکھا۔ اس واقعے کا ذکر ابن درید نے بھی اپنی کتاب "الخیل" میں کیا ہے۔ کاش یہ مصنف اپنی تصنیف میں گھوڑوں کی نسلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا نسل کے عربی گھوڑوں کا ذکر بھی شامل کر لیتا تو لوگ اس کے بیان کو یقیناً علیٰ وجہ قبول کر لیتے۔

اخبارِ عالم پر تبصرہ

دنیا کی تاریخی خبروں پر جہاں تک تبصرات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایسی تمام اطلاعات جو علم وعمل دونوں کی مناسبت سے مفید خلائق ہوں ان پر یقین کرنا واجبات میں شامل ہے اور اگر وہ اس کے برعکس ہوں تو انہیں یقین کی حدود میں شامل کرنا ضروری نہیں ہے۔

کچھ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی اطلاعات مختلف شہروں کے فقہا اور علمائے دین کے ذریعے تواتر کے ساتھ ملتی ہوں تو وہ علم وعمل دونوں اعتبار سے قابل قبول ہیں چہ جائیکہ وہ مفید

خلائق بھی ہوں۔ یہ آخری بات ان کے علم میں آنے کے بعد واجب العمل ہونے میں اضافی حیثیت رکھتی ہے۔

دنیا کی تاریخی خبروں کی قبولیت اور عدم قبولیت نیز علم کے ساتھ ان پہ عمل کے سلسلے میں بعض لوگوں نے ان اسباب کے علاوہ جو سطور بالا میں پیش کیے گئے کچھ اور اسباب بھی بتائے ہیں۔

مثلاً ہم نے نسناس، عنقا اور تخلیق خیل کے بارے میں جو ذکر کیا ہے اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ روایات علی التواتر احادیث نبوی کے ذریعہ بیان کی گئی ہیں اس لیے انہیں علم الیقین کے علاوہ حق الیقین کا درجہ دینا واجبات میں داخل ہیں۔ ان روایات کے علاوہ جو ایسی روایات ہمارے علم میں آئیں جن پہ عمل ضروری ہو بتایا گیا اور ان کے راویوں کی ثقاہت بھی پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو ان پہ عمل واجب ہے جب کہ دوسری روایات خواہ وہ علی التواتر ہم تک پہنچیں اور ان کے راوی بھی چاہے ثقہ ہی کیوں نہ ہوں انہیں حق الیقین کا درجہ دینا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ان کے سلسلے میں راویوں کی ذاتی تحقیقات کا علم ہونا ضروری ہوگا۔ ہم نے اس کتاب میں ایسی جملہ روایات جمع کر دی ہیں لیکن ان پہ تفصیلی تبصرے اختصار کے پیش نظر چھوڑ دیے ہیں۔ یہاں صرف کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

روایات کی مثالیں

ان روایات کی ایک مثال "روایت قرد" ہے جو بنی اسرائیل کے عہد میں ایک کشتی اور ایک ایسے شخص کے بارے میں ہے جو کشتی میں شراب فروخت کر رہا تھا اور اس میں پانی ملا کر ان لوگوں کو دے رہا تھا جو اس کے ساتھ اس کشتی میں سوار تھا اور ان سے کثیر تعداد میں درہم وصول کر رہا تھا۔ قرد عراق میں لوگوں کی جیبوں سے ناجائز طور پہ نقدی نکالنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ وہ شخص کشتی کی سواریوں سے کشتی کا کرایہ بھی وصول کر رہا تھا اور اس پانی کی قیمت بھی جو وہ انھیں شراب میں ملانے کے لیے دے رہا تھا۔ وہ پانی الگ سے قیمت پہ بھی نہیں دیتا تھا بلکہ اس کے ساتھ شراب خریدنا لازم کر رکھا تھا، اس لیے اس کا یہ تمام عمل قرد کے تحت آتا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری روایت ہے جو شعبیؒ نے فاطمہ بنت قیس کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کے طور پہ بیان کی ہے۔ وہ روایت یوں ہے کہ شعبیؒ نے فاطمہ بنت قیس سے اسے سنا اور فاطمہ بنت قیس نے نیز چند دیگر صحابیوں نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تمیم داری نے آپ سے بیان کیا:-

"میں اپنے کچھ چچازاد بھائیوں کے ساتھ سمندر میں ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا کہ سمندر میں طوفان آ گیا اور سمندر کی لہروں نے ہماری کشتی کو بہا کر ایک جزیرے پر لے جا ڈالا۔ جب ہم کشتی سے اس جزیرے میں اُترے تو ہم نے وہاں ایک بہت بڑا چوپایہ دیکھا جس کے جسم پر لمبے لمبے بال تھے جو اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے اس چوپائے سے پوچھا: "اے چوپائے تو کون ہے" اس نے جواب دیا میں جسّاسہ ہوں جو عام لوگوں کو آخری زمانے میں نظر آؤں گا۔ پھر وہ چوپایہ تمیم کے بقول تمیم اور اس کے ساتھیوں کو قریب کے ایک محل میں لے گیا جہاں انہوں نے ایک شخص کو زنجیروں میں سر سے پاؤں تک جکڑا ہوا دیکھا۔ وہ شخص ان لوگوں سے مخاطب ہوا اور انھیں بتایا کہ میں دجال ہوں، زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باوجود سر پر گوشت کے لوتھڑے اُٹھائے پھرتا ہوں لیکن مدینے میں (کوشش کے باوجود) داخل نہیں ہو سکتا۔

یہ حدیث اور ایسی بہت سی احادیث بڑی طویل طویل شرحوں کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اب ہم پھر اکنافِ عالم کی آب و ہوا اور اس کے خواص کی طرف آتے ہیں جو ہم اس سے قبل سطورِ بالا میں بیان کر رہے تھے۔ ہم نے انھیں زیر نظر کتاب سے پہلے اپنی ایک اور کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہاں ان کا ذکر موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے بالاختصار کیا جا رہا ہے۔

اطبائے قدیم و جدید اور علوم طبیعات پر کتابوں کے مصنّف لکھتے ہیں کہ جسم میں خوراک کے قوائے انہضام تین ہیں۔ ان میں پہلا معدہ ہے جو خوراک ہضم کر کے اسے مقطر پانی بنا دیتا ہے اور اس مقطر پانی کو جگر کی طرف منتقل کر دیتا ہے جو دوسری قوت انہضام ہے۔ یہ دوسری قوت انہضام اس پانی کو جسم کے دوسرے اعضا تک اس طرح پہنچاتا ہے جیسے کوئی نہر یا کنویں کا پانی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ یہ پانی دراصل خوراک کا نچوڑ ہوتا ہے جس سے جسم میں گوشت اور چربی کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جن رگوں کے ذریعے جگر خوراک کے اس نچوڑ کو جسم کے مختلف حصوں میں پہنچاتا ہے وہ قوائے انہضام میں تیسری قوت کہلاتی ہیں۔ اگر قوائے انہضام کا یہ عمل درست حالت میں کام کرتا رہے تو انسان خدا کے فضل سے تندرست رہتا ہے۔

سال کی مختلف فصلیں

سال بھر میں عموماً چار فصلیں (موسم) ہوتی ہیں۔ سردی، گرمی، جاڑے اور برسات کے فصل۔ عربی میں ان کے نام یہ ہیں:-

"صیف، خریف، شتا اور ربیع"

صیف کی فصل صفراوی، خریف کی سوداوی، شتا کی بلغمی اور ربیع کی فصل دمی کہلاتی ہے کیونکہ اس میں خون زیادہ مقدار میں پیدا ہوتا ہے۔

یہی حال انسان کی عمر کا ہے یعنی اس کی عمر بھی چار حصوں میں تقسیم ہوتی ہے انسان کی عمر کا پہلا حصہ صبا ہے جو تولید و تقویت خون کا حصہ ہے، دوسرا حصہ شباب ہے جو صفراویت کے غلبہ کا حصہ ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ کہولت کہلاتا ہے جس میں سوداویت بڑھتی ہے اور چوتھا حصہ شیخوخت یا بڑھاپا کہلاتا ہے اور اس حصے میں بلغم کا غلبہ رہتا ہے۔

اسی طرح دنیا کی سمتیں بھی چار ہیں جو یہ ہیں:۔

مشرق - یہ طبعاً حرارت اور رطوبت میں مشہور ہے اور اس جگہ خون کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے

جنوب - یہ سمت طبعاً برودت اور خشکی میں شہرت رکھتی ہے۔ یہاں سوداویت کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے۔

مغرب: دنیا کی یہ سمت طبعاً برودت و رطوبت میں خصوصیت رکھتی ہے اور اس خصوصیت کی وجہ سے بلغمی کہلاتی ہے۔

شمال: دنیا کی اس سمت میں حرارت و خشکی کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ صفراوی کہلاتی ہے۔

ویسے انسان کے جسم میں عموماً ان سمتوں کے لحاظ سے مادوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن قدرتاً اس میں توازن و اعتدال قائم رہتا ہے کیونکہ اس میں ان جملہ مادوں کا اختلاط پایا جاتا ہے۔

بقراط کہتا ہے کہ کائنات ارضی و سماوی کے سات حصے ہونا فطرتاً لازمی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ دیکھو نظام شمسی میں ستارے بھی سات ہیں، دنیا کی اقالیم بھی سات ہیں۔ ہفتے کے دن بھی سات ہیں اور انسان کی عمر کے بھی سات حصے ہیں۔ ان میں پہلا بچپن ہے جو ۱۴ سال کی عمر تک رہتا ہے۔ اس کے بعد لڑکپن ہے جو ۲۱ برس کی عمر تک رہتا ہے۔ اس کے بعد شباب ہے جس کی فطری حد ۲۲ سال سے ۳۵ سال تک ہے۔ اس کے بعد چالیس سال تک کہولت کا زمانہ ہوتا ہے اس کے بعد بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے جو ۷۰ سال تک رہتا ہے۔ اس کے بعد دو حصے کمی زیادتی کے اعتبار سے انتہائی بوڑھاپے کے ہیں جو آخر عمر تک چلتے ہیں۔

انسان اور حیوان میں ہوا کے اثرات

انسانوں اور حیوانوں کے مزاج میں جو تغیر پیدا ہوتا ہے اس کا انحصار ہوا پہ ہے۔ بقراط کا کہنا

ہے کہ ہوا کے تغیر سے انسان کے مزاج میں غضب اور سکون کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں ۔ یہی حال ہم جوئی اور مسرت و سرور کی کیفیات کا ہے جو ہوا ہی کے تغیر سے پیدا ہوتی ہیں ۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ہوا میں اعتدال ہو تو انسان کا مزاج بھی معتدل رہتا ہے اور اس کے اخلاق پر بھی اس کا اچھا اثر پڑتا ہے ۔

بقراط نے یہ بھی کہا ہے کہ نفس کی قوت بدن کے مزاجوں کے تابع ہوتی ہے اور بدن کے مزاج ہوا کے زیر اثر ہوتے ہیں ۔ ہوا کے مزاج بھی مختلف ہوتے ہیں ، وہ کبھی تیز و تند ہوتی ہے ، کبھی نرم رو ، کبھی سرد ہوتی ہے کبھی گرم ، ہوا کے یہی تغیرات انسان کے مزاج پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ اگر ہوا میں اعتدال ہو تو انسان کا مزاج بھی معتدل رہتا ہے لیکن یہ زمین کے مختلف حصوں کی ہوا پر منحصر ہے ۔

انسانی اشکال پر ہوا کی تاثیر

انسانی اشکال کے اختلاف کے بارے میں بھی اہل علم کا استدلال یہ ہے کہ ان کا اختلاف زمین کے مختلف خطوں کی ہوا کے اختلاف کی وجہ سے ہے ۔ ظاہر ہے کہ دنیا کی ہفت اقلیم کے باشندوں کی نہ صرف شکل وصورت بلکہ ان کے قدو قامت ، ڈیل ڈول وغیرہ بھی ہوا کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں ۔ سرد خطوں کے افراد پر وہاں کی ہوا کا اور گرم خطے والوں کے مزاج بلکہ اخلاق و عادات تک پر وہاں کی ہوا کا اثر پڑتا ہے ۔ مصر ہو یا کوئی اور جگہ سب کا یہی حال ہے ۔ سرد ملکوں کے مردوں کے مزاج بھی عورتوں کے مزاج کی طرح نرم و نازک ہوتے ہیں ۔ وہاں کے مردوں کی شکل وصورت میں بھی نزاکت پائی جاتی ہے جبکہ گرم ملکوں کے مردوں کی طرح وہاں کی عورتیں بھی گرم مزاج ہوتی ہیں ۔ لوگوں کا رنگ روپ بھی ہواؤں کے زیر اثر ہوتا ہے ۔ سرد ملکوں کے لوگوں کا رنگ سفید ہوتا ہے ، ان کی انگلیاں بھی گرم ملکوں کے لوگوں کے برخلاف نرم و نازک ہوتی ہیں اور ان کی ساخت بھی گرم ملکوں کے باشندوں کی انگلیوں کی ساخت سے مختلف ہوتی ہے ۔ یہ سب ہوا ہی کے اثرات ہیں ۔

حکیم بقراط نے یہ بھی کہا ہے کہ ہوا کا اثر نہ صرف انسانی اجسام تک محدود ہے بلکہ اس کا اثر نباتات اور اشجار تک پر ہوتا ہے جہاں جہاں کی ہوا معتدل ہے وہاں کے لوگوں کے اجسام ہی میں توازن و اعتدال نہیں پایا جاتا بلکہ وہاں کے حیوانات بھی اسی نسبت سے ڈیل ڈول میں خوب صورت ہوتے ہیں ۔ ایسی خوش گوار ہوا کا اثر پانی تک پر ہوتا ہے جو اس ہوا کے اثر

سے خوش گوار اور شیریں اور خنک ہوتا ہے۔

اس نے حفظانِ صحت کے سلسلے میں بھی آب و ہوا کے اثرات کا ذکر کیا ہے اور اس کا استدلال علم و تجربے کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہے۔

ہوائے جنوب کے اثرات

حکیم بقراط نے جنوب کی ہوا کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس ہوا سے سمندروں اور دریاؤں کی طغیانی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کے رنگ و روپ پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ لوگوں کے اجسام و اعصاب بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اعصاب میں کسلمندی پیدا ہوتی ہے اور ثقل سماعت کی وجہ بھی وہاں کی ہوا ہی ہے۔ آنکھوں کی بینائی بھی اسی وجہ سے کم ہوجاتی ہے کہ رطوبت کی کمی جملہ اعصاب کی حرکات کو کم کردیتی ہے کیونکہ اعصاب حِس کی کمی بیشی سے متاثر ہوتے ہیں۔

ہوائے شمال کے اثرات

ہوائے جنوب کے برعکس ہوائے شمال میں اجسام مقوی اذہان قوی تر، رنگ صاف، حواس مجتمع، قوت رجولیت میں اضافہ، حلق صاف اور سینہ کدر سے خالی رہتا ہے۔

حکمائے اسلام نے عراق کے حوالے سے ہوا کے اثرات پر جو گفتگو کی ہے وہ کم و بیش اس سلسلے میں بقراط کے اقوال سے مطابقت رکھتی ہے۔

بقراط نے چوطرفہ ہواؤں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بھلے بُرے اثرات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور مشرقی، مغربی جنوبی اور شمالی ہواؤں کے اثرات اور ان کی نرمی و گرمی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں ہوا کے مختلف اثرات کے اجمالی ذکر کے علاوہ ان کا ذکر اپنی دوسری کتابوں میں کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ اب زیرِ نظر باب کے اختتام سے پہلے ہم سطح ارضی کی مساحت پر گفتگو کرتے ہوئے فرازی مصنّف کتاب "الزیج والقصیدہ فی ہیئت النجوم والفلک" کے حوالے سے دنیا کے مختلف حصوں کے درمیان قرب و بُعد پر روشنی ڈالیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

مساحات ممالک اور ان کے مابین مسافت کا قُرب و بُعد

امیر المومنین حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں اسلامی حکومت کے ممالک میں جو پیمائش کرائی گئی تھی اس کی رُو سے فرغانہ سے اقصائے خراسان اور وہاں سے مغرب میں طنجہ تک طول میں تین ہزار سات سو فرسخ ٹھہری تھی اور عرض میں باب الابواب

سے لے کر جدہ تک چھ سو فرسخ نکلی تھی۔ اس کے علاوہ باب الابواب سے بغداد تک تین سو فرسخ اور مکے سے جدہ تک ۳۲ میل ٹھہرائی گئی تھی۔

اسی زمانے میں دوسرے ممالک محروسہ کی مساحت حسب ذیل ٹھہرائی گئی تھی۔

چین کی مساحت : مشرق سے شروع کر کے	۳۱ ہزار فرسخ	×	۱۱ ہزار فرسخ
ہندوستان کی مشرقی مساحت :	۱۱ ہزار فرسخ	×	۷ ہزار فرسخ
تبت کی پیمائش :	۵ سو ″	×	۲۳۰ ″
کابلشاہ کی پیمائش :	۴ سو ″	×	۹۰ ″
تغزغز کا ترکی علاقہ :	۱۰۰ ″	×	۵۰۰ ″
ترکستان کا خاقانی علاقہ :	۷۰۰ ″	×	۵۰۰ ″
خزولان :	۷۰۰ ″	×	۵۰۰ ″
برجان :	۱۵۰۰ ″	×	۳۰۰ ″
صقالبہ :	۳۵۰۰ ″	×	۴۲۰ ″
رومی مساحت قسطنطنیہ میں :	۵ ہزار ″	×	۴۳۰ ″
شہر روم کی مساحت :	۳ ہزار ″	×	۷۰۰ ″
عبدالرحمٰن بن معاویہ کے زمانے میں اندلسی مساحت :	۳ سو فرسخ	×	۸۰ ″
ادریس فاطمی کی قلمرو :	بارہ سو فرسخ	×	۱۲۰ ″
ابنیہ کی مساحت :	۲۵۰۰ ″	×	۷۰۰ ″
ساحل سجلماسہ بنی منتصر کے زمانے میں :	۴۰۰ ″	×	۸۰ ″
غانہ (بلاد الذہب) :	۱۰۰۰ ″	×	۸۰ ″
ودام کی مساحت :	۲۰۰ ″	×	۸۰ ″
نخلہ ″ ″ :	۱۲۰ ″	×	۶۰ ″
واح ″ ″ :	۹۰ ″	×	۴۰ ″
نُجبہ ″ ″ :	۲۰۰ ″	×	۸۰ ″
علاقۂ نجاشی :	۱۵۰۰ ″	×	۴۰۰ ″
زنجبار کی مساحت : (مشرق میں)	۷۰۰ ″	×	۵۰۰ ″

اُسطولا (احمد بن منتصر کے زمانے میں): ۴۰۰ فرسخ x ۲۰۰ فرسخ

اس طرح اسلامی ممالک محروسہ کی مساحت مجموعی طور پر طول میں ۴۸۰ ر ۲۷ فرسخ اور عرض میں ۲۵۰ ر ۲۵ فرسخ بتائی گئی تھی۔

جہاں تک زیرِ نظر باب میں اصول طب پر گفتگو کا تعلق ہے اس کی خبریں ریاضی و قیاس وغیرہ پر مبنی ہیں، اس میں لوگوں میں باہم اختلافات کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے اور اس باب میں اس کی شمولیت پر ہمیں کوئی تامل نہیں ہوا کیونکہ ہم نے جو کچھ یہاں درج کیا ہے وہ واثق باللہ کے زمانے کی ان اطلاعات پر مبنی ہے جس کی توضیح جزری نے اس کے سامنے کی تھی۔ واثق باللہ کی مجلس میں اس وقت حنین بن اسحٰق ابن ماسویہ، بختیشوع اور میخائیل جیسے ماہر فلاسفہ اور ماہرین طب موجود تھے۔ لہٰذا ہم نے ان کی تصدیقات پر اعتماد کیا ہے اور ان مذاکرات کو بلا تامل اس باب میں شامل کر لیا ہے۔

ان مذاکرات کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں بھی انہیں تصدیقات پر اعتماد کرتے ہوئے دی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب (۲۹)

مُتبرّک عبادت گاہیں، مقدّس ہیکل، شمس و قمر اور بتوں کی پرستش گاہیں، کواکب اور دیگر عجائبِ عالم

ہندوستان میں عبادت اور اس کے اصنام

ہندوستان، چین اور ان کے اطراف کے اکثر لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا جسم رکھتا ہے اور فرشتے بھی جسم رکھتے ہیں جن کی اقدار مختلف ہیں۔ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ چونکہ باری تعالیٰ آسمان پر مخفی ہے اس لیے انہوں نے اس کی خیالی صورت پر بُت تراش لیے تھے اور ان کے لیے بُت خانے تعمیر کر رکھے تھے۔ بعض بُت انہوں نے ملائکہ کی خیالی صورتوں پر بھی تراش کر انھیں بُت خانوں میں رکھا تھا اور دونوں کی ان دیکھے خدا کی طرح پرستش کرتے تھے۔ کچھ بُت انھوں نے انسان کی شکل و شباہت کے بھی بنائے تھے اور ان کی بھی اسی طرح پرستش کرتے تھے۔ ان کے خیال میں قربِ خداوندی کے حصول کا یہی طریقہ تھا۔ وہ اس طریقے پر مدتوں چلتے رہے اور ان کے تمام شہروں میں عبادت کا یہی طریقہ رائج رہا۔

کواکب کی پرستش اور ان کے لیے اصنام تراشی

ان کے کچھ حکماء نے انہیں یقین دلایا کہ پتھروں کے بتوں کے علاوہ ستارے بھی معبودِ حقیقی کی شکل رکھتے ہیں اور ان کی شکلیں زمین سے نظر بھی آتی ہیں۔ چنانچہ ان کی یقین دہانی پر اہلِ ہند اور چین نے ستاروں کی شکل کے بُت بھی تراش لیے اور ان کے لیے عبادت خانے انہیں ستاروں کے نام پر تعمیر کر کے وہاں ان کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو گئے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ستارے خدا کے حکم سے حرکت کرتے ہیں اس لیے وہ انہیں بھی قربتِ خداوندی کا ذریعہ سمجھتے رہے۔ وہ اس طریقے پر مدتوں چلتے رہے لیکن جب انہوں نے محسوس کیا ستارے دن کے وقت اور رات کے بعض اوقات

میں روپوش ہو جاتے ہیں تو انہوں نے کچھ بڑے ستارے خصوصاً سات ستارے عبادت کے لیے مخصوص کر لیے اور ان کے نام پر عظیم بُت خانے تعمیر کر کے وہاں ان کے بُت تراش کر رکھ دیے۔ اُنھوں نے پرستش کے لیے مختلف ستارے انتخاب کیے تھے، اس لیے ان کے بُت خانے یا منادر بھی ان ستاروں کے نام پر مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے تھے۔

اپنے حکماء، منجموں اور ہیئت دانوں کے اقوال کے مطابق وہ زحل کو سب سے بڑا اور متبرک ترین ستارہ سمجھتے تھے، اسی لیے اُنھوں نے اس کی شکل کے بُت تراش کر ان کی پرستش کے لیے جو عبادت گاہیں تعمیر کی تھیں وہ انہیں بیت الحرام سمجھ کر ان کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ یہ عبادت گاہیں اُنھوں نے قریب ہر بڑے شہر میں تعمیر کر رکھی تھیں۔ وہ ستارہ زحل کے جو اوصاف بیان کرتے تھے ہم نے اسے ایک فعل شنیع سمجھ کر اس کے ذکر سے یہاں احتراز کیا ہے۔

پہلا خدا پرست مہاتما بدھ

مذکورہ بالا طور پر بت پرستی کرتے ہوئے ہندیوں اور چینیوں کو مدتیں بیت گئی تھیں کہ وہاں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے بت پرستی سے منہ موڑ کر خدا پرستی کی تلقین کی۔ وہ ہندوستانی تھا جسے ہندی و چینی دونوں مہاتما بدھ[1] کے نام سے یاد کرتے تھے۔ وہ سرزمین ہند سے پہلے سندھ کی طرف گیا پھر سجستان و زابلستان گیا جو اس وقت فیروز بن کبک کی قلمرو میں تھے، وہ پھر کرمان ہوتا ہوا سندھ میں داخل ہوا۔ وہ اپنے نزدیک خود کو خدا کا فرستادہ انسان سمجھتا تھا جسے خدا نے اس کے بقول اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ہدایات کا واسطہ بنایا تھا۔

جب وہ سرزمین فارس میں پہنچا تو اس وقت طہمورث[2] وہاں کا حکمران تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس وقت وہاں جمشید کی حکومت تھی۔ بہرکیف بوداسف (بدھ) پہلا شخص تھا جس نے ان اطراف میں خدا کی پرستش اور زہد و عبادت کی لوگوں کو تلقین کی بلکہ اس لحاظ سے اسے ساری دنیا میں بُت پرستی کے اس دور میں بُت پرستی چھوڑ کر خدا کی پرستش کی تلقین کرنے والا پہلا شخص سمجھنا چاہیے۔

---

[1] عربی نسخے میں اس کا نام بوداسف لکھا ہے (شادانی)

[2] ایک نسخے میں طیموث لکھا ہے (مرتب)

بعض لوگوں نے بوداسف (بدھ) کو بھی خدا کا اوتار سمجھ کر اس کے نام پر بُت تراش لیے اور ان کی پرستش کے لیے اب تک مختلف حیلے بہانے تراش رکھے ہیں۔

جمشید اوّل جس نے لوگوں کو آتش پرستی کی ترغیب دی

ان اہل خبر نے جنھوں نے اس دنیا کے حالات اور اس کے حکمرانوں کا ذکر کیا ہے یہ بھی بتایا ہے کہ جمشید پہلا بادشاہ تھا جس نے دنیا میں پہلی بار آگ کی تعظیم و تکریم شروع کی اور اپنی رعایا کو بھی اس کی تعظیم و تکریم کی جانب رغبت دلائی۔ اس نے یہ کہا کہ آگ روشنی میں سورج اور ستاروں سے مشابہ ہے اور چونکہ نور کو ظلمت پر بہر حال ترجیح ہے اس لیے نور قابل تعظیم ہے۔

اس کے بعد لوگوں نے ناموں کی مناسبت سے قربت الٰہی کے حصول کے لیے نوری اشیاء کی پرستش شروع کر دی تاہم لوگ ایک مدت تک اس بارے میں مختلف الرائے رہے۔

عمرو بن لحی کا مکے میں اصنام لانا

عمرو بن لحی نے مکے میں بیت اللہ پر تسلط کے سلسلے میں لوگوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھا تو وہ جب سرزمین شام میں شہر بلقاء گیا اور اس نے وہاں لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتا پایا تو ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ وہ بولے۔

"ہم نے انھیں پرستش کے لیے اس لیے منتخب کیا ہے کہ ہم جب بھی ان سے مدد کے خواستگار ہوتے ہیں تو وہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ جب ہم ان سے پانی کے لیے دُعا کرتے تو وہ ہمیں پانی بھی دیتے ہیں اور جو بھی کچھ ہم ان سے مانگتے ہیں وہ مل جاتا ہے۔"

وہاں کے لوگوں سے یہ سُن کر اس نے ان سے ایک بُت مانگا جسے وہ ہُبل کہتے تھے اور ان سے وہ بُت لے کر وہ مکے آیا اور اسے خانہ کعبہ میں نصب کر دیا۔ ہُبل کے ساتھ ہی وہ بلقاء سے اساف اور نائلہ نام کے بُت بھی لایا تھا اور اس نے ہُبل کے ساتھ انہیں بھی خانہ کعبہ میں نصب کر کے اہل مکہ کو ان کی پرستش کی دعوت دی۔ مکے میں یہ بُت پرستی ظہور اسلام اور بعثت نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوتی رہی لیکن آپؐ نے مکے کے بُت خانے سے بُت ہٹا کر اسے پاک کر دیا اور خدائے واحد کی عبادت گاہ بنا دیا۔

بیت الحرام

اہل خبر نے یہ بھی بتایا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ان لائق تعظیم سات عبادت گاہوں میں سے جو چاند، سورج اور باقی پانچ بڑے ستاروں کے نام پر تعمیر کی گئی

تھیں ایک عبادت گاہ تھی جسے کچھ دوسرے ممالک کے باشندوں کی طرح اہل عرب بھی تعظیماً بیت الحرام کہتے تھے۔

اصفہان میں مجوسیوں کی عبادت گاہ مکے کی عبادت گاہ کے علاوہ ایک دوسری عبادت گاہ اصفہان کے اس پہاڑ کی چوٹی پر تعمیر کی گئی تھی جسے "مارس" کہتے تھے۔ اس عبادت گاہ میں بھی اصنام پرستی ہوتی تھی۔ وہاں اصنام پرستی اس وقت ختم ہوئی جب فارس کے بادشاہ بیشتاسف نے اپنے مجوسی ہونے کا اعلان کیا اور وہاں سے بُت نکال کر اصنام پرستوں کی اس قدیم عبادت گاہ کو آتش کدہ بنا دیا۔ مجوسی[1] اس عبادت گاہ کی آج تک تعظیم کرتے ہیں۔

ہندی معبد اصنام پرستی کے لیے دُنیا میں تیسری عبادت گاہ ہندوستان میں تھی جسے مندوسان[2] کہا جاتا تھا۔ اس عبادت گاہ میں مقناطیسی پتھروں اور دُوسرے خصوصی خواص سے متصف پتھروں سے تراشیدہ بُت نصب کیے گئے ہیں۔ ان بُتوں کی پرستش کی وجہ وہی قربت الی اللہ بتائی جاتی ہے۔ ان بتوں کے بھی طرح طرح کے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں جن کے بارے میں کوئی بحث میں پڑنا چاہے تو پڑے۔ ہم نے زیر نظر باب کے موضوع کے لحاظ سے یہ کہنا ضروری سمجھا کہ بُت پرستوں کی مشہور تیسری عبادت گاہ ہندوستان میں ہے۔

بلخ میں برامکہ کی عبادت گاہ دنیا میں چوتھا بُت کدہ بلخ میں تعمیر کیا گیا تھا جو بلاد خراسان میں ہے۔ یہ بُت خانہ بیت البرامکہ کہلاتا تھا۔ اسے "نوبہار" بھی کہتے تھے۔ اسے چاند کے نام پر فارس کے بادشاہ منوچہر نے تعمیر کرایا تھا اور اسی کے حکم سے وہاں اہلِ فارس بتوں کی پرستش کرتے تھے، اس بُت خانے میں کچھ سندات بھی رکھی گئی تھیں جن میں تحریر کردہ احکام کی پیروی اطراف وجوانب کے ہر حکمران کے لیے لازم تھی اور وہ اس تبکدے کے ساتھ ان کی تعظیم بھی کرتے تھے۔ اس بُت خانے میں ان حکمرانوں کے علاوہ جو وہاں اموال کثرت سے بھیجتے تھے عوام کی طرف سے بھی چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے نیز اس معبد کے لیے ایک (بہت بڑا) وقف بھی تھا۔ اس کا نام بیت البرامکہ اس لیے پڑا کہ اس کا پہلا متولی خالد بن برمک تھا، اس نے اس معبد کی بنیاد بھی رکھی تھی اور اس کی بنیادوں میں سینکڑوں گز حریر

---

[1] ایک نسخے میں یہودی لکھا ہے (مرتب)

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ "سندوساب" درج کیا گیا ہے (مرتب)

ڈالا گیا تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ جن عمارتوں کی بنیادوں میں کثرت سے حریر ڈالا جائے ان پر تیز و تند ہوائیں اثر نہیں کرتیں بلکہ اس سے سو گز سے زیادہ دور ہی رہ جاتی ہیں۔ اس فاصلے کے متعلق اختلاف رائے بھی تھا۔ بہرکیف یہ کاروائی تیز و تند ہواؤں سے تحفظ کے علاوہ اس سمندری علاقے میں آنے والے طوفانوں سے تحفظ کے لیے بھی کی گئی تھی جس سے یہ معبد گھرا ہوا تھا۔ ہم نے ان مشہور ترین باتوں کا ذکر کرنا یہاں ضروری نہیں سمجھا جو اب تک زبان زد خاص و عام چلی آتی ہیں۔

اہل روایت و تفسیر کا کہنا ہے کہ اس عبادت خانے کے دروازے پر جو نوبہار کہلاتا تھا فارسی زبان میں یہ لکھا تھا: "بوداسف کا قول ہے کہ بادشاہوں میں تین خصائل ہونا ضروری ہیں: عقل، صبر اور جمع مال و دولت۔" لیکن اس عبارت کے نیچے عربی میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بوداسف نے غلط کہا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ بندگان آزاد میں ان تین باتوں یا چیزوں میں سے ایک بھی ہو ان میں بوداسف کی بیان کردہ وہ تینوں خصائل یا چیزیں ہونا ضروری نہیں ہیں جو عبارت بالا میں اس باب السلطان پر تحریر کی گئی ہیں۔

غمدان صنعاء دنیا کا پانچواں قدیم بُت خانہ بلادِ یمن کے شہر صنعاء میں تھا جسے ضحاک نے ستارے زہرہ کے نام پر تعمیر کرایا تھا۔ اسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ کے حکم سے منہدم کرا دیا گیا تھا اور اب ہمارے زمانے یعنی ۳۳۲ ہجری میں وہاں مٹی کا ایک عظیم ٹیلہ اور کچھ کھنڈرات رہ گئے ہیں۔

جب وزیر علی بن عیسیٰ بن جراح یمن آیا اور اس نے صنعاء میں یہ ٹیلہ اور اس کے اطراف یہ کھنڈرات دیکھے تو اس نے وہاں لوگوں کے پانی پینے کے لیے ایک بڑا تالاب کھدوا کر اس جگہ کنواں بھی کھدوا دیا تھا۔

میں نے اُس غمدان کو دیکھا ہے جو ایک عظیم ٹیلے کی شکل میں باقی رہ گیا ہے اور وہاں کچھ کھنڈرات بھی ہیں جہاں بت کدہ غمدان کی بنیاد رکھی گئی تھی جو اب منہدم ہو چکی ہے۔ قلعہ کحلان کا حاکم اسعد بن یعفر اور اس کے ساتھ یمن کے کچھ معززین بھی غمدان آئے تھے۔ اسعد بن یعفر نے غمدان کو از سر نو آباد کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن لوگوں نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ اس جگہ کو ارضِ سبا کے ایک شخص نے آباد کیا تھا اور یہاں کے شہر کی بنیاد بھی اس نے رکھی تھی۔ اب خدا جانے یہ جگہ کن اثرات کی حامل ہو کیونکہ اس قدیم زمانے کے اثرات دُنیا پر اب تک حاوی چلے آ رہے ہیں۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس معبد کی بنیاد اُمیّہ بن ابی صلت کے جدامجد نے رکھی تھی۔ اس کا نام ابو

صلت اُمیہ تھا جو ربیعہ کے نام سے بھی مشہور تھا۔ اس کی مدح سیف بن یزن نے کی ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیف بن یزن کا ممدوح درحقیقت معدی کرب بن سیف تھا۔ ابواُمیہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور اس کا نام اصحاب فیل کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ یمن کے حکمران معبد غمدان کی چھت پر رات کے وقت شمعیں لے کر بیٹھتے تھے اور وہاں کے باشندے مسلسل تین راتوں تک یہ منظر دیکھا کرتے تھے۔

فرغانہ (خراسان) کا بُت خانہ

ازمنۂ قدیم کا چھٹا بُت خانہ جو بُت کدہ کاؤسان کے نام سے مشہور ہوا اسے کاؤس نے سبعہ سیارگاں میں سب سے بڑے ستارے سُورج کے نام پر تعمیر کرایا تھا اور اسے معتصم باللہ نے منہدم کرادیا تھا۔ اس کے انہدام کی دلچسپ کہانی ہم نے اپنی کتاب اخبار الزماں میں تفصیل سے بیان کی ہے۔

چین کا بُت خانہ

یہ بُت خانہ چین کے بالائی علاقے میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ بُت خانہ ازمنۂ قدیم کا ساتواں بُت خانہ تھا۔ اسے عامور ابن سوبل بن یافث بن نوح نے اسی بناء پر تعمیر کیا تھا جو ابھی بیان کی گئی یعنی کواکب کی حرکات وغیرہ کا اس میں خیال رکھا گیا تھا۔ سورج اور چاند کے علاوہ پانچ دوسرے بڑے ستاروں کی شکل پر وہاں رکھنے کے لیے بُت تراشے گئے تھے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسے قدیم ترکوں نے تعمیر کیا تھا۔ بہرکیف اس بتکدے کی ترصیع میں جواہرات استعمال کیے گئے تھے۔ اور اس میں ان جواہرات کی تاثیر کا خیال رکھا گیا تھا ان کے خیال میں جواہر ستاروں کے رنگ پر ہوتے تھے جیسے یاقوت، عقیق اور زمرد وغیرہ۔

اس بُت خانے کی اس طرح تعمیر کو اسرار چین میں شمار کیا جاتا تھا۔ انہوں نے اس کی بنیاد کا بڑا سبب اپنی عقلی رسائی کو ٹھہرایا تھا۔ انہوں نے اس میں حریر و دیبا اور ریشم سے جو ترصیع کی تھی اس کا سبب بھی وہ اجسام سماوی کی حرکات کو ٹھہراتے تھے۔ فرش سے لے کر چھت تک جو رنگ استعمال کیے گئے تھے اسے وہ کسی طائر سماوی کے پروں کا نمونہ قرار دیتے تھے جس کے پَر دُم سے لے کر اس کے سر تک مختلف الوان ہوتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ صانع عالم نے کواکب کو جس طرح تخلیق کیا ہے ہم نے بھی اسی نمونے پر اس بُت خانے کی تعمیر کی ہے۔ ان کے خیال میں جس طرح کسی طائر کی تخلیق کی گئی ہے۔ پھر اس سے انڈا وجود میں آتا ہے اور پھر چوزہ، یہی کیفیت ساری دنیا کی ہے جملہ اشیاء کا اتصال و انفصال اور تفرق و اجتماع باہمی بیٹھی اس ایک اصول پر ہے۔ اس میں انسان حیوان، نباتات و جمادات سب شامل ہیں۔ ان کے خیال میں ان چیزوں کا وجود عدم اور ان کے

تغیرات سب کواکب کی حرکات پر مبنی تھے۔ انہوں نے اس بتکدے کی دیواروں پر دیبا وحریر وسرج کے استعمال میں بھی یہی خیال کیا تھا کہ ان کپڑوں میں لہروں کا انداز بھی ستاروں کی حرکات کے مشابہ رہے۔ ان کی خیالی تصویریں زہرہ، مریخ، زحل، عطارد، مشتری نیز سورج اور چاند کی عطا کردہ قوتوں کی مظہر تھیں۔

ہم نے ان کے اقوال وعقائد بجنسہ یہاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

باب (۳۰)

یونانیوں کے نزدیک لائق تعظیم عبادت گاہیں

یونانیوں نے قدیم تنکدوں میں مندرجہ ذیل تین اور عبادت گاہوں کا اضافہ کیا تھا:۔

معبد انطاکیہ مذکورہ بالا تین یونانی عبادت گاہوں میں سے ایک عبادت گاہ سرزمین شام کے شہر انطاکیہ میں تعمیر کی گئی تھی جو شہر کے سرے پر واقع تھی۔ مسلمانوں نے پہلے پہلے وہاں ایک اقامت گاہ بنادی تھی تاکہ جو لوگ روم سے اس کی زیارت کے لیے بری و بحری راستوں سے آئیں تو وہاں قیام کر کے اپنے مراسم عبادات ادا کر سکیں۔ لیکن جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو اس معبد کو خود ہی منہدم کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قسطنطین اعظم نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد جب اپنے ملک میں دین عیسوی کی اشاعت شروع کی تھی تو انطاکیہ کی اس عبادت گاہ کو منہدم کرا دیا تھا۔ اس عبادت خانے میں سونے، چاندی کی بنی ہوئی اور مختلف جواہرات سے مرصع مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔

لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انطاکیہ کا یہ بُت کدہ اس میدان میں واقع تھا جہاں آج کل انطاکیہ کی جامع مسجد ہے اور وہ ایک عظیم ہیکل تھا۔ صابی (کفار) کہتے ہیں کہ اس عظیم ہیکل کو سقلابیوس (یونانی) نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ہیکل آج کل اس بازار کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے جسے آج کل بازار جزارین کہا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب معتضد باللہ ۲۳۹ سنہ ہجری میں انطاکیہ گیا تھا تو اسے اس عظیم عبادت گاہ کی عظمت رفتہ کی کہانی ثابت بن قرۃ ابن کرانی صابی حرانی نے سنائی تھی۔

اہرام مصر یونانیوں کی دوسری عبادت گاہ ان اہرام مصر میں واقع ہے جو فسطاط کے شہر یعنی میلو

دور سے نظر آتے ہیں۔

بیت المقدس

یونانیوں کا تیسرا معبد بیت المقدس تھا۔ اہل شریعت کہتے ہیں کہ اس کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے ڈالی تھی اور اس کی تکمیل ان کی وفات کے بعد ان کے لائق احترام فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی تھی۔

مجوسیوں کا کہنا ہے کہ اس مقدس عبادت گاہ کو ضحاک نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی آئندہ تجاویز کا ذکر جو اس عبادت گاہ کے بارے میں ضحاک کے پیش نظر تھیں بڑے طول طویل قصوں اور حکایات میں ملتا ہے جن کے بیان سے بخوف طوالت ہم نے یہاں احتراز کیا ہے۔

باب (۳۱)

قدیم رُومیوں کی مُقدّس عبادت گاہیں

معبد قرطاجنہ قدیم رومیوں کی نظر میں نصرانیت کے ظہور سے قبل جو پہلی عبادت گاہ لائق تعظیم و تکریم تھی وہ شہر قرطاجنہ میں تعمیر کی گئی تھی۔ یہی درحقیقت ٹیونس ہے جو بلاد قیروان سے آگے سرزمین مغرب یعنی سرزمین افرنگ میں شامل ہے۔ اس معبد کو ستارے زہرہ کے نام پر سنگِ رخام سے تعمیر کیا گیا تھا۔

فرنگی عبادت گاہ رومیوں کی دوسری عبادت گاہ یورپ میں ہے اور ان کے نزدیک اب تک حد سے زیادہ لائق تعظیم و تکریم سمجھی جاتی ہے۔

مقدونیہ کی عبادت گاہ رومیوں کی تیسری عبادت گاہ مقدونیہ میں تھی اور اسے بھی ستاروں کی اشکال پر تعمیر کیا گیا تھا۔

اس عبادت گاہ کا تفصیلی ذکر ہم اپنی پہلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔

باب (۳۲)

صقالبہ کی عبادت گاہیں

پہلی عبادت گاہ صقالبہ کے نزدیک ان کی پہلی مقدس عبادت گاہ دیارِ صقالبہ کے ایک پہاڑ پر تھی جسے فلاسفہ نے دنیا کا بہت بلند پہاڑ بتایا ہے۔ اس کی بنیاد رکھنے، اس کے لیے مختلف اقسام کے پتھر جمع کرنے اور اس عمارت کے رنگ برنگ قطعات کے بارے میں بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ اس کی عجوبۂ روزگار چھت کی بلندی اور اس کی صنعت کاری کے بارے میں بھی بہت سی حکایات مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس عبادت گاہ کی چوٹی پر طلوعِ سحر کے بعد سُورج کی پہلی کرن پڑتی تھی اور اس عمارت میں جو جواہرات استعمال کیے گئے تھے ان کی قیمت کا اندازہ زمانہ مستقبل میں بھی مشکل ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ سے جس پر یہ عبادت گاہ تعمیر کی گئی تھی مختلف آوازیں آتی تھیں اور لوگ انہیں سُنتے (اور سمجھتے) تھے۔

دوسری عبادت گاہ اس عبادت گاہ کو صقالبہ کے بعض بادشاہ بھی مقدس سمجھتے تھے۔ یہ عبادت گاہ صقالبہ کے "جبل اسود" پر تعمیر کی گئی تھی اور اس کے چاروں جانب خندق بنا کر اس میں عجیب طریقے سے پانی لایا گیا تھا۔ اس طرح یہ عبادت گاہ اس بہ آب خندق سے گھری رہتی تھی۔ اس خندق میں جو پانی بہہ کر آتا تھا اس میں کھانے کی اشیاء کے علاوہ لوگوں کے لیے بہت سی دوسری مفید اشیاء بھی نکل آتی تھیں۔

اس عبادت گاہ میں جو ایک عظیم بُت رکھا گیا تھا اس کی شکل سیاہ فام حبشیوں یا زنگیوں سے ملتی جلتی تھی، ویسے اسے مجسمے میں بوڑھا دکھایا گیا تھا، اس کے ہاتھ میں جو عصا تھا اس میں

مُردوں کی ہڈیوں کے ہار لٹکتے رہتے تھے۔ اس کے پاؤں میں بھی دھات سے بنے ہوئے حبشیوں کے چھوٹے چھوٹے مجسّمے اور مورتیاں پڑی رہتی تھیں۔

تیسری عبادت گاہ

صقالبہ کی تیسری عبادت گاہ بھی ایک پہاڑ پر تعمیر کی گئی تھی اور ایک سمندری خلیج سے گھری ہوئی تھی۔ اسے مرجان کے رنگ کے سُرخ اور زمرّد کے رنگ کے سبز پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے درمیان میں ایک عظیم گنبد رکھا گیا تھا۔ جس کے نیچے ایک بہت بڑا بُت نصب کیا گیا تھا۔ اس بُت کے اعضاء چار اقسام کے جواہرات سُرخ یاقوت، سبز زمرد، زرد عقیق اور سفید ہیرے سے بنائے گئے تھے۔ اس کا سر خالص سونے سے بنایا گیا تھا۔ اس بُت کے پہلو میں کسی لونڈی باندی یا خادمہ کی شکل کا ایک بُت تھا جو اس بڑے بُت کے احکام کی تعمیل کے لیے ہر وقت مستعد نظر آتی تھی۔ اس بُت کے سامنے ہر وقت خوشبوؤں کا دھواں اُٹھتا رہتا تھا۔ اس بُت کو صقالبہ کے ایک بہت قدیمی حکیم کے نام سے منسوب کیا گیا تھا۔ اس حکیم کے احکام کی باتیں اور بہت سی دوسری باتیں اہل صقالبہ سے سُننے میں آتی ہیں جنہیں ان کی ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ ان باتوں سے ان لوگوں کی عقول، عادات و اخلاق وغیرہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس پر ہم نے اپنی پہلی کتابوں میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

باب (۳۳)

صائبہ کے مقدس بت خانے وغیرہ اور ان سے متعلقہ باتیں

صائبہ کا ہیکل عقل

صائبہ نے اپنے جو بت خانے تعمیر کیے تھے انہوں نے ان کی بنیادیں اپنے نزدیک عقل کے تصورات اور مختلف کواکب کی اشکال و حرکات پر رکھی تھیں۔ انہوں نے جہاں تک میں سمجھا ہوں عقل اوّل یا عقل ثانی کے بارے میں جو تصورات قائم کر رکھے تھے وہ جیسا کہ المنطق کے مصنف نے کتاب النفس کے تحت تیسرے مقالے میں لکھا ہے اور اس سے قبل ثاسطیس نے علم النفس کی تشریحات اپنی ایک تصنیف میں پیش کیں تھیں وہ انہیں تصورات سے مستعار تھے۔ عقل اوّل اور عقل ثانی کا ذکر اسکندر افرودسی[1] نے اپنے اس مقالے میں کیا ہے جو علم النفس کی تشریحات پر مبنی ہے۔ اس مقالے کا عربی ترجمہ اسحاق بن حنین نے کیا ہے۔

صائبین کی مجموعی ہیکلیں

صائبین کی جملہ ہیکلیں حسب ذیل ہیں:۔
ہیکل صورہ، ہیکل نفس، ہیکل زحل، ہیکل مشتری، ہیکل مریخ ہیکل شمس، ہیکل عطارد، ہیکل زہرہ اور ہیکل قمر۔

ان ہیکلوں میں ہیکل صورہ و ہیکل نفس گول بنائی گئی تھیں، ہیکل زحل شش پہلو تھی، ہیکل مشتری مثلث، ہیکل مریخ مربع مستطیل، ہیکل شمس مربع، ہیکل عطارد کی شکل مثلث، ہیکل زہرہ بیچ میں مثلث ویسے مربع مستطیل اور ہیکل قمر شمس الشکل تھی، لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں صائبین

---

[1] ایک نسخے میں "افرودلیس" لکھا ہے (مرتب)

ان ہیکلوں کی ان اشکال پر تعمیر کے اسرار و رموز کو دریافت کرنے پر بھی) کسی کے سامنے بیان نہیں کرتے تھے۔

بہر کیف اہل حرّان کے ایک نصرانی نے جو حارث بن سنباط کے نام سے مشہور تھا اور صابئین کے قریب تر رہا تھا۔ بیان کیا ہے کہ صابئین کے ہیکلوں کی یہ اشکال مختلف حیوانات کی شکلوں پر تعمیر کی گئی تھیں اور دھواں کر کے وہ بعض کو آگ کی دھندلاہٹ کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ حارث بن سنباط کی بیان کردہ باقی تفصیلات ہم نے یہاں بخوف طوالت چھوڑ دی ہیں۔

آج کل یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک مذکورہ بالا ہیکلوں میں سے جو باقی ہیں ان میں سے ایک شہر حرّان کے باب رقہ میں مغلیتیا کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ آذر اور اس کے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بہت سے قصّے بیان کرتے ہیں جن کو دہرانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ویسے ابن عیشون[1] نے جو کافی ذی فہم و ذی شعور انسان تھا اور جس کی وفات ۳۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئی حرانیوں کے مذہب کے بارے میں جو صابئین کے نام سے موسوم تھے ایک طویل نظم لکھی ہے۔ جس میں اس نے مذکورہ بالا جملہ ہیکلوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان آوازوں کے اسرار و رموز سے بھی پردہ اُٹھایا ہے جو ان ہیکلوں میں نصب شدہ مختلف شکل کے بتوں کے منہ میں سے نکلتی تھیں اور جنہیں صائبین اسرار غیب میں شمار کرتے تھے۔ اس نے صائبین کے حوالے سے ان بتوں کے بارے میں اور بہت سی باتیں بیان کی ہیں جن میں ان بچوں کا بھی ذکر ہے جنہیں صائبین کے بتوں کے سامنے لے جاتے تھے تو ان کے رنگ بدل جاتے تھے یعنی صاف ہو جاتے تھے۔ اس راز کے بارے میں صائبین فلاسفہ یونان خصوصاً افلاطون کے اقوال کا حوالہ دیتے تھے نیز دوسرے فلاسفہ میں ہندی فلاسفہ کے اقوال بھی بیان کرتے تھے اور پھر ان اقوال کے مطابق ان بتوں کا سلسلہ آسمانی اجرام سے جا ملاتے تھے۔

وہ رُوح کے نقل مکانی کے بارے میں بھی فلاسفہ یونان و ہند کی طرح کچھ اپنے حکماء کے اقوال بھی بیان کرتے تھے مثلاً یہ کہ جسم اور رُوح الگ الگ چیزیں ہیں اور روح نفس ہے جو قابل انتقال ہے جب کہ جسم میں رُوح کے جوہر کا کوئی حصہ نہیں ہے فنا ہو جاتا ہے۔

---

[1] ایک نسخے میں ابن عیسون لکھا ہے (مرتب)

اس سلسلے میں افلاطون کی بیان کردہ بہت سی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اس علم اور دیگر علوم میں مہارت حاصل کرنے کے لیے اس کی ان موضوعات پہ لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعے کے علاوہ خود بھی غور و فکر کی عادت ڈالنا چاہیے۔ ویسے فلسفے کی کتب میں پانچ الفاظ کی معرفت ضروری ہے وہ الفاظ جنس، فصل، نوع، خاصہ اور عرض ہیں۔ اس کے بعد مقولات کی پہچان ضروری ہے جو شمار میں دس ہیں اور وہ جوہر، کمیت، کیفیت، اضافہ وغیرہ ان میں اضافی یا نسبتی چار بسائط ہیں جن میں الست آخری ہے۔ اس کے علاوہ زمان و مکان جدّہ، وضع، فاعل، منفعل آتے ہیں جن پہ عبور حاصل کرنے کے بعد طالب علم ترقی کر کے علم مابعد الطبیعات کی معرفت اوّل و ثانی کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔

میں نے شہر حرّان کے باب مجمع الصابئہ میں سریانی زبان میں لکھا ہوا ایک خط دیکھا ہے جو افلاطون کے اقوال پہ مشتمل ہے اور اس کی توضیح مالک بن عقبون[1] نے کی ہے۔ افلاطون کے بقول انسان بنات سماوی میں سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مشہور ترین شجر منکوسہ آسمان میں ہے جس کی جڑیں آسمان ہی میں ہیں لیکن اس کی شاخیں زمین میں ہیں۔ اسی طرح افلاطون کے نفس ناطقہ کے بارے میں اور بہت سے اقوال بیان کیے جاتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ سوال کرتا ہے کہ نفس بدن میں ہے جیسے شمس کے متعلق بتایا جائے کہ وہ گھر میں ہے یا گھر اس میں ہے۔ اس سلسلے میں افلاطون کے اقوال پہ استدلال کثرت سے کیا گیا ہے۔ روح کے انتقال کے بارے میں سطور بالا میں گفتگو ہو چکی ہے۔

اب ہم پھر مذہب صابئین کی طرف آتے ہیں جس پہ حرانیوں نے اکثر کتابیں لکھی ہیں اور ان کے احوال و کوائف تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

ان کتابوں میں سے فیلسوف ابی بکر بن زکریا رازی کی تصنیف کردہ ایک کتاب "المنصوری" میری نظر سے بھی گزری ہے۔ اس کتاب کے اصل موضوعات تو طب وغیرہ ہیں لیکن مذکورہ بالا مصنّف نے اس میں صابئین کے مذہب، حرانیوں اور انھیں میں سے جن لوگوں نے ان کے مذہبی عقائد کی مخالفت کی تھی ان کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ مخالفین کیماری کہلاتے تھے۔ ابی بکر محمد بن زکریا رازی نے اپنی مذکورہ کتاب میں بہت سی ایسی باتوں اور اشیاء کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے جن کا ذکر اکثر لوگوں کے نزدیک بُرا سمجھا جائے گا۔ اسی لیے ہم نے اپنی زیر نظر کتاب میں ان کے ذکر سے

---

[1] ایک نسخے میں مالک بن عقنون لکھا ہے (مرتب)

اجتناب برتا ہے، خصوصی طور پر اس لیے بھی کہ وہ جملہ چیزیں ہماری اس کتاب کے موضوع سے خارج ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ ان پر اظہار رائے ایک مؤرخ کے دیانت دارانہ اصول کے خلاف ہے۔

ہم نے اپنی دوسری کتابوں میں حرانیوں کے بارے میں مالک بن عقبونؒ[1] وغیرہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اس سے بعض مؤرخین نے اتفاق کیا ہے اور بعض نے اس کی صحت سے انکار کیا ہے مثلاً ثور اسودٗ (سیاہ بیل) کے بارے میں ان کے عمل کا ذکر کہ وہ اس سیاہ بیل کے منہ پہ پہلے تو نمک ملتے تھے جس سے اس کی آنکھیں خراب ہو جاتی تھیں، پھر وہ اسے ذبح کر کے اس کے ایک ایک عضو پہ نظر رکھتے تھے اور اس میں مختلف ستاروں اور دُوسرے اجرام سماوی کی مماثلت تلاش کرتے تھے۔ وہ اس سے سال کے مختلف اوقات کا حال جاننے کے علاوہ احوال قرابین اور عالمی اسرار و رموز نیز امکانات و محالات کا پتہ لگانے کی بھی کوشش کرتے تھے۔

حرّانیوں کی عبادت گاہوں کے علاوہ چین کے کچھ اطراف میں بھی مختلف الشکل قدیم عبادت گاہیں بھی سُننے میں آئی ہیں۔ ان میں سے ایک کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ شکل میں گول تھی اس کے سات دروازے تھے۔ اس میں داخلے کا جو مرکزی دروازہ تھا اس پہ ایک عظیم گنبد تعمیر کیا گیا تھا اور اس کی بُرجی پہ بہت بڑی مچھلی بنائی گئی تھی۔ اس گنبد کے چاروں طرف بیش قیمت جواہرات جڑے گئے تھے جن میں سے اب کوئی باقی نہیں ہے کیونکہ مختلف حکمرانوں نے ان کی جگہ نیزے بھالے نصب کر دیے تھے جو منعکس ہوتے تھے اور دُور سے چمکتے نظر آتے تھے۔ خدا جانے اُنھوں نے یہ سب کچھ کیوں کیا تھا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس ہیکل میں جو مختلف مقناطیسی پتھر استعمال کیے گئے تھے ان کے اثرات کو ملکی دفارغ کا سبب سمجھا جاتا تھا نیز اُن نیزوں بھالوں کو بھی وہ ملکی و قومی دفارغ کی علامت سمجھتے تھے۔ اب یہ سب کچھ کرنے والے تو فوت ہو چکے ہیں لہٰذا انھوں نے جن اسباب کی بناء پہ یہ قدم اُٹھایا تھا اب اُن پہ کون روشنی ڈالے؟ ویسے اس ہیکل میں ایک کنواں بنایا گیا تھا جس کا منہ ہفت پہلو تھا۔ کہتے ہیں اس کنویں میں جو حد درجہ گہرا تھا جن لوگوں نے اُترنے کی جسارت کی تھی اُنھوں نے بتایا تھا کہ اس کے دہانے سے کچھ نیچے اُترنے کے بعد ایک تختی جو اس کی گولائی کے نصف دائرے

---

[1] ایک نسخے میں" مالک بن عقنون لکھا ہے (مرتب)

میں نصب کی گئی تھی اس پر بہت قدیم زبان میں ایک تحریر ملی تھی جس کا مضمون یہ تھا :۔

"اس کنوئیں میں (بیش قیمت و منزلت) کتابوں کا ایک خزانہ ہے۔ جو شخص اس کنوئیں میں اُتر کر ہماری طرح اس کی تہ تک پہنچے گا وہ یقیناً ہماری طرح اہل علم و اہل حکمت میں سے ہوگا تو وہ ان کتابوں میں تحریر شدہ اس ہیکل کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کرلے گا ورنہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم آئندہ نسلوں سے کہیں زیادہ کائنات کے اسرار و رموز سے واقفیت رکھتے تھے اور ہم میں تحقیق و تجسس کا ان سے زیادہ ذوق و شوق تھا۔ اگر ہماری جیسی ہمت و جرأت والا کوئی شخص اتنا کر سکا تو اسے اس ہیکل، اس کے قصے اور اس کنوئیں کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اگر وہ اس ہیکل کے انہدام کے بعد اس کنوئیں کو تلاش کر سکا تو اسے اس نادر روزگار ہیکل کے انہدام کا افسوس بھی ضرور ہوگا۔"

باب (۳۴)

سورج اور چاند وغیرہ کے نام پر تعمیر کردہ عبادت گاہیں

نار و نور کے بارے میں ان ہیکلوں کے معماروں کی رائے

ان ہیکلوں کی تعمیر اور ان میں عبادت کی رسوم کے سلسلے میں دور اوّل و ثانی کے جن شاہان فارس کا نام آتا ہے ان میں سرفہرست فریدوں کا نام ہے اس نے اور اس کے اہل و عیال نے سب سے پہلے ایک آتش کدہ تعمیر کرانے کے بعد وہاں آگ کی پرستش شروع کی تھی اور وہ اس کی حد درجہ تعظیم بجالاتے تھے۔ ان سے جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انھوں نے بتایا تھا کہ آگ جو نار ہے وہ خالق کائنات اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ ہے جو نوری اشیاء میں بھی شمار ہوتی ہے۔ نقل کفر کفر نباشد کا مفہوم سمجھنے کے باوجود ان کے نزدیک آگ کے اوصاف عالیہ کا ذکر ہم نے بمنزلۂ معصیت سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ انھوں نے نور کے بھی درجات اور مراتب مقرر کر رکھے تھے۔ وہ نار و نور کے طبائع میں فرق بھی بیان کرتے تھے، آگ کے متعلق وہ کہتے تھے کہ اس میں جاذبیت ہے، مثال میں وہ اس طائر کو پیش کرتے تھے جو رات کے وقت اپنے چہار جانب آگ محسوس کرتا ہے اور اس کی جاذبیت کی بناء پر اس میں جل کر بھسم ہو جاتا ہے، وہ اس سلسلے میں شمع اور پروانوں کی مثال بھی دیتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ شکاری رات کے وقت جو آگ روشن کرتے ہیں اس میں کچھ پرندے جاذبیت محسوس کرتے ہیں اور اس کی کشش سے خود شکاریوں کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ وہ مثال میں ان مچھلیوں کو بھی پیش کرتے تھے جو کشتیوں کے پیندوں میں لوہے کی کیلوں کی چمک دمک سے ان کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور پھر خود ان کے نیچے جا کر ہلاک ہو جاتی ہیں۔ نور میں وہ کل کائنات کی بھلائی کے

قائل تھے، انہوں نے عناصر کے مراتب پر بھی اظہار خیال کیا تھا۔ وہ آگ کے متعلق کہتے تھے کہ اسے ظلمت پر ترجیح ہے اس لیے وہ قابل تعظیم ہے لیکن پانی چونکہ آگ کو بجھا دیتا ہے اس لیے اسے آگ پر فوقیت حاصل ہے اور پانی ہی کائنات کے وجود کی اصل اور اس کا مبداء ہے۔ اسی لیے وہ اب بھی ہر ذی رُوح کی حیات کا ذریعہ ہے بلکہ نباتات اور پودوں کی نشو و نما کا انحصار بھی اسی پر ہے۔

آتش کدے اور ان کے اماکن

فریدوں نے آگ کے مذکورہ بالا اوصاف بیان کرنے کے بعد حکم دیا کہ اس کے تعمیر کردہ آتش کدے سے کچھ آگ خراسان لے جائی جائے۔ اس نے اس کے لیے طوس میں ایک آتش کدہ بھی تعمیر کرا دیا تھا۔ یہاں سے آگ بخارا لے جائی گئی تھی اور وہاں جو آتش کدہ تعمیر کیا گیا تھا اسے "بردسُورہ" کہتے تھے۔ اس کے بعد ایک آتش کدہ سجستان میں بھی تعمیر کیا گیا تھا جسے "کراکرکان" کہتے تھے۔ وہاں تک آگ کو بہمن بن اسفندیار بن بستاسف نے پہنچایا تھا۔ اس کے بعد آگ شہر شیزدان (شیراز) تک پہنچائی گئی تھی۔ اور اس کے لیے وہاں جو آتش کدہ تعمیر کیا گیا تھا اس میں آگ کے ساتھ بُت بھی رکھے گئے تھے جہاں سے اسے (آگ کو) نوشیرواں نے نکال دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نوشیرواں خود بھی آگ کی تعظیم کرتا تھا اور شیزدان میں آتش کدہ اس نے تعمیر کرایا جہاں سے آگ اس مقام تک لے جائی گئی تھی جسے برکہ[1] کہتے تھے۔

مذکورہ بالا آتشکدوں کے علاوہ ایک آتش کدہ جسے "کوسجہ" کہتے تھے۔ کیخسرو نے تعمیر کرایا تھا۔ ان اہل فارس کے نزدیک لائق تعظیم ایک اور آتش کدہ قومس میں بھی تھا لیکن یہ معلوم نہیں ہے کہ اسے فارس کے بادشاہوں میں سے کس نے تعمیر کرایا تھا۔

زردشت اور اس کے آتش کدے

اب تک جن دس آتش کدوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ زردشت سے پہلے جسے مجوسی نبی کہتے ہیں تعمیر کیے گئے تھے۔ ان میں آخری آتش کدہ وہ تھا جسے "جریش" کہتے تھے۔ اسے ایک بہت بڑے شہر میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کی عجیب و غریب عمارت بھی نادر روزگار تھی اور اس میں بڑی عجیب شکلوں کے بُت بھی رکھے گئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ جب یہ شہر تباہ ہوا تو وہ آتش کدہ بھی تباہ ہو گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں ایک اور آتش کدہ تعمیر کر کے وہاں آگ رکھی گئی تھی۔ بعض لوگ کہتے

---

[1] ایک نسخے میں "جو برکہ کے قریب تھا" لکھا ہے (مرتب)

ہیں کہ آخری آتش کدہ زردشت (زرتشت) سے پہلے فارس میں سیاوخس نے تعمیر کرایا تھا جسے "کنجدہ" کہتے تھے۔ اسکندر نے فارس پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد بھی اسے جوں کا توں رہنے دیا تھا۔ ویسے آگ مشرقی چین میں بھی جو برکند سے متصل ہے اسی کے زمانے میں لے جائی گئی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ارض فارس سے ارجان تک آگ بہراسف (بہراسپ) کے زمانے میں پہنچائی گئی تھی اور وہاں بھی اس کی پرستش کی جاتی تھی۔

مجوسیوں کے نبی زرتشت بن اسبیجان کے حکم سے جو آتش کدے تعمیر کیے گئے ان میں پہلا آتش کدہ خراسان کے شہر نیشاپور میں تھا۔ اس کے زیر فرمان ایک دوسرا آتش کدہ سرزمین فارس کے شہر "نسا والبیضا" میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس موقع پر زرتشت نے فارس کے بادشاہ بیشتاسف کو حکم دیا تھا کہ وہ اس آگ کو جسے فارس کا بادشاہ جمشید معظم و مکرم سمجھتا تھا کہیں سے منگوائے۔ چنانچہ وہ آگ شہر خوارزم میں ملی اور بیشتاسف نے اسے وہاں سے منگوا کر پہلے شہر دارا بجرد میں رکھا پھر وہاں سے اسے نیشاپور کے آتش کدے میں منتقل کیا گیا جسے اب تک "آذرجوی" کہا جاتا ہے جس کا مطلب "دریا کی آگ" ہوتا ہے۔ آذر آگ کا ایک دوسرا نام ہے اور جوی پہلے سرزمین فارس کے ایک دریا کا نام تھا۔ اس کی تعظیم تمام مجوسی ہر اس آگ سے زیادہ کرتے ہیں جو دوسرے آتش کدوں میں ہیں۔

اہل فارس کہتے ہیں کہ جب کیخسرو ترکستان میں جنگ کرتا ہوا خوارزم پہنچا تو اس کا گزر وہاں کے آتش کدے کی طرف بھی ہوا۔ جب اس نے اس کے اندر جا کر آگ جلتی دیکھی تو اسے تعظیماً سجدہ کیا اہل فارس یہ بھی کہتے ہیں کہ کیخسرو ہی نے اس آگ کو کاریان میں منتقل کیا تھا لیکن ظہور اسلام اور فارس پر مسلمانوں کے تسلط کے بعد مجوسیوں نے اس خوف سے کہ کہیں مسلمان اس آگ کو بجھا نہ دیں اس کا کچھ حصہ فارس کی ایک گمنام بستی "نسا والبیضا" منتقل کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں نے ان دونوں جگہوں میں سے اگر ایک جگہ کی آگ بجھا بھی دی تو دوسری جگہ باقی رہ جائے گی۔

اصطخر کا آتش کدہ

اہل فارس میں مجوسیوں کا ایک آتش کدہ اصطخر میں بھی تھا جو ازمنۂ قدیم سے چلا آتا تھا۔ اس جگہ حمایہ بنت بہمن بن اسفندیار نے ایک نیا آتش کدہ تعمیر کرایا تھا اور پہلے آتش کدے کی آگ وہاں نکلوا کر اس نئے آتش کدے میں رکھوائی تھی۔ یہ دوسرا آتش کدہ بھی اب ویران ہو چکا ہے۔ ہمارے زمانے کے لوگ کہتے ہیں کہ اس جگہ سلیمان بن داؤد کی مسجد تھی۔ اور وہ اب تک اس نام سے مشہور ہے۔ جب میں اس عمارت میں داخل ہوا تو وہاں ایک عظیم عمارت اور عجیب و غریب ہیکل کے آثار دیکھے۔ یہ جگہ شہر اصطخر سے کوئی دو

میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس عمارت میں سنگِ صخر کے ستون نادر روزگار ہیں۔ اس عمارت میں جو کبھی ایک بڑا بُت خانہ ہوگی اب بھی آثارِ قدیمہ کے طور پر حیوانات کی شکل کے بڑے عجیب وغریب اور عظیم الجثہ بُت رکھے ہوئے ہیں جو بیش قیمت پتھروں سے تراشے گئے ہیں۔ اس کی دیواروں پر بھی انہیں حیوانات وغیرہ کی روغنی تصاویر بنائی گئی ہیں۔ جو تصویریں ان میں انسانوں کی ہیں ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس قدیم عبادت گاہ میں آ چکے ہیں۔ اس عمارت کا جو حصہ پہاڑ کے زیریں حصے میں ہے وہاں رات اور دن کے کسی حصے میں ہوا کا گزر نہیں ہوتا۔ اہل فارس کے علاوہ مسلمانوں کا بھی یہی خیال ہے کہ یہاں حضرت سلیمان نے کبھی ہوا کو محبوس کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اب یہ ہوا صبح کو بعلبک میں رہتی ہے اور رات کو اس مسجد میں آ جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ اس مسجد کے لیے ملبہ بھی بعلبک سے لایا گیا تھا۔ بعلبک ارض شام میں عراق و دمشق اور حمص کے قریب ہے۔ شام کے علاقے سے اس کا فاصلہ پانچ یا چھ دن کے پیدل سفر کا ہے۔ یہاں عظیم پتھروں بلکہ بڑی بڑی چٹانوں سے تراشیدہ بلند و بالا مینار، ستون اور محرابیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں اب قحطانی قبائل کے عرب کثرت سے آباد ہیں۔

سابور کا آتش کدہ

سرزمین فارس کے شہر شاہ پور (عربی سابور) میں ایک عظیم آتش کدہ تعمیر کیا گیا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسے دارا ابن دارا نے تعمیر کرایا تھا۔

جور کا آتش کدہ

سرزمین فارس کے شہر جور میں بھی ایک آتش کدہ ہے۔ یہ وہ شہر ہے جہاں سے عرق وَرد پانی ملا کر باہر بھیجا جاتا ہے۔ یہ پانی اور وہاں کا عرق وَرد نہایت لطیف اور مصفا ہے۔ وہاں کے لوگ تو عرق ورد کو بھی پانی کی جگہ استعمال کرتے ہیں جس سے ان کے چہرے کے سفید رنگ میں سُرخی جھلکتی ہے۔ باہر والے عرق ورد دوا کے لیے منگواتے ہیں۔ وہاں سے پانی بھی ساری دنیا میں منگوایا جاتا ہے کیونکہ یہ نہ صرف انسان کو تندرست رکھتا ہے بلکہ نباتات پر بھی خوش گوار اثر ڈالتا ہے۔

فارس کے قصبے کوار سے ایک دُوسرے قصبے شیراز تک بیس میل کا فاصلہ ہے۔ کوار، شیراز اور جُور کے بارے میں اہل فارس بہت سی باتیں بیان کرتے ہیں جو طوالت سے خالی نہیں ہیں۔ فارس کے ایک اور قصبے میں جو "ماء النار" کے نام سے مشہور ہے ایک آتشکدہ پایا جاتا ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس وقت فارس میں بادشاہ کورش کا زمانہ

تھا۔ اس نے آپ کی ولادت کی خبر سُن کر آپ کی والدہ مکرمہ حضرت مریم (علیہ السلام) کے پاس تین آدمی روانہ کیے، ان میں سے ایک کو دُودھ کی تھیلی، دوسرے کو پھلوں کی تھیلی اور تیسرے کو سونے کے ٹکڑے بھر کر ایک تھیلی دی۔ انہوں نے جیسا کہ کورش نے انہیں ہدایت کی تھی ستاروں کی سمت دیکھ دیکھ کر راستہ طے کیا حتیٰ کہ وہ شام میں حضرت مریم (علیہ السلام) اور آپ کے بیٹے بشیر خدا پیغمبر خدا حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں جا پہنچے۔ ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ کورش نے آسمان پر ایک نیا ستارہ دیکھا تھا اور اس نے اس ستارے کی رہنمائی میں سفر کرنے کی ہدایت کی تھی ممکن ہے اس میں کچھ مبالغہ آرائی بھی ہو لیکن انجیل میں بھی اس کا ذکر موجود ہے کہ جب وہ لوگ سفر کرتے تھے تو وہ ستارہ آسمان پر ایک سمت کو چلتا تھا اور جب وہ کہیں قیام کرتے تھے تو وہ ستارہ بھی ٹھہر جاتا تھا گویا وہ ستارہ حضرت مسیح کی جائے ولادت کی طرف برابر نشاندہی کرتا رہا حتیٰ کہ کورش کے بھیجے ہوئے لوگ آپ کی جائے ولادت باسعادت تک جا پہنچے ہم نے یہ باتیں اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں بیان کرتے ہوئے کچھ لوگوں کے حوالے سے یہ بھی بتایا ہے کہ کورش کے فرستادہ لوگوں کے لیے حضرت مریم (علیہ السلام) نے روٹی اس طرح تیار کی کہ اسے صخرہ کے نیچے رکھ کر مٹی میں دبا دیا تھا لیکن وہاں قدرتی طور پر آگ پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت مریم (علیہ السلام) کے پاس پانی خود بخود آ جانے کا واقعہ بھی انہیں لوگوں سے منقول ہے۔ فارس کے مجوسیوں اور نصاریٰ کے بقول حضرت مریمؑ کے لیے پیدا شدہ آگ کورش کے لیے فارس لائی گئی تھی اور اس نے اسے مذکورہ بالا آتش کدے میں رکھا تھا۔

ایک اور آتش کدہ

ایک اور آتش کدے کی جو بار نوا کے نام سے مشہور ہے اردشیر نے فارس پر تسلط حاصل کرنے کے اگلے روز ہی بنیاد ڈالی تھی اس کے علاوہ ایک اور آتش کدہ روم میں خلیج قسطنطنیہ پر سابور بن اردشیر بن بابک نے تعمیر کرایا تھا سابور کو مؤرخین عام طور سے سابور الجنود لکھتے ہیں کیونکہ جب اس نے روم میں قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی تو اس کے ساتھ فارسی اور ترک عساکر کے علاوہ کمک کے طور پر بہت سے دوسرے بادشاہوں کے لشکر بھی تھے۔ اس لیے ان عساکر یا جنود کی کثرت کی بناء پر لوگ اسے سابور الجنود کہنے لگے تھے۔

حصن حضر کا قلعہ

جب سابور بلاد جزیرہ کی طرف روانہ ہوا تھا تو سیدھا راستہ چھوڑ کر ایک قلعے میں جا اترا تھا جو حصن حضر کے نام سے مشہور تھا دراصل یہ قلعہ سریانیوں

کے ایک بادشاہ ساطرون بن اسیطرون نے استاق میں تعمیر کیا تھا جسے موصل والے اباجر کہتے تھے عربی شعراء نے بھی ساطرون کا اس کو شان و شوکت اس کے عساکر کی کثرت، ملکی نظم ونسق خصوصاً قلعہ حضر کی پختگی و خوبصورتی کی وجہ سے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے۔ ان شعراء میں ابو دوادؔ[1] جاریہ بن حجاج ابادی بھی شامل ہے۔

نعمان بن مُنذر کا نسب

کہا جاتا ہے کہ نعمان بن مُنذر ساطرون بن اسبیطرون کی اولاد میں سے تھا۔ اس کا نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

"نعمان بن مُنذر بن امری القیس بن عمرو بن عدی بن ساطرون بن اسبیطرون۔" ساطرون اور اسبیطرون (درحقیقت) سریانی بادشاہوں کے القاب ہیں۔

جب یہ ملک جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا اور اس کے حکمران موت کی نیند سو گئے یعنی جیزن بن جہلہ اور اس کی ماں جہلہ وغیرہ اور جیزن بن معاویہ سب ختم ہو گئے تو اس ملک پر تنوخ بن مالک بن فہم بن تیم الآت بن اسد بن وبرہ بن تغلب ابن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ قابض ہو گیا۔ درحقیقت یہی جیزن ابن معاویہ ابن عبید بن حرام بن سعد بن ملیح بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھا۔ اس کے پاس کافی لاؤلشکر تھا۔ اس نے روم پر چڑھائی کی تھی اور اپنے ساتھیوں کو ادھر اُدھر لیے پھرتا رہا تھا، عراق اور اس کے اطراف پر بھی اسی نے فوج کشی کی تھی، وہی دراصل سابور تھا۔ جب اس نے اوّل الذکر جیزن کے مذکورہ بالا قلعے پر حملہ کیا تو وہ قلعہ بند ہو گیا۔ سابور ایک مہینے تک قلعے کا محاصرہ کیے پڑا رہا لیکن اس نے قلعے کو فتح کرنے یا اس میں کسی اور طرح داخلے کی کوئی صورت نہ دیکھی۔ اتفاقاً ایک روز اس نے دیکھا کہ ایک پیکرِ حسن و جمال عورت اس کے پڑاؤ کی طرف چلی آ رہی ہے، وہ عورت یقیناً حسن صورت میں اپنی مثال آپ تھی۔ سابور اسے دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ جب وہ قریب آئی تو اس نے اس سے پوچھا:-

"اے قتالۂ عالم تو کون ہے؟"

وہ بولی:- "میں نضیرہ بنت جیزن ہوں۔"

سابور بولا: "اور اے اِمگر میرے پاس آنے کی کیا وجہ ہے؟"

نضیرہ نے کہا: میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ اگر آپ مجھ سے شادی کرنے اور

---

[1] ایک نسخے میں ابو داؤد بن خمران بن حجاج ایادی لکھا ہے (مرتب)

دوسری تمام عورتوں پر مجھے ترجیح دیتے ہوئے مجھے اپنی ملکہ بنانے کا وعدہ کریں تو میں آپ کو قلعے میں داخلے کا خفیہ راستہ بتا سکتی ہوں اور وہاں قبضہ کرنے میں بھی آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔"

چنانچہ سابور نے اس سے وعدہ کر لیا اور نضیرہ بنت خیزن نے دنیاوی اقتدار اور جاہ و مال کے لالچ میں آکر خود اپنے باپ سے غداری کی۔ اس نے نہ صرف سابور کو قلعے میں داخلے کا خفیہ راستہ بتایا بلکہ اپنے باپ خیزن کو کھانے میں بے ہوشی کی ایسی دوا دی کہ وہ دنیا و ما فیہا سے مطلق بے خبر ہو گیا۔

سابور خاموشی سے قلعے میں اس طرح داخل ہوا کہ خیزن کے کسی آدمی کو بھی اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت کے قلعہ پر قبضہ کر کے خیزن کو قتل کرا دیا۔ اس نے نضیرہ سے شادی تو ضرور کی لیکن اس سے ہر وقت چوکنا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے نضیرہ سے کہا:۔

"تم نے مجھے قلعے میں داخلے کا خفیہ راستہ تو ضرور بتا دیا تھا لیکن اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم نے اپنے باپ کو اس میں میرے داخلے سے بے خبر کیسے رکھا تھا؟"

نضیرہ بولی :۔ "میں نے انہیں کھانے میں بے ہوشی کی دوا دے دی تھی۔"

سابور نے کہا "اچھا! لیکن اتنی دیر تک بے ہوش رکھنے کی کوئی دوا تو ہمیں بھی آج تک معلوم نہ ہو سکی۔"

نضیرہ سابور کی بات کا اصل مقصد نہ سمجھتے ہوئے دھوکا کھا گئی اور اس نے ادویات کا وہ مرکب جس سے اس نے اپنے باپ کو رات بھر کے لیے غافل کر دیا تھا سابور کو بتا دیا۔ سابور نے خوش ہو کر اس کا شکریہ ادا کیا، اسے اپنی محبت کا یقین دلایا اور یہ بھی کہا کہ اسے اب یقین آیا ہے کہ وہ واقعی اس پر کتنا بھروسہ کرتی اور اس سے کس قدر محبت کرتی ہے۔

کچھ دن بعد نضیرہ کے پیٹ میں کھانا کھاتے ہی اتنی شدت کا درد ہوا کہ وہ کراہنے لگی۔ سابور نے اسی وقت موقع غنیمت جان کر اسے وہی بے ہوشی کی دوا کسی شربت میں ملا کر پلانا چاہی لیکن نضیرہ کند ذہن نہ تھی، وہ فوراً تاڑ گئی اور اس نے اپنے چند پرانے خادموں کو سابور کی گرفتاری کا حکم دیا اور اسے گرفتار کرانے کے بعد رات کے وقت خاموشی سے قلعے سے کافی دور لے جا کر قتل کرا دیا اور اس کی لاش دریا میں پھنکوا دی۔ اس طرح اس نے ہمیشہ کے لیے اپنے اقتدار کا راستہ صاف کر لیا۔

عرب کے کچھ شعراء حری بن دہماء عبسی وغیرہ نے نضیرہ کے ہاتھوں اس کے خیزن ابن معاویہ

اور شوہر سابور کے قتل کی داستان بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ تفصیل سے بیان کی ہے۔

مجوسیوں کے کچھ اور آتش کدے

مجوسیوں کے لیے ایک آتش کدہ بوران بنت کسریٰ پرویز نے عراق کے قریب مدینۃ السلام میں تعمیر کرایا تھا، وہ مقام اسٹنیا کے نام سے مشہور ہے۔

مجوسیوں نے لاتعداد آتش کدے عراق، فارس، کرمان، سجستان، خراسان، طبرستان اور کچھ پہاڑی علاقوں کے علاوہ آذربائیجان، اران، ہندوستان، سندھ اور چین میں تعمیر کرائے تھے۔ ہم نے انہیں چھوڑ کر صرف انہیں آتش کدوں کا یہاں ذکر کیا ہے۔ جو زیادہ مشہور ہیں۔

صنم خانہ بعل

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں مجوسیوں کے ان آتشکدوں کے علاوہ یونانیوں نے بھی بہت سے بُت خانے جگہ جگہ تعمیر کرائے تھے۔ انہوں نے ایک بُت بعل کے لیے ایک صنم خانہ تعمیر کیا جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں یوں فرمایا ہے:۔

"اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین؟" (کیا وہ احسن الخالقین سے منہ موڑ کر اور اسے چھوڑ کر لوگوں کو بعل کی پرستش کے لیے بلاتے ہیں؟ تشریحی ترجمہ)

یہ صنم خانہ دمشق کی قلمرو بعلبک میں سنیر کے قریب ہے۔ یونانیوں نے لبنان اور سنیر کے پہاڑی علاقے کے درمیان یکے بعد دیگرے دو عظیم صنم خانے تعمیر کرائے تھے۔ ان صنم خانوں کی دیواروں پر عجیب وغریب نقوش بنائے گئے تھے اور ان کے لیے جو بڑے بڑے رنگ رنگ کے پتھر فراہم کیے گئے تھے ان کی ساری دنیا کی زمینیں کھودنے کے بعد بھی مثال نہیں مل سکتی۔ ان کے ستونوں کی بلندی، دروازوں کی وسعت اور ان کے گرداگرد طول طویل دالانوں کی کثرت عجائب عالم میں شمار ہوتی تھیں۔ سابور کے قتل کی لرزہ خیز داستان کے ساتھ ان صنم خانوں کی الف لیلوی کہانی بھی کچھ کم جاذب توجہ نہیں ہے۔

دمشق میں صنم خانہ جیرون

دمشق کے اس صنم خانے کا ذکر جو "جیرون" کے نام سے مشہور تھا ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بھی کر چکے ہیں۔ اس صنم خانے کو جیرون بن سعد العادی نے تعمیر کرایا تھا اور اس کے لیے جگہ جگہ سے سنگ رخام منگوایا تھا۔ اس میں ارم ذات العماد بھی تھا جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور ہم بھی اس کا ذکر پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔

ویسے جب کعب احبار معاویہ کے پاس آیا تو آخر الذکر نے اور باتوں کے علاوہ اس صنم خانے کے بارے میں بھی سوالات کیے تھے۔ معاویہ ابن ابی سفیان کے سوالات کے جواب میں اس نے اس صنم خانے کے بارے میں بتایا تھا کہ اس کی بنیادیں سونے اور چاندی سے بھری گئی ہیں اور ان میں مشک و زعفران ڈالا گیا ہے۔ اس نے اور بھی بہت سی عجیب و غریب باتیں اس صنم خانے کے بارے میں معاویہ ابن ابی سفیان کو بتائی تھیں۔ اس نے اہل عرب میں سے دو آدمیوں کے نام بھی بتائے تھے جو اس کی باتوں کی تصدیق کر سکتے تھے۔ جب معاویہ ابن ابی سفیان نے ان دونوں کو طلب کیا تھا تو کہا تھا کہ کعب احبار نے جو کچھ اس صنم خانے کے بارے میں بتایا ہے اگر اس کی تصدیق ہو گئی تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی باتوں کو قصّہ گویوں کی من گھڑت باتوں پر محمول کیا جائے گا۔ بہر کیف ان دو آدمیوں نے بھی اپنے بزرگوں سے سُنی ہوئی ان باتوں کی تصدیق کر دی تھی جو کعب احبار نے معاویہ ابن ابی سفیان کو سنائی تھیں لیکن لوگ اب تک اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ یہ صنم خانہ اور اس میں تعمیر کردہ ارم ذات العماد اصل میں کس جگہ واقع تھے" تاہم عبید بن شریۃ کی کتاب سے جو لوگوں میں اب تک متداول ہے اور جس میں ازمنۂ قدیم کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے اس صنم خانے اور ارم ذات العماد کا ذکر بھی کافی تفصیل کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔

کتاب الف لیلہ ولیلہ

جن مشہور کتابوں میں عجائبِ عالم کی داستانیں اور دُوسری عجیب و غریب کہانیاں درج کی گئی ہیں انہیں میں ایک حد سے زیادہ شہرت یافتہ کتاب "الف لیلہ و لیلہ" بھی ہے۔ ان کتابوں میں مختلف بادشاہوں کے درباریوں نے ان کی تفریحِ طبع کے لیے عجیب و غریب افسانے لکھے ہیں۔ ہم تک کتاب "الف لیلہ و لیلہ" فارسی، ہندی اور رومی زبانوں سے ترجمہ ہو کر عربی میں "اَلفُ خُرافہ" کے نام سے پہنچی ہیں۔ یہ کتاب فارسی میں "ہزار افسانہ" کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ عربی میں خُرافہ افسانے کو کہتے ہیں، اس لیے اس کا ترجمہ عربی میں "اَلفُ خُرافہ" کے نام سے ہوا ہے لیکن عام لوگ اسے "اَلفُ لَیلۃ و لَیلہ" کہتے ہیں۔ اس کتاب میں ایک بادشاہ، اس کی بیٹی، اس بیٹی کی ایک کنیز اور اس بادشاہ کے وزیر کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ بادشاہ کی بیٹی اور اس کنیز کا نام اس کتاب میں شہرزاد اور دینازاد لکھا ہے۔ اس کتاب کی کہانیاں بھی جیسا کہ ہم نے سطورِ بالا میں عرض کیا "فرزہ و سیماس" کی کہانیوں کی طرح ہیں جو ہندوستانی بادشاہوں اور ان کے وزراء کے بارے میں

لکھی گئی ہیں۔ اس طرح کی کچھ اور کتابیں "سندباد" وغیرہ بھی ہیں۔

دمشق کی جامع مسجد

نصرانیت کی اشاعت سے قبل دمشق کی جامع مسجد ایک عظیم بُت خانہ تھی جس میں بہت سے بُت رکھے گئے تھے۔ اس کے میناروں پر بھی مورتیاں نصب کی گئی تھیں جو ستارۂ مشتری کے نام سے منسوب تھیں اور انہیں خوش قسمتی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ظہور نصرانیت کے بعد اس بُت خانے کو گرجا کی شکل دے دی گئی تھی اور ظہور اسلام کے بعد اسے مسجد میں بدل دیا گیا جہاں سے آج بھی اذان کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اس جگہ مسجد کی بنیاد ولید ابن عبدالملک نے رکھی تھی۔

دمشق کا قصر بریص

دمشق میں ایک اور نادر روزگار عمارت تھی جسے "قصر بریص" کہتے تھے۔ یہ عمارت تاحال وسط دمشق میں موجود ہے۔ کہتے ہیں اس کے اندر کبھی ایسی چھوٹی چھوٹی نہریں تھیں جن میں شراب بہتی تھی۔ شعراء نے اس قصر کی تعریف میں مارب کے ملوک غسانی کے حوالے سے متعدد اشعار کہے ہیں۔

آتشکدۂ دیماس

دمشق میں قصر بریص کے علاوہ فارس کے حکمرانوں نے انطاکیہ میں جب وہ ان کی قلمرو میں شامل تھا۔ ایک عظیم عمارت تعمیر کی تھی جسے "دیماس" کہا جاتا تھا۔ اس عمارت کو بہت مضبوط بنیادوں پر تعمیر کیا گیا تھا اور اس میں عادی کی اینٹیں اور دوسرے پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ فارس کے مجوسی حکمرانوں نے اسے بطور آتش کدہ تعمیر کیا تھا۔

دنیا کے کچھ اور عجائب

ابومعشر منجّم نے اپنی کتاب "کتاب الالوف" میں مذکورہ بالا آتشکدوں اور عظیم ہیکلوں کے علاوہ بھی کچھ اور عظیم عمارتوں کا ذکر کیا ہے جو دنیا میں ہزار سال کے دوران میں تعمیر کی گئیں۔ ابومعشر کے شاگرد ماذیار نے بھی اپنی کتاب "المنتخب من کتاب الالوف" میں کچھ اور عجیب و غریب عمارتوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے استاد اور اس کے زمانے سے بہت پہلے تعمیر کی گئیں اور اس کے بعد بھی آخرالذکر کے زمانے تک معرض وجود میں آئیں ہم نے زیر نظر کتاب میں ان سب کے فرداً فرداً ذکر سے بخوف طوالت گریز کیا ہے۔ ماذیار نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں دیوار اعظم کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس دیوار کو یاجوج ماجوج کی دیوار کہا جاتا ہے۔ لوگ اس دیوار کی بنیاد اور اس کے تعمیر کنندہ کے بارے میں ہمیشہ مختلف الرائے رہے ہیں جس طرح وہ ارم ذات العماد اور اس کے محل وقوع کے بارے میں مختلف رائیں

رکھتے ہیں ہم نے اس کا ضمناً ذکر کر دیا ہے جیسے ہم نے اہرام مصر اور اس پر کندہ عبارتوں، ارض صعید وغیرہ کی تعمیرات وغیرہ، شہر عقاب، ان ستونوں کا جس سے پانی گرتا ہے اور جو ارض عماد میں واقع ہیں ذکر کر دیا ہے یا نمل اور وہاں کے بھیڑیوں اور کنوں کا یا سلجماسہ کے ذکر کے ساتھ "ارض ذہب" کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہاں سے لوگ سونا سمیٹ کر کس طرح لے جاتے تھے ہم اس نہر کا بھی ذکر کر چکے ہیں جہاں تک لوگ ارض ذہب سے سونا اکٹھا کر کے لے جاتے تھے بلکہ ارض مغرب تک ابھی اسی راستے سے تجارتی مال لے جایا جاتا ہے۔ یہ نہر درحقیقت بڑی وسیع اور گہری ہے۔ یہ اقصائے خراسان تک چلی جاتی ہے اور ترک مقبوضات سے بھی گزرتی ہے ہم پہلے اس عمارت اور اس کے عجیب و غریب کنویں کا بھی ذکر کر چکے ہیں جو بلاد احقاف میں حضر موت اور یمن کے درمیان واقع ہے۔ ہم نے "قلعہ نحل"، شہر رومیہ، اس شہر کی تعمیرات اور وہاں کے بت خانوں اور عظیم ہیکلوں کا ذکر بھی پچھلے صفحات میں کیا ہے۔ ہم نے روم نحاس کے آباد کردہ شہر کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ نحاس کے بسائے ہوئے سوڈانی علاقے سے شہد اور زیتون شام لے جاتے تھے ہم نے اس طائر کا بھی ذکر کیا ہے جو یہ چیزیں اپنے پنجوں اور چونچ میں شام تک لے جاتا تھا جس کا ماخذ علاقہ سوڈان تھا۔ البتہ یہ سب باتیں ہم نے کسی قدر تفصیل سے اپنی کتاب اخبار الزماں میں بلینوس کی کتاب "اخبار الطلسمات" کے حوالے سے بیان کی ہیں۔ اسی طرح ہم نے اندلس کے سات شہروں کا ذکر اور عبدالملک بن مروان کے وہاں وردد کا قصہ اور مسلمانوں کے عروج کی مختصر داستان بھی اپنی مذکورہ کتاب میں بیان کر دی ہے۔ ہم نے اس شہر کا ذکر بھی کیا ہے جہاں سے لوگ ساحل حبشہ تک آمد و رفت رکھتے تھے۔ ہم نے ہندوستان، سندھ اور ملتان وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہے اور وہاں تعمیر کردہ معابد کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ ہم ان سمندروں وغیرہ کا ذکر بھی کر چکے ہیں جہاں سے لوگ موتی نکالتے اور غذا بھی حاصل کرتے ہیں۔ ہم نے اطراف و اکناف عالم کی آب و ہوا، وہاں کی غذاؤں، لوگوں کی شکل و صورت کا ذکر بھی حتے الوسع کیا ہے۔ ان سب باتوں پر ہم کچھ اپنی پہلی کتابوں اور کچھ زیر نظر کتاب کی پہلی جلد میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

بحر روم اور بحر احمر کے اتصال کی کہانی

روم کے حکمرانوں میں سے کسی نے بحر قلزم اور بحر روم کے درمیان آبی راستہ نکالا تھا حالانکہ یہ کسی انسان کے بس میں نہ تھا کیونکہ بحر قلزم کی سطح بلند ہے جب کہ بحر روم کی سطح اس سے

کہیں پست ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی بلند حوصلگی اور الوالعزمی کے پیش نظر قدرت نے اس کی مدد کی تھی جیسا کہ اس سلسلے میں قرآن میں بھی ذکر آیا ہے۔ جس جگہ بحر قلزم کے نزدیک کھدائی کی گئی تھی وہ ساحل قلزم سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اسے "ذنب تمساح" کہتے ہیں۔ اسی آبی راستے سے وہ لوگ سفر کرتے ہیں جو مصر سے حج کے لیے جاتے ہیں۔ اسی سمندر سے ایک اور خلیج اس بستی تک جاتی ہے جسے محمد بن علی ماذرانی نے آباد کیا تھا اور "ہامہ صنیعہ" کے نام سے مشہور ہے یہ خلیج مصر سے شروع ہو کر مذکورہ بستی تک پھیلی ہوئی ہے لیکن بحر روم و بحر قلزم کے اتصال سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک اور خلیج تیونس اور دمیاط کے قریب بھی ہے جس کے کچھ بحیرے بھی ہیں۔ اس خلیج کا نام "ذبد و خبیہ" ہے۔ اس خلیج میں پانی بحر روم سے آکر بحیرۂ تیونس سے گزرتا ہوا نعمان کی آبادی تک بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور مذکورہ بالا بستی کے پانی سے جا ملتا ہے۔ ان سمندروں اور خلیجوں نیز بحیروں کے ذریعہ ساری دنیا میں حمل و نقل کا کام آسان ہو گیا۔

جب رشید نے چاہا کہ ان دو سمندروں کے اتصال سے فائدہ اٹھا کر وہ دریائے نیل کا پانی صعید مصر اور اس کے ملحقہ علاقوں تک پہنچا دے لیکن اسے ممکن نہ پا کر وہ نیل کا بہاؤ جو بلادِ تیونس کے متصل ہے لے گیا تاکہ نیل بحر روم تک پہنچ کر حمل و نقل کا ذریعہ بن سکے۔ اسی وقت سے زائر بن حرم نے یہ راستہ اختیار کر لیا تھا۔ یحییٰ بن خالد کہتا ہے کہ رومیوں نے اس راستے کے استعمال کی مخالفت کی تھی کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ بحر حجاز سے لوگ بآسانی بحر روم تک پہنچ سکیں گے، حالانکہ اس راستے پر بہت سے مسافر خانے پہلے ہی تعمیر کیے جا چکے تھے۔ چنانچہ یحییٰ نے بہ خیال رواداری اس راستے کو ترک کر دیا تھا۔

جب عمرو بن عاص مصر آیا تو اس نے بھی یہی راستہ اختیار کرنا چاہا تھا لیکن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے روک دیا تھا۔ عمرو بن عاص نے ویسے بہت سے دوسرے ترقیاتی کام کیے تھے۔

جن شاہانِ سلف نے سمندروں کے اتصال کا کام اور سواحل سمندر پر سرائیں بنانے اور بستیاں بسانے کا کام کیا تھا وہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور اس کے لیے زندگی کی سہولتیں فراہم کرنا چاہتے تھے۔

باب (۳۵)

تخلیق کائنات سے ولادت محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تک

زمانی احوال

ہم نے اپنی دوسری کتابوں میں جو زیرِ نظر کتاب سے قبل تصنیف کی ہیں بعض طبیعین کے اقوال ابتدائے آفرینش عالم اور اس کے حدوث و اختتام کے بارے میں بیان کر دیے ہیں اور اس سلسلے میں فلاسفہ ہند و یونان اور فلکی و طبعی حضرات کے اختلافات آرا بھی پیش کر دیے ہیں اور ان حضرات کے بقول یہ بھی بتا دیا ہے کہ ورود فلکیہ، اشخاص محلّہ کی حرکت صانعہ، رُوح کا قطع مسافت ابتداء سے لے کر انتہا تک، پھر اس کا انفصال تا وجود ہیئت اشخاص و ظہور شکل و صورت، ان کے وجود کے اسباب، ظہورِ اشیاء کی ابتدا و انتہا اور اس کا اعادہ نیز اس کی تکرار کی وجوہ کیا ہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں طبیعین کے اقوال کے مطابق حرکات طبائع اور ان کے اختلاط سے قبل اشیاء کا جسمانیہ و نفسانیہ وجود ان کی ابتدائی حرکات سے ظہور پذیر ہوا ہے اور پھر ان حرکات کے اختلاط سے حیوانات و نباتات اور دنیا کی تمام دُوسری اشیاء وجود میں آئی ہیں اور یہیں سے توالد و تناسل کی ابتدا ہوئی ہے کیونکہ جب کسی کی جسمانی شخصیت کا اختتام ہوتا ہے تو وہیں سے نسلی تسلسل شروع ہو جاتا ہے، طبائع مرکب سے بسیط کی طرف منتقل ہوتی ہیں اور اسی طرح بسیط سے مرکّب کی طرف حتّےٰ کہ مرکب کا بسیط کی طرف انتقال در انتقال منتقل ہو جاتا ہے جب کہ وجود عالم کی ابتدا اس انتقال کا پہلا زینہ تھا۔ طبیعین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مذکورہ بار بار اور مستقل انتقال مرکب سے ظہورِ اشیاء کی بنیاد پڑتی ہے جیسے فصل ربیع میں ظہورِ نباتات جس کی نشو و نما کی قوت تحت الثریٰ میں ہوتی ہے۔ انہوں نے دُوسری بات یہ کہی ہے کہ سُورج فصل ربیع کے وقت راس حمل میں پہنچ جاتا ہے جو اس کا ابتدائی مرکز ہے اور اس کی درجہ بدرجہ حرکات

سے نباتات زندہ ہوتی ہیں، اشجار میں پھول پھل آتے ہیں جیسے موسم شتا میں برودت و یبوست کا اختلاط ہوتا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ حرارت و رطوبت اور فساد برودت و یبوست ہوتی ہے یعنی جب وجود متمم منزل فساد میں داخل ہوتا ہے اور اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو یہ وہی وقت ہوتا ہے جب سورج راس الحمل میں داخل ہوتا ہے اور پھر وہی کون و فساد منزل بمنزل اپنے آغاز و انجام تک پہنچتے رہتے ہیں اور یہ انتقال منازل ایک حال سے دوسرے حال تک دائرہ زمانی کی شکل میں جاری رہتا ہے اور اشکال مختلفہ میں ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ ان طبیعین کے نزدیک توہم و آبان کی یہی صورت ہے۔

حدوثِ عالم کی دلیل

اشیائے موجود کی ابتدا و انتہا پر گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی یا تو ابتدا و انتہا دونوں ہوں گی اور یہ دونوں منازل میں سے کسی ایک منزل میں ہوں گی یا ابتدا و انتہا کی دونوں منازل سے مبرا ہوں گی۔ اگر ان کی ابتدا و انتہا کے بغیر تسلیم کر لی جائے تو ضروری ہوگا کہ کسی شے کے بعض اجزاء حالت تغیر غیر متناہی میں ہوں گے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تغیر زمانی جملہ اشیاء پر اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ صرف بعض اشیاء پر علی التواتر دائمی شکل میں اثر انداز ہوتا رہتا ہے جب کہ ہمارا مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ وجود و عدم وجود اشیاء دائرے کی شکل میں نہیں ہیں بلکہ ان کی ابتدا و انتہا لازمی ہے۔ اس استدلال سے ان لوگوں کا یہ دعوے یا خیال باطل ٹھہرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اشیاء کی کوئی انتہا نہیں ہے بلکہ یہ بات بھی باطل قرار پاتی ہے کہ ان کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہا کیونکہ اگر ان کی شکل دائرہ بھی تسلیم کر لی جائے تو ان کی انتہا کے بعد از سر نو ابتدا تو لازمی ہوگی۔ پس اشیاء کی ابتدا اور ان کی انتہا کے لیے یہی ثبوت کافی ہے۔ لہٰذا جیسا ہم بیان کر چکے ہیں حدوث اجسام حدوث حس پر مبنی ہے جس سے عقل انکار نہیں کر سکتی۔

حُدوثِ عالم

جب یہ ثابت ہو چکا کہ اشیاء کی ابتدا اور انتہا ضروری ہے تو پھر تغیر و ظہور اشکال کے لیے ثبوت فراہم کرنا ضروری نہیں رہتا البتہ اس ذات قدیم کی ابتدا و انتہا تلاش کرنا جس کی صفات تک کا عقل احاطہ نہیں کر سکتی بلکہ اشارات سے بھی اس کا ادراک ناممکن ہے منجملہ محالات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ بس وہی ایک ذات ہے جس کی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔

اب ہم مختلف الخیال و عقائد لوگوں کے اقوال کے مطابق تخلیق عالم کی ابتدا و انتہا پر

پہ گفتگو کریں گے۔ ان لوگوں میں ہندی و یونانی وغیرہ سبھی لوگ شامل ہیں۔

دنیا کی عمر

مجوسیوں کے خیال میں دنیا کی عمر اب تک چھ ہزار سال ہو چکی ہے۔ وہ اپنی اس رائے کا ماخذ اپنے مذہبی بیانات بتاتے ہیں اور یہی خیال نصرانیوں کا بھی ہے یعنی وہ بھی اپنے مذہبی بیانات کی بناء پر دنیا کی عمر چھ ہزار سال ہی بتاتے ہیں لیکن مذاہب صابئہ کے پیرو حرّانی اس سلسلے میں یونانی حکماء کے اقوال پر جاتے ہیں۔ تاہم کچھ مجوسی ابتدائے عالم کو اپنی اصطلاحات میں ہرمند و کیدہ کی قوت کے نفوذ کے آغاز پر مبنی سمجھتے ہیں جس کا آغاز نامعلوم ہے[1]۔ ہرمندہ و کیدہ ان کے ہاں شیطان کو کہتے ہیں۔ انہیں میں بعض لوگ عالمی حادثات اور دنیا کی کلی تخریب کے بعد سے دنیا کی عمر کی دوبارہ ابتدا کر کے اس کا حساب لگاتے ہیں۔

مجوسیوں ہی کے نزدیک ان کے نبی زرتشت بن اسپیجان سے لے کر سکندر کے زمانے تک ۲۸۰ برس گزرے ہیں جب کہ سکندر کا دور حکومت صرف چھ سال رہا ہے۔ وہ سکندر سے لے کر اُردشیر کے دورِ حکومت تک ۵۱۷ سال بتاتے ہیں اور اردشیر کے زمانے سے سنِ ہجری تک ۵۶۴ سال کا عرصہ بتاتے ہیں۔ اس طرح ہبوط آدمؑ سے لے کر ہجرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۱۱۲۶ سال بنتے ہیں ہبوط آدمؑ سے طوفانِ نوحؑ تک ۲۲۵۶ اور طوفان نوحؑ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کی ولادت تک ۱۰۷۹ سال ہوئے۔ اس حساب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے حضرت موسیٰ ابن عمران (علیہ السلام) کے ظہور کو ۸۰ سال گزر جانے تک جب آپ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے تیہ تشریف لے گئے تھے۔ اس کے بعد آپ کے مصر سے خروج سے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے وقت تک چار سال اور بڑھا لیجیے۔ یہی وقت بیت المقدس کی ابتدائی بنیاد رکھنے کا ہے۔ گویا یہ درمیانی عرصہ ۶۳۶ سال کا ہوتا ہے اور بنائے بیت المقدس سے سکندر کے دورِ حکومت کا درمیانی فصل ۷۱۷ سال کا ہوا۔ اس طرح سکندر کے دور سے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا درمیانی عرصہ ۳۶۹ سال ہوا اور ولادت مسیح علیہ السلام سے ولادت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۵۲۱ سال کا عرصہ گزرا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور جناب مسیح علیہ السلام کے درمیانی عرصے میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے صلیب سے بچا کر اپنی طرف اُٹھایا اس وقت آپ کی عمر شریف

---

[1] ایک نسخے میں حدِ نامعلوم کی جگہ حد معلوم لکھا ہے (مرتب)

۳۸ سال تھی اور اس وقت سے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ۵۴۶ سال کا عرصہ گزرا تھا جب کہ جناب مسیح علیہ السلام کی بعثت نبوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا درمیانی عرصہ ۵۹۴ سال ہوتا ہے۔ اس طرح حساب لگایا جائے تو زمانۂ ذوالقرنین سے وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ۹۳۵ سال کا عرصہ گزرا تھا۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے وقت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک ایک ہزار سات سو دو سال چھ مہینے اور دس دن ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہزار سات سو بیس سال چھ ماہ اور دس دن ہوئے تھے

اور حضرت نوح علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تین ہزار سات سو بیس سال دس دن ہوئے ہیں۔ الغرض مذکورہ بالا قول کے مطابق یہ حضرت آدمؑ کے زمین پر اُترنے سے لے کر بعثت نبوی تک تاریخی لحاظ سے دنیا کی عمر کے اعداد و شمار ہیں جو مجموعی طور پر چار ہزار آٹھ سو گیارہ سال چھ ماہ اور دس دن ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اب تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک جو خلافت متقی باللہ اور اس کے دیارِ مصر سے رقہ آنے کا زمانہ ہے۔ دُنیا کی مجموعی عمر پانچ ہزار ایک سو چھپن (۵۱۵۶) سال ہوئی۔ چونکہ ہم ان اعداد و شمار کی مزید تفصیل اس سے قبل اپنی پہلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں اس کا اعادہ ضروری نہیں سمجھتے۔

مجوسیوں کے تاریخی قصوں میں دنیا کی عمر اور اس کی ابتدا و انتہا کے بارے میں طول و طویل تذکرے موجود ہیں اور ان میں سے بعض لوگوں نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ آیا دنیا کی کوئی ابتدا یا انتہا ہے بھی یا نہیں اور کچھ لوگوں نے اسے لا ابتدا و لا انتہا بھی بتایا ہے لیکن ہم پچھلے صفحات میں اس پر اپنی گفتگو کو کافی سمجھتے ہوئے اس سے گریز ہی کو بہتر سمجھتے ہیں۔

اہل نظر مسلمانوں کی رائے

مسلمانوں میں بھی کچھ اہل بحث و نظر نے تخلیق کائنات کی ابتدا، وجود عالم و اشیاء اور ان کے کون و حدوث پر بحث کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ تخلیق کائنات اور اشیاء کو وجود بخشنے والا خدائے عزوجل ہے۔ اسی نے لاشئے سے یہ کائنات تخلیق کی ہے، وہی اسے فنا کرے گا اور پھر اسے از سرِ نو وجود میں لائے گا یعنی قیامت میں بنی نوع انسان کو اور حیوانات وغیرہ کو دوبارہ زندہ کرے گا یعنی یہ قدرت صرف اسی کو حاصل ہے۔ روز قیامت اس کے وعدہ وعید کے جاننے

کا دن ہے کیونکہ اپنے وعدہ وعید کے بارے میں وہ صادق القول ہے جس میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس عالم کی ابتدا تخلیق آدم سے ہوئی لیکن کب ہوئی اور اس کے بعد جو زمانہ اب تک گزرا ہے اسے تاریخ وار گنا یا نہیں جا سکتا۔ اس لیے کہ تخلیق آدم کے بعد جو زمانے گزرے ان کا احصاء ناممکن ہے۔ قرآن میں اقوام وملل کے جو قصے بیان ہوئے اور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہمارا علم بس اسی تک محدود ہے کیونکہ اقوام وملل کے ان قصوں کے مابین جو فصل ہے ہمیں اس کا علم بھی نہیں ہے جس سے ہم اس کے بارے میں کوئی ذاتی رائے قائم کر سکیں اور اس پر اس کے مطابق روشنی ڈال سکیں۔ جب ہمیں ان سب باتوں کا علم ہی نہیں ہے تو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے؟ زمانوں کی کثرت وقلت پر بھی ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ تخلیق آدم اور ان کے زمین پر نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے کثرت سے انبیا کو مبعوث فرمایا۔ یہ بھی ہمیں ارشاد باری تعالیٰ اور احادیث نبوی سے ہمیں معلوم ہوا تاہم اس کے سلسلے اور وقوف کی ہمیں کچھ خبر نہیں۔ ہمیں تو بس یہ معلوم ہے کہ بنی نوع انسان کے سطح ارضی پر منتشر ہونے کے بعد زمین پر بستیاں بستی اور شہر آباد ہوتے چلے گئے نیز یہ کہ اس دوران میں کتنے بادشاہوں نے دنیا کے مختلف حصوں اور خطوں میں حکومت کی اور ان میں سے ہر ایک کا زمانہ حکومت کتنا تھا یا ان کے ہاتھوں کتنے عجائب دنیا میں وجود میں آئے لیکن ان سب باتوں کا احصاء بھی اس طرح نہیں کر سکتے جس طرح اللہ تعالیٰ نے بصورت قصص انہیں بیان فرمایا ہے۔ ہم یہود ونصاریٰ کے ان بیانات پر بھی کس طرح اعتبار کر سکتے ہیں جو وہ توریت وانجیل کے حوالے سے پیش کرتے ہیں کیونکہ قرآن پاک کے برعکس انہوں نے ان مقدس کتب آسمانی کے اندر بھی تحریفات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جو ایک امر واقعہ ہے اور اس پر کوئی بحث کرنا لاحاصل ہوگا۔ البتہ قرآن میں اقوام وملل کے متعلق بیانات، ان پر عذاب الٰہی کا نزول اور دیگر حوادث عالم کے بارے میں یکے بعد دیگرے جو کچھ ملتا ہے اس پر وجود باری تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر کُلّی اعتماد کے بعد آپ کے ارشادات پر یقین نہ کرنا ہمارے لیے بمنزلۂ کفر ہوگا۔ گزشتہ اقوام وملل کے بارے میں اللہ جل شانہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے (الحاقۃ ما الحاقۃ؟ وما ادراک ما الحاقۃ کذبت ثمود والعاد بالقارعۃ، فاما ثمود فاھلکوا بالطاغیۃ، واما عاد فاھلکو بریح صرصر عاتیۃ) اس کے بعد ارشاد ہوا: (فھل تری لھم من باقیۃ)

اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :" انساب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے ۔" اس کے علاوہ آپ نے قوم عاد سے انساب کے بارے میں تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے ۔ اسی لیے ہم نے ازمنۂ ماضی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کے قرآن و احادیث نبوی سے جابجا حوالے بھی دیتے چلے گئے ہیں اس کے علاوہ ہم نے اپنی زیر نظر کتاب اور اس سے پچھلی کتابوں میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ صرف بہت ہی ثقہ مؤرخین اور مصدقہ تواریخ کے حوالے سے ہی نہیں لکھا بلکہ اس کی جہاں تک ہو سکا دوسرے ذرائع سے تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے اور کچھ اپنے ذاتی مشاہدات پر انحصار کیا ہے باقی ازمنۂ ماضی اور مستقبل کا علم خدا ہی کو ہے ، اس لیے ہم نے دنیا کی عمر گذشتہ یا اس کے اختتامی زمانے کے بارے میں کچھ کہنے یا رائے زنی کرنے سے گریز کیا ہے ۔ البتہ ہم نے اس کتاب اور اپنی دوسری کتابوں میں دنیاوی علوم و فنون رسم و رواج اور لوازم روزگار کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ حتی الامکان تاریخی شواہد کے مطالعے کے بعد سپرد قلم کیا ہے اور وہ بھی جہاں تک ہو سکا اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور اس پر بحث و رائے زنی سے گریز کیا ہے کیونکہ یہ حق بھی انہیں مؤرخین وغیرہ کو پہنچتا ہے جن کے حوالوں پر ہم نے انحصار کیا ہے ۔

بہرکیف ہمیں اُمید ہے کہ جو کچھ بھی ہم نے لکھا ہے وہ تاریخ کے مبتدی و منتہی دونوں کے لیے مفید ہوگا ۔ اب ہم آئندہ باب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب، آپ کی ولادت باسعادت، آپؐ کی ہجرت و وفات نیز خلفائے راشدین اور دُوسرے حکمرانوں کے بارے میں اپنے زمانے تک عہد بہ عہد تاریخی واقعات پیش کریں گے لیکن چونکہ مختلف شخصیتوں یعنی خلفائے راشدین کے بعد دُوسرے حکمرانوں کی فطرت و جبلت کے بارے میں ہم کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتے اس لیے ان کے حالات و کوائف کے متعلق بھی کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے اس لیے ان کے بارے میں فیصلہ اہل شعور پر چھوڑتے ہیں ، دُوسرے تاریخی بیانات کے معانی بھی ان کے الفاظ کثیر المعانی ہونے کی وجہ سے ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق نکالتا ہے ، اس لیے یہ کام بھی ہم نے اہل بصیرت پر چھوڑ دیا ہے ۔ آئندہ باب میں قارئین کرام کو کچھ بیانات توضیحی اور کچھ اجمالی ملیں گے کیونکہ ہم نے حد درجہ ضرورت سے قطع نظر ہر جگہ اختصار کو پیش نظر رکھا ہے ، تاہم ہمارے مختصر سے مختصر بیان کی وضاحت بھی اہل نظر پر خود بخود واضح ہو جائے گی کیونکہ اختصار بھی کبھی کبھی اور کہیں کہیں ایجاز کی جگہ اعجاز کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے ، ویسے جو کچھ ہم آئندہ باب میں اور اس کے بعد لکھیں گے اس کے لیے اللہ تعالےٰ سے توفیق کے طالب ہیں ۔

باب (۳۶)

ولادت با سعادت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم آپؐ کا نسب اور اس باب سے متعلق دوسری باتیں

ابتدائیہ

ہم اپنی پچھلی کتابوں اور زیر نظر کتاب میں بھی اس سے قبل تاریخ عالم کی ابتدائی باتیں اخبار انبیاء و ملوک، عجائب بحر و بر، فارس و روم و قبط، روم و قبط کے شہروں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب کے کچھ حالات و کوائف اور آپؐ کی بعثت سے قبل آپؐ کی امانت و دیانت کے بارے میں اہل عرب کی رائے وغیرہ تاریخ کے حوالے سے تمام تر بیان کر چکے ہیں، ہم آپؐ کے اور جناب مسیحؑ کے زمانوں کے مابین رہنے والے اہل فترہ کی زندگی کے حالات بھی اس کتاب میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت طاہر و مطہر اور روشن و اظہر کے حالات بیان کرتے ہیں۔ جن سے آپ کی بعثت اور رسالت کی قبل از وقت علی التواتر نشانیاں ملتی ہیں اور آپ کی نبوّت کے اعلان سے کہیں قبل اس کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔

آپؐ کا نسب شریف

آپؐ کا نسب شریف درج ذیل ہے:۔

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم ابن عبد مناف بن قُصّی بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضَر بن نزار بن معد بن عدنان بن ادد بن ناخور ابن شود بن یعرب بن یشجب بن ثابت بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ بن تارح یعنی آذر بن ناخور بن ساروخ بن ارعواء بن فالغ ابن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلح ابن اخنوخ بن یرد بن مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام [1]

---

[1] یہ کاتب ام النبی نے اضافہ کیا ہے (مرتب)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نسب نامہ ہم نے ابن ہشام کی کتاب "المغازی والسیر" مرتبہ ابن اسحاق اور سلسلہ نزار کے نسب نامے کے مختلف نسخوں سے اخذ کیا ہے۔

معد بن عدنان کے نسب کے متعلق اختلافات ؎

ایک نسخے میں بنی نزار کا نسب نامہ یوں درج کیا گیا ہے: "نزار ابن معد بن عدنان بن ادد بن سام بن یشجب بن یعرب بن الہمیسع بن صالوح بن یامد بن قیدر بن اسماعیل بن ابراہیم بن تارح بن ناخور بن ارعواء بن اسرورح بن فالغ بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن متوشلخ بن اخنوخ بن مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔"

ابن عربی کا ہشام بن محمد کلبی سے روایت کردہ نزار کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:۔

"نزار بن معد بن عدنانؑ بن اُد بن الہمیسع بن بنت بن سلامان بن قیدر بن اسماعیل بن ابراہیم الخلیل بن تارح بن ناخور بن ارعواء بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ بن یرد بن مہلاییل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔"

توریت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام ۹۳۰ سال زندہ رہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام لمک کی ولادت کے وقت بقید حیات تھے جب کہ لمک حضرت نوح علیہ السلام کے والد بزرگوار تھے اور ان کی عمر ۸۷۴ سال ہوئی اور شیث کی عمر ۷۴۴ سال ہوئی۔ اس حساب سے حضرت نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت ۱۲۶ سال کے تھے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معد سے پہلے اپنے نسب نامے کے افراد کے ذکر کو منع فرمایا ہے۔ ویسے بھی چونکہ آپؐ کے نسب نامے میں معد سے پہلے آپؐ کے نسب نامے کے ناموں میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کے علاوہ ان ناموں کے ذکر کے سلسلے میں آنحضرتؐ کے حکم کے پیش نظر اس سے احتراز واجب ہے اور آپؐ کے نسب نامے کو معد ہی تک بیان کرنا مناسب ہے۔

اس کے علاوہ معد بن عدنان تک آپؐ کے نسب نامے کے بیان پر اکتفا کرنا یوں بھی ضروری ہے کہ معد بن عدنان کے اس سفر کے سلسلے میں یں باروخ بن ناریا نے اس کی متابعت کی تھی

؎ عدنان کے بعد اس نسب نامے کے ناموں، ان کی تعداد اور ان کے سیاق و سباق میں کثرت سے اختلافات ہیں۔ ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام جلد اوّل (مرتب)

آپؐ نے کاتب ارمیاؑ[1] کے تحریر کردہ معد کے نسب نامے کو تحریف کردہ بیان فرمایا تھا جو یوں تھا:۔

"معد ابن عدنان ابن اُدد بن الھمیسع بن سلامان ابن عوص بن برو بن مساویل بن ابی العوام بن ناسل بن حرا ابن بلدارم بن کالح بن ناجم بن ناخور بن ماحی بن عسنفی بن عنف بن عبید بن الرعاء بن حمران بن لیسن بن ہبری ابن بجری بن بلخی بن ارعوا بن عنقاء بن حسان بن عیسے بن افناد بن ایہام بن معصر بن ناجب بن رزاح بن سمائی بن مربن عوص بن عوام بن قیدر بن اسماعیل بن ابراہیم الخلیل علیہ السلامؑ۔"[2]

اس سلسلے میں بھی کہ ارمیاء مذکورہ بالا سفر میں معد بن عدنان کے ہمراہ تھا بہت سے تذکرے پائے جاتے ہیں اور اس بارے میں بھی کہ شام میں ان کے ساتھ کیا گزری۔ متعدد حکایات مشہور ہیں جن کا تذکرہ ہم اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ مندرجہ بالا نسب نامہ ہم نے یہاں اس لیے درج کر دیا ہے تاکہ ہمارے قارئین کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے میں اختلافات کا علم ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے اپنے نسب نامے کے سلسلے میں مدت مدید کے پیش نظر اسے صرف معد تک بیان کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور اس سے پہلے کے ناموں کے ذکر کی ممانعت فرمائی ہے۔

آپؐ کی کنیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے:۔

"خالق صفات خدا ہی ہے ۔۔۔ اس نے بنی ہاشم کو مجموعہ صفات بنایا ہے
بنو ہاشم کی صفات کا خلاصہ ۔۔۔ محمدؐ ہیں ، ابوالقاسم نور ہی نور ہیں"

آنحضرتؐ کے اسمائے گرامی

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ محمد، احمد، ماحی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جملہ گناہوں اور عواقب کو مٹا دیا، حاشر کہ آپ کے بعد اللہ تعالیٰ بنی نوع انسانی کو حشر میں جمع فرمائے گا صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

[1] ایک نسخے میں "کاتب امر النبی" کی تحریف ہے (مرتب)

[2] جس طرح اس نسب نامے کے ناموں میں اختلاف ہے اسی طرح اس کتاب کے مختلف نسخوں میں بھی حد سے زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں اس لیے ہم نے تحقیق و تدقیق کے بعد صرف ایک ہی نسخے کو پیش نظر رکھا ہے (مرتب)

آنحضرتؐ کی ولادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ملہ عام الفیل اور عام الفجار[1] کے مابین ہوئی جب کہ عام الفیل کو بیس سال گزر چکے تھے فجار اس لڑائی کو کہتے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ قیس عیلان اور بنی کنانہ کے درمیان ہوئی تھی جس میں حرم پاک کے اندر جدال و قتال کو مباح کر دیا گیا تھا یہ بات چونکہ بُری تھی اس لیے اس پورے سال کو "عام الفجار" کہنے لگے۔ کنانہ ابن خزیمہ بن مدرکہ درحقیقت عمرو بن الیاس بن مضر بن نزار کی عرفیت ہے۔ الیاس کے تین بیٹے عمرو عامر اور عمیر تھے جن میں سے عمرو مدرکہ کے نام سے عامر طانجہ کے نام سے اور عمیر قمعہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان تینوں کی ماں لیلےٰ بنت حُلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ تھی جو خود بھی اپنے بیٹوں کی عرفیت کی طرح اپنی عرفیت خندف سے زیادہ مشہور ہے۔ اسی طرح الیاس کی اولاد بھی اپنی نسبی نسبت بھی اپنے باپ کی بجائے اپنی ماں خندف سے کرتے ہیں جیسا کہ قصی بن کلاب بن مرّہ کہتا ہے:-

"میں نے صدہا لڑائیاں دیکھی ہیں اور زندہ ہوں — میرے والد کو لوگ آلِ وہب میں گنتے ہیں
ویسے بھی وہ بڑے صاحب صولت وعالی نسب ہیں — میری ماں خندف اور میرے باپ الیاس ہیں"

بطون قریش

قریش کی پچیس ۲۵ نسلیں ہوئی ہیں جو مندرج ذیل ہیں:-

بنو ہاشم بن عبد مناف، بنو مطلب بن عبد مناف، بنو حارث بن عبدالمطلب بنو اُمیہ بن عبد شمس، بنو نوفل بن عبد مناف، بنو حارث ابن فہر، بنو اسد بن عبد العزیٰ، بنو عبد الدار بن قُصَی۔ ربیہ حاجبین کعبہ ہیں، بنو زہرہ بن کلاب، بنو تیم بن مرّہ، بنو مخزوم، بنو یقظہ، بنو مرّہ، بنو عدی بن کعب، بنو سہم، بنو جُمح۔ یہاں بطحا (مکہ) کے اہل قریش کی نسلیں جن کی تفصیل ہم اپنی پچھلی کتابوں میں دے چکے ہیں ختم ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ قریش کی باقی نسلیں یہ ہیں:-

بنو مالک بن حنبل، بنو معیط بن عامر بن لُوی، بنو نزار بن عامر بنو سامہ بن لُوی، بنو ادرم یعنی تیم بن غالب کی نسل، بنو محارب بن فہر، بنو حارث بن عبداللہ ابن کنانہ، بنو عائذہ یعنی خزیمہ بن لُوی، بنو بنانہ یعنی سعد بن لُوی کی نسل اور قریش کی جو معلوم نسلیں ہیں ان میں بنی مالک کی وہ نسل جس پر قریشی قبائل کی نسلیں ختم ہوتی ہیں۔ ان سب کا تفصیلی ذکر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں قریش کے کچھ برگزیدہ اشخاص کے ناموں کے ساتھ کر چکے ہیں۔

---

[1] جوہری کے بقول فجار ایام عرب میں سے ایک دن کا نام ہے (مرتب)

حلف الفضول

یہ عربی اصطلاح ان لڑائیوں کے سلسلے میں شہرت رکھتی ہے جن کا ہم سطور بالا میں حروف الفجار کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔ ان خونریز لڑائیوں کی تعداد چار تھی جن میں کشت وخون کا سلسلہ حرم پاک کی حدود تک جا پہنچا تھا اور یہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا پورے ایک سال تک چلی تھیں جن پر اہل عرب یعنی دونوں جانب کے لوگ اپنی شجاعت و بسالت کے ضمن میں فخر کرتے تھے۔ یہ لڑائیاں ایک حلفیہ معاہدے کے تحت ماہ شوال میں ختم کر دی گئی تھیں اور انہیں فضول اور فسق و فجور میں شمار کیا گیا تھا اس لیے ان کے اختتام کے لیے جو حلفیہ معاہدہ ہوا اسے بھی حلف الفضول ہی نام دیا گیا۔

حلف الفضول کی وجہ

حلف الفضول درحقیقت ماہ ذیقعدہ میں طے پایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبیلہ زبید کے ایک شخص نے یمن سے مکے آکر عاص بن وائل سے کچھ سامان خریدا تھا اور اس کی قیمت بھی ادا کر دی تھی لیکن اس لین دین کی بات چیت جبل ابی قبیس پہ طے ہوئی تھیں جس میں قبائل قریش کے لوگ بھی موجود تھے۔ چونکہ یہ جگہ بیت اللہ اور حرم پاک کے حدود میں ہے اس لیے اہل مجلس میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر بلند آواز سے کہا:۔

"آپ لوگ یہاں تجارتی لین دین کی باتیں کر رہے ہیں لیکن اس لڑائی کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی جو خانہ کعبہ اور حرم پاک کی انہیں حدود میں اب تک جاری ہے حالانکہ یہاں جدال و قتال اور کشت وخون کی سخت ممانعت ہے۔ کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ یہاں خونریزی کوئی معمولی بُرائی نہیں بلکہ فسق و فجور میں داخل ہے۔"

جب وہ شخص اپنی حد درجہ مؤثر تقریر ختم کر چکا تو حاضرین مجلس نے قسم کھائی کہ وہ اس لڑائی کو جہاں تک ممکن ہو سکا جلد سے جلد ختم کرانے کی کوشش کریں گے۔ اس لڑائی کے خلاف حاضرین مجلس میں سے جس شخص نے سب سے زیادہ زوردار الفاظ میں آواز اٹھائی وہ زبیر ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھے۔ اس کے بعد قبائل قریش نے دار الندوہ میں جمع ہو کر باہم صلاح و مشورہ کیا کہ اس تباہ کن جنگ کو کس طرح ختم کیا جائے۔ اس اجتماع کے شرکاء میں جو قریشی قبائل کے لوگ موجود تھے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

بنو ہاشم بن عبد مناف، بنو عبدالمطلب بن عبد مناف، زہرہ بن کلاب، تیم بن مُرہ، بنو حارث بن فہر۔

ان سب لوگوں نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ لڑائی ختم کرائی جائے اور بطریق انصاف ظالم سے مظلوم کا حق دلایا جائے گا۔ چنانچہ یہ سب لوگ اس فیصلے کو عملی شکل دینے کے لیے عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور مذکورہ بالا حلف اٹھایا جو آج تک "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہے۔

ہم نے اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں حلف الفضول کے علاوہ عربی قبائل کی ان چاروں لڑائیوں کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے جو "حروب الفجارات" کہلاتی ہیں۔ ان میں سے پہلی لڑائی کو مؤرخین نے فجار الرجل یا فجار بدر بن معشر، دوسری کو فجار قرد، تیسری کو فجار مراۃ اور چوتھی کو فجار براض لکھا ہے۔ اس چوتھی لڑائی میں حد سے زیادہ کشت و خون ہوا تھا، اور یہی وہ لڑائی تھی جو خانہ کعبہ کی حدود میں لڑی گئی تھی۔ اس وقت خانہ کعبہ کی جدید تعمیر کو پندرہ برس گزر چکے تھے۔ اس چوتھی لڑائی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس وقت ملاحظہ فرمایا تھا جب آپؐ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان تجارت لے کر شام تشریف لے جا رہے تھے۔ اسی سفر کے راستے میں آپ کو نصرانیوں یا یہودیوں کے مشہور راہب نسطور نے دیکھا تھا۔ وہ اس وقت ایک عبادت گاہ میں مقیم تھا۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضؓ کا غلام میسرہ بھی سفر کر رہا تھا لیکن صرف آپ کے اوپر ایک بادل سایہ کرتا ہوا آسمان پر چل رہا تھا۔ نسطور نے یہ دیکھ کر کہا۔

"یہ خدائے تعالےٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپؐ کی بعثت چار سال، نو مہینے اور چھ دن کے بعد ہو گی لیکن خدیجہؓ بنت خویلد سے دو مہینے چوبیس دن کے بعد آپ کی شادی ہو جائے گی۔ کعبے کی تعمیر جدید کو اس وقت دس سال گزر چکے ہوں گے جیسے آپؐ بہ چشم خود دیکھیں گے اور خانہ کعبہ میں حجر اسود کی جگہ کا تعین کرنے اور اسے وہاں اٹھا کر رکھنے کے بارے میں قریش قبائل میں جو تنازعہ ہو گا اسے بھی آپ (اپنی خداداد بصیرت سے) سب کے حسب منشا نمٹا دیں گے۔"

قریش کے ہاتھوں کعبے کی تعمیر جدید

ایک شدید سیلاب سے خانۂ کعبہ کی پہلی عمارت منہدم ہو گئی تھی اور اس کے کھنڈرات میں سے سونے کا ایک ہرن اور دوسرے طلائی زیورات نیز جواہرات چرا لیے گئے تھے جس پر قریشی قبائل میں جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

بیت اللہ کی پہلی عمارت منہدم ہو جانے کی وجہ سے عربوں کے بنائے ہوئے وہ نادر و نایاب مجسمے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ مجسمہ بھی تھا جس کے ہاتھوں میں فال نکالنے کے وہ تیر دکھائے گئے تھے جو عرب باہمی تقسیم کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ اس کے مقابل حضرت اسماعیلؑ کا ایک مجسمہ تھا جس میں وہ گھوڑے پر سوار دکھائے گئے تھے اور ان کے گرد و پیش مجسموں کی شکل میں لوگوں کا ہجوم دکھایا گیا تھا جو حضرت اسماعیلؑ سے تقسیم کی چیزیں لے رہا تھا۔ ان دو مجسّموں کے علاوہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے مجسمے تھے جن کا سلسلہ قُصّیٰ بن کلاب تک چلتا تھا اور ان کی تعداد ساٹھ تھی۔ ان مجسموں کے ساتھ ان سب کا سردار اور بہت بڑا مجسمہ رکھا گیا تھا۔ جس کے آگے عبادت کا طریقہ دکھایا گیا تھا اور اس کے وہ افعال بھی دکھائے گئے تھے جن پر اہل عرب ایمان رکھتے تھے۔

حجر اسود کی جگہ کا تعیّن

جب خانہ کعبہ کی نئی عمارت تیار ہو چکی تو اس کے صحن میں حجر اسود کا مقام متعیّن کرنے اور اسے وہاں رکھنے کے بارے میں قریشی قبائل میں اختلاف پیدا ہوا، قریش کا ہر سردار یہی کہتا تھا کہ اس کا حق صرف اسے اور اس کے قبیلے کو پہنچتا ہے۔ اس کے لیے وہ مختلف دلائل بھی پیش کرتے تھے۔ آخر کار یہ طے پایا کہ اگلے روز علی الصباح جو شخص خانہ کعبہ کے صدر دروازے سے اس میں داخل ہو وہی اس کا فیصلہ کرے جس کا ماننا سب کے لیے لازم ہو گا۔ اب قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ اگلے دن صبح ہی صبح جو شخص خانہ کعبہ میں اس کے صدر دروازے سے داخل ہوا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپؐ کو دیکھ کر جملہ سرداران قریش اس بات پر متفق ہو گئے کہ آپؐ جو فیصلہ فرمائیں گے وہ انہیں منظور ہو گا کیونکہ بعثت نبوت سے قبل بھی جملہ اہل مکہ آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ اب اسے صرف آپؐ کی فہم و فراست اور بے نظیر خدا داد بصیرت کہیے کہ آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ آپؐ نے ایک چادر بچھا کر اس پر حجر اسود کو رکھوا دیا اور اس چادر کا ایک ایک کونہ قریش کے چار سب سے بڑے اہم اور معتمد سرداروں کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ پھر اس کے دونوں پہلوؤں کو سہارا دینے کے لیے کچھ اور بڑے بڑے سردار لگا دیے۔ اس طرح حجر اسود اس کی موجودہ جگہ لے جا کر نصب کر دیا گیا۔ اس پر نہ صرف ان سرداروں بلکہ جملہ قریشی قبائل نے آپ کی فراست و بصیرت کا اعتراف اور خوشنودی کا اظہار کیا۔ یہ آپ کی دوسروں پر فضیلت اور آپؐ کے احکام کے

بجا و برمحل ہونے کا پہلا ثبوت تھا۔

بقول شخصے جو قریشی قبائل کے سردار اس وقت وہاں موجود تھے انہیں سب کو اس بات پر تعجب تھا کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کی تجویز اور اس کا حکم کس طرح مان لیا جو ان سے عمر میں سب سے کم اور مال و دولت کے لحاظ سے بھی کمتر درجے کا تھا۔ بہر کیف ان کے بڑے اور بزرگ لوگ آپؐ کی تجویز اور حکم پر پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے تھے لیکن انہوں نے یہ ضرور کہا کہ وہ اپنے قدیم بتوں لات و منات اور عزّیٰ وغیرہ کی پرستش جو ان کے بزرگوں سے چلی آتی تھی نہیں چھوڑیں گے البتہ اس دن سے ان کے دلوں میں آپؐ کی عزّت و تکریم پہلے سے زیادہ بڑھ گئی اور وہ بت پرستی کے علاوہ آپؐ کی جملہ تجویزوں اور احکام کو ماننے لگے۔ تاہم مذکورہ بالا شخص کے قول سے بعض لوگ یہ کہہ کر اختلاف بھی کرنے لگے تھے کہ میاں وہ تو ابلیس نے انسانی شکل میں ظاہر ہو کر شعبدہ بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور کچھ لوگ اس کے بعد بھی یہ کہنے پر مُصر تھے کہ یہ سب ان کے بتوں لات و منات اور عزّیٰ کی کرشمہ سازی اور ان کی ماورائی طاقت کا ظہور تھا۔ اس کے باوجود قریش کے اکثر خردمند دانشور آپؐ کی فراست و دانائی کے قائل ہو چکے تھے۔

کعبے کا غلاف

جب خانہ کعبہ کی تعمیر جدید مکمل ہو چکی اور اس میں حجر اسود کی تنصیب بھی ہو چکی تو خانہ کعبہ کے غلاف اور اس میں قدیم بتوں کے رکھنے پر پھر بحث چھڑی۔ اس وقت وہاں حضرت عبدالمطّلب موجود تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

"ہمارے لیے اس کاہن عادلانہ فیصلہ آخری ہوگا۔ ہم نے اس کی تردید کی کوشش میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی لیکن آخر کار ہمیں اس کا فیصلہ ماننا پڑا۔ اب ہم میں سے اکثر اس کا ہر حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔"

جب آپؐ کی بعثت مبارک کا زمانہ آیا تو خانہ کعبہ کی مذکورہ عمارت کو مکمل ہوئے پانچ سال گزر چکے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال اور ایک دن ہو چکی تھی۔

تحدید ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کے تعین اور اس کی صحیح تاریخی حد کا اندازہ لگانے کے لیے چند باتوں کا ذہن نشین رہنا ضروری ہے اور وہ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت مبارک کے وقت اصحاب فیل کے مکے میں داخلے کو پانچ دن ہوئے تھے اور وہ جس دن مکے میں داخل ہوئے تھے اس روز ماہِ محرم کے آغاز کو ۱۳ راتیں باقی تھیں جب کہ اس روز عہد ذی القرنین کو پورے ۸۸۲ سال گزر چکے تھے۔ اور ابرہہ کے مکے میں داخلے کے وقت ماہِ محرم کی سترہ تاریخ تھی جب کہ تاریخ عرب کا اس روز دو سو دسواں سال پورا ہوا تھا، اسی سال پہلا حجۃ الغدر ہوا تھا اور یہ کہ نوشیرواں کسریٰ کو حکومت کرتے ہوئے اس وقت پورے چالیس سال ہوئے تھے نیز یہ کہ آپ کی ولادت کے روز مکے میں ماہ ربیع الاوّل کی آٹھویں تاریخ تھی اور آپ ابن یوسف کے گھر اس دنیائے آب وگل میں تشریف لائے تھے جہاں اس کے بعد عباسی خلفاء ہادی اور ہارون الرشید کی ماں خیزران نے مسجد بنائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک اور آپ کی والدہ مکرمہ کے وضع حمل کے وقت آپؐ کے والد ماجد عبداللہ شام گئے ہوئے تھے۔ جب وہ شام سے واپس لوٹے تو بیمار تھے اور ابھی آنحضرتؐ کی ولادت مبارک کا مہینہ چل رہا تھا کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ کچھ لوگ اس بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ کچھ لوگ یہی کہتے ہیں کہ جب آپؐ کے والد ماجد فوت ہوئے تو آپؐ کی ولادت مبارک کا مہینہ چل رہا تھا لیکن کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی وفات کے وقت آپ کی ولادت کا دوسرا سال شروع ہو چکا تھا۔

آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کا نسب

آپ کی والدہ مکرمہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرّہ بن کعب تھیں۔

آپؐ کی ولادت کے پہلے ہی سال میں آپ کو دُودھ پلانے کے لیے حلیمہ سعدیہ بنت عبداللہ بن حارث کے سپرد کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل کے واقعات

آپؐ کی ولادت کے چوتھے سال دو فرشتوں نے آپ کا شکم مبارک چاک کیا، پھر قلب مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک فاسد لوتھڑا نکال دیا۔ اس کے بعد انہوں نے آپؐ کے شکم مبارک اور قلب مبارک کو برف سے دھویا پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا:۔ اسے اس کی اُمت کے دس افراد سے زیادہ زینت بخشی گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کا وزن کیا اور ایک زبان ہو کر بولے: اس کا وزن اس کی اُمت کے مجموعی وزن سے خوبیوں میں ہزار گنا زیادہ ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے پانچویں سال حلیمہ سعدیہ نے آپ کی رضاعت

سے فارغ ہو کر آپؐ کو آپؐ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ چھٹے سال کا واقعہ ہے۔ اس وقت اور عام الفیل کے درمیان پانچ سال دو مہینے اور دس دن کا فصل ہے۔

آپؐ کی ولادت مبارک کے ساتویں سال آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو لے کر اپنے ماموؤں سے ملنے تشریف لے گئی تھیں لیکن ان کے میکے ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کو پانچواں دن گزرنے کے بعد اُمّ ایمن آپؐ کو لے کر مکے واپس آئیں۔

آپؐ کی ولادت کے آٹھویں سال آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے وفات پائی تو آپؐ کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری آپؐ کے چچا ابوطالب نے لے لی۔ اس وقت وہ حجرہ میں تھے۔ جب آپ کی عمر شریف تیرہ سال کی ہوئی تو آپؐ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام تشریف لے گئے اس وقت آپؐ کی عمر شریف پندرہ سال تھی اور اس وقت بھی حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ آپؐ کے ہمراہ تھا۔ ہم نے آپؐ کے اس سفر کا حال کافی شرح و بسط کے ساتھ اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں بیان کیا ہے۔

باب (۳۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے آپؐ کی ہجرت تک واقعات کا سلسلہ

بیت اللہ کی تعمیر جدید کے پانچ سال بعد جیسا کہ ہم اس سے قبل اجمالاً بتا چکے ہیں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو اس کی جملہ خصوصیات عطا فرمائیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر شریف پورے چالیس سال تھی۔ نبوت سے سرفرازی کے بعد آپؐ نے تیرہ سال تک مکے میں قیام فرمایا لیکن آپؐ نے بعثت نبوت کو تین سال تک پردہ اخفا میں رکھا۔ اس سے قبل جب آپؐ کی عمر شریف ابھی پچیس سال تھی تو آپ حضرت خدیجہ رضؓ کو اپنے حبالۂ عقد میں لے آئے تھے۔ مکے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک کی ۸۲ سورتیں نازل ہوئیں لیکن باقی سارا قرآن شریف (وحی کے ذریعے) آپؐ پر مدینے میں اُترا۔ پہلی مرتبہ آپؐ پر قرآن کی جو آیت حضرت جبریلؑ کے ذریعے نازل ہوئی وہ یہ تھی :-

"اقرأ باسم ربک الذی خلق" یہ آیت آپؐ پر سنیچر کی شب میں اُتری تھی پھر دوبارہ یہی آیت (آخر تک) اتوار کو اُتری اور پیر کے روز جبریلؑ نے آپؐ کو "رسول اللہ" کہہ کر مخاطب کیا۔ یہ واقعہ غارِ حرا میں پیش آیا۔ غارِ حرا ہی وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی۔ پہلے اللہ تعالےٰ نے آپؐ سے یہیں تک ارشاد فرمایا تھا کہ علم الانسان مالم یعلم۔ جس کے بعد آپ پر یہ پوری سورت اُتری۔ سفر کے مواقع پر آپؐ اس سورت کو دو حصوں میں تقسیم فرما کر صرف فرض کی دو رکعتوں میں تلاوت فرماتے تھے لیکن قیام کے مواقع پر اس میں اضافہ فرما لیتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بعثت کا تعیّن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت کے وقت کسریٰ پرویز کی حکومت کے بیسویں سال کا آغاز تھا اور اس وقت ژندہ کے معاہدات کو بھی دوسواں سال شروع ہو چکا تھا نیز اس وقت ہبوط آدم (علیہ السّلام) کو چھ ہزار ایک سو تیرہ سال گزر چکے تھے۔ جن حکمائے عرب نے صدر اسلام میں قدیم کتابوں کا مطالعہ کیا تھا انہوں نے یہ معلومات فراہم کی ہیں اور ہم نے انہیں کی بنیاد پر یہاں پیش کی ہیں۔ یہ ساری باتیں ایک عرب شاعر نے اپنی ایک طویل نظم میں بڑی خوب صورتی سے پیش کی ہیں جس کے ہمارے زیر بحث موضوع سے متعلق تین شعر درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

"جب یقینی طور پر ——— ! تیرھویں سال کا آغاز تھا !
اور اس سال کے آغاز سے قبل چھ ہزار ایک سو سال ختم ہو چکے تھے
اس وقت اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک پیغمبر بھیجا جو ہمارا رہنما تھا۔"

علی بن ابی طالب کا قبولِ اسلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بارے میں کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں لیکن اکثر حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام لانے سے قبل بھی کوئی مشرکانہ فعل آپ سے سرزد نہیں ہوا بلکہ آپ شروع ہی سے ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی فرماتے تھے اور سن بلوغت تک آپ کا یہی حال رہا یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان فرما کر اپنے اعزہ واقارب کو دعوتِ اسلام دی تو آپ فوراً اسلام لے آئے۔ یہ کہیے کہ خود اللہ تعالےٰ نے آپ کو معصوم بنا کر اِدھر اُدھر بھٹکنے سے روک دیا تھا اور ہر معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ دونوں میں سے کوئی کسی اضطراری کیفیت میں کبھی مبتلا ہوا تھا نہ انہیں کسی بات کی مجبوری تھی بلکہ انہیں ہر بات کی قدرت حاصل تھی لیکن انہوں نے برضا ورغبت اطاعت خداوندی اختیار کی۔ چنانچہ ان دونوں نے صرف انہیں باتوں پر عمل کیا جس کا انہیں خداوند تعالےٰ نے حکم دیا اور ان جملہ باتوں سے پرہیز کیا جن سے اللہ تعالےٰ نے انہیں روکا تھا۔ بعض لوگوں کی رائے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لانے والوں میں سے سے پہلے شخص تھے اور وہ اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کے مطابق " وانذر عشیرتک الاقربین " کے مصداق اور ان لوگوں میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لائے آپؐ کے قریب ترین عزیزوں میں تھے۔ کچھ لوگ اس سے جو ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف کے بارے میں بیان کیا اختلاف کرتے ہیں اور یہیں سے

شیعانِ علیؓ اور ان لوگوں میں اختلاف رونما شروع ہوا۔ یہ دونوں فریق اس سلسلے میں قرآن سے استدلال کرتے ہیں یعنی امامت و اختیار کے بارے میں آیات قرآنی پیش کرتے ہیں۔ بہرکیف یہ دونوں فریق آپ کے سب سے پہلے ایمان لانے اور اتباعِ سنت کے بارے میں متفق ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا قبول اسلام اور اس میں آپ کے مُتّبعین

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف خود اسلام قبول کیا بلکہ اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ پہلے آپؓ کے سامنے اسلام قبول کرنے والے عثمانؓ بن عفان، زبیرؓ ابن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص اور طلحہؓ بن عبیداللہ تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سب نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام لائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپؐ پر ایمان لانے میں سبقت کی۔ صدر اسلام میں کچھ پہلے شاعروں نے انہیں حضرات کی مدح میں لاتعداد شعر کہے ہیں جن میں سے ایک شاعر کے کچھ اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

پوچھنے والے خیر العباد کے بارے میں کیا پوچھتا ہے	انہیں سب اہلِ علم اور اہلِ خبر جانتے ہیں
یوں تو خیر العباد سارے قریش ہیں	لیکن ان میں سے ہجرت کرنے والے بہتر ہیں
ہجرت کرنیوالوں میں بھی وہ سابق الاسلام بہتر ہیں	جنہوں نے حضورؐ کی متحد ہو کر مدد کی
وہ علیؓ و عثمانؓ ہیں، پھر زبیرؓ ہیں	اور طلحہؓ نیز بنی زہرہ کے دو شخص ہیں
یہی دونوں شیخین ہیں جو قبر تک ہیں	حضورؐ کے پڑوسی اور آپؐ ان کے پڑوسی ہیں
ان کے بعد جو بھی فخر کرتا ہے	وہ کبھی ان کے سامنے فخر نہ کر سکا"

اوّلیت اسلام میں اختلاف

اس بارے میں کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام لانے والوں میں پہلے شخص حضرت ابوبکرؓ صدیق ہیں۔ اور اسی لیے وہ اس سلسلے میں سب پر سبقت رکھتے ہیں، ان کے بعد بلال بن حمامہ ایمان لائے اور ان کے بعد عمرو بن علبسہ نے اسلام قبول کیا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اور مردوں میں حضرت علیؓ نے اسلام قبول کیا لیکن بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے زیدؓ بن حارثہ ہیں، اس کے بعد حضرت خدیجہؓ اور اس کے بعد حضرت علیؓ ہیں۔ ہمارے لیے ان جملہ حضرات میں جن کا دعویٰ قابل قبول ہے ان کا ذکر ہم اس موضوع کے سلسلے میں اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں۔

باب (۳۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے وفات تک کے مکمّل حالات

افتتاحیہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّے سے ہجرت کا حکم دیا اور آپ پر جہاد فرض فرمایا۔ یہ سن ہجری کا پہلا سال تھا۔ اسی سال اذان کا حکم نازل ہوا۔ ویسے یہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت نبوت کا چودھواں سال تھا۔

ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے جب بعثت نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال تھی۔ اس کے بعد آپ نے مکّے میں تیرہ سال قیام فرمایا اور ہجرت کے بعد آپ مدینے میں دس سال تشریف فرما رہے اس طرح وفات کے وقت آپ کا سن شریف ترسیٹھ سال تھا۔

تعیّن سال ہجرت ہجرت کا جب پہلا سال تھا تو اس وقت کسریٰ پرویز کی حکومت کو ۳۲ سال گزر چکے تھے، اسی طرح اس وقت نصرانی بادشاہ ہرقل کی حکومت کو نو سال اور سکندر مقدونی کے زمانے کو ۹۳۳ سال ہو چکے تھے۔

ہجرت کا حال ہم کتاب الاوسط میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مکے سے خروج غار ثور میں آپ کے داخلے اور حضرت علی رض کی جانب سے آپ کے اونٹ کی نگہداشت اور آپ کے بستر مبارک پر رات کے وقت سونے کا حال بیان کر چکے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے ہجرت فرمائی اس شب کو آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر رض اور ان کا غلام عامر بن فہیرہ تھے جب کہ عبداللہ بن اریقط دیلی راستہ بتاتا جا رہا تھا حالانکہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ حضرت علی رض نے آپ کی مکّے سے روانگی کے

بعد وہاں تین روز قیام فرمایا تھا اور جن چیزوں کے متعلق آپؐ انہیں حکم دے گئے تھے کہ فلاں فلاں کو واپس کر دی جائیں انہیں ان لوگوں کو واپس کرنے کے بعد وہ بھی مدینے میں آپ سے آملے تھے۔

مدینے میں داخلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں پیر کے روز جب کہ ماہ ربیع الاوّل کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں داخل ہوئے اور آپؐ نے وہاں پورے دس سال قیام فرمایا مکے سے روانگی کے بعد مدینے میں تشریف آوری سے قبل آپ نے قبائے علی سعد بن خیثمہ میں قیام فرمایا تھا اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ قبا میں آپؐ کا قیام پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کے روز رہا اور جمعہ کے روز طلوع آفتاب کے بعد آپؐ مدینے کی جانب روانہ ہوگئے۔

مدینے میں داخلے سے قبل جملہ انصاری قبائل نے آپؐ کو خوش آمدید کہا اور انصاریوں میں سے ہر شخص نے آپؐ سے گذارش کی کہ آپ اس کے ہاں قیام فرمائیں اور اس درخواست کے ساتھ ہر شخص آپؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا۔ لیکن آپ نے اپنی اونٹنی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: "ایک طرف ہٹ جائیے، اسے غیب سے حکم مل چکا ہے۔" اس وقت آپ قبیلہ بنی سالم میں تھے اور نمازِ جمعہ کا وقت ہو چکا تھا، چنانچہ آپ نے اس قبیلے کے لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا فرمائی۔ وہ اسلام میں جمعہ کی پہلی نماز تھی۔ اس بارے میں کہ نماز جمعہ کہاں کہاں فرض ہوتی ہے کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں۔ متاخرینؒ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک چالیس نمازی جمع نہ ہوں نماز جمعہ واجب نہیں ہوتی۔ تاہم کوفے کے فقہاء اور کچھ دوسرے فقیہوں نے اس کے خلاف رائے دی ہے۔ بہرکیف مذکورہ بالا نماز جمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وادی کے بیچوں بیچ جسے آج تک وادی رانوناء کہا جاتا ہے ادا فرمائی تھی۔ اس کے بعد آپؐ اونٹنی پر سوار ہو کر آپ کسی مزاحمت کے بغیر اس جگہ پہنچے جہاں آج کل مسجد نبوی واقع ہے۔ وہ جگہ اس دن تک بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی جنہوں نے وہ جگہ آپ کی خدمت میں تعمیر مسجد کے لیے بخوشی پیش کر دی تو آپ نے ان کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔ اس کے بعد زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ آپ نے اسی جگہ سے وحی الٰہی کے مطابق لوگوں کو احکام خداوندی سنانے شروع فرمائے تھے۔ وہاں سے آپ سواری ہی پر تشریف فرما رہتے ہوئے آگے بڑھے اور ابی ایوب انصاری یعنی خالد بن کلیب ابن ثعلبہ بن عوف بن سحیم بن مالک بن نجار کے گھر تک تشریف لے گئے جہاں سواری سے اُتر کر آپؐ نے ایک مہینے تک قیام فرمایا۔ آپؐ کے ساتھ انصار بھی وہاں ٹھہرے اور اسی لیے ان کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔

آپؐ کے ایسے غزوات کی تعداد جن میں آپؐ باقاعدہ نبرد آزما ہوئے تھے گیارہ بتایا جاتا ہے۔ بہرکیف واقدی اور ابن اسحاق دونوں کی تعداد پر متفق الرائے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپؐ کا پہلا غزوہ ذات العشیرہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار و بعوث

آپؐ کے اسفار و بعوث کی تعداد کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مدینے میں تشریف آوری اور وفات کے درمیان آپؐ نے جو سفر فرمائے ان کی مجموعی تعداد ۴۸ ہے جب کہ بعض لوگ ان کی تعداد صرف ۶۶ بتاتے ہیں۔

آنحضرتؐ کے زمانے کے مشہور واقعات

جیسا کہ زیر نظر باب کی سطور بالا میں ہم ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں وفات کے وقت آپؐ کی عمر شریف ۶۳ سال تھی اور اس رائے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات آپؐ کی وفات کے ۷۰ روز بعد بتاتے ہیں جب کہ بعض لوگ اس رائے سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد ہجرت کے ایک سال بعد ہوا تاہم بعض لوگ اس سے کچھ کم یعنی کچھ پہلے بتاتے ہیں۔

سب سے پہلے جو خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مناکحت میں آئیں وہ حضرت خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات آنحضرتؐ کی بعثت کے قریباً تین سال بعد شوال کے مہینے میں ہوئی۔ تاہم ان کا آپؐ کے ساتھ رہنا اس وقت تک یقینی ہے جب آپؐ کی عمر شریف اکتالیس سال آٹھ مہینے اور بیس دن ہو گئی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی وفات جن کا اصل نام عبد مناف بن عبد المطلب تھا حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین روز بعد ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر انچاس سال آٹھ مہینے تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا اصلی نام ابو طالب ہی تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے وفات کے بعد سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد ود ابن نضر بن مالک بن حسل سے شادی کی۔ حضرت عائشہؓ سے آپؐ کا نکاح ہجرت سے دو سال قبل ہو گیا تھا لیکن رخصتی ہجرت کے سات مہینے نو دن بعد ہوئی تھی۔ ہم چونکہ جملہ اُمہات المومنین کا ذکر اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں کر چکے ہیں اس لیے یہاں اس کا اعادہ

ضروری نہیں سمجھا گیا۔

جعفر بن محمد اپنے والد محمد بن علی اور اپنے دادا علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تادیب اللہ تعالیٰ نے بہترین طریقے پر فرمائی تھی اسی لیے آپؐ کے جملہ احکام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مبنی تھے، آپؐ نے جاہلوں سے کنارہ کشی کا حکم بھی دیا۔ چنانچہ آپؐ کے انہیں اوصاف حسنہ کی بناء پر اللہ نے قرآن میں آپؐ کے متعلق فرمایا: "اِنّکَ لعلیٰ خلق عظیم" اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا تھا: "وَمَا آتاکم الرّسولُ فخذوہ وما نہاکم فانتھوا" یعنی رسول تمہیں جس بات کا حکم دے اس پر عمل کرو اور جس بات کی ممانعت کرے اس سے دُور رہو۔ آپؐ نے اسی لیے اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کے لیے جنت کا ضامن ٹھہرایا تھا جو آپؐ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز بھی تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پندرہ بیویاں تھیں لیکن آپؐ نے صرف گیارہ سے خلوت کی۔ آپؐ کی وفات کے وقت آپؐ کی نو بیویاں زندہ تھیں۔

آنحضرتؐ کی عمر کے بارے میں اختلاف آراء

لوگ آپؐ کی عمر شریف کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں ابن عباسؓ کی روایت پہلے پیش کر چکے ہیں۔ یہی حماد بن سلمہ نے علی الترتیب ابی حمزہ اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ابن عباس کی طرح ابوہریرہؓ کی روایت بھی اس بارے میں یہی ہے البتہ یحییٰ بن سعید کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے سعید بن مسیّب سے سُن کر یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ۴۳ سال کی عمر میں قرآن نازل ہوا، آپؐ مکے میں دس سال اور مدینے میں بھی دس سال قیام فرما رہے اور آپؐ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔

اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ کی روایت یہ ہے کہ آپؐ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔

تاہم ابن عباسؓ کے حوالے سے جنہوں نے آخر عمر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف پایا تھا کچھ لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اسی طرح ابن ہشام راوی ہیں: "ہم سے علی بن زید نے علی الترتیب یوسف بن مہران اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۵ سال کی عمر پائی۔" یہی بات قتادہ نے علی الترتیب حسن اور دغفل یعنی ابن حنظلہ کے حوالے سے بیان کی ہے کچھ لوگ

یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؐ نے ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ یہ لوگ بھی حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، اور عروہ بن زبیر کا حوالہ دیتے ہیں۔ حماد کا بیان یہ ہے: "ہم سے عمرو بن دینار نے عروہ بن زبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چالیس سال کی عمر میں اور وفات ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ اسی طرح شیبان نے یحییٰ بن ابی کثیر اور ابی سلمہ کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ آخر الذکر اور ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ بعثت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال تھی، اس کے بعد آپؐ نے مکّے میں دس سال قیام فرمایا اور ہجرت کے بعد مدینے میں بھی دس سال قیام فرما رہے اور ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات اور آپؐ کی تجہیز و تکفین

ہم نے اس موضوع کے بارے میں اپنی زیر نظر کتاب کے برعکس یہ اصول برتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور تجہیز و تکفین کے بارے میں اہل خبر نے جو کچھ کہا ہے اس سے قطعاً صرف نظر نہ کیا جائے بلکہ قابل قبول کی حد تک —— اُسے من وعن بیان کر دیا جائے۔ تاہم ہم نے اس سلسلے میں بھی طول کلام سے احتراز کیا ہے۔ البتہ جو کچھ کہا ہے اس میں اہل بیت علیہ السلام کے اقوال پر پورا پورا بھروسہ کیا ہے۔ انھیں کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔ غسل کے بعد آپ کو حسب معمول تین کپڑوں میں کفنایا گیا اور آپ کے جنازے پر ایک چادر کا اضافہ کیا گیا۔ آپؐ کو قبر میں حضرت علیؓ اور فضل نے اتارا اور عباس کے دو بیٹوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام شقران نے آپ کے مزار مبارک کو پاٹا اور اسے مٹی ڈال کر برابر کیا۔ کچھ ان کپڑوں کے بارے میں جن میں آپؐ کو کفنایا گیا مختلف الرائے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

اب ہم ان امور کا ذکر کریں گے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر آپ کی وفات تک وقوع پذیر ہوئے۔

باب (۳۹)

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے وفات تک وقوع پذیر اہم امور

افتتاحیہ ہم پچھلے صفحات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، ہجرت اور وفات کے حالات اجمالاً بیان کر چکے ہیں جو ایک صاحبِ بصیرت عالم اور کسی طالب رشد و ہدایت کے لیے کافی ہے، تاہم زیرِ نظر باب میں تفصیل کے ساتھ آپ کی ولادت سے وفات تک حالات کا سال بہ سال ترتیب وار ذکر کریں گے نیز وہ حالات دکوائف بھی بیان کریں گے جو آپ کو سنین کے لحاظ سے بالترتیب پیش آئے تاکہ دُوسرے لوگ بھی ان سے بآسانی اخذ نتائج کر سکیں، اس طرح ہمارے نزدیک یہ کتاب شرح و بسط کے اعتبار سے بھی مکمل کہلا سکے گی، انشاءاللہ۔

آنحضرتؐ کی ولادت کا پہلا سال آپؐ کی ولادت کے پہلے ہی سال آپؐ کو دُودھ پلانے کے لیے حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصر ابن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ ابن قیس عیلان بن مُضر بن نزار بن معد بن عدنان کے سپرد کیا گیا۔

آپؐ کی ولادت کا پانچواں سال آپؐ کی ولادت کے پانچویں سال جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں حلیمہ (سعدیہ) نے آپؐ کو واپس لاکر آپؐ کی والدہ مکرمہ کے حوالے کر دیا۔

ولادت کا چھٹا سال آپؐ کی ولادت کے چھٹے سال آپؐ کی والدہ ماجدہ آپؐ کو ساتھ لے کر آپؐ کے ماموؤں یعنی اپنے بھائیوں سے ملنے تشریف لے گئی تھیں کہ واپسی کے وقت مکے اور مدینے کے درمیان اپنے اجداد کی

سرزمین ہی میں اُنہوں نے وفات پائی - اس وقت آپؐ کو اُمِّ ایمن کی سپردگی میں دیا گیا جو آپؐ کی والدہ ماجدہ کی کنیز تھیں اور اب وراثتہً آپؐ کی کنیز ہو گئی تھیں۔

آپؐ کا سفرِ شام

نو سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ پہلی بار شام کے سفر پر روانہ ہوئے تھے، ویسے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ کی عمر شریف اس وقت تیرہ سال تھی - ابو طالب آپؐ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے بھائی تھے، لیکن چونکہ وہ آپؐ کی والدہ ماجدہ کے بھی رشتے دار ہوتے تھے لہٰذا اسی وجہ سے آپ کی کفالت کی ذمہ داری ان کے دوسرے بھائیوں عباس، حمزہ، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، حارث اور ابو لہب سے زیادہ انہیں پر تھی حالانکہ مذکورہ بالا دوسرے لوگ بھی آپؐ کے سگے چچا اور عبد المطلب کے بیٹے تھے۔ حضرت عبد المطلب کی سولہ اولادوں میں سے دس تو لڑکے تھے جن کے نام ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور سات لڑکیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں: عاتکہ، صفیہ، اُمیمہ، بیضاء، برّہ اور اروی ان چھ لڑکیوں میں سے حضرت زبیرؓ بن عوام کی والدہ صفیہ کے علاوہ کوئی دوسری لڑکی مسلمان نہیں ہوئی تھی، البتہ اروی کے بارے میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئی تھیں جب کہ بعض لوگ اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں۔

بہر حال اس سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام تشریف لے گئے تھے تو بحیرا راہب نے آپؐ کو دیکھ کر آپؐ کی رسالت کی پیشگوئی کی تھی حالانکہ وہ اسلام کے دشمنوں میں سمجھا جاتا تھا، ہم بحیرا راہب اور آپؐ کے سفر کا حال مختصر طور پر پہلے بیان کر چکے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانے میں اہل فترہ کے ذکر کے ساتھ ضمنی طور پر آ گیا تھا۔

جنگِ فجّار کا مشاہدہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ فجار بچشمِ خود ملاحظہ فرمائی تھی جب کہ آپؐ کی عمر شریف گیارہ سال تھی۔

یہ جنگ قریش اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی تھی - اس جنگ کا نام جنگ فجار اس لیے پڑ گیا ہے کہ یہ لڑائی محرم الحرام کے مہینے اور خانہ کعبہ کے گرد و پیش اور اس کی حدود میں ہوئی تھی - اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ کا مشاہدہ فرمایا تھا جس میں ایک طرف قریش اور دوسری طرف جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا قیس عیلان تھے جب کہ فتح قریش کو ہوئی تھی - قریش کی طرف سے اس جنگ کی کمان عبد اللہ بن جُدعان تیمی کر رہا تھا جو ان دو پڑھ دسیوں میں اہلِ تجارت

کی فروخت کیا کرتا تھا۔ بہرکیف جب مذکورہ بالا دونوں فریقوں میں صلح ہوگئی اور وہ بھی آپؐ ہی کے درمیان میں آجانے کی وجہ سے تو اسے بھی آپؐ کی رسالت کی ایک بیّن دلیل سمجھا گیا تھا۔

آپؐ کی ولادت کا چھبیسواں سال آپؐ کی عمر شریف اس وقت چھبیس سال تھی جب حضرت خدیجہؓ سے آپ کا عقد ہوا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی جب کہ کچھ لوگ اس سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی ولادت کا چھتیسواں سال آپ کی ولادت کے چھتیسویں سال قریش نے خانہ کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کیا اور اس میں حجرِ اسود نصب کیا گیا جس کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

آپؐ کی ولادت کا اکتالیسواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال ہو چکی تھی اور آپؐ کی ولادت مبارک کا اکتالیسواں سال شروع تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ پیر کا دن تھا اور ماہِ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ تھی۔ تاہم جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کچھ لوگوں کو اس سے اختلاف بھی ہے۔

چھیالیسواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا چھیالیسواں سال تھا جب قریش نے آپؐ کو بلکہ جملہ بنی ہاشم و بنی عبد المطلب کو مکّے کے قریب ایک پہاڑ کی گھاٹی تک محدود رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس جگہ کو محصور بھی کر لیا تھا۔

پچاسواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس سال ہو چکی جب آپ اور جملہ بنی ہاشم و بنی عبد المطلب مذکورہ پہاڑ کی گھاٹی سے نکل کر مکّے میں واپس آئے۔ اسی سال حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں آپؐ مکّے سے طائف تشریف لے گئے تھے۔

اکیاونواں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر شریف کے اکیاونویں سال قرآن شریف کے مطابق مسجدِ حرام سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ (یعنی اس سال کی ایک شب میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرفِ معراج سے سرفراز فرمایا گیا۔)

چوّنواں سال اپنی ولادت کے چوّنویں سال سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے

مکے سے مدینے ہجرت فرمائی اور وہاں مسجد نبوی تعمیر فرمائی اور اسی سال حضرت عائشہؓ جن سے آپ کا عقد مکے میں ہو چکا تھا، اپنے باپ کے ہاں سے رخصت ہو کر آپ کے خانہ مبارک میں داخل ہوئیں جب کہ ان کی عمر نو سال تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر آپ سے نکاح کے وقت چھ سال تھی نیز یہ کہ مسجد نبوی آپ نے ہجرت کے سات مہینے بعد تعمیر فرمائی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی (عائشہؓ کی) عمر اٹھارہ سال تھی اور آپ کی عمر شریف ہجرت کے وقت پچاس سال تھی۔ وہ یہ بھی ارشاد فرماتی ہیں کہ معاویہؓ کے زمانے میں ابوہریرہؓ نے آپؐ پر درود بھیجا تھا جب کہ اُن کی عمر کا سترواں سال تھا نیز یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا حکم دیا تو ان کی عمر (یعنی عائشہؓ کی عمر) سترہ سال تھی۔ عبداللہ بن زید کے قول کے مطابق انھیں یعنی عبداللہ بن زید کو خواب میں کیفیت اذان کا پتہ چلا تھا نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق ان کی اپنی عمر کے سترھویں سال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی تھی۔ ان کی شادی کی تاریخوں میں اختلافات کے متعلق ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

ہجرت کا دوسرا سال

ہجرت کے دوسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالےٰ کے حکم سے مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اور اسی سال بیت المقدس سے نماز کا رُخ فرمانِ نبیؐ کے مطابق خانہ کعبہ کی طرف کر دیا گیا۔ اسی سال آپؐ کی بیٹی رقیہ کی وفات ہوئی۔ اور اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جناب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوئی، نیز اسی سال بدر کا واقعہ پیش آیا وہ جمعہ کا دن تھا اور ماہ رمضان کی سترہ راتیں گزر چکی تھیں۔

ہجرت کا تیسرا سال

ہجرت کے تیسرے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ المومنین حضرت زینبؓ سے شادی کی لیکن صرف دو مہینے بعد وہ وفات پا گئیں۔ پھر اسی سال آپؐ نے حضرت حفصہؓ بنت عمر بن خطابؓ سے شادی کی اور اس سال آپ کی بیٹی اُمِ کلثوم سے حضرت عثمانؓ بن عفان کی شادی ہوئی۔ پھر اسی سال حضرت حسن ابن علی بن ابوطالب پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ اسی سال غزوۂ اُحد پیش آیا جس میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب شہید ہوئے۔

ہجرت کا چوتھا سال

اس سال مشہور غزوہ ذات الرقاع پیش آیا اور اسی سال آپؐ نے لوگوں کو ساتھ لے کر "صلاۃ الخوف" ادا فرمائی۔ جس کی تاریخ کے متعلق لوگوں میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ بنت ابی اُمیّہ سے شادی کی۔ اسی سال بنی نضیر کے یہود کے ساتھ وہ غزوہ پیش آیا تھا جس میں انہیں قلعہ تعمیر کرنے سے روک دیا گیا تھا اور ان کے درخت وغیرہ کاٹ دیے گئے تھے اور ان میں آگ لگا دی گئی تھی جسے دیکھ کر وہ صلح پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اسی سال بنی مصطلق کا غزوہ پیش آیا تھا اور ہجرت کے اسی چوتھے سال حضرت امام حسین ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے آٹھ سال قبل پیدا ہوئی تھیں۔

ہجرت کا پانچواں سال

ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ خندق کا واقعہ پیش آیا جس میں مدینے کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ اسی سال بنی قریظہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک غزوہ پیش آیا تھا جو ایک مہینے تک ٹھہر ٹھہر کر جاری رہا تھا۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے شادی کی تھی اور اسی سال اہل اِفک نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام عائد کیا تھا۔

ہجرت کا چھٹا سال

اس سال جب لوگ قحط آب کے عذاب میں مبتلا ہو گئے تھے اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعائے استسقاء فرمائی تھی اور اسی سال آپؐ نے وہ عمرہ ادا فرمایا تھا جو عمرۂ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے اور اسی میں مشرکین سے صلح نامہ مرتب ہوا تھا۔ اسی سال آپؐ نے باغِ فدک لیا تھا اور اُمّ حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے عقد کیا تھا۔ اسی سال آپؐ نے قیصر وکسریٰ کے پاس سفیر روانہ فرمائے تھے جن کو دیے جانے والے خطوط کی کتابت جُویریہ بنت حارث نے کی تھی اور اسی سے خوش ہو کر آپؐ نے انہیں اپنے سلسلۂ مناکحت میں لے لیا۔

ہجرت کا ساتواں سال

ہجرت کے ساتویں سال غزوۂ خیبر پیش آیا تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں صفیہ بنت حیّی بن اخطب نے آپ کی جان لینے کی کوشش کی تھی، اسی سال آپؐ نے جب کہ آپ عمرۂ قضا کے لیے تشریف لے گئے تھے، عبداللہ بن عباس کی خالہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ سے عقد کیا تھا۔ آپؐ کے اسی نکاح سے لوگوں میں یہ اختلاف پیدا ہوا اور فقہائے اسلام اس کے متعلق مختلف الرائے ہوئے کہ احرام

باندھنے کے بعد نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اسی سال بادشاہ مصر مقوقس کی جانب سے حاطب بن ابی بلتعہ تحائف لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان کے ہمراہ ماریہ قبطیہ بھی آئی تھیں جن کے ساتھ آپؐ نے عقد کر لیا تھا اور انہیں کے بطن سے فرزندِ رسولؐ ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ اسی سال جعفر بن ابی طالب اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ حبشہ سے واپس آئے تھے اور انہیں کے ہمراہ وہ سب مسلمان جو حبشہ میں باقی رہ گئے تھے۔

ہجرت کا آٹھواں سال

ہجرت کے آٹھویں سال شام کی سرزمین بلقاء میں مُوتہ کے مقام پر جو اس وقت دمشق کے ماتحت تھا جعفر بن ابی طالب، زیدؓ بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہؓ نے رومیوں سے جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی تھی۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب نے وفات پائی تھی، البتہ ان کی تاریخ وفات کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

فتح مکّہ

ہجرت کے آٹھویں ہی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا۔ البتہ اس کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ اسے بزورِ شمشیر فتح کیا گیا تھا یا مشرکین مکہ نے صلح نامے کے بعد ہتھیار ڈالے تھے۔ بہرکیف اس فتح کے بعد بہت سے بتوں کے ساتھ عُزّیٰ بھی توڑ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: "اے قریش! اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے قبضے میں دے دیا ہے تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اور قریش نے جواب دیا تھا: "آپؐ ہمارے اہل کرم بھائی اور اہل کرم بھائی کے بیٹے ہیں، اس لیے ہم آپؐ سے کرم ہی کی اُمید رکھتے ہیں۔" اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:۔
"جاؤ تم سب آزاد ہو۔" اسی سال غزوۂ حنین ہوا تھا جس میں ہوازن کی طرف سے مالک بن عوف نصری اور دُرَید بن صِمّہ شریک تھے اور ان کی کمان مالک بن عوف کر رہا تھا۔ اسی سال غزوۂ طائف پیش آیا تھا جہاں آپ صرف تالیف قلوب کے لیے تشریف لے گئے تھے اور وہیں ابوسفیان بن حرب اور اس کا بیٹا معاویہ مسلمان ہوئے تھے نیز اسی سال ماریہ قبطیہ کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔

ہجرت کا نواں سال

ہجرت کے نویں سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوسرے لوگوں کے ہمراہ مکے جا کر فریضہ حج ادا فرمایا اور اسی دوران میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کی سورت براءۃ تلاوت فرمائی تھی اور یہ حکم بھی دیا تھا کہ کوئی مشرک حج میں شریک نہیں ہو سکتا نیز یہ کہ عُریانی کی حالت میں حج بیت اللہ جائز نہیں ہے۔ اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اُم کلثوم کی وفات ہوئی۔

ہجرت کا دسواں سال

ہجرت کے دسویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا اور وہاں یہ ارشاد فرمایا کہ زمانہ گردش کرتا رہتا ہے البتہ اس کی ہیئت اس وقت تک وہی تھی جو اس وقت تھی جب اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان کو تخلیق فرمایا تھا۔ اسی سال آپؐ کے فرزند ابراہیم نے ایک سال دس مہینے اور آٹھ دن کی عمر میں وفات پائی اگرچہ اس تاریخ کے متعلق مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی سال آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تھا اور انھیں خود اپنی طرح احرام باندھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔

ہجرت کا گیارہواں سال

ہجرت کے گیارہویں سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی جس کا مختصر ذکر ہم زیرِ نظر باب سے قبل کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر .... تشریف کیا تھی اور یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ آپؐ کی وفات کے دن اور تاریخ کے متعلق لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اسی سال بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کی وفات کے دن، تاریخ اور وفات کے وقت ان کی عمر کے بارے میں بھی لوگ مختلف الرائے ہیں اور یہ کہ وہ آپؐ کی وفات کے بعد کتنے عرصے تک بقید حیات رہیں۔ البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ان کی وفات کے وقت نہ صرف ان کے بچے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شدید ترین گریہ وزاری میں مصروف رہے تھے اور انھوں نے بطور مرثیہ یہ اشعار کہے تھے:-

"تمام دوستوں کا جُدا ہونا فطری ہے — لیکن موت کے سوا ایسا کم ہی ہوتا ہے
احمدؐ کے بعد فاطمہؓ کی جُدائی، — اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ ساتھ نہیں رہ سکتے"

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

ابراہیم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی۔ ان میں قاسم سب سے بڑے تھے جو صغر سنی ہی میں وفات پا گئے تھے، ان کے علاوہ رقیہ اور اُم کلثوم بھی آپ کی بیٹیاں تھیں جن سے حضرت عثمانؓ بن عفان رضی اللہ عنہ نے یکے بعد

دیگرے شادی کی تھی۔ لیکن وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہروں عتبہ اور عتیبہ کے صلب سے تھیں جو دونوں ابی لہب کے بیٹے تھے۔ وہ ان سے طلاق کے بعد آپؐ کے نکاح میں آئی تھیں۔ ان کی ایک بیٹی زینب بھی تھیں جو ظہور اسلام سے قبل ابوالعاص ابن ربیع کی بیوی تھیں اور وہ بھی حضرت خدیجہؓ کے ایک پہلے شوہر سے تھیں جو ان کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ ابوالعاص بن ربیع اور زینبؓ میں مفارقت کی وجہ اوّل الذکر کا اسلام نہ لانا اور آخر الذکر کا اسلام قبول کرنا تھی۔ البتہ یہ بات اہل علم کے نزدیک متنازعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی العاص کے اسلام لانے کے بعد ان سے زینبؓ کا نکاح کر کے یا پہلے ہی نکاح کے تحت ان کی زوجیت میں رہنے دیا تھا یا نہیں؟۔

ابوالعاص کی ایک بیٹی امامہ بھی تھیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نکاح کیا تھا۔ نبی کریم کی بعثت کے بعد آپؐ کی جو اولاد ہوئی ان میں پہلے عبداللہ تھے اس نام کے علاوہ ان کے دو نام طیب اور طاہر بھی تھے۔ ان کے ان تین ناموں کی وجہ یہ تھی کہ وہ ظہور اسلام کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ آپؐ کی اولاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ابراہیم تھے۔

ہم نے اپنی دو پچھلی کتابوں اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بعثت تک اور بعثت سے ہجرت اور ہجرت سے آپؐ کی وفات تک جملہ حالات کافی تفصیل کے ساتھ قلم بند کر دیے ہیں اور مذکورہ کتابوں میں آپؐ کی وفات کے بعد سے آج تک یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک جو حالات وقوع پذیر ہوئے وہ بھی بیان کر دیے ہیں البتہ ہم انھیں زیر نظر کتاب میں آگے چل کر کسی قدر تفصیل سے بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باب (۴۰)

آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے ادا شدہ کلام جس کی مثال دنیائے علم و حکمت پیش کرنے سے قاصر ہے

★

افتتاحیہ اللہ تعالے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر معبوث فرمایا ، آپ کو ساری دُنیا کے لیے مبشر بنایا جس کے لیے آیات قرآنی میں بیّن دلائل پیش کیے ، آپ پر قرآن نازل فرمایا جو اپنی جگہ آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ قرآن میں نوع انسانی کو آپؐ کے ذریعہ جس فصیح و بلیغ انداز میں ہدایت دی گئی اس کا عبارت کے لحاظ سے کبھی جو مصفیٰ بھی ہے اور مسجع بھی کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ اس میں خطابت بھی ہے اور علم و حکمت بھی۔ تہدید بھی ہے اور وعدہ وعید بھی ، برائیوں کو بُرا بتایا گیا ہے اور خوبیوں کو سراہا گیا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام نے جو بصورت وحی الٰہی آپؐ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا ، تمام لایعنی لاف زنی ، خطابت و شاعری اور دیانات کے دعاوی ختم کر دیے۔ اہل عرب اور ان کے حوالے سے ساری دنیا کو قبیح افعال و اعمال سے روکا گیا ، اعمال خیر کی حوصلہ افزائی کی گئی اور ان کے لیے بہترین جزا کی بشارت دی گئی۔ ایسا کلام آپ سے پہلے نبی نوع انسان کے کسی فرد کے ذہن میں محفوظ نہ تھا نہ اس کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

اسی وجہ سے خالق کائنات جل شانہٗ نے عربی زبان پر قدرت رکھنے والوں سے فرمایا کہ تم سے ہو سکے تو اس جیسی ایک دو آیات ہی پیش کرو اور چاہو تو دوسروں سے مدد بھی لے لو لیکن تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے اور واقعتہً آج تک دنیا کے علم و حکمت بہر لحاظ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے حالانکہ وہ روشن ترین فصیح عربی ہے۔

قرآن کے بارے میں دُنیا کے کچھ لوگ مختلف الرائے ہیں لیکن ہم یہاں اس پر بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہماری زیر نظر کتاب کا موضوع تاریخ ہے نہ کہ بحث و نظر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منجانب اللہ عطائے حکمت

آپ کی ذات پاک میں بعثت کے بعد انبیاء علیہم السلام کی جملہ علمی وراثت جمع ہو گئی تھی لیکن آپ کی ذات قدسی صفات سے اس سے قبل بھی جو باتیں ظہور میں آئیں وہ بھی آپؐ کی رسالت اور اس کی صداقت کا بیّن ثبوت تھیں جن پر بعد بعثت اہل علم و نظر کو غور کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت آپؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو معجزات ظہور پذیر ہوئے انہوں نے بھی آپؐ کی رسالت و نبوّت پر مہر تصدیق ثبت کر دی جو خداوندکریم کی طرف سے خلق اللہ کے لیے آپؐ کی رسالت کی نشانیاں تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا" مجھے اللہ تعالےٰ نے کلام بالاتمام اور اس کی جملہ خوبیاں عطا فرمائی ہیں" لیکن اس کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ" کلام الٰہی کے علاوہ علم و حکمت کے سلسلے میں میری زبان سے جو کچھ نکلے اسے مختصر طور پر بیان کیا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ماسوائے چند دیگر ہدایات آپؐ کا جملہ کلام الٰہی ہے جو اپنی جگہ خود علم و حکمت کا خزانہ ہے اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کا اختصار بھی اپنی جگہ اتمام ہے یعنی معجزہ بلاغت ہے جس کے معنیٰ" کم الفاظ میں معانی کثیر" ہوتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا شدہ ایک ایک لفظ اس کی صداقت کا شاہد عادل ہے۔

آپؐ کا اعجاز کلام

ایک بار جب آپؐ نے قبائل مکہ کے سامنے اپنی ذات والاصفات کو پیش کیا تو اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) بھی تھے اور آپؐ بکر بن وائل کے قبیلے میں قیام فرما تھے۔ پہلے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کے اور دغفل کے مابین جب گفتگو نے انساب کے سلسلے میں طول پکڑا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا" اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالْمَنْطِقِ۔" یعنی بعض باتیں مصیبت پر منتج ہوتی ہیں، مطلب یہ کہ زیادہ بحث و مباحثہ کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جنگ کے بارے میں آپ کا قول مبارک یہ ہے:" اَلْحَرْبُ خَدْعَۃٌ" یعنی جنگ کا نتیجہ تباہی اور گریہ وزاری ہوتا ہے۔ آپؐ سے قبل جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں۔ یہ معجز نما جملہ بنی نوع انسان میں سے کسی شخص کی زبان پر نہیں آیا تھا جس کی تصدیق جملہ صحیح الرائے اہل ریاست و سیاست آج تک

کرتے چلے آرہے ہیں۔

آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا: "ہبہ کردہ شے میں سے واپس لینا ایسا ہے جیسا کہ کُل شے واپس لے لی گئی۔" اس کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی چیز ہبہ کر دی جائے تو اس میں سے تھوڑا حصّہ واپس لیا جائے یا زیادہ، برابر ہے۔ یہ جملہ تنبیہی ہے جس میں خطابت و معانی کی ایک دُنیا آباد ہے اور صرف اسی ایک بات پر صدہا کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ہم نے آپ کے یہ اقوال یہاں اس لیے پیش کیے ہیں کہ آپؐ سے قبل دنیا میں کسی کی زبان پر یہ بے مثال الفاظ نہیں آئے۔

آپؐ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ سطحِ ارضی پر مداحین کی مدح میں انہیں معذور سمجھو۔ اس بات کا مقصد یہ ہے کہ ایک انسان جب کسی دُوسرے انسان کا شکریہ ادا کرتا ہے تو اس کے اسباب مختلف ہوتے ہیں لہٰذا تم اس کے اسباب میں ردو قدح نہ کیا کرو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممکن ہے اس کے علاوہ ان الفاظ کا کچھ اور مفہوم پیشِ نظر رکھا ہو۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اسی جملے میں صدق و کذب کے بارے میں تنبیہ بھی موجود ہے۔ جہاں تک مدح کے بارے میں قرآن سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ وہ موقع وہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "اَجْعَلْنِی علیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم" اس آیت میں خالق کائنات، قادرِ مطلق اور اس کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کی صفات یکجا موجود ہیں۔

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: "ارتکاذ مال وزر ظلم ہے، جو شخص اس فعل کے مرتکب کی اتباع کرتا ہے وہ بھی ظالم ہے[1]۔"

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: "ارواح جنود درجنود ہیں، جوان کی معرفت کا دعوےٰ کرے وہ بھی ضیاعِ وقت کا مرتکب ہے اور جو ان سے بے خبری پر اصرار کرے وہ بھی غلطی کا ارتکاب کرتا ہے (یعنی بے جا اختلافِ رائے کا شکار ہے) راس الحکمت معرفت الٰہی ہے[2]۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بے شمار بے مثال اقوال میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱) "اے اللہ کے بندو، میرے ہمرکاب رہو، میں تمہیں جنت کی بشارت دیتا ہوں (۲) ایک لمحہ ساری عمر پر حاوی ہے۔ (۳) دو وحشیوں میں رسہ کشی کبھی ختم نہیں ہوتی (۴) مومن ایک سوراخ

---

[1] ترجمۂ مفہومی (رشادانی)

[2] (" " " ")

سے دو مرتبہ نہیں کاٹا جاتا (۵) آدمی پر جو گزرتی ہے اس کے اپنے ہاتھوں گزرتی ہے (۶) دید و شنید برابر نہیں ہوتیں (۷) دُور آدر وہ ہے جو کسی کے نفس پر غالب ہو (۸) میری اُمّت کے لیے بابرکت وقت ان کی صبحیں ہیں (۹) قوم کا ساقی وہ ہے جو سب سے آخر میں پیئے (یعنی اپنی پیاس سب سے آخر میں بجھائے (۱۰) مجالس کا انحصار امانتوں پر ہے (۱۱) ایک پہاڑ اگر دُوسرے پہاڑ پر چڑھ دوڑے تو ان میں سے جو باغی فساد و بغاوت ہوگا (لامحالہ) سطح ارضی کے برابر ہو جائے گا (۱۲) جس کی کوئی بیماری (یعنی طول پکڑے وہ اس سے اپنی ناک کٹوا کر مرے گا۔ (۱۳) میری کارِ خیر میں بھی امانت کو مالِ غنیمت اور زکات کو اپنے لیے جائز نہیں سمجھنی (۱۴) علم کو لکھ کر محفوظ کر لو (۱۵) بھلائی وہ ہے جو چھپا کر کی جائے (۱۶) ایک مسلمان دُوسرے مسلمان کا آئینہ ہے (۱۷) بھلی بات کہنے والے پر اللہ رحم فرمائے کہ اس کے لیے یہی غنیمت ہے لیکن شر سے اجتناب کرنے والا مسلمان ہے (۱۸) مروت کے حق دار زیادہ تر اپنے بھائی ہوتے ہیں (۱۹) اُوپر کا ہاتھ نیچے کے (کھلے یعنی پھیلے ہوئے) ہاتھ سے بہتر ہے (۲۰) ترکِ شر کی صدقہ ہے (۲۱) علمی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے (۲۲) غنی وہ ہے جو دل کا غنی ہو یعنی "تونگری بدل است نہ بمال۔" (۲۳) اعمال نیتوں پر منحصر ہیں (۲۴) اے مریضو بخل سے اجتناب تمہاری دوا ہے (۲۵) حیا نیکیوں کا مجموعہ ہے (۲۶) بھلے لوگ بھلے لوگوں سے ملتے ہیں (۲۷) نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت پکڑے (۲۸) مومن اپنے ہاتھ کی کمائی کو حد سمجھتا ہے (۲۹) شعر میں حکمت اور بیان میں جادو ہوتا ہے (۳۰) بادشاہ کے لیے عفو میں اس کے مُلک کی بقا ہے (۳۱) اہلِ زمین پر رحم کرنے والوں پر خدا رحم کرتا ہے (۳۲) آدمی انہیں سے میل جول رکھتا ہے جنہیں وہ چاہتا ہے اور اسے وہی ملتا ہے جو وہ کماتا ہے (۳۳) وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بزرگوں کا حق نہ مانے (۳۴) شر سے اجتناب کرنے والا امن میں رہتا ہے (۳۵) جس کے قتل میں اس کی اپنی کوئی غرض حائل نہ ہو وہ شہید ہے (۳۶) مومن کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان تین وجوہ کے بغیر اپنے بھائی کو چھوڑے (۱) عمل خیر کے لیے (۲) توبہ نہ کرے اور گناہوں پر نادم نہ ہو (۳) بھائی کا حق مارے اور اس پر ظلم بھی کرے (۳۷) ہر نیکی صدقہ کے برابر ہے (۳۸) جس نے انسان کا شکر ادا نہیں کیا اس نے گویا خدا کا شکر ادا نہیں کیا (۳۹) گمراہی کی تائید صرف گمراہ کرتا ہے (۴۰) کسی چیز کی (بے جا) محبت آدمی کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے (۴۱) سفر ذہنی و جسانی عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے (۴۲) آپؐ نے انصار سے فرمایا: آپ لوگوں

نے طمع میں کمی اور نیکی میں زیادتی کی ہے (۴۳) مومن جملہ شرائط قبول کر سکتا ہے سوا اس کے کہ ان میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھانے پر اصرار کیا جائے (۴۴) "صدر ہر جا کہ نشیند صدر است" (۴۵) آدمی بجائے خود سونے چاندی کی کانوں کی طرح ایک کان ہے (۴۶) ظلم روز قیامت کی ظلمت ہے (۴۷) مصافحہ جملہ موجبات کا مجموعہ ہے (۴۸) آدمی کی پسند و ناپسند اس کی جبلّت پہ منحصر ہے (۴۹) تم جس کی اتباع کرو گے وہی تمہارے امن کا ضامن ہے (۵۰) نقص مال صدقہ ہے۔ (۵۱) گناہ سے تائب ہونا ایسا ہے جیسا کبھی گناہ نہ کیا ہو (۵۲) مشاہدہ کنندہ جو کچھ دیکھتا ہے وہ غیر مشاہدہ کنندہ نہیں دیکھ سکتا (یعنی عینی شاہد اور غیر عینی شاہد برابر نہیں ہو سکتے) (۵۳) جو تمہارا حق ہو وہ لے لو جو تمہارا حق نہ ہو اسے چھوڑ دو (۵۴) مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل مزدوری دے دو (۵۵) دنیا کے نیک روز قیامت بھی نیک سمجھے جائیں گے (۵۶) جنّت تلواروں کے سائے میں ہے (۵۷) وہ مومن نہیں ہے جس کا پڑوسی اس کے ظلم سے خائف ہو (۵۸) جہنم کی آگ سے ڈرو خواہ اس کا خوف کھجور چھیلنے جیسے معمولی کام ہی سے کیوں نہ ہو (۵۹) حجاب عورتوں کے لیے لوازمات میں سے ہے (۶۰) خوش کلامی صدقہ ہے (۶۱) اس کی صحبت اچھی نہیں جو اپنی طرح تمہارے آرام کا خیال نہ رکھے (۶۲) دُنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے (۶۳) صداقت تاجر کی کمائی ہے (۶۴) دُعا مومن کا ہتھیار ہے (۶۵) خیر الامور اعتدال ہے (۶۶) جب کوئی ملاقات کے لیے آئے اس کا احترام کرو (۶۷) شفاعت کرو (صلے کے لیے ہو یا صرف تعریف کے لیے (۶۸) صبر و تحمل ایمان کی نشانی ہے (۶۹) افضل وہ ہے جو علم و معرفت میں افضل ہو (۷۰) ہلاکت (عموماً) اپنے ہاتھوں ہوتی ہے (۷۱) اولاد کی کثرت (اقتصادی مسائل پیدا کرتی ہے (۷۲) ہلاک ہونے والا اپنی قدر سمجھ لیتا ہے (۷۳) آنکھ کی بدی قلب کی بدی ہوتی ہے (۷۴) جھوٹ خلافِ ایمان ہے (۷۵) تھوڑے پہ قناعت کرنے والا زیادہ لے کر رونے والے سے بہتر ہے (۷۶) حیا کی کمی کفر ہے (۷۷) مومن زندہ رہنے کے لیے کھاتا ہے (۷۸) بدترین ندامت روز قیامت کی ندامت ہے (۷۹) بدترین معذرت وہ ہے جو مرتے وقت کی جائے۔ (۸۰) بزرگوں کی لغزشوں کی گرفت نہ کرو (۸۱) صبحدم طالب خیر ہوا کرو (۸۲) دنیا ظاہری آرائش ہے (۸۳) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کے مطابق تم سے کام لیتا ہے (۸۴) انتظار کشائش (فراخ دستی) عبادت ہے (۸۵) فاقہ کفر کو قریب لے آتا ہے (۸۶) (ایک دن) دُنیا میں فتنے اور بلا کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا (۸۷) مکر میں کمی محبت میں زیادتی کا باعث ہوتی ہے

(۸۸) صحت اور فارغ البالی دو نعمتیں ہیں جو اکثر (ممکن ہے آپؐ نے "اکثر" کی جگہ "سب" فرمایا ہو) لوگوں کو نہیں ملتیں۔ (۸۹) (قیامت میں) اللہ سے ملنے والا ہر شخص اپنی جگہ نادم ہوگا۔ (۹۰) نیکی کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: "کاش میں اس سے زیادہ کر سکتا" (۹۱) عمل خیر کے علاوہ جو کچھ آپؐ سے ظہور میں آیا وہ بطور عدل اور شاذ ہی سہی اس کے متعلق آپؐ نے فرمایا: "کاش میں اس میں کمی کر سکتا" (۹۲) آپؐ کا یہ قول مبارک ضرب المثل بن چکا ہے: "افسوس اور آرزو کی طوالت ہی تمہارا کارنامہ ہے (حالانکہ یہی دو باتیں قوموں کی ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں" (۹۳) "وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے کلام الٰہی یا میرے اقوال میں تحریف کی (آپؐ کے اس قول کی بہت سے لوگوں نے تاویلات پیش کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ آپ نے یہ جملہ منافقین کے بارے میں فرمایا ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ کا یہ ارشاد ان اہل کتاب کے متعلق ہے جنہوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کر لی ہے، چنانچہ یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ ٹھہرایا ہے، ویسے یہ مسلمانوں کے لیے ایک طرح سے تنبیہ بھی ہے۔ بہرکیف آپؐ کے اس قول کی تصریحات میں اختلافات ہیں جس طرح ابو مسعود بدری کی آپؐ سے روایت کردہ آپؐ کے اس قول میں ہے (۹۴) (ہر) سو سال بعد زمین پر کوئی چیز باقی نہیں رہتی (آپؐ کے اس قول کی تصریحات مختلف مفسّرین نے الگ الگ بیان کی ہیں۔ بہرکیف جو کچھ آپؐ نے فرمایا اور اس سے جو کچھ مراد لیا وہ خود آپؐ کو معلوم ہوگا یا اسے اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے اسی طرح آپؐ کا ایک اور قول ہے (۹۵) تمہارے امور کی کامیابی کا (سب سے بڑا سبب) ان کی پردہ پوشی میں ہے اور بہتر یہی ہے کہ ان میں کامیابی تک اسرار اسرار ہی رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بارے میں اہل خبر نے اپنے اپنے خیال کے مطابق مختلف تصریحات پیش کی ہیں۔

آپؐ کے مندرجہ بالا اقوال مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر بے شمار اقوال شریف و بے مثال کی طرح کتبِ سیر میں موجود ہیں۔ ہم نے ان میں سے یہ چند اہل طلب کے استفادے کے لیے یہاں ایک جگہ جمع کر دیے ہیں۔ آپؐ کے جملہ اقوال زرّیں ابو محمد بن حسن بن درید کی کتاب "المجتبیٰ" اور ابو اسحٰق زجاجی نحوی کی سیرت پر کتاب "ابی العباس المبرد" اور ابو عبداللہ نفطویہ، جعفر بن حمدان موصلی وغیرہ کی تصنیف کردہ کتابوں میں مل سکتے ہیں۔ ہم نے بھی وہ تمام کے تمام اپنی دوسری پچھلی کتابوں میں ترتیب وار پیش کیے ہیں جن کا اعادہ اختصار کے پیش نظر اس کتاب میں نہیں کیا گیا۔

باب (۴۱)

ذکرِ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دن جو دوشنبہ کو ہوئی تھی لوگوں نے خلافت کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ بن کعب بن خزرج انصاری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات جب ہوئی اس دن ماہ جمادی الآخر کے آٹھ آخری دنوں میں تین راتیں باقی تھیں اور یہ ہجرت کا تیرھواں سال تھا۔ اس وقت ان کی عمر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ۶۳ سال تھی جس پر جملہ اہل سیر و مورخین کا اتفاق ہے۔ ان کی ولادت عام الفیل کے تین سال بعد ہوئی تھی۔ ان کا دورِ خلافت دو سال تین مہینے اور دس دن رہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت یہی ہے لیکن بعض لوگ اس میں دس دن کا اضافہ کرتے ہیں یعنی ان کے دورِ خلافت کی مدت دو سال تین مہینے اور بیس دن بتاتے ہیں۔ ہم آگے چل کر ان کے دورِ خلافت اور اس زمانے کے احوال کوائف کا تفصیلی ذکر کریں گے۔ اس ذکر کو ہم نے بنی اُمیہ اور بنی عباس کے ادوارِ حکومت کے احوال و کوائف کے بعد اس کتاب کے اس حصے کے لیے مخصوص کیا ہے جس میں ہم زمانۂ ہجرت سے لے کر آج تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک جو ابی اسحٰق المتقی للہ کی حکومت کا زمانہ ہے اس پورے دور پر مفصل گفتگو کر کے اپنی زیرِ نظر کتاب کا اختتام کریں گے۔ بہرکیف ہم نے مذکورہ بالا احوال و کوائف کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف رائے بیان کر کے اصحابِ زیجات کا قول نقل کیا ہے اور انہیں کے حسابِ نجوم پر بھروسہ کر کے اس زمانے کے برسوں، مہینوں اور دنوں کا حساب لگایا ہے۔

آپؓ کا نسب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا نام عبداللہ بن عثمان تھا۔ مؤرخین

اور اہل سیر سے آپ کا نسب حسب ذیل بیان کیا جاتا ہے۔

"ابو قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب"۔ مُرّہ تک پہنچ کر آپ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کا لقب عتیق تھا کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق اللہ تعالٰے نے آپ کو آگ سے یعنی آتش جہنم سے بچایا تھا۔ آج تک آپ کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا اور یہ صحیح بھی ہے۔ اس کی دوسری وجہ آپ کی اپنی ماں اور سوتیلی ماؤں کی آپ کے والد محترم کی زندگی بھر اور بعد از مرگ بھی پاک دامنی اور عصمت مآبی ہے جس کا آپ نے بھی نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ تائید کی ہے۔

آپ کے اوصاف

آپ لوگوں میں سب سے زیادہ زاہد و عابد تھے اور ان میں سب سے بڑھ کر متواضع، با اخلاق تھے۔ آپ اپنے لباس اور خوراک کے معاملے میں اپنے دورِ خلافت میں بھی حد سے زیادہ سادگی پسند تھے۔ اس وقت بھی آپ کا لباس ایک پگڑی اور معمولی عبا ہی پر مشتمل تھا۔

آپ کی تواضع اور زہد و انکسار

جب عرب کے زعماء، اشراف اور یمن کے حکمران آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو ان کا لباس زرق برق اور مذہب و مطلا ہوتا لیکن جب وہ آپ کے لباس کی سادگی، آپ کی تواضع اور زہد و انکسار کو دیکھتے تو بہت شرمندہ ہوتے اور واپس جا کر ایک دوسرے کو اپنے امیرانہ لباس کے بارے میں سخت سُست کہتے تھے اور آپ کے لباس کی سادگی کے باوجود آپ کے وقار اور دبدبے سے مرعوب نظر آتے تھے۔

آپ کی خدمت میں عربی وفود کی حاضری

عرب کے جو وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں یمن کے دوسرے حکمرانوں کے علاوہ حمیر کا حکمران ذو الکلاع بھی تھا، اس کے ساتھ عیش و عشرت کے دوسرے ساز و سامان کے علاوہ ایک ہزار غلام بھی تھے اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس کا لباس بھی زرتار اور زرق برق تھا اور اس کے سر پر ایک مرصع و زرنگار تاج بھی تھا۔ اس کی یمنی زرنگار یمنی چادریں اور مطلا عبائیں اس کے علاوہ تھیں، لیکن آپ کا سادہ لباس دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ ایک روز جب آپ بازار تشریف لیے جا رہے تھے تو آپ کے کُرتے میں شانوں کے قریب معمولی چمڑے کے پیوند لگے ہوئے دیکھ کر آپ کے عزیزوں میں سے کچھ لوگوں نے آپ سے عرض کیا:۔

"ہم نے آپ کو جملہ مہاجرین و انصار پر فضیلت دی ہے۔"

(اس جملے سے ظاہر ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس کے باوجود کہ ہم نے آپ کو خلافت کے لیے منتخب کیا ہے لیکن آپ نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا ہے)

آپ نے جواباً فرمایا: "کیا آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت کے حکمرانوں کی طرح (عیش پرست اور) ظالم و جابر حکمران بن جاؤں؟ خدا کی قسم میں ایسا کبھی نہیں بنوں گا، میرا کام اطاعت خداوندی زہد و تقویٰ اور تواضع و انکسار کے علاوہ مخلوقِ خدا سے نرمی و ملاطفت سے پیش آنا ہے۔"

جب یمن کے حکمران آپ کی خدمت میں باریاب ہو کر واپس لوٹے تو وہ درحقیقت اپنی جگہ بڑے نادم تھے۔ یہ اس تجربے کا نتیجہ تھا جو انہیں آپ کی خدمت میں حاضری اور آپ کی انتہائی سادہ زندگی دیکھ کر حاصل ہوا۔

آپ کے اور ابی سفیان کے درمیان گفتگو

آپ کو ابی سفیان کی سرکشی و تمرد کی خبریں ملیں تو آپ نے اسے طلب فرمایا — جب ابی سفیان آپ کے پاس آیا تو آپ کو محسوس ہوا کہ وہ تملق کی باتوں کے باوجود اپنے آپ کو آپ سے بڑا سمجھ رہا ہے اور غرور و نخوت ابھی تک اس کے دماغ میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ اس پر وہ آپ کے قریب کھسک کر بولا: "اے بیٹے! کیا تو اپنے آپ کو ابی سفیان سے جو قریش کا بہت بڑا سردار ہے اپنے آپ کو برتر سمجھ رہا ہے جو اس سے بلند آواز میں گفتگو کر رہا ہے اور اسے نصیحتیں بھی کر رہا ہے؟ کیا ایک بیٹا اپنے باپ کو نصیحت کرنے کا اہل ہے؟ کیا تو نے اپنے طور طریق بدل ڈالے ہیں۔"

یہ سن کر مہاجرین و انصار مسکرانے لگے لیکن آپ نے جواب دیا: "بزرگوار! زمانۂ جاہلیت کی باتوں کو بھول جائیے۔ اسلام نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے ایک قوم کو برتر کیا اور اس کے مقابلے میں دوسروں کو کمتر ٹھہرایا ہے۔"

آپ کی والدہ ماجدہ کا نسب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی والدہ ماجدہ کا نام سلمٰی اور ان کی کنیت ام الخیر تھی۔ وہ صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ کی بیٹی تھیں۔

آپ کی اولاد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں تین بیٹے عبداللہ، عبدالرحمٰن اور محمد تھے۔ عبداللہ طائف کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوکر زخمی ہو گئے تھے۔ وہ اپنے باپ کی خلافت کے زمانے تک زندہ رہے اور اپنے پیچھے وفات کے وقت کل سات دینار چھوڑے تھے جن میں ان کے والد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اضافہ کر دیا تھا (یعنی اضافہ کرکے وہ سب خیرات کر دیے تھے) عبداللہ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تھی۔ عبدالرحمٰن غزوہ بدر میں مشرکین کے ساتھ شریک ہوکر مسلمانوں سے لڑے تھے لیکن جب بعد میں مسلمان ہوئے تو ان کا بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتا تھا۔ عبدالرحمٰن کے بارے میں مؤرخین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کے ساتھ ان کی پیروی کے لیے بہت سے بدو، نواح حجاز میں جمع ہو گئے تھے یہ جگہ عراق کے راستے کے قریب ایک مشہور مقام تھا جسے صفینیات اور سح کہا جاتا ہے۔ محمد کی ماں کا نام اسماء بنت عُمَیس خثعمیہ، جعفر بن ابی طالب انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کے بعد جعفر بن ابی طالب کے دو بیٹے عون اور محمد حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے اور وہیں شہید ہوئے تھے۔ عبداللہ بن جعفر کے چار بیٹے علی، اسماعیل، اسحاق اور معاویہ تھے۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد ان کی زوجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا تھا اور انہیں کے بطن سے محمد پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا تھا اور ان کی کئی اولادیں ہوئیں لیکن کوئی زندہ نہیں رہی۔ جب اُمِ اسماء کا وقت پیری و ضعیفی تھا اس وقت ان کی چار بیٹیاں زندہ تھیں۔ ان کی یہ چاروں بیٹیاں مختلف لوگوں سے بیاہی گئی تھیں جن میں سے ایک میمونہ ہلالیہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئی تھیں اور ایک دوسری ام فضل کی عباس بن عبدالمطلب سے شادی ہوئی تھی۔ ان کی ایک بیٹی سلمٰی کی شادی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سے ہوئی تھی اور انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکی چھوڑی تھی اسماء جو جعفر، ابی بکر اور علی سے ان کے یکے بعد دیگرے تین شادیوں کے باوصف وہی اکلوتی اولاد تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اولاد میں اُم فروہ بھی تھیں جو قاسم بن محمد کی بیٹی تھیں محمد کو ان کے زُہد و تقوٰی اور منکسر المزاجی کی وجہ سے "عابد قریش" کہا جاتا تھا۔ ان کی پرورش حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کی تھی۔ ان کے دیگر حالات اور قتل کا ذکر ہم اس کتاب میں آگے چل کر معاویہ بن ابی سفیان کے ذکر کے ساتھ چل کر کریں گے۔

آپ کی وفات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خلافت کے لیے نامزد کرنے کے بعد وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ یہ سال ہجرت کا تیرھواں اور بعض مورخین کے نزدیک چودھواں سال تھا۔

یوم سقیفہ سقیفہ بنی سعدیہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر عام لوگوں نے تین دن تک بیعت کی لیکن تیسرے روز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مکان سے باہر تشریف لائے اور ان سے اس طرح مخاطب ہوئے :" کیا آپ ہم لوگوں میں باہم فساد پیدا کرنا چاہتے ہیں ؟ آپ نے ہمارے حق کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے ۔" اس پر آپ نے جواب دیا :" مجھے فتنے ہی کا خوف تھا ۔" یوم سقیفہ کے بارے میں مہاجرین و انصار کی بے شمار روایات ہیں جن میں حق خلافت کا ذکر آیا ہے ۔ سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کبھی بیعت نہیں کی ، وہ پہلے دن مدینے سے شام روانہ ہو گئے تھے اور وہیں پندرہ سال کے بعد قتل کر دیے گئے تھے ۔ بہر حال ہماری زیر نظر کتاب کا موضوع جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس قبیل کے مباحث نہیں ہیں نہ ویسے بنی ہاشم میں سے کسی نے حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کسی فرد واحد نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی ۔

عدی بن حاتم طائی ان دنوں جب بیت اللہ اور مسجد نبوی میں جمع ہونے والوں کے سوا بہت سے عربی قبائل جو حرمین شریفین کے درمیان آباد تھے اسلام نہیں لائے تھے ، عدی بن حاتم طائیؓ خلیفہ اوّل کی خدمت میں صدقے کا اونٹ لے کر حاضر ہوا تھا ۔ اس کے متعلق حارث بن مالک کہتا ہے :

ے "ہم میں جو وفا ہے جیسی آج تک کسی نے نہیں دیکھی ہمارے جد امجد عدی بن حاتم نے ہمیں سربلند کیا ہے"

آپ کا مرض الموت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہودیوں نے کھانے میں زہر دے دیا تھا ۔ اس کھانے میں حارث بن کلدہ بھی شریک تھے جو یہ کھانا کھا کر نابینا ہو گئے تھے مگر آپ پر اس زہر کا اثر ایک سال تک رہا اور اسی کے اثر سے آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے جو پندرہ دن تک چلتا رہا اور اسی مرض میں آپ نے وفات پائی ۔

آپ کا کلام آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا : میں نے تین خطاؤں کے سوا کسی امر میں خطا نہیں کی ، وہ تین باتیں بھی ایسی تھیں جن کے سرزد ہونے کے بعد میں نے انہیں فوراً ترک کر کے توبہ کر لی تاہم مجھے افسوس رہا کہ ایسی تین خطائیں بھی سرزد کیوں ہوئیں اور یہ بھی افسوس رہا کہ ایسے معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک معلوم نہ کر سکا تھا ۔ ان تین خطاؤں میں سے ایک خطا تو یہ ہے کہ میری زندگی میں فاطمہ

زہرا رضؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ توڑا گیا (اس کے متعلق بہت سی مختلف روایات ہیں) دوسری خطا میری یہ ہے کہ میں نے فجار کو یا تو قتل کر دیا یا قطعاً معاف کر دیا، تیسری بات یہ ہے کہ میں نے یوم سقیفہ کی ذمہ داری ایک ایسے شخص پر چھوڑ دی جو خود امیر اور میں اس کا نائب تھا۔ ان پہلی تین فروگذاشتوں کے علاوہ تین اور باتیں یہ ہیں جن پر مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا ایک بات تو یہ ہے کہ جب اشعث بن قیس کو قید کر کے میرے سامنے لایا گیا تو میں نے فوراً بغاوت کے الزام میں اس کی گردن مروا دی حالانکہ وہ بانیٔ شر نہیں تھا بلکہ اس نے اہل شر کی اعانت کی تھی۔ ایک بات یہ ہے کہ میں عمر بن خطاب کے ساتھ مشرق کی طرف گیا اگرچہ مشرق و مغرب یا شمال و جنوب میں میرا کہیں آنا جانا صرف فی سبیل اللہ ہی ہونا چاہیے تھا۔ ان دو باتوں کے علاوہ تیسری بات یہ ہے کہ جب میں نے جیش ردہ کے لیے سامان فراہم کر کے اسے روانہ کر دیا تو خود اپنے مکان پر واپس آ کر صرف مسلمانوں کے سلام لیتا رہا، حالانکہ مجھے اس لشکر میں نہ صرف شریک بلکہ اس کے آگے آگے ہونا چاہیے تھا۔

حضرت ابوبکر رضؓ جہاں تک مذکورہ بالا لشکر کے ساتھ مدینے سے گئے تھے اس جگہ کا نام ذی قصّہ ہے۔ اسی لیے آپ نے یہ بھی فرمایا: "کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں (آپ کی وفات سے قبل) دریافت کر لیتا اور مسئلہ خلافت کے بارے میں بھی آپؐ سے دریافت کر لیتا تاکہ آپؐ کے اہل بیت اس سلسلے میں مجھ سے کوئی تنازعہ نہ کرتے!" آپ نے یہ بھی فرمایا: "کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چچی اور بھتیجی کی میراث کے بارے میں بھی دریافت کر لیتا کہ ان کے حقوق خود میری ذات سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا: کاش میں مسئلہ خلافت کے سلسلے میں انصار کے متعلق آپ کی رائے معلوم کر سکتا!"

آپ کی لڑکیاں

آپ نے اپنی وفات کے وقت جو بیٹیاں چھوڑیں ان میں ایک اسماء ذات النطاقین تھیں جو عبداللہ رضؓ ابن زبیر کی والدہ تھیں اور دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

آپ سے حضرت علی رضؓ کی بیعت

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی بیعت کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے دس دن بعد بیعت کر لی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۷۰ اور نصف دن بعد لیکن بعض لوگ تین مہینے

بعد بتاتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ نے ان کی بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد کی تھی اور بعض لوگ اس سے کچھ کم و بیش بتاتے ہیں۔

امرائے لشکر کو آپ کی وصیّت

آپ نے شام کی طرف جو امرا یا گورنر یا امیرِ لشکر روانہ فرمائے ان میں یزید بن ابی سفیان بھی تھا جو آپ کا طرف دار سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے اسے جو وصیت فرمائی تھی یہ تھی کہ جب تم اپنی عمل داری میں پہنچو تو فوراً ہی بھلائی کا کام شروع کر دو، اس میں تاخیر و تعویق سے کام نہ لینا، جب کوئی وعدہ کرو تو پہلے اس کا جواز دیکھ لو اور اس سے زیادہ باتیں نہ کرو کیونکہ لوگ بعض باتیں یاد رکھتے ہیں اور بعض کو بھول جاتے ہیں۔ اگر تم اپنی اصلاح کر لو گے تو لوگ تمہاری اصلاحی باتوں کو سنیں گے۔ جب تمہارے کسی دشمن کا قاصد پہنچے تو اس کے حسب مرتبہ اس کا بھی احترام کرو، یہی دشمنوں کے ساتھ تمہاری بھلائی کا آغاز ہوگا۔ انہیں اپنے پاس زیادہ نہ ٹھہراؤ کیونکہ وہ تمہارے بارے میں پھر بھی لاعلم ہی رہیں گے، ان کی ہر بات قابل قبول نہ سمجھا کرو لیکن یہ ظاہر کیا کرو کہ تم نے ان کی باتیں سمجھ لی ہیں، اپنی راز کی باتوں کو اپنی اعلانیہ باتوں میں شامل نہ کیا کرو بلکہ ان کا امتزاج عمل کے ساتھ ہونا چاہیے جب کوئی بات معلوم ہو تو اس کی تصدیق کر لیا کرو۔ اپنی ہر بات پر دوسروں سے مشورے سے قبل خود غور کر لیا کرو۔ جب تمہارے پاس کوئی چیز پوشیدہ طور پر بھیجی جائے تو اس کا بے وقت اظہار نہ کیا کرو بلکہ اس کے بارے میں کافی غور و خوض کر لیا کرو۔ اپنے لشکر سے اطلاعات پوشیدہ رکھا کرو کیونکہ یہ تمہاری ذاتی حفاظت کے لیے ضروری ہے اور ان کے لیے یہ اچانک خبریں انہیں پریشان کرنے کے علاوہ تمہارے لیے بھی رات دن کی بے چینی کا باعث بنیں گی اور ان کے تحفظ میں تمہیں دشواری پیش آئے گی۔ بظاہر کھلی باتوں کی بھی تصدیق کر لیا کرو۔ دوسروں کے سامنے اپنے خوف کا اظہار نہ کیا کرو، ویسے دوسروں سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ کے زمانے میں نبوّت کے مُدعی

ہم نے اس کتاب میں بخوف طوالت اور اختصار کے پیشِ نظر ان جملہ نبوت کے دعوے داروں کا تفصیلی ذکر نہیں کیا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نبوّت کے مدعی تھے مثلاً نبوت کا ایک جھوٹا مدعی عیہلہ تھا جس کے دعویٔ نبوّت کی خبریں یمن اور صنعا میں بہت پھیلی تھیں اور بعد میں اسے قتل کر دیا گیا تھا یا طلیحہ اور اس کے دعویٔ نبوّت کا ذکر اور اسی طرح یا اس کی پیروی میں سجاح بنت حارث بن سوید کا دعویٔ نبوّت۔ لوگ اسے بنت غطفان بھی بتاتے ہیں، ممکن

ہے وہ اُمّ صادرہ ہو) جیسا کہ کچھ لوگ بیان کرتے ہیں ۔ایک شاعر نے آخرالذکر کے بارے میں کہا ہے :-

شعر

"ہم میں ایک عورت نبوت کی دعوے دار تھی ویسے ہم نے نبوت کے مرد دعوے داروں کا ذکر بہت سنا ہے"

ایک اور شاعر سجاح بنت حارث بن سوید کے بارے میں کہتا ہے :-

شعر

"بنی تمیم کو اللہ نے گمراہ کیا تھا ! ان میں سجاح نے گمراہی پھیلائی تھی"

نبوت کے ان جھوٹے دعوے داروں میں ایک مُسیلمہ کذاب بھی تھا۔اس کے دعویٰ نبوت سے قبل سجاح نبوت کا دعوے کر چکی تھی۔اس کے اس دعوے کے لیے مسطیح، ابن سلمہ، ماموں حارثی اور عمرو بن لُحی وغیرہ کاہنوں نے راہ ہموار کی تھی۔سجاح جب مسیلمہ کذاب کے پاس پہنچی تو اس نے یعنی مُسیلمہ نے اس سے نکاح کر لیا تھا۔نبوت کے ان دعوے داروں کے واقعات کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کی تفصیلات میں جانے سے اختصار کے پیش نظر یہاں گریز کیا ہے اور انھیں مجملاً بیان کر دیا ہے۔

مثلاً : مثلاً خالد بن ولید (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) سے مسیلمہ کا مقابلہ اور اس کا قتل، ایک انصاری کا اس میں ملوث ہونا۔یہ ہجرت کے گیارھویں سال کے واقعات ہیں۔ان کے علاوہ سقیفہ کا قصہ ہے نیز یہ کہ اس سلسلے میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیعت میں کس کس نے سبقت کی تھی اور کیوں کی تھی؟ اس سلسلے میں منذر بن حباب کا قول بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔اس نے بیعت ابوبکر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے بارے میں کہا تھا: "میں نے اس کی خوشبو سونگھی اور جب اسے چکھا تو دونوں حالتوں میں پسندیدہ پایا۔اب خدا کو گواہ کر کے بتاؤ کہ اسے بُرا بھلا کہنے سے کیا فائدہ ہے؟" اس کے علاوہ اس بارے میں سعد بن عبادہ اور بشر ابن سعد کی باہمی تکرار اور قبیلہ اوس کا یہ خوف کہ اگر عبادہؓ نے حد سے تجاوز کیا تو وہ خزرج میں باہمی تنازعہ کا باعث بن جائے کیونکہ یہ بات اس قبیلے تک پہنچے بغیر نہ رہے گی۔اس کے علاوہ بنی ہاشم کی بیعت ابوبکر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے متعلق باتیں اور مفسرین و مؤرخین کی اس بارے میں بحث و تمحیص اور حقوق امامت کے متعلق ان کی رائیں، اس کے علاوہ بیعت اور امامت مفضول کے متعلق لوگوں میں چرچے اور چہ میگوئیاں نیز اپنی بیماری کے دوران میں بنت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا اپنے والد بزرگوار کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر کرم گستری کے لیے استدعا اور اس سلسلے میں صفیہ بنت عبد المطلب کا قول۔ بہر کیف جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا بخیال وخوف طوالت اور بخیال اختصار ہم نے ان واقعات کی تفصیل میں جانے سے یہاں گریز کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم ان واقعات کو اپنی دو پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

باب (۴۲)

ذکر خلافت حضرت عمر بن خطابؓ رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے بیعت اس وقت لی گئی تھی جب تیرھویں سال ہجری کے آغاز میں آپ حج سے واپسی پر مدینے میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی جانشینی کے لیے نامزد ضرور کیا تھا لیکن یہ نامزدگی مجلس شوریٰ کے متفقہ فیصلے کے بغیر نہیں ہوئی تھی۔ مجلس شوریٰ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پر مشتمل تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی خلافت کے دوران ہی میں مغیرہ کے غلام ابو لوٗلوہ نے قتل کر دیا تھا۔ اس وقت سن ہجری کا تئیسواں سال تھا اور بدھ کا دن تھا جب کہ ماہ ذی الحجہ کے اختتام میں چار روز باقی تھے۔ اس وقت تک آپ کے دورِ خلافت کو دس سال چھ مہینے اور چار راتیں گزر چکی تھیں۔ آپ کو صبح کی نماز میں شہید کیا گیا تھا، اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی قبروں کے پاس دفن کیا گیا اور آپ کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی طرف رکھا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں ایک قطار میں ہیں یعنی آپؐ کی قبر کے پہلو میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو دفن کیا گیا ہے۔ آپ نے نو حج کیے تھے، آپ کے جنازے کی نماز عبدالرحمٰن بن عوف نے پڑھائی تھی۔ آپ کی شہادت کے تین روز بعد مذکورہ بالا مجلس شوریٰ کا دوبارہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔

آپ کا نسب، کردار اور احوال و آثار

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا نسب نویں پشت میں جا کر یعنی کعب پر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے نسب سے مل جاتا ہے جو یہ ہے :-

"عمر بن خطاب بن نُفیل بن عبد العزیٰ بن قرط بن رباح بن عبد اللہ بن رزاح بن عدی بن کعب"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ حَنْتَمہ بنت ہشام ابن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم تھیں جو سوداء کے نام سے مشہور تھیں۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو فاروق اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ نے حق و باطل کے درمیان حد فاصل قائم کی تھی یا فرق بنایا تھا۔ آپ کی کنیت ابوحفص تھی۔ آپ پہلے خلیفہ تھے جنہیں امیر المومنین کہہ کر پکارا گیا۔ آپ کا نام عُمر عدی بن حاتم نے رکھا تھا، البتہ اس بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں، واللہ اعلم۔ جس شخص نے آپ کو امیر المومنین کہہ کر بلایا وہ مغیرہ بن شعبہ تھا، ویسے ابوموسےٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) نے منبر سے آپ کو امیر المومنین کہہ کر یاد کیا پھر آپ کو حسب ذیل ایک خط بھی اس طرح لکھا: "ابوموسےٰ اشعریؓ کی طرف سے عبد اللہ عمر امیر المومنین کے نام"۔ جب آپ کو یہ خط پڑھ کر سُنایا گیا تو آپ نے فرمایا: "میں اللہ کا بندہ ہوں، عُمر ہوں اور الحمدللہ امیر المومنین بھی ہوں"۔

آپ کے اوصاف

آپ حد درجہ متواضع تھے، موٹا لباس پہنتے تھے لیکن جب اللہ اور لوگوں کے درمیان کوئی معاملہ ہوتا تو اس میں حد درجہ سختی برتتے تھے۔ آپ کے جملہ عُمّال افعال و اخلاق میں آپ کی پیروی کرتے تھے، وہ سب کے سب آپ کے سامنے آپ ہی کی طرح نظر آتے تھے۔ آپ کی عبا موٹے اُون کی ہوتی تھی جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوتے تھے۔ وہ چیزوں کو اپنے کاندھے پر اس طرح رکھتے تھے جیسے وہ رزق ہو لیکن آپ کے چہرے سے ہیبت و جلال کا اظہار ہوتا تھا۔ آپ کی سواری اکثر و بیشتر اونٹ ہوتا تھا جس پر معمولی کپڑا پڑا ہوتا تھا۔ اور یہی حال آپ کے جملہ عُمّال کا بھی تھا۔ آپ کے اس تمام عجز و انکسار اور سادگی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں بہت سے ملک فتح کرائے اور مملکت اسلامیہ کو وسعت بخشی اور دولت سے مالا مال کر دیا۔

آپ کے عُمّال یا گورنر

آپ کے عمّال یا گورنروں میں ایک گورنر سعید بن عامر بن خریم بھی تھے، حمص کے کچھ لوگوں نے جہاں کے وہ گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس ان کی شکایت بھیجی کہ وہ طلوع آفتاب کے بعد عوام سے ملتے ہیں، رات کے وقت کسی سے نہیں ملتے اور ہفتے میں ایک دن اپنے گھر سے باہر نہیں آتے۔ آپ کو جب یہ شکایات پہنچی تو آپ نے فرمایا: اللہ مجھے عدل کی توفیق دے اور تیری فراست کم نہ کرے۔ پھر سعید بن عامر اور شکایت

کرنے والوں کو مدینے طلب فرمایا اور شکایت کرنے والوں سے فرمایا: "اب ان کے سامنے اپنی شکایات بیان کرو۔" چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا تینوں شکایتیں من وعن دہرا دیں۔ آپ نے سعید بن عامر کو حکم دیا کہ ان شکایات کا جواب دیں۔ وہ بولے: "یا امیرالمومنین! میرے پاس کوئی نوکر نہیں ہے اس لیے میں صبح کا کھانا خود ہی تیار کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس کے بعد لوگوں سے ملاقات کرتا ہوں۔ دوسری بات یعنی رات کے وقت لوگوں سے ملاقات نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رات کا وقت صرف عبادت الٰہی کے لیے مخصوص کر رکھا ہے، تیسری بات یہ کہ میں ہفتے میں ایک روز گھر سے باہر نہیں نکلتا اُس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے جو میرے کپڑے دھو دیا کرے اور چونکہ میرے پاس عموماً صرف ایک ہی جوڑا کپڑوں کا ہے اس لیے میں اسے خود ہی دھو کر سکھانے کے لیے ڈال دیتا ہوں اور جب وہ سُوکھ جاتا ہے تو اسے پہنتا ہوں، اس کام کے لیے میں نے ہفتے میں ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔" آپ نے سعید بن عامر کے یہ جوابات سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ بحمد اللہ عُمّال کے تقرر میں میری فراست کم نہیں ہے۔ پھر اہل حمص سے مخاطب ہو کر فرمایا: "آپ لوگ بھی خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو ایسا امیر دیا ہے، لہٰذا اس کے متعلق گمان نیک رکھا کرو اور اس سے بھلائی کے ساتھ پیش آیا کرو۔" اس کے کچھ عرصے بعد آپ نے سعید بن عامر کو ہزار دینار بھیجے اور انہیں اپنے تصرف میں لانے کی اجازت دی۔ سعید کی بیوی بولیں: "خدا نے ہمیں اب فارغ البال کر دیا ہے، اب آپ اپنے اور میرے کچھ کپڑے بنا لیں اور گھر کے لیے کچھ تھوڑا بہت سامان خرید لیں۔" اس کے جواب میں سعید بولے: "دوسرے لوگ ہم سے بھی زیادہ اس کے مستحق ہیں۔" چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی سے کہہ کر ان دیناروں کو ایک تھیلی میں ڈالا اور نام بنام غریبوں، ناداروں اور یتیموں میں انہیں تقسیم کرنے کا حکم دیا تاہم ان میں سے پھر بھی جب کچھ دینار بچ گئے تو ان کی بیوی بولیں: "ان باقی دیناروں سے آپ ایک خادم اپنی خدمت کے لیے رکھ لیں۔" سعید نے جواب دیا! کیا آپ کے خیال میں مجھے واقعی کسی خادم کی ضرورت ہے جب کہ کچھ اور لوگ ہم سے زیادہ ان دیناروں کے مستحق ہیں۔

سلمان فارسی

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے مقررہ ایک اور عامل سلمان فارسی تھے جو مدائن کے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ وہ موٹے صوف کا لباس پہنتے تھے اور گدھے کی ننگی پیٹھ پر سواری کرتے تھے، جو کی روٹی کھاتے تھے اور ہمیشہ ریاضت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ جب سعد

بن ابی وقاص نے ان سے مدائن میں ملاقات کی تو ان سے کہا: "اے ابو عبداللہ! مجھے کچھ نصیحت کیجئے" سلمان فارسی بولے "جب کسی کام کی ہمّت کرو تو خدا کا نام لیا کرو اور اس کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا کرو، حکمت کی باتیں بیان کرتے وقت زبان کا لحاظ رکھا کرو، جب کچھ تقسیم کرنے لگو تو ہاتھ پہ نظر رکھا کرو۔" یہ کہہ کر سلمان فارسی رونے لگے۔ سعد بن وقاص نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو بولے: "آپ دیکھتے ہیں کہ میرے گھر میں طہارت اور لوازم عبادت کے آرام و آسائش کا کوئی سامان نہیں ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ترک آرائش بڑی بات نہیں خدا کا خوف سب سے اہم چیز ہے، بس اس لیے روتا ہوں کہ دنیاوی معاملات میں جو میرے سپرد ہیں مجھ سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے جو اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کا سبب بن جائے"۔

ابو عبیدہ رضؓ

ابو عبیدہ بن جراح حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے شام کے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ وہ کھُردرے اُون کا موٹا لباس پہنتے تھے۔ ایک بار ان کے کچھ قریب تر لوگوں نے ان سے کہا:۔

"ہمارے گرد و نواح میں دشمن رہتے ہیں، آپ ماشاءاللہ امیرالمومنین حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے گورنر ہیں، آپ بھی اس نواح کے حکمرانوں کی طرح ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت سے رہا کریں تاکہ ان پہ آپ کا اچھا اثر پڑے۔" عبیدہ بن جراح رضؓ نے جواب دیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں میں جس طرح زندگی بسر کرتا تھا کیا اسے ترک کر دوں؟"

جہاد کے لیے آپ کی تاکید

جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) جہاد کے لیے مسلمانوں کو طلب فرماتے تو اس کے ساتھ ہی جہاد کے اسلامی اصولوں سے انہیں بڑی شد و مد کے ساتھ خبردار فرماتے تھے۔ واقدی اپنی کتاب فتوح الامصار میں لکھتا ہے: "جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے جہاد کا ارادہ فرمایا تو مسجد میں تشریف لاکر اللہ تعالےٰ کی حمد اور ثنائے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کو جہاد کی دعوت دی اور انہیں اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: تم حجاز کے علاوہ دُوسرے ملکوں میں بہت سے دن گزار آئے ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے قیصر و کسریٰ کے ممالک کی فتح کا وعدہ فرمایا تھا چنانچہ اب تم سرزمین فارس کی طرف روانہ ہو جاؤ۔" چنانچہ سب سے پہلے ابو عبیدہ کھڑے ہو کر بولے: "یا امیرالمومنین! میں اس کے لیے حاضر ہوں۔" جب ابو عبیدہ رضؓ نے جہاد کے لیے

بڑی سرگرمی کے ساتھ اپنی آمادگی کا اظہار کیا تو دُوسروں نے بھی آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ جب سب لوگ جہاد کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کر چکے تو ابو عبید نے آپ سے عرض کیا: "یا امیرالمومنین! آپ مہاجرین یا انصار میں سے بنی ثقیف کے جس شخص کو حکم دیں گے وہی مجاہدین کا سردار ہوگا۔" آپ نے یہ سُن کر فرمایا: "جس نے سب سے پہلے جہاد کے لیے آمادگی کا اظہار کیا ہے میں اسی کو اب کے مجاہدین کا سردار مقرر کرتا ہوں۔" چنانچہ ابو عبید کو مجاہدین کا امیر مقرر کیا گیا۔ کچھ روایات کے مطابق آپ نے یہ فرما کر کہ جس نے سب سے پہلے جہاد پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا ہے وہی اس لشکر کا سردار ہوگا یعنی ابو عبید۔ پھر انہیں خبردار کیا کہ وہ ماضی سے اپنا رشتہ نہ توڑیں اور مسلم بن اسلم بن حریش اور سلیط بن قیس کا پہلے کی طرح احترام کرتے رہیں کیونکہ وہ دونوں اہل بدر میں سے ہیں۔ بہرکیف آپ نے مجاہدین کے اس لشکر کو کچھ ایسے انداز سے روانہ فرمایا کہ گویا سارا عجم اس کے سامنے تھا اور وہ اس کی فتح کا ارادہ کر کے نکلا تھا۔۔۔۔ مگر بقول جالینوس: "اس نے سارے عجم کو دیکھا" لیکن لاعلمی کی بناء پر شکست سے دوچار ہوا۔

چنانچہ ابو عبیدہ نے مدینے سے روانہ ہو کر دریائے فرات عبور کیا جہاں کے کسانوں نے ان کے لیے وہاں ایک پُل بنا دیا تھا لیکن جب انہوں نے دریا پار کر کے پلٹ کر پُل پر نگاہ ڈالی تو اسے منہدم کرنے کا حکم دے دیا۔ اور وہ پُل توڑ دیا گیا۔ اس پر مسلم بن اسلم نے ان سے کہا: "اے مردِ خدا! جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ تیری نظر سے پوشیدہ ہے۔ تو نے اس پُل کو تڑوا کر اچھا نہیں کیا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ اپنی سوئے تدبیر سے خود بھی ہلاک ہو اور اپنے ساتھی مسلمانوں کو بھی ہلاکت میں ڈال دے۔ اس پُل کو دوبارہ بنوا دے کیونکہ اگر یہ ٹوٹا رہا تو مسلمانوں کو واپسی کے لیے کوئی راستہ نہیں ملے گا کہ وہ اس صحرائے لق و دق سے کہیں پناہ حاصل کر سکیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تو مسلمانوں کو ہلاک کرانا نہیں چاہتا لیکن آنے والے حالات سے واقف نہیں ہے تو ہماری مخالفت کر رہا ہے چنانچہ جلد ہی اس کا انجام دیکھ لے گا۔" اس پر ابو عبیدہ نے مسلم بن اسلم کو جواب دیا: "اے بندہ خدا! آگے بڑھ کر جنگ میں شریک ہو اور دشمنوں کو قتل کر، انجام تیرے سامنے خود آجائے گا۔" یہ سُن کر سلیط بولے: "عربوں اور اہل فارس کی جنگ کے طریقے الگ الگ ہیں، تم ان مقامات پر جنگ کرنے کا تجربہ نہیں رکھتے، بہتر یہی ہے کہ خدا نخواستہ اگر مسلمانوں کو شکست ہو جائے تو وہ یہاں سے بچ کر نکل سکیں۔" سلیط بن قیس کی زبان سے یہ سُن کر ابو عبیدہ بولے: "اے سلیط میں بُزدل نہیں ہوں نہ بُزدلی کا مظاہرہ کرتا

چاہتا ہوں۔" سلیط نے کہا" بخدا میں تمہیں بُزدل نہیں سمجھتا لیکن تمہاری اور دُوسرے مجاہدین کی ہلاکت دیکھنے کی بھی مجھ میں تاب نہیں ہے، میرے خیال میں پُل توڑنے کا جو تم نے حکم دیا ہے وہ غلط تھا۔" اس کے بعد جب فارسی فوجوں سے لڑائی کا موقع آیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو عربوں نے دیکھا کہ ہاتھی بڑھتے چلے آرہے ہیں اور ان پر فوجی سوار ہیں یہ منظر ان کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا اس لیے وہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے اور ان میں جو قتل ہونے سے بچ گئے وہ دریائے فرات میں ڈوب کر ہلاک ہوگئے، ابوعبید نے سلیط کی رائے کی مخالفت کی تھی حالانکہ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے انہیں مسلم اور سلیط دونوں سے مشورہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ سلیط کا مشورہ یہ تھا کہ ابوعبید دریا کو عبور نہ کریں بلکہ دشمن کو دریا عبور کر کے اپنی طرف آنے دیں اور اگر وہ دریا عبور بھی کرلیں تو پُل نہ توڑا جائے لیکن ابوعبید نے ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ سلیط نے کہا تھا: "میں مشورہ دینے والوں کی مخالفت کو بُرا سمجھتا ہوں، اگر مشورہ لیتا ہوں تو اس پر عمل بھی کرتا ہوں کیونکہ میری خودسری لوگوں کو ہلاکت میں ڈال سکتی ہے۔" بہرحال ابوعبید نے ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا بلکہ نیزہ لے کر شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک ہاتھی کی آنکھ میں نیزہ گھونپ دیا مگر اس ہاتھی نے غصے میں آکر انہیں سونڈ میں پکڑ کر اُٹھایا اور واپس لوٹا دیا جہاں فارس کے فوجیوں نے انہیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد بکر بن وائل کا ایک شخص اور پھر بنی حارثہ کے دو آدمی آگے بڑھے لیکن ان کا انجام بھی وہی ہوا جو ابوعبید کا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین پلٹے لیکن چار ہزار کے قریب قتل ہوئے یا دریا میں ڈوب گئے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سے قبل مجاہدین فارس کی فوج کے چھ ہزار افراد کو موت کے گھاٹ اُتار چکے تھے۔ اس روز فارس کی فوج کے پاس وہ غیر معمولی طویل و عریض پرچم بھی تھا جو فارس کے ایک سابق بادشاہ فریدون نے تیار کرایا تھا، اس کی بلندی بارہ گز اور عرض آٹھ گز تھا اور اسے موصل لمبی تناور پر ایستادہ کیا گیا تھا، اسے درفش کاویانی کہا جاتا تھا، اور اہل فارس کے نزدیک وہ نیک شگون کی علامت تھا۔ یہ سب باتیں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

جب مذکورہ بالا پُل پر ابوعبید ثقفی کی شہادت کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی تو اسے سُن کر آپ کو اور دُوسرے مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ بہرکیف آپ نے مسلمانوں کو دوبارہ جہاد کے لیے تاکیداً آمادہ کیا۔ جب لشکر عراق کے لیے روانہ ہونے لگا تو آپ نے اس کی ترتیب

خاص خیال رکھا۔ آپ نے مقدمۃ الجیش کے لیے طلحہ بن عبید اللہ کو منتخب کیا، میمنہ کے لیے زبیر بن عوام اور میسرہ کے لیے عبد الرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا۔ پھر آپ نے کچھ خاص خاص لوگوں سے یہ مشورہ بھی کیا کہ آیا انھیں بہ نفس نفیس اس لشکر کے ساتھ جانا چاہیے یا نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انہیں لشکر کے ساتھ جانا چاہیے تاکہ دشمن پر ان کے ہیبت و جلال کا اثر ہو۔ اس کے بعد آپ نے عباس بن عبد المطلب کو قریش کے کچھ چیدہ چیدہ لوگوں کے ساتھ طلب کر کے ان سے مشورہ لیا۔ ان کی متفقہ رائے یہ تھی کہ سردار لشکر کسی اور کو منتخب کر کے بھیجا جائے اور آپ کو مدینے ہی میں ٹھہرنا چاہیے کیونکہ اگر مسلمانوں کو خدا نخواستہ شکست بھی ہوئی تو اس کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہو گی۔ اس کے بعد آپ نے عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے مشورہ کیا۔ وہ بولے: "میں اور میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں آپ کو یہیں ٹھہرنا چاہیے اور کسی اور شخص کو لشکر کی کمان دی جائے کیونکہ اس صورت میں اگر مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی تو اس کا الزام آپ پر نہیں آئے گا لیکن اگر آپ لشکر کے ہمراہ گئے اور خدا نخواستہ دشمن کے ہاتھوں شہید ہو گئے تو کسی اور جگہ تو کیا شاید عرب میں کوئی کلمہ گو باقی نہ رہے۔" یہ سن کر آپ نے فرمایا: "پھر تم علی (رضی اللہ عنہ) سے مشورہ کرو کہ اس لشکر کی کمان کس کے سپرد کی جائے؟" اس پر عبد الرحمٰنؓ بن عوف بولے: "میرے خیال میں یہ ذمہ داری سعدؓ بن ابی وقاص پر ڈالی جائے۔" یہ سن کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ سعد بڑے بہادر آدمی ہیں لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ تدابیر حرب کے لحاظ سے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔" اس کے جواب میں عبد الرحمٰن بن عوف نے عرض کیا: "وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کبار میں سے ہیں، شجاعت میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کسی سے کم نہیں ہیں غزوۂ بدر میں شریک رہ کر اس کا تجربہ کر چکے ہیں لیکن آپ مناسب خیال فرمائیں تو ان سے فرمائیں کہ وہ موقع بموقع ہم سے مشورہ کر لیا کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ آپ کے اس حکم سے سرتابی ہرگز نہیں کریں گے۔" اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی آپ کو مدینے میں ٹھہرنے کا مشورہ یہی کہہ کر دیا کہ وہ یہ کبھی نہ چاہیں گے کہ ان کے بعد عرب اسلام کے منکر ہو جائیں۔ پھر جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ان سے امیر لشکر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ کسی ایسے شخص کو امیر لشکر مقرر کیا جائے جو بہادر ہونے کے علاوہ جنگ کا ضروری تجربہ بھی رکھتا ہو۔ اس پر حضرت عمرؓ بولے کہ میں

ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو بہادر تو بہت ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اسے جنگ کا جتنا چاہیے تجربہ حاصل نہیں ہے۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے جب آپ سے اس شخص کا نام پوچھا تو آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کا نام لیا۔ اس پر حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) بولے کہ وہ تو یہاں موجود نہیں ہیں۔ ان سے دریافت کیے بغیر آپ انھیں امیر لشکر کس طرح مقرر کر سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا: میں انھیں یہاں بلالوں گا یا انھیں لکھ دوں گا کہ جب لشکر روانہ ہو جائے تو وہ راستے میں اس میں شریک ہو جائیں اور میرے حکم سے سارے لشکر کو آگاہ کر دیں۔ چنانچہ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے دیکھا کہ اکثر لوگوں کا مشورہ یہی ہے کہ وہ مدینہ میں ٹھہریں اور کسی اور کو لشکر کا امیر بنا کر عراق بھیجیں نیز یہ کہ کسی نے سعدؓ بن ابی وقاص کو امیر لشکر مقرر کیے جانے کی مخالفت نہیں کی تو آپ نے انہیں امیر لشکر مقرر کر کے انہیں اطلاع دے دی کہ وہ راستے میں لشکر میں شامل ہو جائیں یا تنہا ہی عراق پہنچ جائیں۔

اس کے بعد بن عبد اللہ بجلی جبلہ کو ساتھ لے کر آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے انہیں بھی عراق روانہ کر دیا اور تاکید کر دی کہ وہاں کے حالات سے سعدؓ بن ابی وقاص کو آگاہ کرتے رہیں چنانچہ جریر پہلے سعدؓ سے ابلہ میں ملے اور پھر ان کے آگے آگے مرزبان مدائن کی قیام گاہ تک جا پہنچے اور یہ معلوم کر گئے آئے کہ وہاں دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج جمع ہے۔ یہ سُن کر جبلہ نے جریر سے کہا کہ ایسی صورت میں ہمیں دجلہ عبور کر کے مدائن کی طرف بڑھنا چاہیے تو وہ بولے: "تم اس سے قبل دریا عبور کر کے دشمن سے مقابلہ کرنے کا نتیجہ دیکھ چکے ہو لہٰذا تمہاری یہ رائے صائب نہیں ہے بلکہ یہ بہتر ہوگا کہ جب فارس کی بہت سی فوج مدائن میں جمع ہو جائے تو اسے دجلہ عبور کر کے ہمارے مقابلے میں آنے کا موقع دیا جائے۔ ایسی صورت میں انشاء اللہ میدان ہمارے ہاتھ رہے گا۔" چنانچہ جریر کے مشورے پر عمل کیا گیا، جب فارس کی تمام فوج مدائن میں جمع ہوگئی تو مرزبان کی سرکردگی میں اس نے دریائے دجلہ عبور کرنا شروع کیا لیکن وہ ابھی دریا کے بیچ میں پہنچے تھے کہ اس کنارے سے جریر نے اپنا رسالہ لے کر اس فوج پر حملہ کر دیا جبلہ نے بھی جریر کی مدد کی یہاں تک کہ ان دونوں اور ان کے رسالوں نے مل کر اور اچانک حملہ کر کے فارسی فوج کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے، مرزبان مارا گیا اور اس کی تلوار بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ فارسی لشکر کی کثیر تعداد دریائے دجلہ میں غرق ہوگئی اور اس کا سارا ساز و سامان بطور مال غنیمت مسلمانوں کے حصے میں آیا۔ اس کے بعد جریر آگے بڑھ کر بجلہ میں مثنیٰ بن حارثہ

شیبانی سے جا ملا۔ مہران جو فارسی لشکر کا ایک سردار تھا ان کے مقابل آیا تو اس وقت بھی مسلمان دریا عبور کرنے سے رُکے رہے چنانچہ مہران خود ہی دریا عبور کر کے مسلمانوں کی اس جماعت پر حملہ آور ہوا لیکن میدانِ جنگ میں مہران مارا گیا اور مسلمانوں کو یہاں بھی فتح حاصل ہوئی۔ مہران کو جریر بن عبداللہ بجلی اور حسان بن منذر بن ضرار ضبی نے مل کر قتل کیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ حسّان نے اسے گھیرا تھا جس کے بعد جریر نے اس کو زخمی کیا تھا اور پھر حسان ہی نے اس کا سر قلم کیا تھا لیکن بعد میں جریر اور حسّان اس بارے میں جھگڑتے رہے کہ مہران کو کس نے قتل کیا تھا۔ حسّان نے اس کے متعلق کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔ اس کے علاوہ مؤرخین اور اہل سیر میں اس کے متعلق بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے جس لشکر نے مہران کے لشکر کا مقابلہ کیا تھا اس کا سردار جریر تھا یا مثنیٰ؟ بعض جریر کا نام لیتے اور بعض مثنیٰ کا اور کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دونوں الگ الگ اپنے اپنے قبائل پر مشتمل رسالوں کی کمان کر رہے تھے۔

مہران کے قتل کا اہل فارس نے بہت زیادہ سوگ منایا۔ اس کے بعد شیر زاد جس کی کنیت بوران تھی فارس کا ایک عظیم لشکر جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آئی۔ اس کے آگے آگے سردار لشکر رستم تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سارے اہل فارس کو اپنے ساتھ لے آئی ہے کوفے اور زبالہ کے درمیانی علاقے میں جو کم سے کم تین میل ہے اور جس کے قریب منزل واقصہ اس کے لشکر کا ساز و سامان پھیلا ہوا تھا۔ اس سے مقابلے کے لیے جریر جب کاظمہ پہنچا تو وہ وہاں ٹھہر گئی، دوسری طرف سے مثنیٰ اپنے قبیلے بکر بن وائل کے جنگجو سپاہیوں کو لے کر اس کے مقابلے کے لیے سیراف میں آ کر ٹھہرا لیکن مثنیٰ کے جسم پر یوم الجسر میں متعدد زخم آ چکے تھے اور وہ ابھی تک مندمل نہیں ہوئے تھے چنانچہ وہ سیراف ہی میں وفات پا گیا۔

سعد بن ابی وقاص

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط سعد بن ابی وقاص کو ملا تو وہ آپ کے حکم کے مطابق زبالہ میں قیام کے بعد سیراف کی طرف روانہ ہو گئے جہاں شامی افواج بھی ان سے آملیں۔ سیراف سے چل کر وہ عذیب پہنچے جو اس میدانی علاقے کے سرے پر ہے جہاں سے قادسیہ کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر مسلمانوں کا وہ لشکر دیکھا جسے مدینے سے روانگی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا طریقے سے ترتیب دیا تھا اور فارس کے اس لشکر پر بھی نظر ڈالی جو رستم کی کمان میں تھا۔ انہیں بتایا گیا کہ مسلمانوں کا لشکر اٹھاسی ہزار افراد پر مشتمل ہے جب کہ دشمن کے فوجیوں

کی تعداد ساٹھ ہزار ہے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کی گنتی کرائی تو وہ درحقیقت تیس ہزار ہی نکلے جب کہ دشمن کے پاس ہاتھی بھی بے شمار تھے۔ تاہم مسلمانوں میں ایک سے ایک بڑھ کر جہاد کا شائق تھا۔ بہر کیف جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو فارسی لشکر نے اسلامی لشکر سے مبارز طلب کیا جس پر ادھر سے غالب بن عبداللہ اسدی نکلے اور ادھر سے ان کے مقابلے کے لیے ہُرمز آیا جو باب الابواب کے حکمرانوں میں سے تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے غالب کے بعد سعد بن مالک کو اور پھر عاصم بن عمرو کو آنا پڑا۔ عاصم نہ صرف ہرمز پر غالب آئے بلکہ فارسی لشکر میں آگے بڑھ کر گویا اس کی صفوں میں تیرتے چلے گئے۔ یہ دیکھ کر لوگ ان سے کترانے لگے۔ وہ اسی طرح قلب لشکر سے اس کے دونوں بازوؤں میں گھستے رہے، اس دوران میں سعد بن مالک بھی عاصم بن عمرو کے ساتھ ساتھ تھے۔ انہوں نے اپنے پہلو میں ایک سواری دیکھی جس پر بڑا قیمتی اور خوب صورت ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک دُوسری سواری پر بڑا ازرق برق لباس پہنے ایک شخص چل رہا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فارس کے امیر لشکر کا خانساماں تھا اور دوسری سواری پر امیر لشکر کے کھانے پینے کا سامان تھا جو شہد کے علاوہ فواکہات اور بہت سی نایاب اشیائے خوردنی پر مشتمل تھا۔ جب سعد بن مالک نے یہ دیکھا تو اس سامان پر قبضہ کرنے کی بجائے دشمن کے جو سپاہی ان کے قریب تھے ان سے بولے: "ہم تم سے یہ سامان نہیں چھینیں گے، تم جا کر اسے ہمارے امیر لشکر کی طرف سے اپنے امیر لشکر کو پیش کرو اور کہو کہ کھائے پیئے اور موج کرے۔"

جنگِ قادسیہ کے ایّام

قادسیہ کا واقعہ ہجرت کے چودھویں سال ماہ محرم میں پیش آیا تھا۔ دشمن کی فوج میں اس وقت سترہ ہاتھی تھے اور ہر ہاتھی پر بیس سپاہی سوار تھے۔ ہاتھیوں پر فولادی اسلحہ کے علاوہ بڑا قیمتی سامان بھی بار تھا جب کہ ان پر دیبا و حریر کی مرصع جھولیں پڑی ہوئی تھیں اور وہ بجیلہ کی طرف جا رہے تھے ان ہاتھیوں کے گرد فارس کی فوج کے جھُنڈ کے جھُنڈ تھے اس لیے انہیں ٹڈی دل کہا جا سکتا تھا۔ چنانچہ سعد نے بنی اسد کی طرف فوراً ایک قاصد روانہ کیا تاکہ وہ بجیلہ کی فوج کی مدد کے لیے آئیں۔ فارس کی فوج کے قلب میں دیکھا گیا تو صرف وہیں بیس ہاتھیوں کے قریب نکلے۔ بہر حال طلحہ بن خویلد اسدی اسلامی لشکر سے اپنے رسالے کے علاوہ بنی اسد کے سواروں کو لے کر آگے بڑھے اور آناً فاناً دشمن پر ٹوٹ پڑے اور فارس کی فوج کے چھ سو سپاہی دیکھتے ہی دیکھتے

قتل کر ڈالے جن کے علاوہ پسپا ہوتے ہوئے سپاہیوں کی تعداد بے شمار تھی اور ان میں سے بھی اکثر مارے گئے۔ ہاتھیوں کو نیزوں سے روکا گیا اور ان کے سواروں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اس روز جنگ میں سب سے زیادہ شجاعت اور جذبۂ جہاد بنی اسد کے جوانوں نے دکھایا اور اس دن کو اسی لیے یوم اغواث کہا گیا۔

جب دوسرا دن ہوا تو شام کی طرف سے مسلمانوں کا ایک عظیم لشکر آکر پہلے لشکر سے مل گیا ان میں پانچ ہزار سوار بنی ربیعہ اور مضر کے اور ایک ہزار یمن کے بھی تھے جن کی کمان ہاشم بن عتبہ بن وقاص کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ہمراہ قعقاع بن عمرو کا رسالہ بھی تھا۔ ان دنوں فتح دمشق کو ایک مہینہ گزر چکا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہؓ بن جراح کو جو شام میں اس وقت گورنر تھے لکھ دیا تھا کہ خالد بن ولید کے ساتھیوں کو عراق روانہ کر دیا جائے لیکن اس خط میں آپ نے خالدؓ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ چنانچہ ابوعبیدہ کو خالد کے نہ جانے سے خوشی ہوئی اور جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا اس لشکر کے ساتھ جو شام سے روانہ کیا گیا۔ تھا ہاشم بن عتبہ بھی مل گئے تھے۔ ویسے مالک بن نویرہ کے قصے کی وجہ سے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آیا حضرت عمرؓ خالدؓ سے کچھ کھنچے کھنچے سے تھے حالانکہ خالد آپ کے ماموں تھے۔

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا قادسیہ میں اسلامی لشکر کی مدد کے لیے سب سے پہلے پہنچے اور انہوں نے اہل قادسیہ کو بھی اپنے رسالے کی مدد کے لیے آمادہ کر لیا تھا حالانکہ وہ ایک روز پہلے اپنے قریبی مقام پر جنگ کی قیامت خونریزی دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ اس روز وہی دشمن کے لشکر کے سامنے سب سے پہلے پہنچے اور مبارز طلب ہوئے۔ اُدھر سے ایک لحیم شحیم عظیم الجثہ شخص نکل کر صف لشکر سے باہر آیا تو قعقاع نے اس سے پوچھا: "تو کون ہے؟" وہ بولا: "میرا نام بہمن بن جادویہ ہے، بہمن ذی حاجب کے نام سے مشہور ہوں۔" اس پر قعقاع نے کہا: "اچھا فرات کے پل پر جسے ہم "یوم الجسر" کہتے ہیں تو نے ہی ابی عبید، سلیط اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا تھا۔" یہ کہہ کر انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس روز قعقاع نے فارس کی سپاہ کے کم سے کم تیس ۳۰ ممتاز جنگجو قتل کیے اور اُن میں سے ہر ایک کو ایک ہی وار میں یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتارا۔ انہوں نے جن مشہور و معروف لوگوں کو قتل کیا تھا ان میں اعور بن قطبہ شہریار سجستان بھی تھا اور فارس کا ایک بہت

بڑا پہلوان بھی۔ لڑائی کے پہلے روز جس میں فارس کے فوج کے بے شمار سپاہی اور افسر قتل ہوئے جب سعد بن ابی وقاص عذیب کے قلعہ کی بالائی منزل میں رات کے وقت لڑائی بند ہو جانے کے بعد واپس آکر ٹھہرے اور لوگوں سے ملاقات کرنے لگے تو وہ لوگ یعنی جن سے وہ ملاقات کر رہے تھے اپنے اپنے آبا ؤ اجداد کے شان دار کارناموں کے ساتھ اس روز اپنی جنگی قابلیت کا بھی اظہار کرنے لگے۔ اس وقت انہوں نے (سعد نے) دروازے پر آہٹ سُن کر نظر اُٹھائی تو وہاں سلمٰی بنت حفصہ مثنیٰ ابن حارثہ شیبانی کی زوجہ کو جن سے آپ نے ان کے انتقال کے بعد عقد کر لیا تھا کھڑے دیکھا اور پوچھا! سلمٰی! خیریت تو ہے؟ کوئی خاص کام؟ وہ بولیں:۔" میں ابھی برابر کے کمرے سے آپ کی اس مجلس میں موجود حضرات کی آج کی جنگ کے بارے میں لاف زنی سُن رہی تھی لیکن کسی نے اس شخص کا ذکر نہیں کیا جس نے آج دشمن کی فوج کے ہر شخص کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ آج کی جنگ میں حد درجہ جم کر لڑنے اور داد شجاعت دینے کے بعد دشمن کی فوج جو شام ہوتے ہی پسپا ہونا شروع ہو گئی تھی اس کا سہرا صرف اور صرف ہمارے ایک اور شخص کے سر ہے۔"

یہ سُن کر سعد بن ابی وقاص چونکے، پھر بولے،" سلمٰی سچ کہہ رہی ہیں۔ میں نے آج کی جنگ میں اس شخص کو دیکھا تھا۔ واقعی وہ میدان جنگ میں بجلی کی طرح کوندا اور اِدھر اُدھر لپک رہا تھا، وہ ابھی قلب لشکر میں تھا تو پلک جھپکتے ہی کبھی میمنہ اور کبھی میسرہ میں جا نکلتا تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہر طرف دُور دُور تک دشمنوں کی صفوں کے بحر ذخار میں تیرتا پھر رہا ہے۔" اپنے امیر لشکر سعد بن ابی وقاص کی زبان سے یہ سُن کر حاضرین مجلس نے بھی یک زبان ہو کر اس کی تائید کی اور ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ وہ عجیب و غریب خوب صورت سا نوجوان تھا جو گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار برق رفتاری سے دشمن کی صفوں میں اِدھر سے اُدھر جا رہا تھا۔" یہ سُن کر ایک اور صاحب نے اپنے امیر لشکر اور اس دوسرے شخص کی تائید کرتے ہوئے کہا:" اور یہ بھی دیکھیے کہ اس کے جسم پر زرہ تک نہ تھی، بس ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرا ہاتھ جس میں سپر ہونا چاہیے تھی خالی تھا، بھئی اس کی شجاعت اور جوانمردی کی داد نہ دینا حقیقت سے روگردانی کرنا ہے۔" جب حاضرین مجلس خاموش ہوئے تو سعد بن ابی وقاص نے حاضرین مجلس میں سے یکے بعد دیگرے ہر شخص سے دریافت کیا کہ آیا ان میں سے کوئی شخص اس بہادر نوجوان کو پہچانتا ہے؟ تو سب نے نفی میں جواب دیا اور یہی کہا کہ وہ

مشکل سے کبھی کبھی اس کی ایک جھلک دیکھ پاتے تھے کیونکہ وہ تو دشمن کی فوج کے سمندر میں لمحہ بہ لمحہ ڈوب ڈوب کر اُبھر رہا تھا۔ حاضرین مجلس کا یہ جواب سُن کر سلمیٰ بولیں "سُنیئے میں بتاتی ہوں وہ کون شخص تھا، وہ اس وقت بھی اسی قلعے کی نچلی منزل میں پابہ زنجیر قید میں پڑا ہوا ہے۔"

اپنی بیوی سلمیٰ کی زبان سے یہ سُن کر سعد بن ابی وقاص اُچھل پڑے، پھر بولے :۔

"قید میں! پابہ زنجیر! کون ہے وہ شخص؟ سلمیٰ بنت حفصہ نے اس سوال کے جواب میں کہا :۔

"آپ کے اس سوال کا جواب میں آپ کو تنہائی میں دے سکتی ہوں۔"

اپنی زوجہ سلمیٰ بنت حفصہ کا یہ جواب سُن کر سعد بن ابی وقاص کو فطری طور پر تجسس پیدا ہوا لیکن وہ مجلس برخاست ہونے تک خاموش بیٹھے صرف پہلو بدلتے رہے جب کہ دوسرے حاضرین مجلس کو اس کی کوئی کُرید نہ تھی، تاہم امیر لشکر کی بیوی کے جواب پر حیرت انہیں بھی ہوئی تھی۔

مجلس برخاست ہوتے ہی سعد بن ابی وقاص لپکتے ہوئے دوسرے کمرے میں پہنچے جہاں سلمیٰ خاموش بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں۔

سعد وہاں پہنچ کر ان سے بولے :۔

"اب بتاؤ وہ کون شخص ہے اور تم اسے کس طرح جانتی ہو؟"

سلمیٰ نے جواب دیا: آپ اطمینان سے تشریف رکھیے، بتاتی ہوں۔"

سعد! جلد بتاؤ، میں اس کا نام سُننے کے لیے بے تاب ہوں۔"

ابو محجن ثقفی

سلمیٰ سعد کی بے تابی دیکھ کر بولیں: "اس کا نام ابو محجن ثقفی ہے، وہی ایک جوان اور لاُابالی سا شاعر جس کی شاعری کی آج کل سارے عرب میں دھوم ہے۔"

سعد یہ سُن کر ایک بار پھر اُچھل پڑے، پھر بولے :۔

مگر اسے تو شراب نوشی کے الزام میں قید کیا گیا ہے اور جلد ہی اسے قرار واقعی سزا دی جائے گی لیکن اسے رہا کس نے کیا؟"

سلمیٰ! "میں نے۔"

سعد: "تم نے! کیا تم شرعی معاملات میں بھی دخل دینے لگی ہو؟"

سلمیٰ: "مجھ سے ایسی غلطی آج تک کبھی نہیں ہوئی۔"

سعد: "پھر؟"

سلمیٰ: بات یہ ہے کہ جب طلوع آفتاب کے بعد جنگ شروع ہوئی اور آپ بھی میدان میں تشریف لے گئے تو میں نے نیچے کی منزل میں کسی کی بڑی دردناک آواز سُنی، مجھے اس پر تجسس پیدا ہوا تو میں نیچے گئی، وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ یہ آواز محبس (قید خانہ) سے آ رہی ہے۔ میں ذرا اور قریب گئی تو میں نے سُنا کہ وہاں کوئی شخص بڑی پُرسوز آواز میں رو رو کر یہ شعر گا رہا تھا:-

"اے وائے قسمت، میری قوم میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے رہی ہے
جبکہ میں یہاں پابہ زنجیر پڑا ہوں رہا ہوتا تو میں ثابت کرتا کہ میں بھی بُزدل نہیں ہوں"

سعد: یہ اشعار سُن کر آپ نے اسے فوراً رہا کر دیا؟ کیا یہ صحیح ہے؟ لیکن کیا آپ جانتی ہیں کہ اس کی شرعی سزا کیا ہو سکتی ہے؟"

سلمیٰ: "جی نہیں میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے قید خانے کے دروازے پر جا کر سلاخوں سے اسے دیکھا اور دریافت کیا "تم کون ہو اور تمہیں کیوں قید کیا گیا ہے؟" میری آواز سُن کر اس نے سر اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ جب میں نے اصرار کیا تو اس نے اپنا نام ابو محجن ثقفی بتایا۔ میں نے اس کا نام سُنا تھا۔ میں نے پوچھا: مگر تمہاری قید کا کیا سبب ہے؟" پھر میرے بار بار پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ ایک دو دن قبل قہوہ پی رہا تھا اور اس میں خوشبو کے طور پر عرق ملا رکھا تھا جو قطعاً شراب نہیں تھی لیکن میں نے قہوے کی خوشبو سے متاثر ہو کر اس کی تعریف میں فی البدیہہ کچھ اشعار کہے تو مجھ پر لوگوں نے شراب نوشی کا الزام لگا کر امیر لشکر جناب سعد بن ابی وقاص کے روبرو پیش کیا اور انہوں نے تاحکم ثانی مجھے قید رکھنے کا حکم دیا لیکن میں آپ سے رب العزت خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ زمانہ جاہلیت سے قطع نظر جب میں شراب پیا کرتا تھا اسلام لانے کے بعد میں نے شراب کو کبھی منہ نہیں لگایا۔ نہ میں نے اس قبیح چیز کی کبھی تعریف کی۔ رو میں اس لیے رہا ہوں کہ میں جنگ میں شرکت سے مجبور ہوں یعنی حکم خداوندی کے خلاف جہاد کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ سُن کر مجھے اس پر ترس آ گیا کیونکہ اس کے زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ سے مجھے صداقت کی خوشبو آ رہی تھی۔"

سعد: "خیر تم نے اسے رہا تو کر دیا لیکن گھوڑا اور تلوار اسے کس نے دی؟"

سلمیٰ: میں نے اپنا گھوڑا اور اپنی ہی تلوار اسے دی تھی، میں اس کے لیے زرہ بکتر

بھی اور ڈھال بھی منگوا تی مگر وہ تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا، اس نے گھوڑے پر زین تک نہیں رکھی، میں نے اسے اس قلعہ کی پشت پر ڈھلوان پر سے اُچھل کر گھوڑے پر سوار ہوتے دیکھا مگر اس کے بعد وہ مجھے نظر ہی نہ آیا، بہرکیف میں نے جذبہ جہاد سے سرشار اس لااُبالی شاعر کے لیے دُعائے خیر ضرور کی تھی۔"

کہتے ہیں کہ اس واقعے کے چند روز بعد تک سعد بن ابی وقاص اپنی بیوی سلمیٰ سے ناراض رہے اور ان سے بات چیت تک بند رکھی لیکن جب تحقیق کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ابو محجن نے اسلام لانے کے بعد شراب نوشی قطعاً ترک کر دی تھی اور کچھ ثقہ لوگوں نے اس بات کی گواہی بھی دی کہ وہ واقعتہً قہوہ ہی پی رہا تھا اور اس کی تعریف میں اس کی زبان پر ارتجالاً بلکہ عادتاً چند شعر بھی آ گئے تھے تو آپ نے اسے رہا کر دیا اور اس کے جذبۂ جہاد کی تعریف کر کے اس کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ اپنی بیوی سلمیٰ سے انہوں نے کہا: "تمہارا عمل اگرچہ درحقیقت عمل خیر ہی تھا لیکن میں ضروری تحقیق سے پہلے اسے عمل خیر سمجھنے سے قاصر تھا میں جو چند روز آپ سے ناراض رہا اس میں میں شرعی نقطۂ نظر سے حق بجانب تھا لیکن اب میں شرمندہ ہوں۔ اس کے علاوہ ابو محجن کی تعریف کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ اس نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا یعنی جنگ بند ہوتے ہی پھر قید خانے میں خود ہی آ پہنچا۔"

یوم عماس

جنگ کے تیسرے دن جسے عموماً "یوم عماس" کہا جاتا ہے جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہوئے تو تھوڑی ہی دیر بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں پندرہ سو مسلمان شہید ہوئے لیکن دشمن کی فوج کے مقتولین بے شمار تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے مسلمان مقتولین کے ورثا سے کہا کہ جو شخص چاہے اپنے عزیزوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین کرے اور چاہے تو انہیں ان کے خون آلود کپڑوں ہی میں دفن کر دے۔ یہ سُن کر کچھ مسلمان اپنے اپنے عزیزوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں مصروف ہو گئے۔ زیادہ تر عورتیں شہیدوں کی لاشیں اُٹھا کر لاتی تھیں اور ان کی چھوڑی ہوئی چیزیں ان کی رشتہ دار عورتوں کے سپرد کر کے انہیں صبر و شکر کی تلقین کرتی تھیں۔

میدان جنگ جو قادسیہ کے بالکل قریب تھا اور قلعۂ عذیب کے درمیان جو کسی قدر فاصلے

پر تھا ایک نخلستان پڑتا تھا۔ جب کسی مسلمان زخمی سپاہی کو اس نخلستان میں لایا جاتا اور اس کے ہوش و حواس قائم ہوتے تو وہ خود کو اُٹھا کر لانے والی عورتوں سے کسی سرسبز کھجور کے درخت کو دیکھ کر کہتا: "مجھے اس کھجور کے درخت کے نیچے کچھ دیر لٹا کر اس کی خوشبو سونگھنے دو۔" اس کے بعد اس کے قریب لایا جانے والا آہستہ آہستہ کہتا: "اے قادسیہ اور غدیب کے درمیانی علاقے کے نخلستان تیرے ارد گرد تو دُوسرا کوئی نخلستان نہیں ہے (یعنی تو واحد نخلستان ہے جو ہم جیسے دُور کے مسافروں کے لیے سایہ فراہم کر رہا ہے)"

وہاں اس وقت وہ اکیلا نخلستان تھا جہاں اب اس کے ارد گرد بہت سے نخلستان پائے جاتے ہیں۔

وہیں قریب ہی بنی تیم کا ایک ایسا زخمی بھی تھا جس کے پیٹ سے اس کی انتڑیاں باہر نکل آئی تھیں مگر اس حالت میں اس کی زبان سے دھیمی آواز میں یہ شعر سُنا گیا ؎

" اے پُر آب وادی لعبید کے نخلستان کے درختو! خدا تمہیں حوادث سے بچا کر دیر تک سرسبز و شاداب رکھے"

اعور بن قطبہ بھی میدان جنگ میں سخت زخمی ہو گیا تھا۔ جب اسے اُٹھا کر اس نخلستان میں لایا گیا تھا تو اس کی زبان سے بھی کچھ ایسے ہی الفاظ نکلے تھے۔

جس رات کی اگلی صبح کو قادسیہ میں ہر دن سے زیادہ گھمسان کی جنگ ہوئی وہ رات وہاں کے موسم سرما کی سرد ترین رات تھی، صبح کے وقت بھی دونوں طرف کی فوجیں سردی سے ٹھٹھری جا رہی تھیں۔ لیکن مقابلے کے جوش نے ان کا لہو گرم کر رکھا تھا۔ کہتے ہیں اس روز فارسی فوج کے تیس ہزار سے زیادہ آدمی میدان جنگ میں کھیت رہے۔ مسلمان مقتولین کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی لیکن ادھر کی فوج کا ہر سپاہی جذبۂ جہاد کی صہبائے کہنہ و پُر سرور سے سرشار تھا۔ مسلمان دشمن کی فوج کے قلب اور میمنہ و میسرہ پر ہر طرف سے دباؤ ڈالتے اور اسے پسپا کرتے ہوئے دُور تک چلے گئے جہاں سردار لشکر رستم کے اس زرنگار تخت کے قریب جا پہنچے جس پر ایک ریشمی مرصع چھتر تنا ہوا تھا اور اس کے تخت کے پیچھے وہ غیر معمولی طویل و عریض پرچم درفش کاویانی لہرا رہا تھا جس کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں اس پرچم میں یاقوت سچے موتی اور دُوسرے بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اسلامی فوج کے کچھ باحوصلہ و بہادر سوار لڑتے بھڑتے رستم کے اس تخت کے قریب جا پہنچے تو اس نے وہاں سے اُٹھ کر راہ فرار اختیار کی، یہ دیکھ کر قعقاع اس کے پیچھے لپکے تو اس نے پلٹ کر نیزے سے

ان پر حملہ کیا لیکن انہوں نے اس کا وار خالی دے کر اسے تلوار سے زخمی کر کے زمین پر گرا دیا۔ وہ اُٹھ کر نہر عتیق کے کنارے پہنچا اور زخموں کی تاب نہ لا کر اپنا ہی نیزہ اپنے سینے میں گھونپنا چاہا، قعقاع بھی اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے، وہ نہر میں کودا تو انہوں نے بھی اس کے پیچھے نہر میں چھلانگ لگا کر بہتے پانی میں اسے قتل کر دیا۔

جنگ قادسیہ کے اس آخری روز سب سے زیادہ گھمسان کی جنگ ہوئی اس جنگ میں اسلامی لشکر کے کم سے کم دس ہزار افراد شہید ہوئے لیکن اس نے دشمن کی فوج کے ایک ایک فرد کو چُن چُن کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ رستم کے قاتل کے بارے میں مؤرخین مختلف الرائے ہیں۔ اکثریت کا خیال ہے کہ اسے ہلال بن علقمہ نے قتل کیا تھا جن کا تعلق تیم الرباب سے تھا اور جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں لیکن بعض لوگ یہ بھی کہتے کہ اسے بنی اسد کے ایک شخص نے قتل کیا تھا۔

وہ پرچم جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ضرار بن خطاب کے ہاتھ آیا تھا اور انہیں کو ملا۔ اس زرنگار درفش کاویانی کی قیمت کا اندازہ اس وقت تیس ہزار دینار لگایا گیا تھا لیکن درحقیقت اس کی اصل قیمت لاکھوں کروڑوں دینار تھی۔

جنگِ قادسیہ کی تاریخوں کا صحیح تعیّن

جنگِ قادسیہ اور عذیب کی لڑائی کی تاریخوں کے تعیّن کے سلسلے میں مؤرخین میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ متاخرین میں واقدی اسے ہجرت کا سولھواں سال بتاتا ہے جب کہ کچھ دُوسرے اسے پندرھواں اور باقی لوگ اسے ہجرت کا چودھواں سال بتاتے ہیں جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بتا چکے ہیں۔ بہرکیف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز ماہِ رمضان کی نمازِ تراویح سے قبل اس سال کو ہجرت کا چودھواں سال فرمایا تھا اور جو لوگ جنگِ قادسیہ و عذیب کی تاریخوں کا تعین کرتے ہوئے اسے ہجرت کا چودھواں سال بتاتے ہیں وہ اس کے ثبوت میں حضرت عمرؓ کا مذکورہ بالا قول پیش کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی سال آپ نے مختلف شہروں کو نماز تراویح کی اقامت کا حکم بھیجا تھا۔ وہ لوگ جن میں مدائنی بھی شامل ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس سال یعنی سن چودہ ہجری میں عتبہ بن غزوان کو بصرہ بھیجا تھا جس نے اسے مزید آباد کیا تھا لیکن بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جس سال عتبہ بن غزوان بصرے پہنچے ہیں وہ ہجرت کا سولھواں سال تھا اور ربیع الاوّل کا مہینہ تھا لیکن

حقیقت یہ ہے کہ جب عتبہ بن غزوان جنگِ قادسیہ کے اختتام کے بعد مدائن سے بصرے پہنچے ہیں اور اسے آباد کیا ہے وہ ہجرت کا پندرھواں سال تھا جب کہ سعد بن ابی وقاص جنگ جلولہ و تکریت سے فارغ ہو کر کوفے پہنچے اور اسے ابن نفیلہ بن غسانی کے بقول وہاں کی ایک سطح مرتفع پر آباد کیا تھا جہاں وہ آج تک آباد ہے۔ اس طرح یعنی ان واقعات کو دیکھتے ہوئے جنگ قادسیہ و عذیب کا سال جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ہجرت کا چودھواں سال ہی ٹھہرتا ہے۔

مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابو لولوہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی عجمی کو مدینے میں داخل ہو کر وہاں مستقل قیام کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ نے انہیں لکھا کہ ان کے پاس ایک غلام ہے جو نجاری کے کام کے علاوہ لکڑی پر نقش و نگار بنانے میں ماہر ہے، لہٰذا اسے مدینے میں قیام کی اجازت دی جائے کیونکہ اس سے اہل مدینہ کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ چنانچہ آپ نے مغیرہ بن شعبہ کی اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے ان کے مذکورہ بالا غلام کو جو نہاوند کا ایک مجوسی تھا اور اس کا نام ابو لولوہ تھا مدینے میں مستقل قیام کی اجازت دے دی۔ ایک روز اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بازار میں روک کر ان سے شکایت کی کہ اس کا آقا اس کی مزدوری میں سے بہت زیادہ حصّہ لیتا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا: "وہ تم سے یومیہ کیا لیتا ہے؟" اس نے جواب دیا "دو درہم" آپ نے اس سے دریافت کیا: "اور تم کرتے کیا ہو؟" وہ بولا: "لکڑی اور لوہے پر نقش و نگار بناتا ہوں" آپ نے فرمایا: "اس کام کی اُجرت تو بہت ہوتی ہے اس لیے اگر تمہارا آقا تم سے دو درہم یومیہ وصول کرتا ہے تو وہ تمہارے اس کام کو دیکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں ہیں" یہ کہہ کر آپ آگے بڑھ گئے۔

پھر ایک روز وہ آپ سے ملا تو وہ آپ کی دشمنی پر اُتر آیا تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا: "تم لوہے سے کیا کیا چیزیں بنا لیتے ہو؟" اس نے کہا: "میں لوہے سے خنجر بھی بنا لیتا ہوں اور آپ کے لیے ایسا خنجر بناؤں گا جسے آپ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" ابو لولوہ کے ان الفاظ کا حقیقی مطلب نہ سمجھتے ہوئے آپ نے فرمایا: "اچھی بات ہے" اور پھر آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد ابو لولوہ آپ کو قتل کرنے کا موقع تلاش کرتا رہا۔ یہ موقع اسے ایک روز اس وقت ملا جب آپ علی الصبح لوگوں کے دروازوں پر دستک دے کر انہیں نماز کے لیے بلاتے ہوئے مسجد کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ اس نے اپنے پیراہن کے نیچے ایک بہت ہی تیز دھار والا خنجر چھپا رکھا تھا (جو زہر آلود بھی تھا) اس نے ایک جگہ چھپ کر موقع پاتے ہی پشت کی جانب

سے آپ پر حملہ کیا اور وہ خنجر آپ کی پشت کے پار کر دیا۔ آپ وہ کاری زخم کھا کر پلٹے لیکن اس وقت بارہ آدمیوں نے جو مسجد کی طرف آرہے تھے اسے گھیرنا چاہا تو اس نے ان میں سے چھ آدمیوں کو اسی خنجر سے قتل کر دیا لیکن اس کے باوجود اسے گھیر کر پکڑ لیا گیا تاہم اس نے موقع پا کر اپنے ہی خنجر سے خودکشی کر لی۔

جس وقت آپ کو آپ کے گھر لایا گیا اس وقت آپ موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا تھے اور لوگ سمجھ رہے تھے کہ اس مہلک زخم سے آپ کا جانبر ہونا محال ہے۔ بہرحال اسی حالت میں بڑے صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضؓ نے آپ سے عرض کیا:۔

"بابا! آپ اپنا اُونٹ اور بکریاں تو کسی رکھوالے یا چرواہے کی نگرانی کے بغیر چھوڑ دیا کرتے تھے لیکن یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت یعنی خلافت کا معاملہ ہے، اس امانت کا ضیاع آپ یقیناً پسند نہیں فرمائیں گے اس لیے ارشاد فرما دیجیے کہ اس سلسلے میں آپ کی وصیت کیا ہے؟"

اس کے جواب میں آپ نے بمشکل اور بہت ہی دھیمی آواز میں فرمایا: "جس طرح ابوبکر رضؓ نے یہ امانت چھوڑی تھی، میں بھی اسے اسی طرح چھوڑے جاتا ہوں۔" یہ سنتے ہی عبداللہ بن عمرؓ کچھ افسردہ و رنجیدہ ہو کر آپ کے پاس سے چلے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت سے چار سال قبل اسلام لائے تھے۔ آپ اپنی داڑھی میں حنا اور وسمہ کا خضاب لگایا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضؓ کی اولاد

آپ کی اولاد میں عبداللہ، حفصہ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاصم، عبیداللہ، زید، عبدالرحمٰن، فاطمہ جو آپ کی آخری صاحبزادی تھیں اور سب سے چھوٹے بیٹے عبدالرحمٰن اصغر تھے جو اکل و شرب میں مگن رہتے تھے۔ انہیں لوگ ابی شحمہ بھی کہتے تھے بلکہ وہ اسی نام سے مشہور تھے۔ زید اور اس عبدالرحمٰن اصغر یا ابی شحمہ کی ماؤں کے نام معلوم نہیں ہیں۔

حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ

عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس ایک ثقہ و معتبر شخص کے ذریعہ یہ کہلا کر بھیجا کہ "اے ابن عباس تمہیں معلوم ہوگا کہ حمص کا گورنر جو اہل خیر میں سے تھا ہلاک ہو چکا ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ اہل خیر دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں، البتہ میرے نزدیک تم ان میں سے ہو۔ بہرحال تمہارے بارے میں جو میرے خیالات ہیں اگرچہ آج تک تمہاری

طرف سے ظاہری طور پر ان کا اظہار تو نہیں ہوا ہے لیکن اب عملاً انہیں منظرِ عام پر لانے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ویسے میں نے تمہیں اپنے ذاتی محاسن کو روبعمل لانے کے لیے تم سے اپنی خواہش کا اظہار تو نہیں کیا لیکن اب اس خواہش کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس کے بارے میں تم مجھے اپنی رائے سے مطلع کرو۔ تمہاری جانب سے اظہار رضامندی کے بعد میں تمہیں تمہارا تحریری تقرر نامہ بھیجوں گا لیکن تم اپنے زبانی جواب سے فوراً مطلع کرو۔ ویسے مجھے اُمید ہے کہ جب تم اب کے میرے پاس آؤ گے تو بحیثیت عامل آؤ گے۔ بہرکیف یہ بات پہلے ہی سے اپنی گرہ میں باندھ لو کہ "ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں لپسند" غلط نہیں ہے۔ میں نے رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپؐ نے تم جیسے لوگوں کو چھوڑ کر اوروں سے بھی کام لیا ہے لہٰذا اُمید ہے کہ تم مجھے اس کا موقع نہیں دو گے اور مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ تم سے کوئی ایسی بات عمل میں نہیں آئے گی جس کی وجہ سے تم (شرعًا) میری ناراضگی (یا سزا) کے مستحق ٹھہرو، کیونکہ ایسی صورت میں سزا لازم ہو جاتی ہے۔ اگر تم میری اس رائے سے متفق ہو تو فوراً لکھ بھیجو۔" ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "جب میں نے بحیثیت عامل اپنے تقرّر سے معذرت ظاہر کی تو حضرت عمرؓ نے مجھ سے کسی دُوسرے شخص کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا اور جب میں نے اس سلسلے میں یہ عرض کیا کہ آپ سے بہتر صائب الرائے اور کون ہو سکتا ہے، جسے آپ اس عہدے پر مقرر فرمائیں گے وہ آپ کے نزدیک یقیناً دُوسروں سے بہتر ہوگا تو آپ نے میرا تقرر نامہ مجھے بھیج دیا اور مجھے آپ کو یہ اطلاع دے کر کہ جسے آپ جس کام کے لیے منتخب فرمائیں گے وہ آپ کے نزدیک اس کام کا اہل ہی ہوگا حضرت عمرؓ کے ارشاد پر سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔

فتح نہاوند کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی نگاہِ انتخاب

جب فتح قادسیہ وغیرہ اور مدائن کے بعد فارس کے علاقے نہاوند اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں اصفہان و آذربائیجان سے عربوں کے خلاف بغاوت کی خبریں حضرت عمرؓ کو ملیں تو آپ نے ان سب علاقوں کو فتح کرنے اور اس کے بعد وہاں کسی عامل کے تقرر کا ارادہ فرمایا تو آپ کی نگاہ انتخاب نعمان بن مقرن پر پڑی۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لے گئے جہاں مؤخر الذکر اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے فرمایا: جیسا کہ تمہیں معلوم ہوگا فارس

میں نہاوند وغیرہ سے بغاوت کی خبریں موصول ہو رہی ہیں، لہٰذا میں نہاوند اور اس کے قریبی علاقوں اصفہان و آذربائیجان کی فتح اور اس کے بعد وہاں کے ملکی انتظام کے لیے آپ کو بھیجنا چاہتا ہوں" یہ سن کر نعمان بن مقرن بولے: "میں اس کے لیے آپ کا حد درجہ شکر گزار ہوں لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں صرف ایک غازی یا مجاہد ہوں اس لیے مجھے جہاد کے علاوہ ملکی انتظام و انصرام کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔" نعمان کے اس جواب پر آپ نے فرمایا: "تم پہلے جا کر ان علاقوں کو فتح تو کرو، اس کے بعد دوسری باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔" اس پر نعمان بولے: میں تعمیل ارشاد کے لیے حاضر ہوں۔" چنانچہ فتح نہاوند وغیرہ کے لیے سردار لشکر کا انتخاب کرنے کے بعد آپ نے اہل کوفہ کو نعمان بن مقرن کی مدد کے لیے لکھا اور ان کے ساتھ زبیر بن عوام عمرو بن معدیکرب، حذیفہ، ابن عمر اور اشعث بن قیس کو بھی روانہ کر دیا۔ جب نعمان بن مقرن فارس میں داخل ہوئے تو انہوں نے پہلے نہاوند کے حکمران کے پاس اپنا قاصد بھیجا اور خود نہر نہاوند کے پار اس علاقے میں ٹھہرے جسے "ذی الجناحین" کہا جاتا ہے۔ قاصد کے بارے میں انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ وہ نہاوند کے حکمران سے سیاسی گفتگو کرے یا اس سے جنگ کی گفتگو چھیڑے تو انہیں یہ مشورہ دیا گیا کہ اس سے پہلے مصالحانہ گفتگو کی جائے لیکن اس کے مخالفانہ جواب کی صورت میں جنگ کے سوا اور چارہ کار ہی کیا رہ جائے گا۔ اس مشورے کے بعد مغیرہ کو بطور قاصد نہاوند کے حکمران کے پاس بھیجا گیا اور جب وہ اس کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ ایک مرصع تخت پر بیٹھا ہے، اس کا بادشاہوں جیسا مُذہّب و مطلا ہے اور اس پر بیش قیمت جواہرات لگے ہوئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اس کے سر پر بے بہا مرصع تاج ہے۔ حکمران کے دائیں بائیں اس کے بیٹے زرنگار نشستوں پر بیٹھے ہیں اور وہ بھی زرق برق لباس میں ملبوس ہیں۔ اسی طرح اس کے اہل دربار بھی اپنے اپنے مرتبے کے مطابق دائیں بائیں اور سامنے اعلیٰ نشستوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ دربار ہال میں اس سرے سے اس سرے تک بیش قیمت قالین بچھے ہوئے ہیں۔ مغیرہ اور اُن کے دونوں ساتھی دربار ہال کے دروازے سے داخل ہو کر بڑی بے باکی کے ساتھ شاہی تخت تک جا پہنچے اور ان کے لیے جو نشستیں رکھی گئی تھیں نہیں چھوڑ کر تخت کے سامنے کھڑے ہو کر بادشاہ سے گفتگو شروع کرنا چاہی تو بڑی نخوت سے بولا: تم عرب لوگ بڑے غیر مہذب بلکہ اجڈ ہو تمہیں شاہی درباروں کے آداب سے واقفیت

نہیں ہے اور ہوتی بھی کیسے میں نے سُنا ہے کہ تم کھانے میں سُور اور کتوں تک کا گوشت کھا لیتے ہو، جنگلیوں کی طرح لڑتے ہو اور اسے اپنی بہادری سمجھتے ہو لیکن میں تمہارے دماغ سے بہت جلد یہ خناس نکال کر سارے عراق و شام پر پہلے کی طرح قبضہ کر لوں گا۔"

نہاوند کے حکمران کی یہ لاف و گزاف سُن کر مغیرہ بولے: "ایں خیال است و محال است و جنوں"
جہاں تک ہمارے وحشی ہونے اور کھانے پینے کا سوال ہے تو وہ زمانۂ جاہلیت کا دور تھا۔ اب خدائے واحد کے فضل سے ہم نے اپنے عادات و اطوار درست کر لیے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کا کوئی شریک نہیں ہم میں اپنا آخری نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) مبعوث فرمایا ہے، اس نے ہمیں حلال و حرام میں فرق اور نیکی و بدی و حق و باطل میں تمیز کرنا سکھایا ہے۔ تم اگر ہماری مخالفت سے ہاتھ اٹھا لو گے تو ہم بھی تم سے درگزر کریں گے ورنہ تمہارا یہ تاج و تخت خاک میں ملا دیں گے تمہیں سفیروں سے بات کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، ہم تمہارے سفیروں سے اس قسم کی گفتگو کبھی نہ کرتے اور ان سے اس متکبرانہ انداز کے ساتھ کبھی پیش نہ آتے۔ بہرکیف اب ہم تمہارا جواب سُننے کے منتظر ہیں۔"

نہاوند کے حکمران کو مغیرہ کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سُن کر سخت تعجب ہوا کیونکہ وہ انہیں اپنے نزدیک ایک جاہل عرب سمجھا تھا۔ پھر بھی بڑی نخوت سے بولا:-
"تم اس وقت کا انتظار کرو جب میں تمہاری حکومت اور تمہارے جملہ مقبوضات کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

یہ سُن کر مغیرہ بولے: اچھا تو ہمیں جانے کی اجازت دیجیے لیکن اتنا اور بتا دیجیے کہ آپ ہم پر حملہ آور ہوں گے یا ہم آگے بڑھ کر آپ کے بقول آپ کی حکومت بلکہ سارے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں؟" نہاوند کے حکمران نے اسی طرح اکڑ کر جواب دیا: "ہمیں تمہاری طرف آئیں گے۔" اس کے بعد مغیرہ اور ان کے ہمراہی فارس کے شاہی دربار سے رخصت ہو گئے۔

نعمان بن مقرن نہاوند کے بادشاہ کے ساتھ مغیرہ کی گفتگو سُن کر بہت خوش ہوئے، پھر بولے:- "میں جانتا ہوں تم صاحب اوصاف ہو، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے ہو، بے شک خطابت کے علاوہ تمہاری جنگی مہارت بھی مسلمہ ہے تم نے طلوع سحر سے قبل جنگ کبھی شروع نہیں کی زوال کے وقت اور کمک آنے سے پہلے جنگ جاری

رکھی۔ تم نے جنگ سے کبھی منہ نہیں موڑا اور اکثر زخمی ہوئے ہو۔

مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ نہاوند کا بادشاہ اپنے وعدے کے مطابق ہم پر آگے بڑھ کر حملہ آور تو کیا ہوتا اس کی طرف سے جب ہمیں کسی ایسے اقدام کی خبر نہ ملی تو خود ہم نے اس کے ملک میں پیش قدمی کی اور میدانِ جنگ میں جب اس کی فوج کے بے شمار سردار اور سپاہی مارے گئے تو اس نے ہتھیار ڈال دینے ہی میں بہتری سمجھی۔

نعمان بن مقرن کے بارے میں مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ بے مثل مجاہد ہونے کے علاوہ بڑا متشرع شخص تھا، عدل و انصاف کے سلسلے میں اس کا پلّہ دُوسرے بہتوں سے بھاری تھا۔ اپنے بارے میں نعمان نے مغیرہ کے بقول صرف اتنا کہا: میں نے تین بار کے علاوہ اپنا جھنڈا کبھی نیچا نہیں کیا اور گھوڑے کی پیٹھ سے زمین کی طرف جُھکا نہیں یعنی گھوڑے سے نیچے نہیں اُترا، پہلی بار جب کسی شکستہ حال سائل نے مجھ سے کوئی سوال کیا، دوسرے جب اپنے کسی ساتھی مجاہد کو اس کے جوتے کے ٹوٹے ہوئے تسمے کی طرف جھکا ہوا پایا یا اسے تلوار وغیرہ کی ضرورت پیش آئی تیسرے جب کسی زخمی مجاہد کو میدانِ جنگ سے اُٹھانے کی ضرورت ہوئی کیونکہ اس کے دوسرے ساتھی اس کی طرف شدتِ جنگ کی وجہ سے متوجہ نہ تھے۔"

مغیرہ کہتے ہیں کہ جنگ نہاوند کے وقت میں نے سوچا تھا کہ اگر اس جنگ میں نعمان شہید ہو گئے تو میں ان کی جگہ اس وقت تک لڑوں گا جب تک مسلمانوں کی فتح اور ملک میں امن قائم نہ ہو جائے۔ اس کے بعد مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ اس روز میں نے مغیرہ کی مدد کے لیے اللہ تعالٰے سے دُعا کی تھی تاکہ قوم کو امن حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ نعمان نے واقعی جنگ نہاوند کے روز صرف تین بار اپنا جھنڈا انہیں تین حالتوں میں نیچا کیا جن کے بارے میں وہ مجھے بتا چکے تھے۔ اس روز کی جنگ نہر نہاوند کے دوسری طرف میدان "ذی جناجین" ہی میں ہوئی، نعمان نے حد سے زیادہ شجاعت کا ثبوت دیا اور دشمن کی فوج میں تن تنہا کشتوں کے پشتے لگا دیے، لیکن وہ ایک بزدل دشمن کے ہاتھوں میں جس نے چھپ کر ان پر حملہ کیا شہید ہو گئے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اب خلد نشین و جنت نشین ہوں گے۔ ان کی شہادت کے بعد لوگوں نے اشعث بن قیس کو ان کی والدہ کے خیمے میں بھیجا اور ان سے دریافت کرایا کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے ان کی یعنی نعمان کی نیابت کا کوئی تحریری حکم ان کے پاس ہے تو انھوں نے نعمان کے نام حضرت عمرؓ کا ایک مکتوب دکھایا جس میں صریحی طور پر تحریر تھا کہ نعمان کی

شہادت کی صورت میں فلاں شخص امیرِ لشکر ہوں گے اور ان کے بعد فلاں فلاں اشخاص یکے بعد دیگرے امیرانِ لشکر ہوں گے۔

مغیرہ آخر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسی روز مسلمانوں کو دشمنوں پر فتح عظیم بخشی۔

شہدائے نہاوند

جنگِ نہاوند کا مختصر ذکر ہم نے سطورِ بالا میں کیا۔ اس روز فارس کا عظیم ترین لشکر میدان میں آیا تھا لیکن اس کے اکثر و بیشتر سردار اور سپاہی جنگ میں کام آ گئے تھے جس کی وجہ سے دشمن کو پسپا ہونا پڑا اور اسلامی لشکر کو فتح نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں جو مسلمان شہید ہوئے ان میں نعمان بن مقرن کے علاوہ عمرو بن معدیکرب وغیرہ بھی تھے۔ ان کی قبریں نہاوند سے ایک کوس کے فاصلے پر اب بھی موجود ہے۔ جنگِ نہاوند کے تفصیلی واقعات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں۔

عربی قبائل کے بارے میں حضرت عمرؓ کے عمرو بن معدیکرب سے سوالات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عربی قبائل کے بارے میں عمرو بن معدیکرب سے جو مندرجہ ذیل سوالات کیے ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ ان کے متعلق لاعلم تھے بلکہ آپ ان کے بارے میں عمرو بن معدیکرب جیسے ماہرِ انساب اور باخبر شخص سے اپنی رائے کی تصدیق فرمانا چاہتے تھے۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے بیان کیا ہے کہ جب عمرو بن معدیکرب کوفے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے ان سے سعد بن ابی وقاص کی خیریت دریافت کی تو عمرو بن معدیکرب نے ان کی خیر و عافیت کی اطلاع دینے کے بعد ان کی بہت تعریف کی۔ اس کے بعد آپ نے ان سے مسلاح کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جو ان کے متعلق انہیں معلوم تھا آپ کے روبرو بیان کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے ان سے خود ان کی قوم کے بارے میں دریافت کیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ کہیں مختصر کہیں لیکن اپنی قوم کی ہر کمزوری کو صاف صاف بیان کریں تو وہ بولے: "میری قوم کے کسی فرد میں کوئی کمزوری ہوتی تو میں اسے ضرور بیان کرتا۔" اس کے بعد آپ نے ان سے علّہ بن جلو کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے کہ اپنے سواروں کے ذریعہ ہماری مدد کرتے ہیں اور ہمیں کوئی تکلیف ہو تو اسے دُور کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں یعنی بیماریوں کے علاج معالجے میں بھی ہمارا ہاتھ بٹاتے ہیں اور وہ ان کا سارا قبیلہ ہتھیار بند ہے

چنانچہ جہاد کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے سعد بن ابی وقاص کے عزیزوں کے متعلق دریافت کیا تو وہ بولے کہ وہ سب کے سب بڑے عظیم کردار کے لوگ ہیں، بڑے سخی اور صاحب ایثار ہیں، ان میں سے ہر فرد کسی قوم کا رئیس ہونے کے قابل ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے مُراد کے باقی ماندہ لوگوں کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے کہ انہوں نے ہمارے گھروں کو وسعت دی ہے، وہ بڑے اچھے پڑوسی ہیں، دوری و نزدیکی کا خیال نہیں کرتے، بڑے متقی اور پرہیزگار لوگ ہیں اور خیر و فلاح کے کاموں کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ان سے بنی زبید کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے "مجھے ان کے بارے میں تو بہت کم معلوم ہے لیکن لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ وہ تمام اچھی باتوں کے علاوہ کچھ بُری باتوں میں بھی سب سے آگے رہتے ہیں" اس کے بعد آپ نے ان سے بنی طے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ سخاوت میں سب سے بڑھ کر بلکہ سارے عرب کی انگیٹھی ہیں یعنی ساری قوم عرب کو فیض پہنچانے میں پیش پیش ہیں۔ اس کے بعد جب آپ نے ان سے بنی حمیر کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے:۔ "عفو و درگزر میں پیش پیش اور اکل و شرب میں پاک صاف۔" جب ان سے قبیلہ کندہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ بندگان خدا میں بھلا کہلانے کے مستحق نہیں ہیں کیونکہ ان کی وضع قطع اور گفتگو سے شہریوں کی طرح اظہار تمکنت ہوتا ہے۔ جب ان سے بنی ہمدان کے متعلق دریافت کیا گیا تو وہ بولے کہ وہ رات کے راہی اور اہل نیل ہیں، کسی کے پاس پڑوس میں رہنے کو اچھا نہیں سمجھتے بلکہ زیادہ سے زیادہ کی طلب میں ادھر اُدھر گھومتے پھرتے ہیں۔ جب ان سے بنی ازد کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ کثیر العیال ہیں اور انہوں نے بہت سی بستیاں بسائی ہیں۔ حارث ابن کعب کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ وہ بڑے دانا بینا ہیں، اہل دام درہم ہیں، اپنے نیزوں کے پاس کسی کو پھٹکنے نہیں دیتے۔ بنی لخم کے متعلق انہوں نے کہا کہ وہ ہلاکت میں مقدم اور آباد کاری میں مؤخر ہیں۔ بنی جذام کے متعلق انہوں نے کہا کہ وہ بڑے بوڑھوں کی طرح جہاں دیدہ لوگ ہیں اور قول و عمل دونوں میں اچھے ہیں۔ جب ان سے قبیلۂ غسّان کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں سردار تھے اور زمانہ اسلام میں ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ جب ان سے اوس و خزرج کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولے: "وہ انصار

ہیں انہوں نے ہمارے لیے گھر فراہم کیے اور ہمیں ہر تکلیف سے بچانے کا خیال رکھا۔ میں یا میرا قبیلہ ان کی تعریف میں کیا کہے گا جب کہ خود اللہ تعالےٰ نے ان کی تعریف اس طرح کی ہے (والذین تبتو والدار والایمان۔آیت) جب ان سے خزاعہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: "وہ اور بنی کنانہ ایک ہی ہیں، اس لیے ہمارے ہم نسب ہیں، انہوں نے ہماری بہت مدد کی ہے۔" جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ ان کی دشمنی میں پہلے کون سے قبائل پیش پیش تھے جن میں سے کچھ اب بھی باقی ہیں تو انہوں نے ربیعہ کی چند شاخوں کا ذکر کیا۔ عمرو بن معدیکرب کے قبیلے اور بنی ربیعہ میں اختلافات اور بغض و حسد نیز حد درجہ عداوت کے بارے میں مؤرخین نے بہت کچھ لکھا ہے جس کی تفصیل ہم اپنی پچھلی کتابوں میں پیش کر چکے ہیں۔

حرب کے بارے میں سوال

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن معدیکرب سے حرب کے بارے میں سوال کیا تو وہ بولے: "اسے نیچے سے دیکھیے تو اچھی طرح اور اوپر سے دیکھیے تو بُری۔" آپ نے پوچھا: "اس کا کیا مطلب ہے؟" وہ بے باکی سے بولے: "آپ اسے اپنی والدہ سے مماثلت دے سکتے ہیں۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ ان کے سر پہ اپنا دُرّہ لہرایا پھر تلوار کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولے: "بدتمیزی کو تو میں تمہاری زبان کاٹ ڈالوں گا۔" اس گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ عمرو بن معدیکرب سے کافی عرصے تک ناراض رہے تھے لیکن پھر انہیں معاف کر دیا تھا۔

اس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عمرو بن معدیکرب ایک دوسرے سے مانوس ہوئے تو آپ نے ایک روز ان سے دریافت کیا: "تم زمانہ جاہلیت میں بہت سی لڑائیوں میں شریک رہے اور بہت سے مانوس و نامانوس قبائل سے تمہیں واسطہ پڑا ہے اور اب بھی تم انہیں جانتے ہوگے، ان کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

وہ بولے: میں نے زمانۂ جاہلیت میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اب اسلام لانے کے بعد جھوٹ کیسے بولوں گا مجھے ایک دفعہ زمانۂ جاہلیت میں حرب کی ایک شاخ سعد سے واسطہ پڑا تھا، وہ ایک خانہ بدوش بدوی قبیلہ تھا۔ میں نے ان کی عورتوں کو حسن و جمال میں لاجواب پایا تھا، اب زمانۂ اسلام میں بھی میرا اس قبیلے کی طرف گزر ہوا جسے اسلام کی خوبیوں کے بارے میں غالباً آگاہی نہیں ہے تو پہلے ایک شخص جو ان کا سردار معلوم ہوتا تھا ننگی تلوار لے کر میری طرف بڑھا، میں نے اسے بتایا کہ میں عمرو بن معدیکرب ہوں اور ان کا دشمن نہیں ہوں

تو وہ مجھے گھوڑے سے اُترنے کا اشارہ کر کے اپنے خیمے کی طرف ہولیا، میں سمجھ گیا وہ قبیلہ سمعہ کا سردار تھا بہرحال جب میں اس کے پیچھے چلتا ہوا اس کے خیمے کے باہر رُک گیا تو اس نے بڑے نرم الفاظ میں مجھے خیمے میں داخلے کی اجازت دے دی اور اپنا نام ربیعہ بن مکدّم بتایا۔ وہاں ایک حد درجہ حسین و جمیل عورت بڑے خوبصورت کپڑے کے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی اور ... "حضرت عمرؓ نے عمرو بن معدیکرب کا قطع کلام کرتے ہوئے پوچھا:" تم نے کیسے سمجھا کہ وہ قبیلہ سمعہ تھا؟" عمرو بولے:" وہاں ہر طرف طرح طرح کے کھانے پینے کا سامان ہو رہا تھا دیگیں چولہوں پر چڑھی ہوئی تھیں جن کی خوشبو اُڑ کر دُور دُور تک جا رہی تھی۔ قبیلہ سمعہ زمانہ جاہلیت میں بھی جنگجوئی کے علاوہ فیاضی اور تواضع میں مشہور تھا اور پہلے بھی اس کے پاس خانہ بدوش ہونے کے باوجود سامانِ عیش و عشرت سب قبیلوں سے زیادہ تھا اور آج کل بھی وہ اس لحاظ سے سارے عرب میں ممتاز ترین سمجھا جاتا ہے۔ اس سردار نے جب مجھے کھانے پر بٹھایا تو میں اس کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے دیکھ کر حیران ہوا اور سمجھ گیا کہ وہ سمعہ بنی حرب کے سوا کوئی دوسرا قبیلہ نہیں ہے۔" یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا:" تم ابھی اس قبیلے کے سردار کے خیمے میں بیٹھی ہوئی ایک عورت کا ذکر کر رہے تھے۔" عمرو بولے:" جی ہاں اس عورت کی خوب صورتی نے بھی مجھے یہ سمجھنے میں مدد دی کہ اس کا تعلق سمعہ بن حرب سے ہے اس نے مجھ سے بڑے نرم الفاظ میں میرا، میرے قبیلے اور دوسرے قبیلوں کی عورتوں کا حال پوچھا اور جب میں نے اسے ان کا مختصر حال بتایا تو وہ رونے لگی۔ میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو وہ بولی کہ افسوس میں اپنی دوسری بہنوں کی طرح اسلامی عزت معاشرت اور اس قابلِ تعریف دین سے بہرہ یاب نہ ہوسکی۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی شام و عراق کے کئی بار سفر کیے تھے اور وہاں کے حکمرانوں سے ملاقات کی تھی، اسی طرح آپ نے اسلامی دور میں بھی متعدد سفر کیے آپ کے حُسنِ تدبّر، سیرت و اخلاق کے بارے میں نیز آپ کے دورِ خلافت میں فتوحاتِ فارس و مصر و شام و عراق اور دُوسرے شہروں میں غلبۂ اسلام کے متعلق جو آپ کی بہترین سیاست کا نتیجہ تھا مؤرخین اور دیگر اہلِ سیر نے بہت کچھ لکھا ہے اور ہم نے بھی ان تمام حالات و کوائف اور آپ کی سیرت و کردار، فراست و تدبّر وغیرہ کے بارے میں اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں تفصیل کے ساتھ لکھا اور اظہار خیال کیا ہے۔

باب (۴۳)

ذکرِ خلافت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

خلاصہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کا خلاصہ یہ ہے کہ ماہ محرم کی آخری تاریخ کو جب کہ ماہِ ذی الحجہ شروع ہونے میں صرف ایک رات باقی تھی اور وہ سن ہجری کا پچیسواں سال تھا آپ کی بیعت کی گئی۔ لوگوں نے ہمارے اس بیان سے اختلاف رائے بھی کیا ہے لیکن ہم آگے چل کر اسی کتاب میں اس کا ثبوت پیش کریں گے کہ ہمارا یہ بیان صد فی صد صحیح ہے۔ بہرکیف آپ کی خلافت کا زمانہ آٹھ دن کم بارہ سال پر مشتمل ہے۔ آپ کو شہادت کے بعد مدینے میں اس جگہ دفن کیا گیا جو حشِ کوکب کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کا نسب، حالات و کوائف اور سیرت آپ کا نسب یہ ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ آپ کی دو کنیتیں تھیں جن میں سے ایک ابو عبد اللہ اور دوسری ابو عمرو تھی لیکن ابو عبد اللہ زیادہ مشہور ہوئی۔ آپ کی والدہ اروی بنت کریز بن جابر بن حبیب بن عبد شمس تھیں۔ آپ کی اولاد میں عبد اللہ اکبر اور عبد اللہ اصغر تھے جو بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقیہ کے بطن سے تھے۔ ان کے علاوہ آپ کی دوسری اولاد یہ تھی: آبان، خالد، سعید، ولید، مغیرہ، عبد الملک، اُم ابان، اُم سعید، اُم عمرو اور عائشہ۔ ان میں عبد اللہ اکبر اپنے غیر معمولی حسن و جمال کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے، انہوں نے کثرت سے شادیاں کیں اور طلاقیں بھی اسی طرح کثرت سے دیں۔ آبان مبروص اور بھینگے تھے۔ اہل حدیث کے مطابق ان کی عمر بہت کم ہوئی تاہم انہوں نے بنی مروان کی مکے وغیرہ میں نیابت کی یعنی وہاں ان کی طرف سے حکمران رہے۔ سعید بھینگے ہونے کے علاوہ

بخیل بھی تھے۔ وہ معاویہ کے زمانے میں قتل کر دیے گئے تھے۔ ولید شراب کے عادی تھے اور نشے کی حالت میں جنونیوں کی طرح اپنے والد کے قتل میں شریک ہو گئے تھے۔ عبداللہ اصغر ۶۷ سال کی عمر تک زندہ رہے۔ ان کی دونوں آنکھوں میں موتیا اُتر آیا تھا اور اسی کی تکلیف سے ان کی وفات ہوئی۔ عبدالملک کا انتقال کمسنی میں ہو گیا تھا، انہوں نے اپنے بعد اسی لیے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

آپ کے اوصاف

حضرت عثمان رضؓ بڑے سخی، فیاض اور کشادہ دستی میں دُور ونزدیک مشہور تھے۔ آپ کے مقرر کردہ عمّال اور آپ کے اکثر ہم عصروں نے بھی یہی چلن اختیار کیا جس کی وجہ سے لوگ انہیں بُرا بھلا کہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے مدینے میں اپنا جو مکان تعمیر کیا تھا وہ پتھر کا تھا اور اس پر کلس بھی لگوایا تھا۔ آپ کے اس مکان کے دروازے سنگِ مرمر اور عرعر کی لکڑی سے تیار کیے گئے تھے۔ آپ نے ظاہر و باطن دونوں طرح مدینے میں اخراج مال وزر کے لیے دروازے کھول رکھے تھے۔

آپ کی ثروت

عبداللہ بن عتبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل کے دن آپ کے ذاتی خزانے میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور لاکھوں درہم موجود تھے جب کہ وادی قریٰ کے علاوہ حنین کی لڑائی میں اس سے قبل آپ نے ایک لاکھ دینار دیے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی ملکیت کا جب حساب لگایا تو مذکورہ بالا نقد درہم و دینار کے علاوہ بھیڑوں، بکریوں اور اُونٹوں کی تعداد بے شمار تھی۔

زبیر بن عوام کی ثروت

حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کی جو جماعت ضیاع مال و زر کی وجہ سے بدنام ہوئی ان میں زبیر بن عوام سرِ فہرست ہیں۔ انہوں نے بصرے میں جو اپنا ذاتی مکان تیار کرایا تھا وہ آج تک مشہور ہے (۳۳۲ھ) اس مکان میں تاجروں اور دُوسرے صاحبِ ثروت لوگوں کے علاوہ بحرین کے سمندری جہازوں کے مالک بھی ٹھہرا کرتے تھے اور مالِ تجارت کی ذخیرہ اندوزی بھی ہوا کرتی تھی اس کے علاوہ انہوں نے یعنی زبیر بن عوام نے اپنی گورنری کے زمانے میں اپنے لیے کوفے مصر اور اسکندریہ میں بھی ایک ایک مکان تعمیر کرایا تھا۔ ان کے متعلق اور ان کی فضول خرچی کے بارے میں ہم نے یہاں جو کچھ کہا ہے وہ تاریخی اعتبار سے اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ زبیر بن عوام کی وفات کے بعد ان کے ترکہ کا جب حساب لگایا گیا تو بصرہ، کوفہ، مصر

اور اسکندریہ کے مذکورہ بالا آراستہ و پیراستہ مکانوں اور ان کے بیش قیمت ساز و سامان کے علاوہ ان کے ترکے میں پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار لونڈیاں اور غلام پائے گئے۔

طلحہ بن عبیداللہ کی ثروت

اسی طرح طلحہ بن عبیداللہ تیمی نے کوفے میں ایک عالیشان مکان تعمیر کیا تھا جو "کناسہ دار البطحین" کے نام سے آج تک مشہور ہے، عراق کی گورنری کے زمانے میں ان کی وہاں کی آمدنی ہر روز ہزار دینار ہوتے تھے، انہوں نے مدینے میں بھی پختہ اینٹوں چونے کے پتھر اور ساکھو کے درخت کی قیمتی لکڑی سے ایک مکان بنایا تھا۔

عبدالرحمٰن بن عوف کی ثروت

اسی طرح عبدالرحمٰن بن عوف زہری نے بھی ایک مکان بنایا تھا اور اسے بڑھا بڑھا کر حد سے زیادہ وسیع کر لیا تھا، ان کے اصطبل میں ہر وقت سو گھوڑے موجود رہتے تھے اور ان کے پاس ایک ہزار اونٹوں کے علاوہ دس ہزار بکریاں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کے نقد مال کی چوتھائی قیمت کا اندازہ ۸۴ ہزار دینار لگایا گیا تھا۔

دُوسرے صحابہ کی ثروت

دوسرے صحابہ کی ثروت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص نے عقیق میں ایک عالی شان مکان بنایا تھا جس کی چھت اور دیواریں انتہائی بلند تھیں اور اس سربفلک چھت پر بلند و بالا برجیاں بنائی گئی تھیں۔

سعید بن مُسیّب کہتے ہیں کہ زید بن ثابت نے اپنے انتقال کے وقت کثیر مقدار میں چاندی سونے اور دوسرے نمائشی سامان کے علاوہ ایک لاکھ دینار چھوڑے تھے۔

اس طرح مقداد نے مدینے سے چند میل کے فاصلے پر مشہور مقام جُرف میں ایک مکان بنایا تھا جس کی چھت پر بُرج بنوائے تھے اس کل مکان میں اندر اور باہر سُوکھے کی قیمتی لکڑی استعمال کی گئی تھی۔

اسی طرح یعلیٰ بن منیہ نے اپنے انتقال کے بعد پانچ لاکھ دینار نقد اور لوگوں پر قرضے اور زمینوں کے علاوہ جو قیمتی سامان چھوڑا تھا اس کی قیمت کا اندازہ کم سے پانچ لاکھ دینار لگایا گیا تھا۔

سطور بالا میں ہم نے جو کچھ بیان کیا اس سے ہمارا مقصد دورِ عثمانی میں مال کی ریل پیل اور

صحابہ تک میں جمع مال و دولت کے جذبے کا اظہار تھا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ خود جب ایک بار حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تو آمدو رفت پر سولہ دینار خرچ ہوئے تھے، اس کے باوجود اپنے بیٹے سے فرمایا تھا: "اس سفر پر ہم نے اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کر دیا ہے۔" اس سے دورِ فاروقی اور دورِ عثمانی کے فرق کا بہ لحاظ اسراف و تبذیر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے ضمن میں حمص کے گورنر کا واقعہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ انہیں کے زمانے میں ایک اور قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ اہل کوفہ نے اپنے امیر سعد بن ابی وقاص کی شکایت حضرت عمرؓ کو لکھی تھی تو آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری، بنی عبدالاشہر کے حلیف کو وہاں بھیجا تھا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر باب کوفہ پر وہاں کے گورنر سعد بن ابی وقاص کو طلب کیا تھا اور اس کے بعد انہیں مسجد میں لے جا کر ان کے خلاف اہل کوفہ کی شکایات سُنی تھیں تو بعض لوگوں نے ان کی تعریف کی تھی اور بعض نے ان کی شکایت کی تھی۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ان کی جگہ عمار بن یاسر کو انتظامیہ کا اور عثمان بن حنیف کو محصولات کا ذمہ دار بنا کر کوفے بھیجا تھا۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن مسعود کو بیت المال کی ذمہ داری سونپی تھی اور انہیں یعنی ان تینوں کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ وہ اہل کوفہ کو قرآن کی کم سے کم ایک ایک آیت کا درس دیا کریں۔ جہاں تک ان تینوں کی نشست گاہ میں فرش کا تعلق ہے تو عمار بن یاسر گورنر کوفہ کے لیے ایک علیحدہ فرش تھا جب کہ عبداللہ بن مسعود اور عثمان بن حنیف کی نشست گاہ کا فرش مشترکہ تھا پس کہاں حضرت عثمانؓ اور کہاں حضرت عمرؓ فاروق۔

حضرت عثمانؓ کے عمال (گورنر)

حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہوتے ہی آپ کے پاس حکم بن ابی العاص اس کا بیٹا مروان اور بنی اُمیہ کے دوسرے لوگ پہنچ گئے۔ حکم وہ شخص تھا جسے سرکشی کی وجہ سے مدینے سے نکال کر اپنے قریب پھٹکنے سے بھی منع کر دیا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بنو اُمیہ کے جن لوگوں کو گورنری کے عہدے دیے گئے ان میں سے ولید بن عقبہ کو کوفے کا گورنر بنایا گیا (یہ وہ شخص تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناری (دوزخی) فرمایا تھا) عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کی گورنری کا عہدہ دیا گیا اور معاویہ بن ابی سفیان کو شام کا گورنر مقرر کیا گیا۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن عامر کو بصرے کی گورنری دی گئی جب ولید بن عقبہ کو (اس کی بدعنوانیوں کی وجہ سے) کوفے کی گورنری سے علیحدہ کیا گیا تو

اس کی جگہ سعید ابن العاص کو بھیج دیا گیا۔

ولید بن عُقبہ ہم نے ابھی ولید بن عقبہ کی کوفے کی گورنری سے علیٰحدگی کا سبب اس کی بدعنوانیاں بتایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ صبح سے شام تک اپنے ہم صحبت لوگوں کے ساتھ شراب پیتا اور اس کے نشے میں مدہوش رہتا تھا اور رات ہوتے ہی اس کی مجلس میں ارباب نشاط آ دھمکتے جن سے وہ صبح تک گانا سُنتا رہتا تھا۔ جب مؤذن صبح کی اذان دیتا تو وہ اس مجلس عیش و نشاط سے جھومتا جھامتا بلکہ لڑکھڑاتا ہوا اُٹھتا اور مسجد میں داخل ہوکر محراب مسجد میں نماز فجر کی امامت کے لیے کھڑا ہوجاتا۔ ایک ایسے ہی موقع پر جب اس کے پیچھے چار صفوں میں مقتدی نماز پڑھ رہے تھے تو اس نے پہلی ہی رکعت میں سجدے سے اُٹھنے کا نام نہ لیا بلکہ لڑکھڑاتی زبان سے بولا تو یہ کہ "کیا اور زیادہ نماز پڑھاؤں؟" یہ سُن کر پہلی صف کے مقتدیوں میں سے کوئی بولا: "خدا تجھے نیک ہدایت دے، اللہ تعالےٰ نے جتنی نماز فرض کی ہے تو اس سے زیادہ کیا پڑھائے گا؟ یوں تجھ سے کچھ بعید نہیں ہے، ہمیں اگر تعجب ہے تو صرف اس بات پر کہ تو ہمارا امیر کیسے بن گیا ہے!" جس شخص نے ولید بن عقبہ سے یہ بات کہی تھی اس کا نام عتاب بن عیلان ثقفی تھا۔

جب ولید اپنی مذکورہ بالا مضحکہ خیز نماز سے فارغ ہوا تو اس نے نمازیوں سے خطاب کرنا چاہا لیکن لوگ اسے گھیر کر لعنت ملامت کرنے لگے، اس لیے وہ کسی نہ کسی طرح ان سے پیچھا چھڑا کر اسی طرح جھومتا جھامتا قصرِ امارت میں جا گھسا اور شراب و موانعات شرعی کی تعریف میں زمانۂ جاہلیت کے شاعروں کی طرح عُریاں اشعار کہنے لگا۔ اس کے ایسے اشعار سُن کر حطیئہ نے بھی اس کی ہجو میں کچھ اشعار کہے تھے۔

جب اس کی شراب نوشی اور فسق و فجور کے چرچے عام ہونے لگے تو ایک دن مسجد سے کچھ لوگ اس کے پاس پہنچے جن میں ابوزینب بن عوف ازدی اور جندب بن زہیر ازدی وغیرہ بھی شامل تھے تو اسے شراب کے نشے میں دُھت تخت پر اوندھا پڑا پایا۔ انہوں نے اسے جگانا چاہا تو اسی حالت میں مغلظات بکنے لگا اور برتن اُٹھا کر اس میں جو شراب بچی تھی ان لوگوں پر اُلٹ دی۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں نے بمشکل اس کے ہاتھ سے شراب کا برتن چھینا اور قصرِ امارت سے باہر نکل کر فوری طور پر خلیفہ وقت حضرت عثمانؓ سے اس کی شکایت کرنے اور اس کے خلاف شرع افعال کی گواہی دینے کے لیے کوفے سے مدینے روانہ ہوگئے۔ جب انہوں نے حضرت

عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ولید کی بداعمالیوں کی شکایت کی تو وہ بولے: "تم کس طرح سمجھے کہ اس نے شراب ہی پی رکھی تھی؟" ان لوگوں نے آپ کو سارا واقعہ سُنا کر کہا، اس نے جس شراب کا برتن اُٹھا کر اسے ہمارے منہ اور سینوں پر اُلٹا تھا اس میں وہی شراب تھی جو ہم زمانہ جاہلیت میں پیا کرتے تھے۔" اس کے باوجود آپ نے انہیں جھڑک دیا اور بولے: "تم ایسے من گھڑت قصے سُنا کر ولید کے خلاف مجھ سے کسی کاروائی کی اُمید مت رکھو۔" وہاں سے مایوس ہو کر وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور انہیں سارا ماجرا سنایا۔ چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا: "آپ نے گواہوں کو نکال کر حدود شرعی کا ابطال کیا ہے" اس پر وہ بولے: "آپ اس معاملے میں کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟" آپ نے کہا: "میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ لوگ سچ کہتے ہیں تو ولید کو بلا کر اس کی تصدیق کی جائے اور ان کی شکایات درست ثابت ہوں تو اس پر شرعی حد جاری کی جائے۔" چنانچہ ولید کو کوفے سے طلب کیا گیا اور جب اسے اپنے خلاف شکایات کے سلسلے میں کوئی معقول جواب دینے کے بجائے خاموش پایا تو حضرت عثمانؓ نے اپنا کوڑا حضرت علیؓ کی طرف بڑھایا۔ آپ نے اپنے بیٹے حسن سے کہا: "اسے تھامے رہو، میں اسے خود حکم خداوندی کے مطابق کوڑے لگاؤں گا۔" جب آپ کوڑا لے کر اس کی طرف بڑھے تو وہ آپ کو گالیاں دینے لگا اور کہنے لگا کہ آپ چند لوگوں کی گواہی پر مجھے سزا دینا چاہتے ہیں نیز کچھ اور لوگ بھی حضرت عثمانؓ سے اس کی قرابت داری کا خیال کر کے حضرت علیؓ سے کہنے لگے کہ اسے کوڑوں کی سزا نہ دی جائے۔ لیکن جب حضرت علیؓ کوڑا لے کر اس کے پاس پہنچے تو اس نے آپ کو "صاحب مکس" یعنی محصول جمع کرنے والا کہہ کر خطاب کیا۔ اس پر عقیل بن ابی طالب نے جو اس وقت وہاں موجود تھے اس سے کہا: "تو دوسروں کو اے ابی معیط کے بیٹے کیا کہتا ہے، اپنے آپ پر نظر نہیں ڈالتا کہ تو خود کیا ہے، (تو اہل صفوریہ (عکا دالجرف کے درمیان ایک گاؤں کا نام جو طبریہ میں اُردن کا علاقہ ہے جہاں ولید کے یہودی آباؤ اجداد رہتے تھے) کا لدّو، گدھا ہے۔" جب حضرت علیؓ ولید کے اور قریب پہنچے تو وہ ان پر جھپٹ پڑا لیکن آپ نے اسے سر سے بلند کر کے زمین پر پٹک دیا اور جب اسے ضرب لگانے کے لیے کوڑا بلند کیا تو حضرت عثمان بولے: "آپ اس کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کرنے کا حق نہیں رکھتے۔" حضرت علیؓ بولے: "میں اسے کوڑے لگا کر فرمان خداوندی کی تعمیل کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ اس میں مزاحمت کرنا چاہتے ہیں۔"

سعید بن عاص

ولید بن عقبہ کے بعد سعید بن عاص کو کوفے کا گورنر مقرر کیا گیا تو اوّل اوّل تو اس نے بڑی صاف باطنی اور پاک طینتی کا ثبوت دیا۔ مثلاً جب وہ پہلے پہل کوفے پہنچا اور لوگوں سے خطاب کرنا چاہا تو اس نے مسجد کے منبر کو یہ کہہ کر دھلوایا کہ اس پر ولید جیسا نجس شخص بیٹھا تھا، اس لیے وہ ناپاک ہوگیا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے بھی ہاتھ پاؤں اور پر پُرزے نکالنے شروع کیے تو اس کے خلاف بھی مدینے میں شکایات پہنچنے لگیں۔ اس کے خلاف شکایات یہ تھیں کہ اس نے ان ارضی قطعات کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے جو قریش کو دی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ وہ محصولات میں بھی خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ یہ شکایات پہلے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو زبانی پہنچائی گئیں لیکن پھر اس سلسلے میں انہیں متعدد خطوط بھی لکھے گئے۔

پہلے مالک اشتر بن حارث نخعی نے سعید بن عاص سے یہ بھی کہا کہ "کیا تو ان زمینوں کو ناجائز طور پر اپنے اور اپنے لوگوں کے لیے مخصوص کرنا چاہتا ہے جو ہم نے اپنی تلواروں کے سائے اور نیزوں کی نوک پر حاصل کی ہیں؟" مگر جب سعید نے ان کی اس دلیل کو رد کر دیا تو وہ اہل کوفہ کے ستر لوگوں کو ساتھ لے کر مدینے پہنچے اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ذاتی طور پر سعید بن عاص کی بے اعتدالیوں اور بدعنوانیوں کے متعلق شکایات پیش کیں اور ان سے گزارش کی کہ سعید کو معزول کر دیا جائے۔ مالک اشتر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مدینے میں کافی عرصے تک ٹھہرے رہے لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کی شکایات کے سلسلے میں سعید کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ اس اثناء میں ان کے دُوسرے گورنر مدینے آپہنچے۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر سے، معاویہ شام سے، عبداللہ بن عامر بصرے سے اور خود سعید بن عاص کوفے سے آئے اور کافی دنوں تک مدینے میں ٹھہرے رہے۔ جب سعید کافی عرصے تک کوفے نہیں پہنچے نہ ان کے معزول ہونے کی اہل کوفہ کو کوئی خبر نہ ملی تو انہوں نے باقاعدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی بدعنوانیوں کی ناقابل تردید ثبوت کے ساتھ تحریری اطلاع دی جس پر انہوں نے اپنے مذکورہ بالا عُمّال (گورنروں) سے پوچھا: "آپ لوگوں کی اس معاملے میں کیا رائے ہے؟" یہ سُن کر معاویہ نے کہا: "میں اپنے ساتھی گورنروں کی شکایات مقامی لوگوں سے موقع بے موقع یا جا بے جا سُننے کا روادار نہیں ہوں۔ عبداللہ بن عامر بن کریز بولے: اس سے قبل بھی کوفے کے ایک گورنر کو معزول کیا جا چکا ہے، کیا اب اس کا اعادہ غلط نہیں ہوگا؟" عبدالرحمٰن بن سعد بن ابی سرح نے کہا "کیا گورنروں کی اس طرح بار بار اور جلد جلد معزولی مناسب ہوگی؟" خود سعید بن عاص نے اپنے

الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا: اس طرح تو کوفے میں گورنروں کا عزل و نصب تو آپ کے بجائے اہل کوفہ کی مرضی کے مطابق ہوجائے گا، وہ جب چاہیں گے انہیں یا تو خود معزول کر دیا کریں گے یا آپ سے جا و بے جا شکائتیں کر کے معزول کرا دیا کریں گے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "اچھا تم لوگ مسجد میں جاؤ اور معاملے میں عمرو بن عاص جو کچھ کہیں اسے غور سے سنو لیکن گفت و شنید کے علاوہ تمہیں فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔"

جب وہ لوگ مسجد کی طرف جانے لگے تو مالک اشتر بولے: "آپ لوگ کچھ ہی کہیں یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کچھ فیصلہ کریں ہم اس وقت تک سعید کو کوفے میں داخل نہیں ہونے دیں گے جب تک ہم میں سے ایک ایک آدمی زندہ رہے گا کیونکہ سعید صریحی طور پر بدعنوانیوں اور بے اعتدالیوں کا مرتکب ہوا ہے۔" بہرکیف جب سب لوگ مسجد میں پہنچے تو طلحہ و زبیر عمرو بن عاص کے قریب بیٹھ گئے اور ان دونوں نے انہیں اپنے اور قریب آنے کا اشارہ کر کے بولے: "آپ اس معاملے میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟" عمرو بن عاص بولے: جب ہم منکرات سے پیچھا چھڑا رہے ہیں تو ان سے چمٹے رہنے سے کیا حاصل ہوگا، لیکن میں اس معاملے میں سعید کا ہم خیال ہوں۔" جب طلحہ و زبیر عمرو بن عاص کی رائے معلوم کر چکے تو اس کے بعد مالک اشتر کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: "سعید نے تمہیں تمہاری زمینوں سے بے دخل تو نہیں کیا۔ اس کے برعکس اس نے اہل کوفہ کو مال و متاع سے بھی نوازا ہے، لہٰذا تم اپنی شکایات سے قطع نظر کر کے کوفے واپس چلے جاؤ۔" اس کے بعد ان الفاظ کا بھی اضافہ کیا: "تم لوگوں کی آمد و رفت کے اخراجات کا جو اندازہ ہو وہ تم ہم سے لے لو۔" یہ سن کر مالک اشتر طنزاً بولے: "ہمارا اندازہ ایک لاکھ دینار ہے۔" اس پر طلحہ و زبیر دونوں نے پچاس پچاس ہزار دینار ان کے حوالے کرنا چاہے تو مالک اشتر ان کی یہ پیشکش رد کرتے ہوئے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ان کا رُخ کوفے کی طرف پھیر دیا لیکن سعید بن عاص تو ان سے پہلے ہی کوفے جا پہنچا تھا۔ اس نے کوفے پہنچتے ہی مسجد کا رُخ کیا تھا۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہوگئے تو وہ ان سے خطاب کرتے ہوئے بولا: آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ اہل کوفہ نے میرے خلاف جو شکایات زبانی یا لکھ کر دار الخلافہ بھیجی تھیں وہ غلط تھیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں دوبارہ گورنر کی حیثیت سے کوفے لوٹ آیا ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے یہ بھی کہا کہ "جو شخص مجھ سے متفق ہو وہ از سر نو میری اطاعت کا اقرار کر کے میرے ہاتھ پر

بیعت کرے۔" چنانچہ اسی وقت اہل کوفہ میں سے کم از کم دس ہزار افراد نے اس کی بیعت کرلی۔ وہ اس طرف سے مطمئن ہو کر خفیہ طور پر مدینے یا مکے کے ارادہ سے کوفے سے نکلا لیکن ابھی واقعہ پہنچا تھا کہ اسے اپنی معزولی کی خبر ملی۔ وجہ یہ تھی کہ مالک اُشتر نے کوفے پہنچ کر حضرت عثمانؓ کو صاف صاف لکھ دیا تھا کہ وہ سعید بن عاص کو اب کسی قیمت پر کوفے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس کی وجہ انہوں نے سعید کی پُرمعصیت زندگی اور خلافِ شرع حرکات بتائی تھیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو یہ بھی لکھا تھا کہ وہ سعید بن عاص کے علاوہ جسے چاہیں کوفے کا گورنر مقرر کر کے بھیج دیں۔ چنانچہ اس تمام ردّ و قدح کے بعد آپ نے اہل کوفہ سے انہیں خط لکھ کر دریافت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کا امیر کون تھا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے زمانے میں ابوموسے اشعری کوفے کے گورنر تھے تو انہوں نے انہیں کوفے کا دوبارہ گورنر مقرر کر دیا۔

حضرت عثمان پر طعن و تشنیع کی ابتدا اور اس کا سبب

ہجرت کے پینتیسویں سال حضرت عثمانؓ پر طعن و تشنیع اور الزامات کی بہتات ہو گئی اور اس کا سبب ان سے سرزد ہونے والے کچھ افعال کو بتایا گیا۔ اس کی ابتدا ان واقعات سے ہوئی جو آپ کے اور عبداللہ کے مابین پیش آئے اور آپ سے ہذیل کے انحراف اور بیزاری کا سبب بنے۔ انہیں میں سے وہ واقعات ہیں جو عمار بن یاسر کے لیے جھگڑے فساد اور حرب و ضرب کا سبب بنے اور آپ سے بنی مخزوم کی بیزاری اور انحراف کا سبب بھی ٹھہرے۔

ولید بن عقبہ اور مشعوذ یہودی

آپ کے خلاف لوگوں کی شورش اور آپ سے بیزاری کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ولید بن عقبہ کے پاس ایک یہودی آیا جو مفصلات کوفہ میں جسر بابل کے قریب ایک گاؤں زرارہ میں رہتا تھا۔ اس کا نام بطروبی تھا اور وہ شعبدے اور جادو کے کھیل دکھایا کرتا تھا۔ ولید اسے کوفے کی مسجد میں لے آیا اور اس کے متعلق یہ خیالی قصہ سنایا کہ اس نے ایک عظیم الجثہ شخص کو گھوڑے پر سوار مسجد میں کل رات کے وقت ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آتے جاتے دیکھا ہے پھر اس رات کو مذکورہ بالا یہودی نے مسجد میں ایک اونٹ کو رسّی پر چلا کر دکھایا۔ اس نے اس کے بعد ایک گدھا بنا کر دکھایا جو اُونٹ کے منہ میں داخل ہو کر اس کے دُبر سے نکل گیا۔ اس نے اس کے بعد ایک آدمی کے تلوار سے دو ٹکڑے کر دیے اور جب تلوار کی نوک سے ان ٹکڑوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ شخص ان دونوں

ٹکڑے کے ملنے کے بعد زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

جو لوگ اس وقت مسجد میں موجود تھے ان میں جندب بن کعب ازدی بھی تھا۔ اس نے اس یہودی کے یہ شعبدے اور جادو کے کھیل دیکھ کر لاحول پڑھی اور انہیں اعمال رحمانی سے بعید اور اعمال شیطانی ٹھہرایا اور تلوار لے کر اس یہودی کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے پھر اس کی گردن سر سے الگ کر دی جس کے بعد قرآن کی یہ آیت پڑھی: "جاء الحق وزھق الباطل، اِنّ الباطل کان زھوقاً۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت دن تھا۔ جندب یہودی کے یہ شعبدے دیکھ کر مسجد سے نکلے اور جب بازار میں پہنچے تو لوگ اس یہودی کو گھیرے کھڑے تھے۔ جندب نے لوگوں کی بھیڑ میں گھس کر اچانک اپنی تلوار نکالی اور اس یہودی کی گردن پہ ایک ہی وار کر کے اس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ پھر بولے: "اگر تو سچا ہے تو اب زندہ ہو کر دکھا۔ یہ خبر جب ولید کو پہنچی تو اس نے جندب کو گرفتار کر کے چاہا کہ اسی وقت اسے قتل کر دے اور اس کی دلیل یہ دی کہ ایسے افعال جو یہودی سے دیکھنے میں آئے اولیاء اللہ سے بھی ظہور میں آتے ہیں لیکن ازدی نے جندب کے قتل سے اسے باز رکھا جس پہ ولید نے جندب کو قید کر دیا اور قید خانے کے پہرے دار کو حکم دیا کہ رات بھر اس پہ کڑی نگرانی رکھے۔ صبح ہوئی تو ولید نے حکم دیا کہ جندب کو اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔ ولید کا ارادہ جندب کو قتل کرنے کا تھا لیکن پہرے دار نے قید خانے سے جندب کے فرار کی اطلاع دی تو ولید نے طیش میں آ کر پہرے دار ہی کو قتل کر کے اس کی لاش دار الامارت کے دروازے پہ لٹکوا دی۔

حضرت عثمانؓ اور ابو ذرؓ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات، طعن و تشنیع اور شورش کا ایک سبب ان کے ساتھ آپ کا غیر منصفانہ سلوک بھی تھا۔ ایک روز ابو ذر غفاریؓ آپ کی اس مجلس میں موجود تھے جس میں آپ یہ فرما رہے تھے: "آپ لوگوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ کسی کے جمع کردہ مال میں کسی دوسرے کا حق ہو گا یا نہیں؟" اس سوال کے جواب میں کعب بولے: "نہیں یا امیر المومنین اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں ہو گا یعنی وہ شخص اسے جس طرح چاہے خرچ کرے۔" جب ابو ذرؓ نے کعب کی زبان سے یہ سُنا تو وہ اُٹھ کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بولے:۔ "اے یہودی کے بیٹے! تو نے جھوٹ کہا کیونکہ یہ حق العباد کا معاملہ ہے" اس کے بعد ابو ذرؓ

قرآن کی یہ آیت پڑھی: (لیس البّران تولو وجوھکم قبل المشرق والمغرب) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اور اس بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اگر ہم مسلمانوں کے بیت المال میں سے کچھ مال لے کر اسے خود استعمال کر لیں یا چاہیں تو تمہیں دے دیں؟" اس سوال کے جواب میں بھی سب سے پہلے کعب ہی بولے "یا امیر المومنین! اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔" یہ سننا تھا کہ ابوذرؓ کعب کے سینے میں اپنا ڈنڈا چبھو کر غصّے سے بولے "او یہودی کے بیٹے! تجھے ہمارے دینی معاملات میں دخل دینے کی جرأت کیسے ہوئی؟" ابوذرؓ کی زبان سے یہ سُن کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا "تو میرے لیے آج تک ہمیشہ تکلیف کا سبب بنا رہا لہٰذا میرے سامنے سے دُور ہو کر کہیں اور چلا جا۔ کیونکہ یہ بات کہہ کر بھی تو نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔" حضرت عثمانؓ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر ابوذر شام چلے گئے۔ وہاں سے معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا: جب سے ابوذرؓ یہاں پہنچے ہیں ان کے پاس کثرت سے لوگ جمع ہو رہے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہ یہاں فتنہ و فساد کا باعث نہ بن جائیں، اگر آپ قوم کو مطمئن رکھ کر اس سے کوئی حسب مراد کام لینا چاہتے ہیں تو ابوذرؓ کو مدینے بلا لیجیے۔" حضرت عثمانؓ کی اجازت ملنے کے بعد معاویہؓ نے ابوذرؓ کو مدینے اس طرح روانہ کیا کہ اس اونٹ پر جس پر انہیں سوار کیا گیا صرف ایک سخت ترین پالان ڈالا گیا اور انہیں مدینے تک پہنچانے اور ان کی نگرانی کے لیے پانچ صقالبی سوار کر دیے جو مدینے پہنچنے تک ان کی نگرانی کرتے رہے۔ جب ابوذرؓ مدینے پہنچے تو وہ سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئے تھے۔ کہتے ہیں اس وجہ سے ان کی وفات ہوئی۔ کہتے ہیں مرتے وقت ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے! "افسوس! اپنے فرائض کی بجا آوری سے قبل میری جان جا رہی ہے۔" اس کے بعد ابوذرؓ پر جو گزری وہ ایک طویل داستان ہے جو مورخین نے تفصیل سے بیان کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی تجہیز و تکفین کس نے کی تھی۔ بہرکیف حضرت عثمانؓ نے انہیں ایک مکان میں رکھ کر ان سے کچھ روز اچھا سلوک کیا اور جب آتے تو ان کے پاؤں کی طرف بیٹھ جاتے اور ان سے دیر تک باتیں کرتے رہے جس میں یہ بات بھی تھی کہ عمرو بن عاص کے بیٹے عباد اللہ کو چالیس آدمی کس طرح گھیر گھار کر ان کے پاس لائے تھے۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد حضرت عثمانؓ کے پاس عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے ترکے کا مال پہنچا اور وہ اس شخص سے جو وہ مال لے کر آیا تھا اور ابھی ان کے سامنے کھڑا تھا بولے: میں عبدالرحمٰن کی آخرت میں بھلائی چاہتا ہوں، وہ صدقہ خیرات بھی کیا کرتے

تھے اور مہمانوں کی خاطر تواضع بڑی فیاضی سے کرتے تھے، اس کے باوجود دیکھو انہوں نے ترکے میں کتنا مال چھوڑا ہے!" اس پر کعب احبار جو اس وقت وہاں حاضر تھا بولا: "امیر المومنین! آپ سچ فرماتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی ابوذرؓ نے اپنا ڈنڈا اٹھا کر کعب کے سر پر رسید کیا اور یہ دیکھے بغیر کہ اس کے سر میں کتنی چوٹ آئی ہے کڑک کر بولے: "اے یہودی کے بیٹے! تو اس شخص کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہے جو مرنے کے بعد اتنا ڈھیر کا ڈھیر مال و زر چھوڑ گیا، اللہ نے اسے دین و دنیا کی بھلائی عطا کی تھی لیکن اس نے خدا سے اپنا رشتہ تو مرنے سے پہلے ہی توڑ لیا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے: "میں چاہتا ہوں کہ جب میں واصل بحق ہونے لگوں تو ایک قیراط بھر وزنی سونا بھی میرے پاس نہ ہو۔" ابوذرؓ کی زبان سے یہ باتیں سُن کر حضرت عثمانؓ غصے سے بولے: "اب تو یہاں سے پھر دفع ہو جا!"

یہ سُن کر ابوذرؓ نے پوچھا: "کیا آپ مجھے مکے بھیج کر وہاں نظر بند رکھنا چاہتے ہیں؟"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: "نہیں، خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔"

ابوذر بولے: "جہاں میں اپنے رب کی عبادت کرتا رہا ہوں وہیں میں اپنی موت کا بھی متمنی ہوں۔"

حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا: "وہ کونسی جگہ ہے؟"

ابوذر بولے: "شام"

حضرت عثمانؓ: "میں تمہیں وہاں نہیں بھیجنا چاہتا۔"

ابوذر: "بصرے؟"

حضرت عثمانؓ: نہیں وہاں بھی نہیں۔"

ابوذرؓ: "اگر ان تمام شہروں میں سے جن کا میں نے نام لیا مجھے آپ کہیں نہیں بھیجنا چاہتے تو کاش آپ مجھے وہیں رہ کر مرنے دیتے جہاں ہجرت کے بعد میں مدینے میں ٹھہرا تھا اور اگر یہ بھی نہیں چاہتے تو پھر آپ جہاں بھی چاہیں مجھے بھیج دیں۔"

حضرت عثمانؓ: "میں تمہیں ربذہ بھیجوں گا۔"

ابوذرؓ: "اللہ اکبر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا اور جہاں جہاں آپ کے بعد مجھے رہنا تھا یا جہاں مجھے موت آنا تھی اس کی خبر مجھے آپ نے دے دی تھی۔"

حضرت عثمانؓ: "آپ نے تم سے کیا کہا تھا؟"

ابوذرؓ: "آپ نے فرمایا تھا کہ تمہیں مکے یا مدینے میں قیام کرنے کی ممانعت کی جائے گی اور یہ کہ میری موت ربذہ میں ہوگی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ عراق کے کچھ مسافر جب نواح حجاز میں پہنچیں گے تو وہی میری تجہیز و تکفین کریں گے۔"

ابوذرؓ حضرت عثمانؓ سے اس گفتگو کے بعد اس اونٹ کے قریب گئے جو ان کے ربذہ بھیجنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ ابوذرؓ کے ساتھ اس اونٹ پر ان کی بیوی کو بھی سوار کیا گیا تھا لیکن بعض مورخین لکھتے ہیں کہ وہ ان کی بیٹی تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے اگرچہ یہ حکم دے دیا تھا کہ ربذہ تک ابوذر کے ساتھ کوئی نہیں جائے گا لیکن جب وہ مدینے سے روانہ ہونے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے دونوں بیٹے حسنؓ اور حسینؓ، ان کے بھائی عقیل، عبداللہ بن جعفر اور عمار بن یاسرؓ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ اس پر مروان نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: "یا علی! امیرالمومنین کا حکم ہے کہ ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کوئی نہیں جائے گا نہ ان کی کسی قسم کی مدد کرے گا تاآنکہ وہ ربذہ پہنچ جائیں، اگر آپ کو امیرالمومنین کے اس حکم کی خبر نہ ہو تو میں آپ کو جتائے دیتا ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مروان کی یہ بات سن کر اپنے کوڑے سے اس کی سواری کے کان پر ایک ضرب لگائی اور فرمایا: "خدا تجھے دوزخ میں ڈالے، دُور ہو جا یہاں سے۔" مروان سے یہ کہہ کر حضرت علیؓ اور ان کے مذکورہ بالا ہمراہی پھر ابوذرؓ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے، اور انہیں مدینے کے باہر تک پہنچایا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوذرؓ سے رخصت ہونے لگے تو ابوذر رو پڑے، پھر بولے: "اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر رحم فرمائے اے ابوالحسن (حضرت علیؓ) جب سے میں نے آپ کو اور آپ کی اولاد کو دیکھا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ سب کا اکثر ذکر کرتا رہا ہوں۔"

مروان نے جب حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو آپ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا اے مسلمانو! تم علی رضی اللہ) کے بارے میں میرے سامنے کیا عذر پیش کرو گے؟ میں ان کے حقوق کو سمجھتا ہوں لیکن تم نے سُنا کہ انہوں نے میرے حکم سے کس طرح سرتابی کی اور میرے بھیجے ہوئے آدمی (مروان) کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوذرؓ کو مدینے سے باہر تک پہنچا کر واپس لوٹے

تو اکثر اہل مدینہ نے ان کا استقبال کر کے کہا: "امیرالمومنین آپ سے سخت ناراض ہیں کہ آپ ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینے سے باہر تک پہنچانے اور ان کی مدد کے لیے ان کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے۔" یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:۔

"اکثر لوگ ہوا سے بھی ناراض ہو جایا کرتے ہیں۔"

جب رات کے وقت حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے تو آخرالذکر نے ان سے کہا:۔

آپ نے میری حکم عدولی کے علاوہ میرے بھیجے ہوئے آدمی کو گالی دی اور اس کی سواری کے ماتھے پہ کوڑا بھی مارا۔ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

حضرت علیؓ بولے: وہ جس طرح میرے ساتھ پیش آیا تھا میں بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آیا۔"

حضرت عثمانؓ: "لیکن آپ میرے حکم کے خلاف ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ اس کی مدد کے لیے مدینے کے باہر تک گئے تھے یا نہیں؟"

حضرت علیؓ: میں خلیفہ کی حیثیت سے آپ کا ہر حکم مانتا ہوں لیکن اسی وقت تک جب تک وہ حکم الٰہی کے خلاف نہ ہو۔ اگر آپ کا حکم فرمانِ خداوندی کے خلاف ہوگا تو خدا کی قسم میں اسے کبھی نہیں مانوں گا۔"

حضرت عثمانؓ: آپ نے مروان کو بُرا بھلا کہا اور اس کی سواری پہ کوڑا مارا، اگر وہ بھی آپ کے ساتھ یہی سلوک کرے تو؟"

حضرت علیؓ: جو امر واقعہ ہے اگر اس میں میں غلطی پہ ہوں تو وہ ضرور ایسا کرے۔"

حضرت عثمانؓ: میں مروان کو آپ سے افضل سمجھتا ہوں۔"

حضرت علیؓ: "اگر آپ اسے مجھ سے افضل سمجھتے ہیں تو میں خدا کی قسم اپنے آپ کو آپ سے افضل سمجھنے میں حق بجانب ہوں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ابوالفضل آپ کے باپ سے افضل اور میری ماں آپ کی ماں سے افضل ہے۔ اگر آپ کو اس سے انکار ہو تو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خود فیصلہ کر لیں۔" حضرت علیؓ کی زبان سے یہ سن کر حضرت عثمانؓ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ اُٹھ کر اپنے مکان کے اندر چلے گئے۔ جب حضرت علیؓ اپنے مکان پہ پہنچے تو وہاں آپ کے پاس آپ کے اہل خانہ کے علاوہ

بہت سے مہاجرین و انصار بھی آپ سے دریافت حال کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

دوسرے دن جب لوگ حضرت عثمان رضی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان سے حضرت علی رض کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ مجھے عیب لگاتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ یقیناً میرے خلاف ہیں یہی حال ابوذر (رضی اللہ عنہ) کا تھا اور یہی حال عمار بن یاسر وغیرہ کا ہے۔ بہر کیف لوگوں نے بیچ میں پڑ کر حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض میں صلح صفائی کرا دی تو حضرت علی رض نے کہا: "میں نے ابوذر رض کی مدد کا ارادہ نہیں کیا تھا لیکن خدا نے میرے ذریعہ ان کی مدد کی ہے۔"

عمار بن یاسر رض

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ان کے مکان میں کی جا رہی تھی تو کچھ دیر بعد ابوسفیان صخر بن حرب نے عمار بن یاسر کو بھی ان کی بیعت کے لیے بلایا۔ جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پہ پہنچے تو ان کے ہمراہ بنو امیہ کے ہی لوگ تھے۔ جب یہ لوگ مکان میں داخل ہونے لگے تو ابوسفیان بولا: تمہارے ساتھ تمہارے علاوہ بھی کوئی اور ہے؟ (ابوسفیان نابینا تھا) جب انہوں نے کہا کہ ہم دونوں کے سوا کوئی اور نہیں ہے تو وہ بولا: "اے بنی امیہ! اب تک بار بار تمہاری حق تلفی ہوتی رہی ہے۔ اب تمہیں اور تمہاری اولاد کو تمہارا حق ملنے والا ہے، سارے مہاجرین و انصار سے کہہ دو کہ وہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کریں۔"

ابوسفیان نے مہاجرین و انصار کو حضرت عثمان رض کی بیعت کی ترغیب دلانے کے لیے اور بہت سی باتیں بھی کہیں جنہیں سن کر عمار بن یاسر اٹھ کر وہاں سے چلے گئے لیکن اس کے بعد جب بہت سے لوگ مسجد میں جمع تھے تو انہوں نے انہیں مخاطب کر کے کہا:۔

"اے قریشیو! تم نے اب تک بار بار وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے معاملے میں آپ کے اہل بیت کا حق مارا ہے، کیا تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ آپ کے بعد آپ کے اہل بیت کے حقوق کے بارے میں باہم لڑتے جھگڑتے ہی رہو اور ہمیشہ ان کا حق ضائع کرتے رہو؟"

اس کے بعد مقداد اٹھے اور حاضرین کو مخاطب کر کے بولے:۔

"جس طرح ہمارے لوگوں نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد آپ کے اہل بیت کو جتنی ایذا پہنچائی ہے اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔"

یہ سن کر عبدالرحمٰن بن عوف بولے: "اے مقداد بن عمرو! آپ کو اس سلسلے میں کس بات سے

"تکلیف پہنچی ہے؟"

مقداد نے جواب دیا: "تکلیف؟" خدا کی قسم مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے صرف آپ ہی کی وجہ سے محبت ہے۔ جو ان کے حقوق سے انکار کرے گا خواہ انصار میں سے ہو یا قریش میں سے میں انہیں اسی طرح قتل کروں گا جیسے میدان بدر میں آپ کے دشمنوں کو قتل کیا تھا۔"

مقداد کی اس گفتگو کے بعد حاضرین میں اس موضوع پر دیر تک گفتگو ہوئی جسے تفصیل و ترتیب وار ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں "ذکر شوریٰ والدار" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف شورش کے بارے میں کم و بیش جملہ مورخین نے یہی لکھا ہے کہ سن ہجری کے پینتیسویں سال مالک بن حارث نخعی کوفے سے دو سو آدمیوں کے ساتھ، حکیم بن جبلہ عبدی بصرے کے سو آدمی لے کر اور مصر کے چھ سو اشخاص مدینے کی طرف چلے، مصر کے لوگوں کی سربراہی عبدالرحمٰن بن عدیس بلوی کر رہے تھے۔ واقدی اور دوسرے اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، دوسرے مصری لوگوں میں عمرو بن حمق خزاعی اور سعد بن حمران تجیبی تھے نیز ان لوگوں میں محمد بن ابوبکر صدیق بھی شامل تھے جن کے متعلق مصر میں یہ چرچے عام تھے کہ وہ وہاں کے گورنر بنائے جانے والے ہیں یہ لوگ مروان بن حکم کی لمبی چوڑی شکایات لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے چلے تھے۔ پہلے یہ سارے لوگ اس مقام پر جمع ہوئے جو "ذی خشب" کے نام سے مشہور ہے۔ جب حضرت عثمان رضؓ کو ان لوگوں کے وہاں پہنچنے کی خبر ملی تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے ان کی آمد کی وجہ سے باخبر ہو کر انہیں نرمی سے سمجھا بجھا کر واپس جانے پر آمادہ کر لیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس گئے اور انہیں بڑی طویل گفتگو کے بعد اپنے ارادے کی خبر دی۔ پھر وہ آپ کے سمجھانے پر "ذی خشب" سے واپس ہو کر اس مقام پر ٹھہرے جسے حسمی کہا جاتا ہے تو انہیں ایک اونٹنی سوار جوان شخص مدینے کی طرف سے آتا ہوا ملا۔ وہ مدینے کا رہنے والا افضل تھا جو حضرت عثمان رضؓ کا خاص غلام تھا۔ اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے ایک خط نکلا جو مصر کے گورنر کے نام تھا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ فلاں آدمی کے ہاتھ کاٹ دو، فلاں شخص کو قتل کر دو اور فلاں فلاں کے ساتھ وہ سلوک کرو جس کا حکم اس خط میں دیا گیا ہے۔ جب مدینے کے مقبل پر سختی

کی گئی تو اس نے اقرار کیا کہ وہ خط اسے مروان بن حکم نے دے کر مصر روانہ کیا ہے۔ مزید تحقیق پہ معلوم ہوا کہ واقعی وہ خط خود مروان نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ اس خط میں مصر میں اسلامی لشکر کے بہت سے سرداروں کو قید کرنے کا حکم بھی دیا گیا تھا اور اس کے علاوہ بہت سے ناروا احکام تھے۔ اس خط کو پڑھ کر وہ سب لوگ مدینے کی طرف چل پڑے اور ان کی اور ان لوگوں کی جو عراق سے آئے تھے متفقہ طور پر یہ رائے ہوئی کہ مسجد میں چل کر باہم مشورہ کیا جائے۔ انہوں نے مدینے کی مسجد میں جمع ہو کر ایک دوسرے کے سامنے وہ شکایات رکھیں جو انہیں اپنے اپنے عمّال (گورنروں) سے تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے گھر پانی لے جانے کی ہر شخص کو ممانعت کر دی۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک کھڑکی سے منہ نکال کر فرمایا: "کیا کوئی شخص ہمیں پانی پلائے گا؟" پھر آپ نے ان سے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کو جائز طور پر قتل کرنے کے تین اسباب ہو سکتے ہیں (۱) ایمان لانے کے بعد وہ پھر کافر ہو جائے (۲) اس نے شادی کے بعد زنا کیا ہو، یا (۳) کسی شخص کو کسی جرم کے بغیر قتل کیا ہو۔ اب بتاؤ کہ اگر تم میرے قتل کو جائز سمجھتے ہو تو ان تینوں اسباب میں سے اس کا کونسا سبب ہے کیونکہ میں ان تینوں افعال میں سے زمانۂ جاہلیت میں بھی کسی ایک کا مرتکب نہیں ہوا۔"

جب حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے سامنے آئے تو انہوں نے آپ سے پانی مانگا تو آپ نے ان کے پاس تین مشکیں پانی کی بھیجیں لیکن وہ ابھی ان کے پاس پہنچی بھی نہ پائی تھیں کہ بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان پر دھاوا بول دیا۔ ان میں بنی ہاشم اور بنی امیہ دونوں کے طرف دار تھے اور حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ مروان بن حکم کو ان کے حوالے کیا جائے۔ وہ لوگ شور مچا رہے تھے لیکن مروان کو ان کے حوالے کرنے سے حضرت عثمانؓ نے انکار کر دیا۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے ان میں بنی زہرہ تھے جو عبداللہ بن مسعودؓ کے قتل کا مواخذہ چاہتے تھے کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے، ہذیل بھی ان کے ساتھ تھے اور عبداللہ بن مسعود کے حلیف ہونے کی وجہ سے ان کے قتل کا مواخذہ و محاسبہ چاہتے تھے، بنی مخزوم عمار کے حلیف تھے، اس طرح غفار ابوذرؓ کے حلیف تھے جب کہ تیم بن مرہ محمد بن ابوبکرؓ کے ساتھ تھے۔ ان میں اور بہت سے لوگ تھے جن کا ہم نے اس کتاب میں نام بنام ذکر نہیں کیا ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں حسن وحسین اور ان کے دوستوں کو ہتھیار دے کر آپ کے دروازے پر ان کی مدد کے لیے بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں حضرت عثمان رضؓ کو قتل کرنے سے روکیں ۔ اس طرح زبیر رضؓ نے اپنے بیٹے محمد کو اور دُوسرے صحابہ نے بھی اپنے اپنے بیٹوں کو اسی غرض سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے کی طرف روانہ کیا لیکن یہ لوگ بلوائیوں کو آپ کے دروازے سے دُور رکھنے یا ہٹانے کے لیے جو تیر چلا رہے تھے ان میں سے کسی سے حسن زخمی ہو گئے ، قنبر کے سر میں زخم آیا اور محمد بن طلحہ بھی زخمی ہو گئے ۔ یہ دیکھ کر انہوں نے سوچا کہیں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں لڑائی نہ چھڑ جائے اور صحابہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر لڑائی بند کر دی جائے ۔ اس بارے میں مزید مشورے کے لیے صحابہ اور ان کے ساتھی وہاں سے ہٹ گئے ۔ اس اثنا میں انصاریوں کا ایک شخص آگے بڑھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس نے حضرت عثمان رضؓ کے گھر کا دروازہ توڑ ڈالا ۔ سب سے پہلے جو شخص حضرت عثمان رضؓ کے پاس پہنچا وہ محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے ۔ انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کی داڑھی پکڑی تو آپ نے فرمایا : " تیرا باپ اس داڑھی کی عزت کرتا تھا ۔" یہ سُن کر محمد بن ابوبکر رضؓ شرمندہ ہو کر آپ کے مکان سے باہر آگئے ۔ اس کے بعد دو اور شخص آپ کے مکان میں داخل ہوئے یا محمد بن ابوبکر کے ساتھ گئے تھے آپ کی طرف بڑھے ۔ اس وقت آپ کی زوجہ نائلہ تھیں اور آپ قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے جب کہ آپ کے غلام اور دُوسرے نوکر چاکر باقی بلوائیوں کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ان سے دست بدست لڑ رہے تھے چنانچہ ان دو آدمیوں نے موقع پا کر آپ کو قتل کر دیا ۔ یہ دیکھ کر آپ کی زوجہ چیخ چیخ کر کہنے لگیں " امیر المومنین کو قتل کر دیا گیا ۔" ان کی آواز سُن کر حسن وحسین اور ان کے ساتھ بنو اُمیہ کے جو لوگ تھے مکان میں داخل ہوئے لیکن اس وقت تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی ۔ یہ دیکھ کر یہ لوگ رو پڑے ۔ جب آپ کے قتل کی خبر حضرت علی رضؓ ، طلحہ رضؓ ، زبیر رضؓ ، سعد اور دوسرے مہاجرین وانصار کو ملی تو وہاں پہنچ کر اپنے بیٹوں کو جھڑکنے لگے کہ ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضؓ کو کیونکر قتل کیا گیا تو انہوں نے وہ واقعہ سُنایا جو ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں ۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے حضرت علی رضؓ رضی اللہ عنہ کو بھی روکا جو اپنے بیٹوں حسن وحسین کے سینوں پر مکّے مار رہے تھے اور ان

سے قتل عثمان رضؓ کے سلسلے میں باز پرس کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا کہ مروان بن حکم کو تلاش کیا جائے جو اس قتل کا ذمہ دار ہے چنانچہ اسے بہت تلاش کیا گیا لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چل سکا کیونکہ وہ وہاں سے موقع پا کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔

حضرت عثمان رضؓ کی زوجہ نائلہ بنت فراصنہ سے حضرت عثمانؓ کے قتل کے بارے میں یہ کہہ کر پوچھا گیا کہ آپ تو اس وقت موجود تھیں تو انہوں نے پہلے محمد بن ابوبکر کا واقعہ سنایا جس سے خود انہوں نے انکار نہیں کیا۔ پھر بتایا کہ ان کے مکان سے جانے کے بعد دو اور آدمیوں نے انہیں قتل کر دیا جنہیں میں نہیں جانتی۔ انہوں نے قسم کھا کر یہ بھی کہا کہ اس قتل میں ان کا ہاتھ نہ تھا نہ اس کے اسباب کا انہیں علم تھا۔

حضرت عثمانؓ قتل سے پہلے اپنے مکان میں ۴۹ روز محصور رہے۔ بعض مؤرخین نے ان ایام کی تعداد زیادہ بتائی ہے۔

حضرت عثمانؓ کا مقتل اور ان کے قاتل

آپ کو جمعہ کی رات کو جب کہ ماہ ذی الحجہ کے تین دن باقی تھے قتل کیا گیا۔ اکثر مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان دو آدمیوں میں سے جن کا ذکر آپ کی زوجہ نائلہ نے کیا تھا ایک کنانہ بن بشر تجیبی تھا جس نے آپ کے چہرے پہ گرز مارا تھا اور دوسرا شخص سعد بن حمران مرادی تھا جس نے آپ کے حلقوم پر تلوار ماری تھی جس سے آپ کی شہ رگ کٹ گئی تھی اور آپ نے اسی وقت اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک عمرو بن حمق نے آپ پر تلوار سے نو وار کیے تھے اور دوسرا عمیر بن ضابی برجمی تمیمی تھا جس نے اپنی تلوار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں گھونپ دی تھی۔

آپ کا مدفن

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ آپ کو ایک مشہور جگہ بخش کوکب میں دفن کیا گیا تھا۔ یہاں بنو امیہ کی بہت سی قبریں ہیں۔ اس جگہ کو حلّہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے جنازے پہ فاتحہ جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور ابوجہم بن حذیفہ نے پڑھی تھی۔

جب حضرت عثمانؓ اپنے مکان میں محصور تھے تو مسجد میں پہلے ابوایوب انصاری نے نماز پڑھائی تھی جب انہیں روک دیا گیا تھا تو نماز کی امامت سہل بن حنیف نے کی تھی اور قربانی کے روز حضرت علی رضؓ نے نماز پڑھائی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو اس وقت آپ کے

مکان میں بنی اُمیہ کے مروان بن حکم سمیت اٹھارہ آدمی موجود تھے۔

مراثی

حضرت عثمانؓ کی شہادت پر کئی آدمیوں نے مراثی لکھے تھے جن میں آپ کی بیوی نائلہ کے علاوہ حسان بن ثابت بھی تھے جن کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے بہت اچھا سلوک کیا تھا۔

متعدد مورخین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاسن سیرت بیان کیے ہیں جن کا ذکر ہم نے اپنی کتابوں "اخبار الزمان" اور کتاب الاوسط میں تفصیل سے کیا ہے اور آپ کے زمانے کے جملہ واقعات کے ساتھ رومیوں سے آپ کی جنگ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

باب (۴۴)

ذکر خلافت امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

جزوی خلاصہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اسی روز کی گئی جس روز حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ آپ کا دورِ خلافت چار سال نو مہینے اور آٹھ دن رہا۔ اسے کچھ لوگ چار سال نو مہینے بتاتے ہوئے دنوں کا ذکر نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ آپ کی خلافت کے معاملے میں آپ کے اور معاویہ کے درمیان تنازعہ پیدا ہو گیا تھا کچھ مؤرخین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت پانچ سال تین مہینے اور سات راتیں بتاتے ہیں۔ آپ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی تھی۔ مہلک زخم لگنے کے بعد آپ جمعہ اور شنبہ کو بقید حیات رہے اور یکشنبہ کو وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ کچھ مؤرخین نے آپ کی عمر اس سے کم بتائی ہے۔ آپ کے مدفن کے بارے میں بھی مؤرخین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ آپ کی قبر کوفے کی مسجد میں بتاتے ہیں اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو کوفے سے مدینے لے جا کر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ بعض لوگ یہ بھی بتاتے ہیں کہ آپ کی میت تابوت کی شکل میں ایک اونٹ کی پشت پر رکھ دی گئی تھی اور وہ اونٹ وادی طے کے پہاڑی علاقے میں لے جایا گیا تھا لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کے برعکس بہت سی دوسری باتیں بیان کرتے ہوئے ان کی وجوہ بھی پیش کرتے ہیں۔ ہم نے ان جملہ واقعات کو اپنی پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" اور کتاب الاوسط کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

آپ کا نسب، آپ کے کچھ حالات اور سیرت

آپ کا نسب حسب ذیل ہے:۔
علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن

عبد مناف۔

آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں خلیفہ متقی عباسی کے عہد یعنی ہمارے زمانے تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی خلیفہ کا نام مکتفی باللہ علی بن معتضد کے سوا علی نہیں ہوا۔ بنی ہاشم میں بھی آپ پہلے خلیفہ تھے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے لے کر چار روز تک عام لوگ آپ کی بیعت کرتے رہے۔ جس شخص نے سب پہلے آپ کی بیعت کی اس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ آپ کے والد ابی طالب کے نام کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ابوطالب کے چار بیٹے طالب، عقیل، جعفر اور علیؓ تھے اور دو بیٹیاں فاختہ اور جمانہ تھیں۔ یہ سب کے سب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کے بطن سے تھے۔ ابوطالب کے دو پہلے بیٹوں کی ولادت میں دس سال کا فرق تھا لیکن جعفر و علی کی عمروں میں صرف دو سال کا فرق تھا۔ طالب مشرکین قریش کے ساتھ مل کر جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے کے لیے طوعاً و کرہاً آئے تھے جو ان کے کہے ہوئے دو شعروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان اشعار میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ بدر میں غالب رہنے اور قریش کے مغلوب ہونے کی دُعا کی تھی۔ ان کے مذکورہ بالا دو شعروں کے علاوہ اس جنگ کے سلسلے میں ان کے مزید حالات دستیاب نہیں ہیں۔ فاختہ بنت ابوطالب کے شوہر کا نام ابووہب ہبیرہ بن عمرو ابن عائذ بن عمرو بن مخزوم تھا۔ فاختہ کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے فاختہ نے مکے سے مدینے ہجرت کی تھی لیکن ان کے شوہر نجران میں بحالت شرک انتقال کر گئے تھے۔ فاختہ نے جن کی کنیت امِ ہانی تھی کافی طویل عمر پائی۔ اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

جُمانہ کی شادی سفیان بن حارث بن عبد المطلب سے ہوئی تھی اور وہ پہلی ہاشمی لڑکی تھیں ان کا ذکر زبیر بن بکار نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے جو اس نے انساب قریش اور ان کے حالات و کوائف پر لکھی ہے۔ جمانہ نے مکے سے مدینے ہجرت کی تھی اور وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وفات پائی۔

آپ کا سفر بصرہ ۳۶ھ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سفر بصرہ واقعہ جمل کے سلسلے میں تھا۔ یہ افسوسناک واقعہ ماہ جمادی الاول کے دس روز بعد

جمعرات کو پیش آیا تھا جس میں بصرے کے تیرہ ہزار اصحاب جمل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پانچ ہزار اصحاب کام آئے۔ اس جنگ میں کام آنے والے فریقین کے لوگوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ مقلل کے مطابق اس جنگ میں کام آنے والوں کی تعداد کل سات ہزار تھی جب کہ منذر ان کی تعداد دس ہزار بتاتا ہے جو اپنی حسب منشا فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو گئے تھے۔ بہرکیف یہ جنگ صرف ایک روز جاری رہی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت سے واقعہ جمل تک پانچ مہینے اور اکیس دن کا عرصہ بتایا جاتا ہے جب کہ روز ہجرت سے واقعہ جمل تک ۳۵ سال پانچ مہینے اور دس دن بیان کیا گیا ہے اس واقعے کے ایک مہینے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے چھ مہینے اور تیرہ دن بعد صفین میں ان کا اور معاویہ کا مقابلہ ہوا تھا۔

جنگ صفین کی مدت

جنگ صفین جس میں شام کے ۴۵ ہزار اور عراق کے ۲۵ ہزار افراد کام آئے تھے ایک سو دس دن جاری رہی تھی۔ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شانہ بشانہ افواج معاویہ سے جنگ کرتے ہوئے جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے ان میں عمار بن یاسر ابوالیقظان جو ابن سمیہ کے نام سے مشہور ہیں شامل تھے۔ ان کی عمر اس وقت ۹۳ سال تھی۔ صفین کے علاوہ اہل عراق اور اہل شام کے درمیان چھوٹی موٹی لڑائیوں کی تعداد ستر بتائی جاتی ہے۔

دو ثالثوں کی گفتگو

حضرت علیؓ اور معاویہ کے درمیان خلافت کے معاملے میں جو تنازعہ تھا اس کے فیصلے کے لیے دو ثالث عمرو بن عاص اور ابوموسیٰ اشعری مقرر ہوئے تھے۔ ان دونوں کی باہمی گفتگو سرزمین دمشق کے مقام بلقا میں ہوئی تھی۔ کچھ لوگ اس گفتگو کا محل وقوع دومۃ الجندل بتاتے ہیں جو دمشق سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے اس گفتگو میں فیصلے تک پہنچنے تک ایک مہینہ لگ گیا تھا۔ مذکورہ بالا گفتگو کا حال ہم نے زیر نظر کتاب میں آگے چل کر بہ تمام و کمال بیان کیا ہے، البتہ اس کی جملہ تفصیلات ہم نے اپنی پہلی کتابوں میں درج کی ہیں۔

اسی سال فتنۂ خوارج نے سر اُبھارا تھا اسی لیے خوارج کو "شُراۃ" بھی کہا جاتا ہے۔

جنگ صفین میں حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کے لیے جو اصحاب بدر شریک ہوئے تھے ان کی مجموعی تعداد ستاسی تھی جن میں سے سترہ مہاجرین اور باقی یعنی ستر انصار تھے۔ یہ

سب کے سب ان لوگوں میں بھی شامل تھے جنھوں نے درخت کے نیچے مدینے سے مکے جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، یہ بیعت تاریخ میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے والوں کی مجموعی تعداد نو سو تھی جب کہ جنگ صفین میں جن صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا ان کی مجموعی تعداد دو ہزار آٹھ سو تھی۔

حضرت علیؓ کی خوارج سے جنگ

۳۸ھ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی نہروان کے خارجیوں سے جنگ ہوئی۔ یہ وہ عثمانی جماعت تھی جو حضرت علی رضؓ کی بیعت سے منحرف ہو گئے تھے، ان میں سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمرؓ بھی شامل تھے، انھوں نے بعدازاں عبدالملک بن مروان کے حق میں بھی بیعت کی تھی۔ ان کے ساتھ بیعت کرنے والوں میں قدامہ بن مظعون، اہبان ابن صیفی، عبداللہ بن سلام، مغیرہ بن شعبہ ثقفی بھی تھے ان کے علاوہ انصار سے علیحدہ ہونے والوں میں کعب بن مالک، حسان بن ثابت (یہ دونوں شاعر تھے)، ابو سعید خدری، بنی عبدالاشہل کے حلیف محمد بن مسلمہ، یزید بن ثابت، رافع بن خدیج نعمان بن بشیر، فضالہ بن عبید، کعب بن عُجرہ اور مسلمہ بن خالد بھی تھے ویسے ان آخری لوگوں کا ہم نے عثمانی جماعت یا بنی اُمیہ کے انصار وغیرہ کے ساتھ کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔

اس املاک کے بارے میں بھی تنازعہ پیدا ہوا تھا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دی تھی نیز اس نقد بیت المال کے متعلق بھی اختلافات پیدا ہو گئے تھے جو آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا اور اس میں کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی گئی تھی یعنی واضح حقوق کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔

واضح رہے کہ اُم حبیبہ بنت ابو سفیان نے اپنے بھائی معاویہ کے پاس نعمان بن بشیر انصاری کے ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خون آلود قمیص اس وقت بھیجی تھی جب کوفے اور دوسرے شہروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی جا رہی تھی اور اہل کوفہ اس میں پیش پیش تھے جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بیعت لینے والے ابو موسیٰ اشعری تھے جو اس سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے وہاں کے گورنر رہ چکے تھے۔

بنو امیہ کی آپ کی خدمت میں حاضری

بنو اُمیہ کے کچھ لوگ جنھوں نے بیعت کے سلسلے میں

آپ کی مخالفت کی تھی آپ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے مختلف باتیں کیں۔ ان آنے والوں میں سعید بن عاص، مروان بن حکم اور ولید ابن عقبہ بن ابی معیط بھی شامل تھے۔ ولید بولا: "ہم صرف آپ کی بیعت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہماری طرف سے آپ کی مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ ساری قوم آپ کی مخالفت کر رہی ہے جب کہ ہم اپنے ذاتی معاملات کی وجہ سے بھی اب تک خاموش ہیں (یعنی ان کے باوجود کچھ نہیں کہتے) سعید بن عاص کے خاموش رہنے پر ولید پھر بولا: آپ سعید ہی کو دیکھ لیجیے، آپ نے اس کے بزرگوں کو قتل کر دیا ہے اور دوسرے عزیزوں کی اہانت کی ہے، اس کے علاوہ آپ نے مروان کے بزرگوں کو بھی طعنے دیے ہیں جب کہ خود اسے پناہ دینے کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ذمہ داری لی تھی۔"

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کا بیان ہے کہ بنو اُمیہ کا جو عثمانی گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سب سے آخر میں آیا تھا اس میں حسان بن ثابت، کعب ابن مالک اور نعمان بن بشیر بھی شامل تھے۔ آخر الذکر آپ کی خدمت میں حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیص شام پہنچانے سے قبل آیا تھا۔ کعب بن مالک نے آپ سے کہا: "یا امیر المومنین! ہم آپ کے عتاب کے سزاوار نہیں ہے، ویسے ہم اس سے قبل آپ کی مخالفت کے سلسلے میں اگر کچھ عرض کریں گے تو وہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" کا مصداق ہوگا۔ کعب بن مالک نے اس کے علاوہ آپ سے اور بھی بہت سی باتیں کیں جس کے بعد ان تینوں نے آپ کی بیعت کر لی۔

عمرو بن عاص

عمرو بن عاص حضرت عثمانؓ سے منحرف ہو گیا تھا کیونکہ آپ نے اس سے ناراض ہو کر اسے مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا تھا جس کے بعد اس نے شام کا رُخ کیا تھا لیکن جب اسے حضرت عثمانؓ کے قتل اور کوفے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خبر ملی تو اس نے معاویہ کو خون عثمانؓ کے مطالبے کے لیے لکھا اور یہ بھی لکھا کہ اس نے ہمیشہ معاویہ کی مدد کی تھی لہٰذا اب آخر الذکر کو اس کا صلہ ملنا چاہیئے جب معاویہ کو عمرو بن عاص کا یہ خط ملا تو اس نے اسے بلا بھیجا۔ جب وہ معاویہ کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا: "کہو اب تم کیا چاہتے ہو؟" وہ بولا: "میں نے دینی امور میں اب تک ہمیشہ آپ کی اطاعت کی ہے، اب آپ دنیاوی معاملے میں میری مدد فرمائیں" معاویہ نے پوچھا: "وہ کیسے؟" عمرو بن عاص نے کہا: "مصر کی گورنری چاہتا ہوں۔" چنانچہ معاویہ نے اس کی خواہش کے مطابق اسے مصر کی گورنری پر مامور کر کے اس کے

یسے تحریری تقرر نامہ بھی اس کے حوالے کر دیا۔

مغیرہ بن شعبہ اور علیؓ

مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر ان سے عرض کیا "آپ کو حق پہنچتا ہے کہ آپ لوگوں کو نصیحت فرمائیں اور اپنی اطاعت کا حکم دیں۔ میں آج بھی آپ کا اطاعت گزار ہوں اور کل بھی رہوں گا لیکن جو لوگ آج آپ سے انحراف کرتے ہیں وہ کل بھی کریں گے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ معاویہ کو شام کا گورنر رہنے دیں، اس طرح دوسرے عمّال کو بھی جہاں جہاں وہ ہیں وہیں وہیں گورنری پر مامور رکھیں پھر جب لوگ سب آپ کے طرف دار ہو جائیں تو پھر آپ جیسا چاہیں ان عمال کے ساتھ سلوک کر سکتے ہیں۔ میری رائے جو کل تھی وہی آج بھی ہے۔ جو شخص آپ کے پاس آئے اس سے آئندہ کے لیے بات چیت کیجیے اور جلدی اسے اپنی اطاعت کا حکم دیجیے۔"

جب مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس سے اُٹھ کر باہر جا رہا تھا اس وقت اسی دروازے سے ابن عباسؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اندر جا رہے تھے۔ جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو عرض کیا "میں نے ابھی مغیرہ بن شعبہ کو یہاں سے جاتے دیکھا ہے، وہ آپ سے کیا کہنے آیا تھا؟ آپ نے فرمایا "وہ کل رونا دھوتا آیا تھا اور آج پرچانے کے"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر کہا: وہ کل بھی دھوکا دینے آیا ہوگا اور یقیناً آج بھی مشورے کے پردے میں دھوکا دینے آیا تھا۔ آپ یہاں سے فوراً مکے تشریف لے جائیے اور وہاں اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھے رہیے کیونکہ فی الوقت عام لوگ آپ پر عثمان رضؓ کے قتل میں ملوث ہونے کا شبہ کر رہے ہیں جب کہ بنی اُمیہ اس شبہے میں اضافہ کرنے اور انہیں بھڑکانے میں مصروف ہیں۔"

مغیرہ نے لوگوں سے کہا: "میں نے انہیں نصیحت کی تھی لیکن جب انہوں نے نہیں مانی تو میں انہیں دھوکا دینے پر مجبور ہو گیا لیکن سچ پوچھیے تو پہلے بھی میری نصیحت نصیحت نہیں تھی نہ اس کے بعد کبھی ہو گی۔"

آخری روایات یہ ہیں کہ ابن عباسؓ خود اپنے بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے پانچ روز بعد مکے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو معلوم ہوا کہ اس وقت مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس بیٹھا گفتگو کر رہا تھا، اس لیے وہ دروازے ہی پر تھوڑی دیر ٹھہر گئے اور جب مغیرہ باہر چلا گیا تو انہوں نے اندر جا کر حضرت علی رضؓ کو سلام کیا تو انہوں نے پوچھا۔

تم زبیرؓ اور طلحہؓ سے کب ملے تھے؟" وہ بولے: "تو اصف میں ملاقات ہوئی تھی، ان کے ساتھ قریش کے کچھ اور لوگ بھی تھے۔" یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا: وہ مجھ سے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے اور ان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کرنے کے بعد یہاں سے گئے ہیں۔" پھر اس کے بعد ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ میں مغیرہ کے متعلق گفتگو ہوئی اور وہی ہوئی جو سطور بالا میں بیان کی جا چکی ہیں۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے عرض کیا: "آپ کم سے کم معاویہ کو شام کی گورنری پہ مامور رہنے دیجیے، اس کے جواز میں آپ فرما سکتے ہیں کہ اسے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے وہاں کی امارت سونپی تھی۔" اس کے جواب میں ابن عباسؓ کے بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس اس کے لیے تلوار کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔" اس کے بعد آپ نے معاویہ کے کردار کے بارے میں بھی چند باتیں فرمائیں۔

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں: "حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے میں نے عرض کیا: "معاویہ بڑا بے باک آدمی ہے، شام کے لوگ اس کی بات مانتے ہیں، آپ کی شجاعت میں اگرچہ کچھ کلام نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جنگ سے ہمیشہ تکلیف پہنچتی ہے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آپ نے صحیح فرمایا ہے لیکن معاویہ کا معاملہ اور ہے، اس سے نمٹنا ہی ہوگا۔" عبداللہ بن عباس نے عرض کیا:۔ "لیکن لوگ آپ کی ذاتی خوبیوں کے بجائے نتائج پہ زیادہ غور کریں گے۔" آپ نے فرمایا "میں تمہاری رائے سے اتفاق کرتا ہوں لیکن معاویہ کے بارے میں اگر تمہیں میری رائے سے اختلاف ہوگا تو میں تمہاری رائے سے اتفاق نہیں کروں گا۔" یہ سن کر عبداللہ بن عباس بولے اس صورت میں (شاید) میں آپ کی حمایت سے قاصر رہوں گا، البتہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق کا طالب ضرور ہوں۔

یومِ جمل کی ابتدا اور اس لڑائی کا حال

حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت

طلحہؓ وزبیرؓ نے مدینے سے مکّے کے لیے روانگی سے قبل حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے کہا تھا کہ وہ عمرہ کرنے وہاں جا رہے ہیں، چنانچہ آپ نے انھیں اس کی اجازت دے دی تھی لیکن یہ بھی دریافت کیا تھا کہ آیا وہ بصرے یا شام جانے کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں۔ اس سوال کے جواب میں ان دونوں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ وہ مکّے کے علاوہ اور کہیں نہیں جائیں گے۔ اس زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکے میں تشریف فرما تھیں۔ اسی زمانے میں عبداللہ بن عامر جنھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بصرے کا گورنر مقرر کیا تھا اپنی جگہ حارثہ بن قدامہ سعدی کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بیعت نہ لینے کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے۔

مکے میں سب سے پہلے عثمان بن حنیف انصاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انھیں مشورہ دیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہاں آمد سے قبل مکے سے روانہ ہو جائیں۔ انہیں دنوں یعلیٰ بن منیہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے مکے آئے تھے۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی حضرت عائشہؓ اور طلحہ وزبیر کے علاوہ بنی اُمیّہ کے مروان بن حکم سے ملاقات کی اور ان سب کو حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لینے پر اکسایا نیز حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کو چار لاکھ دینار کے علاوہ اسلحہ مہیا کیا اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ یعلیٰ نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ایک اُونٹ بھی بھیجا جس کا نام عسکر تھا۔ یہ اُونٹ یعلیٰ نے یمن میں دو سو دینار میں خریدا تھا

ان لوگوں نے پہلے شام جانے کا ارادہ کیا لیکن عبداللہ بن عامر نے ان سے کہا کہ وہ لوگ وہاں نہ جائیں کیونکہ معاویہ ان کی اطاعت پر کمربستہ نہ ہوں گے۔ ابن عامر نے ان سے کہا کہ وہ شام کے بجائے بصرے چلیں جہاں ان کے لیے افرادی قوت کے علاوہ دوسرے سامان کی بھی کمی نہ ہوگی۔ ابن عامر نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم کے علاوہ ان سب کو سو اونٹ بھی دیے اور انہیں چھ سو دوسرے سواروں کے ساتھ بصرے روانہ کر دیا۔

ان لوگوں نے مکے سے روانگی کے بعد رات کے وقت بنی کلاب کے جس کنویں کے قریب قیام کیا وہ جگہ حوّاب کے نام سے مشہور تھی۔ اس قافلے کے وہاں پڑاؤ ڈالتے ہی کتے بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "اس جگہ کا نام کیا ہے؟" اس سوال کے جواب میں آپ کا ساربان بولا: "اسے حوّاب کہتے ہیں۔" یہ سنتے ہی آپ نے وہاں سے واپسی کا قصد فرمایا اور اس جگہ کے بارے میں جو پہلے سُن رکھا تھا وہ اپنے ساتھیوں کو بتایا اور یہ بھی فرمایا: میں یہاں سے آگے نہیں جاؤں گی، مجھے حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دو۔" اس پر زبیرؓ نے کہا: "میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ جگہ حوّاب نہیں ہے آپ کے ساربان نے غلط کہا ہے۔" اس کے بعد طلحہ بھی جو لوگوں کے بیچ میں تھے باہر آئے اور آپ سے بولے: "میں بھی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ جگہ حوّاب نہیں ہے۔" طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں نے اپنی اپنی بات کی اپنے پچاس ساتھیوں سے گواہی بھی دلائی۔ یہیں سے اہل اسلام میں جھوٹی گواہی کی ابتدا ہوئی تھی۔

جب یہ لوگ بصرے میں داخل ہونے لگے تو انہیں عثمان بن حُنیف نے شہر سے باہر آکر روکا تو اس پر ان لوگوں نے لڑائی چھیڑ دی اور بصرے کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا لیکن پھر ان میں اس بات پر صلح ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہاں تشریف لانے تک لڑائی بند رہے گی۔ اس کے باوجود یہ لوگ رات کے وقت عثمان بن حنیف کے گھر میں خفیہ طور پر داخل ہوئے، انہیں جگا کر زدوکوب کیا اور ان کی داڑھی نوچ لی لیکن پھر اس خوف سے کہ عثمان کے بھائی سہل بن حُنیف اور مدینے کے دوسرے انصار کے خلاف ہو جائیں گے وہاں سے نکل آئے۔ عثمان بن حنیف کے مکان سے نکل کر انہوں نے بیت المال لوٹنے کا قصد کیا۔ جہاں ان کے ہاتھوں پہرہ داروں کے علاوہ سترؔ غیر مسلح مؤکل بھی قتل ہوئے جنہوں نے مزاحمت کی کوشش کی تھی۔ ان ستر میں وہ پچاس مؤکل بھی شامل تھے جنہیں ان باغیوں نے رات کے وقت

گرفتار کرکے صبح کو اُن کی گردن ماری - ابتدائے اسلام کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب کوئی بے گناہ مسلمان یا دوسرا شخص بے گناہ صرف ظلم و تعدی کے تحت قتل کیا گیا - ان مقتولوں میں حکیم بن جبلہ عبدی بھی شامل تھے - جو عبدالقیس کے سرداروں اور بنی ربیعہ کے منتخب عبادت گزاروں اور پاکبازوں میں شمار کیے جاتے تھے -

دوسری صبح زبیرؓ نے مسجد میں نماز کی امامت کی لیکن پھر زبیرؓ اور طلحہ میں کافی بحث و مباحثے کے بعد یہ طے پایا کہ ہر روز وہ بجے بعد دیگرے نماز پڑھایا کریں گے -

حضرت علیؓ کا سفر عراق

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چار مہینے یا بقول کچھ لوگوں کے اس سے کچھ کم و بیش عرصے کے بعد مدینے سے عازم عراق ہوئے - آپ کے ہمراہ سات سو سواروں پر مشتمل رسالہ تھا جن میں چار سو مدینے کے مہاجرین و انصار ، ستّر اصحاب بدر اور دُوسرے صحابہ بھی شامل تھے - آپ نے مدینے میں اپنی جگہ سہل بن حنیف کو مقرر کیا تھا - جب آپ عراق کے راستے میں پڑنے والے مقام ربذہ پہنچے تو طلحہؓ اور ان کے ساتھی خاموشی سے عراق کی طرف چل دیے ، چنانچہ آپ بھی ان کے پیچھے بلا توقف عراق روانہ ہوگئے - ربذہ سے عراق کی جانب روانگی سے قبل آپ کے ساتھ انصار مدینہ کی ایک اور جماعت بھی آملی جن میں خُزیمہ بن ثابت ذوشہادتین بھی شامل تھے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ آپ کی کمک کے لیے راستے ہی میں بنی طے کے سات سوار پہنچنے والے ہیں - آپ نے ربذہ سے کوفے کے گورنر ابو موسےٰ اشعریؓ کو کوفے کی طرف اپنی روانگی کی اطلاع دیتے ہوئے اہل کوفہ کو سمجھا بجھا کر اطمینان رکھنے اور پُر امن رہنے کی تلقین کے لیے پیغام بھیجا تھا لیکن اس کا جواب انہوں نے یہ دیا تھا کہ وہاں فتنہ و فساد کا غلبہ ہے اس لیے وہاں تشریف نہ لائیں - اس کے جواب میں آپ نے ابو موسےٰ کو سخت و سُست کہتے ہوئے لکھا کہ جب تمہارا طرز عمل ہمارے ساتھ روز اوّل ہی ایسا ہے تو آگے چل کر ہمیں تم سے تعاون کی کیا اُمید ہو سکتی ہے - اس کے ساتھ ہی آپ نے ابو موسےٰ اشعری کی جگہ قرظہ بن کعب انصاری کو کوفے کا گورنر مقرر کرکے وہاں روانہ کر دیا -

جب آپ ربذہ سے ذی قار پہنچے تو آپ کے استقبال کے لیے سات ہزار اہل کوفہ وہاں آگئے تھے - بعض مورخین نے ان لوگوں کی تعداد چھ ہزار پانچ سو ساٹھ لکھی ہے

جن میں اُشتر بھی شامل تھے۔ بہر کیف آپ نے اپنے فرزند حضرت حسن اور ابن یاسر کو ان کے ساتھ کر کے انہیں کوفے واپس بھیج دیا تاکہ وہاں لوگوں کو امن و امان قائم رکھنے کی تلقین کریں۔ اس کے بعد آپ نے ذی قار سے بصرے کا رُخ کیا تو اس سے قبل اہل بصرہ کو احکام الٰہی اور ان کے اتباع کی تلقین کرتے ہوئے وہاں بھی امن و امان قائم رکھنے کے لیے پیغام بھیجا لیکن وہ لوگ آپ کے ساتھ جنگ کرنے پر اڑے رہے۔

آپ کا بصرے میں داخلہ

ابو خلیفہ فضل بن حُباب جمحی نے یکے بعد دیگرے حسب روایت ابن عائشہ، معن بن عیسیٰ اور منذر بن جارود کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرے میں داخل ہو کر اس جگہ پہنچے جو طف کے قریب ہے اور پھر زاویہ کی طرف بڑھے تو منذر بن جارود نے دیکھا کہ سب سے آگے اشہبی رنگ گھوڑوں پر قریباً ایک ہزار سوار سفید کپڑوں میں ملبوس چلے آرہے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہیں نیز ان کے ساتھ ایک پرچم بھی ہے۔ منذر نے کسی سے پوچھا کہ اس رسالے کا یہ سردار کون ہے جو سب سے آگے ہے تو جواب ملا:۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو ایوب انصاری اور ان کے رسالے میں سب کے سب انصار ہیں۔ اس کے بعد ہزار سواروں کا ایک اور رسالہ تھا جس کے آگے آگے سفید کپڑوں ہی میں ملبوس، کاندھے پر کمان لٹکائے ایک ہاتھ میں شمشیر برہنہ اور دوسرے ہاتھ میں پرچم لیے اشقر گھوڑے پر سوار ایک اور شخص گزرا تو منذر نے اس شخص سے پوچھا: "یہ شخص کون ہے؟" جواب ملا "خزیمہ بن ثابت انصاری ذوشہادتین"۔ اس کے بعد منذر بن جارود بیان کرتے ہیں کہ ان کے سامنے سے اس دوسرے رسالے کے بعد ایک اور سوار وں کا رسالہ گزرا، وہ بھی ہزار سواروں پر مشتمل تھا، ان کے آگے کمیت گھوڑے پر ایک سوار چل رہا تھا، اس کا عمامہ آبی رنگ تھا، اس کا کرتہ سفید تھا اور اس کے اوپر سفید چیک دار قبا تھی، اس کی پیٹی میں تلوار لٹک رہی تھی اور کاندھے پر کمان تھی اس کے پاس بھی پرچم تھا منذر نے اسی پہلے شخص سے پوچھا، "یہ کون ہے؟" وہ بولا: یہ ابو قتادہ بن ربعی ہیں۔ ابو قتادہ بن ربعی کے بعد ایک ہزار سواروں پر مشتمل ایک اور رسالہ گزرا۔ اس کے آگے آگے ایک بہت ہی تنومند شہابی رنگ گھوڑے پر جو شخص سوار تھا اس کا لباس بھی سفید تھا لیکن عمامہ اس کا سیاہ رنگ کا تھا۔ اس کے کاندھے پر بھی کمان پڑی تھی اور پہلو پر تلوار لٹک رہی تھی۔ اس کے پیچھے آنے والا سوار وں

کا دستہ مختلف قبائل کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ منذر نے اپنے ساتھی سے پوچھا: "یہ شخص کون ہے؟"
وہ بولا: "یہ اس رسالے کے سردار عمار بن یاسرؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بلند آواز سے قرآنی آیات کی تلاوت کر رہے ہیں۔ ان کے وقار کا عالم دیکھو! یہ بڑے عابد و زاہد ہیں، ان کی پیشانی پر سجدوں کا نشان دیکھ رہے ہو؟ ان کے گرد و پیش جو پیر و جوان چل رہے ہیں وہ بھی بڑے جلیل القدر صحابہ اور ان کے بیٹے ہیں جو سب کے سب ایک ہزار سواروں کو ساتھ لیے ہوئے سفید لباس میں ملبوس اور آبی عمامہ سر پر باندھے ہیں اسی طرح مسلح ایک اور شخص گزرا اس کا پرچم بھی سفید رنگ کا تھا۔ منذر نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے اس شخص سے پوچھا:
"یہ کون ہے؟" وہ بولا یہ قیس بن سعد ابن عبادہ ہیں اور ان کے رسالے میں متعدد انصار اور ان کے بیٹے ہیں، باقی لوگوں کا تعلق بنی قحطان سے ہے۔ اس کے بعد ایک اشہل گھوڑے پر سوار جو شخص گزرا منذر کے بقول اس سے زیادہ حسین شخص اس کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا تھا۔ اس کا لباس سفید اور عمامہ سیاہ تھا اور وہ بھی پچھلے رسالے کے سردار کی طرح مسلح تھا لیکن ایک ہاتھ میں کوڑا بھی تھا۔ منذر نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" وہ شخص بولا: "یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک اور مقتدر صحابی عبداللہ بن عباس ہیں اور ان کے ساتھ جو لوگ چل رہے ہیں وہ بھی سب کے سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں۔" اس کے بعد ایک تنہا سوار سامنے آیا جو اس سے پہلے آنے والے شخص کی طرح تھا۔ منذر نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" اس شخص نے جواب دیا: "یہ عبید اللہ بن عباس ہیں۔" اس کے بعد بالکل اس طرح کا ایک شخص سامنے آیا تو منذر نے پوچھا: "یہ کون ہے؟" وہ شخص بولا: "یہ قُثم بن عباس یا معبد بن عباس ہیں"
اس کے بعد، ابن عائشہ کہتے ہیں، گروہ در گروہ لوگ آئے جو فولادی اسلحہ میں غرق تھے اور ان کے پاس جُدا جُدا پرچم تھے۔ ان میں سب سے آگے جو گروہ تھا ان کے درمیان ایک بڑا وجیہ شخص بڑے ہی خوب صورت عربی گھوڑے پر سوار تھا، وہ اپنے حد درجہ جلال و جبروت کے باوجود منکسر المزاج نظر آتا تھا۔ اس کی نظریں اوپر سے زیادہ نیچے کی طرف تھیں اور یہ وہ وصف تھا جس کی اہل عرب حد درجہ تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے سروں پر طیور قدس کا سایہ ہوتا ہے۔ اس شخص کے دائیں بائیں دو بہت خوبصورت جوان چل رہے تھے اور اس کے سامنے ویسا ہی ایک حسین و جمیل نوجوان چل رہا تھا۔ اس سب کے آگے والے گروہ کے ساتھ عظیم ترین پرچم تھا جسے ایک

انتہائی قوی الجُثّہ اور تنومند شخص اُٹھائے ہوئے تھا - ابن عائشہ مُنذر کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اس ساتھی سے پوچھا: "یہ کون شخص ہے؟" وہ شخص حیران ہو کر بولا: "ارے! آپ انہیں نہیں پہچانتے؟ یہ علی ابن ابی طالب ہیں اور جو دو جوان ان کے دائیں بائیں چل رہے ہیں وہ ان کے بیٹے حسن اور حسین ہیں اور وہ تیسرے انہیں جیسے خوبصورت جوان جو اُن کے گھوڑے کے عین مقابل یہ عظیم ترین پرچم لیے چل رہے ہیں محمد بن حنفیہ ہیں، یہ وہی ہیں جنہیں عبداللہ ابن جعفر بن ابی طالب نے اپنا وارث بنایا ہے - اور یہ دوسرے لوگ جو ان کے ساتھ ہیں وہ عقیل کے بیٹے وغیرہ ہیں جن کا نسبی تعلق بنی ہاشم سے ہے - ان کے علاوہ جو بزرگ لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ مہاجرین وانصار ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں حصّہ لیا تھا -

مقام طَف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر زاویہ میں پڑاؤ ڈالا اور چار رکعت نماز خاک پر پیشانی رکھ کر ادا کی - اس کے بعد آپ نے ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے حسب ذیل دُعا کی :-

"اے رب السمٰوات! میں نے کبھی اپنے آپ کو دُوسروں سے بڑا نہیں سمجھا، نہ کبھی تیری ارضی مخلوق کو کمتر سمجھا، نہ کبھی غرور کیا، اے عرش عظیم کے مالک! یہ بصرہ ہے جس کے لیے میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں اور اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اے اللہ! یہاں ہمیں بھلائی عطا فرما کہ تو بھلائی دینے والوں میں سب سے بہتر ہے، اے اللہ! یہاں کے لوگوں نے مجھ سے رُوگردانی کر کے میری بیعت توڑ دی ہے اور میرے خلاف بغاوت کی ہے، یا اللہ! مسلمانوں کو خونریزی سے بچا!"

اس کے بعد آپ نے اللہ کا نام لے کر باغیوں کے پاس گفتگو کے لیے ایک شخص بھیجا تاکہ باہمی گفت وشنید کے بعد کوئی مفاہمت کی صورت نکل آئے لیکن انہوں نے جنگ کے سوا ہر بات سے انکار کر دیا - اس کے باوجود آپ نے اپنے اصحاب میں سے ایک اور شخص کو جس کا نام مسلم تھا "دعوت الی اللہ" دے کر ان باغیوں کی طرف بھیجا لیکن انہوں نے اسے راستے ہی میں تیر مار کر ہلاک کر دیا - جب اس کی لاش اُٹھا کر آپ کے پاس لائی گئی تو اس کی ماں نے مرثیے کے طور پر اسی وقت فی البدیہہ مندرجہ ذیل دو شعر کہے :-

"اے اللہ! مسلم ان کے پاس، قرآن کی تلاوت کرتا گیا تھا، ڈرانے کو نہیں (لیکن) انہوں نے اپنی داڑھیاں اس کے خون سے تر کر لیں ہیں جب کہ اس کی ماں (حیرت سے) انہیں دیکھ رہی ہے"

آغاز جنگ مسلم کے قتل ہو جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو باغیوں کے خلاف جنگ کی اجازت دے دی لیکن اس حکم کے ساتھ کہ جب تک وہ پیشدستی نہ کریں ان پر تلوار، تیر یا نیزے سے حملہ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد اس طرف کے میمنہ سے عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی جن کے بھائی مسلم کو باغیوں نے قتل کر دیا تھا نکلے اور میسرہ سے ایک اور شخص آگے بڑھا لیکن آخرالذکر کو دیکھتے ہی باغیوں میں سے کسی شخص نے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی نے اللہ تعالیٰ کو یوں مخاطب کیا:۔

"یا اللہ! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس کے بعد ان باغیوں کے خلاف ضروری قدم اٹھانے پر میں تجھ سے معذرت خواہ ہوں۔"

اس کے بعد عمار بن یاسر حضرت علی رض سے اجازت لے کر دونوں طرف کے ایک دوسرے کے مقابل صف آراء لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر باغیوں سے یوں مخاطب ہوئے:۔

"لوگو! آپ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے ہوئے دیکھا ہے، آپ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کے ان فیصلوں کے مطابق عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تلوار اٹھانے سے قبل اسے یعنی عقل کو پوری طرح استعمال کیا جائے مگر اب میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگوں نے حضرت عائشہ رض کو اونٹ پر ہودج میں بٹھا رکھا ہے، آپ لوگوں نے اس اونٹ پر گائیوں اور دوسرے جانوروں کی کھالیں مرطھ رکھی ہیں اور اس کے گھٹنوں اور پنڈلیوں پر بھی موٹے کھردرے اون کا کپڑا چڑھا رکھا ہے یعنی اس اونٹ کو ہر طرح ایسے تیار کیا ہے جس طرح لڑائیوں میں تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ لوگ بھی مجھے ہر طرح مسلح نظر آ رہے ہیں، لہٰذا میں آپ لوگوں سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سب تیاری سے آپ لوگوں کا مقصد کیا ہے؟"

عمار بن یاسر رض کی اس طویل تقریر کے جواب میں ادھر سے کسی نے صرف یہ جواب دیا:

"ہم (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔"

اس کے جواب میں عمار بن یاسر بولے "لیکن بدلہ کس سے لیا جائے جب کہ اصل قاتل

کا اب تک پتہ نہیں چل سکا۔"

یہ سُن کر باغیوں نے تیر چلانا شروع کر دیے، وہ کہتے جاتے تھے: "ہم بدلہ ضرور لیں گے تم اس میں تعویق و تاخیر کر رہے ہو، ہم اس سے بدلہ لیں گے جس نے امام یعنی خلیفۃ المسلمین کے قتل کا حکم دیا تھا۔ یہ کہتے ہوئے ان لوگوں نے عمار بن یاسر رضؓ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ وہ تیر بھی چلاتے جا رہے تھے۔ عمارؓ نے اپنا بچاؤ کرتے ہوئے گھوڑے کو موڑا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا امیر المومنین! اب ان لوگوں سے لڑائی کے سوا چارہ نہیں ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خُطبہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کے ساتھ آغاز جنگ سے قبل اپنے ساتھیوں کو حسب ذیل خُطبہ دیا:-

"لوگو! کسی زخمی پہ دوبارہ ہاتھ نہ اُٹھانا، کسی قیدی کو قتل نہ کرنا، بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرنا نہ طالب امن کو کچھ کہنا، کسی مدبّر کو نہ بلانا۔ کسی کا لباس نہ اُتارنا، کسی عورت کو بے پردہ نہ کرنا، باغیوں کے کسی مال کو جنگی ہتھیاروں کے سوا انہیں شکست دینے کے بعد ہاتھ نہ لگانا البتہ ان کے لونڈی غلاموں کے ساتھ حکم خداوندی کے تحت جس کی اجازت ہو اس کے مطابق عمل کرنا۔"

حضرت علیؓ کا زبیرؓ سے خطاب

مندرجہ بالا خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کی پیروی کرتے ہوئے بہ نفس نفیس اپنی اگلی صف سے باہر نکل کر آگے بڑھے، اس وقت آپ بالکل غیر مسلح تھے، آپ نے زبیر رضؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"زبیرؓ میرے قریب آؤ۔" زبیر رضؓ اس وقت پوری طرح مسلح تھے، انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ کے اُونٹ کی طرف رُخ کر کے کہا" علی رضؓ غیر مسلح ہیں اس لیے آپ مطمئن رہیے' میں بھی مطمئن ہوں۔" جب وہ آپ کے قریب آئے تو آپ نے ان سے فرمایا:- زبیرؓ! اللہ تمہیں نیکی کی توفیق دے، تم یہاں کس لیے آئے ہو؟" وہ بولے: "خون عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے۔" یہ سُن کر آپ نے فرمایا: کیا تم عثمانؓ کے قاتل یا قاتلوں کو جانتے ہو؟ اگر نہیں تو قصاص کس سے لوگے؟ تم لوگ ہمارے ایک شخص کو پہلے ہی قتل کر چکے ہو

کیا ساری اُمّت مسلمہ سے خونِ عثمان کا قصاص لینا چاہتے ہو؟ کیا تمہیں وہ دن یاد نہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی بضاعہ سے گزر رہے تھے تو ان کے ایک شخص نے آپؐ کی تضحیک کی تھی تو میں نے بھی جواباً اس کی تضحیک کی تھی، تم اس شخص کے ساتھ تھے، آپ نے تم سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک روز تم ان سے جنگ کرو گے جس میں تمہاری حیثیت ظالم کی ہوگی" یہ واقعہ سنا کر آپ نے زبیر سے فرمایا: "بہتر ہے کہ تم ان باغیوں سے الگ ہو جاؤ۔" زبیرؓ بولے: "اب یہاں تک آ کر مجھے ان سے الگ ہوتے ہوئے شرم آتی ہے۔" آپ نے فرمایا: "ابھی تو صرف شرم دامنگیر ہے لیکن ایک روز اس میں آگ (آتشِ جہنم) بھی شامل ہو جائے گی، اس سے قبل وہی راستہ اختیار کرو کہ ان دونوں سے بچ سکو۔" آپ کی زبان سے اتنا سُن کر زبیر نے عذابِ آخرت کے پیشِ نظر باغیوں سے الگ ہو کر اپنے گھوڑے کا رُخ دوسری طرف پھیرا تو ان کے بیٹے عبداللہ نے پوچھا: "آپ کہاں جاتے ہیں؟ جبکہ آپ ہی نے ہمیں بلایا تھا۔" اس کے جواب میں زبیر بولے: "مجھے ابوالحسن (حضرت علیؓ) نے ایک ایسا واقعہ یاد دلایا ہے جسے میں بھول گیا تھا۔" عبداللہ نے کہا: "مجھے یقین ہے کہ آپ بنی عبدالمطلب کی چمک دار اور لانبی تلواریں دیکھ کر بُزدلی کا مظاہرہ کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔" بیٹے کی زبان سے یہ سُن کر زبیر بولے: "میں آتشِ جہنم کے مقابلے میں بُزدلی کا طعنہ سُننے کے لیے تیار ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنا نیزہ سامنے کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی صفوں کے میمنہ میں بڑھتے چلے گئے اور وہاں سے میسرہ کا رُخ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا: "انہیں مجبوری ہو تو زخمی کر دینا لیکن قتل نہ کرنا۔" لیکن زبیرؓ اس تیز رفتاری سے آپ کے میسرہ سے گزرے اور وہاں سے لوٹ کر اپنے بیٹے عبداللہ سے بولے: "کیا تم اسے بُزدلی کہو گے؟ میں بُزدل ہرگز نہیں ہوں لیکن آتشِ جہنم سے ڈرتا ہوں اور اس سے بچنے کے لیے بزدلی کا طعنہ سُننا بھی گوارا کر لوں گا۔ ویسے یاد رکھو کہ میں تم جیسے بہادر بیٹے کا بہادر باپ ہوں۔" اتنا کہہ کر انہوں نے اپنا گھوڑا موڑا اور صبا رفتاری سے پہلے وادی سباع پہنچے اور وہاں سے قبیلہ احنف بن قیس سے گزر کر اپنے قبیلے بنی تمیم میں پہنچ گئے، وہاں انہیں ایک شخص نے دیکھ کر کہا: "دیکھو! یہ زبیر ہے جب دو جری لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہیں اور ایک دُوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ تو یہ وہاں سے بھاگ نکلا ہے۔ زبیر بولے: "کیا تو مجھے قتل کرے گا یا میں تجھے قتل کر دوں؟" لیکن زبیرؓ نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اس کے تھوڑی دیر بعد جب وہ نماز پڑھ رہے تھے تو عمرو بن جرموز نے آگے

بڑھ کر انہیں قتل کر دیا جس کے بعد وہ زبیرؓ کا سر، ان کی انگوٹھی اور ان کی تلوار لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس توصیفی کلمات سننے کے لیے آیا لیکن آپ نے فرمایا: "ابن صفیہ یعنی زبیرؓ کا قاتل جہنمی ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہ تلوار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں اُٹھ چکی ہے، کم بخت تجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک مقتدر صحابی کو قتل کرتے ہوئے شرم نہیں آئی؟" آپ کی زبان سے یہ کلمات سُن کر عمرو بن جرموز نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا: "میں نے انہیں آپ کا دُشمن سمجھ کر سہواً قتل کر دیا جس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔"

دوسروں کے علاوہ زبیر کے اس طرح قتل کیے جانے پر ان کی بیوی عاتکہ بنت زید بن عمرو ابن نفیل نے جو سعید بن زید کی بہن تھیں مراثی کہے ہیں۔

قتل زبیرؓ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے زجر و توبیخ کے بعد خود عمرو بن جرموز تمیمی نے جو چند اشعار کہے وہ درج ذیل ہیں:-

"میں نے زبیرؓ کا سر علیؓ کو اس لیے پیش کیا — کہ مجھے ان سے انعام واکرام کی توقع تھی
لیکن مجھے اس کی قبولیت سے قبل — آتشِ دوزخ کی بدترین بشارت ملی،
تاہم میرے نزدیک زبیرؓ کا قتل — اس کے حالیہ اعمال کے پیشِ نظر بالکل جائز تھا"

علیؓ اور طلحہؓ

زبیرؓ کے واپس ہو جانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے طلحہ کو پکار کر فرمایا: "اے ابو محمد! تم میرے خلاف بغاوت پر کیوں آمادہ ہو؟"

طلحہ بولے: "خون عثمان کا انتقام لینے کے لیے۔"

حضرت علیؓ: تم ہمارا ایک شخص پہلے ہی قتل کر چکے ہو، رہ گئی میری بات تو میں نے اپنے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ "یا اللہ! جو اس سے محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی کر" جب کہ تم میری بیعت کرنے کے بعد اس سے پھر گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو (قول و قرار کے بعد) اس سے پھر جائے وہ خود اپنی ذات کا منکر ہوتا ہے۔"

یہ سُن کر طلحہ نے کہا: "استغفر اللہ" اور یہ کہہ کر وہ باغیوں سے علیحدہ ہو گئے۔

جب طلحہؓ نے گھوڑا موڑا تو مروان بن حکم نے ان کی پشت پر تیر مارا جو مہلک ثابت ہوا اور انہوں نے گھوڑے سے گر کر دم توڑ دیا۔

حضرت طلحہؓ پر تیر چلانے سے قبل مروان بن حکم کے الفاظ یہ تھے :۔

"زبیر لوٹ گئے، اب طلحہؓ بھی لوٹ رہے ہیں، ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب طلحہ گھوڑا موڑنے لگے تو پہلے عبدالملک نے ان کے منہ پر تلوار ماری تھی جس کے بعد مروان بن حکم نے ان کی پشت پر تیر چلایا تھا اور ان کا انجام وہی ہوا تھا جس کی طرف قرآن پاک کے مندرجہ بالا الفاظ میں صریحی اشارہ کیا گیا ہے۔ عینی گواہوں کا بیان یہ بھی ہے کہ جب طلحہ گھوڑے سے گرے تو ان کا ہاتھ ان کی خاک و خون آلود پیشانی پر تھا اور زبان پر یہ الفاظ تھے :۔

"اللہ کی مرضی پوری ہوئی، میں نادم ہوں کیونکہ مجھ سے ان باغیوں میں شامل ہو کر ا غلطی ہوئی تھی، میرے آباء بھی اپنے کفر اور بنی ہاشم کے خلاف تلوار اٹھا کر نادم ہوئے تھے۔"

کہتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گاؤں قنطرہ میں ان کی قبر پر گئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا: "انا للہ وانا الیہ راجعون" اللہ تم پر رحم کرے تم یقیناً باغیوں کے ساتھ طوعاً و کرہاً شامل ہو گئے تھے۔

حضرت طلحہؓ کا نسب

حضرت طلحہؓ کا نسب درج ذیل ہے:۔

طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عبید اللہ ابن عمرو بن کعب بن تیم بن مرّہ۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ابن عم (چچا زاد بھائی) تھے اور ان کی کنیت ابو محمد تھی، ان کی والدہ کا نام صعبہ تھا جو ابوسفیان کے ایک تحتی رشتے دار صخر بن کعب سے تعلق رکھتی تھیں۔ طلحہؓ کا یہی نسب زبیر بن بکار نے اپنی کتاب انساب میں درج کیا ہے۔ قتل کے وقت ان کی عمر ۶۴ سال تھی۔ کچھ لوگوں نے کم و بیش بتائی ہے اور ان کی قبر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بصرے میں ہے جہاں ان کے نام سے ایک مسجد اب تک مشہور چلی آتی ہے۔ زبیرؓ کی قبر وادی سباع میں ہے۔

مقتل محمدؒ بن طلحہ

محمد بن طلحہ بھی اسی روز قتل ہوئے تھے۔ ان کی لاش دیکھ کر حضرت علیؓ نے فرمایا تھا: یہ شخص اپنے باپ کے پیچھے چل کر اس کی اطاعت میں مارا گیا ہے۔" محمد بن طلحہ کو سجاد بھی کہا جاتا تھا، ان کی کنیت کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی کنیت ابوسلیمان تھی، واقدی نے بھی یہی لکھا ہے

لیکن کچھ لوگوں نے ابوالقاسم بتائی ہے۔

جنگ جمل میں باغی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جمعیت کے میمنہ اور میسرہ میں ادھر سے اُدھر تک گھس گھس کر آپ کے ساتھیوں کو قتل کر رہے تھے لیکن آپ اپنے گھوڑے کی زین پر جم کر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر عقیل کے بیٹوں میں سے کوئی ان کے قریب آکر بولا: "چچا جان! آپ ان لوگوں کی چیرہ دستیاں دیکھ رہے ہیں اور پھر بھی خاموش ہیں!" آپ نے اس کے جواب میں فرمایا "جان عم! جن لوگوں کو تم آج میری دشمنی پر تلا ہوا دیکھ رہے ہو وہ ایک دن میرے دشمن نہیں رہیں گے بلکہ مجھ سے دشمنی پر پچھتائیں گے، لہٰذا جب تک کوئی مجھ پر حملہ نہیں کرے گا میں کسی پر حملہ نہیں کروں گا، ویسے موت ہر شخص کو آنی ہے مگر میں یا تو اس پر غالب آجاؤں گا یا وہ مجھ پر غلبہ حاصل کر لے گی۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو بُلا کر پوچھا: "کیا تم ان پر حملہ کر رہے ہو؟" وہ بولے: "جی نہیں، میں ان کے تیروں، تلواروں اور نیزوں سے صرف اپنا دفاع کر رہا ہوں۔"

یہ سُن کر آپ نے فرمایا: اگر تم ان کے تیروں، تلواروں اور نیزوں سے بچ گئے تو تمہارا اور اگر مارے گئے تو جنت میں جاؤ گے۔"

جب باغیوں کی طرف سے حملوں پر حملے ہوئے تو محمد حنفیہ بھی ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کے ساتھ دوسرے بھی شریک ہو گئے۔ دونوں طرف سے رجزیہ کلمات کے ساتھ حملے ہوتے رہے۔ حضرت علیؓ نے محمد حنفیہ سے کہا: "اپنی ماں کا پسینہ یاد کرو جو اس نے محنت و مشقت میں اور تمہیں پالنے پوسنے میں بہایا تھا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اُونٹ کی طویل ترین مہار جو لوگ تھامے ہوئے تھے ان میں سے ایک ایک کر کے بنی ضبّہ کے ستر آدمیوں کے ہاتھ کٹ گئے، ان میں سعد بن سود القاضی بھی تھا جس کے ہاتھ میں قرآن تھا، ہاتھ کٹ کٹ کر گرتے رہے لیکن ان کے جوش و خروش میں فرق نہ آیا، جن کے ہاتھ کٹتے ان کی جگہ دُوسرے لے لیتے۔ آخر میں ایک شخص نے یہ کہہ کر اُونٹ کی مہار پکڑی کہ میں ضبّی کا غلام ہوں لیکن وہ پہلے سے اس پر تیر چلاتا ہوا آرہا تھا مہار پکڑ کر اس نے ہودج کے علاوہ اُونٹ پر بھی نیزے اور تلوار سے بار بار حملہ کیا تو اس کے

پاؤں اور دُوسرے اعضاء یعنی گردن وغیرہ کٹ گئے اور وہ گر پڑا، البتہ اس کی پشت پر حضرت عائشہ رض کا ہودج بدستور قائم رہا۔ یہ دیکھ کر محمد بن ابوبکر رض نے محمل میں ہاتھ ڈالا تو حضرت عائشہ رض بولیں "تو کون ہے؟" وہ بولے: "آپ کا قریب ترین عزیز" آپ نے پوچھا "وہ کون ہے؟" وہ بولے: "آپ کا بھائی لیکن آپ سے سب سے زیادہ ناراض، امیر المومنین (حضرت علی رض) دریافت فرماتے ہیں کہ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی یعنی زخم وغیرہ تو نہیں آیا؟" وہ بولیں "نہیں تو لیا نہیں ہوا، صرف ایک تیر ہودج میں لگا تھا مگر میں اس سے بچ گئی۔"

آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہودج پر ڈنڈا مار کر بولے: "اے حُمیراء! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس کا (یہاں آنے کا) حکم دیا تھا؟ کیا آپ نے آپ کو گھر میں ہمیشہ ٹکے رہنے کا حکم نہیں دیا تھا؟ اگر دُوسرے لوگوں کی عقلیں ماری گئی تھیں تو آخر آپ نے ان کا ساتھ کیوں دیا؟ آپ نے تو درحقیقت ان کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا۔"

پھر آپ نے ان کے بھائی محمد بن ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا کہ وہ انہیں صفیہ بن حارث بن طلحہ عبدی کے گھر لے جائیں جو طلحہ طلحات کی ماں تھیں چنانچہ محمد بن ابی بکر رض نے ایسا ہی کیا۔ اُدھر خالی ہودج کے قریب اب تک جنگ جاری تھی۔ اور لوگ قتل ہو رہے تھے کیونکہ ان پر ابھی تک دیوانگی طاری تھی۔ جب عبداللہ بن زبیر رض اور اشتر بن مالک بن حارث نخعی کا آمنا سامنا ہوا تو دونوں دست بدست لڑائی کے بعد زخمی ہو کر گھوڑوں سے زمین پر گر پڑے، تھوڑی دیر بعد اشتر مالک ہمت کر کے اُٹھے لیکن انہوں نے عبداللہ بن زبیر رض کو حالتِ کرب میں دیکھ کر قتل نہیں کیا۔ حالانکہ آخرالذ کر چِلا چِلا کر کہتا رہا: "مجھے قتل کر دو اور میرے ساتھ مالک کو بھی قتل کر ڈالو مگر اس کی آواز پر کسی نے کان نہ دھرا کیونکہ وہاں تو تلوار سے تلوار ٹکرا رہی تھی اور فولاد سے فولاد کے ٹکرا ؤ میں ایسی تیزی تھی کہ کوئی دوسری آواز کسی کے کان میں پڑ ہی نہیں سکتی تھی۔

اسی شدتِ جنگ میں ذوشہادتین خزیمہ بن ثابت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر بولے: "یا امیر المومنین! آپ شاید اپنے بیٹے محمد حنفیہ کی جان کے خیال سے اس جنگ میں عملاً شرکت نہیں فرما رہے ہیں۔" یہ سُن کر آپ بولے: "ایسی کوئی بات نہیں، میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔" اس کے بعد آپ نے محمد حنفیہ کو دوبارہ پرچم دے کر فرمایا: "لڑائی کچھ اچھی بات نہیں لیکن اگر کوئی کسی کو اس پر مجبور کر دے تو وہ بات الگ ہے

جاؤ لیکن جو کچھ میں تم سے پہلے کہہ چکا ہوں اُس کا خیال رکھنا اور اس اسلامی پرچم اور اسلام کی عزت و حرمت کے علاوہ اپنی اور ہماری ایمانی عظمت کا بھی لحاظ رکھنا۔"

پھر آپ نے اپنے بیٹے (محمد حنفیہ) کو پانی پلایا اور کچھ پانی کے علاوہ تھوڑا سا شہد بھی دیا۔ اس کے بعد اس شہد میں سے چکھ کر بولے: "یہ طائف کا تحفہ ہے، یہاں ایسا شہد دستیاب نہیں ہوتا۔" یہ سُن کر عبداللہ بن جعفر بولے: "ہمیں معلوم نہ تھا کہ دنیا کی ایسی نادر و نایاب چیزیں بھی آپ اپنے پاس رکھتے ہیں۔" اس پر آپ نے فرمایا: دنیا کی نادر و نایاب چیزوں میں سے اگر کوئی چیز اگر ہمارے حصے میں آئی ہے اور وہ بھی تحفۃً ملی ہے تو بس یہ شہد ہے۔"

حضرت علیؓ کی بصرے میں آمد

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرے میں داخل ہو کر مقام خریبہ میں ٹھہرے تو وہ جمعرات کا دن تھا اور ۳۶ھ کے ماہ جمادی الآخر کے دس روز گزر چکے تھے جیسا کہ ہم اس سے قبل مجملاً بیان کر چکے ہیں۔ وہاں آپ نے اہل بصرہ کے ایک بڑے اجتماع میں بڑا ہی پُر اثر خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا اے اہل سبخہ! تم اپنے اعمال کے نتیجے میں تین باتیں دیکھ چکے ہو، اب اللہ تعالیٰ تمہیں چوتھی بات دکھانے والا ہے، تمہارے اخلاق خراب ہیں تمہارے اعمال میں نفاق اور تمہارے پانی میں کثافت (کدورت شامل) ہے۔ اے عورتوں کے گروہ! تم نے بغاوت پر کمر بستہ ہو کر شکست کھائی اور بہائم کا کردار ادا کرتے ہوئے پسپا ہوئے۔ تمہارا دین بھی ایک ڈھوکا ہے جو خدا کے ہاں قابل قبول نہیں۔" آپ نے اسی طرح چند بار اور اہل بصرہ کو سخت و سُست فرمایا تھا۔

عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان گفتگو

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مدینے کو واپسی کا حکم دے کر بھیجا۔ وہ ان کے خیمے میں بغیر اجازت داخل ہو کر ان کے سامنے فرش پر بیٹھ گئے تو انہوں نے حیرت سے انہیں دیکھ کر کہا: کیا تمہیں سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نہیں ہے؟ تم میری اجازت کے بغیر میرے خیمے میں داخل ہوئے ہو اور میری اجازت کے بغیر بیٹھ بھی گئے ہو۔" اس کے جواب میں ابن عباس بولے: "اگر آپ اس مکان میں ہوتیں جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چھوڑا تھا تو آپ کی اجازت کے بغیر ہم میں سے کوئی آپ کے اس مکان میں

داخل نہ ہوتا اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے فرش پر بیٹھتا۔ امیرالمومنین نے آپ کو فوراً مدینے واپسی کا حکم دیا ہے۔ وہ بولیں جو کچھ تم نے کہا مجھے اس سے بھی انکار اور مدینے کو واپسی سے بھی۔" یہ بات جب ابن عباس رضؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جا کر سنائی تو آپ نے انہیں ان کی خدمت میں دوبارہ بھیجا لہٰذا انہوں نے آپ کے حکم کے مطابق ان سے جا کر جب یہ کہا کہ امیرالمومنین آپ کو مدینے واپس کرنے کا ارادہ فرما رہے ہیں اور آپ کو بھی مشورہ دے رہے ہیں تو وہ راضی ہو گئیں۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے سامانِ سفر کا انتظام کر دیا اور اگلے روز اپنے بیٹوں حسن و حسین اور بنی ہاشم میں سے اپنے دوسرے عزیز و اقارب نیز اپنے ہمدانی حامیوں کو ساتھ لے کر ان کے پاس گئے۔ ان کے ساتھ جب انہوں نے کچھ عورتوں کو بھی حضرت علی رضؓ کے ساتھ دیکھا تو ان کے چہرے پر نظریں جما کر بولیں۔ "اے میرے احباء کے قاتل!" یہ سُن کر آپ نے فرمایا: اگر میں آپ کے احباء کا قاتل ہوتا تو آپ کے اس خیمے کے آس پاس دُوسرے خیموں میں جو لوگ چھپے بیٹھے ہیں ان سب کو اب تک قتل کر چکا ہوتا۔" اس سے آپ کا اشارہ مروان بن حکم، عبداللہ بن زبیر رضؓ اور عبداللہ بن عامر وغیرہ کی طرف تھا جو حضرت عائشہ رضؓ کے خیمے کے ارد گرد دوسرے خیموں میں جان بچانے کے لیے آ چھُپے تھے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے یہ بھی فرمایا کہ وہ اپنی اپنی تلواریں نکال لیں اور اگر آس پاس کے خیموں میں چھپے ہوئے لوگوں میں سے کوئی باہر نکل کر ان پر اچانک حملہ کرے تو اسے فوراً قتل کر دیں۔ آپ کی زبان سے حضرت عائشہ رضؓ یہ بات سُن کر بولیں "میں آپ کے ساتھ قیام کرنے، مدینے تک آپ کی ہم سفر ہونے اور آپ کے دشمنوں سے مقابلے کے لیے آمادہ ہوں۔" اس پر آپ نے فرمایا: "میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ مدینے واپس ہو کر اس مکان میں قیام فرمائیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چھوڑا تھا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حکم سُن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضؓ کے لیے امان طلب کی تو آپ نے انہیں امان دے دی۔ اس کے بعد حسن و حسین نے مروان بن حکم کے بارے میں عرض کیا تو آپ نے اسے بھی امان دے دی۔ آپ نے نہ صرف عبداللہ بن زبیر رضؓ اور مروان بن حکم نیز ولید بن عُقبہ اور حضرت عثمان رضؓ کی ساری اولاد بلکہ بنی اُمیہ کے سب لوگوں کو معاف فرما دیا۔ ویسے آپ نے

واقعۂ جمل کے روز ہی اعلان کرا دیا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال کر ان کے خیمے میں حاضر ہوگا وہ مامون و مصئون ہوگا۔

مقتولوں پر حضرت علیؓ کا غم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا شدید غم تھا کہ ان کے بصرے میں داخلے سے قبل بنی ربیعہ کے کچھ لوگ قتل کر دیے گئے تھے۔ بنی ربیعہ میں سے عبدالقیس اور دوسرے لوگوں کو طلحہؓ و زبیرؓ نے قتل کیا تھا۔ آپ زید بن صوحان عبدی کے قتل پر بھی بہت زیادہ رنجیدہ تھے جنہیں عمرو بن سبرہ نے یوم جمل میں قتل کر دیا تھا بلکہ آپ تو عمرو بن سبرہ کے مارے جانے پر بھی افسوس کرتے تھے جو عمار بن یاسر کے ہاتھوں قتل ہوگیا تھا۔ ربیعہ کے بارے میں تو آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"مجھے ربیعہ کے قتل کا بڑا صدمہ ہے وہ سنتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا"

عبدالقیس کے خاندان کی ایک عورت مقتولین کی لاشیں دیکھتی پھر رہی تھی کیونکہ یوم جمل میں اس کے عزیز بھی کام آگئے تھے۔ پہلے اسے اپنے دو نوجوان بیٹوں کی لاشیں ملیں پھر اس کے شوہر کی اور آخر میں بھائیوں کی لاشیں بھی مل گئیں۔ ان سب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بصرے میں داخلے سے قبل ہی قتل کر دیا گیا تھا۔ درج ذیل اشعار اسی عورت کے ہیں:۔

"میں نے جوانی میں اکثر لڑائیاں دیکھی ہیں لیکن یوم جمل جیسی لڑائی کبھی نہیں دیکھی
مومنوں پر نہ جانے کیا فتنہ نازل ہوا تھا کہ ایک شجاع دوسرے شجاع کو قتل کر رہا تھا
کاش ظعینہ اپنے گھر میں رہ کر ایسی ہولناک لڑائی کبھی نہ دیکھتی!"

اس طرح کے بہت سے افسوسناک قصے یوم جمل کے بارے میں سنے گئے ہیں۔

بصرے سے حضرت عائشہؓ کی روانگی

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرے سے مدینے روانہ ہوئیں تو حضرت علیؓ نے ان کے ہمراہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کر دیا نیز ان کے ساتھ بنی عبدالقیس اور ہمدان وغیرہ کے تیس مرد اور بیس عورتیں بھی کر دیں۔ عورتوں کو آپ نے عمامے بندھوا کر اور ان کے پہلوؤں سے تلواریں لٹکا کر انہیں ہدایت کر دی کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے سلسلے میں راستے بھر کسی قسم کا تغافل نہ برتیں لیکن یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں کہ وہ عورتیں ہیں۔ جب آپ مدینے پہنچیں تو آپ سے دریافت

کیا گیا کہ ان کا سفر کیسا گزرا ؟ وہ بولیں "بہت اچھی طرح اللہ علی رضی اللہ عنہ کو بہت دے، انہوں نے مجھے زادِ سفر کے طور پر بہت سا سامان دیا تھا لیکن انہوں نے اتنے سارے مرد جو میرے ساتھ کر دیے تھے یہ بات مجھے کچھ پسند نہیں آئی۔" البتہ جب انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا گیا کہ ان کی بیرونی خدمات اور ان کے سامان کے حمل و نقل کے لیے صرف عورتیں بھیجی گئی تھیں لیکن انہیں ان کی حفاظت کے خیال سے مردانہ لباس اور ہتھیار فراہم کیے گئے تھے تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں مزید دعائے خیر فرمائی۔ زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں ہم یوم جمل کا ذکر کرتے ہوئے پہلے بتا چکے ہیں کہ اس جنگ میں حضرت علی رضؓ کے پانچ ہزار ساتھی اور اصحاب جمل و اہل بصرہ میں سے تیرہ ہزار آدمی کام آئے تھے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یوم جمل کے مقتولین میں سے عبدالرحمٰن بن عتّاب بن اُسید بن ابو العیص بن اُمیہ کی لاش کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا: "اے قریش کے یعسوب! مجھے تمہارا یہ انجام دیکھ کر افسوس ہوا ہے۔ تمہیں عبد مناف کے کوتاہ نظر لوگوں نے قتل کر دیا ہے جس سے میرے قلب و جگر پارہ پارہ ہو گئے ہیں۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سُن کر اُشتر بولے: یا امیر المومنین! آپ ان لوگوں کے بارے میں خواہ مخواہ اظہار افسوس فرما رہے ہیں، ان کا انجام وہی ہوا جس سے وہ آپ کو دوچار کرنا چاہتے تھے۔" اشتر مالک نخعی کی یہ بات سُن کر حضرت علی رضؓ نے فرمایا: "تمہیں میرے جذبات کا اندازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ عبدالرحمٰن بن عتاب ہمارے ہی سلسلے کا شخص تھا جو لوگوں کے کہنے سُننے سے فریب میں آگیا تھا۔" واضح رہے کہ عبدالرحمٰن بن عتاب کو یوم جمل میں اشتر مالک نخعی ہی نے قتل کیا تھا۔ عبدالرحمٰن کے ہاتھ کسی عقاب کے پنجے سے گری ہوئی کوئی تھیلی جیسی چیز ہاتھ آ گئی تھی جس میں سے ایک انگوٹھی ملی تھی، اس انگوٹھی کے نگینے میں سے کف نکلتا رہتا تھا کہتے ہیں کہ یوم جمل کے بعد اس انگوٹھی کے نگ سے صرف تین روز تک وہ کف جیسا لیس برآمد ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ بصرے کے بیت المال میں تشریف لے گئے۔ وہاں بہت سا زر و مال دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے مال تو وقتاً فوقتاً ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتا رہتا ہے (یعنی تیرا کیا بھروسہ) یہ کہہ کر آپ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ اس بیت المال کا زر و مال آپ کے صحابیوں اور آپ کے دوسرے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا جائے جس کے لیے پانچ پانچ آدمیوں کی جماعتیں بنا لی جائیں،

جب یہ جماعتیں بنائی گئیں تو ان کے افراد کی مجموعی تعداد بارہ ہزار نکلی تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب بصرے کے بیت المال کی مجموعی رقم ان لوگوں میں تقسیم کی گئی تو سب کے حصے میں برابر برابر رقم آئی، کسی کا حصہ ایک درہم کے برابر بھی کم نہ ہوا۔

اہل بصرہ کا اسلحہ قبضے میں لے کر اسے فروخت کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ رقم اپنے اصحاب، ان کی اولاد اور دوسرے لوگوں میں برابر برابر تقسیم کرا دی، سب کے حصے میں پانچ پانچ سو درہم آئے۔ آپ کو بھی اتنا ہی حصہ ملا۔ جب تقسیم کا کام ختم ہو چکا تو ایک شخص دوڑتا ہوا آپ کی خدمت میں آیا اور بولا: "یا امیر المومنین! مجھے تو کچھ بھی نہیں ملا۔" آپ نے یہ سُن کر اپنے حصے کے پانچ سو درہم اس کے حوالے کر دیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ دامن دونوں زبانوں میں مذکورہ بالا جملہ اوصاف کے باوصف جب قبیلۂ ازد کے ایک شخص ابی لبید جہضمی سے پوچھا گیا "کیا تم علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہو؟" تو وہ بولا: میں ایسے شخص سے کس طرح محبت کر سکتا ہوں جس نے ایک ہی دن کے کچھ حصے میں میرے قبیلے کے ڈھائی ہزار آدمی قتل کر دیے جس کا انجام یہ ہوا کہ اکثر و بیشتر گھروں میں ایک دوسرے پر رونے والا بھی کوئی نہ بچا لیکن اب وہی شخص گھر گھر جا کر باقی لوگوں سے پرسش احوال اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی بھی کرتا پھرتا ہے۔"

حضرت علیؓ کا سفر کوفہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس کو بصرے کا عامل مقرر فرما کر کوفے کا رُخ کیا، جب آپ کوفے میں داخل ہوئے اس روز ماہ رجب کی بارہ راتیں گزر چکی تھیں۔ آپ نے کوفے میں پہنچ کر اشعث بن قیس کو آذربائیجان اور آرمینیا کی گورنری سے معزول کر کے واپس بلا لیا، انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں مقامات کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اشعث کی جگہ آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو ہمدان سے بدل کر وہاں کا گورنر مقرر کیا حالانکہ وہ بھی ہمدان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ اشعث کو معزول کرنے کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک سب سے بڑی وجہ ان کا اپنی گورنری کے زمانے میں ذاتی مفاد میں مال و دولت اکٹھا کرنا تھا۔ جب اشعث آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا: "وہاں اب تک کتنا مال جمع کر کے چھوڑ آئے ہو؟"

حضرت علیؓ کی طرف سے جریر بن عبداللہ کا سفر شام

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب جریر بن عبداللہ

کو معاویہ کے نام پیغام دے کر شام بھیجنا چاہا تو اُشتر مالک نے اس کی مخالفت کی کیونکہ انہیں اس کام کے لیے جریر موزوں نہیں لگتے تھے جب کہ خود جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ انہیں شام بھیجا جائے تاکہ وہ معاویہ کو ان کی بیعت پر راضی کر کے شام کے سارے لوگوں کو آپ کی اطاعت پر آمادہ کر سکیں۔ اشتر مالک نے جریر کے بارے میں کہا تھا کہ "اسے ہرگز نہ بھیجا جائے کیونکہ اس کی نیت اور ارادے معاویہ اور اہل شام سے الگ نہیں ہیں" لیکن آپ نے یہ کہہ کر کہا کہ "چلو اس کی آزمائش تو ہو جائے گی" جریر کو معاویہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیج دیا کہ "جملہ اہل مدینہ، اہل بصرہ اور اہل کوفہ ان کی بیعت کر چکے ہیں لہٰذا انہیں بھی ان کی بیعت سے جس کے وہ سب سے زیادہ مستحق ہیں انکار نہیں ہونا چاہیے۔"

جب جریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیغام لے کر معاویہ کے پاس دمشق پہنچے تو انہوں نے انھیں جواب کے لیے انتظار کا حکم دے کر دمشق میں ٹھہرا لیا اور دوسری طرف بالا ہی بالا عمرو بن عاص کو مشورے کے لیے بلا بھیجا۔ عمرو بن عاص نے معاویہ کو جو مشورہ دیا اس کے بارے میں ہم زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ عمرو بن عاص نے معاویہ کی حمایت کی کیا قیمت طلب کی تھی یعنی مصر کی گورنری۔ چنانچہ معاویہ نے انہیں فوراً مصر کی گورنری کا پروانہ دے دیا۔ عمرو بن عاص نے معاویہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ خونِ عثمان رض کا انتقام لینے پر مصر رہیں اور ضرورت پڑے تو حضرت علی رض کے ساتھ اسی مطالبے کو سامنے رکھ کر جنگ کرنے سے بھی دریغ نہ کریں۔

مذکورہ بالا واقعات کے پیشِ نظر جریر بن عبداللہؓ کا شام سے ناکام واپس آنا ایک فطری امر تھا۔

جریر نے واپس آ کر بیان کیا کہ "معاویہ اور ان کے ساتھ سارے اہل شام خونِ عثمان (رضی اللہ عنہ) کے انتقام پر بضد ہیں اور اب تک ان کے قتل پر گریہ وزاری کر رہے ہیں۔"

جریر کی زبان سے یہ باتیں سُن کر اُشتر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بولے: میں نے آپ سے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ یہ معاویہ کا پٹھو ہے اور آپ کے مخالفین کے ساتھ اس کی ملی بھگت ہے، اس لیے اسے معاویہ کے پاس ہرگز نہ بھیجا جائے بلکہ سازگار ہونے تک اسے

قید میں رکھا جائے ۔" اُشتر کی ان باتوں پہ جریر غصّے سے آگ بگولہ ہو کر بولا: "معاویہ کے بیٹھو تم خود ہو گے اور امیر المومنین کے مخالفین میں بھی تم پیش پیش ہو بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ عثمان رضؓ کو تمہیں نے قتل کر کے یہ سارا فتنہ کھڑا کیا ہے ۔"

حضرت علی رضؓ کے رُوبرو اُشتر سے مندرجہ بالا جھڑپ کے بعد جریر خفیہ طور پہ فرات کے راستے رحبہ ہوتا ہوا قرقیسیا چلا گیا اور وہاں سے معاویہ کو ایک خط لکھا جس میں انہیں اپنی سرگزشت سُنا کر معاویہ کی ہم نشینی اور ان کے پاس پناہ لینے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ معاویہ نے اسے اپنے پاس دمشق بُلا لیا ۔

مغیرہ اور معاویہ

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ واقعہ جمل کے بعد بصرے سے کوفے آئے تو وہاں مغیرہ بن شعبہ ثقفی کو معاویہ کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا "تم نے علی رضی اللہ عنہ کا حال دیکھ لیا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ تم نے انہیں جو مشورہ دیا تھا اس پہ انہوں نے کہاں تک عمل کیا، میری بات الگ رہی خود طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ انہوں نے جو سلوک کیا وہ بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے، میرے ساتھ وہ جو سلوک کریں گے وہ تم خود سمجھ سکتے ہو۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی تو مغیرہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا تھا: "یا امیر المومنین! میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں" اور آپ نے پوچھا تھا: "وہ کیا ہے؟" مغیرہ نے آپ کو جو مشورہ دیا تھا یہ تھا کہ طلحہ بن عبیداللہ کو کوفے کا اور زبیرؓ کو بصرے کا گورنر بنا دیا جائے۔ معاویہ کے متعلق اس کا مشورہ یہ تھا کہ انہیں شام کی گورنری پہ بحال رکھا جائے تاکہ ان پہ اس حیثیت سے حضرت علی رضؓ کی اطاعت ناگزیر ہو جائے ۔ مغیرہ کا یہ مشورہ سُننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: "طلحہؓ اور زبیرؓ کے متعلق تمہارے مشورے پہ غور کروں گا لیکن معاویہ کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا، میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، بہرکیف میں اسے بیعت کے لیے لکھوں گا، اگر وہ مان گیا تو خیر ورنہ اس کے بعد جو کچھ ہو گا وہ اللہ کی مرضی سے ہو گا ۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سُن کر مغیرہ ان کے پاس سے غضب ناک ہو کر رُخصت ہوا تھا ۔ اس کے بعد اس نے ہر شخص سے بس یہی کہا تھا: "میں نے علی رضی اللہ عنہ کو بہترین مشورہ دیا تھا، میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ معاویہ کو شام کی گورنری پہ برقرار رہنے دیں

تاکہ اہل شام کو ان کی بیعت و خلافت کا یقین ہو جائے لیکن انہوں نے میری یہ بات نہیں مانی حالانکہ انہیں اس سے بہتر مشورہ دینے والا ساری دنیا میں کوئی نہ ہوگا (اشعار)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مغیرہ کی رُوگردانی کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔ ہم اس کے بارے میں پہلے ہی بتا چکے ہیں۔

ہم نے سطور بالا میں یوم جمل کے ضروری حالات پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے اور طول طویل روایات سے جہاں تک ہو سکا صرفِ نظر کیا ہے۔

صفین میں اہل عراق و شام کے درمیان پیش آمدہ واقعات

حضرت علیؓ کا عزم صفین جب معاویہ سے صلح وصفائی میں ناکامی ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کے سوا چارہ نہ دیکھ کر صفین کا رُخ کیا۔ آپ وہاں ۳۶ھ ہجری میں ماہ شوال کی چھٹی تاریخ کو پہنچے لیکن معاویہ اپنے لشکر سمیت آپ سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ کے عساکر کی تعداد مؤرخین نے علی الترتیب ۹۰ ہزار اور ۸۵ ہزار بتائی ہے۔ حضرت علیؓ ابو مسعود، عقبہ بن عامر انصاری کو کوفے میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے انبار اور رقہ ہوتے ہوئے صفین پہنچے تھے۔ معاویہ نے اپنے لشکر کو جہاں پڑاؤ کا حکم دیا تھا وہ فوجی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھی کیونکہ وہاں سے دریائے فرات کے پانی کے حصول میں آسانی تھی اور عقبی علاقہ پہاڑی ہونے کی وجہ سے محفوظ تھا۔

ابوالاعور سلمی حضرت علیؓ کے لشکر سے چار ہزار سوار لے کر آگے بڑھے اور شریعت کا حوالہ دے کر معاویہ سے مطالبہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کو فرات سے پانی لینے میں مزاحمت نہ کی جائے۔ عمرو بن عاص نے بھی معاویہ سے کہا کہ "از روئے شریعت یہ مطالبہ درست ہے لہذا ان سے کہہ دیا جائے کہ دونوں لشکر فرات سے پانی لے سکتے ہیں، ویسے بھی علی رضی اللہ عنہ پیاسے تو رہ نہیں سکتے اس لیے وہ اپنے جسم میں خون کے آخری قطرے تک پانی کے ایک ایک قطرے کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں گے مگر اس کے جواب میں معاویہ نے کہا: "ہرگز نہیں میں انہیں فرات سے پانی کا ایک قطرہ بھی لینے کی اجازت نہ دوں گا بلکہ انہیں اسی طرح پیاسا رکھ کر ماروں گا جس طرح انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو پیاسا رکھ کر قتل کیا ہے۔"

نخعی نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاویہ کے ارادے سے آگاہ کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں چار ہزار سواروں کے ساتھ معاویہ کے وسط لشکر میں پہنچ جائیں اور وہاں سے جس طرح ہو پانی تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان کے پیچھے اُشتر کو لے کر وہ بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔

حضرت علیؓ کے حکم پر عمل کیا گیا تو معاویہ کے وسط لشکر کی صفیں کائی کی طرح پھٹ گئیں اور نتیجۃً آپ کے چار ہزار سواروں کا رسالہ لبِ فُرات جا پہنچا، اس کے بعد حضرت علیؓ اُشتر اور کچھ دوسرے سواروں کو لے کر وہاں پہنچ گئے اور اس طرح آپ کے لشکر کا وہاں مکمل قبضہ ہو گیا جہاں اس سے قبل معاویہ کا لشکر جما ہوا تھا۔

یہ دیکھ کر معاویہ عمرو بن عاص سے بولے: "اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جس نے ہمارے ساتھ پہلے ہی قدم پر وہ سلوک کیا ہے جو ہم اس کے ساتھ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے؟" معاویہ کے اس سوال کے جواب میں عمرو بن عاص نے کہا: "اس شخص کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یا تو ہم اس کی اطاعت پر مجبور ہو جائیں گے ورنہ اس کی تلوار ہم میں سے کسی فرد کی رگ گلو تک پہنچنے سے پہلے نہیں رُکے گی، رہی پانی کی بات تو وہ حد سے زیادہ حق پرست اور دین دار شخص ہے، لہٰذا ہم میں سے کسی کو پیاسا رہنے پر مجبور نہیں کرے گا۔"

عمرو بن عاص کی آخری بات بالکل درست نکلی کیونکہ جب معاویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اپنے اور اپنے لشکر کے لیے دریائے فُرات سے پانی لینے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں بخوشی یہ اجازت دے دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صفین پہنچے دو دن گزرے تھے کہ ماہ ذالحجہ شروع ہو گیا۔ آپ نے معاویہ کو اتحادِ کلمہ کے حوالے سے اتحاد بین المسلمین کی دعوت دی اور ان دونوں کے درمیان طویل مراسلت کے بعد یہ طے پایا کہ آخر محرم تک فریقین بری یا بحری کسی علاقے میں ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔

معاویہ اور شاہ روم کے درمیان صلح نامے میں یہ شرط بھی شامل تھی کہ اگر اوّل الذکر کو علی (رضی اللہ عنہ) سے جنگ کرنا پڑی تو روم کی طرف سے شام کو زرِ نقد کے علاوہ سامانِ رسد بھی حسبِ ضرورت مسلسل ملتا رہے گا جب کہ معاویہ اور حضرت علیؓ کے درمیان

عارضی جنگ بندی صرف محرم کے آخر تک طے پائی تھی۔ چنانچہ ماہ محرم کے اختتام پر ان دونوں میں جنگ پھر شروع ہو گئی جس کی طرف حابس بن سعد طائی نے اپنے ایک شعر میں بھی اشارہ کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ماہ محرم کے آخری دن غروب آفتاب سے قبل شامی لشکر کو یہ پیغام بھیجا:۔

"میں نے تم لوگوں کو کتاب اللہ سے رجوع کرنے کی دعوت دے کر اتمام حجت کر دیا ہے، نیکی کی طرف اقدام سے زیادہ میں تم سے اور کچھ نہیں چاہتا لیکن یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ امانت میں خیانت کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا پیغام کے جواب میں صرف یہ جواب آیا:۔

"ہمارے اور آپ کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی، جو کمزور ہوگا ہلاک ہو جائے گا۔"

آغازِ جنگ

ماہ صفر کی پہلی تاریخ کو صبح ہوتے ہی شامی و عراقی لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہو گئے۔ عراقی لشکر کی کمان اشتر کر رہے تھے جب کہ شامی لشکر کی سربراہی خود معاویہ کر رہے تھے۔ شامی لشکر میں حبیب بن مسلمہ فہری بھی شامل تھے ادھر سے اشتر آگے بڑھے تو ان کے مقابلے کے لیے معاویہ اپنے لشکر سے نکل کر آگے آئے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی جو غروب آفتاب تک جاری رہی لیکن اس کے بعد دونوں طرف کے لوگ تھکن سے ایسے چور ہو گئے کہ انہیں اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس جانا پڑا۔

اگلے روز جمعرات کا دن تھا۔ حضرت علیؓ نے اس روز سعد بن ابی وقاص کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص زہری عرف "مرقال" کو آگے بڑھایا۔ وہ حضرت علیؓ کے طرفداروں میں تھے اور تیز رفتاری کی وجہ سے مرقال کے نام سے مشہور تھے، جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی جس کا تفصیلی ذکر ہم اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں فتوح الشام کے تحت کر چکے ہیں۔ انہوں نے مذکورہ جنگ میں بڑی استقامت کے ساتھ داد شجاعت دی تھی۔

ادھر سے معاویہ نے ابوالاعور سلمی کو جو معاویہ کے طرفداروں اور حضرت علیؓ کے مخالفین میں سے تھے آگے بڑھایا۔ اس روز بھی صفین کے میدان میں گھمسان کا رن پڑا لیکن غروب آفتاب کے بعد دونوں فریق اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس ہو گئے۔

تیسرے روز جمعہ تھا۔ اس روز حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ (ابی یقظان) کو کچھ اہل بدر صحابہ اور دوسرے مہاجرین و انصار کے ساتھ آگے بڑھایا۔ ان کے مقابلے کے لیے معاویہ نے عمرو بن عاص اور دوسرے اہل شام کو آگے بڑھایا جن کے تنوخ و بہراء میں شام کے چند بڑے آزمودہ کار جنگجو شامل تھے۔ عمار بن یاسر کے ایک ہی حملے میں عمرو بن عاص کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپا ہو کر لشکر معاویہ میں چلے گئے۔ اس روز کی جنگ میں بھی کشتوں کے پشتے لگ گئے جن میں شامیوں کی کثرت تھی لیکن اہل عراق بھی کچھ کم نہ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہفتے کے روز جو جنگ صفین کا چوتھا دن تھا اپنے بیٹے محمد حنفیہ اور ان کے فوجی دستے کو آگے بھیجا تو اُدھر سے معاویہ نے عبید اللہ بن عمر خطاب رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا۔ عبید اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) اس اندیشے سے کہ علی (رضی اللہ عنہ) انہیں ہُرمزان کے معاملے میں پکڑ لیں گے، مدینے سے معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے تھے کیونکہ ابولؤلؤ نے جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا ان کے والد حضرت عمرؓ کو قتل کیا تھا مگر عبید اللہ نے اپنے باپ حضرت عمرؓ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے ابولولوہ کے سابق مالک ہُرمزان کو قتل کر دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ مدینے میں فارس کے کسی آدمی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، یہی وجہ تھی کہ جب حضرت علیؓ خلیفہ ہو گئے تو عبید اللہ کو یقین ہو گیا کہ وہ ہرمزان کو بے سبب قتل کرنے کے جرم میں انہیں ضرور قتل کرا دیں گے اور وہ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اسی خوف سے معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے تھے۔ بہرکیف اس روز بھی شام تک بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن عبید اللہ دوپہر کو زخمی ہو کر میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لڑائی کے پانچویں روز جو اتوار کا دن تھا پہلے عبد اللہ بن عباسؓ کو آگے بھیجا تو اُدھر سے معاویہ نے ان کے مقابلے کے لیے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بڑھایا ولید وہ شخص تھا جو بنی عبد المطلب بن ہاشم کو اکثر گالیاں دیا کرتا تھا۔ عبد اللہ بن عباس نے اس سے دیر تک سخت جنگ کی اور آخر میں ولید کو قتل کر کے بولے: "اے صفوان اب اٹھ کر مجھ سے بات کر!" صفوان ولید کا لقب تھا۔ اس روز کی شدید جنگ میں ابن عباس ہی کو غلبہ حاصل رہا۔

لڑائی کے چھٹے دن یعنی پیر کے روز حضرت علیؓ نے سعید بن قیس ھمدانی کو آگے بڑھایا وہ اس روز آپ کی طرف سے ہمدانی رسالے کی کمان کر رہے تھے۔ ان کے مقابلے کے لیے

معاویہ نے ذی کلاع کو بھیجا۔ ان دونوں میں دوپہر تک مقابلہ ہوتا رہا لیکن اس کے بعد دونوں زخموں سے چور ہو کر اپنے اپنے لشکروں کی طرف چلے گئے تو ان کے دستے بھی لڑائی کے ساتویں دن پیر کے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اطاعت گزاروں اور میدان جنگ میں سب سے زیادہ داد شجاعت دیتے ہوئے دشمنوں کو کثیر تعداد میں قتل کرنے والوں میں سے اشتر کو آگے بھیجا تو اُدھر سے معاویہ نے ان کے مقابلے کے لیے حبیب بن مسلمہ فہری کو بھیجا۔ ان دونوں میں اتنی شدید لڑائی ہوئی کہ موت کئی بار ان کے قریب سے ہو کر گزر گئی، البتہ شدید زخمی ہونے کے باوجود وہ دونوں لقمہ اجل ہونے سے بچ گئے۔ جب شام کو وہ دونوں اور ان کے ساتھی اپنے اپنے لشکروں میں واپس ہوئے تو اس وقت تک اہل شام کثیر تعداد میں زخمی ہو چکے تھے بلکہ ان میں قریباً سبھی زخمی تھے۔

حضرت علیؓ کی جنگ

جنگ صفین کا آٹھواں دن بدھ کا دن تھا۔ اس روز حضرت علیؓ بدری صحابہ، دوسرے انصار و مہاجرین اور بنی ربیعہ کے علاوہ ہمدانیوں کو ساتھ لے کر بنفس نفیس میدان جنگ میں تشریف لائے۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق اس روز آپ کے سر پر سفید عمامہ تھا اور آپ کی دونوں آنکھیں دو روشن چراغ معلوم ہو رہی تھیں۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کی گنجان صفوں میں پہنچ کر انہیں مخاطب کر کے فرمایا: "مسلمانو! اپنی آوازیں برابر رکھو، اپنے کردار کی تکمیل بزرگان ملت کی طرح کرو، ایک دوسرے سے درختوں کی شاخوں کی طرح پیوست رہو، لڑائی سے قبل اپنی تلواریں سنبھال لو، نیزوں اور تیروں کو درست حالت میں رکھو، اپنی طرف سے دل میں صرف بھلائی کا خیال رکھو، اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے، تم اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی کے ساتھ ہو، لہٰذا لڑو تو جم کر لڑو، صبر و استقامت کا مظاہرہ کرو اور ہر حالت میں فرار سے قطعاً اجتناب کرو تاکہ آخر میں شرمندہ نہ ہونا پڑے اور روز حشر آتش جہنم کا سامنا نہ ہو، تمہارے سامنے دشمنوں کا جم غفیر ہے جس کا ہر فرد سرتاپا فولاد میں غرق ہے، انہیں بڑی سے بڑی ضرب لگاؤ کیونکہ ان کے سروں پر شیطان سوار ہے اور ہر قدم مکر و فریب کا فرش ہے، تم ان کے مقابلے کے لیے اس طرح آگے بڑھو کہ وہ ہمیشہ یاد رکھیں تاآنکہ حق روشن ہو کر سامنے آ جائے، تم بہترین لوگ ہو، یہاں اپنے عمل نیک کو چھوڑ نہ بیٹھنا۔

مندرجہ بالا خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل رسول اللہ صلے اللہ علیہ کی طرح جنگ کے لیے آگے بڑھے۔ ان کے مقابلے کے لیے معاویہ بہت سے شامیوں کو ساتھ لے کر

نکلے۔ شام کے وقت جب فریقین واپس ہوئے تو فاتح کوئی نہ تھا۔

جنگ کے نویں روز بھی جو جمعرات کا دن تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر میدان میں آئے تو ان کے مقابلے کے لیے خود معاویہ اپنی صفوں سے آگے آئے اور سُورج ڈھلنے تک دونوں میں جنگ ہوتی رہی۔ معاویہ کے لشکر کا ایک گروہ جو چار ہزار صحری جوانوں پر مشتمل تھا جن کا لباس سبز رنگ کا تھا۔ حضرت علی رضؓ کے مقابلے میں وہ یقیناً اپنی موت کو دعوت دینے آئے تھے لیکن ان کے لبوں پر خون عثمان رضؓ کے قصاص کا نعرہ تھا، ان کے آگے آگے عبید اللہ بن عمر رضؓ تھے جو رجز کے طور پر یہ اشعار پڑھ رہے تھے:۔

میں عبید اللہ بن عمر رضؓ ہوں جو نبیؐ اور شیخ بزرگ کے بعد قریش کے بہترین شخص تھے
قریش کے اسلاف و اخلاف دونوں ہیں میری عمر عثمان رضؓ کی اتباع و نصرت میں گزری ہے
پس اے بنی ربیعہ بارش کی پیاس مت بجھاؤ!"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن عمر رضؓ کو پکار کر کہا: "اے ابن عمر (رضی اللہ عنہ) مجھے تجھ پر افسوس ہے کہ تو مجھ سے لڑنے آیا ہے، اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو مجھ سے ہرگز نہ لڑتا۔"

یہ سُن کر عبید اللہ بولے: "میں حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے خون کے قصاص کا طالب ہوں۔"

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تو مجھ سے خون عثمانؓ کا قصاص چاہتا ہے مگر میں تجھ سے بجا طور پر قتل ہرمزان کا قصاص لینا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر آپ نے اُشتر نخعی کو عبید اللہ بن عمر رضؓ کے مقابلے کا حکم دیا تو وہ بھی رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے عبید اللہ کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے لیکن آخر الذکر نے ان سے جنگ نہیں کی۔

اس روز کی جنگ میں بھی لوگ کثیر تعداد میں قتل ہوئے۔

عمّار بن یاسر رضؓ

عمّار بن یاسر نے روز جنگ جو کچھ کہا اور ان پر جو کچھ گزری وہ درج ذیل ہے۔

انہوں نے فرمایا: "میں ان لوگوں کے منہ کیا دیکھوں جن کے کردار کی پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ حق سے روگردانی کر کے باطل کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ ہمیں شکست نہیں ہو سکتی جب تک ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ

باطل کی حمایت کر رہے ہیں۔"

جب عمّار بن یاسرؓ میدان جنگ سے اپنی جگہ واپس آئے تو انہیں سخت پیاس لگ رہی تھی، اسی وقت کسی عورت نے انہیں دُودھ سے لبریز پیالہ پیش کیا جسے دیکھ کر وہ بولے: "اللہ اکبر اللہ اکبر، آج کا دن میری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے، مجھے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن کی خبر دی تھی اور بالکل سچ فرمایا تھا اور مجھ سے اس بہترین دن کے لیے ایک وعدہ بھی فرمایا تھا۔" اس کے بعد انہوں نے کہا: "اے لوگو! کیا آج زیر آسمان اللہ تعالےٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی خوشبو تم محسوس کر رہے ہو؟ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہم آپؐ کے دشمنوں سے لڑتے تھے آپؐ کی وفات کے بعد آپ کے احکام کا صحیح مفہوم سمجھتے ہوئے آج بھی دشمنانِ دین سے اُسی طرح لڑیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ درج ذیل رجزیا اشعار پڑھتے ہوئے پھر میدانِ جنگ کی طرف لوٹ گئے۔

جس طرح ہم رسول اللہؐ کے زمانے میں تم سے لڑتے تھے آج بھی ویسے ہی لڑیں گے
تاکہ آپؐ کے دوست دشمن متمیز ہو جائیں اور باطل کے مقابلے میں حق ظاہر ہو جائے"

جب عمّار دوبارہ میدان جنگ میں پہنچے تو ان پر مقابل فوج کی طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی لیکن وہ ان کی صفوں میں دلیرانہ بڑھتے چلے گئے اور اتنے بڑھے کہ ابوالعادیہ عاملی اور ابن جَون سَکسَکی نے موقع پا کر انہیں قتل کر دیا۔ اس بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں کہ ان کے ہتھیاروں پر قبضہ کرنے کے بعد ان کے کپڑے تک اُتار لیے گئے تھے۔

جب عمّار بن یاسر کے قاتلوں کو عبداللہ بن عمرو بن عاص کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ بولے:

"تم دونوں میرے سامنے سے دُور ہو جاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنا ہے کہ "میں قریش کو عمار کی وجہ سے چاہتا ہوں، قریش میں جو اچھے اوصاف ہیں وہ عمار کے اوصاف کا پرتو ہیں، یہ کسی دن اُنھیں جنت کی دعوت دیں گے لیکن وہ (قریش) انہیں دوزخ میں گھسیٹنا چاہیں گے۔" (حدیث کا مفہومی ترجمہ)

عمار بن یاسر کے جنازے کی نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی لیکن انہیں غسل نہیں دیا گیا نہ کفن پہنایا گیا بلکہ ویسے ہی دفن کر دیا گیا۔ ان کی قبر صفّین ہی میں ہے۔

عمار بن یاسر کے نسب کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ انہیں بنی مخزوم سے

بتاتے ہیں جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کی رائے ہیں وہ ان کے حلیفوں میں سے تھے لیکن کچھ اور لوگ اس رائے کے مخالف ہیں۔ ان کے مفصّل حالات و کوائف ہم اپنی ایک دوسری کتاب "مزاہر الاخبار و طرائف الآثار" میں ان پچاس اشخاص کے حالات و کوائف کے ساتھ بیان کر چکے ہیں جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے وقت ان کی حمایت میں جان دینے کی قسم کھائی تھی۔ عمار بن یاسر کی موت پر حجاج بن عزیہ انصاری نے ایک بڑا دردناک و پُر اثر مرثیہ بھی کہا ہے۔

اس روز کی لڑائی میں عمار بن یاسرؓ کے کام آجانے کے بعد سعید بن قیس ہمدانی نے ہمدانیوں کی اور قیس بن سعد بن عبادہ نے انصار اور بنی ربیعہ کے لوگوں کی کمان سنبھالی اور عدی بن حاتم بنی طے میں سے اور سعید بن قیس ہمدانی نے آگے بڑھنے والوں میں پہل کی۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی اور ادھر اُدھر دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کی صفوں میں گھس کر دست بدست لڑنے لگے جس سے لڑائی میں حد درجہ شدّت پیدا ہو گئی۔ ادھر کا ہمدانی دستہ شامیوں کو دھکیلتا ہوا وہاں تک لے گیا جہاں معاویہ کھڑے تھے، وہاں معاویہ کے ساتھ سعید بن قیس کے بعض لوگوں کے علاوہ ہمدان کے بھی کچھ لوگ کھڑے تھے۔ حضرت علیؓ نے اُشتر کو حکم دیا کہ وہ اپنا پرچم لے کر اہلِ حمص و قنسرین کی طرف بڑھیں۔ اس کے نتیجے میں بہت سے اہلِ حمص و قنسرین قتل ہوئے جن میں متعدد قاری بھی شامل تھے۔

اس روز "مرقال" اس طرح تڑپ رہے تھے جیسے کوئی پرندہ پنجرے میں پھڑپھڑاتا ہے، وہ برق رفتاری سے اِدھر اُدھر جا رہے تھے، کوئی انہیں چھیڑنے کو کہتا کہ "اے بھینگے آج بزدلی نہ دکھانا" تو وہ اس کا دو بدو "منہ توڑ" جواب دیتے۔ ہاشم بن عتبہ عرف "مرقال" ذی کلاع کو سامنے دیکھ کر اس پر جھپٹے تو ان پر ذی کلاع کے پرچم بردار نے آگے بڑھ کر تیزی سے حملہ کر دیا، وہ شخص بنی عُذرہ کا کوئی آدمی تھا۔ پہلے ان دونوں میں تلخ کلامی ہوئی جس کے بعد ہاشم مرقال نے اس کے حملے سے بچاؤ کے بعد اسے قتل کر دیا اور آگے بڑھ کر ذوکلاع پر حملہ آور ہوئے۔

اس روز ہاشم مرقال اور ان کے ساتھیوں نے قسم کھائی تھی کہ یا تو فتح حاصل کریں گے یا قتل ہو جائیں گے۔ مرقال پر دشمن کی ایک جماعت نے مل کر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا لیکن وہ اس وقت تک ذوکلاع اور اس کے جملہ ساتھیوں کو قتل کر چکے تھے۔ مرقال کا بیٹا اپنے باپ کے قتل کے بعد اس کا پرچم بلند کر کے دشمنوں پر اسی کی سی برق رفتاری سے جا پڑا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے کچھ ساتھیوں نے جب مرقال کی لاش دیکھی تو حضرت علیؓ نے اللہ تعالےٰ سے ان پر نزولِ رحمت کے لیے دُعا فرمائی۔

حذیفہ بن یمان اور اس کے بیٹے

اس روز کی جنگ میں حذیفہ بن یمان کے بیٹوں سعد و صفوان نے حِصّہ لیا۔ ۳۶ھ ہجری میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا اس وقت حذیفہ کوفے میں بیمار پڑے تھے۔ جب انہیں عثمانؓ کے قتل اور اہل مدینہ کی طرف سے حضرت علیؓ کی بیعت کی خبر ملی تو انہوں نے چلّا کر کہا "مجھے مکان سے باہر لے چلو، لوگوں کو بلاؤ کہ وہ مل کر شکرانے کی نماز ادا کریں"، جب انہیں مسجد میں لے جایا گیا تو انہوں نے منبر پر بیٹھ کر اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثنا کے بعد آلِ رسول پر درود بھیجا اور پھر حسب ذیل خطبہ دیا۔

"لوگو! دوسرے لوگوں نے علی (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کر لی ہے، تم پر بھی لازم ہے کہ تقوےٰ اختیار کر کے ان کی بیعت کے بعد ان کی مدد بھی کرو، علی (رضی اللہ عنہ) اوّل و آخر حق پر ہیں، وہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد اب تک ہر شخص سے افضل ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھ کر کہا: "اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کر لی ہے" پھر بولے: "یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے آج تک زندہ رکھا۔" اس کے بعد انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں سعد و صفوان سے کہا: "اب تم مجھے اُٹھا کر گھر لے چلو اور دیکھو! تم علی (رضی اللہ عنہ) کا ہمیشہ ساتھ دینا کیونکہ انہیں متعدد لڑائیاں پیش آئیں گی جن میں بے شمار لوگ قتل ہوں گے، تم ان کا (حضرت علیؓ کا) ساتھ دینے سے کبھی نہ چوکنا کیونکہ وہی درحقیقت حق پر ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں وہ باطل کی پیروی کر رہے ہیں۔"

اس گفتگو کے سات دن اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ چالیس دن بعد حذیفہ بن یمان نے کوفے میں وفات پائی۔ جن لوگوں نے ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی ان میں بدیل بن ورقاء خزاعی کے دونوں بیٹے عبد اللہ و عبد الرحمٰن اور بنی خزاعہ کے بہت سے دوسرے لوگ شامل تھے۔
عبد اللہ اور ان کے بھائی عبد الرحمٰن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے میسرہ میں تھے اور وہ دونوں یکے بعد دیگرے جنگ صفین کے اسی روز جس کا ہم ابھی ذکر کر رہے ہیں قتل

کر دیے گئے۔

اس روز معاویہ نے یہ دیکھ کر کہ اہل شام مسلسل پسپا ہو رہے ہیں اور اہل عراق برابر بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ نعمان بن جبلہ تنوخی کو بُلایا جو اپنے قبیلے تنوخ اور بہرا کا پرچم اُٹھائے دونوں کی کمان کر رہے تھے اور ان سے بولے: "میں نے تم لوگوں میں سے تمہیں بہترین سمجھ کر ان کی کمان تمہیں دی ہے، پھر تم انہیں آگے کیوں نہیں بڑھاتے؟ کیا تم اپنے قول و قرار سے پھر گئے ہو؟" معاویہ کی زبان سے یہ سُن کر نعمان بن جبلہ تنوخی نے جواب دیا: "میرا قول و قرار میری ذات تک محدود ہے، میں حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہوں پھر بھی اپنا قول نبھانے کے لیے مُلک و امارت کے حصول تک آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوں لیکن اپنی قوم کو اس آگ میں نہیں جھونک سکتا جہاں عراقی اپنی چمکدار تلواروں سے کشتوں کے پشتے لگاتے چلے جا رہے ہیں اور باقی ماندہ لوگوں کے لیے بھی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، ویسے مجھے خبر ہے کہ میں نے صرف آپ کے لیے اس رشد و ہدایت سے مُنہ موڑ لیا ہے جس کے لیے آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی جنگ پر مجبور ہو گئے ہیں لیکن ہم نے شام کے اثمار و زیتون کی خاطر جنت کی نہروں اور اس کے پھلوں کو بھلا دیا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ مڑا اور جنگ میں شامل ہو گیا۔

مقتل عبید اللہ بن عمرؓ

جب عبید اللہ بن عمرؓ میدان جنگ میں جانے کے لیے اُٹھے تو ان کی بیویاں ان کے جسم پر ہتھیار سجانے لگیں لیکن ان کی بیوی شیبانیہ بنت ہانی بن قبیصہ ان کے خیمے میں نہیں آئیں یہ دیکھ کر وہ خود ان کے خیمے میں گئے اور ان سے بولے: "تم یہاں کیا کر رہی ہو جب کہ میں میدانِ جنگ میں جانے کی تیاری کر رہا ہوں، بہرکیف اگر میں لڑائی میں کام آ جاؤں تو تم اپنے خیمے کی طنابوں کو مضبوط و مربوط رکھنا، میں نے اسی لیے اب تک تمہیں اپنی سب بیویوں پر ترجیح دی ہے۔" یہ سُن کر وہ بولیں: "آپ میدانِ جنگ میں جا رہے ہیں لیکن مجھے یہ بتائیے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ آپ نے زمانہ اسلام یا اس سے قبل زمانۂ جاہلیت میں کتنی لڑائیوں میں حصہ لیا ہے؟ کیا آج کی لڑائی میں آپ اپنے سب مخالفین کو قتل کر سکیں گے؟ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ آپ اس لڑائی میں صرف اس لیے شریک ہو رہے ہیں کہ جو شخص حق پر ہے وہ ویسے بھی قتل ہرمزان کے قصاص میں آپ کو قتل کر دیتا اور ...."

ابھی شیبانیہ کی بات ختم نہیں ہوئی تھی کہ عبیداللہ نے اسے کمان مار کر زخمی کر دیا پھر بھی وہ کہنے سے نہ رُک سکی کہ "میری آخری آرزو یہ ہے کہ اگر آپ اس جنگ میں قتل ہو جائیں تو آپ کی لاش میرے پاس ضرور بھجوا دی جائے۔" شیبانیہ کی زبان سے یہ کلمات سُن کر عبیداللہ طیش میں بھرے ہوئے اس کے خیمے سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس کا رُخ میدانِ جنگ کی طرف موڑ دیا جب وہ میدان جنگ میں پہنچے تو حریث بن جابر جعفی نے پہلے ان پر آوازے کسے اور پھر دست بدست لڑائی میں انہیں قتل کر دیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ انہیں اُشتر نخعی نے قتل کیا تھا اور کچھ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھوں قتل ہرمزان کے بعد سے انہیں گرفتار کرنے کی فکر میں تھے۔ آج جب ان پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے ان کے سر پر ایسی بھرپور تلوار ماری کہ وہ ان کا خود کاٹتی ہوئی ان کے بالائی جسم سے گزر کر ان کے پیٹ تک جا پہنچی اور اس طرح آپ نے انہیں قتل کر کے کہا "میں آج قتل ہرمزان کے قصاص سے سبکدوش ہوا ہوں۔"

عبیداللہ کی بیویوں نے معاویہ سے ان کی لاش بھیجنے کی درخواست کی تو انہوں نے اس کے بدلے میں ان سے دس ہزار دینار طلب کیے جو انہوں نے بھجوا دیے۔ یہ واقعہ سُن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"کسی مُردہ شخص کی لاش مُردار ہوتی ہے اور اس کی فروخت حرام ہے، جس طرح کُتا حرام ہوتا ہے لیکن اب چونکہ معاویہ کو اس کی قیمت مل گئی ہے لہٰذا تم لوگ اس سے اس کی لاش منگوا کر ان کی بیوی شیبانیہ کو بھجوا دو۔"

جب جنگ کے آخری دن لڑائی نے زور پکڑا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ لشکر شام کی صفوں کو چیرتے ہوئے معاویہ کے خیمے تک جا پہنچے اور انہیں آواز دے کر کہا "معاویہ! تم ہزاروں مسلمانوں کا خون کیوں کرا رہے ہو؟ نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ میرا اور تمہارا قضیہ ہے، بہتر ہے کہ تم باہر آکر میرا مقابلہ کرو تاکہ اس کا فیصلہ ہو جائے۔"

حضرت علی رضؓ کی یہ باتیں عمرو بن عاص نے بھی سُنیں جو اس وقت معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے معاویہ سے کہا: علی رضی اللہ عنہ ٹھیک تو کہہ رہے ہیں، آپ جا کر ان کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟"

معاویہ بولے: "تمہارا مقصد میں سمجھتا ہوں، پہلے تم نے مجھ سے مصر کی گورنری مانگی جو تمہیں مل گئی ہے۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟ یہی ناکہ میرے قتل ہونے کے بعد تم میرے جُملہ

مقبوضات پر قابض ہو جاؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ اب تک میدانِ جنگ میں علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کر کے کوئی زندہ واپس نہیں لوٹا - یا اگر بفرضِ محال زندہ رہا تو بحالت اسیری -"

معاویہ کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عراقی اور اپنی دوسری فوجی صفوں کو شامیوں پر ایک بار اور بھرپور حملے کا حکم دیا - اس وقت تک عمرو بن عاص دوبارہ شامی افواج میں جا پہنچا تھا مگر یہ وہ وقت تھا جب اہلِ عراق شامیوں پر ہر حملے میں غالب آتے جا رہے تھے اور آخر الذکر میں ہر طرف بھگدڑ پڑی ہوئی تھی - عمرو بن عاص نے دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ اب اس کے قریب پہنچنے ہی والے ہیں تو وہ گھوڑے سے کودا، نیزہ اور تلوار پھینک کر کپڑے تک اُتار ڈالے اور مادرزاد برہنہ ہو کر کھڑا ہو گیا، حضرت علیؓ جب اسے قتل کرنے کے ارادے سے اس کی طرف بڑھے اور تلوار بلند کی تو اسے اس حالت میں دیکھ کر استغفر اللہ کہا اور منہ پھیر لیا - عمرو بن عاص نے یہ موقع غنیمت جانا اور بھاگتا ہوا معاویہ کے خیمے میں جا پہنچا اور گھبرا کر ان سے بولا: "کیا آپ کو جنگ کا اندازہ نہیں ہے؟ باہر نکل کر دیکھیے ہماری فوج کے لاتعداد سپاہی قتل ہو چکے ہیں، عراقیوں نے ہمیں ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا ہے، تھوڑی دیر میں شام کا ہر شخص ہتھیار ڈال دے گا، علی رضی اللہ عنہ کی فتح یقینی ہے"

معاویہ بولے "پھر کیا کیا جائے؟" عمرو بن عاص نے کہا: "آپ باہر نکل کر اپنی بچی کھچی فوج کو حکم دیجیے کہ وہ ہر طرف نیزوں پر قرآن بلند کر لیں اور آپ اعلان کرائیے کہ اب ہمارے اور علی (رضی اللہ عنہ) کے مابین تلوار کی جگہ کلام الٰہی فیصلہ کرے گا۔"

معاویہ کو عمرو بن عاص کا یہ مشورہ پسند آیا اور دیکھتے دیکھتے شامی فوج کے کم سے کم پانچ سو افراد نے تلواریں پھینک کر نیزوں پر قرآن بلند کر لیے اور ہر طرف وہی اعلان ہونے لگا جس کا مشورہ عمرو بن عاص نے معاویہ کو دیا تھا - یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قلبِ لشکر کے علاوہ میسرہ اور میمنہ دونوں میں برق رفتاری سے پہنچ کر بلند آواز سے فرمایا: "یہ سراسر دھوکا ہے، جو لوگ احکامِ شریعت کے منکر ہیں ان کے نزدیک قرآن کی کیا حیثیت ہے، بے جھجک آگے بڑھو، خدا کے فضل سے کچھ دیر میں ہماری فتح یقینی ہے۔"

اگرچہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ صداقت پر مبنی تھا لیکن کچھ سادہ لوح اہلِ عراق آپ کی دُور اندیشی اور معاویہ کے پُرفریب اعلان اور ان کی موقع پرستی کو نہ سمجھ سکے اور وہ قرآن کے احترام میں جہاں تھے وہیں رُک گئے، ویسے بھی اب رات ہو

چکی تھی اور اہل شام کے لاتعداد افراد کے علاوہ بے شمار اہل عراق بھی لڑائی میں کام آچکے تھے ، اُشترؒ حضرت علی رضؓ کے میمنہ میں تھے اور اہل عراق کو حضرت علی رضؓ کے قول کی صداقت سے آگاہ کر رہے تھے لیکن اشعث اور اس کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ جو بعد میں خوارج کے نام سے مشہور ہوئے اپنی جگہ سے نہ ہلے اور یہی کہتے رہے کہ قرآن کا فیصلہ ہمارے لیے حرفِ آخر ہے۔ اُشتر نے چلاّ چلاّ کر انہیں لاکھ سمجھایا کہ معاویہ ، عمرو بن عاص ، ابن ابی معیط ، حبیب بن مسلمہ اور ابن نابغہ وغیرہ اصحاب دین و قرآن نہیں ہیں تو احکام قرآن پر کیا عمل کریں گے۔ اسی طرح اُشتر اور اشعث میں دیر تک بحث ہوتی رہی۔ اُدھر معاویہ نے اعلان کیا کہ "ہم قرآن کے سوا کسی کی بات نہیں مانیں گے ، اب فیصلہ قرآن کے مطابق ہوگا۔"

جب ہر طرف سے یہی آوازیں آنے لگیں تو اشعث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا :۔

"آپ تو قرآن کے ہر حکم پر عامل ہیں ، قرآن کا فیصلہ ظاہر ہے آپ کو بھی قبول کر لینا چاہیے۔" اس کے بعد اشعث بولا : "معاویہ عمرو بن عاص کو قرآن کے مطابق اپنی طرف سے ثالث بنانے کے لیے تیار ہیں آپ ابو موسٰی اشعریؓ کو مقرر کر دیجیے۔"

حضرت علی رضؓ نے فرمایا : "مجھے ابو موسٰی اشعریؓ کا بخوبی تجربہ ہے ، وہ اپنے گزشتہ اعمال کے پیش نظر میری طرف سے ثالثی کا حق ادا کرنے کے اہل نہیں ہیں ، بہتر ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کیا جائے۔"

اشعث نے کہا : اگر ابو موسٰی اشعریؓ آپ کے نزدیک غیر جانب دار نہیں ہوسکتے تو پھر عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں بھی لوگ یہی کہیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "تو پھر ہماری طرف سے اُشتر کو ثالث بنا دیا جائے۔"

اشعث نے کہا : "وہ بھی آپ کے خاص حمایتی سمجھے جاتے ہیں ، لہٰذا ان کی ثالثی بھی عام مسلمانوں کی رائے میں مشکوک ہی رہے گی۔"

یہ سن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "پھر تم اپنی طرف سے جسے چاہو ثالث بنا دو۔"

اس پر اکثر لوگ بولے : "ابو موسٰی ہی بہتر ہیں ، ان کا فیصلہ یقیناً خیر پر مبنی ہوگا۔" چنانچہ ادھر سے انہیں ثالث بنا دیا گیا۔

تحکیم (ثالثی) کا آغاز

ابو موسےٰ اشعریؓ جنگ صفین سے قبل کہا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل کے دو گروہوں کو اس وقت تک چین نہ ملا جب تک انہوں نے ثالثی کے لیے دو ثالث مقرر نہیں کر دیے تھے لیکن اس کے بعد بھی فتنہ ختم نہ ہوا تھا کیونکہ ان دونوں گروہوں کے پیروکاروں نے ان کے فیصلے پہ اتفاق نہیں کیا۔

جب ابو موسےٰ اشعریؓ حاکمین میں سے ایک مقرر ہو گئے تو اُن سے سوید بن غفلہ نے کہا پہلے تو آپ بنی اسرائیل کے زمانے کی بات کیا کرتے تھے لیکن اب تو دو ثالثوں میں سے آپ خود ایک حکم بن گئے ہیں، آپ اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ لیجیے۔"

یہ سُن کر ابو موسےٰ اشعریؓ نے کہا، کیا مجھے حکم بنا یا گیا ہے؟" سوید بن غفلہ بولے:
"جی ہاں آپ کو۔" یہ سُن کر ابو موسےٰ اشعریؓ نے اپنا کرتہ اُتار پھینکا، پھر بولے:-
"کیا مجھے آسمان کے دو طبقات کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے جب کہ میں آسمان تو کیا زمین کے بارے میں کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے سے قاصر ہوں۔"

جب تحکیم کے بعد سوید بن غفلہ نے ان سے کہا:-
"اے ابو موسےٰ کیا آپ کو اپنا پہلا قول یاد ہے" تو انہوں نے جواب دیا:-
"اللہ کی مرضی۔"

تحکیم کی شرائط اور اجتماع مسلمین کی دعوت

مؤرخین کے مطابق اس بات پہ اتفاق ہو گیا تھا کہ قرآن سے رجوع کے بعد

اس کے اوامر و نواہی پر پورا پورا عمل کیا جائے اور اپنی ذاتی رائے کو حاکمین میں سے کوئی دخل نہ دے، پھر ان کے فیصلے پر جملہ مسلمان عمل کریں۔ بہرکیف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

"میں قرآن کے ایک ایک لفظ پر عمل کرنے کا پابند ہوں لیکن ثالثوں میں سے کسی نے بھی احکام قرآنی کے برعکس فیصلہ کیا تو اس کی پابندی مجھ پر لازم نہیں ہوگی۔"

ثالثوں (حکمین) کی ملاقات کے لیے ماہ رمضان مقرر کیا گیا اور اس میں جو معاہدہ تیار کیا گیا اس میں یہ تحریر کیا گیا کہ ثالثی ماہ صفر کے اواخر ۳۷ھ ہجری میں ہوگی اور یہ کہ جہاں ثالث فیصلے کے لیے دوبارہ ملاقات کریں گے وہ جگہ کوفے اور شام کے درمیانی علاقے میں ہوگی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تاریخ ماہ صفر کے ایک ماہ بعد رکھی گئی تھی۔

اشعث مذکورہ بالا معاہدے کی ایک تصدیق شدہ نقل لے کر خوشی خوشی لوگوں کو دکھاتے پھرتے تھے۔ وہ ایک روز بنی تمیم میں پہنچے جہاں اس قبیلے کے لوگ اور ان کے زعماء جمع تھے، اشعث نے وہ معاہدہ انہیں بھی پڑھ کر سنایا تو ان لوگوں اور اشعث میں دیر تک بحث ہوتی رہی، ان لوگوں میں عروہ بن اذیہ تمیمی بھی موجود تھا، وہ بلال خارجی کا بھائی تھا، اشعث لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ جب تک ثالث کوئی فیصلہ نہ کریں اس وقت تک فریقین یا ان کا کوئی شخص ایک دوسرے کے خلاف تلوار نہ اٹھائے کیونکہ فیصلہ احکام قرآنی کے مطابق ہوگا۔ جس کی پابندی ہر شخص کو کرنی چاہیے۔" اس پر عروہ بن اذیہ بولا "لیکن تم ثالث مقرر کرنے والے اور ان کا فیصلہ لوگوں پر مسلط کرنے والے کون ہو؟ ہم خدا کی حاکمیت کے سوا کسی کا فیصلہ نہیں مانیں گے۔" اس بات پر اشعث اور عروہ کے درمیان جھگڑا ہونے لگا۔ عروہ نے تلوار نکال کر اشعث پر حملہ کر دیا جس میں اشعث کا گھوڑا مارا گیا لیکن وہ بال بال بچ گئے۔ قریب تھا کہ تحکیم کے بارے میں اختلاف پر یمنی اور نزاریوں میں بھی تلواریں نکل آئیں لیکن کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر انہیں اس سے باز رکھا۔ اشعث پر حملے کی وجہ سے بنی تمیم کے ایک شخص نے عروہ بن اذیہ کی مذمت میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔

جنگ صفین کے ایام کی تعداد کا تعین

جنگ صفین کے مقتولین کی تعداد کے بارے میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔

احمد بن دورقی نے یحییٰ بن معین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جنگ صفین میں ایک سو بیس دن کے اندر اندر جو لوگ قتل ہوئے ان کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی جن میں سے

۹۰ ہزار شامی اور بیس ہزار عراقی۔ تھے لیکن حقیقت وہ ہے جو ہشیم بن عدی طائی اور شرقی بن قطامی اور ابی مخنف لوط بن یحییٰ نے بیان کی ہے جسے ہم نے مختلف طریقوں سے تحقیق کرنے پر صحیح پاکر یہاں درج کیا ہے۔

مذکورہ بالا حضرات لکھتے ہیں:۔

"ایک لاکھ پچاس ہزار وہ لوگ تھے جنہوں نے باقاعدہ جنگ میں شرکت کی، ان کے علاوہ ان کے خدام تھے جن کی تعداد پندرہ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ جو لوگ قتل ہوئے ان کی مجموعی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے جن میں سے اہل شام ۴۵ ہزار اور اہل عراق ۲۵ ہزار تھے، یہ تعداد جنگ کے جملہ ایام کے واقعات پر مشتمل ہے، اہل عراق کے ساتھ قتل ہونے والوں میں پچیس بدری صحابہ بھی شامل تھے لیکن یہ تعداد جاننے پہچاننے لوگوں کی ہے غیر معروف لوگ یا وہ لوگ جو فرار ہوتے ہوئے بڑی علاقے میں قتل ہوئے یا دریا میں غرق ہوگئے ان کے علاوہ ہیں نیز اگر ان لوگوں کو بھی شامل کر لیا جائے جن کی لاشوں کی گنتی سے قبل انہیں جنگلی درندے میدان سے اٹھا لے گئے تو صرف مقتولین کی مذکورہ بالا تعداد کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے۔"

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے جنگِ صفین کے مقتولین کی صحیح تعداد کا کس قدر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہزاروں والدین اپنے جوان بیٹوں سے محروم ہوگئے ہوں گے۔ ہزاروں بچے یتیم ہوگئے ہوں گے۔ مذکورہ بالا واقعہ نگاروں نے اپنا چشم دید ایک واقعہ لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے جنگِ صفین کے بعد ایک عورت کو روتے اور بین کرتے ہوئے دیکھا تھا جس کے تین بیٹے اس جنگ میں مارے گئے تھے۔

اعلانِ تحکیم کے بعد

اعلانِ تحکیم کے بعد ساری قوم بھڑک اٹھی، بھائی بھائی سے ناراض اور بیٹا باپ سے ناراض نظر آتا تھا۔ جب یہ معلوم ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوچ کا حکم دیا تاکہ اصل حقیقت کا پتہ چلایا جا سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ ان کے نظم و ضبط کے سلسلے میں اختلافات کیوں پیدا ہوگئے ہیں۔ اعلان تحکیم کا سب سے زیادہ اثر عراقی لشکر میں تھا، انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف نیزے اور تلواریں نکال لیں تھیں اور اس معاملے میں اختلاف رائے کی وجہ سے ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

یہ حالات تھے جب حضرت علی رضؓ کوفے اور معاویہ دمشق پہنچے اور معاویہ کا لشکر بھی ان کے ساتھ شام چلا گیا۔

حروری خوارج

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے پہنچے تو تقریباً بارہ ہزار افراد جن میں کچھ قاری وغیرہ بھی شامل تھے ان سے الگ ہوکر حروراء چلے گئے جو کوفے کے قریب ایک دیہاتی بستی تھی۔ ان کی سربراہی شبیب بن ربعی تمیمی کر رہے تھے اور وہاں پہنچ کر انہیں نماز عبداللہ بن کواء لشکری نے پڑھائی تھی۔ ان کا تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے سے وہاں گئے اور کافی بحث و تمحیص کے بعد انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کوفے چل کر وہاں کے عوام کو اپنے خیالات سے آگاہ کریں اور انہیں بتائیں کہ انہیں کوفہ چھوڑ کر حروراء جانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

یحییٰ بن معین وہب بن جابر بن حازم اور صلت بن بہرام کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب صلت بن بہرام کوفے میں داخل ہوئے تو انہوں نے حروراء سے آتے ہوئے لوگوں کو مسجد میں چیخ چیخ کر یہ کہتے سنا کہ "دنیا کی بدترین بات ہمیں قبول کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے جسے ہم کسی حادثے یا بلا سے کم نہیں سمجھتے، بس ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ حکم دینے والا اللہ ہے۔"

صلت بن بہرام کے مطابق حضرت علی رضؓ منبر سے اعلان فرما رہے تھے: "اللہ کا حکم تو تمہارے پاس موجود ہے لیکن غور سے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے تمہارا منتظر ہے۔" یہ سن کر مجمعے سے کچھ لوگوں نے یک زبان ہوکر یہ آیت تلاوت کی: "ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین"

تو حضرت علی رضؓ نے یہ آیت قرآنی انہیں سنائی: "فاصبر ان وعد اللہ حق، ولا یستخفنک الذین لا یوقنون"

ثالثوں کی ملاقات

ثالثوں یعنی ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن عاص معاہدۂ تحکیم پر عمل کرنے کے لیے دومۃ الجندل میں ایک دوسرے سے ملے۔ یہ ۳۸ سنہ ہجری تھا۔ کچھ لوگ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس سال کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ بہرکیف حضرت علی رضؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ عبداللہ بن عباس اور شریح ابن ہانی ہمدانی کو بھیجا تھا اور ان کے ساتھ چار سو دوسرے آدمی اور کر دیے

تھے۔ اُدھر معاویہ نے عمرو بن عاص کے ساتھ شرجیل بن سمط کو چار سو آدمی دے کر بھیجا تھا۔ جب لوگ دومتہ الجندل میں جوق در جوق ثالثوں کا فیصلہ سُننے کے لیے جمع ہونے لگے تو عبداللہؓ بن عباس نے ابوموسےٰ اشعریؓ سے کہا: "حضرت علیؓ آپ کو ثالث کی حیثیت سے اس لیے قبول کرنے پر راضی نہیں ہوئے ہیں کہ آپ کو دُوسروں پر کسی طور سے فضیلت حاصل ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دوسرے بہت سے لوگ اس سلسلے میں آپ پر فضیلت رکھتے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہلِ عرب آپ کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے، یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ حضرت علیؓ نے لوگوں کے حد درجہ اصرار سے مجبور ہو کر آپ کو اس حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔ اس کے علاوہ چند اور باتیں بھی آپ کے سمجھ لینے اور یاد رکھنے کی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اہلِ عراق کے علاوہ مدینے کے ان تمام لوگوں نے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی پہلے بیعت کی تھی اب حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خلافت کی اہلیت کے لیے جن باتوں کا کسی شخص میں ہونا ضروری ہے وہ سب حضرت علیؓ میں پائی جاتی ہیں جب کہ معاویہ میں ان باتوں کا فقدان ہے، پھر دوسری بات یہ بھی یاد رکھیے کہ عمرو بن عاص بہت چالاک شخص ہے اس کی باتوں میں نہ آجائیے گا، وہ آپ سے وہی باتیں کہے گا جو معاویہ نے اس کے کانوں میں ڈالی ہوں گی۔ وہ باتیں یہ ہوسکتی ہیں کہ وہ تم سے کہے "امیر معاویہ نے آپ کو ثالث کی حیثیت سے ہنسی خوشی قبول کیا ہے جس میں جملہ اہلِ شام شامل ہیں جب کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے آپ کو طوعاً و کرہاً قبول کیا ہے کیونکہ جملہ اہلِ عراق اس کی مخالفت کر رہے تھے اور اُنہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے مان جانے پر آپ کو قبول کیا ہے وہ بھی دل سے نہیں۔" وہ آپ سے یہ بھی کہے گا کہ "آپ کی برائی معاویہ ایک طویل اللسان، فقیر الرائے اور صوت حمار رکھنے والے شخص کی زبان سے سُن چکے ہیں اور یہ بھی کہ سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمرو، عبدالرحمٰن بن عوف زہری اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی وغیرہ جیسے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی بلکہ دُوسرے بہت سے لوگوں کو اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس سے روکا ہے۔" لہٰذا آپ کو یہ سب باتیں ذہن میں رکھ کر عمرو بن عاص کے ساتھ بحیثیت اس ثالث کے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے بیٹھنا ہوگا۔

مذکورہ بالا دونوں ثالثوں کی ملاقات ۳۸ سنہ ہجری کے ماہِ رمضان میں ہوئی، اس سے قبل

عبداللہ بن عباس ابو موسےٰ اشعریؓ کو مندرجہ بالا ساری باتیں سمجھا چکے تھے۔

جب ابو موسےٰ اشعریؓ اور عمرو بن عاص تحکیم کی غرض سے ایک جگہ بیٹھے تو عمرو بن عاص نے کہا :۔

"آپ کچھ فرمائیے جو کلام خیر ہو۔"

ابو موسےٰ بولے :"آپ پہلے کچھ ارشاد فرمائیں۔"

عمرو بن عاص :"بھلا میں آپ جیسی بزرگ شخصیت کے سامنے ابتدائے کلام کیسے کر سکتا ہوں۔ آپ کو نہ صرف سن و سال کی بزرگی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جلیل القدر صحابی ہونے کی حیثیت سے جو فضیلت آپ کو حاصل ہے وہ مجھے کب حاصل ہے ؟ اس کے علاوہ آپ مہمان بھی تو ہیں۔"

ابو موسےٰ اشعریؓ نے اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کے بعد ان کا پاس لحاظ رکھنے پر عمرو بن عاص کا شکریہ ادا کیا، پھر کچھ ایسی باتوں کا ذکر کیا جو اہل اسلام میں متنازعہ ہیں لیکن اسلام ان کا صحیح حل پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد بولے :"اے عمرو ! مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ جو مؤلف القلوب ہو اور لوگوں میں باہمی رشتۂ محبت واُخوت استوار کر دے۔"

عمرو بن عاص نے کہا :"کلام الٰہی ہر بات کے لیے حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اگر ہم اس کی تفسیر کا آغاز غلطی سے کریں گے تو آخر تک غلطیاں کرتے چلے جائیں گے، آپ کلام الٰہی سے کوئی ایسی آیت بتائیے جس کی تفسیر میں ہم غلطی نہ کر سکیں بلکہ ہمارے درمیان اس وقت جو تنازعہ ہے وہ اسے حل کر دے۔"

ابو موسےٰ اشعری بولے :"لکھیے !"

عمرو بن عاص نے کاغذ منگایا اور کاتب کو بلایا۔ واضح رہے کہ وہ کاتب عمرو بن عاص کا غلام تھا اسے عمرو بن عاص نے پہلے سے سکھا پڑھا رکھا تھا کہ ابو موسےٰ اشعری کی بتائی ہوئی کوئی بات براہ راست ہرگز نہ لکھنا لیکن حاضرین مجلس کے سامنے اس نے کاتب سے کہا :۔

"لکھو !"

جب کاتب نے ثالثوں کے نام لکھنے کے لیے پہلے عمرو بن عاص کا نام لکھنا چاہا تو وہ اسے جھڑک کر بولا :۔"تیری ماں مرے ! کیا تو جناب ابو موسیٰ اشعری اور بحیثیت بزرگ ان کے حق سے واقف نہیں ہے ؟ جب تو ثالثوں کے نام لکھے تو پہلے عبداللہ بن قیس لکھنا لیکن سب سے

پہلے اس بات کا خیال رکھ کہ تو ہم میں سے کسی کی بات اس وقت تک نہ لکھنا جب تک ہم اس پر متفق الرائے نہ ہو جائیں۔ پہلے لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس کے بعد لکھو کہ اس تحریر کی ابتدا خدا کے نام سے کرنے کے لیے تجھے ہم دونوں نے حکم دیا ہے۔" چنانچہ کاتب نے پہلے وہی لکھا جو عمرو بن عاص نے اسے لکھنے کے لیے کہا تھا۔ اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے یہ لکھایا :۔

"ہم دونوں گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، محمدؐ اس کے نبی ہیں اور انہیں خدا نے دنیا میں اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔"

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے کہا: "لکھو! ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ———— کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے آخری وقت تک عمل کرتے رہے اور انہوں نے اس ذمہ داری کا حق جو ان پر خدا اور اس کے رسول کی طرف سے عائد تھی بحسن و خوبی ادا کیا۔"

عمرو بن عاص کی زبان سے یہ الفاظ سن کر کاتب نے ابو موسیٰ اشعری کی طرف دیکھا تو وہ بولے: "ٹھیک ہے، جو یہ کہتے ہیں وہی لکھ لو۔"

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہی کچھ لکھنے کے لیے کہا جو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا چکا تھا اور کاتب نے ابو موسیٰ اشعری کے اشارے پر وہ بھی لکھ لیا۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کاتب سے یہ لکھنے کے لیے کہا :۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شوریٰ اور اُمت مسلمہ کی متفقہ رائے سے امورِ خلافت سرانجام دینے کے لیے منتخب ہوئے اور تمام مسلمانوں نے فرداً فرداً ان کی بیعت کی، وہ بھی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرح مومن تھے ....."

عمرو بن عاص کی زبان سے یہ کلمات سن کر ابو موسیٰ اشعریؓ اس کا قطع کلام کرتے ہوئے بولے :۔

"یہ سب غیر متعلقہ باتیں ہیں جن پر گفتگو کرنے کے لیے ہم یہاں جمع نہیں ہوئے ہیں

خصوصاً حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں۔"

یہ سن کر عمرو بن عاص نے کہا: "ارے بھئی! وہ مومن تھے یا کافر، چلو یہ بحث چھوڑو اور صرف اتنا بتاؤ کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) بحیثیت مظلوم قتل کیے گئے تھے یا نہیں؟"

ابوموسےٰ نے جواب دیا: "ہاں وہ بحیثیت مظلوم قتل کیے گئے تھے۔"

عمرو بن عاص نے کہا: اچھا اب بتائیے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینے کے لیے ان کا کوئی ولی تقاضا کرے تو وہ حق پہ ہوگا یا نہیں؟"

ابوموسےٰ اشعری بولے: "یقیناً حق پہ ہوگا۔"

یہ سن کر عمرو بن عاص نے کہا: "تو آپ کاتب سے کہیے کہ وہ لکھے جو آپ تسلیم کرتے ہیں" پھر خود ہی کاتب سے یہ لکھنے کے لیے کہا۔

"ابوموسےٰ اشعری تسلیم کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ بحیثیت مظلوم قتل کیے گئے اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے والی کو ان کے حقوق کا قصاص طلب کرنے کا حق ہے۔"

جب ابوموسےٰ اشعری کا اشارہ پاکر کاتب یہ لکھ چکا تو عمرو بن عاص نے کہا:۔

"میرے نزدیک عثمان رضی اللہ عنہ کا بہترین ولی اور ان کے خون کے قصاص کا طالب معاویہ سے بہتر اور کون ہوسکتا ہے؟"

یہ کہہ کر اس نے ابوموسےٰ اشعریؓ سے پوچھا:۔

"یہ بتائیے کہ کوئی شخص کسی کو قتل کردے اور کوئی اور شخص اسے قتل کرنے کی کوشش کرے لیکن قتل نہ کرپائے تو دونوں کو قاتل سمجھا جائے گا یا نہیں؟"

ابوموسےٰ بولے: "یقیناً سمجھا جائے گا۔"

یہ سن کر عمرو بن عاص نے کاتب سے یہ لکھنے کے لیے کہا:۔

"ہم دونوں کے خیال میں مبیّنہ طور پر علی رضی اللہ عنہ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے اور معاویہ ان کے خون کا قصاص علی رضی اللہ عنہ سے لینے میں حق بجانب ہیں۔"

کاتب، عمرو بن عاص نے جو کچھ اسے لکھنے کے لیے کہا تھا وہ لکھنے لگا تھا کہ ابوموسےٰ اشعری اسے روک کر عمرو بن عاص سے بولے:

اسلام میں مبیّنہ باتوں پہ فیصلہ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم یہاں اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ مسلمانوں میں امن و سلامتی قائم کرنے کا باعث بنیں اور امر خلافت کے

بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کریں، یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ اہل عراق معاویہ کو پسند نہیں کرتے، اس لیے وہ بحیثیت امیر المومنین انہیں قبول نہیں کریں گے۔ اسی طرح اہل شام علی رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کرتے، اس لیے وہ بھی انہیں بحیثیت خلیفہ قبول نہیں کریں گے۔"

عمرو بن عاص نے پوچھا۔" پھر اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

ابو موسیٰ اشعری بولے: میری رائے یہ ہے کہ علی و معاویہ دونوں کے حق خلافت کے دعوے کو ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے امور خلافت کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے۔"

عمرو بن عاص نے کہا:" آپ کے خیال میں ایسا کوئی شخص ہو سکتا ہے؟"

ابو موسیٰ بولے:" عبداللہ بن عمرؓ، وہ اور اس کا باپ دونوں صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میرے نزدیک ان سے بہتر کوئی دوسرا شخص خلافت کے لیے موزوں نہیں ہے۔" واضح رہے کہ عبداللہ بن عمرؓ ابو موسیٰ کے داماد تھے۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے کہا:" سعد کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ابو موسیٰ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد عمرو بن عاص نے کئی اور نام لیے لیکن ابو موسیٰ ہر نام پر نہیں کہتے اور عبداللہ بن عمرؓ کے نام پر اصرار کرتے رہے۔ یہ دیکھ کر عمرو بن عاص نے کاغذ اٹھا کر تہ کیا اور اسے اپنے پاؤں کے نیچے دبا لیا، مہریں وہ پہلے ہی لگوا چکا تھا۔ پھر ابو موسیٰ اشعری سے بولا: اب آپ کی جو رائے ہے اس کے بارے میں حاضرین مجلس کے سامنے کھڑے ہو کر اعلان کر دیجیے۔"

ابو موسیٰ اشعری بولے: بہتر ہے کہ آپ ہی اعلان کر دیں۔" یہ سن کر عمرو بن عاص نے حاضرین کو یوں مخاطب کیا:۔

"مسلمانو! اہل اسلام میں امن و سکون کی خاطر علی (رضی اللہ عنہ) کو خلافت کے لیے ناقابل قبول قرار دیا ہے، وہ عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں لیکن اہل شام انہیں بھی قبول نہیں کریں گے۔" عمرو بن عاص نے کسی قدر ٹھہر کر ابو موسیٰ سے پوچھا: کیا آپ اہل شام سے لڑیں گے؟" ابو موسیٰ بولے:" نہیں۔"

یہ سن کر عمرو بن عاص حاضرین سے دوبارہ یوں مخاطب ہوئے:۔

"میرے خیال میں معاویہ عبداللہ بن عمرؓ سے بہتر ہیں، لہٰذا انہیں کو کیوں نہ خلیفہ بنایا جائے جب کہ ابو موسیٰ پہلے ہی علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لیے نااہل قرار دے چکے ہیں۔

مجمع کے ایک گوشے سے بار بار آوازیں آئیں: "معاویہ بہتر ہیں، معاویہ بہتر ہیں۔" یہ شاید اہل شام کا گروہ تھا۔

یہ سُن کر ابو موسےٰ اپنی جگہ سے اُٹھ کر بولے:

"میں نے علی و معاویہ دونوں کو ناقابل قبول قرار دیا ہے اس لیے میرے خیال میں...."

ابھی ابو موسےٰ اپنی بات پوری نہیں کرنے پائے تھے کہ عمرو بن عاص نے ان کے پہلو میں ایک مُکّہ مارا جس سے وہ گر پڑے۔ یہ دیکھ کر شریح بن ہانی نے عمرو بن عاص کے ایک کوڑا رسید کیا اور مجلس درہم برہم ہوگئی۔ شریح بن ہانی نے ابو موسےٰ اشعریؓ کو مکے پہنچایا جہاں وہ اپنی آل اولاد کے ساتھ عمر بھر وہیں رہے اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھنے کی سعادت کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو موسےٰ اور عمرو نے علی و معاویہ دونوں کو اہل اسلام میں امن و سکون کی خاطر اور انہیں آئندہ جنگ و جدل سے بچانے کے لیے ناقابل قبول قرار دے کر فیصلہ مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیا تھا۔

عمرو بن عاص اور معاویہ

لوگوں کے اس آخری بیان کی خبر جب معاویہ کو ملی تو انہوں نے عمرو بن عاص کو بلا بھیجا لیکن انہوں نے جواب میں لکھا "جب آپ کو میری کوئی خاص ضرورت ہو تو بلا لیجیے گا۔"

یہ جواب سُن کر معاویہ خود عمرو بن عاص کے پاس جا پہنچے، ان کے سامنے فرش پر بیٹھے، بہت سی چاپلوسی کی باتیں کیں، ان کی اور ان کے اہل و عیال کی اپنی طرف سے کئی دعوتیں کیں۔ آخری دعوت کے موقع پر معاویہ نے تخلیے کا حکم دیا، پھر عمرو بن عاص سے بولے! تم میری بیعت کر کے حلف وفاداری کیوں نہیں اُٹھاتے؟ مصر کی گورنری میں تمہیں دے چکا ہوں، اس کے علاوہ اور جو کچھ تم چاہو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔"

یہ سُن کر عمرو بن عاص نے کہا "میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لوں۔"

معاویہ بولے: "میں تمہیں ان سے مشورہ کرنے سے قبل قتل کر دوں گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے میان سے تلوار بھی نکال لی۔

عمرو بن عاص کے لیے جب معاویہ کی بیعت کرنے اور ان کے حق میں حلف وفاداری اُٹھانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تو انہوں نے معاویہ کی بیعت کر لی اور ان کی دیکھا دیکھی ان کے اہل خاندان اور

دُوسرے ساتھیوں نے بھی معاویہ کی بیعت کرلی جس کے بعد معاویہ بزعم خویش خلیفہ بن کر دمشق واپس ہوئے۔

علیؓ اور ان کے اصحاب

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے حشر اور اس سلسلے میں معاویہ اور عمرو بن عاص کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کرکے ان حالات پر روشنی ڈالی جن کی وجہ سے تحکیم کی تجویز ناکام رہی تھی پھر فرمایا کہ آپ نے تحکیم کی تجویز اسی لیے قبول نہیں کی تھی کہ آپ اس کے نتیجے سے واقف تھے پھر آپ نے اپنے حق خلافت کو دُرست ثابت کرنے کے لیے بہت سی مثالیں پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا حکم اپنی جگہ اٹل ہے لیکن اسے سمجھنے کے لیے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آخر میں آپ نے ان سے فرمایا کہ وہ اپنی اپنی قیام گاہوں کو جائیں اور جب لڑائی کا حکم ملے تو اس کے لیے آمادہ و مستعد رہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کے بعد آپ کے شیعوں نے تو آپ کی ہر بات صدقِ دل سے قبول کرلی لیکن کچھ لوگوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور خوارج میں شامل ہو گئے انہیں میں سے بعض لوگ بعد میں معتزلہ بھی کہلائے۔ قریش نے مزید جنگ کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا:۔

"ابو طالب کے بیٹے کی شجاعت میں کوئی کلام نہیں لیکن وہ جنگی داؤں پیچ کے بارے میں بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔"

ہم نے اب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر لوگوں کی بیعت، جنگ جمل، جنگ صفین اور تحکیم کے بارے میں یہاں مصدقہ باتیں لکھ دی ہیں، ویسے ہم ان کی تفصیلات اپنی دوسری کتابوں "المقالات فی اصول الدیانات" اور "اخبار الزمان" میں پہلے پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم انشاء اللہ تعالیٰ جنگ نہروان اور اس کے حالاتِ مابعد اختصار کے ساتھ اگلے باب میں پیش کریں گے،

وَمَا تَوفِیقنَا اِلَّا بِاللّٰہ

باب (۴۵)

جنگِ نہروان اور مقتل محمّد بن ابی بکر صدیق رضؓ اور اُشتر نخعی وغیرہ

نہروان میں خوارج کا اجتماع اور حضرت علیؓ کا ان کی طرف سفر

حضرت علیؓ کو جب نہروان میں خوارج کے اجتماع کا علم ہوا تو آپ نے فوراً اُدھر کا رُخ کیا۔ آپ اپنے لشکر کو پہلے ہی ایک اور جنگ کے لیے آمادہ و مستعد رہنے کا حکم دے چکے تھے۔

نہروان کو مرکز بنانے سے پہلے خوارج نے عبداللہ بن وہب راسبی کی بیعت کر لی تھی اور راسبی کی سربراہی میں وہ مدائن گئے تھے جہاں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عامل عبداللہ بن حباب کو قتل کر دیا تھا، انہوں نے اسے درحقیقت ذبح کیا تھا اور اس کی حاملہ بیوی کا شکم چاک کر دیا تھا، اس کے علاوہ اُنہوں نے اور بہت سی عورتوں کو بھی قتل کیا تھا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے سے اپنے ساتھ ۳۵ ہزار افراد پر مشتمل فوج لے کر چلے تھے بصرے میں آپ کے مقرر کردہ گورنر ابن عباس بھی دس ہزار مزید فوج لے کر آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے۔ ان کی فوج میں احنف بن قیس اور حارثہ بن قدامہ سعدی بھی شامل تھے۔ یہ واقعہ ۳۸ھ ہجری کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرے سے آگے بڑھ کر انبار میں اپنی اس مجموعی فوج کو جہاد کا جوش دلا کر حسب ذیل بڑا مؤثر خطبہ دیا:۔

"جو لوگ پہلے ہی بڑی تعداد میں مہاجرین و انصار کو قتل کر چکے ہیں ان کی طرف جہاد کے لیے بڑھو! وہ لوگ ظالم ہیں اور اللہ تعالے کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے مجھے ایسے لوگوں کے قتل کا حکم دے دیا ہے، ہم انہیں لوگوں کا قلع قمع کرنے جا رہے ہیں، اس سے قبل کچھ گمراہوں سے ہم پہلے ہی نمٹ چکے ہیں جس کے بعد ہمیں ان سے کچھ مطلب نہ ہوگا ماسوا اس کے کہ وہ پھر سر اُٹھائیں تو اسے کچل دیا جائے، فی الحال تم خوارج کی طرف بڑھو، یہ لوگ گمراہی کے لحاظ سے ان سے بھی اہم ہیں کیونکہ یہ دین اسلام ہی کے منکر ہو گئے ہیں، تم وہاں پہنچ کر ان ظالموں اور قاتلوں کو اسی طرح قتل کرو جس طرح یہ لوگ خدا کے بہت سے نیک بندوں کو قتل کر چکے ہیں۔"

مندرجہ بالا خطبے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نہروان کے قریب پہنچے، آپ نے پہلے خوارج کے پاس حارث بن مرّہ کو بطور قاصد روانہ کیا اور ان سے کہلوایا کہ وہ اپنے مذموم عقائد سے رجوع کر کے تائب ہو جائیں لیکن ان لوگوں نے حارث کی کوئی بات سُنے بغیر ہی انہیں قتل کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اُلٹا یہ کہلوایا کہ اگر وہ اپنی حکومت سے دست بردار ہو کر دین اسلام سے انکار کا اقرار کریں تو وہ ان کی بیعت کر لیں گے لیکن اگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور خوارج پر بھی حکومت کے دعوے دار بنے رہے تو پھر وہ لوگ ان سے بری الذمہ ہوں گے جس کے نتائج کے وہ خود (حضرت علیؓ) ذمہ دار ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں پھر کہلوایا کہ "تم نے بہت سے دُوسرے مسلمانوں کے علاوہ میرے قاصد تک کو قتل کر دیا ہے جو ہمارا بھائی تھا، اس لیے اب اس وقت تک جب تک تم اپنے غلط عقائد پر قائم رہے اور سرکشی سے باز نہ آئے میں تمہارا اسی طرح صفایا کر دوں گا جس طرح اہل مغرب کا کر چکا ہوں۔" اس کے جواب میں خوارج نے آپ سے کہلوایا کہ "ہم نے آپ کے قاصد اور اس سے قبل آپ کے دُوسرے ساتھیوں کا قتل جائز سمجھا تھا اور اگر آپ نے جو کچھ ہم نے کہا ہے اس پر عمل نہ کیا تو ہم آپ کے باقی جملہ ساتھیوں بلکہ خود آپ کو بھی قتل کر کے دم لیں گے۔" اس بات چیت کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ خوارج نے نہر طبرستان عبور کر لی ہے اور اس کا پل بھی توڑ دیا ہے، یہ خبر لانے والا قرب وجوار کا کوئی یہودی تھا، اس لیے آپ نے فرمایا: "میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے نہر عبور کی ہوگی نہ اس کا پُل توڑا ہوگا۔" نہروان کی یہ نہر نہر طبرستان کہلاتی تھی اور نہروان کے قریب اس پر جو پُل تھا وہ بھی طبرستان کا پُل کہلاتا تھا کیونکہ یہ جگہ حلوان و بغداد کے درمیان خراسان کے طبرستانی علاقے میں واقع تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے یہ بھی فرمایا کہ "خوارج کا قصد سامنے سے نہر عبور کر کے ہم پر حملہ کرنے کے بجائے کسی اور طرف سے حملہ کرنے کا ہوگا، اس لیے اُنہوں نے پُل کو قطعی طور پر نہیں توڑا ہوگا، لہٰذا تم لوگ ان کے پُل کے عقب سے کسی اور طرف جانے سے قبل ان پر جا پڑو، یقین مانو کہ اس طرح ان کے دس آدمیوں کے سوا ان میں سے ایک بھی نہ بچے گا جب کہ تمہارے دس آدمیوں سے زیادہ اس مقابلے میں کام نہیں آئیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق خوارج رمیلہ کی طرف بڑھتے رہے اور آپ کا اور آپ کے اصحاب کا ان سے وہیں آمنا سامنا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو وہاں دیکھ کر فرمایا:-

"اللہ اکبر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ مجھے ایسے منکرین حق سے لڑنا پڑے گا اور مجھے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا تھا۔" ان کلمات کے بعد آپ نے ان کے پاس آخری بار اپنا ایک آدمی بھیجا اور اس کے ذریعے آپ نے انہیں ان کے کافرانہ عقائد سے توبہ کرنے اور اسلام کی طرف رجوع کرنے کی تلقین فرمائی لیکن ان لوگوں نے آپ کے اس قاصد کو بھی قتل کر دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قاصد کی خون میں نہائی ہوئی لاش آپ کے سامنے لائی گئی تو آپ نے فرمایا:-

"خدا کی قسم اب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ان سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک ان سے ایک ایک بے گناہ مسلمان کے قتل کا بدلہ نہ لے لوں۔" یہ کہہ کر آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اپنے اصحاب کو خوارج پر بے دریغ حملے کا حکم دیا۔

پہلے خوارج کا ایک شخص اصحاب علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف بڑھا اور ان کے ہاتھوں زخمی ہو گیا لیکن گرتے گرتے بھی یہ شعر اس کی زبان پر تھا:

"ان سب کو قتل کر ڈالو، کاش تم علیؓ کو دیکھ لو، وہ سفید عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اس کے سامنے جا کر زبان شعر میں یہ جواب دیا:-

"اے علیؓ کو گمراہ سمجھ کر اس کی شناخت بتانے والے میں نے تجھے انتہائی جاہل اور شقی پایا ہے
اگر تو ان گمراہوں سے الگ ہو جاتا تو اب بھی میری آغوش تیرے لیے وا ہو سکتی تھی"

یہ کہہ کر آپ نے اسے قتل کر دیا۔

اس کے بعد خوارج کی صفوں میں سے ایک اور شخص نکل کر اصحاب علیؓ پر حملہ کرنے کے

لیے آگے بڑھا، وہ انہیں غصّے اور نفرت سے دیکھ کر درج ذیل شعر پڑھ رہا تھا:۔

"ان سب کو قتل کر ڈالو، کاش تم علیؓ کو دیکھ لو، وہ غبن کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں"

حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر اسے بھی زبان شعر ہی میں یہ جواب دیا:۔

"اے گمراہ! دیکھ علیؓ تیرے سامنے ہے کیا تجھے اس کے کپڑے غبن کے نظر آتے ہیں"

یہ کہہ کر آپ نے نیزہ مار کر اس کا سینہ چاک کر دیا اور اسے قتل کر کے نیزہ وہیں چھوڑتے ہوئے فرمایا:۔

"تو نے ابوالحسن کا چہرہ دیکھ لیا اور اس نے بھی تیرا مکروہ چہرہ دیکھ لیا"

ابوایوب انصاری نے زید بن حصن پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، عبداللہ ابن وہب راسبی بھی قتل کر دیا گیا، اسے ہانی بن حاطب ازدی نے قتل کیا، ادھر سے زیاد بن حفصہ اور حرقوص بن زہیر سعدی قتل ہوئے تاہم اصحاب علیؓ میں سے اس جنگ کے آخر تک صرف نو آدمی کام آئے تھے جب کہ خوارج کے چار ہزار افراد میں سے حضرت علیؓ کی پیشگوئی کے مطابق واقعی دس افراد کے سوا کوئی بھی نہ بچا تھا۔

خوارج کے مقتولین میں مخرج ذوثدیہ نامی بھی ایک شخص تھا، حضرت علیؓ نے یہ سمجھ کر کہ ان کے مابا قی لوگوں میں جن کی تعداد دس تھی شاید وہ بھی ہو، اسے بلا بھیجا لیکن تلاش بسیار کے باوجود جب اس کا کہیں پتہ نہ چلا تو آپ کو بہت رنج ہوا، آپ نے مقتولین کے انباروں میں اسے تلاش کرایا اور ایک ایک لاش خوارج کے میسرہ سے لے کر میمنہ تک ادھر ادھر ہٹا کر دیکھی گئی تو اس کی لاش مل گئی۔ جب اسے شناخت کر کے حضرت علیؓ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اس شخص کے بارے میں (نعوذ باللہ) غلط نقل نہیں کیا تھا، تم لوگ اس کی لاش غور سے دیکھو!"

جب مخرج ذوثدیہ کی لاش کو غور سے دیکھا گیا تو اس کے ہاتھوں کی نرمی کا عورتوں کی طرح یہ حال تھا جیسے اس میں ہڈیاں ہی نہ ہوں۔ اس کے علاوہ اس کے بال بھی عورتوں کی طرح تھے اور اس کی پسلیاں بھی انہیں کی طرح حد درجہ نرم و نازک تھیں، واقعی اس کے جسم میں ہڈیوں کا نام و نشان تک نہ تھا، اس کی لاش گوشت کا ایک لوتھڑا نظر آتی تھی اسے اس وجہ سے ذوثدیہ کہا جاتا تھا یعنی بے ہڈی کے گوشت کا ٹکڑا۔ حضرت علیؓ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ ان

کے مخالفین میں ایک شخص مخوج ذوثدیا بھی ہوگا۔ آپ نے اس کی شناخت کی نشان دہی فرمادی جو اس روز حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ قولِ رسولؐ کی صداقت کا یہ مجسّمہ سامنے دیکھ کر آب دیدہ ہوگئے اور گھوڑے سے اُتر کر بارگاہِ خداوندی میں خاک پر پیشانی رکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ سجدے سے سر اُٹھا کر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انہیں (خوارج) کو بہکایا اور سرکشی پر آمادہ کیا گیا تھا جس کا انجام انہوں نے دیکھ لیا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ "انہیں کس نے بہکایا اور سرکشی پر آمادہ کیا تھا؟" تو آپ نے فرمایا: "شیطان اور ان کے نفس امّارہ نے۔"

خوارج کے لشکر کا سامان جمع کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کا اسلحہ اور جانوروں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا لیکن ان کا دوسرا سامان ان کے اہل و عیال کو بھجوا دیا گیا۔

جنگ نہروان کے بعد اصحاب علی منتشر ہو کر عموماً اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے آپ کی مخالفت کا کھلم کھلا اظہار کیا۔

اصحاب علیؓ کا ارتداد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہو کر مُرتد ہوجانے والوں میں سرِ فہرست حارث بن راشد ناجی اور اس کے تین سو ساتھی تھے انہوں نے مُرتد ہو کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ حارث سامہ بن لوئی بن غالب کی اولاد میں سے تھا جو خود حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے تھا۔

بعد میں ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے دلائل پیش کرتے ہوئے جو کچھ کہا اور حضرت علی رضؓ نے ان کا جو جواب دیا ہم اس کا ذکر اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں کر چکے ہیں نیز حضرت علی رضؓ سے اولاد سامہ کے انحراف کی وجوہ پر اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔

مصر میں عمرو بن عاص اور محمد بن ابوبکر کی آمد

عمرو بن عاص معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر ہو کر جب وہاں پہنچے تو محمد بن ابوبکر رضؓ اس سے قبل حضرت علی رضؓ کی طرف سے وہاں کی گورنری کا تقرر نامہ لے کر وہاں پہنچ چکے تھے۔ عمرو بن عاص کے ساتھ معاویہ نے جو تیرہ ہزار آدمی بھیجے تھے ان میں معاویہ بن خدیج اور ابو اعور سلمی بھی شامل تھے۔ عمرو بن عاص معاویہ کے سامنے

مصر روانہ ہونے سے قبل خود اپنے سر کی قسم کھا کر ان کے وفادار رہنے کی قسم کھا چکے تھے۔
جب عمرو بن عاص مصر میں وارد ہوئے تو ان دنوں محمد بن ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اس جگہ قیام پذیر تھے جو مُسنّات کے نام سے مشہور ہے۔ جب عمرو بن عاص نے محمد بن ابوبکرؓ سے جنگ کی ٹھانی تو اپنے ساتھیوں کی جان کی سلامتی کی خاطر میدان سے فرار ہو کر مصر ہی میں کسی جگہ پوشیدہ طور پر ایک گھر میں محصور ہو کر بیٹھ گئے لیکن عمرو بن عاص انہیں تلاش کرتے ہوئے وہاں بھی جا پہنچے اور اس مکان کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ محمد بن ابوبکرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مجبوراً مکان سے نکل کر باہر آئے اور عمرو بن عاص اور ان کے ساتھیوں سے نبرد آزما ہوئے لیکن آخر کار قتل کر دیے گئے۔ عمرو بن عاص نے ان کی لاش گدھے کی کھال میں سلوا کر اسے نذر آتش کر دیا۔ کہتے ہیں جب انہیں گدھے کی کھال میں سلوایا گیا تو ان میں زندگی کی کسی قدر رمق باقی تھی۔ یہ واقعہ مصر میں جس جگہ پیش آیا وہ "کوم شریک" کہلاتی ہے۔

معاویہ کو جب محمد بن ابوبکرؓ کے قتل کی خبر پہنچی تو ان کے سرور و مسرّت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا اور انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا لیکن جب حضرت علیؓ کو مصر میں ان کے قتل کی خبر ملی اور اس کے ساتھ اس پر معاویہ کے اظہارِ سرور و مسرّت کا حال بھی سُنا تو آپ نے فرمایا: "معاویہ کو اس کے قتل پر جتنی خوشی ہے ہمیں اس پر اتنا ہی صدمہ ہے۔ اس صدمے کی کئی وجوہ ہیں سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ وہ ابوبکر جیسے باپ کا بیٹا تھا۔ دوسرے یہ کہ میں بھی اسے اپنا بیٹا سمجھتا تھا کیونکہ وہ میرے بھائی ابوبکرؓ کا بیٹا تھا۔ اس کے علاوہ وہ وقت بے وقت ہر موقع پر ہمارا ساتھ دینے کے لیے آمادہ و مستعد رہتا تھا۔ بہرکیف ہم اس کا حساب اللہ تعالےٰ پر چھوڑتے ہیں۔"

عریش میں اُشتر کی زہر خورانی اور وفات

محمد بن ابوبکرؓ کے قتل کے بعد اُشتر حضرت علیؓ کی طرف سے ایک پورا لشکر اور مصر کی گورنری کا تقرر نامہ لے کر ابھی عریش تک ہی پہنچے تھے کہ معاویہ کو اس کی خبر مل گئی، انہوں نے اس خبر کے ملتے ہی عریش میں اپنے جان پہچان کے ایک دہقان کے پاس اپنا آدمی دوڑا اور اسے انعام و اکرام کے علاوہ یہ لالچ دے کر کہ اس کی زمین کا لگان دس سال کے لیے معاف کر دیا جائے گا اس بات پر راضی کر لیا کہ

وہ اُشتر کو کسی طرح کھانے یا کسی اور چیز میں زہر دے دے ۔ چنانچہ اُس کسان نے اُشتر کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ از راہ کرم و بندہ نوازی اس کے مکان پہ قیام فرمائیں ۔ اُشتر اس کا اس قدر عجز و انکسار اور اصرار دیکھ کر اس کے ہاں ٹھہر گئے ۔ وہ اُس روز روزے سے تھے ۔ جب افطار کا وقت ہوا تو اس دہقان نے ان سے کہا "حکم دیجیے، آپ کے کھانے پینے کے لیے کیا حاضر کیا جائے ؟" اُشتر بولے :" افطار کے لیے تھوڑا سا شہد ملا ہوا پانی کافی ہو گا ۔" اس دہقان نے اُشتر کی سادگی منکسر المزاجی اور اخلاق کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے کے علاوہ اس شہد کی بھی حد سے زیادہ تعریف کی جو وہ فوراً ہی پانی میں ملا کر لایا تھا لیکن اسے پیتے ہی ان کے پیٹ میں اینٹھن ہونے لگی ۔ دہقان ان کے چہرے پہ کرب کے آثار دیکھ کر بولا :" یہ علاقہ قلزم کا شہد ہے، شاید اس میں اس علاقے کے نمکین پانی کا کچھ اثر ہو ۔" دہقان کا جملہ ابھی پورا ہوا ہی تھا کہ اُشتر مالک ایک ابکائی کے بعد مالک حقیقی سے جا ملے ۔

جب اُشتر کے اس طرح قتل کی خبر حضرت علیؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا :" للیدین والفم" یعنی کوئی کوئی انسان اپنے ہاتھوں اور منہ کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا ۔ اس عربی محاورے سے آپ کا اشارہ اس لالچی دہقان کی طرف تھا ۔

معاویہ کو جب اُشتر کی ہلاکت اور اس سلسلے میں اپنی کامیابی کی اطلاع ملی تو وہ بولے :-

" ایسے لوگ ہمارے لیے شہد کی مکھیوں کی طرح خطرناک ہیں ۔" یعنی چمٹ جائیں تو پھر پیچھا نہیں چھوڑتے ۔

اُشتر کے قتل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلامی مقبوضات میں سے اس سال ان کے تین عاملوں نے معاویہ کے خوف سے ان کی خدمت میں مال و زر کے ڈھیر لگا دیے اور ان کے پاس اصفہان سے بھی کافی مال پہنچ گیا ۔ یہ دیکھ کر معاویہ نے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں اس کی اطلاع دیتے ہوئے کہا :-

" جب تم کل صبح سو کر اُٹھو گے تو علی رضی اللہ عنہ کے چوتھے عامل کی طرف سے بھی تمہیں ہدایا (تحائف) موصول ہو جائیں گے ۔ خدا کی قسم میں تمہارا خازن نہیں ہوں ۔" اس آخری جملے سے معاویہ کو یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ عوام ہی کے ایک فرد ہیں اور اپنے آپ کو ان سے کسی طرح بڑھ چڑھ کر نہیں سمجھتے ۔

جنگ صفین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاویہ سے کوئی جنگ تو نہیں ہوئی لیکن

حضرت علی رضؓ کی باقی زندگی تک یہ ضرور ہوتا رہا کہ جب معاویہ ان کے کسی علاقے میں لوٹ مار کے لیے اپنے آدمی بھیجتے تو حضرت علی رضؓ اس کی مدافعت کے لیے اپنے آدمی روانہ کر دیتے۔ معاویہ کی طرف سے اس قبیل کی لوٹ مار اور قتل و غارت کے تفصیلی واقعات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔

جنگِ صفین اور جنگِ جمل کا فرق

جیسا کہ متعدد مدبرین اور اہل الرائے نے بیان کیا ہے جنگ صفین اور جنگ جمل میں فرق یہ تھا کہ جنگ جمل کے اختتام پر حضرت علی رضؓ نے فریق مخالف کے زخمیوں کی طرح اپنے زخمیوں کو بھی کفن نہیں دیا تھا، انھوں نے ہتھیار ڈالنے والوں اور ایسے ہر شخص کو جو اپنے گھر میں خاموش ہو کر بیٹھ جائے جاں بخشی کی خبر پہنچا دی تھی، آپ نے اس جنگ کے اختتام پر اپنے ہر شخص کو اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دے دی تھی اور اس سے یہ کہا تھا کہ جب ضرورت ہوگی اسے بلا لیا جائے گا جب کہ اس کے برعکس جنگ صفین میں آپ نے جنگ بندی کو خوارج کے حد درجہ اصرار پر منظور کیا تھا لیکن اس کے بعد بھی آپ نے اپنے ساتھیوں کو جنگ کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنے کا حکم دیا تھا اور جنگ نہروان بھی اس کے بعد ہی وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جنگ جمل میں نہ تحکیم کا معاملہ اٹھا تھا نہ موافقین و مخالفین میں وہ انتیاز تھا جو جنگِ صفین میں پیدا ہو گیا تھا۔ جنگِ صفین کے بعد فریقین دو مختلف گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک اپنے سربراہ کو مستحق خلافت سمجھ کر اپنا امام ماننے لگا تھا اور اس کے ہر حکم کو فرض سمجھ کر بجا لاتا تھا اسی طرح دوسرا گروہ اپنے سربراہ کو اپنا امام مان کر اس کے ہر حکم کی اتباع اپنا فرض سمجھنے لگا تھا جس کے اسباب کی تشریح یہاں طول عمل ہو گی، دوسرے ہم نے ان پر اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیلی گفتگو کی ہے، اس لیے یہاں اس کا اعادہ تحصیل لاحاصل ہو گا۔

باب (۴۶)

ذکر مقتل امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قتل پہ مامور کیے جانے والے لوگ

سنہ ۴۰ ہجری میں خوارج کی ایک جماعت مکے میں جمع ہوئی۔ لوگوں سے تو انہوں نے یہ کہا کہ وہ فتنہ و فساد یا جنگ و جدل کے لیے وہاں جمع نہیں ہوئے ہیں لیکن خفیہ طور پر انہوں نے تین افراد کو حضرت علی رضؓ، معاویہ اور عمرو بن عاص کے قتل کی ذمہ داری سونپی۔ ان تینوں نے قسم کھا کر عہد کیا کہ وہ لامحالہ اس شخص تک ضرور پہنچیں گے جس کے قتل پہ انہیں مامور کیا گیا ہے، اسے قتل کر دیں گے یا خود قتل ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر عبدالرحمٰن بن ملجم کو مامور کیا گیا، معاویہ کے قتل کا حکم حجاج بن عبداللہ صریمی کو دیا گیا جو "برک" کے لقب سے مشہور تھا اور عمرو بن عاص کے قتل کی ذمہ داری بنی عنبر کے غلام زادویہ کو سونپی گئی۔ مذکورہ بالا تینوں اشخاص کے قتل کے لیے ان تینوں نے خود ہی (علی الترتیب) اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور عہد کیا تھا کہ وہ انہیں قتل کیے بغیر نہیں رہیں گے۔ اس کے بعد یہ طے پایا کہ مذکورہ تینوں اشخاص کو ماہ رمضان کی سترھویں شب کو قتل کیا جائے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس قابل مذمت کام کے لیے ماہِ رمضان کی گیارہویں شب طے پائی تھی لیکن ان تینوں میں سے کسی کو سترھویں شب تک موقع نہیں ملا تھا۔

ابن ملجم و قطام

جب عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے موعودہ کام یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا دل میں ارادہ لے کر مکے سے کوفے پہنچا تو پہلے اپنے چچا کی بیٹی قطام کے پاس گیا۔ اس کے باپ اور بھائی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ نہروان

میں قتل کر دیا تھا۔ وہ اپنے بے مثال حسن و جمال کی وجہ سے سارے عرب میں مشہور تھی۔ ابن ملجم نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو وہ بولی: "میں اس شخص سے نکاح کروں گی جو میرے تین سوال پورے کرے گا۔" ابن ملجم نے کہا: آج تک میں نے تیرا کوئی سوال رد کیا ہے؟ تو اپنے سوال بتا۔" قطام بولی:۔ پہلا سوال یہ ہے کہ نکاح سے قبل میں تین ہزار دینار لوں گی، دوسرا سوال یہ ہے کہ مجھ سے نکاح کے خواہش مند کو مجھے ایک غلام خرید کر دینا پڑے گا اور میرے اور اس کے شایانِ شان گزارے کے لیے ایک معتدبہ رقم بھی دینا ہوگی، تیسرا سوال یہ ہے کہ نکاح سے قبل وہ علی بن ابی طالب کو قتل کر دے، بس یہ میرا مہر ہے۔"

قطام کے مندرجہ بالا سوالات سن کر ابن ملجم بولا:۔

تیرے پہلے دو سوال تو ایسے نہیں جنہیں میں پورا نہ کر سکوں لیکن تیسرا سوال ایسا ہے کہ اس کے بجائے اگر تو مجھ سے ایک لاکھ دینار بھی مانگتی تو اس کی ادائیگی میرے لیے آسان ترین بات ہوتی۔"

قطام ابن ملجم پر اپنے جان لیوا تبسم کی بجلیاں گراتی ہوئی بولی:۔

"میرا یہ تیسرا سوال ہی سب سے زیادہ اہم ہے جس کے پورا ہوئے بغیر میں کسی کو بھی اپنے ساتھ جسمانی قربت کی اجازت نہیں دے سکتی یعنی اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو مفت کی شیخیاں بگھارنا چھوڑ دو۔ ویسے بھی اگر تم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس سے بہتر تمہارے لیے دنیا میں کوئی اور کارِ خیر کیا ہوگا۔"

ابن ملجم بولا:۔

"میں تو تجھے آزما رہا تھا ورنہ میں مکے سے چل کر کوفے تک (نعوذ باللہ) اسی کارِ خیر کے لیے آیا ہوں۔"

یہ کہہ کر ابن ملجم قطام کے پاس سے درج ذیل اشعار پڑھتا ہوا اُٹھا:۔

"تین ہزار دینار، ایک غلام، دوسرا سامان اور مسموم تلوار سے علی (رضی اللہ عنہ) کا قتل
علی رضی کے قتل سے زیادہ مہر اور کیا ہوگا اور ہونا بھی تو ابن ملجم کے لیے کوئی بات نہ تھی"

راستے میں ابن ملجم کو خوارج میں سے ایک بہت ہی بہادر شخص شبیب بن نجدہ ملا۔ اس نے کوفے میں ابن ملجم کی آمد کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: "دین و دنیا کی بھلائی سمیٹنے۔"

شبیب نے دریافت کیا: "وہ کیا ہے؟"

ابن ملجم نے جواب دیا: "علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کا قتل۔"

یہ سُن کر شبیب حیرت سے بولا: اس شخص کا قتل جو دنیا میں سب سے زیادہ لاتعلق اور بے نیاز ہے، اس کے علاوہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تربیت و صحبت یافتہ بھی ہے۔"

ابن ملجم نے کہا: "یہ سب کچھ سہی لیکن دنیا میں وہی ایک شخص ہے جس نے خدا کے حکم پہ عوام الناس کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ہمارے بھائیوں کو نماز پڑھتے ہوئے قتل کیا ہے، ہم تو اپنے سینکڑوں بھائیوں کے بدلے میں صرف اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

جب ابن ملجم مسجد اعظم میں پہنچا تو قُطّام بھی وہاں موجود تھی۔ وہ ماہ رمضان کی تیرھویں شب سے اعتکاف کے بہانے سے مسجد کے ایک گوشے میں پردہ ڈالے بیٹھی تھی۔ ابن ملجم نے ہلکی سی دستک دے کر اُسے اپنی مسجد میں آمد کا اشارہ کیا۔ اس نے آہستہ سے پردے میں جھانک کر قطام کو یہ بھی بتایا کہ مجاشع بن وردان بن علقمہ بھی ان دونوں کا شریک کار ہوگیا ہے۔ قُطّام نے انہیں پردے کے اندر بُلا کر ان کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر اور اُبھارا اور وہ خوش ہوتے ہوئے اپنی اپنی تلوار اُٹھا کر اسی طرح آہستہ سے پردے سے باہر آگئے اور باب سدّہ پہ جا کھڑے ہوئے جہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ اشعث نے ان سے کہا کہ کیا وہ صبح کا مذاق اُڑانے آئے ہیں۔ جب انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو حُجر بن عدی اسے سُن کر بولے: "تم انھیں قتل کرو گے خدا تمہیں غارت کرے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ حسب دستور لوگوں کو بیدار کرنے اور انہیں مسجد میں بلانے کے لیے ان کے دروازوں پہ دستک دیتے ہوئے مسجد کی طرف بڑھے۔ جب آپ حسب معمول باب سدّہ سے مسجد میں داخل ہونے لگے تو اس وقت مؤذن اذان دے رہا تھا۔ ابن ملجم نے موقع پا کر آپ کے سر پہ تلوار کا بھرپور وار کیا اور مجاشع بن وردان نے آپ کے سینے پہ تلوار ماری۔ یہ دیکھ کر ہر طرف سے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی اور کچھ لوگ آگے بڑھ کر قاتلوں کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ مجاشع بن وردان لوگوں کی بھیڑ میں گھس کر چھپتا چھپاتا کسی

طرف بھاگ کر غائب ہوگیا۔ ابن ملجم نے بھی تلوار گھما کر بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن کچھ لوگوں نے اپنی جان پر کھیل کر اسے پکڑ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر مہلک زخم آیا تھا۔ آپ کے بڑے فرزند حضرت حسن نے ابن ملجم کو قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی لیکن آپ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ اس کا فیصلہ شرعی عدالت کرے گی لیکن مجاشع بن وردان کو گھیر گھار کر پکڑ لائے اور اس سے سوالات کرنے لگے۔ شبیب نے اس کے پہلو سے عبا اٹھائی تو وہاں تلوار چھپی نکلی، عبداللہ بن نجدہ اس کے بھائیوں میں سے تھا۔ اس نے مجاشع سے اس طرح تلوار چھپانے کا سبب پوچھا لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ یہ دیکھ کر خود عبداللہ نے اسے قتل کر دیا۔

کہتے ہیں کہ اس روز یعنی شب گزشتہ کو رات بھر نیند نہیں آئی تھی اور آپ اپنی خوابگاہ میں صبح تک ٹہلتے رہے تھے۔ آپ کی خواب گاہ کے نزدیک ترین کمرے میں موجود کچھ خواتین نے جو آپ کا یہ اضطراب محسوس کر رہی تھیں آپ کو یہ کہتے سنا تھا "میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ہرگز جھوٹ نہیں بولا، یہ وہی رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

اپنی وفات سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دو بیٹوں حسن و حسین کو بلا کر وصیت کی تھی۔ آپ کے یہ دونوں بیٹے بھی جیسا کہ اکثر ثقہ اور اہل الرائے کا اس پر اتفاق ہے آیۂ تطہیر میں اللہ تعالٰے کے مخاطب تھے۔

حضرت علی رضؓ کی اپنی اولاد کو وصیت

ضربت کے تیسرے روز جو آپ کی وفات کا دن تھا لوگ حضرت علی رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ آپ نے دنیا کا مال و زر تو ترکے میں چھوڑنے کے لیے کبھی جمع نہیں کیا، لہٰذا لوگوں کو یہی حکم دے دیں کہ وہ آپ کے بعد خلافت کے لیے آپ کے بیٹے حسن کی بیعت کر لیں۔" لوگوں کی اس درخواست کا جواب آپ نے یہ دیا:۔

"نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں، میں حضور حق اس طرح جانا چاہتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے یعنی خلافت کے لیے کسی کو نامزد کیے بغیر۔" اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹوں حسن و حسین اور محمد حنفیہ کو بلایا اور حسن و حسین کو قریب بلا کر درج ذیل وصیت فرمائی:۔

"خدا کی وحدانیت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہمیشہ تقوے و طہارت پر قائم رہنا، دنیا تم سے

کھینچے تو تم بھی اس سے کھینچے رہنا، دنیا کی کوئی شے تمہیں نہ ملے تو اس کی پروا نہ کرنا، ہمیشہ حق بات کہنا، یتیموں پر رحم کرنا، کمزوروں کی مدد کرنا، ظالموں کے دشمن اور مظلوموں کے مددگار رہنا اور دنیا کی طرف سے ملامت کی پروا نہ کرنا۔"

اس کے بعد وہ محمد حنفیہ کی طرف نگاہ اٹھا کر بولے:۔

"تم نے حسن وحسین کے حق میں میری وصیت سُنی؟ پھر فرمایا:" تمہارے لیے بھی میری یہی وصیت ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ اپنے بھائیوں کی عزت وحرمت کا ہمیشہ خیال رکھنا، ان کا ہر حکم ماننا، ان کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کرنا۔" پھر حسنؓ وحسینؓ سے فرمایا:۔

"تمہارے لیے بھی میری اس بھائی کے حق میں یہی وصیت ہے کہ اس کا ہمیشہ خیال رکھنا یہ تمہاری تلوار اور تمہارے باپ کا بیٹا ہے، اس کا ہمہ وقت خیال رہے۔"

اس کے بعد لوگوں نے آپ سے دوبارہ پوچھا:۔

"اور ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

آپ نے فرمایا:" وہی جو میں پہلے کہہ چکا ہوں یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے معاملے میں آپ کو بغیر کسی خاص حکم کے چھوڑا تھا، میں بھی تمہیں اسی طرح چھوڑ جاؤں گا۔"

آپ سے پوچھا گیا:" خدا کے سامنے حاضر ہو کر آپ کیا کہیں گے؟"

اس کا جواب آپ نے یہ دیا:" میں اس سے یہ عرض کروں گا کہ جب تک تو نے مجھے اُمتِ محمدی میں زندہ رکھا میں زندہ رہا اور جب تو نے مجھے اپنے پاس بُلایا میں حاضر ہو گیا، میرے بعد تو چاہے تو اسے فتنہ وفساد میں مبتلا رکھے یا اس کی اصلاح کر دے یہ تیری مرضی پر موقوف ہے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:" بخدا یہ ویسی ہی رات ہے جیسی رات میں یوشع بن نون کو تلوار سے زخمی کیا گیا تھا، انہیں بھی سترھویں تاریخ کو زخمی کیا گیا تھا اور اکیسویں کو انہوں نے وفات پائی تھی۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ اور سنیچر کو زندہ رہے اور اتوار کے روز آپ نے وفات پائی۔ آپ کو مسجد کوفہ کے قریب رحبہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کے مدفن کے بارے میں لوگوں کی اختلافی آرا ہم زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔

آپ کا سال وفات اور آپ کے اوصاف

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۶۲ سال تھی لیکن بعض لوگ ۶۲ سال بتاتے ہیں۔ جہاں تک آپ کے اوصاف کا تعلق ہے حضرت حسن نے آپ کی وفات کے بعد ارشاد فرمایا:۔

جس شخص نے آج رات وفات پائی ہے اس سے پہلے بنی آدم میں کوئی آدمی فضیلت نبوّت کے سوا سبقت نہ لے جاسکا اور نہ اس کی مرتبت و منزلت کو اس کے بعد کوئی پاسکے گا، جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہیں کسی موقع پر جنگ کا حکم دیتے تھے تو جبریلؑ ان کے داہنی جانب چلتے تھے اور اس وقت تک ان کے ساتھ رہتے تھے جب تک انہیں اس جنگ میں فتح حاصل نہ ہو جاتی۔

حضرت حسنؓ نے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سات تکبیروں سے پڑھائی کچھ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

آپ کا ترکہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت سوائے سات سو درہم کے سونے یا چاندی کا کوئی سکّہ نہیں چھوڑا تھا، یہ معمولی رقم بھی آپ نے عطیات میں سے اپنے اہل خانہ کے لیے ایک غلام یا خادم خریدنے کے لیے بچا رکھی تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے اہل خانہ کے لیے ترکے میں دو سو پچاس درہم قرآن پاک کی ایک جلد اور اپنی تلوار چھوڑی تھی۔

ابن ملجم سے لوگوں کا سلوک

جب لوگوں نے ابن ملجم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو عبد اللہ ابن جعفر نے ان سے کہا:۔

"اسے میرے سپرد کر دو، میں اس کے ساتھ اپنے حسب منشا برتاؤ کروں گا۔"

لوگوں نے عبد اللہ ابن جعفر کی یہ درخواست منظور کر لی تو انہوں نے پہلے ابن ملجم کے ہاتھ کاٹے، پھر ٹخنوں سے اس کے پاؤں کاٹ دیے، پھر اس کے جسم کے اس طرح ٹکڑے کیے کہ وہ گوشت کا ایک لوتھڑا رہ گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر عبد اللہ بن جعفر نے کہا:۔

"اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، اس نے انسان کی تخلیق تجسیم ایک لوتھڑے سے کی، اب دیکھو اس کے حکم سے (ابن ملجم کے جسم کی طرف اشارہ کر کے) ایک انسان پھر از سر نو ایک لوتھڑے ہی میں تبدیل ہو گیا ہے۔" پھر انہوں نے اس لوتھڑے کی طرف منہ کر کے کہا:۔

اب اپنے چچا سے کہہ کہ تیری آنتیں اُٹھا کر گھر لے جائے۔" تاہم لوگوں نے اس لوتھڑے کو اُٹھا کر تیل میں ڈال دیا اور تیل کو آگ لگا دی۔ اس طرح وہ لوتھڑا جل کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ بہر کیف عمران بن حطّان رقاشی نے ابن ملجم کی ضرب کاری کی تعریف میں کچھ شعر کہے جن کا جواب زبان شعر ہی میں قاضی ابوطیب طاہر شافعی نے دیا۔ قاضی ابوطیب کے اشعار کی تضمین بھی بہت سے عرب شعراء نے کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر متعدد عرب شعراء نے مرثیے کہے جو آج تک زبان زد خاص و عام ہیں۔

خارجیوں کو سرزمین عرب میں کبھی کسی نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا یہاں تک کہ مصر میں بھی عمرو بن عاص نے زادویہ خارجی کو جو وہاں پہنچ کر عمرو بن بکر تمیمی کے نام سے عمرو کی بارگاہ میں رسائی حاصل کر کے مصر کا قاضی بن بیٹھا تھا، اس کی مسند پر بیٹھا کرتا تھا اور اس کی طرف سے اسے خوش کرنے کو لوگوں میں کھانا تقسیم کیا کرتا تھا یہ معلوم ہونے کے بعد کہ اسے خوارج نے عمرو بن عاص کے قتل پر مامور کیا تھا اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا تھا۔ عمرو بن عاص نے اس کے علاوہ اور کئی دوسرے خوشامدی اور مکار خارجیوں کو قتل کرا دیا تھا لیکن معاویہ نے یہ جاننے کے باوجود کہ خوارج نے ایک مشہور خارجی حجاج بن عبداللہ صریمی کو جو عام طور سے "برک" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا خود اس کے (معاویہ کے) قتل پر مامور کیا تھا، جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ زندہ رہے کسی نہ کسی خارجی کو اس لیے کوفے بھیجتا رہا کہ وہ وہاں جا کر ان خارجیوں کا ماتم کرے جنہیں حضرت علی رضؓ نے جنگِ نہروان میں قتل کر دیا تھا۔

حضرت علی رضؓ ان کے مکر و فریب سے واقف تھے اور جب لوگوں نے آپ کو اس طرف توجہ دلائی تو آپ نے یہی فرمایا تھا کہ "وہ لوگ جھوٹ نہیں کہتے۔" لیکن آپ نے صبر و تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے ان خارجیوں سے درگزر کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ ہم آپ کے اس صبر و تحمل پر نیز آپ کے زہد و تقوےٰ اور سادہ زندگی پر اگلے باب میں گفتگو کریں گے۔

وما توفقنا الا باللہ۔

حضرت علی کی سادہ زندگی، زہد و تقویٰ کا ذکر اور آپ کے کچھ اقوال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سادہ زندگی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں بھی کبھی کوئی نیا کپڑا زیب تن نہیں فرمایا، صرف بے جا سے اجتناب کا یہ حال تھا کہ موٹے سے موٹا اور سستے سے سستا کپڑا بھی آپ نے ضرورت سے زیادہ کبھی نہیں خریدا بلکہ اس میں اس قدر احتیاط تھی کہ ہر لباس آپ کے جسم پر تنگ نظر آتا تھا اور دین داری کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کوئی چیز خریدنے سے قبل دکان دار کی دیانت داری کی تصدیق فرما لینا ضروری سمجھتے تھے۔

آپ کے ان خطبات کی تعداد جو لوگوں کو یاد رہ گئے ہیں کم سے کم چار سو ہے، ان میں اسی سے زیادہ خطبات ایسے ہیں جو آپ نے فی البدیہہ ارشاد فرمائے تھے، آپ نے جو بھی ارشاد فرمایا اس پر خود بھی ہمیشہ عامل رہے۔

ممتاز ترین شخصیت لوگ آپ کو خیار العباد یعنی مخیر حضرات میں ممتاز ترین شخصیت کہہ کر یاد کرتے تھے۔ آپ کا قول ہے، جب تم سے کوئی نیکی سرزد ہو تو اسے خدا کی دین سمجھو، کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے آگے استغفار کرو جب کسی کو کچھ دو تو خدا کا شکر ادا کرو، جب کوئی مصیبت آئے تو اسے معاف کر دو۔

دُنیا کا حال آپ کے بقول دنیا حقائق اور صداقتوں کا گھر ہے لیکن صرف اسی شخص کے لیے جو اس کی دریافت اور تصدیق پر قادر ہو، یہ اس شخص کے لیے بھلائی کی جگہ ہے جو اس سے کم سے کم حصول کا خواہش مند ہو، یہ خدا کو محبوب رکھنے

والوں کی مسجد اور ملائکہ باری تعالیٰ کا مصلّٰی ہے ، یہ وحی الٰہی کا مہبط اور اس کے اولیاء کے لیے نفع بخش ہے ، اس میں رحمت الٰہی کے حصول کی کوشش کرو ، جنت کی خوشیاں اسی میں تلاش کرو جس نے دنیا کو بُرا کہا و ہ جیتے جی اذیّت میں مبتلا اور اسے چھوڑتے وقت گریہ و زاری کا شکار رہا۔
جو لوگ دنیا کی مدح کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی اور دُوسرے اہل دُنیا کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔" یہ لوگ دُنیا حاصل کرنے کے بعد اس پر مغرور ہو جاتے ہیں اور اس کا خیال نہیں کرتے کہ دُنیا نے ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیا ہے ، وہ انجام کار اس کی لائی ہوئی بلاؤں سے واقف نہیں ہوتے یا واقف ہونا نہیں چاہتے ، دنیا نے تمہارے آبا کو بلاؤں سے کبھی محفوظ رکھا ہے یا تمہاری ماؤں کو تہِ خاک جانے سے روکا ہے ؟ جن برائیوں اور امراض کی دوا تم طبیبوں سے لینا چاہتے ہو ان کا علاج خود تمہارے ہاتھ میں ہے ، میں کہتا ہوں دُنیا کی برائیاں اور بھلائیاں تمہارے قبضۂ قدرت میں ہیں یعنی ان کا سبب تم خود ہو آج ان تمام باتوں پر غور کر لو ، کل پچھتانے اور نالہ و فریاد سے کچھ حاصل نہ ہوگا ، میں نے تمہیں دنیا کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے بہتر اب شاید ہی کوئی بتا سکے۔
دنیا کے بارے میں آپ کی اس پُر مغز گفتگو کے علاوہ آپ نے اس سلسلے میں اپنے مخاطب لوگوں سے جو کچھ فرمایا وہ یہ ہے:-
" چونکہ دُنیا بھلائیوں اور بُرائیوں کے امتزاج کا نام ہے اور اس کا تعلق خود تمہارے اعمال سے ہے اس لیے وہ کام کرو جو آخرت میں تمہارے لیے جزائے خیر کا سبب بن سکیں ، تم ابنائے دنیا نہ بنو بلکہ دنیا میں زہد و تقوے اختیار کر کے آخرت کے لیے طالب خیر بنو ، زاہد دنیا میں اپنے لیے جو بساط پسند کرتے ہیں وہ فرشِ خاک ہوتی ہے ، جو لوگ جنت کی تمنا رکھتے ہیں وہ شہوات سے دُور رہتے ہیں اور جو لوگ آتشِ دوزخ سے بچنا چاہتے ہیں وہ محرّمات سے گریز کرتے ہیں ، تم بھی ایسا ہی کرو۔"
آپ نے اپنے بیٹے حسن سے فرمایا :-
" بیٹے ! اگر تم دُنیا سے مستغنی رہنا چاہو تو دوسروں کے لیے اس استغنا کی تصویر بن جاؤ ، دنیا کی خواہش کم سے کم کر ، جو کچھ دُوسروں کو دو اس میں دریا دلی کا مظاہرہ کرو کہ امانت اسی کا نام ہے۔"
ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا احوال دریافت کیا

تو آپ نے فرمایا :۔
جو کچھ خدا دیتا ہے کھا لیتا ہوں اور موت کا منتظر رہتا ہوں ۔"
اس نے پوچھا : "دُنیا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟"
آپ نے جواب دیا " اس کے بارے میں کیا پوچھتے ہو جس کی ابتدا غم اور جس کی انتہا موت ہے ، جو شخص اس سے مستغنی رہنا چاہے وہ فتنوں کا شکار ہو جاتا ہے ، جو طالب فقر ہو اس کے نصیب میں غم ہی غم ہے ، دنیا کے حلال کا بھی حساب ہو گا اور حرام کا نتیجہ عقوبت ہے ۔" اس نے پوچھا : سب سے بہتر کون اشخاص ہیں ؟"
آپ نے فرمایا " مدفون لوگ کہ دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد اور ثواب آخرت کے منتظر ہیں ۔"

معاویہ کے سامنے حضرت علیؓ کے اوصاف کا بیان

ضرار بن ضمرہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص لوگوں میں سے تھا ایک دفعہ وفد لے کر معاویہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس سے کہا :۔
"علی (رضی اللہ عنہ) کے اوصاف بیان کرو ۔"
ضرار بولے : " یا امیر المومنین ! مجھے اس سے معاف رکھیں ۔"
معاویہ نے کہا " تمہارے لیے یہ بات ناگزیر ہے ۔"
ضرار بولے : " اگر ناگزیر ہے تو سُنیئے کہ وہ نشۂ امارت سے دُور اور قوت میں بہت زیادہ ہیں ۔"
باتیں بہت کم کرتے ہیں اور ہمیشہ عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں ، ان کے دونوں پہلوؤں سے علم طلوع ہوتا ہے اور ان کے اطراف حکمت مصروف گفتگو رہتی ہے ، بہت معمولی کھانا انہیں پسند ہے اور وہ لباس کے لیے کم سے کم کپڑا استعمال کرتے ہیں ، جب ہم ان سے کچھ کہتے ہیں تو ہماری بات سنتے ہیں اور جو کچھ ان سے مانگتے ہیں وہ ضرور دیتے ہیں ، ان کی ہر تقریب ہمارے لیے ہوتی ہے اور ان کی قربت ہم سے ہے ، ہم بات کرنے میں ان سے خائف نہیں ہوتے نہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ خود کو ہم سے بڑا سمجھ رہے ہیں ، جب وہ مسکراتے ہیں تو ان کے دندان مبارک سلک مروارید نظر آتے ہیں ، وہ دین داروں کا احترام کرتے ہیں اور مسکینوں پر رحم کرتے ہیں ، یتیموں اور مسکینوں میں بیٹھ کر کھانا کھانے سے انہیں

عار نہیں ہے، ننگوں اور غریبوں کے لیے لباس مہیا کرتے ہیں، دنیا اور دنیا کی چمک دمک سے انہیں وحشت ہوتی ہے، وہ رات کو اور اس کے اندھیرے کو پسند کرتے ہیں، میں نے تو انہیں نصف شب سے لے کر غروب نجوم تک اکثر محراب مسجد میں ایستادہ یا سربسجود دیکھا ہے اور رو رو کر یہ کہتے سنا ہے: اے دُنیا! کسی دنیا دار کے سامنے جا کر غرور کا اظہار کر، تو میرے پاس آ کر کیا لے گی، تیری چمک دمک کی بساط ہی کیا ہے اور تجھے قرار ہی کب ہے؟ ابنائے دنیا تین ہوتے ہیں اور میں ان میں سے ایک بھی نہیں ہوں، تیرا عیش و آرام حقیر اور تیری عمر کم ہے، وہ شخص قابل افسوس ہے جس کا زادِ سفر کم، سفر طویل اور راستہ پُر آشوب ہو۔"

حضرت علیؑ کا مزید کلام

معاویہ نے ضرار سے کہا: ان کی کچھ اور باتیں مجھے سنائیے۔"
ضرار نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: انہوں نے ایک خطبے کے دوران فرمایا:-

"مجھے یہ سوچ کر تعجب ہوتا ہے کہ انسان کے جسم میں دل کا حجم کیا ہے اور اس کے دماغ میں حکمت کی مقدار کتنی ہے اور انسان کے نقائص و فضائل میں توازن کی صورت کیا ہے! جب وہ اُمید کا دامن تھامتا ہے تو اس کا جھکاؤ حرص کی طرف ہو جاتا ہے جو اسے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے جب وہ قنوطیت کا شکار ہوتا ہے تو افسوس کرتے کرتے نہیں تھکتا۔ وہ غصّے کی حالت میں حد سے گزر جاتا ہے اور جب راضی برضا ہوتا ہے تو تحفظ کا خیال تک چھوڑ دیتا ہے۔ جب وہ خائف ہوتا ہے تو جزع و فزع میں مبتلا ہو جاتا ہے، جب خرچ کرنے پہ آتا ہے تو ہاتھ نہیں روکتا اور آخر کار نقصان میں رہتا ہے، بھوک کی کش مکش اسے کمزور سے کمزور تر کر دیتی ہے، اظہار شجاعت میں اس کی بھوک اور اس کا پیٹ حائل ہو جاتا ہے، الغرض تفریط اس کے لیے ہمیشہ نقصان دہ اور افراط فساد انگیز ثابت ہوتی ہے۔"

معاویہ نے اس کے بعد کہا:-

ان کے کچھ اور اقوال بیان کرو؟

ضرار بولے: "معاف کیجیے، جو کچھ میں نے بذاتِ خود ان سے سُنا وہ آپ کو سُنا چکا ہوں البتہ ایک روز انہوں نے کمیل بن زیاد کو میری موجودگی میں جو نصیحت فرمائی وہ عرض کیے دیتا ہوں۔"

معاویہ بولے: "چلو وہی سناؤ۔"

ضرار نے کہا: "انہوں نے ایک روز کمیل بن زیاد سے فرمایا کہ "اس شخص کی حمایت کرو جو صرف اللہ تعالےٰ کے سامنے جھکے اور اس کا رحم و کرم اللہ تعالےٰ کے لیے ہو، اس پر ظلم کرنے والا اللہ کا دشمن ہوتا ہے، میں تمہیں ایسے شخص سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں جس کا خدا کے سوا کوئی مددگار نہ ہو۔"

اس کے بعد ضرار چند لمحے خاموش رہ کر بولے: اور ہاں میں نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا ہے کہ "یہ دُنیا جس قوم پر مہربان ہوتی ہے اسے کچھ عرصے کے لیے کسی دوسری قوم کی اچھی خوبیاں بخش دیتی ہے اور جب کسی قوم سے رُخ پھیرتی ہے تو اس کی اپنی خوبیاں سلب کر لیتی ہے۔" پھر بولے: آپ نے ایک روز یہ بھی فرمایا:۔

"مجھے اس مال دار آدمی پر افسوس ہے جو صبر کرنے والوں کا احترام نہیں کرتا۔" اور ایک اور موقع پر یہ بھی فرمایا کہ "مومن کے لیے یہی غنیمت ہے کہ اس کی نگاہ عبرت آموز، اس کا سلوک فکر انگیز اور اس کا کلام پُر حکمت ہو۔"

جعفر بن ابی طالب طیارؓ کو جب شام کے قریب موتہ میں قتل کر دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بوجوہ وہاں نہیں بھیجا، بس درج ذیل آیۂ کریمہ پڑھ کر خاموش ہو گئے۔

(رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ)

جنگ اُحد میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مشرکین کے ایک جتھے کو منتشر اور تلوار کے گھاٹ اُتار کر اپنی صفوں کی طرف پلٹے تو جبریل علیہ السلام نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "یا محمدؐ! آپؐ کو ان سے کتنی قربت ہے؟" آپؐ نے جواب دیا: "جبریلؑ! یہ مجھ ہی سے ہے۔" جبریل علیہ السلام نے عرض کیا:۔ "اور میں آپ ہی سے ہوں۔" یہ روایت اسحاق نے ابن اسرائیل کے حوالے سے بیان کی ہے۔

ایک دفعہ کوئی سائل حضرت علیؓ کے سامنے آ کر کھڑا ہوا اور آپ سے کچھ مانگا، آپ نے اپنے بیٹے حسن سے فرمایا: "جاؤ اپنی والدہ سے کہو کہ اس سائل کو ایک درہم دے دیں۔" جناب حسن نے عرض کیا: "اس وقت گھر میں مشکل سے چھ درہم ہوں گے۔" آپ نے ان سے کہا "مومن مومن نہیں ہو سکتا اگر وہ خدا کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں دینے سے دریغ کرے۔"

یہ فرما کر آپ نے جناب حسن سے کہا: "جاؤ چھ کے چھ درہم سائل کو دے دو"

ایک روز ایک اونٹ والا اپنا اونٹ فروخت کرنے کی آواز لگاتا ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے سے گزرا۔ آپ نے اس سے پوچھا: کتنے کا ہے؟" وہ بولا: "ایک سو چالیس درہم کا۔" آپ نے اس سے اسی قیمت پر وہ اونٹ خرید لیا لیکن وہ آٹھ دن میں مرگیا۔ اس کے ایک آدھ دن ہی بعد ایک اور اونٹ والا اپنا اونٹ بیچتا ہوا آیا۔ آپ نے جب اس سے اس کی قیمت پوچھی تو وہ بولا: "سو درہم" وہ اونٹ نہایت تندرست اور موٹا تازہ تھا اس لیے آپ نے سوچا تھا کہ اس کی قیمت پہلے اونٹ سے کم کیا ہوگی اس لیے اسے ایک سو چالیس درہم دینا چاہتے تھے لیکن جب اس نے اپنی زبان سے سو درہم مانگے تو آپ نے اسے وہی دے کر اونٹ خرید لیا اور باقی بچے ہوئے چالیس درہم گھر میں جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیے۔ انہوں نے پوچھا "یہ کہاں سے آئے؟" آپ نے جواب دیا "اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ اس کی راہ میں جتنا کوئی دے گا اس کا دس گنا وہ اسے اس دنیا ہی میں دے دے گا۔" یہ کہہ آپ نے انہیں قرآن کی درج ذیل آیت پڑھ کر سنائی:۔

(مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا)

ایک روز ابن عباس کا ایک قبیلے کی طرف سے گزر ہوا جو رو رو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دے رہا تھا۔ ابن عباسؓ نے ان کے سربراہ کو بلا کر کہا: "تم لوگ خدا کو گالیاں دے رہے ہو۔" وہ بولا: "نعوذ باللہ ہم خدا کو گالیاں کیوں دینے لگے۔" ابن عباس نے کہا: "تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو گالیاں دے رہے ہو" وہ بولا "ہم بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ گالیاں دے سکتے ہیں؟" یہ سن کر ابن عباسؓ نے کہا: مگر تم علی (رضی اللہ عنہ) کو تو ابھی گالیاں دے رہے تھے۔" وہ بولا: "ہاں ہم انہیں ضرور برا بھلا کہہ رہے تھے اور گالیاں بھی دے رہے تھے۔" یہ سن کر ابن عباس جھٹ بولے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے جس نے مجھے گالی دی اس نے گویا خدا کو گالی دی اور جس نے علیؓ کو گالی دی اس نے گویا مجھے گالی دی۔" یہ سن کر وہ بہت شرمندہ ہوا اور اپنے قبیلے سے توبہ کرا کر بولا: "کچھ اور ارشاد فرمائیے۔" ابن عباس نے کہا: "اس وقت اتنا ہی کافی ہے۔"

ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل، آپ کے مراتب و مناقب اور آپ کے زہد و تقوے کے بارے میں اکثر و بیشتر باتیں زیر نظر کتاب میں درج کر دی ہیں لیکن اہل

تجسّس وتحقیق کے لیے ہم نے انہیں تفصیل وار آپ کے خطبات واقوال کے حوالے سے اپنی دوسری کتابوں "حدائق الاذہان فی اخبار آل محمد علیہ السلام"، "مزاہر الاخبار" اور "طرائف الآثار للصفوۃ النوریہ والذّاریۃ الزکیہ" کے ابواب الرحمت وینابیع الحکمت میں درج کیا ہے۔

حضرت علیؓ کے کچھ خصوصی فضائل

جن خاص باتوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہیں: ایمان میں سبقت وہجرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت اور آپؐ کی نصرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینا، کمال قناعت، کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم، جہاد فی سبیل اللہ، زہد وورع، احکام الٰہی کے مطابق فیصلے اور عدل وانصاف حکمت اور علم تفسیر پر عبور۔ ان جملہ باتوں میں آپ نے حصّہ وافر پایا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے ہجرت کے بعد مدینے پہنچ کر مہاجرین وانصار کو فرداً فرداً ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "تم میرے بھائی ہو۔" جس کے خلاف یا تردید میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کبھی کوئی آواز نہیں اُٹھی۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے اور ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا:-

(۱) "تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰؑ کے لیے تھے، فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔"

(۲) "جس کا میں آقا ہوں علیؓ بھی اس کے آقا ہیں۔"

(۳) "یا اللہ جو اس سے (علیؓ سے) محبت کرے تو اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔"

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے آپؐ نے حضرت علیؓ سے اور ان کے بارے میں یہ کلمات فرما کر ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دُعائے خیر وبرکت فرمائی۔

ایک روز جناب انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بریاں پرندہ پیش کیا تو آپ نے یہ دُعا فرمائی۔

"یا اللہ تو اس وقت اس شخص کو بھیج دے جسے میں تیرے بندوں میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں تاکہ وہ یہ مرغ بریاں کھانے میں میرے ساتھ شریک ہو جائے۔" ابھی اس دُعا کا آخری لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا ہی تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کو دروازے میں

داخل ہوتے ہوئے آپ کو نظر آ گئے۔

جتنے فضائل اور خصائل حسنہ اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندوں کو تقدیم و تاخیر سے ملے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ شخصیت میں ایک جگہ جمع ہو گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کے وقت تک اپنے صحابہ اور دیگر پیروان اسلام کے ظاہر و باطن کی خبر تھی اور آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا تھا، اس وقت تک آپؐ کے جملہ پیرو کلامِ الٰہی کی صداقت پر متفق اور باہم رشتۂ اخوت و محبت میں منسلک اور بہر نوع مربوط تھے لیکن آپؐ کی وفات کے بعد جب سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا تو چند مخصوص افراد کے علاوہ جن میں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی قریب ترین شخصیت یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اکثر و بیشتر لوگوں کا وہ یقین جو انہیں قرآن پاک پر آپ کی وفات تک حاصل تھا متزلزل ہوتا چلا گیا اور وہ قابل افسوس حادثات رونما ہوئے جو تاریخ کے اوراق پر ثبت ہو کر اہل اسلام کے لیے آج تک باعثِ ندامت بنے ہوئے ہیں۔

ہم نے ان تاریخی واقعات کو پوری تحقیق و تدقیق اور چھان بین کے بعد پچھلے صفحات میں جگہ دی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

باب (۴۷)

ذکر خلافتِ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما

کوفے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے دو روز بعد ماہ رمضان ۴۰ھ ہجری میں ان کے فرزند اکبر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم کو جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جناب حسن رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تھا اور اپنے عامل مختلف اسلامی مقبوضات کو جن میں کوہستانی علاقے بھی شامل تھے روانہ کر دیے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح ہو جانے کے بعد ۴۱ھ ہجری میں جب کہ ماہ رمضان کے اختتام میں پانچ روز باقی تھے معاویہ کوفے میں داخل ہوئے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات اس وقت ہوئی جب آپ کی عمر پچپن سال تھی، آپ کو زہر دیا گیا تھا۔ آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قبر کے برابر بقیع میں دفن کیا گیا۔

حضرت حسنؓ کی سیرت اور کچھ حالات و کوائف

جعفر بن محمد نے اپنے والد اور دادا علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جناب حسن رضی اللہ عنہ جب انہیں زہر دیا گیا تو ان کے چچا کے پاس آئے کچھ دیر کھڑے رہے، پھر رفع حاجت کے لیے چلے گئے، اس کے بعد واپس آکر بولے: مجھے پہلے بھی کئی بار زہر دیا گیا ہے، لیکن ایسا کبھی نہیں دیا گیا، اب کے تو جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر میرے ہاتھوں میں آ رہے ہیں۔ یہ سن کر حسینؓ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے پوچھا: بھائی

آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟" جناب حسن نے ان سے پوچھا: "تمہارا اس سوال سے مقصد کیا ہے؟" جناب حسینؓ نے کہا:-

"جس پر میرا شک ہے اگر یہ اسی کا کام ہے تو پھر اسے میرے ہاتھ سے خدا ہی بچا سکتا ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور ہے تو بھی میں اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

تین دن اسی ردّو قدح میں گزر گئے لیکن جناب حسنؓ کسی کا پتہ بتائے یا نام لیے بغیر وفات پا گئے۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا اور اسے معاویہ نے اس کام پر اکسایا تھا، معاویہ نے اس سے کہا تھا کہ اگر اس نے یہ کام کر دیا تو وہ اسے ایک لاکھ درہم دینے کے علاوہ اپنے بیٹے یزید سے اس کی شادی کر دیں گے جب جعدہ نے معاویہ کے حسب منشا جناب حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر مار ڈالا تو معاویہ نے اسے حسب وعدہ ایک لاکھ درہم تو بھیج دیے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہلوایا:

"ہمیں یزید کی زندگی عزیز ہے، اگر اس کے ساتھ تیری شادی کر دی گئی تیرے ہاتھوں اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے رحلت سے کچھ دیر قبل فرمایا تھا کہ انہیں شربت میں زہر دیا گیا تھا اور انہوں نے اسے بے جھجک پی لیا تھا کیونکہ انہیں اپنی بیوی کی وفا پر شک نہیں تھا۔ بہرکیف اگر اس نے کسی کے کچھ وعدہ کرنے پر یہ کام کیا ہے تو بخدا وہ شخص اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گا اور وہ پچھتائے گی۔

جعدہ کے اس فعل قبیح کے بارے میں شاعر نجاشی نے جو شیعان علیؓ میں سے تھا ایک طویل نظم کہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور عرب شاعر نے بھی جعدہ کے اس فعل کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں اس فعل مذموم کی مذمت کی گئی ہے۔

میں نے ابوالحسن علی بن محمد بن سلیمان نوفلی کی کتاب "الاخبار" میں مندرجہ ذیل باتیں پڑھی ہیں جو اس نے صالح بن علی بن عطیہ العصم کی زبانی سُن کر لکھی ہیں، وہ لکھتا ہے:-

"ہم سے عبدالرحمٰن بن عباس ہاشمی نے جو کچھ بیان کیا وہ انہوں نے ابی عون صاحب الدولہ سے سُنا تھا، ابی عون صاحب الدولہ نے بیان کیا کہ ان سے یہ باتیں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے کہی تھیں اور بتایا تھا کہ انہوں نے اپنے والد سے اور ان کے والد نے ان کے دادا سے

سُنا کہ ایک روز وہ یعنی عباس بن عبدالمطلب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ علی بن ابی طالب بھی وہاں آ گئے تو آپ ان کا چہرہ بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ عباس بن عبدالمطلب نے بیان کیا ہے :۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "آپ اس نوجوان کا چہرہ اس قدر غور سے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "چچا جان! میں اس نوجوان کو بہت زیادہ چاہتا ہوں، یہ میرے بعد نبی تو نہیں ہو سکتا لیکن اس کے صُلب سے جو اولاد ہوگی وہ درحقیقت میری اولاد ہوگی۔ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے تمام بندوں کو فرداً فرداً ان کی ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے لیکن اس کی ذریات کو ایک ایک کرکے ان کے باپوں کے نام سے آواز دی جائے گی جس کی وجہ ان کی صُلبی صحت ہوگی۔"

جناب حسن کی وفات پر محمدؐ حنفیہ کا مرثیہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد آپ کے بھائی محمد حنفیہ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر بطور مرثیہ یہ کہا: آپ کی زندگی اور موت دونوں باوقار ہیں، آپ کے کفن سے آپ کی پاک رُوح کی خوشبو آ رہی تھی اس لیے کہ وہ آپ کے طاہر جسم پر تھا، ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ باہدایت اور ایک متقی باپ کے بیٹے تھے، آپ اہل کِسا کے پانچویں فرد تھے آپ نے ہمیشہ اکل حلال پر گزر بسر کی بلکہ آپ کی رضاعت بھی ایمان ہی کا ایک جزو تھی۔ درحقیقت آپ کی حیات کی طرح آپ کی موت بھی طیب و پاکیزہ ہوئی (یعنی جس طرح آپ زندگی کے ہر دور میں مسکراتے رہے اس طرح مسکراتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے) لیکن اے ابا محمد ہمیں آپ کی جدائی ہمیشہ تڑپاتی رہے گی) اللہ آپ پر رحم فرمائے۔"

اس کے بعد المسعودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

"ابوالحسن علی بن محمد بن سلیمان نوفلی کی کتاب "الاخبار" کے مطالعے کے بعد اہل بیت کے بارے میں جو روایات میری نظر سے گزری ہیں ان کے مطابق محمد حنفیہ نے جناب حسن بن علی بن ابی طالب کی قبر پر کھڑے ہو کر جو الفاظ فرمائے تھے وہ درج ذیل ہیں :۔

"اے ابا محمد! آپ کی زندگی پاکیزہ اور مسکراتے گزری لیکن آپ کی رحلت پر لوگ گریہ کناں ہیں کیونکہ آپ خامس اہل کِسا، ابن محمد مصطفٰےؐ، ابن علی مرتضٰیؓ، ابن فاطمہ زہراؑ اور ابن شجر طوبیٰ تھے۔"

"اس کے بعد محمد حنفیہ نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کی قبر پہ کھڑے کھڑے ہی فی البدیہہ کچھ اشعار بھی پڑھے جن میں انہوں نے اپنے بھائی جناب حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کے بعد ان کی وفات کو ایک بہت بڑا حادثہ اور اہل اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا تھا۔"

"خلافتِ جناب حسن رضی اللہ عنہ اور صلح حسن و معاویہ کے سلسلے میں جو مصدقہ روایات میری نظر سے گزری ہیں ان سے دورِ خلافت راشدہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کی بھی تصدیق ہوتی ہے، آپ نے فرمایا تھا "میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی کی روشنی میں حساب لگایا جائے تو خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت سے لے کر جناب حسن رضی اللہ عنہ کے اختتام خلافت تک کل تیس سال بنتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ	دو سال، تین مہینے، آٹھ دن
۲۔ خلافت عمر رضی اللہ عنہ	دس سال، چھ مہینے، چار راتیں
۳۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ	گیارہ سال، گیارہ مہینے، تیرہ دن
۴۔ خلافت علی رضی اللہ عنہ	چار سال، سات مہینے، ایک دن
۵۔ خلافت حسن رضی اللہ عنہ	آٹھ مہینے، دس دن
	میزان کل ... تیس سال

"محمد بن جریر طبری، محمد بن حمید رازی، علی بن مجاہد، محمد بن اسحٰق اور فضل بن عباس بن ربیعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"عبداللہ بن عباس جب معاویہ کے پاس وفد لے کر گئے تو پہلے مسجد میں تشریف لے گئے وہاں انہوں نے معاویہ کو اہل خضراء میں نعرۂ تکبیر بلند کرتے سنا، ان کے ساتھ اہل خضراء نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا، جب ان لوگوں نے جو اس وقت مسجد میں موجود تھے اہل خضراء کو نعرۂ تکبیر بلند کرتے سنا تو ان کی تقلید میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے لگے۔ ابن عباس نے دیکھا کہ یہ نعرے سن کر فاختہ بنت قرظہ بن عمرو بن نوفل بن عبد مناف گھر سے باہر آئی اور اس نے معاویہ سے پوچھا: "یا امیر المومنین اللہ آپ کو خوش رکھے آج ایسی کیا خبر آئی ہے جو آپ

اس قدر خوشی سے نعرے لگا رہے ہیں؟ فاختہ کے جواب میں معاویہ بولے: "حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر آئی ہے۔" فاختہ نے جب یہ سُنا تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر رونے لگی، پھر بولی: "آہ سید المسلمین، ابن بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے!"

معاویہ نے کہا: "ہاں، یہ درست ہے لیکن تو اس طرح کیوں رو رہی ہے جیسے تیرا کوئی رشتے دار مر گیا ہو؟

جب ابن عباس کی آمد کی خبر معاویہ کو ملی تو وہ اور زیادہ خوش ہوئے اور جس وقت اول الذکر ان کے پاس پہنچے تو وہ ان سے بولے: "ابن عباس! میں نے سُنا ہے کہ حسنؓ وفات پا گئے۔"

ابن عباس نے کہا: "جی ہاں لیکن کیا آپ ان کی وفات کی خبر سُن کر خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کر رہے تھے؟"

معاویہ نے جواب دیا: "ہاں۔"

ابن عباس یہ سُن کر بولے: "ان کی موت سے آپ کی موت مؤخر نہیں ہو سکتی نہ ان کے زیر زمین جانے سے آپ کے زیر زمین جانے میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ ہم پر ایک مصیبت اُس وقت آئی تھی جب سید المرسلین، امام المتقین، رسول رب العالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی، اس کے بعد سید الاوصیا رخصت ہوئے، ہم نے یہ سب مصائب رضائے الٰہی سمجھ کر جھیلے ہیں۔"

ابن عباسؓ کی زبان سے یہ سُن کر معاویہ بولے:۔

"ابن عباس! تمہارا بُرا ہو، میں نے کچھ ایسی بات تو نہیں کہی جس پر تم اتنا بگڑ رہے ہو۔"

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ جب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح نامے کی منظوری کی خبر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے خوشی سے اُچھل کر نعرۂ تکبیر بلند کیا، ان کی دیکھا دیکھی اہل خضراء نے بھی وہی نعرہ لگایا تو اس وقت مسجد میں موجود نمازیوں نے بھی نعرے لگانے شروع کر دیے، ان نعروں کی آواز سُن کر فاختہ بنت قرظہ حیران ہوتی ہوئی گھر سے نکلی اور معاویہ سے کہا: "یا امیر المومنین! خدا آپ کو خوش رکھے ایسی کیا خبر آئی ہے جس پر آپ اس قدر مسرت کا اظہار فرما رہے ہیں؟" فاختہ کے سوال کا جواب معاویہ نے یہ دیا:۔

"حسن (رضی اللہ عنہ) نے ہم سے صلح کر لی ہے اور ہماری اطاعت پر راضی ہو

گئے ہیں، یہ بہت بڑی خوش خبری ہے۔"

یہ سُن کر فاختہ بنت قرظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پڑھی کہ "میرا یہ بیٹا جو اہل جنت کا سردار ہے اللہ کے حکم سے دو حریفوں میں صلح کرائے گا" پھر بولی: "الحمدللہ کہ اللہ تعالےٰ نے دو حریفوں میں سے ایک حریف کے ذریعے دو مخالف گروہوں میں صلح کرادی ہے۔"

"ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب جناب حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ سے صلح کی تو معاویہ خود بھی کوفے میں موجود تھے، عمرو بن عاص نے ان سے کہا: "آپ حسن (رضی اللہ عنہ) سے فرمایئے کہ وہ لوگوں کو خطبہ دیں۔"

معاویہ بگڑ کر بولے: "کیا تم چاہتے ہو کہ میں آج بھی لوگوں کو مخاطب کرنے میں انہیں اولیت دوں؟"

عمرو بن عاص نے کہا: "میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ آپ سے پہلے لوگوں کو مخاطب کر کے صلح کی وضاحت کریں اور انہیں بتائیں کہ انہوں نے (حسنؓ نے) آپ کی بیعت کر کے آپ کی اطاعت پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہے۔"

معاویہ یہ سُن کر لوگوں سے مخاطب ہوئے جس کے بعد جناب حسن رضی اللہ عنہ کو آدمی بھیج کر بلوایا گیا، اس کے بعد معاویہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو مخاطب کرنے کی درخواست کی۔ جناب حسن رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ سے جو صلح کی وجہ سے آپ سے کشیدہ تھے حمد وثنا کے بعد یوں فی البدیہہ خطاب فرمایا:-

"لوگو! ہم میں سے پہلے فرد نے تمہارے لیے سامان ہدایت فراہم کیا اور آخری شخص نے تمہارے خون کا تحفظ کیا، حکومت عارضی ہوتی ہے اور دنیا آنی جانی ہے، اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے (قُل اِن اَدرِی اقریب ام بعید ما توعدون انہ یعلم الجہر من القول ویعلم ما تکتمون، وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین) قرآن کی یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد آپ نے اہل کوفہ سے فرمایا: "اے اہل کوفہ! میں تم سے کبھی دست بردار نہ ہوتا لیکن تمہاری تین باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے مجھے تم سے دست بردار ہونا پڑا ہے۔ ایک تو یہ کہ تم میرے والد کے قتل کا سبب بنے ہو، دوسری بات یہ ہے کہ تم مجھے بھی بوجھ سمجھ رہے ہو، تیسری اور

آخری بات یہ ہے کہ تم میرے پیچھے مجھے اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتے، لہٰذا میں نے معاویہ کی بیعت کر لی ہے۔ اب تم انہیں کی بات سُنو اور انہیں کی اطاعت کرو۔"

"جب اہلِ کوفہ کو جناب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ کے ساتھ صلح کا یقین ہو گیا تو کچھ لوگوں نے آپ کے خیمے میں شگاف کیا، اس میں سے گزر کر آپ کے بستر تک پہنچے اور ان میں سے ایک شخص نے آپ کے شکم میں خنجر گھونپ دیا (ہر چند کہ یہ زخم مہلک ثابت نہ ہوا لیکن فطرتِ اہلِ کوفہ کی قلعی کھل گئی۔"

"جب حضرت علی رضی اللہ عنہ زخمی ہونے کی وجہ سے بستر سے اُٹھنے سے معذور تھے تو آپ نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ وہ مسجد تشریف لے گئے تھے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر حمد و ثنا کے بعد نمازیوں سے یوں مخاطب ہوئے تھے: اللہ تعالےٰ نے کبھی کسی کو اپنا نبی نہیں بنایا جب تک اس کا کوئی نقیب، اس کے اپنے کچھ لوگ اور اس کا گھر منتخب نہ کر لیا۔ پس جب اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت نبی مبعوث فرمایا تو وہ ہمیں جو آپؐ کے اہلِ بیت تھے ہمارے حق سے کس طرح محروم رکھتا اِلاّ یہ ہم (نعوذ باللہ) اس کے کسی حکم سے سرتابی کرتے، ہمارے حصّے میں دُنیا کی دولت و حکومت نہیں آئی بلکہ اجرِ آخرت آیا ہے، لہٰذا ہمارے بارے میں آپ لوگ خود سوچ سمجھ سکتے ہیں۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں جب بھی کہیں کوئی خطبہ دیا تو لوگوں سے اس کے دوران میں یہ ضرور فرمایا:-

"ہم حزب اللہ ہیں اور اس کی طرف سے انسانوں کی فلاح پر مامور ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت ہیں، آپؐ کے قریب ترین عزیز یعنی آپ کے طاہر و طیب اہلِ بیت ہیں، ہم ثقلین میں سے ایک ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتِ وفات چھوڑا ہے، دوسری چیز ثقلین میں کتاب اللہ ہے جس میں وہ سب تفصیلات موجود ہیں جنہیں آپ کی دنیاوی زندگی میں کوئی باطل ٹھہرا سکا نہ آپ کی وفات کے بعد قیامت تک کوئی باطل ٹھہرا سکے گا۔ جو کچھ کتاب اللہ میں ہے ہم نے اسے سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کی بلکہ اس کے تیقن کی دوسروں کو بھی اسی طرح ہدایت کی ہے جس طرح خود اس کا یقین کامل کیا ہے، پس تمہارے لیے ہماری اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح تم پر حکم الٰہی کے تحت اللہ اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولوالامر کی اطاعت فرض ہے، واضح رہے کہ ہم اولوالامر مفروضہ میں ہیں۔ قرآن کی اس آیت پر غور کرو۔

(فَاِن تنازعتم فِی شیءٍ فَرُدُّوہُ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ … ولو ردّوہ الی الرَّسُوْلِ، والی الامر منھم لَعَلِمَہُ الذین یستنبطونہ منھم) شیطان کے دھوکے سے بچو کہ وہ تمہارا کُھلم کُھلا دشمن ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے دوست بن جاؤ جن کے متعلق آپؐ نے فرمایا ہے (لا غالب لکم الیوم من النّاس وانّی جاء لکم۔ ترجمہ) لیکن جب آپؐ نے اپنے بعد دو گروہوں کے باہمی تنازعات پر غور فرمایا تو ان سے ارشاد فرمایا (میں اس وقت کے لیے تم سے بری الذمہ ہوتا ہوں جو میرے آج بھی پیشِ نظر ہے لیکن تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو۔ ترجمہ) آپؐ کا اشارہ اسی وقت کی طرف تھا جب نیزے بلند ہوں، تلواریں چمک رہی ہوں، عزائم نیک نہ ہوں بلکہ صرف تیر اندازی سے غرض ہو۔ یاد رکھو اس وقت کسی کا خالی خولی ایمان کام نہیں آئے گا جب تک ایمان پر کامل بھروسہ نہ ہوگا اور اسے صرف اکتسابِ خیر کے لیے کام میں نہ لایا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(ختم شد ترجمہ جلد دوم)

کوکب شادانی عفی عنہ

۸۶۳/۱۵، دستگیر کالونی، فیڈرل ایریا، کراچی ۳۸

اشاریہ (شخصیات)

مروج الذہب و معاون الجوہر

حصّہ اوّل

مرتبہ: مشرف احمد



اشاریہ (شخصیات)

مروج الذہب ومعاون الجواہر

مرتبہ: مشرف احمد

حصّہ دوم

(ق)

(ک)



اشاریہ بلاد و امصار

حصّہ اوّل

اشاریہ (بلاد وامصار)
حصّہ دوم